سیرت نبوی پر اوّل انعام یافتہ کتاب

الصادق الامین ﷺ

ڈاکٹر محمد لقمان السلفی حفظہ اللہ

AL-FURQAN TRUST

سیرتِ نبوی ﷺ کا ایک مستند شاہکار

الصّادق الامین ﷺ

تصنیف

ڈاکٹر محمد لقمان السلفی

صلی اللہ علیہ وسلم

AL-FURQAN TRUST

الفرقان ٹرسٹ، خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب

الصَّادق الامین

تصنیف

ڈاکٹر محمد لقمان السلفی

سعودی عرب

دار العلوم الندیه للنشر والتوزیع

س ت: ١٠١٠٢٠٤٨٧٦

فرع: مرکز الجامع التجاری شارع باخشب جده

معرض: ٠٢٦٣٣٦٦٤٠ فاکس: ٠٢٦٨٧٤٥٥٧

المکتب الرئیسی الریاض، حي الفیصلة

هاتف: ٠١٢٤٢٣١٢٦

مکتبه دار الفرقان، الریاض

هاتف: ٠١-٤٣٥٨٦٤٦، ٠٥٦٣٠٦٤٧٣٦، ٠٥٠٧٤١٩٩٢١

مکتبه بیت السلام، الریاض

هاتف: ٠١-٤٤٦٠١٢٩، ٠٥٠٥٤٤٠١٤٧، ٠٥٠٢٠٣٣٢٦٠

پاکستان

الفرقان ٹرسٹ: خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، گل والا فون: 066-2611270

مکتبہ الکتاب: حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0321-4210145

ڈیلرز

اسلامی اکیڈمی: الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-7357587

کتاب سرائے: الحمد مارکیٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-7320318

نعمانی کتب خانہ: حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-7321865

مکتبہ اسلامیہ: غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-7244973

مکتبہ قدوسیہ: غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-7351124

دار الاندلس: 4-لیک روڈ، چوبرجی لاہور فون: 042-7230549

فضلی بک سپر مارکیٹ: نزد ریڈیو پاکستان کراچی فون: 021-2212991

AL-FURQAN TRUST

22670

فہرست مضامین

- ❀ عرضِ ناشر ---------- 33
- ❀ مقدمۂ کتاب ---------- 35
- ❀ نقشۂ سعودی عرب ---------- 42
- ❀ ابتدائیہ ---------- 43
- ❀ نقشۂ شبہ جزیرۃ عربیہ ---------- 44
- ❀ جزیرۂ عرب محلِ وقوع، خصوصیات ---------- 45
  - ○ محلِ وقوع ---------- 45
  - ○ جزیرۂ عرب کی تقسیم ---------- 45
- ❀ نقشۂ عہد جاہلیت میں عرب کے مشہور و معروف بازار ---------- 49
- ❀ جزیرۂ عرب کے باشندے ---------- 50
- ❀ مکہ اور اس کے اوّلین باشندے ---------- 51
  - ○ مکہ میں ابراہیم کی آمد ---------- 51
  - ○ ہاجرہ اور ان کے بیٹے اسماعیلؑ مکہ میں ---------- 52
  - ○ مکہ میں قبیلہ جرہم کی سکونت ---------- 53
  - ○ مکہ میں ابراہیم علیہ السلام کی آمد کی تعداد ---------- 53
  - ○ ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ وہ اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں ---------- 53
  - ○ پہلا سفر ---------- 54
  - ○ دوسرا سفر ---------- 54
  - ○ تیسرا سفر ---------- 55
  - ○ چوتھا سفر ---------- 55
  - ○ پانچواں سفر: خانہ کعبہ کی تعمیر ---------- 56
  - ○ دعائے ابراہیمی: اے اللہ! توحید کی بنیادوں کو مضبوط کر دے، اور آخری نبی کو میری اولاد میں پیدا کر ---------- 56
  - ○ ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں میں حج کا اعلان کیا ---------- 58
  - ○ اسماعیل علیہ السلام، ان کے بیٹے اور ان کی اولاد ---------- 59

○ قُصَی بن کلاب قرشی ---- 60
○ بنونضر کا نام قریش ---- 60
○ عبد مناف، اُس کا بیٹا ہاشم اور اُس کے بیٹے ---- 61
○ مدینہ میں ہاشم کی شادی اُمّ عبدالمطلب سے ---- 62
○ عبدالمطلب اور اس کے بیٹے ---- 63
❀ عبدالمطلب کی زندگی میں تین اہم واقعات ---- 64
○ (۱) زمزم کی کھدائی ---- 64
○ (۲) عبدالمطلب کی نذر کہ وہ اپنے ایک بیٹے کو اللہ کے لیے ذبح کریں گے، اور قرعہ عبداللہ کے نام نکلا ---- 65
○ (۳) واقعۂ اَصحاب فیل ---- 66
❀ نقشۂ مکہ مکرمہ ---- 69
❀ عرب آبادیاں اور اِمارتیں ---- 70
○ شاہانِ یمن ---- 70
○ جزیرۂ عرب میں یہودیت ومسیحیت ---- 71
○ شاہانِ ضجاعمہ وغساسنہ دیارِ شام میں ---- 72
○ حیرہ عراق میں شاہانِ مناذرہ ---- 73
○ حضر موت میں امرائے کندہ ---- 73
○ مکہ اور حجاز کے دیگر شہروں میں حکومت ---- 74
○ بدوی قبائل کی حکومت ---- 76
❀ زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی سیاسی زندگی ---- 78
○ عرب قومیں اور فارس وروم کی حکومتیں ---- 78
○ سیاسی قراردادوں میں مکہ کا کردار ---- 78
❀ اجتماعی زندگی ---- 80
○ لوگوں کی تین قسمیں جن سے عربوں کی اجتماعی زندگی بنتی تھی ---- 80
(۱) طبقۂ صُرَحاء ---- 80
(۲) طبقۂ موالی ---- 80
(۳) طبقۂ عبید ---- 80
○ عربوں میں اچھی اور بُری خصلتیں ---- 80

❀ اقتصادی زندگی ---------- 83
○ صنعت و حرفت کی قسمیں اور تجارت و اقتصاد ---------- 83
❀ دینی زندگی ---------- 85
○ جاہلیت اُولیٰ کے عرب بُت پرست ---------- 85
○ عربوں کا قبولِ دینِ ابراہیمی ---------- 85
○ بُتوں کو کن لوگوں نے اپنا معبود بنایا ---------- 85
○ مکہ اور حجاز میں بتوں کو کس نے داخل کیا؟ ---------- 86
○ اسلام سے پہلے عربوں میں عام بُت پرستی ---------- 87
○ روحوں، جنوں، ستاروں اور آگ پر عربوں کا ایمان ---------- 88
○ تیروں کے ذریعہ فال نکالنا ---------- 89
❀ عرب ممالک میں یہودیت ونصرانیت ---------- 89
○ سرزمینِ یمن میں یہودیوں کا اجتماع ---------- 90
○ سرزمینِ حجاز میں یہودیوں کا اجتماع ---------- 90
○ دینِ ابراہیمی کی تلاش ایک دینی تحریک ---------- 93
❀ زمانہ جاہلیت قوموں کی تاریخ میں بدترین زمانہ ---------- 96
○ زمانہ جاہلیت سے مراد کیا ہے ---------- 96
○ زمانہ جاہلیت ثانیہ یا مطلق زمانہ جاہلیت ---------- 96
❀ غیر عرب ممالک کی سوسائٹیوں اور اَدیان پر ایک نظر ---------- 97
(۱) یہودیت ---------- 97
(۲) مسیحیت ---------- 98
○ روم کی مسیحی حکومت ---------- 98
○ اقوامِ یورپ ---------- 99
○ آتش پرست ایران کی حکومت ---------- 99
○ ہندوستان اور اس کے مذاہب ---------- 101
(۱) ہندوازم ---------- 101
ہندوازم میں انسانوں کے چار طبقے ---------- 102
(۲) بدھ ازم ---------- 102

(۳) جیمز ازم -- 102
❀ بعثتِ رحمۃ للعالمین ﷺ کی ضرورت -- 104
❀ بعثتِ نبوی کی بشارتیں -- 106
○ (۱) دعائے ابراہیم علیہ السلام اور بشارت عیسیٰ علیہ السلام -- 108
○ (۲) تخلیقِ آدم سے قبل ملا اعلیٰ میں آپ ﷺ کا ذکرِ جمیل -- 108
○ (۳) یہود کو قربِ زمانہ نبی کریم ﷺ کا علم -- 109
○ (۴) مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے انتظار میں ابن الہیبان یہودی شامی کی وفات -------- 110
○ (۵) تورات میں آپ ﷺ کی صفات -- 111
○ (۶) انجیل میں آپ ﷺ کی صفات -- 113
(ا) یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) کی شہادت کہ نبی منتظر کا نام محمد ہے -- 113
(ب) مسیح علیہ السلام نے "فارقلیط" کی بعثت کی خبر دی، جس کا معنی "احمد" ہے -- 114
(ج) جبلِ فاران مکہ سے خاتم النبیین کا ظہور -- 115
(د) عموریہ کے راہب نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ سے نبی خاتم ﷺ کے ظہور کی خبر دی -- 115
(ہ) نجاشی کی گواہی کہ انجیل میں مذکور نبی محمد ﷺ ہی ہیں -- 116
(و) ہرقل کی شہادت کہ انجیل میں مذکور نبی آپ ﷺ ہی ہیں -- 116
○ (۷) آپ ﷺ کی بعثت کے بارے میں عرب کاہنوں کی خبریں -- 117
❀ جزیرۂ عرب کی وہ خوبیاں جن کے سبب یہ سرزمین خاتم النبیین (ﷺ) کی بعثت سے مشرف ہوئی -------- 119
○ (۱) جزیرہ نمائے عرب کا طبعی اور جغرافیائی محلِ وقوع -- 120
○ (۲) جزیرۂ عرب ایک زبردست مضبوط قلعہ -- 121
○ (۳) اقوام عرب کا اہلِ قریش کی فصیح زبان پر اتفاق -- 122
○ (۴) مقام مکہ اور بیت اللہ کی فضیلت -- 123
○ (۵) مکہ مکرمہ کا محلِ وقوع اور اس کی اہمیت -- 125
❀ نبی کریم ﷺ کا نسبِ مبارک -- 127
○ آپ ﷺ نسب کے اعتبار سے اہلِ زمین میں سب سے اچھے ہیں -- 127
○ آپ ﷺ کا نسب عدنان تک -- 128
❀ رسول اللہ ﷺ کے والدین -- 130
○ والد عبداللہ بن عبدالمطلب -- 130

○ والدہ آمنہ بنت وہب ---------- 130
❀ آپ ﷺ کے حالات ولادت سے بعثت تک ---------- 132
○ ولادت ---------- 132
❀ دودھ پلانے والی عورتیں ---------- 134
○ اُمِ ایمن برکہ حبشیہ رضی اللہ عنہا ---------- 134
○ ثویبہ ابولہب کی لونڈی رضی اللہ عنہا ---------- 134
○ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ---------- 135
○ شق صدر اور شیطان کے حصہ کا نکالا جانا ---------- 138
○ والدہ کی وفات اور دادا کی کفالت ---------- 139
❀ ابوطالب کی کفالت میں ---------- 141
○ جاہلیت کی آلائشوں اور بتوں کی پرستش سے حفاظت ---------- 141
○ چچا کے ساتھ شام کا سفر اور بحیرا راہب کی بات ---------- 142
○ فجار کی لڑائی ---------- 143
○ حلف الفضول (عہد نامۂ کارہائے خیر) ---------- 143
○ بکریاں چرانا اور تلاشِ معاش کے لیے تگ ودو ---------- 145
○ کاروبار تجارت ---------- 146
○ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر تجارت کے لیے دوبارہ ملکِ شام کا سفر ---------- 146
○ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی شادی ---------- 147
○ تعمیرِ کعبہ اور آپ ﷺ کے ہاتھوں حجرِ اسود کا رکھا جانا ---------- 149
○ نبی کریم ﷺ کا بتوں سے بغض وعداوت ---------- 151
○ امورِ جاہلیت سے آپ ﷺ کی حفاظت ---------- 152
○ ''الصادق الامین'' کا لقب ---------- 153
○ حجر وشجر آپ ﷺ کو سلام کرتے تھے ---------- 155
❀ آخری آسمانی رسالت کے لیے آپ ﷺ کی شخصیت کی تکمیل ---------- 156
❀ آفتاب عالم تاب جبلِ فاران سے طلوع ہوتا ہے ---------- 160
○ تنہائی اور عزلت پسندی ---------- 160
○ روشنی دیکھنے اور اپنے متعلق آوازیں سننے ---------- 160

○ غارِ حرا میں اللہ کی عبادت ---------- 161
○ سچے خواب کی تعبیر صبح صادق کی طرح ظاہر ہوتی ---------- 161
❀ بعثت اور ابتدائے وحی ---------- 163
○ ورقہ بن نوفل نے کہا: ان کے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے ---------- 163
○ آپ ﷺ کی بعثت ---------- 164
○ آپ ﷺ کے بارے میں ایک باطل تہمت کی تردید ---------- 165
○ ابتدائے دعوتِ اسلامیہ ---------- 166
○ وجوبِ نماز، خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ایمان لانا، اور آپ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کرنا ---------- 168
○ رسول اللہ ﷺ پر نزولِ وحی کی کیفیت ---------- 169
○ وحی کی اقسام اور اس کی شکلیں ---------- 171
❀ دعوتِ اسلامیہ خفیہ طور پر ---------- 173
○ سرزمین پر پہلے مسلمان ---------- 173
○ سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ---------- 173
○ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ---------- 174
○ سیدنا زید بن حارثہ بن شرحبیل کلبی رضی اللہ عنہ (آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام) ---------- 175
○ سیدنا ابوبکر بن ابی قحافہ تیمی قرشی رضی اللہ عنہ ---------- 175
○ اسلام کی طرف سبقت کرنے والے دیگر صحابۂ کرام ---------- 177
○ سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کا اسلام ---------- 177
○ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اسلام ---------- 177
○ سیدنا ضماد الازدی رضی اللہ عنہ کا اسلام ---------- 178
○ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اسلام ---------- 178
○ جنوں کا نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا اور اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دینا ---------- 180
○ مکہ میں دعوتِ اسلامیہ کی خبریں پھیلنے لگیں ---------- 181
❀ اعلانیہ دعوتِ اسلام ---------- 182
○ صفا پہاڑی کے اوپر سے قریش کو دعوتِ اسلام ---------- 182
○ ابولہب اور اس کی بیوی کی آپ ﷺ سے عداوت ---------- 182
○ دعوت الی اللہ کا اعلانِ عام ---------- 185

○ وفودِ حجاج کو کہنا کہ محمد (ﷺ) جادوگر ہے ---------- 185

○ سیدنا طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا اسلام ---------- 187

○ رسول اللہ ﷺ کی کشتی رکانہ کے ساتھ ---------- 188

○ صدائے حق کو خاموش کرنے کی انتہائی کوشش ---------- 188

○ ابو طالب کا موقف ---------- 189

○ قریش کی عداوت انتہاء کو پہنچ گئی ---------- 190

○ قریش کے غیر معقول مطالبات ---------- 191

○ معجزۂ شق القمر ---------- 192

○ اصحابِ کہف، ذوالقرنین اور روح کے بارے میں سوال ---------- 192

○ اکابرِ مجرمینِ مکہ ---------- 193

○ ابوجہل ---------- 193

○ زعمائے قریش کو قتل وہلاکت کی دھمکی ---------- 201

○ قریش پر آپ ﷺ کی بددعا ---------- 202

○ روم کے اہلِ کتاب کا فارس کے مجوسیوں پر غلبہ اور دعوتِ اسلامیہ پر اس کا خوشگوار اثر ---------- 202

○ سرزمینِ مکہ رسول اللہ ﷺ پر تنگ ہوگئی ---------- 204

○ کمزور مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں عذاب دیا جانا ---------- 205

❀ ہجرتِ حبشہ ---------- 210

○ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرتِ حبشہ کی اجازت ---------- 210

○ بطلانِ قصۂ غرانیق ---------- 211

○ قریش کا نجاشی کو مہاجرین کے خلاف اُبھارنا ---------- 212

○ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی نجاشی کے دربار میں ---------- 213

○ قریش مکہ کے نمائندوں کی ناکام واپسی ---------- 214

○ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرتِ حبشہ کا ارادہ کیا ---------- 215

○ نجاشی کا نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا اور حالتِ اسلام میں وفات پانا ---------- 216

❀ سیدنا حمزہ اور عمر رضی اللہ عنہما کا قبولِ اسلام ---------- 217

○ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام ---------- 217

○ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام ---------- 218

❀ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی علانیہ سازش ---------- 222

○ مکمل سماجی بائیکاٹ ---------- 222

○ عہد نامہ نا مسعود کا خاتمہ ---------- 223

○ وفد نصاریٰ نجران کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ---------- 225

○ قریش کا آپ ﷺ کے بارے میں ابو طالب سے ان کی موت کے وقت بات کرنا ---------- 226

○ ابو طالب کی وفات، اور آخرت میں اُن کا انجام ---------- 227

○ سیدہ خدیجہ ؓ کی وفات ---------- 230

○ سیدہ عائشہ اور سیدہ سودہ ؓ سے آپ ﷺ کی شادی ---------- 231

○ ابو طالب کی وفات کے بعد اوباشِ قریش کی نبی کریم ﷺ کے ساتھ گستاخیاں ---------- 233

○ آپ ﷺ کا دعوتِ اسلامیہ کے لیے سفرِ طائف ---------- 233

○ اہلِ طائف کی رسول اللہ ﷺ کو ایذا رسانی ---------- 234

○ عداس نصرانی کا قصہ ---------- 234

○ طائف سے واپسی ---------- 236

○ ایامِ حج میں قبائلِ عرب کو اسلام کی دعوت ---------- 236

❀ نقشہ رسول اللہ ﷺ کا دعوت الی اللہ کی غرض سے طائف جانے کا راستہ ---------- 241

❀ دعوتِ اسلام اور اہلِ مدینہ ---------- 242

○ سیدنا سوید بن صامت ؓ کا اسلام ---------- 242

○ سیدنا ایاس بن معاذ ؓ کا اسلام ---------- 242

○ چھ اہلِ مدینہ کی اسلام پر بیعت ---------- 243

○ سیدنا مصعب بن عمیر ؓ مدینہ میں بحیثیت داعی و معلم ---------- 244

❀ معراج نبوی ---------- 247

○ نماز کا فرض ہونا ---------- 249

○ معراج جسمانی ہوئی ---------- 250

○ واقعہ معراج اور کفارِ قریش کا موقف ---------- 250

○ سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کا موقف ---------- 251

❀ دوسری بیعتِ عقبہ ---------- 254

○ بیعت کی شرطیں ---------- 255

○ قریش انصار کے تعاقب میں ---------- 257
❀ اصحاب رسول (ﷺ) کی مدینہ کی طرف ہجرت ---------- 259
○ سیدنا ابو سلمہ اور سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت ---------- 260
○ ہجرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ---------- 261
○ مہاجرین سابقین ---------- 263
○ ہجرت صہیب رضی اللہ عنہ ---------- 264
○ ہجرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ---------- 264
❀ نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے وقت مدینہ منورہ کا راستہ ---------- 265
❀ نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے وقت مدینہ منورہ ---------- 266
○ ہجرت رسول اللہ ﷺ ---------- 267
○ نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کی سازش ---------- 267
○ رسول اللہ ﷺ، ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار ثور میں ---------- 269
○ واقعۂ سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ ---------- 272
○ واقعہ اُم معبد رضی اللہ عنہا ---------- 274
○ آپ ﷺ کی زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے ملاقات ---------- 275
○ آپ ﷺ کی ملاقات بُریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے ---------- 275
○ مکہ میں ایک آواز ---------- 276
○ سیدنا جندب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ کا ہجرت کے لیے نکلنا اور تنعیم میں وفات ---------- 276
○ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے جاملے ---------- 276
○ سیدنا ابو قحافہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اولاد کی دیکھ بھال کرتے رہے ---------- 277
○ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ کی شخصیت کو چھپانا ---------- 277
○ رسول اللہ ﷺ کا مدینہ میں استقبال ---------- 277
○ مسجد قبا کی تعمیر ---------- 278
○ آپ ﷺ کا قیام ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں ---------- 280
○ ہجرت نبوی، تاریخ اسلامی کی ابتدا ---------- 282
○ خاندان نبوی اور خاندان ابو بکر رضی اللہ عنہ مدینہ میں ---------- 282
○ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا اسلام ---------- 283

○ تعمیر مسجد نبوی ---------- 283
○ رسول اللہ ﷺ نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا غبار جھاڑا ---------- 285
❀ مدنی سوسائٹی میں مسجد نبوی کا کردار ---------- 286
○ ہجرت نبوی سے قبل یثرب کی حالت ---------- 287
○ مدنی سوسائٹی اسلام کے بعد ---------- 289
○ مدنی سوسائٹی میں بنیادی انقلاب ---------- 291
۱۔ عقیدۂ توحید اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ---------- 291
۲۔ شریعت اسلامیہ کے لیے مکمل سپردگی ---------- 291
۳۔ جاہلی عصبیتوں کا خاتمہ ---------- 292
۴۔ رابطۂ اسلام واحد رابطہ ---------- 293
۵۔ مہاجرین وانصار کے درمیان بھائی چارہ ---------- 294
○ مکہ میں مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ ---------- 294
○ مدینہ میں مہاجرین وانصار کے درمیان بھائی چارہ ---------- 295
○ صلہ اور رشتۂ اخوت ---------- 297
○ مہاجرین اور مدینہ کی بیماری ---------- 298
○ دو عہد نامے ---------- 299
○ مسلمانوں سے متعلق دفعات ---------- 300
○ یہود مدینہ سے متعلق دفعات ---------- 302
○ مقیم کی نماز میں زیادتی ---------- 303
○ اذان کی مشروعیت کا واقعہ ---------- 303
○ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی زوجیت میں ---------- 305
○ مشروعیت جہاد ---------- 305
❀ نقشہ غزوۂ بدر الکبریٰ سے قبل فوجی دستوں کا بھیجنا اور غزوات ---------- 308
❀ فوجی دستوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی وصیتیں ---------- 309
○ بعض فوجی دستوں کے امیر کی کارروائیوں کا انکار ---------- 310
○ فوجی دستوں کی خبریں ---------- 310
۱۔ سریہ (فوجی دستہ) سیف البحر ---------- 310

۲۔ سَریہ رابغ ---- 310
۳۔ سَریہ الخرار ---- 310
❀ یہود اور مشرکین کا نفاق ---- 312
○ اوس وخزرج کے منافقین ---- 315
○ بعض منافقین یہود وعرب کا مسجد نبوی سے نکالا جانا ---- 318
○ غزوات اور فوجی دستوں سے متعلق باقی تفصیلات ---- 320
○ غزوۂ ابواء یا غزوۂ ودّان ---- 320
○ غزوۂ بواط ---- 321
○ غزوۂ عشیرہ ---- 321
○ غزوۂ بدر اولیٰ ---- 321
○ سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ ---- 321
○ تبدیلی قبلہ ---- 324
○ رمضان کے روزے، صدقۂ فطر، عیدین کی نماز اور قربانی ---- 325
○ فرضیت زکاۃ ---- 325
❀ نقشہ غزوۂ بدر الکبریٰ ---- 326
❀ غزوۂ بدر الکبریٰ ---- 327
○ غزوۂ بدر کی وجہ تسمیہ اور جغرافیائی حالت ---- 327
○ اس غزوہ کی اہمیت ---- 327
○ غزوہ کا سبب ---- 328
○ قریشی قافلہ کی مزید خبریں ---- 330
○ مشرکین مکہ کو اخنس بن شریق کی نصیحت ---- 330
○ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آپ ﷺ کا مشورہ ---- 331
○ مسلمان اور مشرکین قریش آمنے سامنے ---- 333
○ معرکہ کی ابتدا ---- 335
○ فرشتوں نے مشرکوں کو قتل کیا ---- 337
○ ابلیس کا میدان جنگ سے فرار ---- 339
○ اللہ کا دشمن ابوجہل ---- 340

○ کفر کا سرغنہ اُمیہ بن خلف ---------- 341
○ قیدیوں کے بارے میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا موقف ---------- 342
○ کچھ لوگوں کا مکہ سے مشرکین کے ساتھ مجبوراً نکلنا ---------- 342
○ مقتولین کفار کنویں میں ڈال دیے گئے ---------- 343
○ غزوہ بدر کے قیدی ---------- 345
○ سُہیل بن عمرو بحیثیت قیدی ---------- 345
○ رسول اللہ ﷺ کے داماد ابو العاص بحیثیت قیدی ---------- 346
○ ہجرت زینب بنت الرسول ﷺ ---------- 346
○ اموال غنیمت ---------- 346
○ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے مال غنیمت میں حصہ ---------- 347
○ شکست کفار کی خبریں مکہ میں ---------- 347
○ ابولہب کا انجام ---------- 348
○ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ واپسی ---------- 349
○ نضر بن حارث اور عقبہ بن ابو مُعَیط کا قتل ---------- 349
○ مدینہ میں فتح ونصرت کی خبر ---------- 350
○ بدری مجاہدین وشہداء ---------- 350
○ نبی کریم ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے ---------- 351
○ شہدائے بدر کی فضیلت ---------- 351
○ قتل رسول ﷺ کی سازش ---------- 352
○ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت الرسول ﷺ کی وفات ---------- 353
○ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا بنت الرسول ﷺ کی شادی ---------- 354
○ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سیدہ فاطمہ بنت الرسول ﷺ کی شادی ---------- 354
✿ نقشہ فوجی دستے اور غزوات (بدر کے بعد) ---------- 355
✿ فوجی دستے اور غزوات (بدر کے بعد) ---------- 356
○ غزوہ بنی سُلیم ---------- 356
○ یہودی سازشیں ---------- 356
○ عصماء بنت مروان یہودیہ کا قتل ---------- 357

- ○ ابو عفک یہودی کا قتل ---------- 358
- ❀ نقشہ غزوہ بنی قینقاع ---------- 359
- ❀ غزوۂ بنی قینقاع ---------- 360
- ○ یہود بنی قینقاع کی بدعہدی ---------- 360
- ○ یہود بنی قینقاع کی جلاوطنی ---------- 361
- ○ ابن اُبی بن سلول کا موقف بنی قینقاع سے متعلق ---------- 361
- ○ غنائم بنی قینقاع ---------- 363
- ○ کعب بن اشرف کا قتل ---------- 364
- ○ غزوۂ سویق ---------- 369
- ○ غزوۂ ذی امر ---------- 369
- ○ سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما ---------- 370
- ○ سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کا نکاح ---------- 371
- ○ سیدہ زینب بنت خزیمہ الہلالیہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح ---------- 371
- ❀ نقشہ غزوۂ اُحد ---------- 372
- ❀ غزوۂ اُحد ---------- 373
- ○ غزوہ کا سبب ---------- 373
- ○ کفار قریش کی ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے مدینہ کی طرف روانگی ---------- 374
- ○ اسلامی فوج کے تین ڈویژن ---------- 376
- ○ اسلامی فوج کا معائنہ ---------- 376
- ○ ابن اُبی کی اپنے ساتھیوں کے ساتھ پسپائی ---------- 376
- ○ ابن اُبی کے کردار کا منفی اثر ---------- 378
- ○ اسلامی فوج کی پیش قدمی ---------- 378
- ○ رسول اللہ ﷺ میدان کارزار میں ---------- 379
- ○ مشرک فوج کی تیاری ---------- 379
- ○ جنگ شروع ہوتی ہے ---------- 380
- ○ سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ ---------- 381
- ○ رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ---------- 383

○ سیدنا اسد اللہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ---------- 383
○ فتح شکست میں بدل گئی ---------- 384
○ سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ ---------- 386
○ سیدنا ابو طلحہ، ابو دجانہ اور قتادہ رضی اللہ عنہم ---------- 387
○ سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل الملائکہ ---------- 388
○ سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ---------- 390
○ سیدنا سعد ابن الربیع رضی اللہ عنہ کی وصیت ---------- 390
○ سیدنا عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کی تمنا ---------- 391
○ سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے ---------- 391
○ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے ---------- 391
○ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے صحابہ کرام ---------- 392
○ میدان احد میں مسلمان عورتوں کا کردار ---------- 392
○ ابو سفیان کی طرف سے دوبارہ میدان بدر میں جنگ کی دھمکی ---------- 394
○ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مشرکوں کی شکست کی خبر لے کر آتے ہیں ---------- 395
○ شہدائے احد کا دفن ---------- 395
○ نبی کریم ﷺ کی تمنا ---------- 396
○ صحابیات رسول ﷺ کا موقف ---------- 396
○ شہدائے احد کے لیے بشارت ---------- 398
○ رسول اللہ ﷺ مدینہ کی طرف لوٹتے ہوئے ---------- 399
○ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے والی کوئی نہیں؟ ---------- 400
○ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں ---------- 401
❀ غزوۂ حمراء الاسد ---------- 402
○ غزوۂ احد کے بعد دشمنان اسلام کا موقف ---------- 402
○ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فدائیت ---------- 405
○ ایک کافر جاسوس کا قتل ---------- 407
○ اس غزوہ سے مستفاد احکام اور حکمتیں ---------- 408
❀ غزوۂ احد کے بعد فوجی دستوں کی روانگی ---------- 410

○ سریہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ---------- 410
○ سریہ عبداللہ بن انیس جہنی رضی اللہ عنہ ---------- 411
○ سریہ یوم الرجیع ---------- 412
○ سریہ بئر معونہ ---------- 413
❀ نقشہ غزوۂ بنی نضیر ---------- 415
❀ غزوۂ بنی نضیر ---------- 416
○ غزوۂ بدر ثانیہ ---------- 420
○ رسول اللہ ﷺ کی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی ---------- 422
○ رسول اللہ ﷺ کی شادی زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا سے ---------- 423
○ پردہ کا حکم ---------- 424
○ غزوۂ دومۃ الجندل ---------- 424
○ شراب نوشی کی حرمت ---------- 425
❀ نقشہ غزوۂ بنی المصطلق ---------- 426
❀ غزوۂ بنی المصطلق ---------- 427
○ منافقین کی فتنہ انگیزی ---------- 429
○ حادثۂ افک ---------- 431
○ تہمت دھرنے والوں پر حدِ قذف ---------- 436
○ رسول اللہ ﷺ کی شادی جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے ---------- 438
○ اس غزوہ سے مستفاد شرعی احکام ---------- 439
❀ نقشہ غزوۂ خندق ---------- 441
❀ غزوۂ خندق ---------- 442
○ اس غزوہ کے دو اہم اسباب ---------- 442
○ پہلا سبب ---------- 442
○ دوسرا سبب ---------- 422
○ خندق کھودنے کی پلاننگ ---------- 444
○ معجزات کا ظہور ---------- 447
ا۔ کھانے میں برکت ---------- 447

۲۔ شاہوں کے محلوں اور ملکوں کی کنجیاں رسول اللہ ﷺ کو دے دی گئیں ---------- 447
۳۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں پیش گوئی ---------- 448
○ خندق کھودتے وقت منافقین کا کردار ---------- 448
○ دشمنانِ اسلام کا لشکر ---------- 450
○ عمرو بن عبدوُد کا قتل ---------- 451
○ بعض نمازوں کا وقت نکل جانا ---------- 452
○ بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ---------- 452
○ چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مخبری ---------- 453
○ دشمنانِ اسلام کی ہر چہار طرف سے یلغار ---------- 453
○ بنی غطفان کے ساتھ معاہدۂ صلح کی کوشش ---------- 456
○ لشکرِ کفار اور بنو قریظہ کے درمیان اختلاف ---------- 456
○ رسول اللہ ﷺ کی دعا ---------- 458
○ ہوا بھی اللہ کی ایک فوج ہے ---------- 458
○ کافروں کی ایک ناکام کوشش ---------- 458
○ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو گئے ---------- 458
○ سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی مخبری ---------- 459
○ لشکرِ کفار کی واپسی ---------- 460
○ معرکہ خندق نے طاقت کا توازن بدل دیا ---------- 460
❀ نقشہ غزوۂ بنی قریظہ ---------- 461
❀ غزوۂ بنی قریظہ ---------- 462
○ جبریل امین علیہ السلام بنو قریظہ کے خلاف جنگ میں ---------- 462
○ بنو قریظہ کا حصار ---------- 463
○ بنو قریظہ نے سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ مانگا ---------- 464
○ سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ ---------- 465
○ بنو قریظہ نے شکست قبول کر لی ---------- 466
○ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ---------- 466
○ بالغ یہودیوں کا قتل ---------- 467

○ بالغ و نابالغ کے درمیان تمیز ---------- 468

○ مقتولین کی تعداد ---------- 468

○ زبیر بن باطا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دیا گیا ---------- 468

○ شبہ کا ازالہ ---------- 469

○ ریحانہ بنت زید رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے گھر میں ---------- 470

○ اموال غنیمت اور قیدی ---------- 470

○ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات سے اللہ کا عرش ہلنے لگا ---------- 471

○ ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کا قتل ---------- 473

○ سریہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ---------- 474

○ ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ کی گرفتاری اور رہائی ---------- 475

○ غزوۂ بنی لحیان ---------- 475

○ عُسفان میں پہلی بار صلاۃ الخوف ---------- 476

○ غزوۂ ذی القرد (غزوۂ غابہ) ---------- 477

○ سریۂ عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ (الغمر) ---------- 478

○ سریۂ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ (ذی القصہ) ---------- 478

○ سریۂ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ (ذی القصہ) ---------- 478

○ سریۂ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (الجموم) ---------- 479

○ سریۂ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (العیص) ---------- 479

○ سریۂ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (الطرف) ---------- 480

○ سریۂ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (حسمی) ---------- 480

○ سریۂ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (وادی قُریٰ) ---------- 481

○ سریۂ الخبط ---------- 481

○ سریۂ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (دومۃ الجندل) ---------- 482

○ سریۂ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (سعد بن بکر) ---------- 483

○ سریۂ عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ---------- 483

○ سریۂ کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ ---------- 484

○ سریۂ عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ ---------- 485

❀ نقشہ فوجی دستے اور مشہور غزوات خندق اور حدیبیہ کے درمیان ---------- 487
❀ نقشہ غزوۂ حدیبیہ (بیعت الرضوان) ---------- 488
❀ غزوۂ حدیبیہ ---------- 489
○ حدیبیہ ---------- 489
○ تاریخ و سبب ---------- 489
○ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلنے والوں کی تعداد ---------- 490
○ ذوالحلیفہ سے عمرہ کا احرام ---------- 491
○ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی ساحل سمندر کی طرف خبر گیری کے لیے روانگی ---------- 491
○ بشر خزاعی رضی اللہ عنہ جاسوس رسول اللہ ﷺ مکہ میں ---------- 492
○ رسول اللہ ﷺ کا دخول مکہ سے روک دیا جانا ---------- 492
○ خالد بن ولید کا دستہ مسلمانوں کی راہ میں رکاوٹ ---------- 492
○ خشک کنویں سے پانی اُبلنا ---------- 493
○ کثرت طعام ---------- 494
○ بدیل بن ورقاء خزاعی کا مشورہ ---------- 494
○ عروہ بن مسعود ثقفی، قریش کا ایلچی ---------- 494
○ مکرز بن حفص نمائندۂ قریش ---------- 496
○ حلیس بن علقمہ نمائندۂ قریش ---------- 496
○ خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ نمائندۂ رسول اللہ ﷺ ---------- 497
○ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نمائندۂ رسول کریم ﷺ ---------- 497
○ بیعت رضوان ---------- 498
○ سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ اور درخت کی ڈالیاں ---------- 498
○ جس نے سب سے پہلے بیعت کی ---------- 498
○ سیدنا سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے تین بار بیعت کی ---------- 499
○ جد بن قیس نے بیعت نہیں کی ---------- 499
○ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیعت کی ---------- 499
○ رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے لیے خود بیعت کی ---------- 500
○ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کرامات رکھتی؟ ---------- 500

- اصحابِ بیعت رضوان اہلِ زمین میں سب سے اچھے تھے ---------- 500
- قریش کا نمائندہ سہیل بن عمرو نبی کریم ﷺ کے پاس ---------- 501
- مشرکین کا مسلمانوں پر اچانک حملہ کا ارادہ ---------- 501
- قیدیوں کا تبادلہ ---------- 502
- صلح کی شرطیں ---------- 503
- صلح سے متعلق بعض صحابہ کی رائے ---------- 503
- صلح نامہ کی کتابت ---------- 504
- ابوجندل بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے ---------- 505
- رسول اللہ ﷺ نے قربانی کی، بال منڈائے اور حلال ہو گئے ---------- 505
- کچھ مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں نہیں لوٹایا ---------- 506
- ابوبصیر اور ابوجندل رضی اللہ عنہما کی جماعت ---------- 506
- صلح حدیبیہ مسلمانوں کی فتح ---------- 508
- خلاصۂ کلام ---------- 509
- واقعہ حدیبیہ کے بعض فقہی فوائد اور حکمتیں ---------- 510
- فرضیتِ حج ---------- 511
- بادشاہوں اور امراء کے نام رسول اللہ ﷺ کے خطوط ---------- 512
- رسول اللہ ﷺ کا مکتوب قیصر شاہِ روم کے نام ---------- 513
- رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی کسریٰ شاہِ فارس کے نام ---------- 517
- رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی نجاشی شاہِ حبشہ کے نام ---------- 518
- رسول اللہ ﷺ کی شادی سیدہ امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ---------- 520
- رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی مصر کے قبطی حاکم مقوقس کے نام ---------- 520
- رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی حارث بن ابی شمر غسانی کے نام ---------- 522
- رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی یمامہ کے ہوذہ بن علی کے نام ---------- 523
- رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی شاہِ بحرین منذر بن ساوی عبدی کے نام ---------- 524
- رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی عمان کے دونوں بادشاہ جیفر و عبد کے نام ---------- 525

❀ نقشہ غزوۂ خیبر ---------- 527

❀ غزوۂ خیبر ---------- 528

○ محلِ وقوع اور باشندے ---------- 528
○ غزوۂ خیبر کے اسباب ---------- 528
○ لشکرِ اسلام میدانِ خیبر میں ---------- 530
○ خیبر میں جنگی مقامات ---------- 532
○ قلعۂ صعب کی فتح ---------- 535
○ گھریلو گدھوں کی حرمت ---------- 536
○ قلعۂ زبیر کی فتح ---------- 536
○ قلعۂ اُبی کی فتح ---------- 537
○ قلعۂ نزار کی فتح ---------- 537
○ کتیبہ، وطیح اور سلالم نامی قلعوں کی فتح ---------- 538
○ کنانہ اور ربیع کا قتل ---------- 539
○ خیبر کے غنائم ---------- 539
○ خیبر کی زمینیں ---------- 540
○ اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا ---------- 541
○ وہ مسلمان عورتیں جو غزوۂ خیبر میں شریک ہوئیں ---------- 542
○ زہر آلود بکری کا واقعہ ---------- 542
○ سیدنا جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی حبشہ سے آمد اور انہیں مالِ غنیمت سے حصہ دیا جانا - 544
○ مہاجرین نے انصار کو ان کے عطیات واپس کر دیے ---------- 544
○ معرکۂ خیبر کے شہدائے اسلام ---------- 545
○ یہودِ فدک ---------- 545
○ یہودِ وادیٔ قُریٰ ---------- 545
○ یہودِ تیماء ---------- 546
○ فجر کی نماز کے لیے عدمِ بیداری ---------- 546
○ تمام یہودی مراکز پر قبضہ، اور فتحِ خیبر کے نتائج ---------- 547
○ غزوۂ خیبر سے مستفاد فقہی احکام ---------- 548
○ سریہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تربہ کے قبیلہ ہوازن کی طرف ---------- 549
○ سریہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ دیارِ نجد کے قبیلہ بنی کلاب کی طرف ---------- 549

○ سریہ سیدنا بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ فدک کے بنی مُرّہ کی طرف ---------- 549
○ سریہ سیدنا غالب بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ مقامِ مَیفعہ کی طرف ---------- 550
○ سریہ سیدنا بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ یمن وجبار کی طرف ---------- 550
○ عُمرۃ القضاء ---------- 550
○ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ سے شادی ---------- 552
○ سریہ ابن ابی العوجاء ذی الحجہ سن ۷ ہجری میں ---------- 553
○ سریہ غالب بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ مقامِ کدید کے بنی المُلَوَّح کی طرف ---------- 554
○ خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم کا اسلام ---------- 554
○ سریہ سیدنا شجاع بن وہب اَسدی رضی اللہ عنہ بنی عامر کی طرف ---------- 556
○ سریہ سیدنا کعب بن عمیر انصاری رضی اللہ عنہ ذات اَطلاح کی طرف ---------- 556
❀ نقشہ غزوۂ موتہ ---------- 557
❀ غزوۂ موتہ ---------- 558
○ وجہ تسمیہ ---------- 558
○ مقام ---------- 558
○ تاریخ و اَسباب ---------- 558
○ رسول اللہ ﷺ کی وصیت ---------- 559
○ اسلامی فوج معان میں ---------- 559
○ جنگ شروع ہوتی ہے ---------- 560
○ معرکہ میں مسلمان ہی فتح یاب ہوئے ---------- 562
○ معرکہ کے مثبت نتائج ---------- 563
○ سریہ ذات سلاسل ---------- 563
○ سریہ سیدنا ابوقتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ خضرہ کی طرف ---------- 565
○ سریہ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بطنِ اِضَم کی طرف ---------- 565
❀ نقشہ غزوۂ فتح مکہ (فتح اعظم) ---------- 566
❀ غزوۂ فتح مکہ (فتح اعظم) ---------- 568
○ مکہ کو بتوں سے پاک کرنے کی گھڑی آگئی ---------- 568
○ فتح مکہ فتح اعظم تھا ---------- 568

○ فتح کے لیے تائید غیبی ---------- 568
○ ابوسفیان مدینہ میں ---------- 569
○ حاطب رضی اللہ عنہ کا خط اہلِ مکہ کے نام ---------- 572
○ ابوسفیان بن الحارث اور عبداللہ بن امیہ رضی اللہ عنہما کا اسلام ---------- 574
○ ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کا اسلام ---------- 575
○ رسول اللہ ﷺ مکہ میں ---------- 577
○ بعض مشرکوں کا خون حلال کر دیا گیا ---------- 578
○ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام ---------- 578
○ رسول اللہ ﷺ کا مکہ میں داخل ہونا ---------- 579
○ بتانِ کعبہ منہ کے بل گرنے لگے ---------- 580
○ آپ ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی ---------- 581
○ بابِ کعبہ کی کنجی اور کعبہ پر اذانِ بلال ---------- 582
○ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کی نماز ---------- 582
○ فتح مکہ کے دن کا خطبہ ---------- 583
○ اے انصار کے لوگو! ہمارا تمہارا زندگی اور موت کا ساتھ ہے ---------- 584
○ فتح مکہ کے دن کی بیعت ---------- 584
○ مکہ میں آپ ﷺ کے قیام کی مدت ---------- 585
○ مکہ سے بھیجے گئے دستے ---------- 586
○ سریہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ---------- 586
○ سریہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ---------- 586
○ سریہ سیدنا سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ ---------- 586
○ سریہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (بنی جذیمہ کی طرف) ---------- 587
○ قبائل عرب جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے ---------- 587
❀ نقشہ غزوۂ حنین ---------- 589
❀ غزوۂ حنین ---------- 590
○ تاریخ و موقع ---------- 590
○ معرکہ کا سبب ---------- 590

○ ہوازن وثقیف مسلمانوں سے جنگ کے لیے آمادہ ---------- 590
○ عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے اخبار رساں ---------- 591
○ ایک مشرک جاسوس کا قتل ---------- 592
○ رسول اللہ ﷺ کی وادیٔ حنین کی طرف روانگی ---------- 592
○ اہلِ مکہ کے جاہلی عادات واطوار ---------- 593
○ ثابت قدم رہنے والے صحابۂ کرام ---------- 593
○ گھمسان کی لڑائی ---------- 594
○ مشرکوں کی شکست فاش ---------- 595
○ سیدہ اُم سُلیم رضی اللہ عنہا کی ثابت قدمی ---------- 596
○ مشرکوں کی بھگدڑ ---------- 597
○ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن شیماء کا اسلام ---------- 598
○ معرکۂ حنین کا دوررس نتیجہ ---------- 598
❀ نقشہ غزوۂ طائف ---------- 598
❀ غزوۂ طائف ---------- 600
○ طائف کی ناکہ بندی ---------- 600
○ جعرانہ میں تقسیم غنائم ---------- 601
○ غیر مقرب لوگوں کو دینے میں حکمت ---------- 602
○ تقسیم غنائم کے وقت انصار کی گفتگو ---------- 602
○ ایک منافق کی گستاخی ---------- 603
○ تقسیم غنائم کے وقت دیہاتیوں کا سوءِ ادب ---------- 603
○ وفد ہوازن ---------- 604
○ جعرانہ میں قیام، اور ادائیگی عمرہ ---------- 605
○ مدینہ واپسی ---------- 606
○ عُروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام ---------- 606
○ عرب جنگوں کا خاتمہ ---------- 606
○ کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ حضور نبوی میں ---------- 607
○ امراء وعمال کی تعیین ---------- 608

❀ نقشہ ان چند فوجی دستوں کا جنہیں نبی کریم ﷺ نے بتوں کو توڑنے کے لیے بھیجا ---------- 610
❀ سن ۹ ہجری میں فوجی دستے ---------- 611
○ سریہ سیدنا عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ ---------- 611
○ سریہ سیدنا قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ---------- 611
○ سریہ سیدنا ضحاک کلبی رضی اللہ عنہ ---------- 612
○ سریہ سیدنا علقمہ مدلجی رضی اللہ عنہ ---------- 612
○ سریہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ---------- 612
❀ نقشہ غزوۂ تبوک ---------- 615
❀ غزوۂ تبوک ---------- 616
○ غزوۂ تبوک کے اسباب ---------- 616
○ پہلا سبب ---------- 616
○ دوسرا سبب ---------- 616
○ رومیوں کے خلاف فوج کشی ---------- 618
○ مالی امداد کے لیے دعوت عام ---------- 618
○ پیچھے رہ جانے والے معذور لوگ ---------- 620
○ اکثر منافقین تبوک نہیں گئے ---------- 621
○ عبداللہ بن ابی اور اس کا جتھہ ---------- 622
○ سفر تبوک ---------- 622
○ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی آمد ---------- 623
○ ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کی آمد ---------- 623
○ بارش کے لیے دعائے نبوی ---------- 624
○ ابن اللُّصَیت منافق ---------- 624
○ منافقین کا گھناؤنا کردار ---------- 624
○ عبداللہ ذی البجادین رضی اللہ عنہ کی وفات ---------- 625
○ حاکم دومۃ الجندل کے پاس قاصد رسول اللہ ﷺ ---------- 626
○ دربار قیصر میں قاصد رسول اللہ ﷺ ---------- 626
○ تبوک سے مدینہ واپسی ---------- 627

○ رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش ---------- 627
○ شاہ ایلہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ---------- 628
○ شہرِ طیبہ اور جبلِ اُحد ---------- 629
○ آپ ﷺ کا استقبال ---------- 629
○ مسجد ضرار ---------- 630
○ قصۂ اصحاب ثلاثہ ---------- 631
○ غزوۂ تبوک کے عظیم نتائج ---------- 636
○ وفد ثقیف ---------- 636
○ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی نماز میں شیطان کی تشویش اور اس کا علاج ---------- 638
○ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات ---------- 639
○ عبداللہ بن اُبی کی موت ---------- 639
○ اعلانِ براءت ---------- 640
○ غزواتِ نبوی کے اَغراض واَثرات ---------- 641
○ غزواتِ نبوی کے اُصول وضوابط ---------- 643
❀ نقشہ عام الوفود ---------- 643
❀ عرب وفود کی آمد مدینہ میں ---------- 645
۱۔ وفد بنی تمیم ---------- 645
۲۔ وفد بنی عامر ---------- 646
۳۔ وفد عبدالقیس ---------- 646
۴۔ وفد بنی سعد بن بکر ---------- 648
۵۔ وفد نجران ---------- 648
۶۔ وفد بنی حنیفہ ---------- 649
۷۔ وفد قبیلہ طی ---------- 651
۸۔ وفد کندہ ---------- 653
۹۔ وفد قبیلہ اشعر ---------- 653
۱۰۔ وفد مُزینہ ---------- 655
۱۱۔ وفد بنی عذرہ ---------- 655

۱۲۔ وفد بنی فزارہ ---------- 655
۱۳۔ شاہانِ حمیر کا قاصد ---------- 656
۱۴۔ وفد ہمدان ---------- 657
۱۵۔ حاکم معان کا قاصد ---------- 657
○ سیدنا معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما یمن میں ---------- 658
○ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نجران میں ---------- 659
○ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یمن میں ---------- 660
○ ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی وفات ---------- 660
❀ نقشہ حجۃ الوداع ---------- 661
❀ حجۃ الوداع ---------- 662
❀ نقشہ لشکر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ---------- 669
❀ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا لشکر ---------- 670
❀ رسول اللہ ﷺ کی بیماری اور وفات ---------- 672
○ بیماری کی ابتدا ---------- 672
○ آپ ﷺ نے آخرت کی نعمتوں کو پسند فرمالیا ---------- 672
○ زندوں اور مُردوں کو الوداع کہا ---------- 673
○ آخری ایام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ---------- 673
○ مرض کی شدت ---------- 673
○ نماز میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت ---------- 674
○ انصار مسجد میں روتے رہے ---------- 674
○ موت کی سختیاں ---------- 674
❀ وفات سے پہلے آپ ﷺ کی بعض وصیتیں ---------- 676
۱۔ رکوع وسجود میں تلاوت قرآن کی ممانعت ---------- 676
۲۔ نماز اور غلام ولونڈی کا خیال ---------- 676
۳۔ قبروں کو مساجد بنانے کی ممانعت ---------- 676
○ رسول اللہ ﷺ کی خلافت کے حقدار ابوبکر رضی اللہ عنہ ---------- 677
○ آپ ﷺ نے رفیقِ اعلیٰ کو اختیار کرلیا ---------- 677

○ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا بوسہ لیا اور رونے لگے ---------- 678
○ سب سے تاریک دن ---------- 678
○ بے شک آپ ﷺ وفات پا جائیں گے اور سب لوگ بھی وفات پا جائیں گے ---------- 679
○ تجہیز و تکفین ---------- 681
○ آپ ﷺ کا کفن ---------- 682
○ آپ ﷺ کی نماز جنازہ ---------- 682
○ دفن ---------- 682
❀ نبی کریم ﷺ کا خاندان ---------- 684
○ آپ ﷺ کی ازواج ---------- 684
۱۔ اُم المؤمنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ---------- 684
۲۔ اُم المؤمنین سیدہ سودۃ بنت زمعہ قرشیہ رضی اللہ عنہا ---------- 684
۳۔ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا ---------- 685
۴۔ اُم المؤمنین سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا ---------- 686
۵۔ اُم المؤمنین سیدہ زینب بنت خزیمہ اُمّ المساکین رضی اللہ عنہا ---------- 686
۶۔ اُم المؤمنین سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا ---------- 686
۷۔ اُم المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ---------- 686
۸۔ اُم المؤمنین سیدہ جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ---------- 687
۹۔ اُم المؤمنین سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا ---------- 687
۱۰۔ اُم المؤمنین سیدہ صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا ---------- 688
۱۱۔ اُم المؤمنین سیدہ میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ---------- 688
○ آپ ﷺ کی باندیاں ---------- 689
○ تعدد زوجات رسول ﷺ کے اسباب اور حکمتیں ---------- 689
○ اہلِ مغرب کا بیمار فکر اور سیرتِ نبوی ﷺ ---------- 698
○ آپ ﷺ کی بیٹیاں ---------- 700
○ سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما ---------- 702
❀ نبی کریم ﷺ کی صفاتِ ظاہرہ اور اخلاقِ حسنہ ---------- 703
○ آپ ﷺ کے جسم کی خوشبو ---------- 705

○ آپ ﷺ کے پاکیزہ اخلاق ---------- 705
○ حلم، عفو اور صبر ---------- 706
○ جود و کرم اور سخاوت ---------- 706
○ شجاعت اور دوسروں کی مدد ---------- 707
○ حیا ---------- 707
○ حسنِ معاشرت و حسنِ ادب ---------- 707
○ رحمت و رأفت ---------- 708
○ تواضع ---------- 709
○ عدل ---------- 709
○ زہد فی الدنیا ---------- 710
○ آپ ﷺ کس طرح کھاتے تھے؟ ---------- 710
○ آپ ﷺ کی روٹی کیسی ہوتی تھی؟ ---------- 710
○ آپ کا سالن کیا ہوتا تھا؟ ---------- 711
○ آپ ﷺ کیا پیتے اور کیسے پیتے تھے؟ ---------- 711
○ آپ ﷺ کے ہنسنے کا انداز ---------- 711
○ آپ ﷺ کے مذاق کرنے کا انداز ---------- 711
○ آپ ﷺ کے سونے کی کیفیت ---------- 712
○ آپ ﷺ کا رونا ---------- 712
○ آپ ﷺ کا بستر ---------- 713
❀ خصوصیاتِ نبی کریم ﷺ ---------- 714
۱۔ رعب کے ذریعہ نصرت ---------- 715
۲۔ اللہ نے زمین کو آپ ﷺ کے لیے مسجد اور حصولِ طہارت کا ذریعہ بنادیا ---------- 715
۳۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ اور آپ کی امت کے لیے مالِ غنیمت کو حلال بنادیا ---------- 715
۴۔ منصبِ شفاعتِ کبریٰ ---------- 715
۵۔ بعثتِ نبوی ﷺ کی عمومیت ---------- 716
۶۔ جامع کلمات کے ذریعہ قوتِ تعبیر ---------- 717
۷۔ نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ---------- 717

۸۔ زمین کے خزانوں کی چابیاں آپ ﷺ کو پیش کی گئیں ---------- 718
۹۔ معجزۂ قرآن کریم ---------- 719
۱۰۔ پتھروں کا آپ ﷺ کو سلام کرنا ---------- 719
۱۱۔ درخت کا تنا آپ ﷺ کے فراق میں رونے لگا ---------- 719
۱۲۔ کوثر اور حوض ---------- 720
۱۳۔ آپ ﷺ زمین سے سب سے پہلے اٹھیں گے ---------- 720
۱۴۔ آپ ﷺ نے قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ اس کی جگہ لوٹا دی ---------- 721
۱۵۔ واقعہ معراج ---------- 721
۱۶۔ صدقہ کی چیز کا کھانا حرام ہونا ---------- 721
۱۷۔ آپ ﷺ کی بیویاں دوسروں کے لیے حرام کر دی گئیں ---------- 722
۱۸۔ اللہ نے ہمارے نبی ﷺ سے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس بات کی ---------- 722
❀ نبی کریم ﷺ کے معجزات ---------- 724
۱۔ قرآن کریم سب سے روشن وتابناک معجزہ ---------- 724
۲۔ غیبی امور کی خبریں ---------- 725
۳۔ قیامت تک ہونے والے تمام امور کی خبر دہانی ---------- 725
۴۔ خزائن کسریٰ غنائم مسلمین ---------- 726
۵۔ جزیرۂ عرب اور فارس وروم کی فتح ---------- 726
۶۔ سرزمین حجاز سے آگ نکلنا ---------- 727
۷۔ چاند کے دو ٹکڑے ہونا ---------- 727
۸۔ ایسی بکری سے دودھ نکالنا جس نے ابھی پال نہیں کھایا تھا ---------- 727
۹۔ اُم معبد رضی اللہ عنہا کی دُبلی پتلی بکری سے دودھ نکالنا ---------- 728
۱۰۔ اُسید وعبّاد کے لیے نور ---------- 728
۱۱۔ اللہ نے عتیبہ بن ابولہب پر شیر کو مسلط کر دیا ---------- 729
۱۲۔ سُراقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے ---------- 729
۱۳۔ بدر وحنین میں دشمنوں پر مٹی ڈالنا ---------- 729
۱۴۔ لکڑی کا ٹکڑا انگوار میں بدل گیا ---------- 729
۱۵۔ سیدنا عباس اور اُم الفضل رضی اللہ عنہما کو دفن کردہ مال کی خبر دی ---------- 729

۱۶۔ آپ ﷺ نے عمیر بن وہب کو خبر دی کہ وہ آپ کو قتل کرنے کے لیے آیا ہے ---------------- 729
۱۷۔ آپ ﷺ نے قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ لوٹا دی ---------------- 730
۱۸۔ درخت چل کر آیا اور آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا ---------------- 730
۱۹۔ درخت چل کر آپ ﷺ کے سامنے آ گیا ---------------- 730
۲۰۔ سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ ٹھیک ہو گئی ---------------- 730
۲۱۔ باغی گروہ نے قتل کر دیا ---------------- 731
۲۲۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائیں گے ---------------- 731
۲۳۔ اونٹ نبی کریم ﷺ کے قدموں میں ---------------- 731
۲۴۔ دو درختوں کا آپ ﷺ کے لیے جھک جانا ---------------- 732
۲۵۔ دعا کے بعد فوراً نزول باراں ---------------- 732
۲۶۔ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام سفینہ رضی اللہ عنہ کا قصہ ---------------- [illegible]3
۲۷۔ آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اُبلنا ---------------- 733
۲۸۔ آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی پھوٹ پڑا ---------------- 733
۲۹۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے گھر میں کھانے کی کثرت ---------------- 733
۳۰۔ پانی کی کثرت چودہ سو افراد کے لیے ---------------- 734
۳۱۔ پھلوں میں کثرت ---------------- 734
۳۲۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے برتن کی کھجوریں بڑھ گئیں ---------------- 735
۳۳۔ پتھروں میں تاثیر ---------------- 736

عرضِ ناشر

انسانیت اور نبوت کا سفر ایک ساتھ شروع ہوا۔ آدم علیہ السلام اس کائنات کے پہلے انسان ہی نہیں بلکہ پہلے نبی بھی تھے۔ بنی نوع انسان کو علم وحی کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی زندہ رہنے کیلئے پانی کی۔ انسانیت کا زیور علم ہے اور علم وحی کے بغیر فساد ہے۔ یہ کائنات علم وحی کے بغیر کبھی خالی نہیں رہی، وحی کا سلسلہ سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر آخری نبی محمد رسول اللہ ﷺ تک جاری رہا۔ نبی کریم محمد ﷺ جب اپنی عظیم جماعت میں موجود تھے تو اپنی سیرت سے ایک ایسی جماعت تیار کی جس کو ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں۔ انہی صحابہ کی جماعت نے آپ ﷺ کی سیرت کو قلم بند کیا اور انہی صحابہ کرام کے شاگردوں نے آپ ﷺ کی سیرت کو قلم بند کیا۔ آج تک بہت سے مسلم اور غیر مسلم لوگوں نے آپ کی سیرت پر کتب ہائے کثیرہ لکھیں۔ سیرت کے موضوع کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ ہر رہنما کی سیرت کو اس کی قوم کے لوگ جاننا اور پڑھنا پسند کرتے ہیں اور اس کائنات کے سب سے بڑے رہنما محمد کریم ﷺ ہیں جن کی سیرت کو امت محمدیہ ہر دور میں لکھتی اور پڑھتی آئی ہے، اور قیامت تک یہ سیرت اُمت مسلمہ میں علم اور عمل کے ساتھ باقی رہے گی۔ اگر دنیا میں سیرت کی کوئی ایک کتاب بھی نہ ہوتی تب بھی یہ سیرت ویسی ہی محفوظ ہوتی جیسی آج محفوظ ہے، کیونکہ یہ تو عمل کی سیرت ہے۔ کوئی امت آج تک اپنے انبیاء کی سیرت کو اس طرح پیش نہیں کر سکی جس طرح ہادی کائنات ﷺ کی سیرت کو اُمت مسلمہ نے پیش کیا۔

ایک دن میں نے آپ ﷺ کی سیرت پر لکھی گئی کتاب ''الصادق الامین'' دیکھی جو عربی زبان میں تھی، اس میں صحیح احادیث اور قرآنی آیات سے استفادہ کیا گیا تھا، جس کے مؤلف فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد لقمان سلفی حفظہ اللہ تعالیٰ ہیں، دل نے چاہا کہ اس کتاب کا اُردو ترجمہ ہونا چاہیے۔ ٹھیک کچھ عرصہ بعد یہ کتاب مؤلف نے ہی اُردو ترجمہ کے ساتھ شائع کر دی جس کا اُردو اسلوب نہایت عمدہ ہے۔ سعودی عرب کے مفتی فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ سے مجھے بے حد عقیدت کی وجہ سے ڈاکٹر لقمان سلفی حفظہ اللہ سے بھی محبت پیدا ہو گئی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے صراط مستقیم دکھایا تو اس ہدایت میں شیخ ابن باز کی علمی شخصیت کا بھی اہم کردار ہے۔ ''الصادق الامین'' کے مؤلف فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد لقمان سلفی حفظہ اللہ، شیخ ابن باز کو اپنا استاد اور مرشد مانتے ہیں۔ شیخ اس دنیا میں نہ رہے تو میں نے سوچا شیخ کے عقیدت مندوں سے ہی اپنا تعلق جوڑا جائے۔ میں تین بھائیوں کی جماعت لے کر ڈاکٹر لقمان سلفی حفظہ اللہ کے گھر مکہ مکرمہ پہنچا، جن میں میرے ساتھ محترم پروفیسر صاحب اور محمد ثاقب بھائی تھے۔ انہوں نے عزت اور احترام سے ہمارا استقبال کیا، اور رات کے کھانے کی دعوت دی۔ بعد از نماز عشاء جب ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو میں نے ''الصادق الامین'' کی اشاعت والی خواہش اُن کے سامنے رکھی۔ محترم بڑے خوش ہوئے اور فرمایا: ''مجھے اللہ کیلئے آپ سے محبت ہے کیونکہ آپ نے گمراہی کو چھوڑ کر ہدایت کا راستہ اختیار کیا ہے، میری خواہش یہ ہے کہ میری اس کتاب سے اہل پاکستان بھی فائدہ اٹھائیں۔'' پھر دوسرے ہی دن انہوں

نے اس کتاب کے حقوق اپنے لیٹر پیڈ پر لکھ کر مجھے دے دیے، جس کے لئے میں ان کا ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم اور مرتبہ میں اضافہ فرمائے۔

فکری لحاظ سے میں سلف صالحین کا منہج رکھتا ہوں۔ اپنے آپ کو اسلاف کا خادم سمجھتا ہوں۔ سعودی گورنمنٹ کا بھی بے حد احترام کرتا ہوں کیونکہ آج میں جو کچھ بھی ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بعد اس مملکت کا مرہونِ منت ہے، ورنہ میں گمراہی کے نچلے درجے پر تھا۔ اللہ تعالیٰ اس مملکت کی حفاظت فرمائے، آل سعود اور آل شیخ کی حسنات میں اضافہ فرمائے۔

کتاب کے اس ایڈیشن کی ایک خاص بات کا ذکر ضروری ہے کہ محترم پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ میں خدمت دین کا جذبہ اور سیرت نبویؐ سے بے پناہ محبت تھی۔ ان کی سیرت رسول اکرم ﷺ سے محبت کا ثبوت ان کی زندگی کا نقش رسول اکرم ﷺ پر ثابت قدم ہونا اور ان کی ذاتی لائبریری ''بیت الحکمت'' میں سیرت نبوی پر بہت سی قیمتی اور نایاب کتب کا ذخیرہ ہے۔ اُن کے باعمل بیٹے اسی محبت رسول ﷺ کو قائم رکھے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ''بیت الحکمت'' کے زیر اہتمام ہر سال ''پروفیسر عبدالجبار شاکر سیرت ایوارڈ'' منعقد ہوتا ہے۔ جس میں پاکستان بھر سے سیرت نگار اپنی اہدائے عقیدت رسول ﷺ کو اس مقابلے میں بھیجتے ہیں۔ ہماری اس کتاب ''الصادق الامین ﷺ'' نے اس سیرت ایوارڈ میں اوّل انعام حاصل کیا جو اس کتاب کا قیمتی اعزاز ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ میں مکتبۃ الکتاب کے مدیر محترم عبدالرؤف صاحب کا بھی بے حد ممنون ہوں جنھوں نے کتاب پر بھرپور توجہ دی اور اس کی کمپوزنگ، پرنٹنگ، بائنڈنگ اور ٹائٹل ڈیزائننگ تک تمام مراحل کو اعلیٰ درجے کی حد تک لے گئے۔

سب سے آخر میں، میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں جس نے ہمیں سیدھی راہ دکھائی اور اس ادارے کو قرآن و سنت کی کتب کی اشاعت کے لیے توفیق بخشی۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو تمام قارئین کے لیے دین و دنیا میں نفع بخش بنائے، اور ادارے کے جملہ معاونین کے لیے ذخیرۂ آخرت۔ آمین

عبدالجلیل (ابوساریہ)

سعودی عرب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ کتاب

ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پوری کائنات کا مالک اور پالنہار ہے، اور جس کے لیے الوہیت وربوبیت کی گواہی اس کی تمام مخلوقات اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ دے رہا ہے۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اور اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ نے انہیں سارے عالم کے لیے رحمت، ایمان والوں کے لیے امام اور تمام بنی نوع انسان کے لیے دلیل وحجت بنا کر بھیجا تھا۔

قارئین کرام!

۱۔ نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ سیرت تمام بنی نوع انسان کے لیے بالعموم اور امتِ مسلمہ کے لیے بالخصوص اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الأنبياء: ۱۰۷]

''اور ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

نیز فرمان ہے:

﴿وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [سبا: ۲۸]

''اور ہم نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔''

اور اُمتِ مسلمہ کو خاص طور سے اس نعمت کی عظمت کا احساس دلاتے ہوئے اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ [آل عمران: ۱٦٤]

''یقیناً اللہ کا مومنوں پر یہ احسان ہے کہ اس نے ان کے لیے انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو اس کی آیتوں کی ان لوگوں پر تلاوت کرتے ہیں، اور انہیں پاک کرتے ہیں، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں، جبکہ اس سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔''

نیز فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝﴾

[الأحزاب: ۲۱]

''فی الحقیقت رسول اللہ کا قول وعمل تم سے ہر اس شخص کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے، جو اللہ اور یومِ آخرت پر یقین رکھے، اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرے۔''

۲- اسی لیے نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرنا، اس میں غور وفکر کرنا، اور اسے اپنے لیے نمونہ بنا کر اپنی حیاتِ مستعار کو اس کے مطابق گزارنے کی ہر ممکن کوشش کرنا ہر بندۂ مسلم پر واجب ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے تمام اقوال وافعال وحیِ الٰہی کی ترجمانی کرتے ہیں، اور حیاتِ انسانی میں پیش آنے والے تمام انفرادی اور اجتماعی مسائل کا آسانی حل پیش کرتے ہیں۔ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر آپ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ سے روشنی نہ پڑتی ہو۔ آپ ﷺ کی زندگی کی تفصیلات ہدایت ورہنمائی کی ایسی نور بیز کرنیں ہیں، جن سے راہِ عمل کی تمام ظلمتیں دور ہو گئیں، اور انسانوں کے سامنے اپنے رب کی رضا اور اس کی جنت کو حاصل کرنے کا راستہ روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا، اور اس کے کسی حصہ یا گوشہ میں تاریکی باقی نہ رہی۔ دورِ جاہلیت کی شب ہائے تاریک کی وحشتیں ختم ہو گئیں، اور آپ ﷺ کے آنے سے پوری کائنات بقعۂ نور بن گئی۔ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتِ کبریٰ مسلمانوں سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کی آخری سانس تک نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کو حرزِ جان بنا کر رکھیں، اُسے بار بار پڑھیں، اور زندگی کے ہر گام پر اُس سے روشنی حاصل کریں۔

۳- خاتم النبیین (ﷺ) کی سیرتِ طیبہ، قرآن کریم کے بعد امتِ مسلمہ کی ذہنی، فکری اور عقلی تربیت کا ہر دور میں اہم ذریعہ رہی ہے۔ صحابۂ کرام، تابعینِ عظام، اتباعِ تابعین، محدثینِ عظام اور ائمۂ کرام نے اپنی، اپنے تلامذہ کی اور عام مسلمانوں کی تربیت کے لیے نبی کریم ﷺ کی سیرت پر بھرپور اعتماد کیا ہے۔ سب نے یہیں سے روشنی حاصل کی۔ حرام وحلال، واجب ومسنون اور شریعتِ اسلامیہ کی تمام جزئیات وتفصیلات کا علم آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے ہی حاصل کیا، اور ان کے اسلوبِ بیان میں ساحرانہ تاثیر سیرتِ نبویہ کی الہامی قوتِ تاثیر سے ہی پیدا ہوئی جس نے کفر وشرک اور جاہلیت کی ظلمتوں سے بند دلوں کے دروازے کھول دیے، اور انہیں اسلام کا کلمہ پڑھنے پر مجبور کر دیا۔

۴- یہی نبی امی ﷺ - فداہ أبي وأمي - ہیں جنہیں رب العالمین نے آفتابِ عالمتاب اور رحمۃ للعالمین بنا کر دنیا میں بھیجا تاکہ آپ ﷺ ظلمات میں بھٹکتی انسانیت کو اخوت ومحبت، احسان ورحمت اور عدل ومساوات کا سبق دیں۔ یہی ہیں وہ نبی ہاشمی ﷺ جن کی سیرتِ مبارکہ علم وعرفان کا بحرِ بے کراں اور دین ودنیا کی بھلائیوں کا منبع وسرچشمہ ہے۔ اسی سیرتِ طیبہ سے بے شمار چشمے پھوٹے تو دینِ اسلامی کے اصول ومبادی، عقائد، احکامِ شریعت، اور رہتی دنیا تک آنے والے انسانوں کی فلاح وبہبود کے تمام سوتے بہنے لگے۔

۵- اس رسولِ اعظم ﷺ کی بعثت انسانی تاریخ کا سب سے بڑا اور اہم ترین واقعہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی آمد کے بعد قیامت تک کے لیے انبیائے کرام کی آمد کا سلسلہ بند کر دیا، اور اپنی آخری کتاب قرآن کریم میں اعلان کر دیا:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ [آلِ عمران: ۱۹]
"بے شک دینِ برحق اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔"
اور فرمایا:
﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ [آلِ عمران: ۸۵]
"جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین چاہے گا، تو اس کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا۔"

اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دنیا میں اُس وقت مبعوث فرمایا جب پوری دنیائے انسانیت کفر و شرک، فسق و فجور اور اَخلاقی جرائم و معاصی کے بوجھ تلے کراہ رہی تھی، اور جہنم کی کھائی کے آخری دہانہ پر کھڑی تھی، اور قریب تھا کہ اُس میں گر کر ہلاک ہو جاتی۔

بلادِ عربیہ کے چپہ چپہ میں بُت پرستی پھیلی ہوئی تھی، یہاں کے لوگ درخت، پتھر، شمس و قمر، پہاڑ اور دریا اور اسی قسم کے خود ساختہ بے شمار معبودوں کی پرستش کرتے تھے۔ قوی ضعیف کو قتل کرتا تھا، طاقتور قبیلہ کمزور قبیلہ کو لوٹ لیتا تھا، عورتیں اُچک لی جاتی تھیں اور بیٹیاں زندہ درگور کردی جاتی تھیں، بہت سے عرب اپنے باپ کی بیویوں کو اپنی باندیاں بنا لیتے تھے اور ہر قسم کی اخلاقی برائیوں میں اپنی ٹھوڑیوں تک ڈوبے ہوئے تھے۔

کچھ ایسا ہی حال یہود و نصاریٰ کا تھا، انہوں نے اپنے دین کو بدل دیا تھا۔ نصاریٰ کا گمان تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، اور عرب نصاریٰ کا عقیدہ تھا کہ مریم علیہا السلام اللہ کی بیوی، اور فرشتے اُس کی بیٹیاں ہیں۔ اور یہود کہتے تھے کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، اور عرب یہود کہتے تھے کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، اور اُن کی عورتیں اللہ کی بیٹیاں اور اس کی محبوب ہیں۔

اور آتش پرست مجوس اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو گھروں میں بند کر دیتے تھے۔ اور یہ سارے اَدیان و مذاہب اور باطل افکار و عقائد والے جزیرۂ عرب میں اُس وقت موجود تھے۔ اِس طرح یہ خطہ جو ایشیاء، یورپ اور افریقہ کے بیچ میں واقع ہے، تمام باطل مذاہب و اَدیان کا مرکز بن گیا تھا۔ اس لیے یہ بات زیادہ قرینِ قیاس تھی کہ دنیا کے اسی مرکزی علاقہ میں وہ نبی مبعوث ہوں جن کا دین آخری دین ہوگا، اور یہیں سے وہ آوازِ حق سارے عالم میں پہنچائی جائے، اور اس کے لیے مکہ کو ہی مرکز اس لیے بننا چاہیے تھا کہ اسے ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے ہی تمام عربوں کے نزدیک مرکزی حیثیت حاصل تھی، خانۂ کعبہ سب کی نظر میں بالاتفاق مقدس تھا۔ سبھی دور دور کے علاقوں سے حج اور طوافِ بیت اللہ کے لیے یہاں آتے تھے، اور اہلِ قریش کی مذہبی سیادت و برتری کو تسلیم کرتے تھے، اور دنیاوی طور پر بھی مکہ کی حیثیت ایک عالمی تجارتی منڈی کی ہوگئی تھی۔ اس لیے اُس رسول آخر الزمان ﷺ کو اہلِ قریش اور بالخصوص ہاشمی خاندان سے ہونا چاہیے تھا جس خاندان کی سیادت و قیادت کو سب نے تسلیم کرلیا تھا۔

۶- نبی کریم ﷺ نے اس آخری آسمانی پیغام کو اَحسن طریقہ سے عربوں اور پھر تمام عالم تک پہنچایا، اور اس راہ میں ایسے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا جن کے تصور سے عام آدمی کا پتہ پانی ہو جاتا ہے، نتیجتاً اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو

پے در پے کامیابیاں عطا کیں، آپ ﷺ کے ہاتھوں علم وعرفان کے سلسبیل وکوثر جاری ہوئے، فضائل واخلاقِ حسنہ عام ہوئے، ظلمتیں دور ہوئیں۔ آپ ﷺ نے بکریوں، بھیڑوں اور اونٹوں کے چرواہوں، اور بکھرے بادیہ نشینوں کو جوڑ کر کلمۂ توحید کی بنیاد پر ایک عظیم امت بنائی، اور پھر اس وحدت میں عالمی روح پھونکنے کے لیے اس دعوتِ توحید کو سارے عالم کے سامنے پیش کیا جس کی ترجمانی خود اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں فرمائی ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ [سبا: ۲۸]

"اور ہم نے آپ کو تمام نوعِ انسانی کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

آپ ﷺ نے قرآن وسنت کی روشنی میں ایک ایسی عظیم اسلامی تہذیب وثقافت کو وجود بخشا جس کی بنیاد دینِ اسلام کے پاکیزہ اصولوں اور اونچے اَخلاق وکردار پر رکھی، اور انسانوں کی قدر ومنزلت کو بلند کیا، اور بالخصوص عورت کو تو بہت ہی اُونچا مقام عطا کیا جو زمانہ جاہلیت میں ایک حقیر ترین مخلوق سمجھی جاتی تھی۔

آپ ﷺ نے قبائلی، خاندانی، علاقائی، اور رنگ ونسل کی تمام عصبیتوں کو ختم کر کے مساواتِ انسانی کی بنیاد رکھی، اور بندوں کو اللہ سے، اور قوموں کو قوموں سے قریب کیا، اور دلوں اور ذہنوں کو ایمان وصداقت اور قرآن کے نور سے منور کیا۔

آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کی تربیت صداقت اور اِخلاص کی بنیاد پر کی، اور ان کے دلوں کو محبت ومودّت کے جذبات سے سرشار کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے جذبات اور مزاجوں میں یگانگت اور اُن کے فکر ونظر میں مشابہت ومطابقت پیدا ہوئی اور پھر وہ دینِ اسلام کے کامیاب ترین داعی بن کر پوری دنیا میں پھیل گئے، اور بھٹکتی انسانیت کو راہِ راست پر لا کھڑا کیا۔

نبی کریم ﷺ کی شخصیت کی انہی بیش بہا خوبیوں، اس کی جامعیت اور اس کی اتھاہ گہرائی اور گیرائی کے سبب بڑے بڑے عظیم مسلم اور غیر مسلم مؤلفین نے، جنہوں نے اس بحرِ بے کراں کی شناوری کی ہے، اعتراف کیا ہے کہ سیرتِ نبویہ کا احاطہ اور اُس کی مکمل تصویر کشی ناممکن ہے، اور یہ کہ ہر مؤلفِ سیرتِ نبویہ نے آپ ﷺ سے سچی محبت کی بنیاد پر آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کی تصویر کشی کی مخلصانہ اور سنجیدہ کوشش کی ہے۔

۷۔ کئی سال سے اس بندۂ عاجز کے دل میں یہ تمنا کروٹ لے رہی تھی کہ میں بھی عربی اور اردو زبانوں میں نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر کتاب لکھوں، لیکن اس کام کی عظمت کے تصور سے ہی دل پر ہر بار ہیبت طاری ہو جاتی، اور قلم رُک جاتا تھا۔

بالآخر تقریباً دو ڈھائی سال قبل اللہ نے شرحِ صدر کیا، اور کام شروع کر دیا، اس امید میں کہ باغِ سیرتِ نبویہ کے تر وتازہ پھولوں اور عطر بیز کلیوں سے ایک خوشنما اور روحِ مؤمن کو حیاتِ جاوداں بخشنے والا گلدستہ تیار کروں جسے قیامت کے دن آپ ﷺ کی جناب میں پیش کر کے آپ ﷺ کی شفاعت اور جنت میں ربِّ کریم کے فضل وکرم سے آپ کی قربت کا حق دار بن سکوں۔

میں نے اپنی اس متواضع کوشش میں نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے بہت سے گوشوں کو اُجاگر کرتے وقت خوب غور وفکر سے کام لیا ہے، اور اللہ کی توفیق سے ایسی شمعیں روشن کرنے میں کامیاب رہا ہوں جو اللہ کے نیک بندوں کے لیے علم

وعرفان کی راہیں روشن کرے گی۔ نیز میں نے بہت سے ایسے شبہات کی علمی دلائل کے ذریعہ تردید کی ہے جنہیں دشمنانِ اسلام اور اسلام کی طرف اپنی نسبت کرنے والے اُن کے شاگردوں نے نبی کریم ﷺ، امہات المومنین اور دینِ اسلام کے اصول ومبادی کے خلاف پھیلایا ہے۔

۸- اس کتاب کی تیاری میں، میں نے مندرجہ ذیل اہم مراجع ومصادر سے استفادہ کیا ہے:

ا-قرآن کریم:

جو نبی کریم ﷺ کی سیرت کے باب میں اہم ترین مرجع ہے، جیسا کہ اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ آپ ﷺ کے خُلقِ کریم کا منبع قرآن تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝﴾ [القلم: ٤]

''اور آپ یقیناً عظیم اخلاق والے ہیں۔''

اور فرمایا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ﴾ [آلِ عمران: ١٥٩]

''آپ محض اللہ کی رحمت سے اُن لوگوں کے لیے نرم ہوئے ہیں، اور اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔''

نیز فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝﴾ [التوبه: ١٢٨]

''مسلمانو! تمہارے لیے تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں جن پر ہر وہ بات شاق گزرتی ہے جس سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے، تمہاری ہدایت کے بڑے خواہشمند ہیں، مومنوں کے لیے نہایت شفیق ومہربان ہیں۔''

ب-احادیثِ نبویہ کی معتمد کتابیں:

جن میں نبی کریم ﷺ کی شخصیت، اخلاقِ کریمہ، اور زندگی کے تمام اُمور سے متعلق صحیح اَحادیث وآثار کا ایک بہت قیمتی سرمایہ موجود ہے، جو اُن صحابہ کرام کی روایتوں کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے، جنہوں نے آپ ﷺ کی صحبت پائی، آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا بہت ہی قریب سے مشاہدہ کیا، آپ ﷺ سے متعلق چھوٹی بڑی تمام جزئیات کو جمع کیا، اور آپ ﷺ سے پورے اسلام کو سیکھا، اور پھر پوری امانت کے ساتھ اُن تمام تفصیلات کو ہم تک منتقل کیا۔

جب مرورِ زمانہ کے ساتھ اسلام کے دشمنوں نے جھوٹی حدیثیں گھڑ کر اس عظیم علمی وادبی سرمایہ کو داغدار کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے محدثینِ عظام کی جماعت کو پیدا کیا جنہوں نے ایک ایک حدیث اور ایک ایک اثر کو معیارِ صدق وکذب کی

کسوٹی پر پرکھا، اور دودھ کو دودھ اور پانی کو پانی کر دکھایا، جس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ سے متعلق ہر صحیح بات الگ کر لی گئی۔

اس سلسلہ میں اس بات کو جاننا ازبس ضروری ہے کہ بہت سی طویل تفصیلات جو سیرت نبویہ کی قدیم ترین کتابوں میں ملتی ہیں، اگرچہ وہ حدیثِ صحیح کی شرطوں پر پوری نہیں اترتیں، لیکن اُن کی بنیادی باتیں صحیحین اور دیگر کتب احادیث میں صحیح سندوں سے ثابت ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان تفصیلات کا بیشتر حصہ مجموعی طور پر ثابت ہے، اور انہیں درخورِ اعتناء نہ سمجھنا اسلام کی ابتدائی تاریخ اور سیرت نبویہ کے ساتھ ظلم ہوگا۔ چونکہ امام بخاری، امام مسلم اور دیگر ائمۂ حدیث کی شدید ترین شرطوں پر وہ تفصیلات پوری نہیں اُتریں، اس لیے انہوں نے ان تفصیلات کو اپنی کتابوں میں جگہ نہیں دی، اور اس لیے بھی کہ اسلامی شرائع واحکام کے اثبات کے لیے ان تفصیلات کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ اور اس کی سب سے بڑی دلیل امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب (الادب المفرد) ہے جس میں انہوں نے اخلاقیاتِ مسلم سے متعلق نبی کریم ﷺ کی بیش قیمت اَحادیث اور صحابۂ کرام کے آثار جمع کردیئے ہیں۔ اور یہ کتاب اَخلاقیات کے باب میں ایک گنج گرانمایہ ہے، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اُن میں سے اکثر احادیث وآثار کو اپنی کتاب الصحیح میں جگہ نہیں دی ہے۔

ج- آسمانی کتابوں کے موضوع والی کتب سے استفادہ:

میں نے اُن کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے جن کا موضوع آسمانی کتابیں رہی ہیں، اُن میں نبی کریم ﷺ کی بعثت سے متعلق اُن علامات وبشارات کو ذکر کیا گیا ہے جو اُن آسمانی کتابوں میں بے شمار تحریفات کے باوجود اب تک موجود ہیں۔ اسی طرح میں نے اُن کتابوں سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے جن میں زمانۂ جاہلیت میں بلادِ عربیہ، اقوامِ عرب اور اُن میں رائج قدیم مذاہب واَدیان سے متعلق تفصیلات آئی ہیں۔

۹- میں نے رسول کریم ﷺ کے اُن خطوط میں سے جو آپ ﷺ نے اپنے زمانہ کے بادشاہوں اور امراء کو لکھے تھے، پانچ کے عکس شاملِ طباعت کر دیئے ہیں، تاکہ ہمارے قارئین رسول اکرم ﷺ کی دعوتی کوششوں کے ضمن کے اس عظیم تاریخی سرمایہ پر بھی ایک نظر ڈال لیں، نیز ستائیس یا اٹھائیس جغرافیائی نقشوں کو بھی میں اہتمام کے ساتھ شائع کر رہا ہوں جو غزواتِ نبوی، جہادی معرکوں، مکہ اور مدینہ کے قدیم تاریخی مواقع اور نبی کریم ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے راستے اور دیگر اُن جگہوں کو واضح کرتے ہیں جہاں رسول کریم ﷺ نے اپنے دعوتی اَسفار میں قدم رنجہ فرمایا تھا۔

۱۰- میں ام عبداللہ السّلفی کا تہِ دل سے شکر ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے، اپنے اللہ سے اجر وثواب کی امید لگائے، میری ہر طرح کی مدد اور ہمت افزائی کی، یہاں تک کہ میں نے ربّ العالمین کی توفیق وتائید سے اس مبارک کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ فللّٰہ الفضل والمنّۃ۔ اللہ تعالیٰ انہیں ایسا اچھا بدلہ دے جیسا وہ اپنے نیک بندوں کو دیتا ہے۔

آخر میں، میں عزیزم محمد فیاض احمد تیمی کا شکر ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے پورے صبر اور دلجمعی کے ساتھ کمپیوٹر پر کتاب

کی طباعت اور تصحیح کا کام کیا ہے۔ بلاشبہ انہوں نے اس مدت میں خوب علمی استفادہ کیا ہے، اور سیرت نبویہ کے بے شمار گوہر ہائے گراں مایہ سے اپنے دل ودماغ کی تربیت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، ہم سب کے دماغوں اور دلوں کو علم وعرفان سے روشن کردے، اور زندگی کے آخری لمحہ تک ہمیں حق پر استقامت دے، اور دعوت الی اللہ کی راہ پر گامزن رکھے۔ آمین۔

وصلّى الله وسلّم وبارك علىٰ نبيّنا محمد وعلىٰ آله وصحبه أجمعين

۱۹/۸/۱۴۲۸ھ

ابوعبداللہ محمد لقمان السلفی

ریاض۔ سعودی عرب

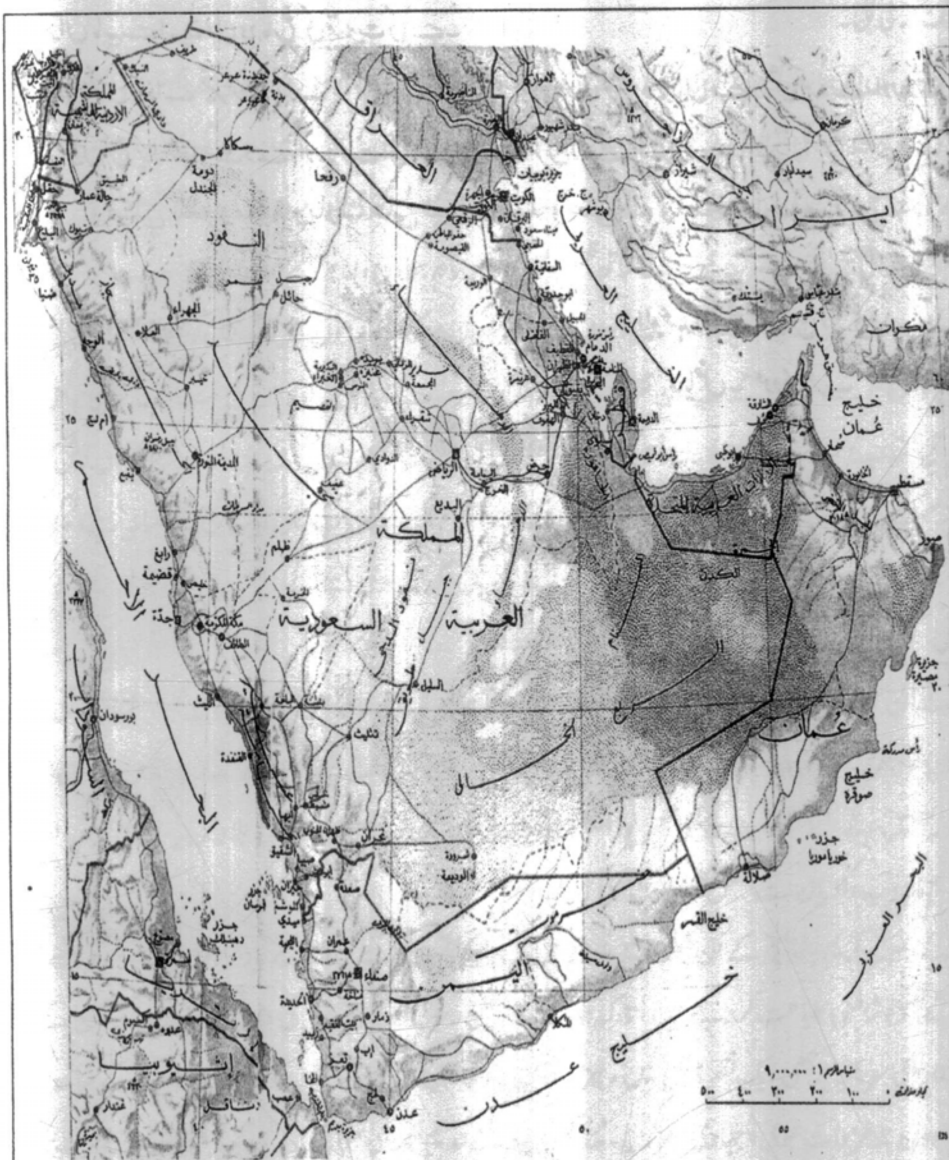

مملکت سعودی عرب
اوراس کے پڑوسی ممالک

ابتدائیہ

نبی کریم ﷺ اور اُن کی سیرتِ طیبہ سے متعلق گفتگو، درحقیقت اُس آسمانی رسالت سے متعلق گفتگو ہے جس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ پورے بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے اُس وقت بھیجے گئے جب پورا عالمِ انسانیت اپنے تاریک ترین دور سے گزر رہا تھا، بالخصوص وہ عرب قومیں جو اُس وقت جزیرہ نمائے عرب میں رہتی تھیں۔

اس لیے نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ سیرت سے متعلق گفتگو، اس کی امتیازی خوبیوں کا لائق وفائق بیان، اس کی تابناکیوں کی تصویر کشی، اس کی خصوصیات وامتیازات کی وضاحت، نیز انسانی تاریخ میں عقیدہ ومذہب، عادات واطوار اور اخلاقیات کے باب میں خاتم النبیین ﷺ نے جو اعلیٰ اور نمایاں ترین کردار ادا کیا، اِن تمام اہم امور کی صحیح ترجمانی، کسی بھی مؤلف ومحقق کے لیے اُس وقت تک ممکن نہیں، جب تک وہ اُس عہد کی قوموں کی زندگی پر بالعموم، اور عربوں کی زندگی اور عہدِ جاہلی میں ان کے مذاہب وعقائد اور اخلاق وعادات پر بالخصوص روشنی نہیں ڈالتا، اور اس تلخ واَلمناک حقیقت کو صفحۂ قرطاس پر نہیں لاتا کہ وہ قومیں پستی اور انحطاط کی انتہا کو پہنچ گئی تھیں، خیر وشر کی تمیز کھو چکی تھیں، اور خودکشی کی راہ پر پڑ چکی تھیں۔ باری تعالیٰ نے قرآن کریم میں اُن تمام اقوام عرب وغیر عرب کی تصویر کشی کرتے ہوئے سورۃ الروم آیت (۴۱) میں فرمایا ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝٤١﴾

''خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا ہے ان گناہوں کی وجہ سے جو لوگوں نے کیے ہیں، تاکہ اللہ ان کو ان کی بعض بداعمالیوں کا مزا چکھائے، شاید کہ وہ (اپنے رب کی طرف) رجوع کریں۔''

اس لیے نبی کریم ﷺ اور ان کی مبارک زندگی سے متعلق کچھ تحریر کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوا کہ سرزمینِ نبوت، جزیرۂ عرب، وہاں کی قوموں، اس کے جغرافیائی محلِ وقوع، سیاسی، اجتماعی، دینی اور دیگر حالات نیز اُس علاقہ کی خصوصیات پر روشنی ڈالوں، اور ایک سرسری نگاہ ان غیر عرب قوموں کے حالاتِ زندگی پر بھی ڈالی جائے جو عرب قوموں کے جوار میں رہتی تھیں، ان کے سیاسی، اجتماعی اور اخلاقی حالات، ان کے مذاہب وادیان، اور عربوں کے ساتھ ان کے تعلقات کی وضاحت کی جائے۔ اور پھر دلائل وبراہین کی روشنی میں یہ بات بیان کی جائے کہ ان تمام اقوامِ عرب وغیر عرب کو اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ایک نبی مرسل کی شدید ترین ضرورت تھی، جو سارے عالم کے لیے رحمت بن کر آئے، انہیں ہلاکت وبربادی سے نکال کر ساحلِ اَمن ونجات پر پہنچائے، یعنی دینِ اسلام سے انہیں روشناس کرائے جس کے سوا کہیں بھی ان کے لیے کوئی دینی یا دنیوی خیر وفلاح نہیں۔

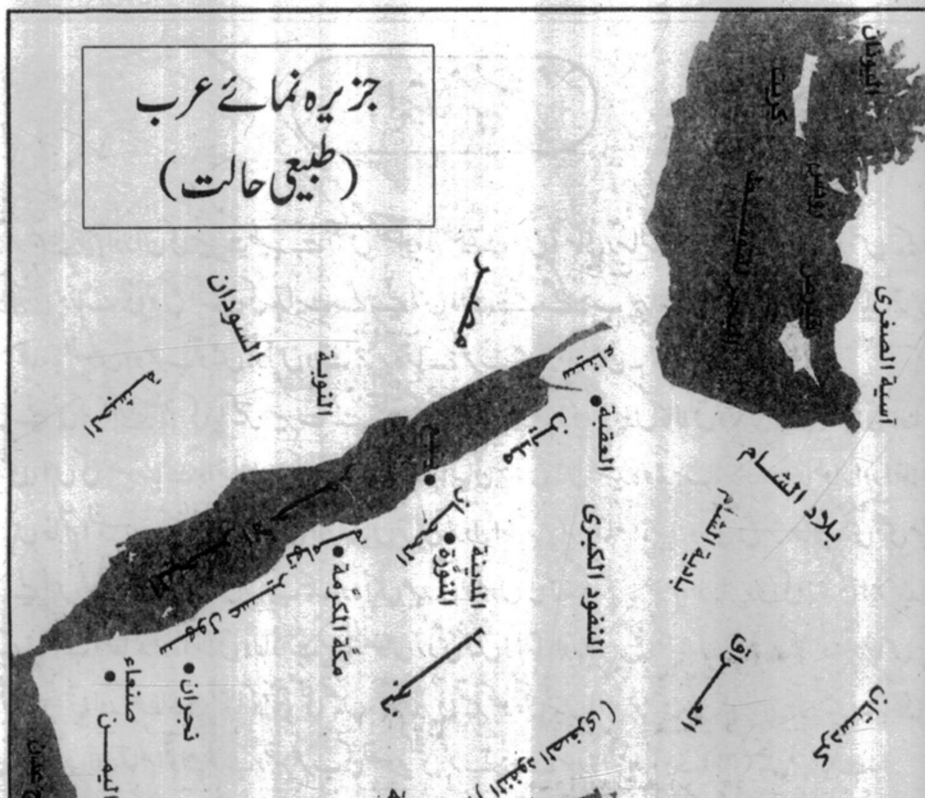
جزیرہ نمائے عرب
(طبیعی حالت)
اسیة الصغری
بلاد الشام
بادیة الشام
العراق
النفود الکبری
العقبة
المدینة المنوّرة
مکة المکرّمة
نجران
صنعاء
الیمن
حضرموت
مهرة
الربع الخالی
الیمامة
عُمان
فارس
کرمان
سجستان
خلیج عُمان
خلیج عدن
مصر
النوبة
السودان

جزیرۂ عرب
محلِ وقوع، خصوصیات

محلِ وقوع:

یاقوت حموی نے اپنی کتاب "معجم البلدان" میں ابومنذر ہشام بن محمد بن السائب الکلبی کی سند کے ذریعے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ بلادِ عربیہ کو "جزیرہ" اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے تمام اطراف وجوانب سے دریاؤں اور سمندروں سے اس طرح گھرا ہوا ہے کہ وہ بحری جزیروں میں سے ایک جزیرہ کی مانند بن گیا ہے۔

چنانچہ بلادِ عربیہ مشرق ومغرب اور جنوب تین جہتوں سے سمندروں سے گھرا ہوا ہے، اور شمال مشرق سے شمال تک اسے دریائے فرات بحرِ ابیض متوسط کے قریب تک گھیرے ہوئے ہے۔ اس طرح عربوں کے نزدیک ان کے جزیرہ کے حدودِ اربعہ مندرجہ ذیل ہیں:

جنوب میں بحرِ عمان، پھر خلیج عربی، محیط ہندی اور خلیج عدن، مغرب میں بحرِ احمر (بحرِ قلزم) پھر صحرائے سیناء اور بحرِ ابیض، اور شام کے شمال مغرب میں شہر قنسرین تک دریائے فرات۔

جزیرۂ عرب اپنے اسی طبیعیاتی اور جغرافیائی محلِ وقوع کی وجہ سے ماضی قریب وبعید میں اپنی قوموں کے لیے ایک ایسا ناقابلِ تسخیر قلعہ بنا رہا ہے جس پر غیر عربوں کا کبھی بھی قبضہ نہ ہوسکا، حالانکہ بعض ادوار میں یہ عرب قومیں دو عظیم ترین بادشاہتوں کے درمیان گھری ہوئی تھیں۔ اگر جزیرۂ عرب کا محلِ وقوع ایسا نہ ہوتا تو ان طاقتوں کے استبداد وتسلط سے عربوں کا بچنا ممکن نہ ہوتا۔

ذیل میں مندرجہ بالا اجمال کی مزید تفصیل بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

جزیرۂ عرب کی تقسیم

جب ہم عربوں کے اشعار وواقعات کا جائزہ لیتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جزیرۂ عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے، اور اس تقسیم کی بنیاد دنیائے عرب کا "سراۃ" نامی عظیم ترین پہاڑ ہے، جو درحقیقت پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، جو بحرِ احمر کے بالمقابل جنوب میں یمن سے، شمال میں بادیۂ شام تک پھیلا ہوا ہے، اور یہ پہاڑی سلسلہ جزیرۂ عرب کو مغربی اور مشرقی دو حصوں میں بھی تقسیم کرتا ہے۔

ذیل میں پانچوں اقسام سے متعلق مختصر معلومات بیان کی جارہی ہیں:

(۱) تِہامہ (الغور):

یہ "سَراۃ" نامی پہاڑ کا مغربی حصہ ہے جو بحر احمر کے بالمقابل، جنوب میں یمن تک، شمال میں عقبہ تک پھیلا ہوا ہے، اور اسے "تہامہ" اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ علاقہ تنگ، ساحلی اور پست ہے، بعض نے کہا ہے کہ یہ نام کلمہ "تہم" سے ماخوذ ہے جس کا معنی "شدید گرمی اور ہوا کا نہ چلنا" ہے۔ عرب لوگ لفظ "تہامہ" کا اطلاق حجاز و یمن کے اُن علاقوں پر کرتے تھے جو ان کے بالمقابل تھے۔ چنانچہ تہامہ، حجاز، تہامۂ عسیر، اور تہامۂ یمن ان نچلے علاقوں کو کہا جاتا ہے جو ان کے بالمقابل ہیں۔

تہامہ کے اکثر حصے ریتلے، شدید گرم اور کم ہریالے ہیں، اس علاقے میں عربوں کی کئی بندرگاہ ہیں، مثال کے طور پر حجاز میں جدہ اور ینبع کی بندرگاہیں، اور یمن میں حدیدہ اور مُخا کی بندرگاہیں۔ اور اس ساحلی علاقہ کے بالمقابل اور اس سے متصل نشیبی اور بالائی ملے جلے علاقے ہیں۔ اور مکہ مکرمہ تہامۂ یمن کے بالمقابل واقع ہے۔

(۲) نجد:

یہ سَراۃ نامی پہاڑ کا مشرقی حصہ ہے، اور مغربی حصہ سے بڑا ہے، اور اس کا نام "سرزمین نجد" ہے یعنی بالائی سرزمین۔ اس لیے کہ یہ وسطِ جزیرہ کا اونچا حصہ ہے، جو جبلِ سراۃ کے مشرقی حصہ سے بتدریج مشرق میں "عروض" کے علاقہ یمامہ، بحرین اور ان کے اردگرد کے علاقوں تک پھیلا ہوا ہے۔

"سرزمینِ نجد" کی دو قسمیں ہیں: بالائی نجد، جو حجاز سے متصل ہے، اور نشیبی نجد، جو سرزمینِ عراق سے متصل ہے، نجد کا علاقہ چھٹی صدی عیسوی تک جنگلوں اور درختوں سے پُر تھا، بالخصوص بالائی نجد میں وادیٔ رُمّہ کے جنوب اور شمر نامی پہاڑوں کے قریب کا علاقہ، جو شمال میں ہے۔

قبیلۂ طیٔ کی سرزمین شمالی نجد میں واقع ہے، اس علاقہ اور صحرائے نفود کے درمیان اُجا اور سلمیٰ نامی دو پہاڑ ہیں جو سرزمینِ طیٔ کی طرف منسوب ہیں۔ سعودی عرب کا مشہور شہر "حائل" اُجا پہاڑ کے دامن اور سلمیٰ پہاڑ کے نشیبی حصہ میں واقع ہے۔

نجد کا مشرقی علاقہ "دَشوم" کے نام سے جانا جاتا ہے، نیز نجد کی کشادہ سبزہ زار زمین کے نام سے بھی جانا جاتا ہے جو مشرق میں دشوم، مغرب میں حرۂ خیبر اور شمال میں طیٔ پہاڑ کے درمیان پھیلا ہوا ہے، اسے "قصیم" کا علاقہ کہتے ہیں، جس کا لغوی معنی ایسی ریتلی زمین ہے جس میں "جھاؤ" کے درخت اُگتے ہیں۔

(۳) حجاز:

یہ سراۃ نامی پہاڑی سلسلہ کا بالائی علاقہ ہے، جو نجد اور تہامہ کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس علاقہ کا نام حجاز اس لیے ہے کہ یہ تہامہ اور شام کے درمیان حدِ فاصل ہے، اونچے پہاڑ کا یہ سلسلہ مدین کے شمالی علاقہ سے حدودِ یمن تک پھیلا ہوا ہے، سرزمینِ حجاز میں بہت سی وادیاں پائی جاتی ہیں۔ اُن میں "وادیٔ قُریٰ" ایک اہم وادی ہے جو العُلا شہر اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے، اسی وادی میں "قرح" نامی شہر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس قومِ عاد کو ہلاک کیا تھا جن کی طرف ہود علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، اسی وادی میں "حِجر" نامی شہر ہے جو مدائنِ صالح کے نام سے مشہور ہے۔

حجاز میں "یثرب" نامی ایک شہر تھا، جو اسلام آنے کے بعد "مدینۃ الرسول" کے نام سے مشہور ہوا، اسی وادی میں

''طائف'' شہر ہے جو مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں پچاسی کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ مکہ مکرمہ کے جنوب میں ہی وہ پہاڑی علاقہ ہے جہاں قبیلۂ ہذیل آباد تھا، اور اس کے جوار میں بنو سلیم اور بنو کنانہ نامی قبائل آباد تھے۔

(۴) العروض:

یہ جزیرۂ عرب کا چوتھا حصہ ہے۔ ابن الکلبی نے اس کی تحدید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ یمامہ، بحرین اور ان سے متصل علاقہ کا نام ہے، اور اس کا نام ''عروض'' اس لیے ہے کہ یہ علاقہ یمن اور نجد و عراق کے درمیان حدِ فاصل ہے، اس علاقہ کی اکثر زمینیں صحراؤں اور ساحلی علاقوں پر مشتمل ہیں جو مغربی علاقہ میں ساحلِ سمندر سے اونچے ہوتے گئے ہیں، آج کل یہ علاقہ کافی بڑا ہے، اور بحرین، کویت، اَحساء، قطر اور یمامہ وغیرہ کو شامل ہے۔

قدیم زمانہ میں ''بحرین'' کا اطلاق اس علاقہ پر ہوتا تھا جو بصرہ سے عُمان تک پھیلا ہوا تھا، اور اس میں کویت، اَحساء اور بحرین وقطر کا علاقہ شامل تھا، آج بحرین خلیج عربی کے وسط میں واقع چند جزیروں پر مشتمل ایک اسٹیٹ کا نام ہے جو ساحلِ قطر اور اَحساء سے الگ ہے۔

اسی طرح کویت سے مراد وہ علاقہ ہے جو بصرہ کے بالمقابل ہے، اس کی اکثر زمینیں نرم اور پھیلی ہوئی ہیں، اور سوائے چند ٹیلوں کے اس کے اکثر ساحلی علاقے ریتلے ہیں، اس اسٹیٹ کے مشہور ترین شہر کویت، دار السلطنت اور جہراء ہیں۔

عُروض کا ایک علاقہ ''اَحساء'' ہے، جو قدیم زمانہ میں بصرہ سے عُمان تک پھیلا ہوا تھا، لیکن آج کل یہ علاقہ کویت کے جنوب میں واقع ہے، اور حدودِ قطر تک پھیلا ہوا ہے، یہ علاقہ پانی کی کثرت اور سرسبز و شاداب درختوں کی وجہ سے خاص شہرت رکھتا ہے۔ اس کے سب سے زرخیز علاقے اَحساء اور قطیف کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ اسلام سے قبل اس علاقہ میں قبائل بنی عبد القیس، بنو تمیم اور بنو بکر بن وائل رہتے تھے، اور اہلِ فارس کے زیر اثر تھے۔ نبی کریم ﷺ نے علاء بن عبداللہ حضرمی کو وہاں تبلیغِ اسلام کے لیے بھیجا تھا، جن کے اثر سے وہاں کے عرب باشندگان اور بعض مجوسی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، اور کچھ نے جزیہ دینے کی منظوری پر صلح کر لی۔ آج کل یہ علاقہ مملکتِ سعودی عرب کا ایک حصہ ہے۔

قطر بھی عُروض کا ایک علاقہ ہے، جو جزیرہ نُما ہے، اور اَحساء سے لے کر جنوب میں حدودِ عُمان تک پھیلا ہوا ہے، اس کی اکثر زمینیں صحرائی ہیں، بہت کم زمین قابلِ زراعت ہے جسے یہاں کے باشندے کنوؤں کے پانی سے سیراب کرتے ہیں۔

عُروض کا دوسرا حصہ ''یمامہ'' ہے، جو زمانۂ قدیم میں ''جَو'' کے نام سے معروف تھا، اور ظہورِ اسلام کے وقت بستیوں اور شہروں سے آباد تھا۔ اس کی مشہور بستیاں منفوحہ اور سدوس تھیں۔ سدوس بستی یمن سے عراق جانے والی تجارتی رہگذر نیز نجران سے فارس جانے والے راستہ پر واقع تھی۔ مملکت سعودی عرب کا دار السلطنت ''ریاض'' یمامہ کا ہی ایک حصہ ہے، اور منفوحہ نام کی بستی اب ریاض شہر کا ایک حصہ بن گئی ہے۔

(۵) یمن:

یہ جزیرۂ عرب کا جنوبی حصہ ہے، اس کے حدود تہامہ سے عُروض تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کی نشیبی اور بالائی متعدد قسمیں ہیں۔ مثال کے طور پر ''تہامۂ عسیر'' جو حجاز و یمن کے درمیان سعودی علاقہ ہے اور ''تہامۂ یمن'' جو نرم اور زرخیز زمین

ہے، اور ساحلِ سمندر کے مقابل پہاڑوں سے مختلف وادیاں نکل کر اُس طرف جاتی ہیں، یہ پہاڑ سراۃ نامی پہاڑی سلسلے کا ہی حصہ ہے جو جزیرۂ عرب میں شمالی حجاز سے شمالی عدن تک پھیلا ہوا ہے۔ ان پہاڑوں کے پیچھے کشادہ پتھریلا علاقہ ہے جو مشرق کی جانب بڑھتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک طویل وعریض چٹیل میدان میں بدل جاتا ہے جو صحرائے دھناء تک پھیلا ہوا ہے۔

تہامۂ یمن کے جنوب مشرق میں ''عدن'' کا علاقہ ہے جس میں کئی پتھریلے علاقے ہیں، اور اُن کے درمیان کئی وادیاں ہیں جو مختلف خشک دریاؤں کے باقی ماندہ حصے ہیں۔

علاقۂ عدن کے مشرق میں حضرموت کا علاقہ ہے جو بحرِ عرب یا بحرِ یمن کے ساحل پر پھیلا ہوا ہے، اور شمال میں صحرائے ربع الخالی کے علاقہ تک پہنچتا ہے۔ اِسی یمنی علاقہ کا ایک حصہ ''ظفار'' نام کی آبادی ہے جو کہ وہاں سے حدودِ عُمان تک گیا ہوا ہے۔

ظفار سے متصل عُمان کا علاقہ ہے جو سوج دریا کے مشابہ پتھریلی زمین اور نرم ساحلی زمین پر مشتمل ہے۔ اس کے بعض علاقوں میں عام پانی کے چشمے، اور معدنیاتی پانی کے چشمے پائے جاتے ہیں، جو بسا اَوقات بہت زیادہ گرم ہوتے ہیں۔ عُمان کے علاقہ میں کئی پُرانے شہر ہیں، مثال کے طور پر صحار اور دُبا نامی شہر، جو قدیم زمانہ میں اہم شہروں میں شمار ہوتے تھے۔ وہاں عہدِ جاہلیت کے بازاروں میں سے ایک بازار بھی لگتا تھا۔ اس کے باشندے قبائل اَزد اور نزوہ سے تعلق رکھتے تھے۔ عُمان کے باشندوں کا شمار بحری اقوام میں ہوتا ہے، اور زمانۂ قدیم سے اِن کے تعلقات افریقہ اور ہندوستان کے ساحلی علاقوں سے رہے ہیں۔ ❶

❀❀❀❀

❶ مكة، في عصر قبل الإسلام: ص/١٥-٢٦.

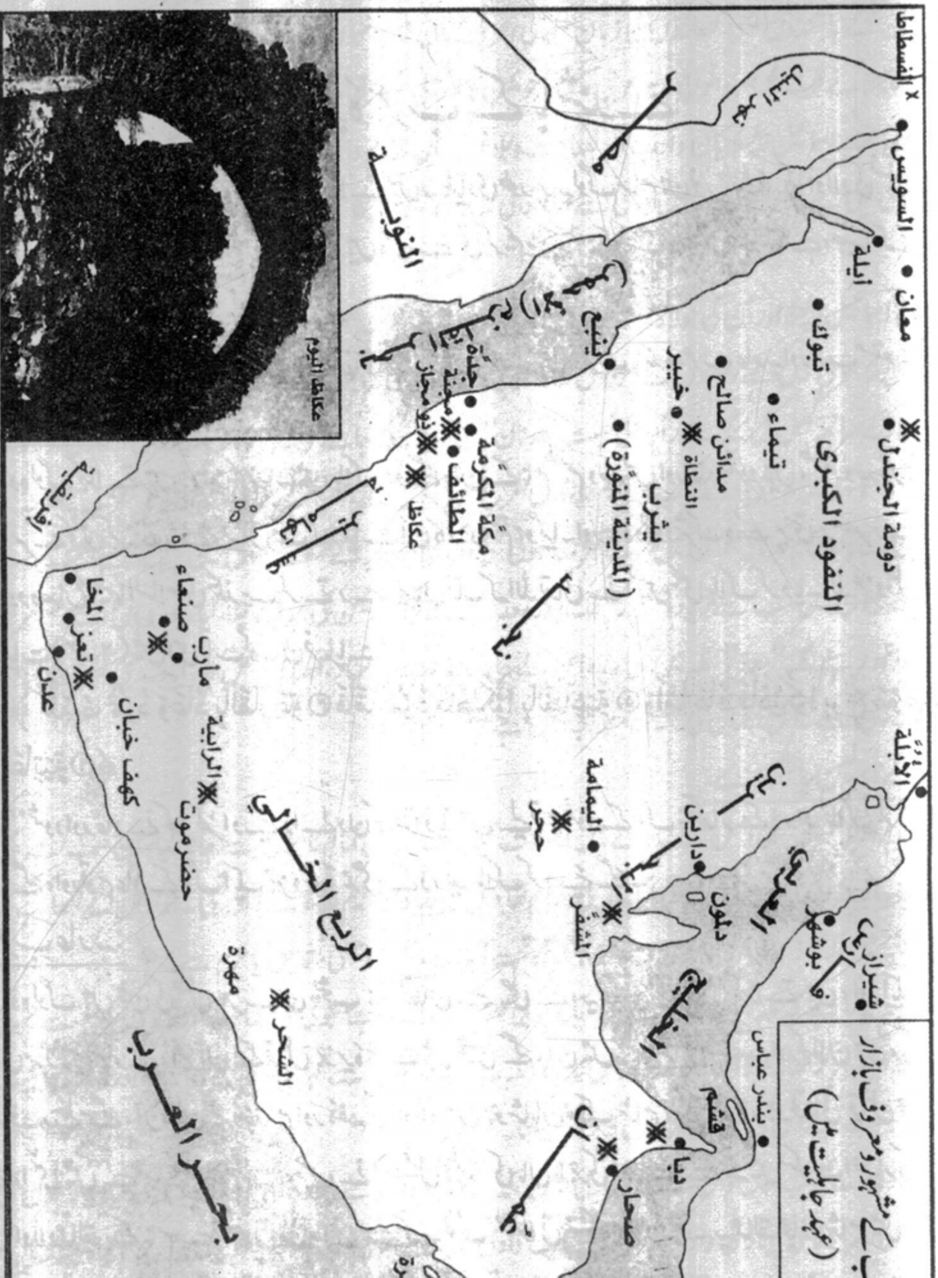
عرب مشہور ومعروف بازار
(عہد جاہلیت میں)
الفسطاط
السويس
أيلة
معان
تبوك
دومة الجندل
النفود الكبرى
تيماء
مدائن صالح
النطاة
خيبر
يثرب
(المدينة المنورة)
ينبع
مكة المكرمة
الطائف
جدة
مجنة
ذو المجاز
عكاظ
صنعاء
مارب
تعز
المخا
عدن
كهف خبان
الرابية
حضرموت
مهرة
الشحر
الربع الخالي
اليمامة
حجر
دارين
المشقر
دلمون
بوشهر
شيراز
بندر عباس
قشم
دبا
صحار
خليج عمان
مصيرة
الأبلة
النوبة
بحر العرب
عكاظ اليوم

جزیرۂ عرب کے باشندے

جزیرۂ عرب کے باشندے "عرب" کہلاتے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ لوگ سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد کی نسل سے ہیں، آگے چل کر ان کے جدِ اعلیٰ "عدنان بن اُدد" ہیں جن سے نبی کریم ﷺ کے نسب کا پہلا حصہ ملتا ہے، جیسا کہ آئندہ بیان کیا جائے گا۔

عرب مؤرخین قدیم ترین زمانہ کے عربوں کی تین قسمیں بتاتے ہیں: عرب بائدہ، عرب عاربہ اور عرب مستعربہ۔

۱-عرب بائدہ:

وہ لوگ کہلاتے ہیں جو قدیم زمانہ میں ہلاک ہو گئے، ان کے نام طسم وجدیس اور عاد وثمود ہیں، طسم وجدیس آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے، یہاں تک کہ دنیا سے اُن کا وجود ختم ہو گیا۔ اور عاد وثمود شرک وبت پرستی پر مُصر رہے، اور اپنے انبیاء ہود وصالح علیہما السلام کی تکذیب کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی ہلاک کر دیا۔ اللہ عزوجل نے سورۃ الحاقہ آیات (۴-۶) میں اسی بات کو بیان فرمایا ہے:

﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ۝ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝﴾

"ثمود اور عاد نے کھڑکھڑا دینے والے دن کو جھٹلا دیا، اس لیے قوم ثمود کے لوگ چنگھاڑ کے ذریعہ ہلاک کر دیے گئے، اور قوم عاد کے لوگ ایک تیز وتند آندھی کے ذریعہ ہلاک کر دیے گئے۔"

۲-عرب عاربہ:

وہ لوگ ہیں جن کی نسل یعرب بن یشجب بن قحطان سے چلی ہے، یہ لوگ "قحطانی" کہلاتے ہیں، اور ایک زمانہ تک یمن کی سرزمین پر رہے، پھر اُن کے قبائل جزیرۂ عرب میں پھیل گئے، ان میں مشہور قبائل حِمْیَر اور کہلان ہیں، کچھ قبیلے شام کی طرف چلے گئے، ان میں لخم وجذام اور غسّان کی اولاد ہیں جو شاہانِ ملکِ شام ہوئے۔ اور جو قحطانی قبائل حجاز میں آباد ہوئے، انہی میں سے قبیلۂ "جُرہم" ہے، جس نے اسماعیل علیہ السلام کی ماں ہاجر کی اجازت سے مکہ میں سکونت اختیار کی۔ ان کے چچا کی اولاد عمالقہ کے نام سے مشہور ہوئی، اس لیے کہ یہ لوگ "عملاق" کی اولاد تھے۔ یہ عمالقہ حجاز وشام میں رہائش پذیر ہوئے، کچھ مصر میں داخل ہو گئے، اور جزیرۂ عرب سے متصل علاقوں میں پھیل گئے۔ انہی عرب عاربہ میں سے بنو امیم ہیں جو جزیرۂ عرب میں ہی رہے، اس سے باہر نہیں نکلے۔

۳-عرب مستعربہ:

یہ لوگ اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی نسل سے ہیں۔ ابراہیم عرب کی اولاد سے نہیں تھے، اور نہ اُن کی زبان عربی

تھی، بلکہ سُریانی تھی، جو عراق کے علاقہ بابل میں رہنے والے کلدانیوں کی زبان تھی، اور جب اپنے علاقہ سے ہجرت کر کے شام گئے، تو وہاں کے باشندوں یعنی کنعانیوں کی زبان سیکھ لی، عربی زبان میں انہوں نے بات نہیں کی۔

اسماعیل علیہ السلام نے قبیلۂ جُرہم والوں سے عربی سیکھی، جو یمن کا قحطانی قبیلہ تھا، اور اُمّ اسماعیل ہاجر کی اجازت سے مکہ میں سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ اسماعیل علیہ السلام بیان و اَدب اور فصاحت و بلاغت میں جرہم والوں پر سبقت لے گئے، اور جرہم کے سردار مضاض بن عمرو کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اس بیوی سے اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو بارہ لڑکے عطا کیے۔ اُنہی میں سے نابت وقیدار تھے۔

اس طرح اسماعیل علیہ السلام اور اُن کی اولاد کی زبان عربی ہو گئی اور انہیں "عرب مستعربہ" کہا جانے لگا۔ اس لیے کہ ان لوگوں کے دادا ابراہیم علیہ السلام عربی نہیں تھے، انہوں نے عربوں سے عربی سیکھی، ان کی لڑکیوں سے شادیاں کیں، اُن میں مل گئے، اور پورے طور پر اُن کے ساتھ گھل مل گئے۔ اور اُن کی نسبت "عدنان" کی طرف کی جانے لگی جو اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کی اولاد میں سے تھا۔ اور چونکہ اسماعیل علیہ السلام بھی اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی طرح عربی نہیں تھے، اس لیے تمام عدنانیوں کو "عرب مستعربہ" کہا جانے لگا۔ عدنان کے بعد تمام عدنانی قبائل میں خوب کثرت ہوتی گئی، اور بلادِ عربیہ کے مختلف حصوں میں پھیلتے چلے گئے۔

عدنان کے بیٹوں میں سب سے زیادہ مشہور "عک اور معد" ہوئے، عک یمن کی طرف چلا گیا، اور وہاں اپنے سُسرالی اَشعریوں کے ساتھ رہنے لگا۔ "معد" مکہ میں ہی رہا، اس کے چار بیٹے ہوئے: نزار، قضاعہ، قُنص اور ایاد۔ نبی کریم ﷺ کا نسب "نزار" تک پہنچتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

مکہ اور اس کے اَوّلین باشندے:

مؤرخین نے لفظ "مکہ" کی اصل کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ مکہ جن تمام ناموں سے جانا گیا، اُن سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے ابتدائے عہد سے ہی ایک دینی مقام تھا جس کی بنیاد ابراہیم علیہ السلام نے ڈالی تھی۔ جواد علی نے لکھا ہے کہ بطلیموس کے جغرافیہ میں مکہ کا ذکر (MACORABA) کے تحت آیا ہے، جس کا معنی مقدس یا حرم ہے۔ ❶

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ اپنی ابتداء سے ہی ایک دینی مقام تھا، اور بعثتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بہت زمانہ قبل عبادت کا ایک مرکز تھا۔ اور ایسا لگتا ہے کہ اس نام کا اللہ کے "بیتِ عتیق" سے گہرا ربط و تعلق رہا ہے، اور زمانۂ جاہلیت میں دینی مرکز کی حیثیت سے اس کی شہرت میں اس کا بڑا دخل تھا۔

مکہ ایک وادی کے نشیب میں واقع ہے جو "وادیٔ بطنِ مکہ" سے معروف ہے، اور یمن اور شام کے درمیان قافلوں کی گزرگاہ کے بیچ میں، سراۃ نامی پہاڑ کی وادیوں میں سے ایک وادی میں ہے، اس کے چہار جانب بے آب وگیاہ پہاڑ ہیں، اسی لیے قرآن کریم نے اس کا وصف بیان کرتے ہوئے اسے "وادیٔ غیر ذی زرع" کہا ہے۔

مکہ میں ابراہیم علیہ السلام کی آمد:

مؤرخین کا خیال ہے کہ مکہ اور حجاز کے قدیم ترین حکام عمالقہ تھے، اُن کے بعد یمن سے آنے والے قبیلۂ جُرہم قحطانی کی

---

❶ تاریخ العرب قبل الاسلام: ۴/ ۱۸۸۔

اولاد تھی۔ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ عرب مستعربہ کا پہلا وطن مکہ تھا، اس لیے کہ اُن کے جدّ اعلیٰ ابراہیم علیہ السلام پہلے آدمی تھے جو وہاں پہنچے تھے، اور وہ عربی نہیں تھے، اپنے شہر ''اُر'' سے ہجرت کر کے (جو دریائے فرات کے شمال مغرب کنارے پر واقع تھا)، دیارِ مصر سے ہوتے ہوئے حاران یا حران آ گئے۔ راستہ میں شاہِ مصر کو توحید کی دعوت دی، اس وقت ان کی عمر پچیس سال تھی، اور اُن کے ساتھ اُن کی بیوی سارہ تھیں جو ان کے چچا ہاران کی بیٹی تھیں، اور ان کے چچا زاد بھائی لوط علیہ السلام تھے۔ شاہ مصر نے سارہ کو اپنے لیے روک لینا چاہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُسے ایسا سخت عذاب دیا کہ مارے ڈر کے اس نے انہیں چھوڑ دیا۔ اور ان کی کرامات کو دیکھ کر مزید یہ نیکی کی کہ اپنی بیٹی 'ہاجر' کو ان کی خدمت کے لیے انہیں دے دیا۔ بعد میں سارہ نے انہیں ابراہیم علیہ السلام کو دے دیا، ابراہیم علیہ السلام نے اُن سے شادی کر لی، اور اُن ہی کے بطن سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ سارہ کو جب معلوم ہوا کہ ہاجر حمل سے ہیں، تو اُن کی محبت دشمنی میں بدل گئی، اور ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ وہ انہیں اور ہاجر کو الگ الگ رکھیں۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اور بیوی کو لے کر مکہ گئے، اور اللہ کے حکم کے مطابق انہیں 'بیت حرام' کے پاس ٹھہرایا جو اُس وقت ٹیلہ کی مانند ایک اونچی جگہ تھی۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ ابراہیم آیت (۳۷) میں فرمایا ہے:

﴿رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾

''اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض اولاد کو تیرے بیت حرام کے پاس ایک وادی میں بسایا ہے جہاں کوئی کھیتی نہیں ہے، اے ہمارے رب! میں نے ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں۔''

ابراہیم علیہ السلام انہیں وہیں چھوڑ کر واپس چل پڑے، اور اُن کے لیے ایک تھیلی میں کچھ کھانا اور پانی کا ایک مشکیزہ رکھ دیا۔ ہاجر نے ان کی طرف دیکھ کر اُن سے پوچھا: آپ ہمیں کس کے حوالے کیے جا رہے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ تو ہاجر نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہوں۔ ❶ اس کے بعد ابراہیم دعوت توحید کی نشر و اشاعت کے لیے شام واپس چلے گئے۔

ہاجر اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام مکہ میں:

ہاجر اپنے دودھ پیتے بچہ کے ساتھ وادی میں رہ گئیں، ان کا گذران تھیلی میں موجود کھانے اور مشکیزہ کے پانی پر ہونے لگا۔ پانی کو ایک دن ختم ہونا تھا، ہو گیا، سو اب ہاجر اور ان کے دودھ پیتے بچے اسماعیل کو پیاس لگی، تو چاروں طرف پانی تلاش کرنے لگیں، اور حیران و پریشان ہو گئیں، اپنے بچہ کو پیاس کی شدت سے تڑپتا دیکھ کر ان کا دل پھٹا جا رہا تھا۔ اسی پریشانی میں صفا پہاڑی پر چڑھ کر دائیں بائیں دیکھنے لگیں، لیکن انہیں کہیں پانی نظر آیا، نہ ہی کوئی انسان۔ وہاں سے اتریں اور مروہ پہاڑی پر چڑھیں، اور دائیں بائیں دیکھتی رہیں، لیکن کچھ نہ دیکھا، تو اُتر کر صفا کی طرف آ گئیں، اسی طرح انتہائے پریشانی میں دونوں پہاڑوں کے درمیان دوڑتی رہیں، یہاں تک کہ سات بار دوڑ لگاتی رہیں، اور ہر بار بچے کے پاس جا کر دیکھتی رہیں کہ ابھی زندہ ہے یا اللہ کو پیارا ہو گیا۔ آخری بار اچانک دیکھتی ہیں کہ بچہ کے دونوں قدموں کی رگڑ کے اثر سے پانی کا ایک چشمہ ابل پڑا ہے، دوڑتی ہوئی وہاں پہنچیں، اور پانی کو مٹی اور پتھر سے گھیرنے لگیں، تاکہ زمین پر پھیل کر خشک نہ ہو جائے۔ اس طرح زمزم کا

---

❶ صحيح البخاري: كتاب الأنبياء، حديث ٣٣٦٤، ٣٣٦٥.

کنواں وجود میں آیا، اور اس کا پانی بہت ہو گیا۔

مکہ میں قبیلۂ جُرہم کی سکونت:

یمن کا قبیلۂ جُرہم وادی کے قریب سے گزرا، انہیں پانی کی ضرورت تھی، دیکھا کہ ایک چڑیا قریب ہی منڈلا رہی ہے۔ انہوں نے اپنے آدمی کو معاملہ کی تحقیق کے لیے بھیجا، وہ ان کے پاس ہاجر واسماعیل ﷤ اور پانی کی خوش کن خبر لے کر آیا۔ سبھی پانی کے پاس پہنچے اور ہاجر سے ان کے پاس پڑاؤ ڈالنے کی اجازت مانگی۔ انہوں نے اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی کہ پانی پر اُن کا حق نہیں ہوگا۔ وہ لوگ اس سے قبل مکہ کے اطراف کی وادیوں میں بسیرا کرتے تھے، پھر ہاجر واسماعیل ﷤ کے ساتھ مکہ کے باسی بن گئے۔ وہ لوگ پہلے بھی اس وادیٔ بطنِ مکہ سے گزرا کرتے تھے، جیسا کہ امام بخاری ﷫ نے کتاب الانبیاء میں روایت کی ہے۔ [1]

مکہ میں ابراہیم علیہ السلام کی آمد کی تعداد:

قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ہاجر واسماعیل ﷤ سے ملنے، اور اُن کی خبر گیری کرنے کے لیے کبھی کبھار مکہ آتے رہے، اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ایسا سوچنا غیر معقول ہے کہ جب سے انہوں نے دونوں کو وادی میں چھوڑا، کبھی پلٹ کر انہیں نہیں دیکھا، یہاں تک کہ ہاجر کا انتقال ہو گیا اور اسماعیل علیہ السلام نے شادی کر لی۔ حالانکہ اُن کے بارے میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ جب وہ مکہ آنا چاہتے تھے تو زمین اُن کے لیے لپیٹ دی جاتی تھی، اور اُن کا سفر بُراق پر ہوتا تھا۔ اس لیے ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی بیوی اور بچہ کو دیکھنے نہ آتے، جبکہ اُن دونوں کو ان کی محبت وخبر گیری کی شدید ضرورت تھی۔

لیکن اُن کے مشہور اسفار، جن کا ذکر حافظ ابن کثیر ﷫ نے قصص النبیین میں اور امام بخاری نے صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباس ﷠ کی روایت میں کیا ہے، صرف پانچ ہیں: پہلا سفر اُس وقت ہوا جب وہ ہاجر واسماعیل ﷤ کو لے کر وادیٔ بطنِ مکہ میں آئے، اور اللہ کے حکم سے ان دونوں کو وہاں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ دوسری بار اس وقت آئے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں خواب میں دکھلایا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں، تیسری بار اس وقت آئے جب ہاجر کا انتقال ہو چکا تھا، اور اسماعیل علیہ السلام نے قبیلۂ جُرہم کی ایک عورت سے شادی کر لی تھی۔ چوتھی بار اسماعیل علیہ السلام اور ان کے بال بچوں کی خبر گیری کے لیے آئے۔ اور پانچویں بار اسماعیل علیہ السلام کی معاونت سے خانۂ کعبہ کی تعمیر کے لیے آئے۔

ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ وہ اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں:

سیدنا ابن عباس ﷠ سے مروی روایت میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں آتا کہ ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں، اور یہ کہ باپ اور بیٹے نے پوری طاعت وبندگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی۔ یہ بات عجیب سی ہے، اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام کے مکہ آنے، اپنا خواب اپنے بیٹے کے سامنے بیان کرنے، اور پھر باپ بیٹے کا اللہ کے حکم کو بجا لانے کی بات کو ابن عباس ﷠ کیسے بھول جاتے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابن عباس ﷠ سے مروی تفصیلات میں مرفوع حقائق کے ساتھ اسرائیلیات داخل کر دی گئی ہیں، جیسا کہ حافظ ابن کثیر ﷫ نے لکھا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري: كتاب الأنبياء حديث ٣٣٦٤، ٣٣٦٥.

انہی غیر مذکور حقائق میں سے اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ کا ذکر ہے، حالانکہ سورۃ الصافات آیات (۱۰۳-۱۰۷) میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اور آیتوں کا سیاق دلالت کرتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جب شام میں یہ خواب دیکھا تو وادیٔ مکہ میں تشریف لائے، اور اپنا خواب اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے بیان کیا اور جو کچھ ہونا تھا ہوا، اُس وقت اسحاق علیہ السلام پیدا نہیں ہوئے تھے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ''ذبح'' کا واقعہ بیان کیا، اس کے بعد فرمایا:

﴿وَبَشَّرْنَٰهُ بِإِسْحَٰقَ نَبِيًّا مِّنَ ٱلصَّٰلِحِينَ﴾ [الصفات: ۱۱۲]

''اور ہم نے انہیں اسحاق کی خوشخبری دی جو نبی اور نیک لوگوں میں سے ہوں گے۔''

گویا یہ سیاق اور یہ آیت کریمہ اس بات پر نص قطعی ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہیں، اور یہ کہ اسحاق علیہ السلام کو لمبی عمر ملے گی یہاں تک کہ وہ نبی بنائے جائیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اُس مینڈھے کا سر جو اسماعیل علیہ السلام کے بدلے ذبح کیا گیا تھا، خانہ کعبہ کے میزاب (پرنالہ) کے ساتھ لٹکا دیا گیا تھا جو خشک ہو گیا تھا۔ نیز اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ اسحاق علیہ السلام بچپن میں مکہ آئے تھے، بلکہ اسماعیل علیہ السلام ہی مکہ میں رہے، اور وہیں ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے مطابق انہیں ذبح کرنے کی کوشش کی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے قربانی کا ایک بڑا جانور بھیج دیا۔

مقصود یہ ہے کہ اسماعیل علیہ السلام جب تیرہ سال کے ہوئے تو ابراہیم مکہ آئے، اور یہ اُن کے پانچ اَسفارِ مکہ میں سے دوسرا تھا۔ اور پہلے، تیسرے، چوتھے اور پانچویں اَسفار کا ذکر امام بخاری رحمہ اللہ کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں آیا ہے۔ بنابریں ابراہیم علیہ السلام کے پانچوں اَسفارِ مکہ کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے: ❶

پہلا سفر:

اِس سفر کی تفصیل ابھی کچھ سطور پہلے ''مکہ میں ابراہیم علیہ السلام کی آمد'' کے عنوان کے تحت گزر چکی ہے، جب ابراہیم اللہ کے حکم سے ہاجرا اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو لے کر مکہ کی وادیٔ غیر ذی زرع میں انہیں بسانے کے لیے آئے، اور انہیں وہاں چھوڑ کر شام واپس چلے گئے، تاکہ لوگوں کو توحیدِ باری تعالیٰ اور صرف اللہ کی بندگی کی دعوت دینے میں مشغول ہو جائیں۔

دوسرا سفر:

جب اللہ تعالیٰ نے انہیں خواب میں دکھلایا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں، جن کی عمر اُس وقت تیرہ سال تھی، چنانچہ انہوں نے اپنے رب کے اس حکم پر لبیک کہتے ہوئے، سرِ تسلیم خم کیا، اور اس کی طاعت و بندگی کو بجا لانے میں جلدی کرتے ہوئے، بیٹے سے اپنا خواب بیان کیا، بیٹے نے بھی اللہ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے، سرِ تسلیم خم کر دیا، اور کہا:

﴿يَٰٓأَبَتِ ٱفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِىٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰبِرِينَ﴾ [الصّٰفّٰت: ۱۰۲]

''ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ کر گزریے، اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔''

جب ابراہیم نے اسماعیل علیہ السلام کو پیشانی کے بل لٹایا، اور بسم اللہ اللہ اکبر کہا، اور بیٹے نے موت کو گلے لگانے کے لیے کلمۂ شہادت پڑھ لیا، اور ابراہیم علیہ السلام نے ان کے گلے پر چھری پھیری، تو چھری کچھ بھی کاٹ نہ سکی، اور ابراہیم علیہ السلام کو ان

❶ دیکھئے: قصص النبیین، ابن کثیر: ص/ ۲۲۰ اور اس کے بعد، اور صحیح بخاری: کتاب الأنبیاء، حدیث (۳۳۶۴)، (۳۳۶۵)۔

کے رب کی طرف سے آواز آئی کہ آپ نے خواب سچ کر دکھایا، اور آپ کا امتحان لیے جانے، اور اپنے رب کی طاعت و بندگی میں آپ کی سُرعت سے جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا، جیسا کہ آپ نے اس سے پہلے اپنے جسم کو آگ کے حوالے کر دیا تھا، اور اپنا مال مہمانوں کے لیے خرچ کرتے رہے۔ اب آپ، آپ کی بیوی اور آپ کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کا ظاہر وبین امتحان پورا ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١٠٥﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ﴿١٠٦﴾ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ﴿١٠٧﴾ ﴾ [الصافات: ۱۰۴-۱۰۷]

''اور ہم نے انھیں آواز دی کہ اے ابراہیم! آپ نے خواب سچ کر دکھایا، بے شک ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی اچھا بدلہ دیتے ہیں، یقیناً یہ ایک واضح آزمائش تھی۔ اور ہم نے اس کے فدیہ کے طور پر ایک بڑا جانور بھیج دیا۔''

یعنی ہم نے اُن کے بیٹے کے فدیہ کے طور پر ایک بڑا بکرا بھیج دیا۔

تیسرا سفر:

تیسری بار جب ابراہیم علیہ السلام مکہ آئے تو بے چاری مائی ہاجر کا انتقال ہو چکا تھا، اور اسماعیل علیہ السلام نے قبیلۂ جرہم کی ایک عورت سے شادی کر لی تھی جس کا نام بجداء بنت سعد تھا۔ ابراہیم کو اسماعیل علیہما السلام نہیں ملے، اُن کی بیوی ملی، جب اُس سے اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں پوچھا، تو تنگیٔ عیش کی شکایت کرنے لگی، اور اللہ کے شکر وستائش کا کوئی کلمہ اس کی زبان پر نہ آیا۔

ابراہیم علیہ السلام نے اس سے کہا کہ جب تیرا شوہر آئے تو اسے میرا سلام کہنا، اور کہنا کہ وہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ بدل دے۔ اسماعیل علیہ السلام جب گھر واپس آئے تو کسی نئی بات کا احساس کر کے اپنی بیوی سے پوچھا کہ کیا کوئی آدمی آیا تھا؟ اس نے بتایا کہ ہاں، ایسا ایسا ایک بوڑھا آدمی آیا تھا، اُس نے تمہارے بارے میں دریافت کیا، تو میں نے اُسے بتایا، اور یہ بھی پوچھا کہ ہمارا گزر بسر کیسا ہو رہا ہے؟ تو میں نے اپنی تنگی حال اور قلت رزق کی شکایت کی۔

اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا، تو کیا انہوں نے تمہیں کوئی بات مجھے کہنے کو کہی تھی؟ اس نے کہا: ہاں، کہا تھا کہ میں تمہیں اُن کا سلام پہنچا دوں، اور کہہ دوں کہ تم اپنے دروازہ کی چوکھٹ بدل دو۔ اسماعیل علیہ السلام نے کہا: وہ میرے باپ تھے، اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں چھوڑ دوں، اس لیے تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔

پھر اسماعیل علیہ السلام نے ایک دوسری عورت سے شادی کی، اس کا نام بَسّامہ تھا، جو قبیلۂ جُرہم کے سردار مضاض ابن عمرو کی بیٹی تھی، اسماعیل علیہ السلام کو اللہ نے اس سے بارہ بیٹے عطا کیے، جیسا کہ آئندہ اس کا بیان ہو گا۔

www.KitaboSunnat.com

چوتھا سفر:

چوتھی بار ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام کے پاس ایک لمبی مدت کے بعد آئے، اس بار بھی اسماعیل علیہ السلام گھر میں نہیں تھے، ان کی بیوی سے پوچھا تو بتایا کہ وہ تلاش رزق میں باہر گئے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ تم لوگ کیسے ہو؟ اور ان کے گزر اوقات کے بارے میں پوچھا، تو اس نے کہا کہ ہم لوگ خیریت اور وسعتِ رزق کے ساتھ ہیں، اور اللہ عزوجل کی بڑی تعریف کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: تم لوگ کیا کھاتے ہو؟ کہا: گوشت۔ پوچھا: پیتے کیا ہو؟ کہا: پانی، تو دعا کی کہ اے میرے

اللہ! تو اِن کے گوشت اور پانی میں برکت دے۔ پھر کہا: تمہارا شوہر جب آئے تو اُسے میرا سلام کہنا، اور کہنا کہ اپنی چوکھٹ کی حفاظت کرے۔ جب اسماعیل علیہ السلام آئے تو بیوی سے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی آدمی آیا تھا؟ کہا: ہاں، ایک اچھی شکل وصورت کے بوڑھے آدمی آئے تھے، اور ان کی بڑی تعریف کی۔ پھر کہا کہ انہوں نے تمہارے بارے میں پوچھا تو میں نے بتا دیا کہ تم تلاشِ رزق میں باہر گئے ہو۔ پھر ہمارے گزر اوقات کے بارے میں پوچھا، تو میں نے انہیں بتایا کہ ہم لوگ خیریت کے ساتھ ہیں۔ اور انہوں نے تم کو سلام کہا ہے، اور کہا ہے کہ تم اپنی چوکھٹ کی حفاظت کرنا۔ اسماعیل علیہ السلام نے اسے بتایا کہ وہ میرے باپ تھے، اور چوکھٹ سے مراد تم ہو، انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں نہ چھوڑوں۔

پانچواں سفر؛ خانہ کعبہ کی تعمیر:

پانچویں بار بھی ابراہیم علیہ السلام ایک لمبی مدت کے بعد آئے، جب انہوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ اس بار جب آئے تو اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر چھری سے تیر بنا رہے تھے۔

اسماعیل علیہ السلام نے جب اُن کو دیکھا تو فوراً باپ کے احترام ومحبت میں کھڑے ہوگئے، اور دونوں ایک دوسرے کے لیے باپ اور بیٹے کی محبت والفت اور ادب واحترام کا اظہار کرنے لگے۔

اس کے بعد ابراہیم نے اسماعیل علیہ السلام سے کہا: میرے بیٹے! مجھے اللہ نے ایک حکم دیا ہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے کہا: آپ کے رب نے آپ کو جو حکم دیا ہے، اسے ضرور کیجیے۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: تم میری مدد کروگے؟ اسماعیل علیہ السلام نے کہا: میں آپ کی مدد کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اللہ نے مجھے اِس جگہ ایک گھر بنانے کا حکم دیا ہے، اور ایک اونچی جگہ کی طرف اشارہ کیا۔

چنانچہ دونوں نے مل کر خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی، اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے تھے، اور ابراہیم علیہ السلام انہیں جوڑتے تھے۔ جب عمارت اونچی ہوگئی، تو اسماعیل علیہ السلام نے ایک پتھر لاکر ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نیچے رکھ دیا، اور ابراہیم علیہ السلام اُس پر کھڑے ہوکر عمارت کی تکمیل کرنے لگے، اسماعیل علیہ السلام انہیں پتھر لاکر دیتے تھے، اور ابراہیم علیہ السلام دیوار چنتے تھے، یہاں تک کہ اللہ کے فضل اور اس کی مدد سے خانہ کعبہ کی تعمیر مکمل ہوگئی۔

وہ پتھر جس پر ابراہیم علیہ السلام پاؤں رکھ کر دیوار بناتے رہے، بیت اللہ کی دیوار کے نیچے رہ گیا، اور اس پر ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدموں کے نشان ثبت ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کا نام "مقامِ ابراہیم" رکھ دیا، تاکہ وہ رہتی دنیا تک سارے عالم کے لیے اللہ کی ایک نشانی کے طور پر باقی رہے۔ اور اپنے مومن بندوں کو حکم دیا کہ اس "مقامِ ابراہیم" کے پاس نماز پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ [البقرہ: ۱۲۵] "اور (انہیں حکم دیا کہ) مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔"

دعائے ابراہیمی؛ اے اللہ! توحید کی بنیادوں کو مضبوط کردے، اور آخری نبی کو میری اولاد میں سے پیدا فرما:

ابراہیم علیہ السلام جب خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے، تو باپ اور بیٹے نے دعا کی کہ اللہ اس گھر کی تعمیر کو اُن کی طرف سے قبول کرلے، دونوں اسلام پر زندہ رہیں، اور اُسی پر وفات پائیں، اُن کے بعد اُن کی اولاد اس گھر کی وارث بنے، اِس دعوتِ توحید کو سارے عالم میں عام کرے، اور اللہ اُن کی اولاد میں ایک نبی بھیجے جو اُس دعوتِ توحید کی تجدید کرے جس کی بنیاد اس

نبی کے دادا ابراہیم علیہ السلام نے رکھی ہے، اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے اُس دعوت کی تکمیل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ آیات (۱۲۷-۱۲۹) میں فرمایا ہے:

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾﴾

''اور (یاد کرو) جب ابراہیم (علیہ السلام) بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے، اور اسماعیل (علیہ السلام) بھی، اور دعا کرتے تھے کہ اے ہمارے رب! اس عمل کو ہماری طرف سے قبول فرمالے، بے شک تو بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنا اطاعت گزار بندہ بنا، اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا اطاعت گزار بنا۔ اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے سکھا دے، اور ہمیں بخش دے، بے شک تو ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور اے ہمارے رب! انہی میں سے ایک رسول ان کی ہدایت کے لیے مبعوث فرما، جو تیری آیتیں انہیں پڑھ کر سنائے، اور انہیں قرآن وسنت کی تعلیم دے، اور انہیں پاک کرے، بے شک تو بڑا زبردست اور حکمت والا ہے۔''

ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی دعا کی کہ اللہ رب العالمین خانۂ کعبہ کو پُر امن حرم بنا دے، اُن کی اولاد کو بُت پرستی سے بچائے رکھنا، ہمیشہ دعوتِ توحید اور اس کی جڑوں کو مضبوط و پائیدار بنانے کی راہ میں جہاد کرنے کی توفیق عطا فرمانا، لوگوں کے دلوں میں مکہ میں موجود بیت حرام اور اُن کی اولاد کی محبت کو راسخ کر دے، اور اللہ انہیں انواع واقسام کے پھلوں کے ذریعہ روزی پہنچاتا رہے۔ انہی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ ابراہیم آیات (۳۵-۳۷) میں یوں ذکر فرمایا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ﴿٣٥﴾ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣٦﴾ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿٣٧﴾﴾

''اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: میرے رب! اس شہر کو پر امن بنا دے، اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے بچالے، میرے رب! ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے، پس جو شخص میری اتباع کرے گا وہ بے شک مجھ میں سے ہوگا، اور جو میری نافرمانی کرے گا، تو بے شک تو بڑا مغفرت کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض اولاد کو تیرے بیت حرام کے پاس ایک ایسی وادی میں بسایا ہے جہاں کوئی کھیتی نہیں ہے، اے ہمارے رب! میں نے ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں، اس لیے تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف پھیر دے، اور بطور روزی انہیں انواع واقسام کے پھل عطا کر، تاکہ وہ تیرا شکریہ ادا کریں۔''

اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی، اور اُن کی تمنائیں پوری ہوئیں، چنانچہ اللہ نے اُن کی اولاد میں خوب برکت عطا فرمائی، خوب افزائش نسل ہوئی، اور اُن میں خوب کثرت ہوئی، اور عربوں نے ان کی خاندانی رفعت وبلندی، سیادت وقیادت، اخلاق کریمانہ، اور ان کی شجاعت وجوانمردی کا اعتراف کیا، اور ابراہیم علیہ السلام کی دعوت توحید ان کی زندگی میں ہی سارے عالم میں پھیل گئی، اور اُن کے بعد اسماعیل علیہ السلام کی اولاد بھی خوب پھلی پھولی۔ اور ان کی اولاد میں سب سے بلند مقام ومرتبہ والے، اور سب سے زیادہ خاص ذکر وشہرت والے خاتم النبیین محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہاشمی ﷺ ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے، آپ نے فرمایا: ''میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا کا ثمرہ اور اپنے بھائی عیسیٰ کے ذریعہ دی گئی خوشخبری ہوں۔''

بیت اللہ کی تعمیر مکمل کرنے کے بعد ابراہیم علیہ السلام بلادِ شام واپس چلے گئے، اور دعوت الی اللہ کے کاموں میں لگ گئے، اور وہیں رہے، یہاں تک کہ اللہ نے انہیں اپنے پاس بلالیا۔ اُس وقت اُن کی عمر ایک سو پچھتر (۱۷۵) سال تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ اُس وقت وہ ایک سو نوے (۱۹۰) سال کے تھے۔ اُن کو سرزمین کنعان کی حبرون نامی بستی میں اُسی غار میں دفن کیا گیا جس میں اُن سے پہلے ''سارہ'' دفن کی گئی تھیں۔ اُن کے دفن کا کام ان کے دونوں بیٹوں اسماعیل واسحاق علیہما السلام نے انجام دیا۔ ❶

ابراہیمؑ نے لوگوں میں حج کا اعلان کیا:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے ابراہیم علیہ السلام کو (جب وہ تعمیرِ خانۂ کعبہ سے فارغ ہوگئے) حکم دیا کہ وہ لوگوں میں حج کا اعلان کریں، جیسا کہ سورۂ حج آیات (۲۶-۲۹) میں آیا ہے:

﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿٢٦﴾ وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾﴾

''اور جب ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے خانۂ کعبہ کی جگہ مقرر کردی، اور ان سے کہا کہ آپ کسی چیز کو بھی میرا شریک نہ ٹھہرائیے، اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں، اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے (شرک وبت پرستی سے) پاک رکھیے، اور آپ لوگوں میں حج کا اعلان کردیجیے، تاکہ وہ آپ کے پاس پیدل چل کر، اور دُبلی اونٹنیوں پر سوار ہوکر دور دراز علاقوں سے آئیں، تاکہ وہ اپنے لیے دینی اور دنیاوی فوائد حاصل کریں، اور چند متعین دنوں میں، ان چوپایوں کو اللہ کے نام سے ذبح کریں جو اللہ نے بطور روزی انہیں دیا ہے۔ پس تم لوگ اس کا گوشت کھاؤ، اور بھوکے فقیر کو بھی کھلاؤ۔ پھر انہیں چاہیے کہ اپنے جسم کا میل صاف کریں، اور اپنی نذریں پوری کریں، اور بیتِ عتیق یعنی خانۂ کعبہ کا طواف کریں۔''

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے آواز لگائی، اور ان کی آواز تمام لوگوں نے سنی، اور اُس وقت سے چپہ چپہ سے لوگ حج کے لیے آنے لگے، اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے، اور قیامت تک بیتِ حرام کی طرف حج کے لیے آنے والے قافلوں کا سلسلہ جاری

❶ قصص الأنبياء، ابن كثير: ۲٦٥.

رہے گا، لوگ حج کا فریضہ ادا کریں گے، اور اس توحیدِ خالص سے اپنے ربط و تعلق کی تجدید کریں گے، جس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے اِس مقدس گھر کو اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر بنایا تھا۔ ❶

اسماعیلؑ، اُن کے بیٹے، اور اُن کی اولاد:

اسماعیل علیہ السلام ''ذبیح اللہ'' کے لقب سے معروف ہوئے، اور قبیلۂ جُرہم کے اپنے سسرالیوں کے ساتھ بیت عتیق کے جوار میں رہنے لگے۔ پھر اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کو جُرہمیوں، حجاز میں رہنے والے عمالقہ اور اہل یمن کا نبی بنا کر مبعوث کیا، اور خانۂ کعبہ کی دیکھ بھال، اور لوگوں کو توحیدِ خالص، ایک اللہ کی عبادت، اور انکارِ شرک کی دعوت دینے لگے، اور اسی راہ پر گامزن رہے، یہاں تک کہ اللہ نے انہیں ایک سو سینتیس (۱۳۷) سال کی عمر میں اپنے پاس بلا لیا، اور خانۂ کعبہ کے باقی ماندہ حصہ (حِجر یعنی حطیم) میں اپنی ماں ہاجر کے ساتھ دفن کر دیے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اُن کی بیوی بسامہ بنت مضاض کے بطن سے بارہ بیٹے دیے۔ محمد بن اسحاق نے ان کے نام بھی ذکر کیے ہیں، اور تورات کتاب پیدائش، باب ۲۵، آیت ۱۳ میں آیا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہوئے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

نابت، قیدار، ادبئیل، مبسام، مشماع، دومہ، مسا، حدار، تیما، یطور، نافیش اور قدمہ۔ یہ تمام لڑکے اپنے جُرہمی ننہالیوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ ان میں سے دو مشہور ہوئے، نابت و قیدار۔ باقی کے نشانات مٹ گئے، اور اُن کی خبریں ضائع ہو گئیں، ماہرینِ نسب کا اجماع ہے کہ ''عدنان'' جس تک نبی کریم ﷺ کا نسب تحقیق کے ساتھ پہنچتا ہے، وہ انہی دونوں میں سے ایک کا بیٹا تھا۔ اور راجح یہ ہے کہ وہ قیدار کا بیٹا تھا۔

عدنان کے دو بیٹے ہوئے؛ عک اور معدّ۔ عک یمن چلا گیا، اور وہاں اپنے سُسرالی رشتہ دار اشعریوں کے ساتھ رہنے لگا۔ معدّ بن عدنان مکہ میں ہی رہا، اُس کے چار بیٹے ہوئے: نزار، قُضاعہ، قُنص اور ایاد۔ قُنص کے کچھ کے سوا سارے لڑکے ختم ہو گئے، انہی باقی ماندہ میں سے نعمان بن منذر تھا۔ ایاد کی اولاد ہوئی، اور سب ایادی کہلائے۔ انہی میں سے قُس بن ساعدہ ایادی تھا۔ قضاعہ کی اولاد یمن کے علاقہ حمیر چلی گئی، اور وہیں اقامت پذیر ہو گئی۔

نزار اپنے باپ کی طرح مکہ میں رہا، اور اس کے تین لڑکے ہوئے: مضر، ربیعہ اور انمار۔ مضر کے دو لڑکے ہوئے، الیاس و عیلان۔ الیاس کے تین لڑکے ہوئے: مُدرکہ، طابخہ اور قمعہ۔ مُدرکہ کے دو لڑکے ہوئے: خزیمہ اور ہذیل۔ خزیمہ کے چار لڑکے ہوئے: کنانہ، اَسد، اَسدہ اور ہون۔ کنانہ کے چار لڑکے ہوئے: ملکان، نضر، مالک اور عبد مناۃ۔ نضر کے دو لڑکے ہوئے: مالک اور مَخلد۔ مالک بن نضر کا ایک ہی لڑکا فہر نامی پیدا ہوا۔ فہر کے چار لڑکے ہوئے: غالب، محارب، حارث اور اَسد۔ غالب کے تین لڑکے پیدا ہوئے: لوی، تیم اور قیس۔ لوی بن غالب کے چار لڑکے ہوئے: کعب، عامر، سامہ اور عوف۔ کعب بن لوی کے تین لڑکے پیدا ہوئے: مُرّہ، عَدی اور ہُصیص۔ مُرّہ بن کعب کے تین لڑکے ہوئے: کلاب، تیم اور یقظہ۔ کلاب بن مُرّہ کے دو لڑکے ہوئے: قُصَیّ اور زُہرہ۔ قُصَیّ بن کلاب کے چار لڑکے ہوئے: عبد مناف، عبد الدار، عبد العُزّیٰ اور عبد قُصَیّ۔ عبد مناف کے چار لڑکے ہوئے: ہاشم، عبد شمس، مطلب اور نوفل۔ ہاشم کے چار لڑکے ہوئے: عبد المطلب، اَسد،

❶ مرجع سابق: ص/ ۳۰۶.

ابو سفیان اور نضلہ۔ عبد المطلب کے دس لڑکے ہوئے: عباس، حمزہ، عبداللہ، ابو طالب، زبیر، حارث، حجل، مقوّم، ضرار اور ابولہب۔ ❶

قصی بن کلاب قرشی:

قبیلۂ خزاعہ سیلِ عرم کے بعد مکہ مکرمہ آ گیا، اور مضافات میں سکونت پذیر ہوگیا، پھر اس نے مرورِ زمانہ کے ساتھ جرہمیوں پر غلبہ حاصل کر لیا، اور اپنے سردار عمرو بن لحی کی قیادت میں انہیں مکہ سے نکال باہر بھگایا۔ اسی عمرو بن لحی نے دینِ ابراہیمی کو سب سے پہلے بدلا اور بت پرستی کو رواج دیا۔

اس کے بعد بیت اللہ کی دیکھ بھال قبیلۂ خزاعہ والے ہی کرتے رہے۔ البتہ عرفہ سے لوگوں کو روانگی کا حکم دینا، اور قربانی کی صبح انہیں مزدلفہ سے منیٰ چلنے کا اشارہ دینا، ❷ یہ دونوں اعزاز قبیلۂ مضر کے لیے ہی مختص رہے جو مکہ کے باہر رہتا تھا۔

ایک طویل مدت کے بعد قصی بن کلاب بن مُرّہ ایک خطرناک جنگ لڑ کر جس میں دونوں فریقوں کے بہت سے لوگ مارے گئے، اور بہت سے زخمی ہوئے، خزاعہ سے بیت اللہ کی ولایت اور مکہ کی سیادت چھیننے میں کامیاب ہوا۔ قریشیوں کو اکٹھا کرنے اور مکہ میں حسب مراتب ان کو ترتیب دینے میں قصی نے ہی اہم ترین کردار ادا کیا۔

اس کے بعد قصی خانۂ کعبہ کی پاسبانی، حاجیوں کی میزبانی، انہیں پانی پلانا، اور علم برداری وغیرہ کا ذمہ دار بن گیا، اور لوگ قصی کو قرشی کہنے لگے، اس سے پہلے کسی کو "قرشی" نہیں کہا جاتا تھا، اور اس کی قوم نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔

اسی نے خانۂ کعبہ سے شام کے رُخ پر مسجد حرام سے متصل دار الندوہ بنایا، جو ایک بڑا کشادہ مکان تھا، قریش والے اسی میں اپنے عام معاملات انجام دیتے تھے۔ اس گھر کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ قریش اس میں آپس میں مشورے کیا کرتے تھے، یہیں سرداران قریش جمع ہوتے تھے۔ رائے زنی اور مشورہ کے لیے اس میں قصی کے بیٹوں کے علاوہ صرف وہی داخل ہو سکتا تھا جس کی عمر چالیس سال سے تجاوز کر گئی ہو۔ قریش والے کسی سے جنگ کرنے کے لیے یہیں اپنا علم باندھتے تھے، اور یہیں سے اس کے تجارتی قافلے نکلتے تھے، اور واپس آنے کے بعد یہیں اپنا اسباب تجارت اُتارتے تھے۔

بنو نضر کا نام قریش:

مؤرخین کا خیال ہے کہ سب سے پہلے فہر بن مالک بن نضر کا لڑکا قریش کے نام سے مشہور ہوا۔ اور یہ نضر نبی کریم ﷺ کا گیارہواں دادا تھا۔ اور قریش کا پہلا سردار قصی بن کلاب ہوا، جو رسول اللہ ﷺ کا چوتھا دادا تھا، اس نے حلیل بن حبشیہ خزاعی کی لڑکی سے شادی کی، جس سے اس کے تینوں بیٹے عبد مناف، عبد الدار، اور عبد العزیٰ پیدا ہوئے۔ اُن دنوں خانۂ کعبہ کی ولایت حلیل کے پاس تھی۔ اس نے مرنے سے پہلے خانۂ کعبہ کی ولایت کی وصیت قصی کے لیے کر دی، قصی نے اس کی خوب خدمت اور دیکھ بھال کی، اسی نے بنو نضر کو اکٹھا کیا، انہیں مرتب کیا، اور خاندانی حیثیات و مراتب کے مطابق اُن سب کو داخلِ مکہ اور خارجِ مکہ رہائش دی۔ اسی لیے بنی نضر کی اولاد کو "قریش" کہا گیا، یعنی وہ لوگ جو ٹولیوں میں بٹے ہوئے

---

❶ دیکھئے: رحمۃ للعالمین (عربی): ص/ ٥٥-١٠٥.

❷ المسعودی: ٢/ ٥٧، وابن خلدون: ٢/ ٦٨٩.

تھے، قُصی بن کلاب کی کوششوں سے اکٹھے ہوگئے۔ کہا جاتا ہے کہ مکہ کی حقیقی تاریخ کی ابتدا قصی کے زمانہ سے ہی ہوتی ہے، جو پانچویں صدی عیسوی کا تقریباً نصف کا زمانہ تھا۔

قبیلۂ قریش کے لوگوں نے جب مکہ میں اپنا قدم جما لیا، تو مکہ ترقی کرنے لگا، اور اقتصادی، دینی اور اَدبی اعتبار سے مرکزی شہر بن گیا، اور عربوں کی عام رہنمائی کا اسے حق دے دیا گیا۔ قُصی اور ظہورِ اسلام کے درمیان تقریباً ایک سو پچاس سال کا زمانہ ہے۔

قُصی جب بوڑھا ہوا تو اس نے مکہ سے متعلق وہ چھ اہم کام جن کے سبب سے مکہ کو عزت وشہرت ملی تھی، اپنے دو بیٹوں عبدالدار اور عبدمناف میں تقسیم کردیئے، عبدالعزیٰ کو ان کا اہل نہیں سمجھا۔ عبدالدار کو خانۂ کعبہ کی نگرانی، پاسبانی، دارالندوہ اور عَلَم باندھنے کی ذمہ داری سونپی، اور عبدمناف کو حاجیوں کو پانی پلانا، ان کی میزبانی کرنا اور فوج کی قیادت دی۔ ❶

عبدمناف، اُس کا بیٹا ہاشم اور اُس کے بیٹے:

جیسا کہ معلوم ہوا، عبدمناف، قُصی کے تین بیٹوں میں سے ایک تھا، اور اپنے باپ کی زندگی میں ہی عزت وشرف والا بن چکا تھا، اور قریش نے اس کی سرداری کو تسلیم کرلیا تھا، اور اپنی عزت وشرف کے سبب قریشیوں کے شجرۂ نسب کا ایک اہم نام بن چکا تھا۔ وہ قریشیوں کو اللہ سے ڈرنے اور صدق وامانت کی نصیحت کرتا تھا۔

اس کے چھ بیٹے ہوئے: مُطّلب، ہاشم، عبدشمس، اس کی بیوی عاتکہ بنت مُرّۃ بن ہلال کے بطن سے پیدا ہوئے، اور نوفل، اُبوعمرو اور اَبوعبیدہ اس کی دوسری بیوی واقد بنت عامر بن عبد کے بطن سے پیدا ہوئے۔

امام شافعی ؒ کا نسب مطلب سے ملتا ہے۔ عبدشمس کا نام اُمیہ تھا، اسی لیے اس کی اولاد بنواُمیہ کے نام سے جانی گئی، اور نوفل کی اولاد نوفلی کہلائی۔ ابوعمرو اور ابوعبیدہ کے حالات سے تاریخ بالکل خاموش ہے۔

ہاشم کا نام عمرو تھا، اس نے اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ شہرت پائی، نبی کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب اسی ہاشم کے بیٹے تھے۔ عبدالمطلب نے اپنے باپ کی طرح جُود وسخا، معاملات میں اعتدال پسندی، اعلیٰ دانش مندی، ظلم وتکبر سے دُوری اور شجاعت وجوانمردی کے سبب خوب شہرت پائی، اگرچہ وہ بھی دورِ جاہلیت کے اہلِ عرب کی طرح مشرکانہ اور جاہلی عقائد اور بُرے عادات واطوار سے پاک نہیں تھا۔

ہاشم پورے زمانۂ حج میں حاجیوں کو کھانا کھلاتا تھا، اسی لیے عربوں نے اسے ''ہاشم'' کا لقب دے دیا، یعنی وہ مردِ جُود وسخی جو پورے زمانۂ حج میں روٹیاں توڑ توڑ کر ملیدے بناتا ہے اور تمام حاجیوں کو کھلاتا ہے۔

ہاشم مالدار اور کریم النفس تھا، حج کے زمانہ میں اپنی قوم کو مخاطب کرکے کہتا: اے قریش کے لوگو، تم لوگ اللہ کے پڑوسی اور اس کے گھر والے ہو، اور اس موسم میں تمہارے پاس اللہ کے زائرین آتے ہیں، جو اُس کے گھر کی حرمت کی تعظیم کرتے ہیں، یہ لوگ اللہ کے مہمان ہیں، اور مہمانوں میں سب سے زیادہ تکریم کے مستحق اللہ کے مہمان اور اُس کے زائرین ہیں۔ یہ لوگ اپنے اپنے گھروں اور علاقوں سے غبار آلود اور بال بکھرے ہوئے پریشان حال آتے ہیں، ان کی اونٹنیاں سوکھ کر لکڑیوں

---

❶ مكة في عصرها قبل الإسلام: ص ٤٣-٤٨.

کی مانند ہو چکی ہوتی ہیں۔ تم انہیں کھلاؤ، پلاؤ۔

چنانچہ قریش کے سب لوگ حُجاج کی میزبانی کرتے تھے، حتی کہ ہر گھر والے کے پاس جو کچھ ہوتا تھا، اپنی استطاعت کے مطابق بھیج دیتا تھا، اور ہاشم تو ہر سال اپنا بہت سارا مال خرچ کرتا تھا، اور کہتا تھا کہ لوگو، اگر میرا مال اس کام کے لیے کافی ہوتا تو میں تمہیں زحمت نہ دیتا۔

ان کرم نواز خصائل کے سبب تمام عرب کے نزدیک عبد مناف اور اس کے بیٹوں کا بڑا مقام تھا۔ سب ان کے فضل وکرم کا اعتراف کرتے، اُن کی بڑی قدر دانی کرتے، اور انہیں تقدیس وتعظیم بھری نگاہ سے دیکھتے تھے۔

مقصود یہ ہے کہ ہاشم اپنے اعلیٰ کردار کی وجہ سے اپنے باپ کی وفات کے بعد اپنی قوم کا سردار بن گیا تھا، لیکن اُس کے بھائی عبدشمس نے اس کی سرداری کا اعتراف نہیں کیا، اور اپنے لیے سرداری کا دعویٰ کر بیٹھا۔ بالآخر دونوں نے ایک کاہن کو فیصل مانا جس نے ہاشم کے حق میں فیصلہ دیا، اور اس طرح ہاشم کی سرداری برقرار رہی۔ لیکن اُمیہ (عبدشمس) کے دل میں اپنے بھائی ہاشم کے خلاف چھپی عداوت سُلگتی رہی، اور بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان منتقل ہوتی رہی، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے، اور بنو ہاشم اور بنو امیہ کے لوگوں نے اسلام کو قبول کیا، تب یہ عداوت ایمان واسلام کی برکت سے بچی ایمانی اخوت میں بدل گئی، اور سب اللہ کے فضل وکرم سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد جب بعض کے دلوں میں دینی جذبہ سرد پڑنے لگا، تو چھپی ہوئی عداوتیں اور کدورتیں پھر اُبھرنے لگیں، اور بنو امیہ اور بنو عباس کے درمیان ۱۳۲ھ تک باقی رہیں۔

مدینہ میں ہاشم کی شادی اُمّ عبدالمطلب سے:

ہاشم پہلا آدمی تھا جس نے قریش کے فائدہ کے لیے موسم سرما اور موسم گرما میں الگ الگ دو تجارتی اسفار کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ ہاشم موسم گرما میں شام کا تجارتی سفر کرتا، نوفل عراق جاتا، مطلب یمن کے لیے روانہ ہوتا، اور عبدشمس حبشہ جاتا۔

ہاشم اپنے ایک تجارتی سفر میں شام جاتے ہوئے مدینہ سے گزرا، اور عمرو بن زید بن لبید خزرجی نجاری کا مہمان بنا، عمرو اپنی قوم کا سردار تھا، اس کی بیٹی سلمٰی ہاشم کے دل میں اُتر گئی، ہاشم نے اس کے باپ کو اس سے شادی کا پیغام دیا، اس نے قبول کر لیا، اور ہاشم کی سلمٰی سے شادی ہو گئی، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ سلمٰی اپنے باپ کے گھر میں ہی رہے گی۔ ہاشم کچھ دن اپنی بیوی کے پاس رہا، پھر شام کے لیے روانہ ہو گیا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ہاشم اسی سفر میں فلسطین کے مقام غزہ میں وفات پا گیا۔ سلمٰی امید سے ہو گئی تھی۔

اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا، تو اُس نے اس کا نام "شیبہ" رکھا۔ شیبہ اپنے ماموں کے پاس بنی عدی بن نجار میں سات سال تک رہا۔ جب وہ سنِ بلوغت کو پہنچنے والا تھا، تو اس کے چچا مطلب کو اس کے بہت ہونہار ہونے کا علم ہوا، اس نے یثرب پہنچ کر اس کی ماں اور اس کے ماموں سے اسے طلب کیا، اور اسے لے کر مکہ آیا جہاں اس کے باپ کی سرداری تھی۔

مطلب مکہ پہنچا تو "شیبہ" اس کی اونٹنی پر اس کے پیچھے سوار تھا۔ اہل مکہ کہنے لگے: یہ عبدالمطلب ہے، یعنی مطلب کا غلام ہے، مطلب نے کہا، اللہ تم سب کا بھلا کرے، یہ تو میرے بھائی ہاشم کا بیٹا "شیبہ" ہے، لیکن شیبہ پر وہی نام غالب آ گیا جس

نام سے اہل مکہ نے اس کے مکہ میں داخل ہوتے وقت اسے دیکھ کر پکارا تھا۔

عبدالمطلب مکہ میں اپنے چچا مُطلب کے پاس رہنے لگے۔ اُن کی خوب نشو ونما ہونے لگی اور ہوشیاری، ذہانت، بلند ہمتی، اور عزت وشرف اور ریاست وسیادت حاصل کرنے کی خواہش کے آثار اس پر ظاہر ہونے لگے۔ ❶

عبدالمطلب اور اس کے بیٹے:

ہاشم کے بعد حُجاج کی میزبانی اور انہیں پانی پلانے کا شرف اس کے بھائی مطلب بن عبد مناف کی طرف منتقل ہوگیا۔ ہاشم اور مطلب کی اولاد کے درمیان رشتہ داریاں ہوتی رہیں، اور یہ سب زمانۂ جاہلیت اور اسلام میں ایک خاندان بن کر رہے، ان کے درمیان کبھی اختلاف نہیں ہوا، اور جب مکہ والوں نے نبی کریم ﷺ، ان کے اصحاب کرام اور ان کا ساتھ دینے والوں کا بائیکاٹ کیا، تو بنی ہاشم اور بنی مطلب سب ایک ساتھ شِعب ابی طالب (ابو طالب کی گھاٹی) کے حِصار میں داخل ہوئے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

مطلب ایک شریف، مُطاع (جس کی اطاعت کی جاتی ہے) اور اپنی قوم میں اپنے دادا، باپ اور اپنے بھائی ہاشم کی طرح صاحب جود وسخا تھا۔ قریش نے اس کی سخاوت کی وجہ سے اس کا نام "فیّاض" رکھ دیا تھا (یعنی ایسا آدمی جس کا فیض وکرم ہمیشہ جاری رہے) اور اس کے مردانہ حسن وجمال کی وجہ سے لوگ اسے "چاند" بھی کہتے تھے، اس کا انتقال یمن کی "ریمان" نام کی بستی میں ہوا۔

اس کی وفات کے بعد حُجاج کی میزبانی اور انہیں پانی پلانے کا شرف اس کے بھتیجے عبدالمطلب کی طرف منتقل ہوگیا جسے وہ یثرب سے لے کر آیا تھا۔ اُس وقت عبدالمطلب جوان اور قوی تھے، اور خاندانِ قریش کے مشہور سپوت تھے۔

عبدالمطلب یثرب کے نوجوانوں کے ساتھ پل بڑھ کر جوان ہوئے تھے، اور جمال وہیبت اور شرافت ونجابت میں اُن سب سے آگے تھے۔ اپنے ماموں زادوں کے سامنے بطور فخر واعزاز کہا کرتے: میں عمرو العلا کا بیٹا ہوں، میں بطحائے مکہ کے سردار کا بیٹا ہوں۔

جب اُن کے چچا انہیں مکہ لے آئے تو قریشیوں کے درمیان ہوشمندی، ذہانت، طلبِ بلندی ورفعت، اور گھٹیا باتوں سے دوری اختیار کرنے میں مشہور ہونے لگے، چنانچہ جلد ہی وہ قوم قریش کے صاحبِ ہیبت لیڈر اور قابلِ اتباع والی وقائد بن گئے، اُن کی سیادت اور عزت وریاست کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں آگئی، اور تمام قریش والے اُن کی سرداری پر متفق ہوگئے، بلکہ عزت وشرف کے اس مقام پر پہنچ گئے جہاں اُن کے آباء واجداد میں سے کوئی نہ پہنچ سکا تھا۔

عبدالمطلب کو اللہ تعالیٰ نے (صحیح قول کے مطابق) بارہ بیٹے دیے: حارث، زبیر، ابو طالب، عبدالکعبہ، (اسی کو مقوم بھی کہا گیا ہے) عبداللہ (نبی کریم ﷺ کے والد) ابولہب، حجل (اسی کو غیدان بھی کہا گیا ہے) مغیرہ، حمزہ، ضرار، عباس اور مصعب۔ اور چھ بیٹیاں دیں: اُمّ حکیم (بیضاء)، صفیہ، بَرّہ، عاتکہ، اُمیمہ اور اَروی۔

---

❶ خلاصہ تاریخ ابن کثیر: ص ۱/ ۱۱۲، ۱۱۶۔

عبدالمطلب کی زندگی کے تین اَہم واقعات

عبدالمطلب کی زندگی میں تین بڑے ہی اہم واقعات رُونما ہوئے، جو نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ اور حیاتِ طیبہ سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ پہلا واقعہ: زمزم کے کنویں کی کھدائی۔ دوسرا: عبدالمطلب کی نذر کہ وہ اپنے بیٹوں میں سے ایک کی اللہ کے لیے قربانی دیں گے، اور قُرعہ نبی کریم ﷺ کے والد عبداللہ کے نام نکلنا، تیسرا: حادثۂ اصحابِ فیل۔

چونکہ اِن تینوں حادثات کا دعوتِ اسلامیہ سے قوی ربط وتعلق ہے، اس لیے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں اختصار کے ساتھ کچھ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

(۱) زمزم کی کھدائی:

محمد بن اسحاق وغیرہ نے صحیح سند کے ذریعہ عبداللہ بن زُریر غافقی سے روایت کی ہے کہ اُس نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سنا کہ عبدالمطلب نے بتایا: میں حِجر (خانۂ کعبہ کا چھوڑا ہوا حصہ) میں سویا تھا کہ ایک آنے والا آیا، اور مجھ سے کہا: طیبہ کو کھودو۔ میں نے پوچھا: طیبہ کیا ہے؟ تو وہ چلا گیا۔ دوسرے دن میں اپنے بستر پر سویا تھا تو وہ آنے والا آیا اور کہا: بَرّہ کو کھودو۔ میں نے پوچھا: بَرّہ کیا ہے؟ تو وہ پھر چلا گیا۔ تیسرے دن میں پھر اپنے بستر پر سویا تھا تو وہی آنے والا آیا، اور کہا: مضمونہ کو کھودو۔ میں نے پھر پوچھا: مضمونہ کیا ہے؟ تو وہ چلا گیا۔ چوتھے دن میں پھر اپنے بستر پر سویا تھا تو وہی آنے والا آیا، اور کہا: زمزم کو کھودو۔ میں نے پوچھا: زمزم کیا ہے؟ تو اُس نے کہا: وہ کنواں جو کبھی خشک نہیں ہوگا، اور نہ اس کا پانی خراب ہوگا۔ اُس سے تم حاجیوں کو پانی پلاؤ گے۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ جب عبدالمطلب کے لیے بئر زمزم کی وضاحت کر دی گئی، اور اس کی جگہ بتا دی گئی، اور انہیں یقین ہوگیا کہ بتانے والا سچا ہے، تو کدال لیا، اور اپنے ساتھ اپنے بیٹے حارث کو لیا (اُس وقت تک عبدالمطلب کا حارث کے سوا اور کوئی بیٹا نہیں تھا) اور بتائی ہوئی جگہ پر کھودنے لگے۔ جب عبدالمطلب کو کنویں کا پاٹ نظر آیا، تو اللہ اکبر کی آواز لگائی۔ تب قریشیوں کو یقین ہوگیا کہ اس نے اپنی مطلوبہ شے پالی، اور سب عبدالمطلب سے کہنے لگے کہ یہ ہمارے باپ اسماعیل کا کنواں ہے، اس میں ہمارا بھی حق ہے، اس لیے تم ہمیں بھی اپنے ساتھ شریک کرو، لیکن عبدالمطلب نے ان کی بات نہیں مانی، اور جب اختلاف شدید ہوگیا تو طے پایا کہ بلادِ شام کے قریب رہنے والی بنی سعد کی کاہنہ "ہذیم" سے اس کا فیصلہ کرایا جائے۔

جب لوگ حجاز وشام کے درمیان بعض چٹیل میدان میں پہنچے، تو عبدالمطلب اور اس کے ساتھیوں کا پانی ختم ہوگیا، اور سب کو اپنی ہلاکت کا یقین ہوگیا۔ اچانک عبدالمطلب کی سواری کے کھُر کے نیچے سے میٹھے پانی کا ایک چشمہ اُبل پڑا۔ سب نے اُسے پیا، اور ہلاک ہونے سے بچ گئے۔ تب انہوں نے عبدالمطلب سے کہا: جس اللہ نے تمہیں اس میدان میں پانی سے سیراب کیا ہے، اُسی نے تمہیں زمزم سے سیراب کیا ہے۔ چنانچہ سب نے زمزم پر صرف عبدالمطلب کا حق تسلیم کر لیا۔ [1]

بئر زمزم کی کھدائی کے واقعہ کے بعد قومِ قریش کی نگاہ میں عبدالمطلب بہت بلند ہوگئے، بلکہ سارا عرب اُن کی برتری

---

[1] سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۱۴۲-۱۵۵، طبقات ابن سعد: ۱/ ۸۳-۸۵، اس کی سند صحیح ہے۔

کا قائل ہوگیا۔ اس لیے کہ انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مکہ میں اہل حرم اور حُجاج بیت اللہ کے لیے پانی جیسی نادر ترین نعمت کو میسر فرمایا۔

(۲) عبدالمطلب کی نذر کہ وہ اپنے ایک بیٹے کو اللہ کے لیے ذبح کریں گے، اور قرعہ عبداللہ کے نام نکلا:

عبدالمطلب کو حاجیوں کی میزبانی اور پانی پلانے کا شرف حاصل تھا، انہیں گہرے پانی کے کنووں کی سخت ضرورت تھی، تاکہ حُجاج سیراب ہوکر پانی پیتے رہیں، اسی لیے انہیں اس بات کی بڑی فکر تھی کہ کوئی قرشی بئر زمزم میں ان کا شریک نہ بن جائے۔ جب زمزم کا کنواں ظاہر ہوا، اور قریشیوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ اس میں ہمارا بھی حق ہے، اور ہم اپنے حق سے دستبردار نہیں ہوں گے، تو عبدالمطلب نے اصرار کیا کہ یہ صرف میرا ہے، کسی اور کا نہیں۔ عبدالمطلب اکیلے تھے، ان کے ساتھ صرف ان کا بیٹا حارث تھا۔ اور بنو عبد شمس اور بنو عبدالدار تاک میں لگے ہوئے تھے کہ اپنی کثرت تعداد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اُن سے یہ حق چھین لیں، اور ان کے شرکاء بن جائیں۔

اُس وقت عبدالمطلب کو اپنی کمزوری اور اس بات کا احساس ہوا کہ کاش اُن کے پاس قوی اور طاقتور لڑکے ہوتے جو لوگوں کو اُن کا حق چھیننے سے روکتے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کے لیے نذر مانی کہ اگر ان کے دس لڑکے ہوئے تو وہ ایک کو قربان کردیں گے۔

جب اُن کے دس لڑکے پیدا ہوچکے، تو انہوں نے اُن کے درمیان قرعہ ڈالا کہ کسے ذبح کریں۔ قُرعہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے نام نکلا۔ عبداللہ اپنے باپ کے سب سے چہیتے بیٹے، اور اُن کے بہت مشابہ تھے، اور ہمیشہ ان کی بے پناہ محبت وایثار سے نوازے جاتے تھے۔ برادرانِ عبداللہ اور سردارانِ قریش عبدالمطلب کو قائل کرنے میں کامیاب ہوگئے کہ وہ اپنے بیٹے کا فدیہ دے دیں۔ عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی گئی تو قرعہ عبداللہ کے نام نکلا، عبدالمطلب اونٹوں کی تعداد دس سے بیس، تیس بڑھاتے گئے اور ہر بار قرعہ عبداللہ کے نام نکلتا گیا، یہاں تک کہ اونٹوں کی تعداد سو ہوگئی تب قُرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ عبدالمطلب نے پورے سو اونٹ ذبح کرکے لوگوں کے لیے چھوڑ دیے، لوگوں نے اُس میں سے جتنا چاہا اپنے گھر لے گئے۔ ❶

واقدی نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی ولادت سے پانچ سال پہلے کا ہے، اور اس کی تائید صحابیِ رسول ﷺ حکیم بن حزام بن خویلد رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ میں حادثۂ فیل سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوا، اور مجھے اس وقت ہوش تھا جب عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کو ذبح کرنا چاہا تھا۔ ❷

یقیناً یہ واقعہ اس تقدیرِ الٰہی کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ نبی اُمّی ختم الرسل کو اللہ کے دو ذبیح اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام اور عبداللہ بن عبدالمطلب کے ذریعہ پیدا ہونا تھا۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ ❸

---

❶ طبقات ابن سعد: ۱/ ۸۴، ۸۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۴/ ۱- ۵۵، مصنف عبدالرزاق: ۵/ ۳۱۶، ۳۱۷، دلائل النبوۃ للبیہقی: ۱/ ۸۷.

❷ الإصابۃ: ۲/ ۱۱۲.

❸ سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۱۵۱- ۱۵۵، اور رحمۃ للعالمین: ۲/ ۸۹، ۹۰.

واقعۂ اصحابِ فیل:

جمہور مؤلفین سیرتِ نبویہ نے محمد بن اسحاق کی مشہور روایت کو ترجیح دی ہے کہ جب اَبرہہ اَشرم نصرانی، نے جو حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن کا گورنر تھا، دیکھا کہ تمام عرب قومیں کعبہ کی تعظیم میں (جسے ان کے دادا ابراہیم علیہ السلام اور باپ اسماعیل علیہ السلام نے بنایا تھا) حج کرنے کے لیے مکہ جاتی ہیں، تو اس نے یمن میں ایک نہایت خوبصورت گرجا بنوایا، جس کا نام "قُلَّیس" رکھا، اور لوگوں کو اس کی زیارت کی دعوت دی، تاکہ عربوں کی توجہ مکہ اور خانہ کعبہ سے ہٹائی جائے، اور انہیں اس کا حج کرنے سے روکا جائے۔

جب عربوں کو ابرہہ کے اس کیے کا علم ہوا، تو ان پر بڑا گراں گزرا، چنانچہ کوئی عربی اُس گرجا میں چپکے سے داخل ہوگیا، اور اس میں پاخانہ کر کے اس کی دیواروں پر لگا دیا۔ ابرہہ بہت زیادہ ناراض ہوا، اور قسم کھائی کہ وہ مکہ کو اپنی فوجوں کے ذریعہ روندے گا، اور خانۂ کعبہ کو گرا دے گا۔ ایک بڑی فوج لے کر مکہ کی طرف چل پڑا جس کی تعداد ساٹھ ہزار سے زیادہ بتائی گئی ہے، اور خود ایک بڑے بھاری بھرکم ہاتھی پر سوار ہوا۔

عربوں نے جب یہ خبر سنی تو بہت پریشان ہوئے اور گھبرائے، اور اس سے جنگ کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ شرفائے یمن میں سے ذُونفر نامی ایک شخص نے اس کا اور اس کی فوج کا راستہ روکنا چاہا، لیکن وہ اپنی فوج کے ساتھ شکست کھا گیا اور گرفتار کر لیا گیا۔

کچھ اور آگے بڑھا تو نفیل بن حبیب خثعمی نے دیگر قبائل عرب کے ساتھ اُسے روکنا چاہا، اور زبردست جنگ کی، لیکن اس کو بھی شکست ہوگئی، اور ابرہہ کی فوج نے ذونفر کی طرح اسے بھی گرفتار کر لیا۔

ابرہہ مکہ کی طرف بڑھتا ہوا طائف سے گزرا، تو وہاں کے لوگوں نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے، اور اپنی طاعت وفرمانبرداری کا اس کے لیے اعلان کر دیا، اور اس کے ساتھ ابورغال کو بھیج دیا، تاکہ اسے مکہ کا راستہ بتاتا جائے۔ ابرہہ اور اس کی فوج نے مکہ جاتے ہوئے عربوں کا بہت سارا مال لوٹ لیا۔ عبدالمطلب کے دوسو اونٹ بھی اس نے اپنے قبضہ میں کر لیے۔

جب ابرہہ مکہ سے دو میل کی دوری پر واقع مقام مُغمّس پہنچا، تو اپنے قاصد حُناطہ حمیری کو سردارِ مکہ عبدالمطلب کے پاس بھیجا، اُس نے عبدالمطلب سے کہا: بادشاہ نے تم سے کہلا بھیجا ہے کہ میں تم لوگوں سے جنگ کرنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ میرا مقصد تو صرف خانۂ کعبہ کو گرانا ہے۔ عبدالمطلب نے کہا: اللہ کی قسم! ہم بھی اُس سے جنگ کرنا نہیں چاہتے، اور یہ گھر تو اللہ کا بیتِ حرام، اور اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا گھر ہے، اگر وہ ابرہہ کو اُسے گرانے سے روک دے گا تو وہ اس کا گھر اور اُس کا حرم ہے، اور اگر اُسے گرانے کے لیے ابرہہ کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے تو اللہ کی قسم! ہم اُس کا دفاع نہیں کر سکتے ہیں۔ حُناطہ نے کہا: تو پھر تم میرے ساتھ اُس کے پاس چلو، اُس نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اُس کے پاس لے چلوں۔

جب ابرہہ نے عبدالمطلب کو دیکھا تو اُن کی تعظیم وتکریم کی، اس لیے کہ وہ بڑے خوبصورت اور بڑی ہیبت وعظمت والے آدمی تھے۔ پھر ابرہہ نے اپنے ترجمان سے کہا: اس سے پوچھو: تمہاری کیا حاجت ہے؟ عبدالمطلب نے کہا: میری حاجت یہ ہے کہ بادشاہ میرے دوسو اونٹ لوٹا دے جنہیں اس نے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ جب عبدالمطلب نے یہ بات

کہی، تو ابرہہ کو بڑا تعجب ہوا، اور عبدالمطلب کی حیثیت اس کی نگاہ میں کم ہوگئی، اور کہا: تم مجھ سے دوسو اونٹوں کی بات کر رہے ہو، اور اس گھر کا نام نہیں لیتے جو تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا دین ہے، جسے گرانے کے لیے میں آیا ہوں۔

عبدالمطلب نے اس سے کہا: میں صرف اونٹوں کا مالک ہوں، گھر کا مالک ربِّ ذوالجلال ہے، وہ اس کا دفاع کرے گا۔ ابرہہ نے کہا: وہ گھر میری زد سے نہیں بچ سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا: تم جانو اور وہ گھر والا جانے!!

عبدالمطلب جب وہاں سے واپس آئے تو اہلِ قریش کو جمع کیا، اور اُن کو ساری بات سُنائی، اور انہیں مکہ سے نکل کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور اُن میں خفیہ جگہوں پر چلے جانے کو کہا، تاکہ ابرہہ کی فوج انہیں روند نہ ڈالے۔ پھر عبدالمطلب کچھ مخصوص قریشیوں کے ساتھ کعبہ کے پاس گئے، اور اس کے دروازہ کی کنڈی پکڑ کر اللہ سے خوب دعا کی، اور ابرہہ اور اس کی فوج کے خلاف رو رو کر مدد مانگی۔ دعا سے فارغ ہو کر اپنی قوم کے پاس چلے گئے، اور انتظار کرنے لگے کہ ابرہہ مکہ میں داخل ہو کر کیا کرتا ہے؟!

ابرہہ مکہ میں داخل ہونے کے لیے پورے طور پر تیار ہوگیا، اور اپنی فوج کو بھی تیار کر لیا، اور سب سے بڑے ہاتھی کو آگے کر کے اُس کا رُخ حرم کی طرف کر دیا، جب مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادیٔ محسر میں پہنچا، تو ہاتھی زمین پر بیٹھ گیا، اُن لوگوں نے اسے لاکھ ضرب لگائی، نہیں اٹھا۔ تب انہوں نے اُس کا رُخ یمن کی طرف کر دیا، وہ فوراً اٹھ کر دوڑنے لگا، پھر اُس کا رُخ شام کی طرف کیا، تو دوڑنے لگا، پھر مشرق کی طرف اُس کا رُخ کیا تو اسی طرح دوڑنے لگا جس طرح یمن اور شام کی طرف دوڑنے لگا تھا۔ پھر دوبارہ اس کا رُخ مکہ کی طرف کیا تو بیٹھ گیا۔

ابرہہ اور اس کی فوج کے لوگ اپنے بڑے ہاتھی کے ساتھ وادیٔ محسر میں اسی پریشانی کے عالم میں تھے کہ اہلِ قریش کیا دیکھتے ہیں کہ سمندر کی طرف سے چھوٹی چھوٹی چڑیاں جھنڈ کی جھنڈ آ رہی ہیں، اور اُن پر کنکر برسا رہی ہیں اور انہیں فوراً ہلاک کر دے رہی ہیں۔ ہر چڑیا تین کنکر اٹھائے ہوئی تھی۔ ایک چونچ میں، اور دو اپنے دونوں پاؤں میں۔

ابرہہ کی فوج کے لوگ بھاگنے لگے، اور بھاگتے ہوئے ہر طرف مر مر کر گرنے لگے۔ ابرہہ کو بھی اس کے نام کا پتھر لگا، اس کے لوگ اسے لے کر بھاگے، پہلے تو اس کی انگلیاں کٹ کر چاروں طرف بکھرنے لگیں، پھر اس کا سارا جسم کاری ضرب سے نشانِ عبرت بن گیا۔ اُسے اُسی حال میں صنعاء لے کر آئے۔ اُس کا جسم چڑیا کے چوزہ کی طرح نحیف ونزار ہو گیا تھا۔ وہاں پہنچ کر اُس کا سینہ پھٹ گیا، دل باہر آ گیا، اور ہلاک ہوگیا۔

جب عبدالمطلب اور قریشیوں نے اپنی آنکھوں سے اُس عذاب کو دیکھ لیا جو ابرہہ کی فوج پر نازل ہوا تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اطمینان کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔ اور اس واقعہ کے بعد تمام عالمِ عرب کو بیتِ حرام (کعبہ) کی عظمت اور قریش کے مقامِ اعلیٰ کا مزید یقین ہوگیا۔

اس حادثہ کا نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ اور تاریخ دعوتِ اسلامیہ سے بڑا گہرا تعلق ہے، آپ اپنے باپ عبداللہ ذبیح کے گھر اسی سال پیدا ہوئے۔ اس طرح یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی عزت وشرف کی دلیل، آپ ﷺ کی بابرکت ولادت کی طرف اشارہ، اور بحیثیت نبی مرسل آپ کی بعثت کی خبر دے رہا تھا، تا کہ آپ ﷺ خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک

کریں، اور اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام اور باپ اسماعیل علیہ السلام کی طرح اس پر توحید کا علم بلند کریں۔

اس عظیم تاریخی حادثہ سے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک سورت نازل فرمائی، اور نہایت ہی مختصر عبارت اور واضح اسلوب میں اس کی غایت درجہ سحر انگیز تصویر کشی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۝١ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝٢ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝٣ تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۝٤ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝٥﴾ [الفیل: ۱-۵]

''کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا، کیا اس نے (خانۂ کعبہ کے خلاف) ان کی سازش کو ناکام نہیں بنا دیا، اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے، جو ان پر پتھر ملی مٹی کی کنکریاں برساتے تھے، پس اللہ نے انہیں کھائے ہوئے بھس کے مانند بنا دیا۔ ❶

❁❁❁❁

---

❶ دیکھئے: سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۴۳-۶۲، محمد رسول اللہ: ۸۷-۹۸، تفسیر تیسیر الرحمن لبیان القرآن: سورۃ الفیل، ص/ ۱۷۷۰.

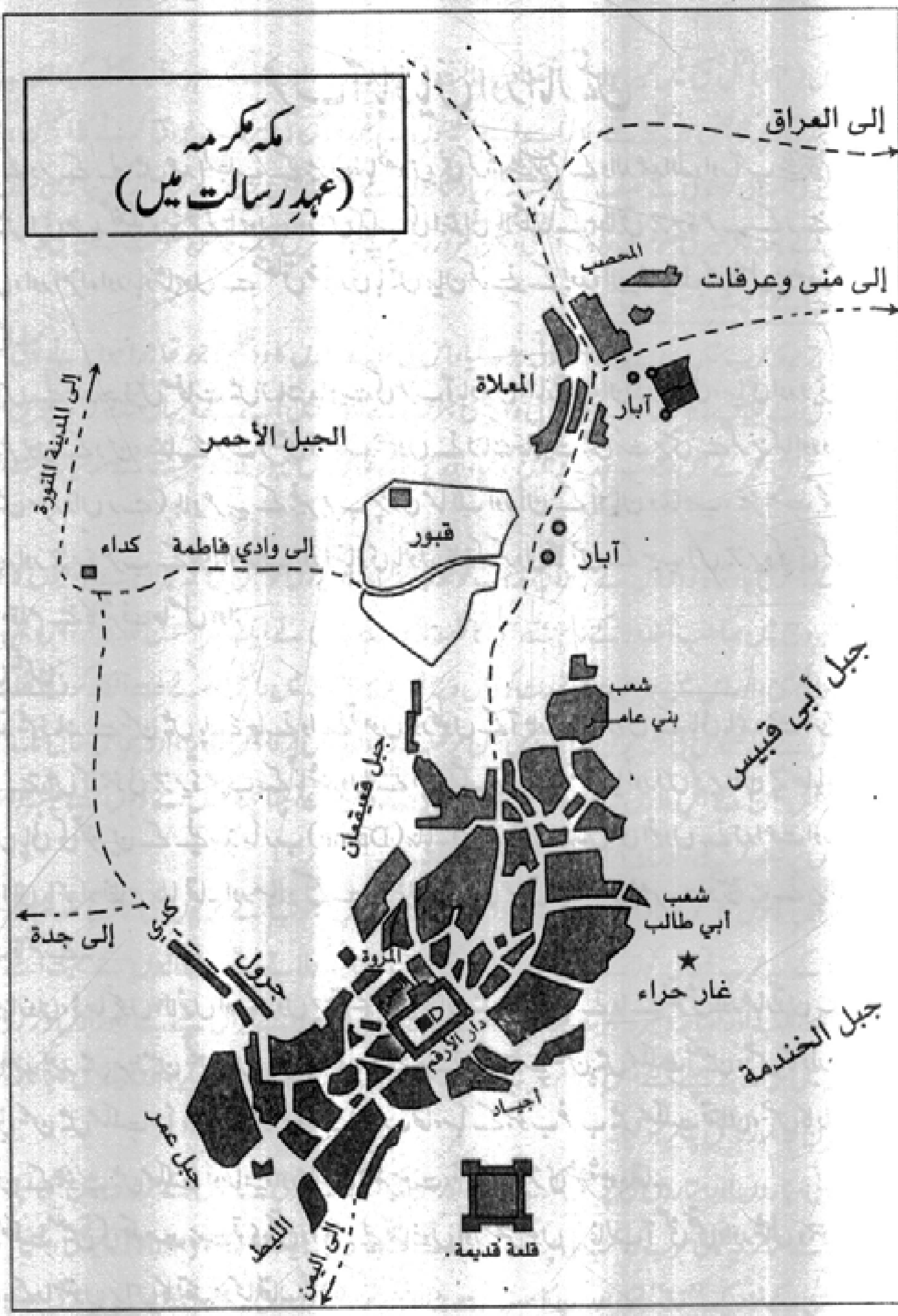
مکہ مکرمہ
(عہدِ رسالت میں)
إلى العراق
المحصب
إلى منى وعرفات
المعلاة
آبار
الجبل الأحمر
إلى المدينة المنورة
كداء
إلى وادي فاطمة
قبور
آبار
جبل أبي قبيس
شعب
بني عامر
جبل قعيقعان
شعب
أبي طالب
غار حراء
جبل الخندمة
المروة
دار الأرقم
أجياد
إلى جدة
كدي
جرول
جبل عمر
الليط
إلى اليمن
قلعة قديمة

عرب آبادیاں اور امارتیں

کچھ دیر کے لیے میں عبد المطلب کے بیٹوں، بالخصوص نبی کریم ﷺ کے والد عبد اللہ، اور آپ ﷺ کے نسب کے بارے میں اپنی مزید گفتگو کو مؤخر کرتا ہوں، اور اس کتاب کی ابتدائی پلاننگ کے مطابق جزیرۂ عرب کے رہنے والوں، ان کی آبادیوں، اور امراء اور بادشاہوں سے متعلق ضروری باتیں بیان کرنے کے بعد، ان شاء اللہ پھر اصل موضوع کی طرف عود کروں گا۔

اس لیے مندرجہ ذیل صفحات میں زمانۂ جاہلیت کی عرب آبادیوں، امارتوں، ان کی اجتماعی، سیاسی اور دینی زندگی، اسلام سے قبل عربوں کے دین، حنفائے عرب (یعنی وہ لوگ جنہوں نے زمانۂ جاہلیت میں بُت پرستی سے گریز کیا اور دینِ ابراہیمی کی تلاش میں سرگرداں رہے) بلادِ عربیہ کے غیر عرب پڑوسی ممالک اور اُن کے اَدیان ومذاہب، نیز بعثتِ محمدی سے متعلق بشارتوں، اور جزیرۂ عرب کے ان اوصاف اور امتیازی باتوں کا ذکر کروں گا جن کے سبب اس جزیرہ کو نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقام بننے کا شرف حاصل ہوا:

شاہانِ یمن:

قدیم زمانہ سے یمن میں پائے جانے والے قلعوں اور محلوں کے آثار اور میناروں کے باقی ماندہ حصے آج بھی اس بات کی خبر دیتے ہیں کہ جنوبی جزیرۂ عرب کے باشندوں نے اپنی ایک تہذیب کو جنم دیا اور اس کو پروان چڑھایا، اور بارش کے زمانہ میں پانی کی تخزین کے لیے سدِّ مأرب (Dame) بنایا۔ اس قدیم زمانہ میں بھی انہوں نے زراعت اور پانی کی تقسیم کا ایک بڑا ہی پائیدار نظام بنایا تھا۔ اور میلادِ مسیح سے دو ہزار سال قبل عراق، شام اور مصر سے وسیع پیمانے پر ان کے تجارتی تعلقات قائم تھے۔

میناروں، ڈھانچوں، لاٹوں اور پتھروں پر قدیم سامی زبان میں پائے جانے والے نقوش اور عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اُس عہدِ بعید میں سرزمینِ یمن میں پانچ ممالک پائے جاتے تھے: وسطِ یمن میں مملکتِ مَعین، جس کا دار السلطنت معین تھا، جنوبی یمن میں مملکتِ سبا، جس کا دار السلطنت مأرب تھا، سبا کے جنوب غرب میں مملکتِ قتبان، جس کا دار السلطنت تمنع تھا، قتبان کے جنوب میں مملکتِ اوسانیہ، اور مملکتِ حضرموت، جس کا مرکزی شہر شبوہ تھا۔

مملکتِ معین کی حکومت بہت قوی تھی، اسی لیے قتبانیوں اور حضرمیوں پر غالب آگئی تھی، اور شمال وجنوب میں تجارتی قافلوں کے راستوں پر اس کا قبضہ ہوگیا تھا۔

اُس کے بعد سبا والے مَعین کے رہنے والوں پر غالب آگئے، اور پورے جنوبی علاقہ پر اُن کی حکومت ہوگئی، اور شمال میں اہلِ مَعین کے مراکز پر بھی ان کا قبضہ ہوگیا، اور مأرب شہر کو اپنا مرکز بنالیا۔ تقریباً دو سو ستر (۲۷۰) قبلِ مسیح میں اہلِ سبا کے

اقتصادی حالات خراب ہوگئے، اور اُن پر اہلِ حِمیَر غالب آگئے جو ریدان کے بادشاہ تھے، وہ ریدان جس کا نام بعد میں ظفار پڑ گیا۔

تقریباً چوبیس (۲۴) قبل مسیح میں حمیریوں کی اقتصادی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی، اور ملک میں ہر سو فساد پھیل گیا، اس لیے کہ اہل روم عدن کی بندرگاہ پر قابض ہوگئے تھے، اور اسے اپنے سفینوں کے خور و نوش کی ضرورت پوری کرنے کا اسٹیشن بنا لیا۔ انہی حالات میں چوتھی صدی عیسوی کے نصف میں حبشہ کے بادشاہوں نے ان علاقوں پر قبضہ کر لیا، اور تقریباً بیس سال تک قابض رہے۔ اس کے بعد پھر حمیری حکومت واپس آگئی، لیکن کمزور رہی، پہلے کی طرح ایک طاقتور حکومت نہ بن سکی۔

جزیرۂ عرب میں یہودیت و مسیحیت:

اُنہی دنوں جزیرۂ عرب میں یہودیوں کا اثر کافی بڑھ گیا، اس کی وجہ رومانیوں کا وہ ظلم و جور تھا جو انہوں نے پہلی صدی عیسوی میں یہودیوں کے خلاف روا رکھا تھا۔ مسیحی مذہبی وفود بھی جنوب کے علاقہ میں آنے لگے، یہاں تک کہ پانچویں صدی عیسوی میں پورے نجران شہر نے اس مذہب جدید کو قبول کر لیا، اور پورے علاقہ میں یہودیت و مسیحیت کے درمیان سخت نزاع شروع ہوگیا۔

اہل حمیر کے آخری بادشاہ ذونواس نے یہودی مذہب کو قبول کر لیا، اور پوری کوشش کی کہ نجران سے مسیحیوں کا خاتمہ کر دے۔ سورۃ البروج میں صاحب اُخدود کے نام سے اسی کا قصہ مذکور ہے۔ اسی نے ایک گہرا خندق کھدوا کر، اس میں ایک خطرناک آگ جلوائی تھی، اور اس میں ہر اس مرد و عورت کو ڈال دیتا تھا جو یہودیت میں داخل ہونے سے انکار کر دیتا تھا۔

آخر کار نجاشی نے بازنطینیوں کی شہ پر سن ۵۲۵ء میں یمن پر حملہ کر دیا، اور اُس پر قابض ہوگیا، اور پچاس سال تک اس پر قابض رہا۔ بالآخر اہل یمن نے اہلِ فارس سے مدد مانگی جو بازنطینیوں کے دشمن تھے، چنانچہ انہوں نے وہاں سے حبشہ والوں کو نکال دیا، اور خود اس پر قبضہ کر بیٹھے، اور سن ۶۲۸ء تک اس پر قابض رہے۔

اُسی سال اہلِ فارس کا گورنر باذان اسلام میں داخل ہوگیا، اور اہلِ جنوب کے عربوں کی تاریخ قدیم کا خاتمہ ہوگیا۔ جنوبی یمن کے یہ عرب قحطانی کہلاتے تھے، اور شمال کے عرب عدنانی کہلاتے تھے۔ قحطانیوں کے بہت سے قبائل غسان، جذام، عاملہ، کلب اور قضاعہ وغیرہ ہجرت کر کے شام چلے گئے، اور قبیلۂ لخم والے عراق چلے گئے، اور اوس و خزرج کے لوگ جزیرۂ عرب میں ہی مدینہ چلے گئے جس کا نام یثرب تھا، اور قبیلۂ کندہ شمال کی طرف چلا گیا، اور قبیلۂ طی اَجا اور سلمیٰ دو پہاڑوں کے درمیان جا کر رہائش پذیر ہوگیا۔

یہ لوگ آسمانی سیاروں اور ستاروں کی پرستش کرتے تھے، اور ان کی اس بت پرستی نے شمال کے عربوں میں بھی اپنا خوب اثر دکھایا تھا، انہی سے متاثر یہ شمالی عرب کواکب کی پرستش کرنے لگے تھے جس کی بنیاد ثالوث (Trinity) پر تھی، یعنی ''چاند'' جس کا نام اہل معین کے نزدیک ''وَدّ'' تھا، اور ان کا سب سے بڑا معبود تھا، اور ''سورج'' جسے انہوں نے چاند کی بیوی بنا دیا تھا، اور اس کا نام ''اللات'' رکھ دیا تھا۔ اور ان کا خیال تھا کہ ان دونوں کے ملاپ سے ''عُزّیٰ'' یعنی ''زہرہ'' پیدا ہوئی تھی۔ اس ثالوث کے علاوہ بھی اُن کے دیگر معبودان تھے جو بعض ستاروں، چڑیوں یا بعض طبیعی مظاہر کے رمزی نام تھے۔

اُن کے اِن دینی عقائد وافکار سے متعلق اُن کا ایک بڑا اَدبی دینی ذخیرہ تھا جو اسلام آنے کے بعد ختم ہوگیا، جس طرح شمال میں بُت پرستی پرمبنی ادبی ذخیرہ کا اسلام نے خاتمہ کردیا۔ ❶

شاہانِ ضجاعمہ وغساسنہ دیارِ شام میں:

دوسری صدی عیسوی کے اَوائل میں قضاعہ کے ذیلی قبائل شام کی حدود تک پہنچ گئے، اور رومانیوں اور بازنطیوں نے ان کا اعتراف اس لیے کرلیا تاکہ وہ بادیہ نشینوں کے حملوں سے ان کے سامنے رُکاوٹ بنے رہیں، نیز اہلِ فارس کے خلاف جنگوں میں ان کی مدد کریں۔ چنانچہ رومانیوں نے اُن قبائل کی بادشاہت کا اعتراف کرلیا جو دوسری صدی عیسوی کے اَواخر تک چلتی رہی۔ اُن کا آخری بادشاہ زیاد بن الہبولہ تھا۔

پھر غساسنہ کا دور آیا، یہ لوگ بھی جنوب کے عربوں میں سے تھے، جو دیگر بہت سے قبائل کے ساتھ شمال کی طرف چلے گئے تھے، اور ضجاعمہ پر غلبہ حاصل کرکے بلادِ شام پر قابض ہوگئے تھے، اور اُس علاقہ کے سردار بن گئے تھے۔

رومانیوں اور بازنطیوں نے ان کا اعتراف کرلیا تھا۔ ان کا پہلا بادشاہ "جبلہ" تھا جس نے ۴۹۷ء میں فلسطین پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا حارث بادشاہ بنا (۵۲۸-۵۶۹ء)، شاہِ روم نے شام کے علاقہ میں رہنے والے عربوں پر اس کی مطلق العنان بادشاہت کا اعتراف کرلیا تھا۔

یہ غساسنہ چوتھی صدی عیسوی کی ابتدا میں نصرانی ہوگئے تھے۔ اور حارث بن جبلہ نے بلادِ شام اور غساسنہ میں نصرانیت کی نشر واشاعت کے لیے بڑی کوشش کی، اس کے بعد اس کا بیٹا منذر بادشاہ ہوا (۵۶۹-۵۸۱ء)، لیکن اس کے اور بازنطیوں کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا، جس کے نتیجہ میں بازنطینی موقع کی تلاش میں رہے، اور ایک دن اس کو پکڑ کو جزیرۂ صقلیہ کی طرف جلا وطن کردیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کے بیٹے اپنے بھائی نعمان کی قیادت میں بازنطیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن شومیٔ قسمت سے ۵۸۴ء میں اس کا انجام بھی اس کے باپ جیسا ہوا۔ اس کے بعد حارث اصغر خوب مشہور ہوا جس کی فوجیں قبائلِ نجد کے خلاف خونی جنگیں لڑتی رہیں۔

متاخرین غساسنہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ لوگ رقص وسرود اور عیش وتنعّم میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اُن کے درباروں میں گانے والی رومی عورتیں اور گانے والے عرب مرد رقص وسرود کی محفلیں آباد کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جبلہ بن الایہم جب شراب نوشی کے لیے بیٹھتا تو اس کے فرش پر آس دیاسمین اور ریحان کے پھول بچھائے جاتے، اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں عنبر ومشک وغیرہ کی نوع بہ نوع خوشبوئیں رکھی جاتیں۔

غزوۂ یرموک کے زمانہ تک جو ۱۳ھ میں ہوا، شام میں غساسنہ آباد رہے، اُن کے آخری بادشاہ جبلہ بن الایہم نے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلام قبول کرلیا۔ ❷

---

❶ دیکھئے: العصر الجاهلي: ص / ٢٦-٢٩. تاريخ العرب قبل الإسلام، جواد علي: ١٦٩/١، ٣٧٥؛ ٨/٢-٢٧٦، ١٣٦/٣-٢١٤.

❷ محاضرات في تاريخ الأمم الإسلامية، اور العصر الجاهلي: ص / ٤٠-٤٣.

حیرہ عراق میں شاہانِ مناذرہ:

چھٹی صدی قبل میلادِ مسیح تک اہل فارس عراق پر حکومت کرتے رہے، یہاں تک کہ ۳۲۶ قبل مسیح میں اسکندر مقدونی نے فارس کے بادشاہ دارا اوّل کو شکست دی، اور ایرانیوں کا ملک طوائف الملو کی کا شکار ہوگیا، اور ۲۳۰ء تک ان کی یہی حالت رہی۔ اسی زمانہ میں قحطانیوں نے عراق کے کچھ دیہی علاقہ کے ایک حصہ پر قبضہ کرلیا، اور عدنانیوں نے جزیرۂ فرات کے ایک علاقہ پر قبضہ کرلیا۔

ساسانی حکومت کے بانی اُردشیر نے ۲۲۶ء میں جزیمہ الوضاح کو حیرہ، بادیۂ عراق اور جزیرہ میں رہنے والے قبائل ربیعہ ومضر کا والی بنادیا، تاکہ اس سے شاہانِ روم اور شام میں آباد عربوں کے خلاف مدد لے سکے۔ جزیمہ کے انتقال کے بعد اردشیر نے حیرہ کا گورنر اپنے بھانجے عمرو بن عدی لخمی کو بنادیا۔ اسے اُن مناذرہ کا زعیم وقائد مانا جاتا تھا جو اہل فارس کے وفادار رہے۔

اُن دنوں حیرہ بہت ہی اہم تجارتی مرکز تھا، اور مناذرہ بے حد عیش وعشرت کی زندگی گزارتے تھے۔ مناذرہ کا سب سے مشہور زمانہ منذر بن ماء السماء (۵۱۴-۵۵۴) کا زمانہ تھا۔ اُس کے زمانہ میں نجد اور مشرقی جزیرہ کے قبائل حیرہ منتقل ہوگئے تھے۔ منذر کے بعد اس کا بیٹا عمرو بن ہند آیا جس کی نسبت اس کی ماں "دَیر ہند" کی طرف ہے، جو حیرہ کی رہنے والی تھی، اور غالباً مسیحی تھی۔ لیکن عمرو اپنے آباء واجداد کی طرح بُت پرست تھا، اور بڑا ہی سرکش اور ظالم تھا۔

عمرو کے بعد حیرہ کا والی قابوس ہوا، پھر منذر چہارم، پھر نعمان سوم بن منذر چہارم جو ایک مسیحی خاندان میں پروان چڑھنے کے سبب مسیحی ہوگیا تھا۔ اسے فارس کے بادشاہ نے قتل کردیا، اور حیرہ کا گورنر ایاس بن قبیصہ طائی کو بنادیا، لیکن نعمان کی حمایت وتائید میں (جسے دھوکا دے کر قتل کردیا گیا تھا)، ایاس مذکور اور فارس کے خلاف قبیلۂ بکر اٹھ کھڑا ہوا، اور یوم ذی قار کی جنگ میں ایاس اور فارسیوں کو بدترین شکست دی۔ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی ولادت کے کچھ ہی دنوں بعد کا ہے۔ وہ علاقہ امن واستقرار سے یونہی محروم رہا، یہاں تک کہ ۶۳۳ء میں حیرہ پر خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے قبضہ کرلیا۔

بہر کیف، دلائل وقرائن سے پتہ چلتا ہے کہ حیرہ میں عام لوگوں کی زندگی خوشگوار تھی، اور اسلام سے پہلے حیرہ ایک بڑی تجارتی منڈی تھا، اور اس کے اکثر باشندے عرب قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ تھوڑے سے فارسی لوگ بھی تھے۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ وہاں بعض یہودی بھی رہتے تھے۔ حیرہ پر فارسی ثقافت کا خاصا اثر تھا جو اس علاقہ میں عام تھا۔ اور وہاں کے عام باشندے بُت پرست تھے، اگرچہ کچھ یہودی، نصرانی، فارسی اور آتش پرست بھی وہاں رہتے تھے۔ ❶

حضرموت میں اُمرائے کندہ:

یہ امارت شمالی نجد میں غساسنہ اور حیرہ کی دونوں امارتوں کے درمیان تھی، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان امارتوں کے امراء کی وفاداری یمن کے لیے تھی، اور حسب ونسب کے اعتبار سے بھی جنوبی جزیرہ کے عربوں سے رشتہ رکھتے تھے۔ کچھ ایسے

---

❶ دیکھئے: تاریخ العرب قبل الإسلام، جواد علی: ۴/ ۵-۱۱۷، والعصر الجاهلي، شوقي ضيف: ۴۳-۴۷، محاضرات في تاريخ الإسلام: ۱/ ۱۵ وما بعد.

نقوش ملے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کندہ کی یہ امارت چوتھی صدی عیسوی میں تھی، اور پانچویں صدی عیسوی میں اس کا مشہورترین بادشاہ ''حُجر'' تھا جو ''آکل المُرار'' کے لقب سے جانا جاتا تھا۔ اس کی حکومت کا دائرہ نجد میں شمالی قبائل تک پھیلا ہوا تھا، اسی طرح اس کا نفوذ یمامہ اور مناذرہ کی امارت کی حدوں تک پہنچا ہوا تھا۔ اور کہا جاتا ہے کہ بنو بکر و بنو تغلب جیسے بڑے قبائل عرب بھی اس امارت کے طاعت گزار تھے۔

حُجر کے بعد اس کا بیٹا عمرو المقصور آیا، اس کے زمانہ میں بنو بکر و بنو تغلب نے اس امارت سے اپنا عہد وفاداری ختم کرلیا، لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد بنو بکر اور بنو تغلب دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی جو چالیس سال تک جاری رہی، اسی کا نام ''حرب بسوس'' ہے۔

عمرو المقصور کے بعد اس کا بیٹا ''حارث'' آیا، اس کے زمانہ میں کندہ کی یہ امارت عظمت و رفعت کی چوٹی پر پہنچ گئی تھی۔ تمام قبائل نجد اس کے زیر نگیں آگئے تھے۔ قبائل بنو بکر و بنو تغلب نے جنگ کے خاتمہ کے لیے اسی کی طرف رجوع کیا، چنانچہ اس نے ان کے درمیان صلح کرادی۔ حارث نے بازنطینی بادشاہت کے ساتھ بھی معاہدۂ صلح کرلیا اور پوری توجہ مناذرہ پر حملہ کی طرف کردی۔ فارس کے بادشاہ قباذ نے منذر بن ماء السماء کو حیرہ کی امارت سے برطرف کرکے حارث کو اس کا حاکم بنا دیا۔ لیکن قباذ کے مرنے کے بعد منذر نے اس کا رُخ کیا، اور اُسے بدترین شکست سے دوچار کردیا، اور اُسے اور اس کے گھرانے کے چالیس شہزادوں کو قتل کردیا۔

کچھ عرصہ کے بعد اُس کے لڑکے ''حُجر'' نے اپنے باپ کی بادشاہت کو واپس لینا چاہا، لیکن منذر اُس کی تاک میں لگا ہوا تھا، اس لیے اس تمنا کی تکمیل سے پہلے اس کی موت آگئی، ان امرائے کندہ کی ایک بڑی تعداد حضرموت میں ہی رہائش پذیر رہی یہاں تک کہ اسلام آگیا۔ ❶

مکہ اور حجاز کے دیگر شہروں میں حکومت:

مؤرخین کا خیال ہے کہ مکہ اور حجاز پر سب سے پہلے عمالقہ نے حکومت کی، اُن کے سردار کا نام سمیدع بن ہویر بن لاوی تھا۔ اُن کے بعد بنی جرہم قحطانی آئے۔ اور جب اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام بڑے ہوئے تو مکہ کی سیادت اور بیت حرام کی نگرانی اُن کے حصہ میں آئی، اور پوری زندگی اُن کو یہ شرف حاصل رہا۔ ایک سو سینتیس (۱۳۷) سال کی عمر میں انہوں نے وفات پائی۔ ان کے اور عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کی ولادت کے درمیان تقریباً بیس صدی کا زمانہ بعید ہے۔ اُن کے بعد بیت اللہ کی دیکھ بھال کا کام حارث بن مضاض جُرہمی نے کیا، اور اُس کے بعد اُس کے بیٹے عمرو بن حارث نے۔ یمن میں سیل عرم آنے کے بعد یمنی قبیلہ بنوخزاعہ مکہ آگیا، اور مکہ کے باہر رہائش پذیر ہوگیا۔ اور رفتہ رفتہ جُرہمیوں پر غالب آگیا، اُس وقت جرہمیوں کا سردار عمرو بن حارث جُرہمی تھا، اور انہیں مکہ سے نکال باہر کیا۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ جُرہمیوں نے تقریباً دو ہزار سال تک مکہ پر حکومت کی۔ پہلا خزاعی شخص جس نے بیت حرام کی نگرانی کا شرف حاصل کیا، اس کا نام عمرو بن لُحَیّ تھا، سب سے پہلے یہی شخص شام سے اَصنام لے کر آیا، اور انہیں خانۂ کعبہ کے چاروں طرف نصب کردیا، اور مکہ میں دینِ ابراہیمی کے بدلے

❶ تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی: ۳/ ۲۱۵-۲۷۳، محاضرات فی تاریخ العرب: ۱/ ۶۸، العصر الجاهلی: ص/ ۴۸۔

بُت پرستی کو رواج دیا۔ قبیلۂ خزاعہ کے لوگ خانۂ کعبہ کی دیکھ بھال کرتے رہے، یہاں تک کہ قُصَیّ بن کلاب بن مُرّہ پانچویں صدی عیسوی کے نصف میں ابوغبشان خزاعی سے مکہ کی سیادت اور خانۂ کعبہ کی دیکھ بھال کرنے کا شرف چھیننے میں کامیاب ہوگیا۔

قُصَیّ نے مکہ کو اپنی کوششوں سے ایک اہم اقتصادی، دینی اور اَدبی مرکز بنا دیا، اور چھٹی صدی کے اواخر اور اسلام آنے سے قبل ساتویں صدی کے اوائل میں عام عربوں نے اہلِ مکہ کی سیادت تسلیم کرلی تھی۔

قصی نے ہی دار الندوۃ بنایا تھا جو قریشیوں کی مجلسِ استشاری کا آفس تھا۔ قریش کے لوگ وہیں سے اپنا جنگی علَم باندھتے تھے، وہیں سے قریشیوں کے تجارتی قافلے چہار طرف نکلتے تھے، جیسا کہ اس سے قبل قُصَیّ کے ذکر میں یہ بات بیان کی جاچکی ہے۔

قُصَیّ نے اپنے لیے اُن چھ(۶) کاموں کو مخصوص کرلیا تھا جو شہرت ونیک نامی اور عزت ووقار کا سبب تھا۔ اُس نے اپنے بعد اپنے دو بیٹوں: عبدالدار اور عبد مناف کو نائب بنا دیا تھا۔ عبد الدار کو بیت حرام کی دیکھ بھال، اس کی دربانی، دار الندوہ، اور جنگی علَم کی ذمہ داری دے دی، اور عبد مناف کو حجاج کو پانی پلانے، اُن کی میزبانی اور قیادت کی ذمہ داری سونپی۔ ان دونوں کے بعد یہ مناصب ان کی اولاد میں منتقل ہوتے رہے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ کو فتح کرلیا۔ اُس وقت حجاج کو پانی پلانے اور خانۂ کعبہ کی دیکھ بھال کے سوا دیگر تمام مناصب ختم کردیے گئے۔ درحقیقت مکہ کی قوت کا راز اس کے قائدین کی قوت اور ان کی اس دوراندیشی میں پوشیدہ تھا کہ انہوں نے تمام اہلِ مکہ کو ایک فکر، ایک رائے، وحدتِ قبیلہ اور بیتِ حرام کے تقدس پر متحد کردیا تھا جسے تمام عرب مقدس مانتے تھے، اور اپنی آزادی، عزت وشرف اور قوت کا نشان جانتے تھے۔ نیز اُس کی قوت کا راز وہاں کی زبردست تجارتی نقل وحرکت میں پنہاں تھا، جو کبھی سُست نہیں پڑتی تھی۔ مکہ عربوں کا تجارتی مرکز اور ان کے مقدس خانۂ کعبہ کا شہر تھا، وہیں اُن کی مذہبی عیدیں ہوتی تھیں، اُسی کے قرب وجوار میں سُوقِ عکاظ، سُوقِ مجنہ اور سوقِ ذی المجاز جیسے تجارتی بازار لگتے تھے۔ اکثر عرب ساداتِ قریش کو غساسنہ سے بڑا مانتے تھے، بلکہ انہیں شاہانِ فارس آلِ کسریٰ سے بھی زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

انہی تمام وجوہ سے مکہ زمانۂ جاہلیت میں اہم ترین عربی شہر مانا جاتا تھا، اور ساداتِ قریش فارس وروم والوں سے تعلقات اور موسم سرما وگرما میں بلادِ عربیہ میں اپنی وسیع تجارت اور دولت کے سبب عیش وتنعم کی زندگی گزارتے تھے۔

مکہ والوں کے لیے شرف وعزت کی ایک بات یہ بھی تھی کہ انہوں نے کسی بھی زمانہ میں خارجی بادشاہوں کے دین ومذہب کو قبول نہیں کیا، نہ کسی کو ٹیکس دیا، اور نہ ہی کسی خارجی بادشاہ نے مکہ پر حکومت کی۔ حمیر، کندہ اور غسان ولخم کے شاہان وامراء خانۂ کعبہ کا ہی حج کرتے تھے، اور مکہ کے رہنے والے ہمیشہ امن وچین کی زندگی گزارتے رہے، وہ دوسروں پر جنگی حملے کرتے رہے، ان پر کسی نے حملہ نہیں کیا، دوسروں کو اپنا غلام بناتے رہے، انہیں کسی نے اپنا غلام نہیں بنایا، کبھی کوئی قریشی عورت لونڈی نہیں بنی۔

حجاز کے مشہور شہروں میں "طائف" ہے، جو مکہ کے جنوب مشرق میں ۸۵؍کلومیٹر کی دوری پر باغات اور ہرے بھرے درختوں کے درمیان چھ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ایک خوبصورت شہر ہے، یہاں زمانۂ جاہلیت میں ثقیف اور ہوازن نام کے

دوسُت پرست قبیلے رہتے تھے۔ ان کی زندگی نجد میں رہائش پذیر بدوی قبائل کی زندگی سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی، سوائے اس کے کہ انہیں اپنی کھیتیوں اور پھلدار درختوں کے سبب مکہ میں رہنے والے قریشیوں کی طرح سکون وقرار حاصل تھا۔

تقریباً چار سو پچاس کلومیٹر کی دوری پر ایک سرسبز وادی میں "یثرب" نام کا شہر آباد تھا۔ یہاں بہت سے کنویں اور چشمے پائے جاتے تھے جن کے سبب یہ علاقہ ایک خوبصورت زرخیز زراعتی علاقہ بن گیا تھا جو کھجوروں، پھلدار درختوں اور ہرے بھرے کھیتیوں سے مالا مال تھا۔

مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہاں سب سے پہلے عمالقہ آباد ہوئے، پھر دوسری صدی عیسوی میں یہود فلسطین آئے جو رومانیوں کے ظلم واستبداد سے مجبور ہو کر فلسطین سے بھاگ کر یہاں آباد ہو گئے، اور اپنے دین پر قائم رہے، یہاں تک کہ اسلام آیا، اور پورے حجاز میں پھیل گیا۔ لیکن ان یہودیوں میں سے چند ہی لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ البتہ عربی اُن کی روزمرہ کی زبان ہوگئی، اور اپنے دینی شعائر کی ادائیگی کے لیے عبرانی زبان سے بھی چمٹے رہے۔

پھر جنوب سے اوس وخزرج قبائل کا ورود ہوا، اور رفتہ رفتہ یہی لوگ حقیقی سردارانِ یثرب بن گئے۔ یہ لوگ بُت پرست تھے، اور باقی عربوں کی طرح مکہ کا حج کرتے تھے، اور خانۂ کعبہ کے اِردگرد موجود بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اِن لوگوں کی زندگی بھی خیمہ میں رہنے والے بدوؤں سے کچھ مختلف نہ تھی۔

یہود ہمیشہ اُوس وخزرج کے درمیان اختلاف پیدا کرتے رہے، جس کے سبب وہ آپس میں جنگ کرتے رہے، اور طرفہ تماشہ یہ کہ یہود ہی اسلحہ بنا بنا کر اُن کو دیتے رہے جن کے ذریعہ وہ جنگوں میں ایک دوسرے کا خون بہاتے رہے۔ اُن کے درمیان ان جنگوں نے اتنا طول پکڑا کہ ان کی زندگی اجیرن ہوگئی، اور وہ فنا کے گھاٹ اترنے کے قریب ہو گئے۔ اوس وخزرج اِنہی حالات سے گزر رہے تھے کہ اللہ نے ان کے لیے اپنے رسولِ رحمت ﷺ کو بھیج دیا جن کی بدولت وہ آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

شمال مدینہ میں یہود کی خاص بستیاں تھیں، جن میں سے مشہور خیبر، فدک اور تیماء نام کی بستیاں تھیں۔ یہ لوگ انہی بستیوں میں رہتے رہے، یہاں تک کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں جزیرۂ عرب سے باہر نکال دیا۔ اور یہ بات بالکل صحیح ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے عرب ان تمام یہودیوں کی طرف سے کبھی بھی مطمئن نہیں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ یہود عربوں کی دینی زندگی پر اپنا کوئی بھی اثر نہ ڈال سکے۔ [1]

بدوی قبائل کی حکومت:

جو عرب قبائل بلادِ عربیہ کے مشرق ومغرب اور جنوب وشمال میں پھیلے تھے، اُن کا اپنے حسب ونسب سے ہمیشہ ہی بڑا گہرا ربط رہا، اور ان کی تمام جماعتیں اور ٹولیاں اسی بنیاد پر قائم تھیں۔ اور اسی بنیاد پر دو بڑے مجموعوں میں بٹے ہوئے تھے۔ قحطانی یمنی مجموعہ اور مُضری عدنانی مجموعہ۔ اِن کی اولاد نے اپنے آباء واجداد کی طرف سے سیکڑوں سال سے انہی قبائلی جماعتوں اور ٹولیوں کو وراثت میں پایا تھا، حتی کہ اسلام آنے کے بعد بھی ان عربوں کی اولاد نے یہی کچھ وراثت میں پایا۔

---

[1] العصر الجاهلي، ڈاکٹر شوقی ضیف: ۵۳-۵۴.

یہ تمام بدوی قبائل جو مکہ اور حیرہ جیسے شہروں میں آ کر آباد ہو گئے تھے، ان سب کا سیاسی نظام یہی قبائلی نظام تھا، اور انہی بنیادوں پر یہ قبائل کبھی کبھار متحد ہو کر کچھ دوسرے قبائل کے خلاف ''اتحاد'' بناتے تھے، اور اتحاد میں شریک قبائل ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں شریک ہوتے تھے۔ جیسے مکہ کا حلف المطیبین، حلف الفضول اور حلف الرباب۔

تمام قبائل کی الگ الگ مجلسیں ہوتی تھیں جن کے ارکان قبائلی شاخوں کے شیوخ ہوتے تھے، اور حسب ضرورت اور مشکل گھڑیوں میں عام طور پر شام کے وقت اس مجلس میں جمع ہوتے تھے۔ اور قبیلہ کا سردار وہ مرد دور اندیش ہوتا تھا جو تجربہ کی بھٹی میں پک کر کندن بن چکا ہوتا تھا اور بسا اوقات اُسے یہ سیادت اس کے آباء واجداد سے وراثت میں ملی ہوتی تھی۔ اور قبیلہ کے دیگر تمام افراد قبیلہ کی خدمت اور اس کے حقوق کی حفاظت کے لیے اپنی جانیں ہر دم حاضر رکھتے تھے۔ اور سب سے بڑا حق قبیلہ کے کسی فرد کا کسی دوسرے قبیلہ کے فرد سے انتقام لینا ہوتا تھا۔ چنانچہ ہر فرد قبیلہ کے لیے اپنی جان اور اپنے مال کی قربانی پیش کرتا تھا، اس لیے کہ ایسا عمل کرنے میں اس کی بقا اور اس کے وجود کی حفاظت کی ضمانت تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ یہ قبائلی لوگ اپنے اپنے قبیلہ کو اپنے دینی شعائر سے زیادہ مقدس جانتے تھے۔

انہی مذکور بالا اسباب کی وجہ سے زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی زندگی میں جنگ کو ایک خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ اور جیسا کہ لکھا گیا، قانونِ انتقام اُن کے نزدیک سب سے بڑا قانون تھا، یہی ان کی مقدس شریعت تھی جسے اُن کے نزدیک مذہبی حیثیت حاصل تھی۔ ❶

❁❁❁❁

❶ تاریخ العرب قبل الإسلام: ١/ ٢٢٠، العصر الجاهلي: ص/ ٥٥-٦٦.

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی سیاسی زندگی

عرب قومیں اور فارس وروم کی حکومتیں:

اب تک عرب امارات اوران کے حکام کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ عرب قومیں، زمانۂ جاہلیت قدیم میں، اور جاہلیتِ جدیدہ میں اسلام آنے سے کچھ پہلے تک، اُس وقت کی دنیا کی دو عظیم قوتوں فارس وروم کے درمیان مجبور محض بن کر رہ گئی تھیں۔ یہ لوگ اپنے سیاسی امور میں اِن دونوں عظیم طاقتوں اوران کے حلیفوں کے درمیان بٹ کر رہ گئے تھے۔ غساسنہ اپنے عرب بھائیوں مناذرہ اور اہل فارس کے خلاف رومانیوں اوران کے خلفاء بازنطینیوں کے آلۂ کار تھے۔ اور فارس کے ساسانی بادشاہوں نے مناذرہ کو ڈھال بنا رکھا تھا جو انہیں عرب بدوؤں کے حملوں سے محفوظ رکھتے تھے، اور رومانیوں اور بازنطینیوں کے خلاف استعمال ہوتے تھے۔

اُن کی داخلی سیاسی حالت کے بارے میں ابھی کچھ ہی سطور قبل لکھ آیا ہوں کہ قبائل عرب ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے۔ کمزور قبائل قوی قبائل کے ساتھ مل کر اپنے خلاف دیگر قبائل کے ظلم وجور کو روکتے تھے۔ حالت یہ تھی کہ سبھی ضعیف وقوی، غلام وسید میں بٹے ہوئے تھے۔ قوی کمزور پر ظلم کرتا تھا، اور جبر واستبداد اس کا شیوہ ہوتا تھا۔ اوراُن کے آپس میں انسانوں کے معمولی حقوق تک ضائع ہو چکے تھے۔

سیاسی قراردادوں میں مکہ کا کردار:

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا کہ مکہ حجاز کا اہم ترین شہر تھا، اور علاقہ میں سیاسی قراردادوں کے سلسلہ میں اس کا بہت ہی اہم کردار تھا، اس لیے کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں بُت پرستوں کا سب سے اہم دینی مرکز تھا، اور تمام تجارتی قافلوں کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں تھی۔ اور حبشہ کے مسیحیوں کے مکہ پر حملہ کرنے اور اللہ کے عذاب کے ذریعہ ان کی بدترین ہلاکت کے بعد تو اس کی سیاسی اور دینی حیثیت بہت ہی مضبوط ہو گئی تھی۔ گویا مکہ عربوں کی آزادی، ان کی عزت وشرف اوران کی قوت کا نشان بن گیا تھا، کبھی کسی اجنبی بادشاہ کا اُس پر قبضہ نہیں ہوا۔

سردارانِ مکہ دار الندوہ میں جمع ہوا کرتے تھے، یہ ان کا پارلیمنٹ ہاؤس تھا، اس میں چالیس سال سے کم عمر شخص داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ دار الندوہ کے شیوخ کا انتخاب ان کی دولت اور سابقہ خدمات کے مطابق ہوتا تھا۔ شیوخ مکہ کی یہ مجلس ان کے تجارتی اور مذہبی امور سے متعلق فیصلے کرتی تھی۔ اور اکثر عرب، ساداتِ قریش کو غساسنہ اور شاہانِ فارس آلِ کسریٰ سے بالا تر سمجھتے تھے۔

مکہ کی آبادی دو قسم کے قریشیوں پر مشتمل تھی: '' قریش البطاح'' یعنی وہ قریشی جو مکہ کے بالکل اردگرد آباد تھے، اور

''قریش الظواہر''، یعنی وہ قریشی جو قریش البطاح کے بعد آباد تھے۔ اُن کے ساتھ عام عرب، حلفائے قریش، آزاد کردہ لوگ اور غلام وغیرہ رہتے تھے، اور ایسے اکثر لوگوں کا تعلق حبشہ سے تھا۔

اہل مکہ کے وسیع ترین تجارتی اور اقتصادی تعلقات کی وجہ سے وہاں کی سوسائٹی قبائلی نظام کی پابند ہوگئی تھی، جس کے تحت تمام قبائلی شاخیں اتحاد کی شکل میں ایک دوسرے سے مربوط تھیں، اور تمام قبائلی شاخیں مل کر بیت حرام کی حفاظت اور دیکھ بھال کرتی تھیں، اور تجارتی قافلوں کی بھی نگرانی کرتی تھیں، اور کسی بھی شاخ قبیلہ کو دوسرے پر سرداری حاصل نہیں تھی، لیکن چونکہ سبھی قبائلی شاخیں مصلحتِ عامہ میں مشترک تھیں، اس لیے ان کی یہ آزادی انہیں انارکی اور بے راہ روی کی طرف نہیں لے جاتی تھی۔ ❶

❀❀❀❀

---

❶ تاریخ العرب قبل الإسلام: ٤/ ١١٨، العصر الجاهلي: ٤١، ٤٦، ٤٩، ٥٢.

اجتماعی زندگی

لوگوں کی تین قسمیں جن سے عربوں کی اجتماعی زندگی بنتی تھی

اُوپر بیان کر چکا ہوں کہ عرب باشندوں کی اجتماعی تشکیل قبائل کی تشکیل پر مبنی تھی، اور اکثر حالات میں قبیلہ تین قسم کے لوگوں سے بنتا تھا:

(۱) طبقۂ صُرَحاء:

یعنی قبیلہ کے اصل بیٹے، یہ لوگ قبیلہ کی آواز پر لبیک کہنے، اور اس کی خاطر شانہ بشانہ جنگ کرنے کے لیے ہر حال میں تیار رہتے تھے، چاہے قبیلہ ظالم ہو یا مظلوم۔

(۲) طبقۂ مَوالی:

یعنی قبیلہ والوں کی جانب سے آزاد کردہ اشخاص۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہوتے تھے جن کا قبیلہ انھیں ان کے کسی جرم کے سبب قبیلہ سے نکال دیتا تھا، ایسے لوگ پناہ لینے کے لیے دوسرے قبیلہ میں شامل ہوجاتے تھے۔ انھیں ''موالی'' کہا جاتا تھا، اور ان کے حقوق قبیلہ کے افراد کی طرح ہوتے تھے۔

(۳) طبقۂ عَبید:

یعنی غلاموں کا طبقہ۔ زمانۂ جاہلیت کی قبائلی سوسائٹی میں ایسے افراد کی خاصی تعداد ہوتی تھی، یہ غلامانِ اہلِ مکہ بہت سے انسانی حقوق سے محروم ہوتے تھے، اور اپنے آقاؤں کی طرف سے مختلف الانواع ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبے رہتے تھے، یہی غلام نچلے درجہ کے وہ کام بھی کیا کرتے تھے جن کے کرنے کو عرب اپنے لیے باعثِ عار سمجھتے تھے، جیسے اونٹوں اور بکریوں کی چرواہی، لوہار کا کام، بڑھئی کا کام اور پچھنے لگانا۔

عربوں میں اچھی اور بُری خصلتیں:

عربوں کا کرم اور ان کی سخاوت بہت ہی مشہور ہے۔ اگر قحط سالی کے ایام میں بھی ان کے پاس مہمان آجاتے، تو اپنی سواری کا اونٹ ذبح کر دیتے، دیت کی بڑی رقموں اور بھاری قرضوں کا بوجھ اٹھاتے، اسے اپنے لیے قابلِ ستائش اور لائقِ فخر ومباہات کام سمجھتے، اور یہ باتیں ان کی شاعری کا خاص موضوع ہوتی تھیں۔ بے سہاروں اور پریشان حالوں کی مدد کرتے، کمزور کی حمایت کرتے، قدرت رکھتے ہوئے معاف کر دیتے، اور ان کاموں کا ذکر کر کے اپنی تعریف کرتے، اور خودداری، ظلم کو قبول نہ کرنا، ذلت ورسوائی کو برداشت نہ کرنا، سچائی اور امانت کا حد درجہ خیال رکھنا، اور دھوکہ دہی اور غداری سے شدید

نفرت، اُن کی صفات تھیں۔

مذکورہ بالا اچھی خصلتوں اور ان کے علاوہ بہت سی دیگر خوبیوں کیساتھ عہدِ جاہلیت کی سوسائٹی میں بہت سی بُری عادتیں اور بُرے اخلاق بھی پھیلے ہوئے تھے، جو اُن عربوں کے ساتھ لگے رہے، یہاں تک کہ اسلام آ گیا، تب ان کا خاتمہ ہوا، اور اسلام نے ان کے اخلاق کریمانہ کو مزید جلا بخشا۔

اُن اخلاقی آفتوں میں سے شراب نوشی اُن کی گھٹی میں پڑی تھی، سوسائٹی میں چند افراد کے سوا سبھی اس مرض میں مبتلا تھے۔ اور زیادہ تر اس کی تجارت یہود ونصاریٰ کرتے تھے۔ اور شام وعراق سے نوع بنوع شراب لاکر عربوں کو مہنگے داموں بیچتے تھے۔

انہی اخلاقی آفتوں میں سے زنا کاری بھی تھی۔ یہ فحاشی لونڈیوں میں عام تھی، اور اکثر جاہلی عرب اس گناہ کی طرف اپنی نسبت کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ ان بدکار مردوں نے آزاد شریف عورتوں کو اپنے لیے حلال بنانے کے نہایت ہی گھناؤنے طریقے ایجاد کر رکھے تھے، اگرچہ بہت سے شرفائے عرب کے نزدیک آزاد شریف عورت کا مقام بڑا اونچا تھا۔

اُن گھناؤنے طریقوں میں سے ایک یہ تھا کہ ایک آدمی بہت ساری عورتوں سے بیک وقت شادی کرتا، دو سگی بہنوں کو بیک وقت اپنی زوجیت میں رکھتا اور اگر کوئی آدمی اپنی منکوحہ کو طلاق دے دیتا، یا اس آدمی کا انتقال ہو جاتا تو اس کا بیٹا اس عورت سے شادی کر لیتا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ دس آدمیوں سے کم افراد مل کر ایک عورت سے ہمبستری کرتے، اور جب بچہ ہوتا تو وہ عورت اپنی صوابدید کے مطابق اُن میں سے جسے چاہتی اس بچہ کا باپ ٹھہراتی۔ کبھی ایسا ہوتا کہ شوہر اپنی بیوی کو ماہواری سے پاک ہونے کے بعد کسی ایسے آدمی کے پاس ہمبستری کے لیے بھیجتا جو شجاعت وسخاوت میں مشہور ہوتا، تاکہ بچہ اسی جیسی صفات والا پیدا ہو۔ ایسا بھی ہوتا کہ دو مرد ہمبستری کے لیے آپس میں بیویاں بدل لیتے۔

مختصر یہ کہ عورت دورِ جاہلیت میں جور وظلم اور تذلیل واہانت کا نشانہ بنائی جاتی تھی۔ لوگ معیوب جانتے تھے کہ اس کے گھر بیٹی پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝٥٨﴾ [النحل: ٥٨]

''اور ان میں سے کسی کو جب لڑکی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے، درآنحالیکہ وہ غم سے نڈھال ہوتا ہے۔''

﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ۝٨ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ۝٩﴾ [التكوير: ٩،٨]

''اور جب زندہ درگور کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا، وہ کس گناہ کے سبب قتل کی گئی؟''

اپنی بیویوں اور بیٹیوں کا جُوا کھیلتے تھے۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: دورِ جاہلیت میں آدمی اپنی بیوی اور دولت کا جُوا کھیلتا تھا۔ لوگ عورت کو مالِ وراثت اور مہر کی رقم سے محروم کر دیتے تھے، اور اس پر ظلم وزیادتی کرنے کے لیے اسے نہ چاہتے ہوئے اپنی زوجیت میں باقی رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا﴾ [البقرہ: ۲۳۱]

''اور انہیں نقصان پہنچانے کے لیے نہ روکو، تاکہ حد سے تجاوز کرو۔''

عورتوں کو شادی نہیں کرنے دیتے تھے۔ گویا دورِ جاہلیت میں اکثر کے نزدیک عورت ایک گھٹیا چیز اور ذلیل مخلوق تھی۔

جب اسلام آیا تو اس نے عورت کو عزت دی، اس کے مقام کو بلند وبالا کیا، اور اسے اس کے تمام حقوق دیے۔

لیکن عورتوں کے ساتھ عربوں کا یہ گھناؤنا برتاؤ عام نہیں تھا، بلکہ سرداران قبائل اور بڑے گھرانوں میں عورتوں کی بڑی قدر کی جاتی تھی۔ ایسے گھرانوں کی عورتیں اپنا شوہر خود پسند کرتی تھیں، اور ان کے ساتھ نیک برتاؤ نہ ہونے پر اپنے شوہروں کو چھوڑ کر باپ کے گھر آجاتی تھیں۔ اور اگر کوئی شخص اُن کے ذریعہ پناہ لیتا تھا تو وہ ان کی حمایت کرتی تھیں۔ دیگر بہت سے عرب بھی اپنی بیٹیوں کا بڑا خیال رکھتے تھے، ان کے ساتھ نہایت ہی نرمی اور ہمدردی کا برتاؤ کرتے تھے، اور ان کی ناز برداری کرتے تھے، اور یہ رائے رکھتے تھے کہ بیٹیاں بیٹوں سے زیادہ اپنے ماں باپ کے لیے وفادار ہوتی ہیں۔

بیٹیوں کی تکریم اُس زمانہ کے لوگ اس طرح بھی کرتے کہ وہ اپنی کنیت اپنی بیٹیوں کے نام کے ساتھ رکھتے تھے۔ بیوی کا بھی دورِ جاہلیت میں ایک اونچا مقام تھا۔ اسی طرح بیوی کے لیے شوہر سب کچھ ہوتا تھا، اور عورت کو لوگ اپنی آبرو اور ناموس کا اہم ترین حصہ سمجھتے تھے۔ اس سے زیادہ انہیں غضبناک کرنے والی کوئی بات نہیں تھی کہ ان کی عورتوں کو کوئی قیدی بنالے۔ اور اگر کبھی ایسا ہو جاتا تھا تو اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتے، اور مشکل ترین راہوں سے گزر کر ان کو چھالیتے، اور انہیں آزاد کراتے، اور اس ننگ وعار کو اپنے آپ اور خاندان وقبیلہ سے دھوتے۔ لوگ اپنی عورتوں کو جنگوں میں اپنے ساتھ لے جاتے، تاکہ وہ ہمت بڑھانے والے اور غیرت وحمیت جگانے والے ترانوں کے ذریعہ اُن کی ہمت افزائی کرتی رہیں۔

معلوم ہوا کہ عورت عہدِ جاہلیت میں تمام علاقوں اور تمام قبائل کے نزدیک مہمل شے نہیں سمجھی جاتی تھی، بلکہ بہت سے قبائل، اور بہت سے سادات واشراف کے نزدیک اس کا بڑا اونچا مقام تھا۔ ❶

❁❁❁❁

---

❶ دیکھیے: تاریخ العرب العام: ۵۰، الحیاۃ العربیۃ فی الشعر الجاهلی: ص/ ۲۳۰ للدکتور احمد محمد الحوفی، العصر الجاهلی: ۶۷-۷۵، کتاب المحبّر: ص/ ۱۳۲، المرأۃ بین هدایۃ الإسلام وغوایۃ الإعلام للشیخ صلاح الدین مقبول: ۴۷-۶۰۔

اقتصادی زندگی

صنعت وحرفت کی قسمیں اور تجارت واقتصاد:

دورِ جاہلیت کے تمام عرب ایک ہی طرح کی زندگی نہیں گزارتے تھے۔ پارچہ بافی (کپڑے بُنا) چمڑوں کا کاروبار اوران کے علاوہ دیگر صنعتیں اہلِ یمن اور حیرہ اور حدودِ شام پر رہنے والوں میں معروف تھیں۔ اسی طرح جنوب ومشرق اور حجاز کے علاقوں میں، مثال کے طور پر یثرب، خیبر، طائف اور وادیٔ قریٰ، میں کاشتکاری کا اچھا خاصا رواج تھا۔ اور بلادِ عربیہ میں تجارت کی باگ ڈور اہلِ مکہ کے ہاتھوں میں تھی۔ ہر سال حج کے زمانہ میں مکہ اور اس کے گردونواح میں عربوں کے مشہور ترین تجارتی بازار لگتے تھے، اور ان میں ادبی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ اور مکہ کے تجارتی قافلے جزیرہ نمائے عرب کے اطراف واکناف میں پہنچتے تھے، اور پڑوسی ممالک، حبشہ، فارس، اور روم والوں کے ساتھ ان کے گہرے تجارتی تعلقات تھے۔

مکہ کی تجارتی اور اقتصادی زندگی میں سودی کاروبار کا بڑا عمل دخل تھا، لوگ اپنا مال ودولت بڑھانے کے لیے اکثر وبیشتر سود کا سہارا لیتے تھے، بسا اوقات سود اصل قرض سے کئی گنا زیادہ ہوجاتا تھا۔

مضاربت نوع بہ نوع اقسام، فرضی سامانِ تجارت کی فروخت، یا اُن سامانوں کی فروخت جو ابھی بیچنے والے کے پاس نہیں پہنچے ہوتے، تُجّارِ مکہ کے درمیان عام تھے۔ اسی طرح لوگ کاشت کی پیداوار نکلنے سے بہت پہلے بیچ دیتے تھے، جس کے نتیجہ میں بہت سے خاندان مفلس ہوجاتے تھے، اور بہت سے شب وروز کے درمیان مالدار ہوجاتے تھے۔ اہلِ مکہ قرب وجوار کی وادیوں اور گھاٹیوں میں چوپائے پالنے کا کام بھی کرتے تھے، اور اس کام کے لیے اپنے غلاموں کو استعمال کرتے تھے۔ بعض اہلِ مکہ اور ساحلِ سمندر پر رہنے والے عرب قبائل اپنی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لیے شکار بھی کیا کرتے تھے۔

اور بہت سے بدوی قبیلے جو تہامہ، نجد، صحرائے نفود، وادیٔ شام ودہناء اور بحرین میں بسے ہوئے تھے، اُن کا کام بھیڑ بکریاں پالنا تھا۔ اور اُن میں سے اکثر کی روزی روٹی کا دارومدار صرف لوٹ کھسوٹ کے مال پر تھا، بالخصوص نچلے طبقہ کے لوگ اور وہ غریب انسان جن کے پاس نہ بھیڑ بکریاں ہوتی تھیں، اور نہ تجارت وکاشتکاری۔ ایسے لوگ لوٹ کھسوٹ کے لیے جماعتیں (گروپ اور گینگ) بنالیتے تھے، اور آنے جانے والے تجارتی قافلوں کا انتظار کرتے تھے، اور موقع پاتے ہی ان پر حملہ کردیتے، اُن میں سے اکثر کو قتل کردیتے، اور ان کا مال ومتاع لوٹ لیتے۔ یہی سبب ہے کہ ہمیں ان تجارتی قافلوں کی خبروں میں یہ بھی ملتا ہے کہ وہ لوگ صحرائی ڈاکوؤں اور چوروں سے اپنی حفاظت کے لیے اپنے ساتھ تجربہ کار محافظین (گارڈس) کو لے کر چلتے تھے، جن کی تعداد کبھی کبھار تین سو تک ہوتی تھی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بارش نہ ہونے کے سبب قحط سالی ہو جاتی تو پورا قبیلہ مل کر لوٹ مار کرتا، کیونکہ ان کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوتا تھا۔

دور دراز علاقوں میں رہنے والے بہت سے لوگ سکھائے اور سدھائے ہوئے خونخوار کتوں کے ذریعہ حیوانات کا شکار کرتے تھے۔ اس طرح بہت سے بادیہ نشینوں کی روزی روٹی وحشی جانوروں کے شکار، لوٹ مار اور بھیڑ بکریوں کے پالنے سے حاصل ہوتی تھی۔ غربت و محتاجی، بھوک اور بدن پر کپڑے نہ ہونے کے سبب اُن کی حالت ناگفتہ بہ ہوتی تھی۔

دینی زندگی

جاہلیتِ اُولیٰ کے عرب بُت پرست:

زمانۂ جاہلیتِ اُولیٰ کے اکثر و بیشتر عرب بُت پرست تھے، اور بے شمار خدائی طاقتوں پر ایمان رکھتے تھے جن کا ظہور ستاروں اور دیگر طبیعیاتی مظاہر میں ہوتا تھا۔ اور بے شمار ایسی خفیہ قوتوں پر بھی ایمان رکھتے تھے جو (ان کے عقیدہ کے مطابق) نباتات، جمادات، پرندوں اور دیگر حیوانات میں پائی جاتی تھیں۔ اور باقی ماندہ کلدانیوں اور صابئہ (بے دینوں) سے اثر قبول کر کے ستاروں اور کواکب کی بھی پرستش کرتے تھے۔

جنوب کے عرب قبائل ایک ثالوثِ مقدس (HOLY TRINITY) پر اعتقاد رکھتے تھے، جو چاند (وُدّ نامی صنم) سورج (لات نامی صنم) اور زُہرہ (عزّیٰ نامی بُت) سے مل کر بنتے تھے۔ اور بعض قبائل تو انسانوں کی تقدیس کرتے تھے۔ تمیم، عمان، بحرین اور بعض دیگر قبائلِ عرب میں مجوسیت پھیلی ہوئی تھی، یعنی اُن کا ایمان تھا کہ تدبیرِ عالم کا کام دو معبود (نور و ظلمت یا خیر و شر) مل کر کرتے ہیں۔

عربوں کا قبولِ دینِ ابراہیمی:

بادیہ نشین اور شہروں میں رہنے والے اکثر قبائلِ عرب نے اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی دعوت کے ذریعہ دینِ ابراہیمی کو قبول کر لیا، صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے، اور شرک سے بچنے لگے، اور طویل مدت تک اسی حال پر قائم رہے، پھر لوگ بدلتے گئے، شرک باللہ، اوہام و خرافات اور ان بدعتوں کی طرف لوٹنے لگے جن کی حقانیت کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی تھی۔

عربِ مستعربہ نے اسماعیل و ابراہیم علیہما السلام کے دین کو بھلا دیا، ان کے پاس اُس دین کے نام اور تعظیمِ کعبہ کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہا تھا۔ اُن میں شرک کی ابتدا یوں ہوئی کہ جب وہ لوگ مکہ سے تجارتی سفروں میں نکلتے تو اپنے ساتھ حرم کے پتھر رکھ لیتے، اور جب کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تو انہیں اپنے آگے رکھ کر ان کے گرد طوافِ کعبہ کی طرح طواف کرتے، اور اللہ کو پکارتے، اور جب وہاں سے چلنے لگتے تو ان پتھروں کو اپنے ساتھ لے لیتے۔ اُس کے بعد ایسا ہوا کہ وہ لوگ تو مر گئے، اور اُن کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو اپنے باپ داووں سے بھی زیادہ جاہل و نادان تھے، چنانچہ وہ ان پتھروں کی تعظیم کرنے لگے، اور مرورِ زمانہ کے ساتھ انہیں اپنا معبود بنا کر ان کی پرستش کرنے لگے۔

بُتوں کو کن لوگوں نے اپنا معبود بنایا:

اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں سے جس نے سب سے پہلے صنم گری کی، ان کے نام رکھے، وہ ہذیل بن مدرکہ

بن الیاس بن مضر اور اس کے بیٹے تھے۔ انہوں نے ''سواع'' نامی بُت بنایا جسے ینبع میں ایک مکان میں رکھا، اور کلب بن وبرہ نے دُومۃ الجندل میں ''ودّ'' نامی ایک بُت بنایا، اور طیّ کے قبیلہ انعم اور مذحج کے جرش والوں نے جرش میں ''یغوث'' نامی ایک بُت بنایا، اور قبیلۂ حمدان کی ایک شاخ خیوان نے بلادِ یمن کے علاقۂ حمدان میں ''یعوق'' نامی بت بنایا، اور حمیر کے ذوالکلاع نے سرزمینِ حمیر میں ''نسر'' نامی بُت بنایا۔ ❶

اللہ تعالیٰ نے سورۂ نوح آیات (۲۱-۲۳) میں ان بتوں کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿٢٢﴾ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ ﴾

''نوح نے کہا: میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی ہے اور ان لوگوں کی پیروی کرنے لگے ہیں جن کے مال اور اولاد نے ان کے خسارے میں اضافہ کر دیا ہے، اور ان لوگوں نے بڑی زبردست سازش کر لی ہے، اور کہا کہ لوگو! تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑو، اور تم ''ودّ'' کو نہ چھوڑو، اور نہ ''سواع'' کو اور نہ ''یغوث'' اور ''یعوق'' اور ''نسر'' کو۔''

مکہ اور حجاز میں بتوں کو کس نے داخل کیا:

(۱) ابن الکلبی نے لکھا ہے کہ ایک بار عمرو بن لُحَی جدہ کے ساحل پر آیا، تو اسے وہاں کچھ اصنام ملے جنہیں سمندر کی موجوں نے ساحل پر پہنچا دیا تھا، وہ انہیں تہامہ لے گیا، اور قبائل عرب کو اُن کی پرستش کی دعوت دی۔

(۲) بعض کا خیال ہے کہ عمرو بن لُحَی خزاعی (جو اپنے زمانہ میں مکہ کا رئیس تھا) کچھ بُت اور مجسمے ملکِ شام سے مکہ لے کر آیا تھا۔ ایک بار جب وہ شام گیا تو وہاں اُس نے عمالقہ کو بُتوں کی پرستش کرتے دیکھا، اسے یہ بات اچھی لگی، اور ایسا کرنا صحیح سمجھا، چنانچہ اُس نے اُن سے کہا کہ کیا تم مجھے اِن بُتوں میں سے ایک دو گے؟ انہوں نے اسے ایک بت دے دیا جس کا نام ہُبَل تھا، اسے وہ مکہ لے کر آیا، اور ایک جگہ اُسے نصب کر دیا، اور لوگوں کو اس کی عبادت و تعظیم کا حکم دیا۔ لوگوں نے اس کی بات مان لی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے تمام اہلِ حجاز مکہ والوں کی پیروی کرنے لگے۔ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کے گھر ''کعبہ'' کے خدام اور حرم میں رہنے والے تھے۔

(۳) کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ایک بار عمرو بن لُحَی ایام حج میں تلبیہ کہہ رہا تھا، کہ شیطان ایک معمر آدمی کی صورت میں اس کے ساتھ تلبیہ کہنے لگا۔ عمرو نے جب "لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ" کہا تو بوڑھے نے کہا: "إِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ"...... ''یعنی ایک معبود کے سوا جو تیرا شریک ہے۔'' عمرو نے جب یہ سنا تو انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ کیا ہے؟ بوڑھے نے کہا: کہو: "تملكه وما ملك" (یعنی تو اس شریک کا اور اُن سب چیزوں کا مالک ہے جن کا وہ مالک ہے) عمرو اسی طرح کہنے لگا، اور سارا عرب ایسا ہی کہنے لگا۔ ❷

---

❶ ابن الکلبی: ص/ ۹-۱۱، اور سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۸۱، ۸۲۔

❷ ابن الکلبی: ص/ ۵۱، ۵۵، ۵۶، اور مکہ فی عصر ما قبل الإسلام: ص/ ۷۶، اور مختصر السیرۃ: ص ۴۰-۴۲۔

امام بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے عمرو بن لُحی خزاعی کو دیکھا کہ وہ جہنم کی آگ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹ رہا تھا''❶...... اور ابن اسحاق نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عمرو بن لُحی پہلا شخص تھا جس نے دینِ ابراہیمی میں تحریف کی، بُت پرستی کی بنیاد رکھی، جانوروں کو بُتوں کے نام پر چھوڑا، اور انھیں ان کی نذر کیا۔''❷

اسلام سے پہلے عربوں میں عام بت پرستی:

آدمی جب تاریخ کے جھروکے سے اقوامِ عرب کے دین، اور ان خرافات واَوہام پر ایک طائرانہ نظر ڈالتا ہے جن سے وہ چمٹے ہوئے تھے، اور اُن بُتوں پر جن کی وہ پرستش کرتے تھے، تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ ان کے پاس ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے دین کا صرف نام ہی باقی رہ گیا تھا، عملی زندگی میں اُن کا دین ومذہب بتوں کی پرستش (جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے) اور خرافات واَوہام کے سوا کچھ نہ تھا۔ آئندہ صفحات میں رُوحوں اور جنوں کے بارے میں ان کے اعتقادات کا بیان آئے گا، اور یہ بھی بتایا جائے گا کہ ہر قبیلہ بلکہ ایک قبیلہ کے مختلف خاندانوں کے الگ الگ اصنام ہوتے تھے، جن کی بارگاہ میں وہ بزعمِ خویش پناہ لیتے تھے، اُن سے تبرک حاصل کرتے تھے، اُن سے قوت مانگتے تھے، اور اُن سے دنیاوی منافع وحاجات طلب کرتے تھے۔

اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ اُن کی شبانہ روز کی زندگی پوری طرح بُت پرستی سے وابستہ تھی، اور وہ عقیدۂ توحید جس کی بنیاد ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے رکھی تھی، بُتوں کی بھیڑ میں گم ہو چکا تھا۔ اُن کے پاس عقیدۂ توحید کا صرف اتنا حصہ باقی رہ گیا تھا کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، اور دنیا اور اس کے کاموں میں تصرف بُتوں کے پاس تھا، جیسا کہ موجودہ زمانہ میں ہندوؤں کا عقیدہ ہے، جس کے مطابق وہ اپنی ہر دنیاوی ضرورت اور ہر معاملہ کے لیے الگ الگ بُت رکھتے ہیں۔

غرض کہ عرب اقوام میں بتوں، پتھروں اور درختوں کی پرستش ہر طرف عام تھی، فتح مکہ کے وقت خانۂ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ (۳۶۰) سے زیادہ بُت پائے جاتے تھے، انہی میں قریش کا سب سے بڑا بُت ''ہُبل'' تھا۔ ابن الکلبی وغیرہ نے خاص طور سے مشرکینِ مکہ اور بالعموم مشرکینِ عرب کے بہت سے بُتوں کے نام گنائے ہیں۔

اُن عربوں کی گمراہی اور بے بصیرتی کا عالم یہ تھا کہ وہ اُن بتوں کے پاس بڑے بڑے تراشے ہوئے پتھر نصب کرتے تھے، اور اُن پر اُن مذبوح جانوروں کا خون بہاتے تھے جنھیں وہ اپنے معبودوں اور بُتوں کے نام سے ذبح کرتے تھے، اُن پتھروں کو وہ لوگ مقدس مانتے تھے، اور اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ پتھر بعض روحوں کی جگہیں ہیں۔

اُن کی ضلالت وگمراہی یہ بھی تھی کہ وہ اُن گھروں کا حج کرتے تھے جن میں وہ بُت رکھے جاتے تھے، اُن گھروں کو کعبہ کا نام دیتے تھے، جیسے کعبۂ ذی الخلصہ، کعبۂ یمانیہ، اور کعبۂ طائف جو اُن کے بُت (اللات) کا گھر تھا۔

اُن کے نزدیک نذر ونیاز اور چڑھاوے چڑھانے کے بہت سے طریقے تھے، اور اپنے بتوں کے بارے میں ان کے

---

❶ صحيح البخاري: حديث (۳۵۲۱)، صحيح مسلم: حديث (۲۸۵٦).

❷ مختصر السيرة: ص/ ٤٠-٤٢.

بہت سے بے بنیاد اعتقادات تھے۔ ان کے سامنے جبینِ نیاز خم کرتے تھے، ان کا حج کرتے تھے، اُن پر نوع بہ نوع چڑھاوے چڑھاتے تھے، ان کے گرد طواف کرتے تھے، ان پر انواع واقسام کے کھانے پینے کی چیزیں چڑھاتے تھے، اور اپنی کاشت اور چوپایوں کا ایک حصہ اُن کے لیے مخصوص کر دیتے تھے۔ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام، جانوروں کے انہی اقسام میں سے تھے جنہیں وہ اُن بتوں کے لیے خاص کر دیتے تھے۔

معلوم ہوا کہ عرب اپنے دین اور اپنے خالق و پروردگار سے تعلق کے اعتبار سے پورے طور پر گمراہ ہو چکے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اُن پر رحم کیا، دینِ اسلام آیا، اور لوگ جوق در جوق اس میں داخل ہو گئے، اپنے بتوں کو پاش پاش کر دیا، اوہام وخرافات سے نجات حاصل کر لی، اور مسلمان قوم بن کر اُبھرے جو صرف اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور اس ذاتِ برحق کے سوا کسی پر یقین نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے آلِ عمران آیت (۱۰۳) میں فرمایا ہے:

﴿وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا﴾

''اور تم لوگ جہنم کی کھائی کے کنارے پہنچ چکے تھے، تو اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔''

روحوں، جنوں، ستاروں اور آگ پر عربوں کا ایمان:

عرب لوگ اچھی روحوں (فرشتوں) اور بُری روحوں (شیطانوں) پر بڑا ایمان رکھتے تھے۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے شریکوں کی جناب میں اُن کی شفاعت کرتے ہیں۔ وہ لوگ جنوں سے ڈرتے تھے، اُن کی عبادت کرتے تھے، اور اُن کے اور اللہ کے درمیان نسب ثابت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ﴾ [الأنعام: ۱۰۰]

''اور انہوں نے جنوں کو اللہ کا شریک بنایا۔''

ابھی کچھ سطور پہلے گزرا ہے کہ بعض عرب نجوم وکواکب یعنی آفتاب وماہتاب، زہرہ، دبران، مجون، ثریا، شعریٰ، مرزم اور عطارد وسہیل کی پرستش کرتے تھے۔ اور ستاروں کی پرستش کرنے والے صابئہ کے نام سے جانے جاتے تھے، جن کا ذکر سورۃ البقرہ آیت (٦٢) میں آیا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝﴾

''بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور جو لوگ یہودی ہو گئے، اور نصاریٰ، اور بے دین لوگ (ان میں سے) جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائیں گے، اور عمل صالح کریں گے، ان کو ان کے رب کے پاس اجر ملے گا، اور ان کو کوئی خوف نہ ہو گا اور نہ ان کو کوئی غم لاحق ہو گا۔''

اور سورۃ الحج آیت (۱۷) میں آیا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝﴾

"بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور جو لوگ یہودی ہوگئے، اور بے دین لوگ، اور نصاریٰ، اور آگ کی پوجا کرنے والے، اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنایا، اللہ قیامت کے دن ان سب کے درمیان فیصلہ کرے گا، بے شک اللہ ہر چیز کا گواہ ہے۔"

یہی صابئہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھے، اور یہ دنیا کا ایک قدیم مذہب رہا ہے۔

تیروں کے ذریعہ فال نکالنا:

عرب لوگ تیروں کے ذریعہ فال نکالتے تھے، اس کا طریقہ یہ تھا کہ تین تیروں میں سے ایک پر لکھتے تھے: مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے، دوسرے پر لکھتے تھے: مجھے منع کر دیا ہے، اور تیسرے کو خالی چھوڑ دیتے تھے، اس پر کچھ نہیں لکھتے تھے۔ اس طریقے سے وہ اپنی شادی، طلاق، سفر یا تجارت وغیرہ جیسے معاملات کے لیے فال نکالتے تھے۔ پہلا تیر نکلتا تو اس کام کو کرتے، دوسرا نکلنے کی صورت میں اُسے چھوڑ دیتے، اور تیسرا خالی تیر نکلنے کی صورت میں دوبارہ فال نکالتے۔ ایسا کرنا جوے کی ایک شکل ہے جسے اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔

نجومی، کاہن اور ہاتھوں اور چہروں کے نقوش پڑھنے والوں کا اُن کی روزانہ کی زندگی میں بہت بڑا دخل تھا۔ ہمیشہ غیبی اسرار ورموز، چوری کی ہوئی چیز اور مستقبل میں پیش آنے والے حوادث واحوال کو جاننے کے لیے ایسے لوگوں کا سہارا لیتے تھے۔

اگر راستہ چلتے ہوئے انہیں کوئی چڑیا یا حیوان نظر آجاتا تو فوراً بدشگونی لیتے۔ بعض ایام، بعض مہینوں، بعض حیوانات، بعض مکانات اور بعض عورتوں سے بدشگونی لیا کرتے تھے۔ ان کا عام اعتقاد تھا کہ بیماریاں ایک کو دوسرے سے پہنچتی ہیں، اور یہ کہ مقتول کی روح اُلّو کی شکل میں میدانوں میں اڑتی رہتی ہے، اور اُسے سکون نہیں ملتا، یہاں تک کہ اس کے وارثین اُس کا انتقام لے لیں۔

اہلِ قریش کے بہت سے ایسے فاسد اعتقادات تھے جن کا دینِ ابراہیمی واسماعیلی سے کوئی تعلق نہیں تھا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی دلیل نازل نہیں کی تھی۔

عرب ممالک میں یہودیت ونصرانیت:

اب تک کی تفصیلات سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ دورِ جاہلیت میں اکثر وبیشتر عرب بُت پرست تھے، اور اوہام وخرافات کی تاریکیوں میں زندگی گزارتے تھے، لیکن بعض بلادِ عربیہ مثال کے طور پر یمن اور حجاز میں یہودیت ونصرانیت نے زمانہ قدیم سے اپنے قدم جمار کھے تھے۔

یہ بات معلوم ہے کہ یہودیوں کا اصل ملک فلسطین تھا، ۵۸۷ ق۔م میں اس پر بخت نصر کا قبضہ ہوگیا، اسے تہ وتاراج کر دیا، اور ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا، اور بہت سے اہالی فلسطین کو پابندِ سلاسل کر کے بابل پہنچا دیا۔ اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے بھاگ کر سرزمین حجاز میں پناہ لے لی، اور اس کے شمالی علاقوں میں رہائش پذیر ہوگئے۔

۷۰ء میں رومانیوں کا بادشاہ طیطوس فلسطین پر قابض ہوگیا، اور ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا جسے یہودیوں نے دوبارہ بنایا تھا، اور اہلِ فلسطین کو بُری طرح تتر بتر کر دیا، چنانچہ بہت سے یہودی قبائل فلسطین سے کوچ کر کے حجاز چلے گئے، اور کچھ دیگر

قبائل نے یمن میں پناہ لے لی۔

۱۳۲ء میں رومانیوں کے بادشاہ ہدریان کا فلسطین میں موجود یہودیوں کے ساتھ ٹکراؤ ہوگیا۔ ہدریان کی طرف سے یہودیوں پر زبردست دباؤ پڑا، ان میں سے اکثر کو قتل کر دیا گیا، اور بہت سے فلسطین سے نکال دیے گئے جنہوں نے حجاز میں آ کر وہاں پہلے سے آباد یہودی قبائل کے آس پاس پناہ لے لی۔ اس طرح سرزمینِ عرب میں یہودیوں کی دو جماعتیں سکونت پذیر ہوگئیں۔

سرزمینِ یمن میں یہودیوں کا اجتماع:

(۱)......اوپر لکھا جا چکا ہے کہ ۷۰ء میں بہت سے یہودی فلسطین سے بھاگ کر یمن پہنچ گئے۔ اس کے علاوہ یمن میں یہودی مذہب کے پھیلنے کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ وہاں کے بادشاہ ابونواس کا اثر ورسوخ سرزمینِ حجاز میں بہت دور تک پھیل گیا تھا۔ اُن علاقوں میں ایک طویل مدت تک اس کے قیام پذیر ہونے کے سبب وہ یہودی مذہب سے متاثر ہو کر اس پر ایمان لے آیا، اور یمن واپسی کے وقت اپنے ساتھ دو یہودی علماء کو بھی لے کر آیا، ان دونوں نے یمن پہنچ کر لوگوں کو یہودیت کی دعوت دینے کے لیے انتھک کوشش کی، چنانچہ اہلِ نجران کے بہت سے لوگوں نے یہودیت قبول کر لی۔

یوسف بن ابونواس ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

﴿ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ ﴾ [البروج: ٤-٨]

”ہلاک ہوگئے خندقوں والے، یعنی ایندھن والی آگ سلگانے والے، جب وہ لوگ اس کے کنارے بیٹھے تھے، اور مومنوں کے ساتھ جو ظلم کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے تھے، اور ان کی دشمنی ان مومنوں سے صرف اس وجہ سے تھی کہ وہ لوگ اُس اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست ہے، تمام تعریفوں کا سزاوار ہے۔“

اس نے نجران کے نصرانیوں پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑ دیے تھے، یہی وہ صاحب اخدود (خندق والا) ہے جس نے ایک مہیب خندق کھود کر اس میں نجران کے ہزاروں نصرانیوں کو جلا دیا تھا۔

سرزمینِ حجاز میں یہودیوں کا اجتماع:

(۲)......سرزمینِ حجاز میں بھی بہت سے یہودی قبائل اور خاندان جمع ہوگئے تھے، اور حجاز کے زرخیز علاقوں: یثرب، خیبر، وادیٔ قریٰ، فدک اور تیماء میں پھیل گئے تھے۔ یثرب میں ان کے کئی خاندان اور قبیلے آباد ہوگئے تھے۔ ان میں سے اہم قبائل بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع اور بنی بہدل کے نام سے جانے جاتے تھے۔ مؤرخ سمہودی نے لکھا ہے کہ یثرب اور اس کے قرب وجوار میں رہائش پذیر یہودی قبائل کی تعداد بیس سے زیادہ تھی۔ ❶

اوس وخزرج کے قبائل ان کے بعد یمن سے آئے، اور ان کے درمیان سکونت پذیر ہوگئے، اور مرورِ زمانہ کیساتھ یہودیوں پر اپنی قیادت وسیادت تھوپ دی۔ ان یہودی قبائل کا پیشہ کاشتکاری، زرگری، لوہاری، اسلحہ سازی اور پارچہ بافی

❶ وفاء الوفاء: ص/ ١١٦.

(کپڑا بننے کا کاروبار) تھا، اور ہمیشہ ہی اوس وخزرج والوں کے درمیان عداوت کے بیج بونے کے لیے سازشیں کرتے رہتے تھے، جس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ ان کے درمیان کینہ اور بغض کی بنیاد پڑ گئی، اور اوس وخزرج دونوں یہودیوں کے بنائے ہوئے ہتھیاروں کے ذریعہ خونی جنگوں میں مشغول ہوگئے۔ دونوں ایک دوسرے کو ایک طویل مدت تک گاجر مولی کی طرح کاٹتے رہے، بالآخر اسلام کی دولت پانے کے بعد دونوں قبیلے آپس میں اللہ کے لیے محبت کرنے والے بھائی بھائی ہوگئے۔ لیکن ان کے خلاف یہودیوں کی سازشیں بند نہیں ہوئیں، بلکہ اسلام آنے کے بعد ہمیشہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کی کوششیں کرتے رہے، اور گھناؤنی سے گھناؤنی سازش سے باز نہیں آئے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ کفار قریش اور دیگر اہلِ کفر وشرک کو ابھارتے رہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ انہیں مدینہ سے جلا وطن کرنے پر مجبور ہوگئے، پھر جب امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا مبارک زمانہ آیا تو انہوں نے یہودیوں کی مسلسل شر پسندی، مسلمان کے درمیان فتنہ انگیزی، اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں رچنے کے سبب انہیں خیبر اور اس کے آس پاس کے تمام علاقوں سے نکال بھگایا۔ چنانچہ چند ایک افراد کے علاوہ وہ سب کے سب جزیرۂ عرب سے نکل کر دور دراز علاقوں میں چلے گئے۔ ❶

یمن اور شمالی جزیرہ کے مغربی اور مشرقی علاقوں میں عیسائیت پھیل گئی تھی، اس کی نشر واشاعت ۳۴۰ء سے شروع ہوئی، جب اہلِ حبشہ یمن پر قابض ہوئے، جو وہاں ۳۷۸ء تک باقی رہے۔

ان علاقوں پر رومانیوں کے قبضہ کے بعد عیسائیت کی تبلیغ اور تیز ہوگئی، اس لیے کہ وہ ان علاقوں پر اپنے اثر ورسوخ کو مضبوط کرنے کے لیے عیسائی مبلغین کی جماعت در جماعت بھیجتے رہے۔

ابن اسحاق نے نجران کے علاقہ میں مسیحیت کے داخلہ سے متعلق وہب بن منبہ کی ایک حدیث روایت کی ہے جس میں لکھا ہے کہ شام کا فیمیون نامی ایک آدمی جو نیکی اور ظہور کرامات کے ساتھ مشہور تھا ایک دوسرے آدمی کے ساتھ بلاد عربیہ کے سفر پر نکلا، راستے میں کچھ لوگوں نے ان دونوں کو اپنا غلام بنالیا اور نجران جاکر انہیں بیچ دیا۔ ان دنوں اہل نجران کا مذہب بت پرستی تھا۔ فیمیون کو نجران کے ایک معزز آدمی نے خرید لیا، اس نے دیکھا کہ وہ رات کو نماز پڑھتا ہے، اور اس کا گھر اس کے وجود سے پُرنور رہتا ہے۔ اس نے اس سے اس کے مذہب کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے دین کا ماننے والا ہے، اور موقع کو مناسب پاکر یہ بھی بتایا کہ نجران والوں کا دین باطل ہے، اور یہ کہ صرف اللہ برحق معبود ہے، اور کھجور کا وہ درخت جسے اہلِ نجران پوجتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان، اور یہ کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا تو وہ اسے گرادے گا، پھر اس نے دعا کی تو ایک تیز ہوا چلی جس کے سبب وہ درخت جڑ سے اکھڑ کر گر گیا جس کے نتیجے میں اس معزز آدمی نے عیسائیت قبول کرلی، اور دیگر بہت سے لوگوں نے بھی اس کی پیروی کرلی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک دوسرا ایک آدمی جس کا نام عبداللہ بن ثامر تھا اس کے سبب بھی نجران میں عیسائیت خوب پروان چڑھی۔ وہاں کے بادشاہ نے اسے گرفتار کرلیا، اور اسے شدید ترین عذاب میں مبتلا کیا، اور اسے قتل کرنا چاہا، لیکن وہ ایسا نہ کرسکا۔ تب ابن ثامر نے اس سے کہا کہ جب تک تم اللہ کی وحدانیت کو بیان نہیں کروگے مجھے قتل نہیں کرسکوگے، بادشاہ نے

---

❶ العصر الجاهلي: ص/ ۹۷، ۹۸.

ایسا کیا اور پھر ابن ثامر پر ضرب لگائی اور اسے قتل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے بعد بادشاہ بھی فوراً مر گیا اور تمام اہل نجران نے عبداللہ بن ثامر کے دین عیسائیت کو قبول کرلیا۔ نجران میں مسیحیت کی ابتدا یہیں سے ہوئی۔ ❶

عیسائی سلطین اور حبشہ کے نصاریٰ اور شاہانِ روم کی انہی کوششوں کے نتیجے میں نجران اور اس کے گرد ونواح میں عیسائیت خوب پھلی پھولی، اور ابرہہ کے دور میں ان علاقوں میں بہت سے گرجے بنائے گئے۔ وہی ابرہہ جس کی قیادت میں حبشہ کے نصرانی نجران میں داخل ہوئے تھے۔ ابرہہ نے ان گرجوں کے زیب وزینت اور آرائش کا بڑا اہتمام کیا۔ ان میں سب سے مشہور شہر صنعاء کا ''قلیس'' نامی گرجا تھا، اس پر اس نے سونے، چاندی اور مختلف اقسام کے ہیروں اور جواہرات کے نقوش کندہ کروائے، اور اس میں سونے اور چاندی کے بنے ہوئے صلیب اور ہاتھی کے دانت اور آبنوس کے بنے ہوئے منبر نصب کروائے۔ اسلام آنے کے بعد اہل صنعاء نے اسے مسجد میں بدل دیا جو اب تک موجود ہے۔ ❷

شام میں رہنے والے عرب قبائل غساسنہ اور ان کے علاوہ دیگر قبائل مثلاً عاملہ، جذام، کلب، اور قضاعہ میں بھی عیسائیت پھیل گئی تھی، اور عراق میں رہنے والے عرب قبائل تغلب اور عیاد وبکر کے درمیان بھی عیسائیت اپنے قدم جما چکی تھی۔ اور یہی حال حیرہ کا بھی تھا، حالانکہ وہاں کے حکام اور عام لوگوں کا مذہب بُت پرستی تھا، اور اپنے آپ کو عبادیین یعنی اللہ کے بندے کہتے تھے، تاکہ پڑوس میں رہنے والے دیگر بُت پرستوں سے اپنے آپ کو ممتاز رکھ سکیں، البتہ آلِ منذر کے حکام نے بہت بعد میں نصرانیت قبول کی اور کہا جاتا ہے کہ عمرو بن منذر کی ماں ہند نے وہاں ایک گرجا بنوایا تھا، بعض کا کہنا یہ ہے کہ اس گرجے کو ہند بنت منذر نے بنوایا تھا، جس کے بھائی نعمان بن منذر نے عیسائیت قبول کرلی تھی، یہ نعمان آلِ منذر کا آخری فرماں روا تھا۔ ❸

مکہ میں حبشی غلاموں کی ایک بڑی تعداد پائی جاتی تھی، اور کہا جاتا ہے کہ روم کے عیسائیوں کی بھی ایک جماعت وہاں رہتی تھی، اور مرّ الظہر ان میں ایک عیسائی راہب رہا کرتا تھا۔ مورخ یعقوبی کا خیال ہے کہ اسلام سے پہلے قریشیوں کی ایک جماعت نے عیسائیت قبول کرلی تھی، انہی میں سے ورقہ بن نوفل، عتبہ بن ابی لہب اور عثمان بن حویرث الاسدی وغیرہم تھے۔ بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ مدینہ میں بھی کچھ عیسائی پائے جاتے تھے، اور بلادطی اور دومۃ الجندل میں مسیحیت خوب پھیلی ہوئی تھی۔

ان معلومات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض عرب قبائل میں عیسائیت پھیلی ہوئی تھی، برخلاف یہودیت کے جو فلسطین ویمن سے ہجرت کرکے آنے والے یہودی قبائل میں ہی سمٹ کر رہ گئی تھی۔ لیکن قبائل عرب کے مسیحی اپنے جدید دین کی گہرائیوں تک نہیں پہنچے تھے، اور ان کا تعلق اپنے دینِ جدید سے ایسا گہرا نہیں تھا، جیسا کہ یہودیوں کا اپنے دینِ یہودیت سے تھا، جس کی بنیاد انتہا پسند عصبیت اور تنگ نظری پر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان عرب مسیحیوں نے اپنے دین میں اس بت پرستی کی بہت سی عادات وصفات کو ملا دیا تھا جو زمانہ قدیم سے ان قبائل میں رچی بسی تھیں۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنے دینِ جدید کے صرف ظاہری امور کو ہی جانا تھا، اس کی تاریخی جڑوں سے وہ بالکل ناواقف تھے۔ ❹

---

❶ السیرۃ النبویۃ، ابن ھشام: ص/ ۳۱-۳۴۔ ❷ مکۃ فی عصر ما قبل الإسلام: ص/ ۹۰-۹۱۔

❸ العصر الجاھلی: ص/ ۹۹، ۱۰۰۔ ❹ مکۃ فی عصر ما قبل الإسلام: ص/ ۹۱-۹۳۔

دینِ ابراہیمی کی تلاش

ایک دینی تحریک

اسلام سے قبل بلادِ عربیہ کی دینی حالت کا علم ہوا، یہودیت اور نصرانیت دونوں ہی مذاہب زوال پذیر اور توحید خالص سے یکسر دور ہو چکے تھے جو ادیانِ سماویہ کی بنیاد ہے۔ بت پرستی کی بنیاد یکسر باطل پر ہے، عربوں نے اُس عقیدۂ توحید کو گنوا دیا تھا جو انہیں اپنے آباء ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام سے وراثت میں ملا تھا، اور صنم پرستی اور وثنیت کے سمندر میں اپنی ناک تک ڈوب چکے تھے بلکہ اس میں بالکل غرق ہو گئے تھے۔

دعوتِ توحید اور ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے دین سے اس خطرناک دوری کے باوجود عرب سوسائٹی میں بہت سے ایسے لوگ پائے گئے جنہوں نے بتوں کی پرستش کا انکار کر دیا، اور ابراہیم علیہ السلام کے صحیح دین کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ایک بار اہلِ قریش اپنے ایک بت کے پاس خوشیاں منا رہے تھے کہ ان کے درمیان سے ورقہ بن نوفل، عبید اللہ بن جحش، عثمان بن حویرث اور زید بن عمرو بن نفیل نکل گئے، اور اس بات کا برملا اعلان کر دیا کہ ہماری قوم کا اُس دینِ صحیح سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا جسے ابراہیم علیہ السلام لے کر آئے تھے، اور یہ کہ ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ ہم اپنے لیے ایک صحیح دین تلاش کریں۔ چنانچہ ورقہ بن نوفل نے مسیحیت سے اپنا رشتہ استوار کر لیا، عبید اللہ بن جحش یونہی سرگرداں پھرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی نعمت سے نوازا، اور عثمان بن حویرث روم جا کر مسیحی ہو گیا۔ اور زید بن عمرو بن نفیل نے بت پرستی سے کنارہ کشی اختیار کر لی، اور اپنی قوم کے دین کو چھوڑ دیا، لیکن اس نے یہودیت یا مسیحیت کو قبول نہیں کیا، یہاں تک کہ اُس نے دینِ حنیفیت پر وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے خیر اور بھلائی کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ "وہ قیامت کے دن ایک الگ امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا"

محمد بن اسحاق نے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ان دونوں صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا ہم زید بن عمرو بن نفیل کے لیے دعائے استغفار کریں؟ تو آپ نے فرمایا: "وہ ایک الگ امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔"

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زید بن عمرو بن نفیل کی تلاشِ دینِ ابراہیمی میں بلادِ شام تک جا پہنچنے کی روایت نقل کی ہے، جس کے آخر میں اس کا یہ قول آیا ہے کہ اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں دینِ ابراہیمی پر ہوں۔ [1]

دینِ حق کی تلاش کرنے والے ایسے لوگ صرف مکہ ہی میں نہیں تھے، بلکہ دیگر قبائلِ عرب میں بھی پائے جاتے تھے۔

---

[1] فتح الباری: ۷/۱۴۲، حدیث (۳۸۲۷).

تاریخ و ادب کی کتابوں نے ان میں سے بعض کے نام ذکر کیے ہیں؛ جیسے قس بن ساعدہ ایادی، زید بن عمرو بن نفیل، امیہ بن ابی صلت، سوید بن عامر مصطلقی، اسعد ابو کرب حمیری، ورقہ بن نوفل قرشی، زہیر بن ابی سلمیٰ، کعب بن لوی بن غالب اور عثمان بن حویرث وغیرہم۔

اس سے یقینی طور پر پتہ چلتا ہے کہ ان کے علاوہ بھی کئی لوگ حق کی تلاش میں سرگرداں تھے، لیکن جیسا کہ دنیا کی کسی بھی سوسائٹی کا حال ہوتا ہے کہ صرف مشہور لوگوں کے ہی نام جانے جاتے ہیں۔

یہ تمام لوگ بت پرستی سے بیزار ہو چکے تھے، اور ان تمام اجتماعات، محفلوں اور عادات واطوار سے انہیں نفرت ہو چکی تھی جن کا تعلق بُت پرستی سے تھا۔ ان سب کا اللہ کی وحدانیت پر اعتقاد تھا جس کی دعوت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو دی تھی۔ اس عقیدۂ توحید میں تمام متلاشیانِ حق برابر تھے، چاہے وہ لوگ جنہوں نے مسیحیت کو قبول کر لیا اور راہِ حق سے بھٹک گئے، یا وہ لوگ جو اسی طرح سرگرداں رہے یہاں تک کہ اسلام آ گیا، اور انہوں نے اسے قبول کر لیا، یا وہ لوگ جو اپنے دین حنفی پر وفات پا گئے جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور اس کے علاوہ وہ تمام لوگ جن کے نام ہمیں معلوم نہیں ہو سکے۔

بُت پرستی اور شرک باللہ کے خلاف اس مذہبی تحریک کا بلاشبہ جزیرہ عرب میں بُت پرستی کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں زبردست کردار رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ عہدِ نبوی سے قریب تر زمانہ جاہلیت میں پائے جانے والے بہت سے شعراء اور اہم شخصیتوں نے بتوں کا مذاق اڑایا، اور ان کی پرستش کا انکار کر دیا۔ لیکن اس سے یہ بات ہرگز نہیں سمجھنی چاہیے کہ مشرکین عرب عام طور پر اور مشرکینِ مکہ خاص طور پر توحید کی دعوت کو قبول کرنے اور بُت پرستی کا انکار کر دینے کے لیے ذہنی طور پر تیار تھے، بلکہ اس کے برعکس جب ہم ابتدائے اسلام کی تاریخ اور مشرکین کی اس سے عداوت اور دعوتِ اسلامیہ کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکنے کے لیے انسانی دل ودماغ میں جتنے ممکن اسباب ووسائل کا خیال گزر سکتا تھا، ان تمام کا مشرکین کی طرف سے اختیار کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ بت پرستی کی جڑیں ان کے دلوں اور ذہنوں میں اتنی گہرائی تک اتری ہوئی تھیں کہ دعوتِ اسلامیہ کو قبول کرنے کی کوئی ادنیٰ صلاحیت بھی ان کے اندر باقی نہیں رہی تھی۔

خاص طور سے اہلِ مکہ جو تمام عربوں کی نظر میں نہایت معزز ومکرم اور اہلِ سیادت وقیادت جانے جاتے تھے، یہ لوگ اس لاعلاج اعتقادی مرض میں مبتلا تھے کہ انہیں یہ سب کچھ اپنے بتوں کی برکت سے ملا ہے، اور یہ کہ ان کی پرستش کا انکار کر دینا، انہیں منہدم کر دینا، اور مکہ کو ان سے پاک کر دینا اس بات کے مترادف ہے کہ انہیں آسمانِ عزت وشرف سے گرا کر ذلت وحقارت کے گڑھے میں پہنچا دینا ہے۔

اس لیے وہ ذہنی طور پر اس کے لیے قطعی طور پر تیار نہیں تھے کہ وہ اپنے باطل دین کو چھوڑ کر جس کی بنیاد بُت پرستی اور اوہام وخرافات پر ہے، اس اسلام کو قبول کر لیں جسے لے کر نبی کریم ﷺ دنیا میں تشریف لائے تھے، اور جس کی بنیاد ایک اللہ کی عبادت اور شرک کے تمام اقسام کے انکار پر ہے۔

اس شدید گھٹا ٹوپ تاریکی، اخلاقی انحطاط، جاہلی رسوم وعادات، اور مبغوض ترین بُت پرستی کے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاتم النبیین ﷺ کو مبعوث فرمایا، تاکہ ان تمام خرابیوں کا خاتمہ کر کے عقیدہ توحید اور دینِ اسلام کی بنیاد رکھیں۔ عالم

انسانیت پر اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم کا بھی تقاضا تھا، جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ اس کی تفصیل آئے گی۔ آپ ﷺ دنیا میں اس لیے تشریف لائے تاکہ انسانوں کا رشتہ ان کے رب سے استوار کریں، اور انہیں بتائیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی معبود برحق ہے، اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ کسی حال میں بھی اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں، اور اس کے سوا کسی چیز کے سامنے سربسجود نہ ہوں۔ ❶

❀❀❀❀

❶ دیکھئے مزید تفصیل کے لئے: الشعر الجاھلی: ص/۹۶، ۹۷، مکہ فی عصر ما قبل الإسلام: ص/۹۵-۹۹، السیرۃ النبویۃ، ابن ھشام: ۱/ ۲۳۷، اور اس کے بعد، اور محمد رسول اللہ، تالیف محمد صادق عرجون: ۱/ ۱۲۲۔

زمانۂ جاہلیت
قوموں کی تاریخ میں بدترین زمانہ

زمانۂ جاہلیت سے مراد کیا ہے:

عرب مؤرخین وادباء زمانۂ جاہلیت کو دوحصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

زمانۂ جاہلیتِ اُولیٰ:...... جزیرۂ عرب کے اُس قدیم دورِ تاریخ کو کہتے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے اور ان کے بعد کا زمانہ ہے۔ پانچویں صدی عیسوی کے اواخر سے قبل جزیرۂ عرب کی تاریخ پر لاعلمی کا ایک دبیز پردہ پڑا ہوا ہے، اس دور سے متعلق جو کچھ بھی بیان کیا جاتا ہے، اس کی تصدیق کسی قوی تاریخی دلیل وبرہان سے نہیں ہوتی۔

زمانۂ جاہلیت ثانیہ یا مطلق زمانۂ جاہلیت:...... اس سے مراد وہ زمانہ لیا جاتا ہے جو اسلام آنے سے ڈیڑھ سو (۱۵۰) سال پہلے کا ہے۔ سیرتِ نبوی پر خامہ فرسائی کرنے والے اور ادبِ دورِ جاہلیت کے مؤرخین زمانۂ جاہلیت سے مراد زمانۂ جاہلیت کا یہی دور قریب لیتے ہیں۔ یہی وہ زمانہ ہے جب عربی زبان پورے طور پر کامل وشامل زبان ہوچکی تھی، اور اسی زمانے کی شاعری کو شعرِ جاہلی کہا جاتا ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے زمانۂ جاہلیت سے یہی سمجھا تھا۔ ان کے نزدیک زمانۂ جاہلیت سے مراد نبی کریم ﷺ پر نزولِ وحی سے پہلے کا زمانہ ہے۔

وہ قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ جن میں "جاہلیت" کا لفظ آیا ہے، ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کے نزدیک اس لفظ کا ایک خاص معنیٰ ومدلول تھا۔ یعنی "بُت پرستی" اپنے تمام انواع واقسام کے ساتھ، اور وہ تمام اَوہام وخرافات جنہوں نے عرب اقوام کو اپنے بوجھ تلے اس طرح دبا رکھا تھا کہ ان کے لیے حرکت کرنا بھی مشکل تھا، اور یہ لوگ حماقت، طیش، غیظ وغضب، اندھی عصبیت، جذبۂ انتقام، زنا اور فسق وفجور، رقص وسرود کی محفلیں جمانے کے لیے لونڈیوں کی ٹریننگ، ننگاپن، اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرکے فخر کرنا، بھوک اور قحط سالی کے زمانے میں زندہ جانوروں کے خون پینا، زندہ جانوروں کا گوشت کاٹ کر کھانا، بدشگونی اور گنڈے تعویذ، حسب ونسب پر فخر کرنا اور دوسروں کی تحقیر کرنا جیسی اخلاقی برائیوں میں مبتلا تھے، نیز ہر عرب گھرانے کا ایک خاص بُت ہوتا تھا جس کی وہ لوگ پرستش کرتے تھے۔

اسی طرح غیر عرب قوموں اور ملکوں کی زمانۂ جاہلیت سے پہلے کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ قومیں بھی ہلاکت وبربادی کی کھائی کے کنارے پہنچ چکی تھیں، اور وہ تمام اعتقادی، دینی اور سماجی امراض جو اس وقت عرب قوموں میں اپنا ڈیرہ جما چکے تھے، وہ تمام کے تمام یا ان میں سے بیشتر امراض دیگر مشرقی اور مغربی سوسائٹیوں میں بھی پھیلے ہوئے تھے، اور انسانیت ہر جگہ ان مہلک امراض کے زیرِ اثر کراہ رہی تھی، اور ان کا مرض اس حد تک ان کی روحوں اور ان کے دلوں کو بیمار بنا

چکا تھا کہ وہ لوگ احساسِ زیاں بھی کھو چکے تھے۔

اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کی مصیبتیں اقوامِ عرب ہی کے ساتھ خاص نہیں تھیں، بلکہ اس دور کی تمام تر بیماریاں دوسری اقوام میں بھی اسی طرح پھیلی تھیں جس طرح اقوامِ عرب میں، اور سارا عالم ان امراض کے زیرِ اثر سسکیاں لے رہا تھا، اور اس نبی خاتم کی شدید ترین ضرورت آ گئی تھی جنہیں اللہ تعالیٰ نے بالآخر دنیا والوں پر رحم و کرم کرتے ہوئے مبعوث فرمایا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ [الأنبياء: ۱۰۷]

''اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

یعنی اُن پر اُن بیماریوں اور ہلاکتوں کے سبب رحم کھاتے ہوئے جن کے نیچے دبے ہوئے وہ لوگ سسکیاں لے رہے تھے۔

غیر عرب ممالک کی سوسائٹیوں اور اَدیان پر ایک نظر

(ا) یہودیت:

تاریخِ یہودیت کا مطالعہ کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہودیوں میں بُت پرستی، خیانت، انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بدعہدی اور انہیں قتل کرنا اور اسی جیسی دیگر خطرناک بیماریاں سلیمان علیہ السلام کے آخری زمانے سے ہی پھیل گئی تھیں۔ ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے ہی اللہ کے انبیاء کو جھٹلایا، اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے ساتھ بدعہدی کر کے انہیں قتل کرنا چاہا، لیکن اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی، اور انہیں آسمان پر اٹھا لیا جیسا کہ مذہبِ اسلام کا صریح عقیدہ ہے۔

تورات تو سلیمان علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے ہی گم ہو چکی تھی، اس لیے یہود حلال و حرام اور اللہ کی خوشنودی و ناراضی کو جاننے کے لیے اپنے علماء کے شخصی بیانات اور ان کی من گھڑت خبروں پر اعتماد کرتے تھے، تورات تاریخِ یہودیت کے پہلے تین ادوار میں ہی ضیاع اور آتش زنی کا شکار ہو چکی تھی۔

پہلی بار: ۵۸۶ ق۔م میں بابل کے بادشاہ بنوخذ نصر کے ہاتھوں، جب اس نے پورے بیت المقدس کو جلا دیا تھا۔

دوسری بار: ۱۶۸ ق۔م میں انطاکیہ کے یونانی بادشاہ کے ہاتھوں، جب اس نے بیت المقدس پر حملہ کیا تھا۔

اور تیسری بار: ۷۰ء میں رومانی بادشاہ کے ہاتھوں، جب اس نے ہیکلِ سلیمانی کو منہدم کر دیا، اور مقدس صحیفوں پر قابض ہو کر انہیں روم میں اپنے محل میں منتقل کر دیا۔ اور یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یہودی کاہن جو بابل کا رہنے والا تھا، اسی نے اپنے حافظہ کی مدد سے گمشدہ تورات کو عبرانی زبان کی بجائے کلدانی زبان میں لکھا، اور لوگوں کو باور کرانے کی کوشش کی کہ یہی اللہ کی وحی ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ [1]

اس طرح یہودیت کچھ مذہبی رسوم، عادات و تقالید اور اوہام و خرافات کا مجموعہ بن گئی، جس کا ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے

---

[1] الجامع الصحيح للسيرة النبوية، سعد المرصفي: ص/ ۱۷۴-۱۷۹، رحمة للعالمين: ۲/ ۷۷-۷۹، الرحمة المهداة: ص/ ۱/ ۳۰۴، ۳۰۵.

دین سے دور کا بھی واسطہ نہ رہا، بُت پرستی اس کا جزو بن گئی، اور یہود اُس عقیدۂ توحید سے یکسر دور ہوگئے جو ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کی طرف سے لائے تھے، اور جس کی وصیت انہوں نے اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو کی تھی۔

ان حالات سے گزر کر بنی اسرائیل یعنی یہود نبی کریم ﷺ کی بعثت کے شدید محتاج تھے، تاکہ وہ دوبارہ ان کا رشتہ اس دینِ توحید سے جوڑ دیں جسے لے کر ابراہیم، یعقوب اور موسیٰ علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے تھے۔

(۲) عیسائیت:

یہی حال عیسائیوں کی چاروں انجیلوں کا ہے، بلکہ ان کا حال تو تورات سے بھی زیادہ بدتر ہے، اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور اُن انجیلوں کے درمیان جو ایک گہری کھائی موجود ہے، اس کا پاٹنا ہرگز ممکن نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اور ان انجیلوں کی (دو دیگر مؤلفین کے ذریعے) تدوین وتالیف کے درمیان ایک طویل زمانہ گزرا ہے۔

ان دونوں میں سے ایک مؤلف وہ پولس یہودی تھا جس نے عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا سے اٹھائے جانے کے بعد عیسائیت کو بظاہر قبول کر کے، اس کی تعلیمات کو بدل دیا، اور مسیحیت میں الوہیتِ مسیح، عقیدۂ تثلیث اور ملعونوں اور جہنمیوں کو عیسیٰ مسیح کے نام سے پروانۂ نجات دیے جانے جیسے باطل عقائد کو داخل کیا۔

نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انجیل عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کی زبان میں نازل ہوئی جو مرورِ زمانہ کے ساتھ اللہ کی مشیت سے ختم ہوگئی۔ پھر ایک طویل زمانہ کے بعد اُسے یونانی زبان میں لکھا گیا، جو یقیناً عیسیٰ علیہ السلام کی زبان نہیں تھی۔ اس طرح وہ عقیدۂ توحید جس کی طرف عیسیٰ علیہ السلام نے تمام دیگر انبیاء ورسل کی طرح اپنی قوم کو بلایا تھا، گم ہوگیا، اور بُت پرستی اپنی تمام باطل رسوم وعادات اور شرک وصنم پرستی کے ساتھ مسیحیت میں داخل ہوگئی۔

چھٹی صدی عیسوی کا زمانہ جب آیا تو نصاریٰ حقیقتِ مسیح، اور اَرکانِ تثلیث سے متعلق مختلف جماعتوں میں بٹ چکے تھے کہ اَرکانِ تثلیث سے مراد اللہ، مریم اور مسیح ہیں، یا اللہ، یوحنا اور مسیح، یا اللہ، روح القدس اور مسیح۔

ان اختلافات نے دینِ مسیحیت کی جڑوں کو اس طرح کھوکھلا کر دیا تھا کہ اب یہ دین کسی طرح بھی امورِ دین ودنیا میں انسانیت کی رہنمائی کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا، بلکہ گمراہیوں کا ایک مجموعہ اور گھٹاٹوپ تاریکیوں کا ایک ملغوبہ بن گیا تھا۔ اس طرح دنیائے نصرانیت کو بھی نبی اُمی ﷺ کی بعثت کی شدید ترین ضرورت تھی، تاکہ وہ انہیں ہلاکت وبربادی کی کھائی سے بچا کر دینِ اسلام کی رحمتوں اور برکتوں میں داخل کردیں۔ ❶

روم کی مسیحی حکومت:

۳۹۵ء سے ۱۴۵۳ء تک پھیلے ہوئے طویل زمانے میں مذہبِ مسیحیت کی نمائندگی اس مشرقی رومانی بادشاہت نے کی ہے جس کا دار السلطنت قسطنطینیہ تھا، پھر اس دار السلطنت پر عثمانیوں کا قبضہ ہوگیا، اور اس رومانی حکومت کے ٹکڑے ہوگئے۔ اُن دنوں یونان، بلقان، ایشیائے کوچک، شام، فلسطین، حوضِ بحر ابیض، مصر اور شمالی افریقہ تمام علاقوں پر اسی بادشاہ کی حکومت تھی۔

---

❶ الجامع الصحیح للسیرۃ النبویۃ، سعد المرصفی: ص/۱۷۹-۱۸۳، رحمۃ للعالمین: ۱/۷۷-۸۷، الرحمۃ المھداۃ: ص/۳۰۲-۳۰۷.

چھٹی صدی عیسوی میں یہ رومانی حکومت داخلی اختلافات کا شکار ہوگئی، جس کے نتیجے میں ۵۳۲ء میں صرف قسطنطنیہ شہر میں تیس ہزار آدمی مارے گئے۔

اُن دِنوں اُن کی اجتماعی زندگی عجیب تناقض کا شکار ہوگئی تھی، ایک طرف تو بہت سے رومانیوں کے ذہن میں مذہبی فکر رچ بس گئی تھی، ان میں رہبانیت عام ہوگئی تھی، اور دینی مسائل میں بحث ومناظرہ ان کا عام مشغلہ بن گیا تھا، تو دوسری طرف اکثر ویشتر لوگ لہو ولعب، عیش پرستی، رقص وسرود، اور مردوں اور درندہ جانوروں کے درمیان کشتیوں کا مشاہدہ کرنا ان کا مرغوب مشغلہ بن گیا تھا۔

اُن کے سرداروں اور مالداروں کی زندگی زن پرستی، فسق وفجور اور اخلاق رذیلہ سے عبارت ہوگئی تھی، اور مصر وشام اور دیگر ممالک میں جن پر وہ حکومت کرتے تھے ظلم وبربریت عام ہوگئی تھی۔ اہلِ شام اپنے اوپر عائد کردہ ٹیکس (تاوان) اور ان قرضوں کی ادائیگی کے لیے جو ظلم وستم کے نتیجے میں اُن کے ذمہ اکٹھا ہوجاتے تھے، بسا اوقات اپنے بیٹوں کو بیچ دیتے تھے۔

بلادِ عربیہ سے ملحق ملکوں میں رہنے والے بھی اپنے ان ناگفتہ بہ دینی اور اخلاقی حالات کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی آمد کے شدید ترین محتاج تھے، تاکہ آپ انہیں دینِ اسلام میں داخل کردیں، اور جہنم سے بچالیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جو ممالک مسخ شدہ مسیحیت کی ہلاکتوں اور بربادیوں سے پر آشوب زندگی گزار رہے تھے، اسلام کے زیرِ اثر آگئے اور کفر وبُت پرستی کی بندشوں اور بیڑیوں سے آزاد ہوکر اسلام کی آزادی ووسعت میں داخل ہوگئے۔ ❶

اقوامِ یورپ:

شمال ومغرب میں پھیلے ہوئے ممالکِ یورپ کا حال رومانیوں سے بھی بدتر تھا، وہ سب کے سب جہالت، ناخواندگی اور خوں ریز خانہ جنگیوں کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ابھی کچھ ہی قبل چھٹی صدی عیسوی میں تمام مشرقی ومغربی ممالکِ یورپ میں نصرانیت کا حالِ زار بیان کیا جاچکا ہے۔ مغربی یورپ کا حال بالکل ویسا ہی تھا جیسا روم وایران کا۔ یونانیوں نے فحاشی وبدکاری کے کاموں پر مذہبی پاکیزگی کی چادر ڈال دی تھی، اور زناکاری کو اللہ سے قربت کا ذریعہ بنادیا تھا، اور فطرتِ سلیمہ سے دوری کی وجہ سے لواطت بھی ان میں عام ہوگئی تھی۔ ۵۸۶ء میں اہلِ فرانس نے اس موضوع پر خوب بحث وجدال کیا کہ عورت انسان ہے یا نہیں۔ اس طرح پورا یورپ ایک مردہ سڑا ہوا جسم بن گیا تھا۔ شرپسندی، تخریب کاری اور دیگر انارکیاں ان میں عام ہوگئی تھیں، امن وامان، اور نظام وقانون پر عمل معدوم ہوچکا تھا۔ یورپ کا انسان مظلوم ومقہور ہوکر خیر وشر کی تمیز کھوچکا تھا، اور ہلاکت وتباہی کے دہانے پر پہنچ گیا تھا۔

آتش پرست ایران کی حکومت:

مجوسیوں کی یہ حکومت بھی رومانی حکومت سے عظیم تر تھی۔ اس کی بنیاد ۲۲۳ء میں ''اَردشیر'' نامی شاہِ ایران نے ڈالی تھی، اور چوتھی صدی عیسوی میں اس کا رقبہ تقریباً ایک تہائی کرۂ ارضی تک پھیل گیا تھا، اور امن وامان عام تھا، اس لیے عوام آرام وآسائش کے عادی بنتے گئے، اور اپنی ٹھوڑیوں تک شہوت رانی میں ڈوب گئے، اور نسب کے ذریعہ حرام کردہ عورتوں کو اپنے

---

❶ الجامع الصحیح للسیرۃ النبویۃ: ۱۸۳، ۱۸۴، اور السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۳۱، ۳۲.

لیے حلال بنالیا۔

شاہ یزدجرد دوم جس نے پانچویں صدی عیسوی وسطی دور میں بادشاہت کی تھی، اس نے اپنی بیٹی سے شادی کی، پھر اُسے قتل کردیا، اور شاہ بہرام چوبین جس نے چھٹی صدی عیسوی میں بادشاہت کی، اس نے اپنی بہن سے شادی کرلی تھی۔ یہ خبیث عادت ان میں اتنی جڑ پکڑ چکی تھی کہ تمام ایرانیوں کے نزدیک اس قسم کی شادی کرنا گناہ کی بات نہیں رہی تھی۔ تیسری صدی عیسوی میں مانی نام کا ایک آدمی ظاہر ہوا جس نے اعلان کیا کہ روشنی کا تاریکی کے ساتھ مل جانا ایک ایسی برائی ہے جس سے نجات حاصل کرنا نہایت ضروری ہے، چنانچہ اس نے نکاح کے تمام اقسام کو ہی حرام قرار دے دیا، لیکن ۲۷۶ء میں بہرام نے اسے قتل کردیا، اور اس کی یہ دعوت کمزور ہوگئی۔

لیکن یہ خبیث ایرانی ذہنیت جس نے نسب کے ذریعہ حرام عورتوں سے شادی کرنے کو جائز قرار دیا تھا، ایک بار پھر ''مزدک'' کی صورت میں ظاہر ہوئی، جو ۴۸۷ء میں پیدا ہوا، اور لوگوں میں اس بات کو عام کیا کہ مال اور عورت میں تمام لوگ مشترک ہیں، ان کے درمیان اس بنیاد پر تفریق کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ مال اس کے مالک کا ہوتا ہے، اور یہ کہ نسب وقرابت کی بنیاد پر بہت سی عورتیں محرم ہوتی ہیں جن سے شادی کرنا حرام ہے۔ ''مزدک'' کی اس خبیث دعوت کو نوجوانوں، عیش پرست مالداروں اور شاہی محل میں رہنے والے لوگوں کی خوب تائید حاصل ہوئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوری ایرانی سوسائٹی بداخلاقی، شہوت پرستی، اور فسق وفجور میں ڈوب گئی۔

چھٹی صدی عیسوی میں ساسانی بادشاہوں کی داخلی سیاست کا حال یہ تھا کہ وہ ایک طویل مدت تک بذریعہ وراثت حصولِ بادشاہت کی وجہ سے اپنے آپ کو دیگر تمام لوگوں سے بالا وبرتر سمجھتے تھے، اور عوام انہیں معبودوں اور خداؤں کے نام سے مخاطب کرتے تھے، اس لیے کہ انہوں نے اپنی قوم کے ذہنوں میں یہ بات اچھی طرح بٹھادی تھی کہ وہ خداؤں کی نسل سے ہیں، اس لیے وہ انہی کے مانند خدا ہیں۔ ملک کی تمام آمدنی ان کی ملکیت سمجھی جاتی تھی، اور اس میں سے عوام کو جو دیتے تھے وہ ان کا احسان سمجھا جاتا تھا، اس لیے کہ عوام کسی بھی چیز کے مالک نہیں ہوتے تھے۔

یہ ساسانی لذتوں، شہوتوں اور عیش پرستی میں ڈوب کر اپنے خالق ورازق کو بالکل بھول گئے تھے، اور بزعم خویش اللہ کے خلفاء، بلکہ اس کے بیٹے بن بیٹھے تھے، جبکہ پوری قوم بدبختی، محرومی، تنگی رزق اور سختی ومشقت کی چکیوں میں پسی جارہی تھی، اور ٹیکسوں اور جرمانوں کی مصیبت تلے زندگی گذار رہی تھی، قید وبند اُن کی قسمت بن گئی تھی، اور ساسانیوں اور رومانوں کی قدیم دشمنی کی وجہ سے مہلک جنگوں کی بھڑکتی آگ کا معمولی اور حقیر ایندھن بن کر رہ گئی تھی۔

دینِ صحیح کے تذکرے سے ایرانی تاریخ بالکل خاموش نظر آتی ہے، سوائے مذہب زردشت اور مذہب مانویت کے ذکر کے، جن کی بنیاد انتہا پسندی، غلو، اور آتش پرستی پر رکھی گئی تھی ان دونوں مذہبوں میں ایک خالق کی عبادت کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا، اور سوائے مذہب مزدکیت کے افکار کے جو ایک شیطانی تحریک تھی، اور جس کی بنیاد مال اور عورت کی شہوت ورغبت پر رکھی گئی تھی۔

اس طرح پوری ایرانی قوم کو رسول ہاشمی ﷺ کی بعثت کی شدید ترین ضرورت تھی، تاکہ آپ انہیں راحت ونیک بختی

کی راہ دکھائیں، حلال وحرام، اور حق وباطل کے درمیان تفریق کرنا سکھائیں، اور ان کی رہنمائی اس سیدھی راہ کی طرف کریں جس کا نام دینِ اسلام ہے، جسے لے کر تمام انبیاء ورسل اپنے رب کی طرف سے مبعوث ہوئے، اور جو انسانوں کے بنائے ہوئے افکار ونظریات کا مجموعہ نہیں۔ ❶

ہندوستان اور اس کے مذاہب

دیارِ ہند اپنے رقبہ کی وسعت اور رہنے والوں کی کثرت کے سبب ایک مستقل براعظم کی حیثیت رکھتا ہے، اور اس کے تین قدیم مشہور مذاہب ہیں: ہندو ازم، بدھ ازم اور جین ازم۔ ہندو مذہب کا کوئی معروف بانی معلوم نہیں۔ البتہ بدھ مذہب کا بانی بدھا، اور جین مذہب کا بانی مہاویر سوامی تھا۔ ہندوستان کا ایک مذہب سکھ مذہب بھی ہے جس کا بانی گرونانک تھا۔

(۱) ہندو ازم:

ہندو ازم ہندوستان میں رہنے والی قدیم ترین قوموں کے تجارب کے ثمرات سے عبارت ہے، جن کے نتیجے میں ہندوازم مذہب نے جنم لیا۔ یہ افکار اس وقت سے جمع ہوتے رہے جب آرین فاتحین، میلادِ مسیح سے پندرہ سو سال پہلے ہندوستان میں داخل ہوئے، پھر آٹھویں صدی قبل مسیح میں برہمن کاہنوں کے ہاتھوں اُسے ترقی ملی، جنہوں نے بزعمِ خویش یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ معبودوں کا ایک حصہ ہیں، پھر تیسری صدی قبل مسیح میں دوبارہ ''منوشاستر'' کے قوانین کے ذریعہ اُسے مزید ترقی دی گئی، وہ منوشاستر جسے ویدوں کی شرح کہا جاتا ہے۔ اسی تیسری کوشش کے ذریعہ ہندوازم کے خدوخال اور اس کے مبادی اور اصول واضح ہوکر سامنے آئے۔

ہندوازم میں صحیح معنوں میں توحید کا کوئی تصور نہیں۔ ہندو بہت سے معبودوں میں اعتقاد رکھتے ہیں جن کی وہ پرستش کرتے ہیں، اور اُن پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ نویں صدی قبل مسیح میں ہندو کاہنوں نے اپنے تمام معبودوں کو ایک معبود میں جمع کردیا، جس کے بارے میں ان کا اعتقاد ہے کہ اس نے پوری کائنات کو اپنی ذات سے نکالا ہے۔ اور انہوں نے اس معبودِ واحد کو تین نام دیئے: ''برہما'' اس اعتبار سے کہ وہ کائنات کا مُوجد ہے، اور ''وشنو'' اس اعتبار سے کہ وہ اس کی حفاظت کرنے والا ہے، اور ''سیو'' اس اعتبار سے کہ وہ اسے ہلاک کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

ہندوؤں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان کے تمام معبودان کرشن کی ذات میں حلول کرگئے، اور اس طرح لاہوت ناسوت میں حلول کرگیا؛ چنانچہ ان کے نزدیک کرشن کی وہی حیثیت ہے جو مسیحیوں کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی۔ بعض مسلمان محققین کا خیال ہے کہ مسیحیوں نے ہندوؤں سے ہی یہ عقیدہ لیا کہ اللہ، مسیح، مریم اور روح القدس میں حلول کرگیا ہے۔

ہندو ازم میں انسانوں کے چار طبقے:...... برہمن ہندوؤں نے انسانوں کو چار طبقوں میں تقسیم کردیا ہے: برہمن،

---

❶ تاریخ عالم (انگریزی): ۱/ ۸۴، تاریخ الطبری: ۲/ ۸۸، ۳/ ۱۲۸، ۴/ ۱۷۸ اور ''ایران ساسانیوں کے عہد میں'' (اردو): ص ۳۹۸، ۳۳۰، ۳۳۶، ترجمہ ڈاکٹر محمد اقبال، اور الجامع الصحیح للسیرۃ النبویۃ: ۱۸۵-۱۸۸، اور رحمۃ للعالمین (عربی): ۳/ ۸۴، ۸۵، اور نورحمۃ المهداۃ: ۸، ۳۰۹۔

www.KitaboSunnat.com

کھشتری، ویش، اور شودر۔ "برہمن" وہ لوگ ہیں جنہیں برہما نے اپنے منہ سے پیدا کیا ہے، یہ لوگ تعلیم یافتہ، اور کاہن ہوتے ہیں، اور جج کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور "کھشتری" وہ لوگ ہیں جنہیں برہما نے اپنے دونوں بازوؤں سے پیدا کیا ہے، ملک و وطن کا دفاع کرنے کے لیے یہی لوگ ہتھیار اٹھاتے ہیں۔ اور "ویش" وہ لوگ ہیں جنہیں برہما نے اپنی ران سے پیدا کیا ہے، یہ لوگ کاشتکار اور تاجر ہوتے ہیں۔ اور "شودر" وہ لوگ ہیں جنہیں برہما نے اپنے دونوں پاؤں سے پیدا کیا ہے۔ یہ اچھوت لوگ ہیں جو حقیر اور گندے پیشوں والے ہیں۔ یہ لوگ جانوروں سے زیادہ گرے ہوئے اور کتوں سے زیادہ ذلیل سمجھے جاتے ہیں، اور انہیں بغیر کسی اجرت ومزدوری کے برہمنوں کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

ہندوانسان کی اسی تقسیم کی بنیاد پر ہندو سوسائٹی میں برہمنوں کو وہ عظیم تر مقام حاصل ہے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں۔

اِن کے بنیادی عقائد میں سے "کرما" یعنی قانونِ مکافات کا عقیدہ ہے، جو خالص عدل وانصاف پر قائم خدائی نظام ہے۔ اسی طرح تناسخِ ارواح کا عقیدہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ روح مردہ انسان کے جسم سے نکل کر ایک دوسرے انسان کے جسم میں اس کی پہلی زندگی میں عمل کے مطابق حلول کرجاتی ہے۔ اس طرح روح ایک دائمی دوران میں رہتی ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک وحدۃ الوجود کا عقیدہ ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ آدمی کے ساتھ متحد ہوجاتا ہے، جیسے آگ کی چنگاری خود آگ کے ساتھ، اور یہ پوری کائنات اللہ کے وجودِ حقیقی کا مظہر ہے۔

ہندوستان کا علاقہ ہمیشہ ہی انتشار وافتراق اور چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہا، اور دنیا سے کٹ کر زندگی گزارتا رہا، اور ہر قسم کے زوال وانحطاط کا شکار رہا، فسق وفجور اور فحاشی عام رہی، اور دسیوں ایسے فرقوں نے جنم لیا جنہوں نے اخلاق وتہذیب کا جنازہ نکال دیا، اور شراب، جوا اور زنا کاری جیسے گناہ مذہب کی تعلیمات میں داخل کردیے گئے۔ ہندوستان انہی حالات سے دوچار تھا جب مبلغینِ اسلام ہندوستان کی سرحدوں تک پہنچے۔

(۲) بدھ ازم:

بدھ ازم کا بانی گوتم بدھ تھا، جو تقریباً ۵۷۳ ق۔م میں جنوبی نیپال کے گاؤں لُمبنی میں پیدا ہوا، اس کی تعلیمات اس کی وفات کے تین سو سال بعد راجا اشوک کے زمانے میں لکھی گئیں، جن کا آسمانی مذہب سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی موت سے پہلے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا انکار کردیا تھا، اور اس نے اپنے ماننے والوں کو ایمان باللہ کی وصیت نہیں کی۔ اسی لیے بعض علماء کا خیال ہے کہ گوتم بدھ ملحد تھا، اور اس کی موت الحاد پر ہوئی۔

(۳) جین ازم:

جین مذہب چھ صدی قبل مسیح (۵۸۶ ق۔م - ۵۴۰ ق۔م) میں مہاویر سوامی کے ذریعہ ظاہر ہوا۔ یہ آدمی تقریباً گوتم بدھ کا ہم عصر تھا، اس مذہب کو برہمنوں کے خلاف ایک انقلابی تحریک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے ماننے والے کائنات کے ازلی خالق ومدبر کے وجود پر اعتقاد نہیں رکھتے، بلکہ ان کا اعتقاد ان روحوں پر ہے جن کو دوبارہ کسی جسم میں لوٹنے سے نجات مل گئی، اور معبودوں کا درجہ پاگئیں۔ اسی لیے ان لوگوں کے نزدیک معبودوں کی تعداد آتی ہیں جتنی نجات یافتہ روحوں کی۔ پھر انہوں نے ان روحوں کے مجسمے بنالیے، اور ان کی پرستش کرنے لگے۔ اس مذہب نے ہندو مذہب کی بہت سی تشریعات اور اعتقادات

پراثر ڈالا ہے۔ ان دونوں میں قدرے مشترک بتوں کی پرستش، اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنانا، تناسخ ارواح، اور رہبانیت جیسے اعتقادات ہیں۔

اس تفصیل سے ہمیں معلوم ہوگیا کہ ہندو قوم میں جو باطل مذاہب، فاسد اخلاق وعادات اور انتشار و بے راہ روی کے انبار تلے سسکیاں لے رہی تھیں، انہیں نبی رحمت (ﷺ) کی بعثت کی شدید ترین ضرورت تھی، تاکہ آپ ﷺ انہیں ہلاکت سے نجات دلائیں، اور کفر و شرک کی تنگ نائیوں سے نکال کر ایمان باللہ اور صرف ذات واحد کی عبادت کی وسعتوں میں داخل کردیں۔ ❶

❁❁❁❁

❶ دیکھئے: أصول فی أدیان الہند: ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی (ہندوازم، بدھ ازم، جین ازم) اور الموسوعۃ المیسرۃ فی الأدیان والمذاہب المعاصرۃ: ص/ ۱۰۵، اور اس کے بعد، اور ص/۱۹۱ اور اس کے بعد، اور ص/۵۳۸ اور اس کے بعد، اور رحمۃ للعالمین: ۳/ ۸۲-۸۱، الرحمۃ المہداۃ: ص/ ۳۰۲، ۳۰۸، اور المرأۃ بین ہدایۃ الإسلام وغوایۃ الأعلام: ص/ ۳۲-۳۶۔

بعثتِ رحمۃ للعالمین ﷺ کی ضرورت

اب تک جو کچھ لکھا گیا، اس سے یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل سارا عالم ہلاکت وبربادی کی کھائی کے دہانے پر پہنچ چکا تھا، اور سب کو ایک نجات دہندہ کی ضرورت تھی جو انہیں جہنم کی گہری کھائی میں گرنے سے بچالے۔ سب کو ایک رحمۃ للعالمین کی ضرورت تھی جو اُن پر ترس کھائے اور اُن کے حال پر رحم کرے، بُت پرستی اور جاہلیت کے عقائد وعادات کا خاتمہ کردے، توحید خالص یعنی صرف ایک اللہ کی بندگی کی طرف رہنمائی کرے، ایک آسمانی شریعت انہیں دے، جس میں ان کے لیے دین ودنیا کی ہر بھلائی پائی جائے، اور اُن تمام بندشوں کو توڑ ڈالے جن کے بوجھ تلے پورا عالم سسکیاں لے رہا تھا۔

اس حقیقت کی طرف نبی کریم ﷺ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں پر نظر ڈالی تو عرب وعجم سب سے نفرت کا اظہار کیا، سوائے اہل کتاب کے کچھ اُن لوگوں کے جو حق پر قائم تھے۔ ❶

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس رسول رحمت کو مبعوث فرمایا، اور انسانوں کو ان کے آنے کی خوشخبری دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝﴾

[التوبہ: ۱۲۸]

''مسلمانو! تمہارے لیے تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں جن پر ہر وہ بات شاق گزرتی ہے جس سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے، تمہاری ہدایت کے بڑے خواہشمند ہیں، مومنوں کے لیے نہایت شفیق ومہربان ہیں۔''

اور دنیا والوں کو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ آپ کی بعثت سارے عالم کے لیے ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا کہ آپ دنیا والوں سے کہہ دیجیے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ [الأعراف: ۱۵۸]

''اے لوگو! میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔''

نیز فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ [سبا: ۲۸]

''اور ہم نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کے لیے خوشخبری دینے والا، اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ اپنی رحمت یعنی جنت ان اہل کتاب کو دے گا جن کی صفت اس نے قرآن عظیم میں یوں بیان فرمائی ہے:

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الجنة.

﴿ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلرَّسُولَ ٱلنَّبِيَّ ٱلْأُمِّيَّ ٱلَّذِي يَجِدُونَهُۥ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَىٰهُمْ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَٱلْأَغْلَٰلَ ٱلَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ [الأعراف: ۱۵۷]

''یعنی میں اپنی جنت اُن کے لیے لکھ دوں گا جو ہمارے رسول نبی اُمی کا اتباع کریں گے جن کا ذکر وہ اپنی تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں۔ اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں، اور خبیث اور گندی چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ اور اُن بارہائے گراں اور بندشوں کو ان سے ہٹاتے ہیں، جن میں وہ پہلے سے جکڑے ہوئے تھے۔''

آیت کے آخر میں صراحت کردی گئی ہے کہ پوری انسانیت مصیبتوں اور بربادیوں کے انبار تلے سسک رہی تھی اور تمام کے ہاتھ اور پاؤں زنجیروں میں جکڑ دیے گئے تھے، اس وقت محمد بن عبداللہ ہاشمی ﷺ رحمۃ للعالمین بن کر مبعوث ہوئے اور پوری دنیائے انسانیت کو ہر قسم کی بیڑیوں اور بندشوں سے آزاد کرایا۔

اسی مضمون کو ایک صحیح حدیث میں بیان کیا گیا ہے جسے ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت حبشہ کے واقعہ کے ضمن میں بیان کیا ہے، جب سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا: ''اے بادشاہ! ہم جاہلیت کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی ایک قوم تھے، بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردہ جانور کھاتے تھے، فسق وفجور کا ارتکاب کرتے تھے، قطع رحمی کرتے تھے، پڑوسیوں کو ایذا پہنچاتے تھے، اور ہمارا طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ہم اسی حال میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان سے اپنا ایک رسول بھیجا جس کے حسب ونسب، سچائی، امانت اور عفت وپاکدامنی کو ہم خوب جانتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا، تاکہ ہم اس کو ایک جانیں اور صرف اسی کی عبادت کریں، اور ان تمام پتھروں اور بتوں کو چھوڑ دیں، جن کی ہم اور ہمارے آباء واجداد پہلے سے پرستش کرتے تھے۔ انہوں نے ہمیں سچی بات، ادائیگی امانت، صلہ رحمی، حسن جوار، اور لوگوں کی عزتوں اور ان کے خون کی حفاظت کا حکم دیا اور فحش وبدکاری، جھوٹ، یتیم کا مال کھانے، اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع فرمایا۔''❶

❀❀❀❀

❶ مسند احمد: حدیث (۱۷۴۰)، علامہ احمد شاکر نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، السیرة النبویہ، ابن هشام: ۱/ ۳۴۴، اور الحلیة، ابو نعیم: ۱/ ۱۱۵ (سند صحیح ہے)، اور مسند الطیالسی: ۲/ ۸۹-۹۰، اور دلائل البیهقی: ۲/ ۳۰۱-۳۰۴، اور المعجم الکبیر للطبرانی: حدیث (۱۴۷۹).

بعثتِ نبوی کی بشارتیں

بلاشبہ نبی کریم ﷺ کی بعثت انسانی تاریخ کا عظیم ترین واقعہ ہے۔ اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام کے سلسلے پر مہر لگادی، اور آپ ﷺ کی رسالتِ عظمیٰ کے ذریعے گزشتہ تمام اَدیان کو منسوخ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾ [المائدہ: ٤٨]

''اور ہم نے آپ پر برحق کتاب نازل کی ہے، وہ اُن کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے آچکی ہیں، اور اُن پر غالب وشاہد ہے۔''

معلوم ہوا کہ قرآن کریم آخری آسمانی کتاب اور ان سب سے اعظم واکمل ہے، اور ان سب کی امانت دار ہے، یعنی ان کتابوں میں جو حق بات رہ گئی تھی، قرآن کریم نے اس کی موافقت کی ہے، اور گزشتہ کتابوں میں انسانوں کے ذریعہ داخل کردہ باطل اقوال وافکار کی تردید کردی ہے۔ ابراہیم واسماعیل (علیہما السلام) نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ وہ ان دونوں کی اولاد میں ایک رسول مبعوث فرمائے۔ دونوں نے کہا:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾

[البقرہ: ١٢٩]

''اور اے ہمارے رب! انہی میں سے ایک رسول ان کی ہدایت کے لیے مبعوث فرما، جو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے، اور انہیں قرآن وسنت کی تعلیم دے، اور انہیں پاک کردے۔''

اور وہ رسول محمد بن عبداللہ ﷺ ہوئے۔ اس لیے کہ آپ ہی نے لوگوں کو قرآن کریم کی آیتیں سنائیں، اور انہیں اس قرآن اور اپنی سنت کی تعلیم دی۔

اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش میں ہی نبیوں سے یہ عہد لیا تھا کہ جب آپ ﷺ مبعوث ہوں تو ان پر سب ایمان لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَآ اٰتَيْتُكُم مِّن كِتٰبٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنصُرُنَّهٗ﴾ [آلِ عمران: ٨١]

''اور جب اللہ نے نبیوں سے یہ پختہ وعدہ لیا کہ میں تمہیں جو کچھ کتاب وحکمت دوں، پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہاری چیزوں کی تصدیق کرے، تو اُس پر ضرور ایمان لے آؤگے، اور اُس کی ضرور مدد کروگے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی خبر دی ہے کہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں نبیوں نے اپنی اپنی قوم کو آپ ﷺ کی آمد کی بشارت دی

تھی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ [الصف: ٦]

''اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہارے لیے اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، مجھ سے پہلے جو تورات آ چکی ہے، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ نے اس بات کی بھی صراحت کر دی ہے کہ رسول کریم ﷺ کا اسم گرامی اور آپ سے متعلق خبریں تورات وانجیل میں لکھی ہوئی ہیں، اور یہ کہ یہود ونصاریٰ کو اس کا خوب علم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ﴾

[الأعراف: ۱۵۷]

''جو ہمارے اس رسول نبی اُمّی کی اتباع کرتے ہیں جن کا ذکر وہ اپنے تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''

نیز فرمایا ہے:

﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝﴾ [البقرة: ۱٤٦]

''جنہیں ہم نے کتاب دی ہے، وہ رسول اللہ کو ایسا پہچانتے ہیں، جیسے وہ اپنے صلبی بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور ان کی ایک جماعت حق کو جانتے ہوئے بھی چھپاتی ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ﴾ [الفتح: ۲۹]

''محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے لیے بڑے سخت ہیں، اور آپس میں نہایت مہربان ہیں، آپ انہیں رکوع اور سجدہ کرتے دیکھتے ہیں، وہ لوگ اللہ کی رضا اور اس کے فضل کی جستجو میں رہتے ہیں، سجدوں کے اثر سے اُن کی نشانی ان کے پیشانیوں پر عیاں ہوتی ہے، تورات میں ان کی یہی مثال بیان کی گئی ہے، اور انجیل میں بھی ان کی مثال بیان کی گئی ہے۔''

ان آیات کریمات سے (بلا شک وشبہ ہر اس آدمی کو جو قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ایمان رکھتا ہے) اس بات کا قطعی علم ہو جاتا ہے کہ گزشتہ انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنی قوموں کو خاتم النبیین کی بعثت کی خبر دی تھی، اور یہ کہ یہود ونصاریٰ کو نبی کریم ﷺ کے بارے میں اللہ کے رسول ہونے کا ایسا ہی یقین تھا جیسا کہ انہیں اپنی صلبی اولاد کا، اور یہ کہ نبی کریم ﷺ

اور آپ کے صحابہ کرامؓ کی نشانیاں تورات وانجیل میں مذکور ہیں۔

اور صحیح احادیث وآثار سے اس بات کا پورا پتہ چلتا ہے کہ یہود ونصاریٰ آپ ﷺ کی بعثت کا انتظار کرتے تھے، اور جانتے تھے کہ آپ ﷺ ہجرت کرکے یثرب آئیں گے، جو ہجرت کے بعد مدینۃ الرسول ﷺ کے نام سے مشہور ہوگیا۔ وہ لوگ آپ ﷺ کی بعثت کی توقع ان آثار وعلامات کی روشنی میں کرتے تھے جن کا ذکر وہ اپنی کتابوں میں پاتے تھے، اور زمانۂ قدیم سے اپنے علماء کی زبانی نسلاً بعد نسل سنتے آئے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی بعثت کا وقت آگیا، لیکن انہوں نے آپ ﷺ سے محض بغض وحسد کے سبب اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا۔

اسی لیے ائمہ کرام اور علمائے عظام کی پیروی کرتے ہوئے میں بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ یہاں ان بعض بشارتوں کو بیان کروں جن کا ذکر احادیثِ نبویہ اور اقوالِ صحابہ میں آیا ہے۔ نیز تورات وانجیل میں باقی ماندہ بعض علامتوں اور بشارتوں کو بھی بیان کروں، حالانکہ ان دونوں ہی کتابوں میں مذکور بہت سی ایسی بشارتوں کو ان ظالموں نے مٹا دیا ہے جن سے نبی کریم ﷺ کی بعثت کی خوشخبری ملتی ہے:

(۱) دعائے ابراہیم اور بشارتِ عیسیٰ:

امام احمد نے ابوامامہ رحمہم اللہ سے روایت کی ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کی تخلیق کی ابتدا کیسے ہوئی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ میری ماں نے دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محلوں کو روشن کردیا۔ ❶

(۲) تخلیقِ آدم سے قبل ملأ اعلیٰ میں آپ ﷺ کا ذکرِ جمیل:

امام احمد نے سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین ہوں، اس وقت سے جب آدم ابھی مٹی میں ملے ہوئے تھے، اور میں تمہیں اس امر کی ابتدا کی خبر دیتا ہوں: میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہوں، اور عیسیٰ نے میری بشارت دی تھی، اور میں اپنی ماں کا خواب ہوں جو انہوں نے دیکھا تھا۔ ❷

میسرہ الفجر نے روایت کی ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ کب سے نبی ہوئے؟ آپ نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام ابھی روح وجسم کے درمیان تھے۔ ❸

اور ابن شاہین نے دلائل النبوۃ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آدم علیہ السلام کا مجسمہ بنانے اور اس میں ان کی روح کو پھونکنے کے درمیان۔ ❹

---

❶ مسند احمد: ۵/۲۶۲، علامہ البانی کہتے ہیں کہ شواہد کی بنا پر اس حدیث کی سند جید ہے۔

❷ مسند احمد: ۴/۱۲۷-۱۲۸، علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی اسناد میں جہالت ہے، اور اس کے متن میں نکارت ہے، لیکن میں نے اسے اس کے شواہد کی وجہ سے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ (صحیح السیرۃ النبویۃ: ص ۵۴)۔

❸ اس کی سند صحیح ہے، اسے ابن حبان، حاکم اور ذہبی رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے اور اس کے شواہد بھی ہیں۔

❹ شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسے ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے، اور میں نے "الصحیحہ" میں حدیث (۱۸۵۶) کے تحت اس کی تخریج کی ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ آدم علیہ السلام اس وقت اپنی مٹی میں ملے ہوئے تھے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ کب سے نبی بنائے گئے؟ تو آپ نے فرمایا: اس وقت سے جب آدم علیہ السلام روح و جسم کے درمیان تھے۔ ❶

(۳) یہود کو قربِ زمانۂ نبی کریم ﷺ کا علم:

(ا)...... ابن اسحاق رحمہ اللہ نے اپنی سند سے عاصم بن عمر بن قتادہ کی قوم کے کچھ لوگوں سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: اللہ کی رحمت اور اس کی ہدایت کے ساتھ جس بات نے ہمیں خصوصی طور پر اسلام لانے پر آمادہ کیا وہ یہ تھی کہ ہم لوگ تو مشرک اور بت پرست تھے، لیکن ہمارے پڑوس میں کچھ یہودی رہا کرتے تھے جن کے پاس ایسا علم تھا جو ہمارے پاس نہیں تھا۔ اور ہمارے اور ان کے درمیان ہمیشہ جھڑپیں ہوا کرتی تھیں، جب ہم ان پر ایک درجہ غلبہ پاتے تو وہ کہنے لگتے کہ ایک نبی کی بعثت کا زمانہ قریب تر ہے، ہم ان کے ساتھ مل کر عاد و ارم کے قتل کی مانند تمہیں قتل کریں گے، ہم یہ بات ان سے بارہا سنا کرتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا، اور انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا تو ہم نے ان کے پیغام کو قبول کرلیا اور اُس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا جس کا حوالہ دے کر وہ یہود ہمیں دھمکی دیا کرتے تھے، چنانچہ ہم ان سے سبقت کر کے آپ ﷺ پر ایمان لے آئے، اور اُن یہودیوں نے آپ کا انکار کردیا۔ ہمارے اور ان کے ہی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ [البقرہ: ۸۹]

''اور جب ان کے لیے اللہ کی طرف سے ایک کتاب آئی جو ان کے پاس پہلے سے موجود کتاب کی تصدیق کررہی تھی (تو اس کا انکار کر بیٹھے) حالانکہ اس سے قبل کافروں پر غلبہ کی تمنا (اسی کتاب کے ذریعہ) کرتے تھے، جب ان کے پاس وہ چیز آگئی جسے وہ پہچان گئے تو اس کا انکار کردیا، پس اللہ کی لعنت ہو کافروں پر۔'' ❷

(ب) ...... اور سلمہ بن سلام بن وقش رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو بدری صحابی تھے کہ ہمارا ایک یہودی پڑوسی ہمارے ساتھ بنو عبدالاشہل میں رہتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے گھر سے نکل کر بنو عبدالاشہل کے پاس آیا، ان دنوں میں ان میں سب سے کم سن تھا، اور اپنے گھر کے آنگن میں ایک چادر میں لیٹا لیٹا ہوا تھا۔

اس نے موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے، قیامت، حساب، میزانِ عمل اور جنت و جہنم کا ذکر کر کے کہا کہ جہنم کی یہ آگ مشرکوں اور بت پرستوں کے لیے ہے، جو سمجھتے ہیں کہ موت کے بعد کوئی آدمی دوبارہ نہیں اُٹھایا جائے گا، تو لوگوں نے اس سے کہا: اے فلاں! تمہارا بھلا ہو، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ لوگ مرجانے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے بعد ایک ایسے عالم میں لائے جائیں گے جہاں جنت و جہنم ہوگی، اور سب کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا؟

---

❶ شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسے ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے، اور میں نے "الصحیحہ" میں حدیث (۱۸۵۸) کے تحت اس کی تخریج کی ہے۔
❷ اس روایت کی سند صحیح ہے (البانی)

اس نے کہا: ہاں، اُس ذات کی قسم جس کی قسم کھائی جاتی ہے کہ اُس دن وہ یہ تمنا کرے گا کہ کاش اس آگ کے بدلے دنیا کے عظیم تنور میں اسے ڈال دیا جاتا، اور پھر اس تنور کا دہانہ بند کر دیا جاتا اور اس کے بدلے جہنم کی آگ سے نجات پا جاتا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا: اس کی نشانی کیا ہے؟ اس نے کہا: ان علاقوں سے ایک نبی مبعوث ہوگا، اور اپنے ہاتھ سے مکہ اور یمن کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے پوچھا: تم اسے کب دیکھو گے؟ تو اس نے میری طرف دیکھا۔ اور اس وقت میں حاضرین میں سب سے کم سن تھا۔ اور کہا کہ اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو اسے دیکھے گا۔

سلمہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! کچھ ہی شب و روز گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا، اُس وقت وہ آدمی ہمارے درمیان زندہ تھا، ہم سب تو آپ ﷺ پر ایمان لے آئے اور اس نے بغض اور حسد کے سبب آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کر دیا، تو ہم نے کہا: اے فلاں! تمہارا بُرا ہو۔ کیا تم وہی آدمی نہیں ہو جس نے ہم سے ایسی اور ایسی بات کہی تھی؟ اس نے کہا: ہاں، لیکن یہ وہ نبی نہیں ہے۔ ❶

(۴) مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے انتظار میں ابن الہیبان یہودی شامی کی وفات:

ابن اسحاق رحمہ اللہ نے اپنی کتاب السیرۃ میں اور اُن سے ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں روایت کی ہے کہ شام کا رہنے والا ایک یہودی جس کا نام ابن الہیبان تھا، ہمارے پاس یعنی بنو قریظہ میں اسلام آنے سے چند سال پہلے آیا اور ہمارے درمیان قیام پذیر ہوگیا۔ اللہ کی قسم! ہم نے پانچ نمازیں اس سے بہتر پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا، وہ ہمارے پاس ٹھہرا رہا، جب قحط سالی ہوتی تو ہم اس سے کہتے: اے ابن الہیبان! نکلیے، اور ہمارے لیے بارش کی دعا کیجیے، تو وہ کہتا: اللہ کی قسم! میں یہ کام اس وقت کروں گا جب تم پہلے صدقہ نکالو گے، تو ہم کہتے: کتنا؟ وہ کہتا: ایک صاع کھجور یا دو مُد جو، جب ہم ایسا کر لیتے تو وہ ہمیں لے کر حرہ کے بالائی علاقے میں جاتا، اور بارش کے لیے دعا کرتا۔ اللہ کی قسم! ابھی وہ اپنی جگہ پر ہی ہوتا کہ بادل منڈلاتے اور بارش ہونے لگتی، ایسا اُس نے بارہا کیا۔

راوی کا بیان ہے کہ وہ ہمارے پاس ہی وفات پا گیا۔ جب اُسے یقین ہوگیا کہ وہ اب مر جائے گا تو کہا: اے قوم یہود! کیا تم جانتے ہو کہ مجھے شراب اور عیش پرستی کی سرزمین سے نکال کر کس چیز نے اس فاقہ و محرومی کی سرزمین تک پہنچایا ہے؟ ہم نے کہا: آپ زیادہ جانتے ہیں، تو اس نے کہا: میں اس شہر میں ایک نبی کی بعثت کے انتظار میں آیا ہوں جس کا زمانہ قریب تر ہے، یہی شہر اس کا دار الہجرت ہوگا۔ میں امید لگائے ہوئے تھا کہ وہ مبعوث ہوگا تو میں اس کی پیروی کروں گا۔ لوگو! اس کا زمانہ سایہ فگن ہے۔ اے قوم یہود! دیکھو! اس پر ایمان لانے میں کہیں دوسرے لوگ تم پر سبقت نہ کر جائیں، وہ نبی اپنے مخالفین کے خون بہائے گا، اور ان کی اولاد کو غلام بنا لے گا، دیکھو کوئی چیز اس پر ایمان لانے سے تمہیں روک نہ دے۔

رسول اللہ ﷺ جب مبعوث ہوئے، اور بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تو ان کے بعض کم عمر نوجوانوں نے کہا: اے بنو قریظہ! اللہ کی قسم! یہ وہی نبی ہے جس کے بارے میں تم کو ابن الہیبان نے خبر دی تھی۔ انھوں نے کہا: یہ وہ نبی نہیں ہے۔ انہوں نے

---

❶ علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے، اور دیکھئے: سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۲۲۵، ۲۲۶، اور ابن ہشام کے طریق سے ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں روایت کی ہے ص ۶۸، جس کے آخر میں ہے کہ اُس آدمی کا نام یوشع تھا۔

کہا: ہاں، اللہ کی قسم! یہ اپنی صفات کے مطابق وہی نبی ہے، پھر وہ قلعہ سے نکل کر باہر آئے، اور اسلام لے آئے اور اپنے خون، مال اور اہل وعیال کو قتل سے بچالیا۔ ❶

(۵) تورات میں آپ ﷺ کی صفات:

تورات کتاب استثنا میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ بنی اسرائیل سے کہہ دیجیے کہ میں ان کے لیے آخری زمانہ میں آپ ہی کے جیسا ایک نبی بھیجوں گا جو ان کے بھائیوں کی اولاد میں سے ہوگا اور میں اپنے کلام کو اس کی زبان پر جاری کروں گا۔

یہ بات معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہر نبی بنی اسرائیل میں سے ہوا، اور ان میں آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام ہوئے۔ اور ان کے بھائیوں کی اولاد میں سے رسول اللہ ﷺ نبی ہوئے، اس لیے کہ وہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، اور اسماعیل اسحاق علیہ السلام کے بھائی تھے اور اسحاقؑ بنی اسرائیل کے جد امجد تھے۔ تورات میں اسی اخوت کا ذکر آیا ہے۔ اگر یہ بشارت بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے کسی نبی کے بارے میں ہوتی تو ان کے بھائیوں کا ذکر بے معنی ہوتا۔ ذیل میں بعض صحیح احادیث کا ذکر کرتا ہوں، جن سے تورات وانجیل میں نبی کریم ﷺ کی صفات کے پائے جانے کا علم ہوتا ہے:

(ا) امام احمد اور امام بخاری رحمہم اللہ نے عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی اور کہا کہ مجھے تورات میں موجود رسول اللہ ﷺ کی صفات بتایے: انہوں نے کہا: اچھی بات ہے، اللہ کی قسم! تورات میں آپ ﷺ کی وہی صفت موجود ہے جو صفت آپ ﷺ کی قرآن میں ہے:

''اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو گواہ، خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا اور اَن پڑھ لوگوں کا حمایتی بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندہ اور میرے رسول ہیں، میں نے آپ کا نام ''متوکل'' (اللہ پر بھروسہ کرنے والا) رکھا ہے، آپ نہ سخت رویہ والے، نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں شور وشغب کرنے والے ہیں۔ وہ نبی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں کرے گا، بلکہ معاف اور درگزر کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے دنیا سے اس وقت تک نہیں اٹھائے گا جب تک وہ تحریف کردہ دین کو درست نہ کردے، بایں طور کہ سب لوگ کہیں: اللہ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، وہ نبی اس کلمہ کے ذریعہ اندھوں کی آنکھیں اور بہروں کے کان کھول دے گا، اور دلوں سے پردہ ہٹادے گا۔'' ❷

مسند احمد میں ہے کہ عطاءؒ نے کہا: میں نے کعب سے ملاقات کی اور ان سے یہی سوال کیا تو دونوں کے جواب میں ایک حرف کا بھی اختلاف نہیں پایا۔

(ب) دارمی نے اپنی سنن کے مقدمہ میں کعب الاحبار رحمہ اللہ کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ میں تورات میں یہ لکھا ہوا پاتا ہوں: ''محمد رسول اللہ'' پھر عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی بات سے مشابہ بات کا ذکر کیا، یہاں تک کہ کہا: ''ان کی پیدائش مکہ میں ہوگی، اور ان کا دار الہجرت یہ (مدینہ) ہوگا، اور ان کی حکومت شام تک ہوگی۔'' بیہقی نے دلائل النبوۃ میں

---

❶ السیرۃ النبویہ، المرصفی: ص/ ۲۲۶-۲۲۸، اس کی سند صحیح ہے (البانی)، اور صحیح السیرۃ النبویہ: ص/ ۷۷۔

❷ مسند احمد: ۲/ ۱۷۴، اور صحیح البخاری: حدیث (۲۱۲۵) اور (۴۸۳۸)۔

اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔ ❶

(ج) امام احمدؒ نے ایک اعرابی سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں کچھ مال تجارت لے کر مدینہ آیا، اور جب اُسے فروخت کر دیا تو سوچا کہ میں اس آدمی (نبی کریم ﷺ) سے ضرور ملوں گا، اور اس کی بات ضرور سنوں گا۔ میں نے آپ کو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان چلتے ہوئے پایا تو ان کے پیچھے ہو لیا، وہ تینوں ایک یہودی کے پاس آئے جو تورات پھیلائے اسے پڑھ رہا تھا، اور اپنے ایک بہت ہی پیارے قریب الموت نوجوان بیٹے کے سلسلے میں اپنے آپ کو تسلی دے رہا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا: میں تمھیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تورات نازل کی ہے، کیا تم اپنی اس کتاب میں میری صفت اور میری بعثت کی خبر پاتے ہو؟! تو اس نے اپنے سر کے اشارے سے کہا: نہیں، تو اس کے بیٹے نے کہا: ہاں، اس ذات کی قسم جس نے تورات نازل کی ہے، ہم اپنی کتاب میں آپ کی صفت اور آپ کی بعثت کی خبر پاتے ہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اس یہودی کو اپنے اس بھائی سے الگ کرو، پھر آپ نے اس کو کفن پہنایا اور اس پر نماز پڑھی۔ ❷

اس حدیث کا ایک شاہد صحیح بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں اس یہودی لڑکے کا واقعہ ہے جو آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ جب بیمار ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی عیادت کی، اور اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گیا، پھر اس کی وفات ہو گئی تو آپ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ سے فرمایا: تم لوگ اپنے ساتھی پر نماز پڑھو۔

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی بھی ہے جسے ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ایک آدمی کو جنت میں داخل کرنے کے لیے بھیجا، آپ ﷺ کنیسہ میں گئے جہاں آپ نے ایک یہودی کو تورات پڑھ کر کچھ لوگوں کو سناتے ہوئے پایا، جب وہ لوگ نبی کریم ﷺ کی صفت کے پاس آئے تو رُک گئے۔ وہاں ایک کنارے ایک مریض آدمی لیٹا تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم لوگ کیوں رُک گئے؟ مریض نے کہا: یہ لوگ ایک نبی کی صفت کے پاس آ کر رُک گئے ہیں، پھر مریض گھٹنوں کے بل چلتا ہوا آیا، اور تورات لے کر پڑھنے لگا، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت کی صفت کے پاس پہنچا تو کہا: یہاں آپ کی اور آپ کی امت کی صفت ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہیں، پھر وہ آدمی مر گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کو سنبھالو۔ ❸

(د) امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک بار میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلا، آپ مدینہ میں یہودیوں کے ایک کنیسہ میں ان کی ایک عید کے دن داخل ہوئے تو ان لوگوں کو ہمارا داخل ہونا ناگوار گزرا، آپ ﷺ نے انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، لیکن انہوں نے انکار کر دیا، پھر آپ ﷺ اور میں دونوں

---

❶ مقدمہ الدارمی: ۱/ ۵۰٤ اور دلائل البیهقی: ۱/ ۳۷۷۔

❷ مسند احمد: ۵/ ٤۱۱، اس حدیث کی سند جید ہے۔

❸ مسند احمد: ۱/ ٤۱٦، اس کی سند کے رجال ثقات ہیں (البانی)۔

واپس آنے لگے تو دیکھا کہ ایک آدمی (عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ) ہمارے پیچھے آ کر کہہ رہا ہے: اے محمد (ﷺ)! آپ ویسے ہی ہیں جیسے آپ نے اپنے بارے میں کہا ہے کہ آپ اللہ کے برگزیدہ نبی ہیں، پھر اس نے کہا کہ اے قوم یہود! میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم اللہ کی کتاب کو آپ سے زیادہ جاننے والا اپنے درمیان کسی کو نہیں جانتے، اور نہ آپ سے زیادہ سمجھ بوجھ والا، اور نہ آپ سے پہلے آپ کے باپ سے زیادہ، اور نہ آپ کے باپ سے قبل آپ کے دادا سے زیادہ، تو اس آدمی نے کہا: اب میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے وہی نبی ہیں جن کی صفات تم لوگ تورات میں پاتے ہو، لوگوں نے کہا: تم جھوٹے ہو، پھر انہوں نے اس کی بات کا انکار کر دیا، اور اُسے بُرا بھلا کہنے لگے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ جھوٹے ہو تمہاری بات قابل قبول نہیں، کیا تم لوگ ابھی اس کی تعریف نہیں کر رہے تھے، اور جب وہ ایمان لے آیا تو اسے جھٹلانے لگے، اور اس کے بارے میں بیہودہ باتیں کرنے لگے؟ تمہاری بات قبول نہیں کی جائے گی۔ راوی کہتے ہیں: جب ہم وہاں سے چلے تو تین تھے؛ رسول اللہ ﷺ، میں اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔ ❶

(۶) انجیل میں آپ ﷺ کی صفات:

(ا)..... یسوع (عیسیٰ) کی شہادت کہ نبی منتظر کا نام محمد (ﷺ) ہے:

انجیل برناباس (فصل ۹۶) میں آیا ہے (جو عربی میں مترجم اناجیل میں سب سے زیادہ لائق اعتبار انجیل ہے) کاہن نے یسوع سے پوچھا: موسیٰ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ہمارا معبود ہمارے لیے ایک رسول بھیجے گا، جو ہمیں اللہ کے ارادے اور اس کی مشیت کی خبر دے گا، اور سارے عالم کے لیے رحمت بن کر آئے گا۔ اس لیے میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ ہمیں حق بات بتایئے، کیا آپ ہی اللہ کے وہ رسول ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے ہیں؟

یسوع نے جواب دیا: یہ بات صحیح ہے، اللہ نے بے شک اس کا وعدہ کیا ہے، لیکن میں وہ نبی نہیں ہوں، اس لیے کہ وہ مجھ سے پہلے پیدا کیے گئے اور میرے بعد مبعوث ہوں گے۔ کاہن نے کہا: ہم آپ کے کلام اور آپ کی نشانیوں کی بنا پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ یقیناً نبی اور اللہ کے مقدس بندہ ہیں، اس لیے میں پوری یہودی دنیا اور اسرائیل کے نام سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ہمیں بتایئے کہ وہ نبی کس کیفیت میں آئے گا؟

یسوع نے کہا: اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں وہ نبی نہیں ہوں، جس کا انتظار سارے اہل زمین کر رہے ہیں، جیسا کہ اللہ نے ہمارے باپ ابراہیم سے کہا تھا: میں تمہاری نسل کے ذریعہ تمام قبائل زمین کو برکت پہنچاؤں گا، لیکن جب اللہ مجھے اس دنیا سے اٹھا لے گا تو ایک بار پھر شیطان اس ملعون فتنے کو ابھارے گا، اور اللہ سے نہ ڈرنے والے کو اس اعتقاد پر مجبور کرے گا کہ میں اللہ ہوں، اور اللہ کا بیٹا ہوں۔

---

❶ مسند احمد: ۶/ ۲۵، مستدرك حاكم: ۳/ ۴۱۵، ۴۱۶۔ اور حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرطوں کے مطابق صحیح ہے، اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس سبب سے میرا کلام اور میری تعلیم ناپید ہوجائے گی، اور عنقریب ہے کہ تیس مؤمن سے زیادہ باقی نہیں رہیں گے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر رحم کرے گا، اور اپنے اُس رسول کو بھیجے گا جو پوری قوت کے ساتھ جنوب کی طرف سے آئے گا، اور بتوں اور بُت پرستوں کو ہلاک کردے گا، اور انسانوں پر مسلّط شیطانی سلطنت کا خاتمہ کردے گا، اور اپنے اوپر ایمان لانے والوں کی نجات کے لیے اللہ کی رحمت لائے گا، اور اس کے کلام پر ایمان لانے والا مبارک ہوگا، اور مجھ پر اللہ کی نعمت ورحمت ہوئی ہے کہ میں اُسے دیکھوں گا۔

کاہن نے والیٔ شہر اور بادشاہ کے ساتھ مل کر کہا: اے یسوع! اللہ کے پاکباز بندے، اپنے آپ کو پریشانی میں نہ ڈالیے، اس لیے کہ یہ فتنہ اب دوبارہ ہمارے زمانے میں ظاہر نہیں ہوگا۔ ہم جلد ہی مقدس رومن پارلیمنٹ کو شاہی فرمان جاری کرنے کے لیے لکھ دیں گے کہ اب کوئی آپ کو اللہ یا ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) نہ پکارے۔ یسوع نے کہا: آپ کا کلام مجھے تسلی نہیں دے گا، اس لیے کہ وہاں سے تاریکی آئے گی جہاں سے تم نور کی امید لگائے ہوئے ہیں۔ میری تسلی اس رسول کے آنے میں ہے جو میرے بارے میں ہر جھوٹی رائے کی تکذیب کردے گا، اور اس کا دین پھیلتا جائے گا، یہاں تک کہ سارے عالم میں عام ہوجائے گا۔ اس لیے کہ اللہ نے ہمارے جدّ اعلیٰ ابراہیم سے ایسا ہی وعدہ کیا ہے۔ اور میری تسلی اس میں ہے کہ اُن کے دین کا خاتمہ نہیں ہوگا، اس لیے کہ اللہ اسے بہرحال صحیح حالت میں محفوظ رکھے گا۔

کاہن نے کہا: اس نبی کا کیا نام ہوگا؟ اور کون سی علامت اس کی آمد کی خبر دے گی؟ تو یسوع نے جواب دیا: اس نبی کا نام عجیب ہے، اس لیے کہ انہوں نے خود اپنا نام وہ رکھا ہے جس کی خاطر وہ پیدا کیے گئے ہیں، اور جو آسمانی مملکت میں اُن کے مقام کے مطابق ہے۔ اللہ نے کہا: اے محمد! آپ صبر کیجیے، میں آپ کی وجہ سے جنت کو پیدا کرنا چاہتا ہوں، اور مخلوق کی ایک بہت بڑی جماعت کو، جنہیں میں آپ کو دے دوں گا، آپ کو جو مبارک کہے گا وہ خود مبارک ہوگا، اور جو آپ پر لعنت بھیجے گا وہ خود ملعون ہوگا۔ اور جب میں آپ کو دنیا والوں کے پاس بھیجوں گا تو آپ کو ان کی نجات کے لیے اپنا رسول بناؤں گا، اور آپ کے پیغام کی صداقت قائم رہے گی یہاں تک کہ آسمان وزمین کمزور ہوجائیں گے، لیکن آپ کا ایمان کبھی کمزور نہ ہوگا۔ ان کا مبارک نام محمد ہے۔ یہ سُن کر لوگ اپنی بلند آواز میں کہنے لگے: اے اللہ! ہمارے لیے اپنے رسول کو بھیج دے۔ اے محمد! دنیا کی نجات کے لیے آپ جلد آیئے۔ ❶

عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبان پر محمد بن عبداللہ کی رحمۃ للعالمین کی حیثیت سے بعثت کے بارے میں یہ آخری خوشخبری تھی۔

(ب)...... مسیح نے ''فارقلیط'' کی بعثت کی خبر دی، جس کا معنیٰ ''احمد'' ہے:

مسیح علیہ السلام نے کہا: اگر تم لوگ مجھ سے محبت کرتے ہو تو میری وصیتوں کو یاد رکھو، اور میں باپ سے طلب کروں گا تو وہ تمہیں ایک دوسرا ''فارقلیط'' دے گا جو تمہارے ساتھ ہمیشہ رہے گا۔

اور ایک دوسرے سے کہا: اور اب میں اُس کے پاس جارہا ہوں جس نے مجھے بھیجا ہے، اور تم میں سے کوئی مجھ سے نہ

❶ انجیل برنابا، فصل: ۱۹۶، عربی ترجمہ: ڈاکٹر عمر ابو النصر۔

پوچھے کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ لیکن یقیناً میری اس بات نے تمہارے دلوں کو حزن وملال سے بھر دیا ہے۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ میرا چلا جانا ہی تمہارے لیے بہتر ہے، اس لیے کہ اگر میں نہ گیا تو "فارقلیط" نہیں آئیں گے، میں چلا جاؤں گا اور انہیں تمہارے پاس بھیج دوں گا۔

"فارقلیط" کا عربی ترجمہ "احمد" ہے، جیسا کہ اصل کلمہ سے پتہ چلتا ہے۔ اسی بات کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ [الصف: ٦]

"اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا۔" ❶

(ج)......جبل فاران مکہ سے خاتم النبیین کا ظہور:

کتاب استثناء میں آیا ہے: اور وہ سینا سے آیا، اور اُن کے لیے ساعیر سے چمکا، اور جبل فاران سے آتا ہوا جلوہ افروز ہوا، اور اس کے ساتھ دس ہزار پاکباز لوگ آئے، اور اس کے دائیں ہاتھ سے اُن کے لیے شریعت کی آگ ظاہر ہوئی۔ ❷

اسرائیلیوں میں سے کسی کا بھی کوئی تعلق جبل فاران سے نہیں تھا، انہی میں مسیح بھی داخل ہیں۔ ہاجر اپنے بیٹے اسماعیل کے ساتھ بئر سبع کے علاقے میں گھومتی رہیں، بالآخر جبل فاران کے گرد چٹیل میدان میں سکونت پذیر ہوگئیں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ اسماعیل کی نسل سے تھے، اور وہی جبل فاران کے علاقے میں نبی بن کر ظاہر ہوئے، اور انہوں نے ہی مکہ کو فتح کیا، اور اس میں اپنے دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ داخل ہوئے، اور وہی ناری شریعت لے کر اپنی قوم کے پاس آئے۔

(د)......عموریہ کے راہب نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو نبی خاتم ﷺ کے ظہور کی خبر دی:

ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا قصہ بیان کرتے ہوئے اُس آخری راہب کے بارے میں لکھا ہے جس کے پاس سلمان عموریہ میں ٹھہرے تھے کہ "جب اس کی موت قریب ہوئی تو اس نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا: ایک نبی کے ظہور کا زمانہ قریب تر ہے، وہ دینِ ابراہیم لے کر آئیں گے، سرزمینِ عرب میں ظاہر ہوں گے، اور ایک ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کریں گے جو دو حرّوں کے درمیان واقع ہے، اور اُن کے درمیان کھجوروں کے باغات ہیں۔ اُن کی ایسی علامتیں ہیں جو چھپ نہ سکیں گی، وہ ہدیہ کھائیں گے اور صدقہ نہیں کھائیں گے، ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اگر تم سے ہو سکے تو اس ملک میں چلے جاؤ۔" ❸

---

❶ محمد في الكتاب المقدس: ص/٢١٩-٢٢٩۔

❷ سفر التثنية (كتاب استثناء)، باب: ٣٣، عربی ترجمہ، مطبوعہ ١٨٤٤ء

❸ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے، اور اسے امام احمد نے مسند (٥/٤٤١-٤٤٤) میں، اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ (ص/٨٧-٨٩) میں، اور حاکم نے مستدرک (٣/٥٩٩-٦٠٢) میں روایت کیا ہے۔

(ہ)...... نجاشی کی گواہی کہ انجیل میں مذکور نبی محمد ﷺ ہی ہیں:

امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسّی (۸۰) مسلمانوں کی مکہ سے حبشہ ہجرت کرنے کی روایت کی ہے۔ اُس میں ہے کہ جب نجاشی نے جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر سنی اور دیکھا کہ انہوں نے اُس کو سجدہ نہیں کیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کی یہ رائے سنی کہ وہ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح تھے جسے اس نے اُس عذراء بتول میں ڈال دیا، جنہیں کسی انسان نے نہیں چھوا تھا، اور مسیح سے پہلے جن کی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، تو نجاشی نے زمین سے ایک لکڑی اٹھائی اور کہا: اے حبشہ والو اور اے پادریو اور راہبو! اللہ کی قسم! عیسیٰ بن مریم اس سے زیادہ کچھ نہیں جو اس نے ان کے بارے میں کہا ہے۔ پھر جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا: میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں، اور ان کو جن کے پاس سے تم آئے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، اور انجیل میں ہم انہی کا ذکر پاتے ہیں، اور یہی وہ رسول ہیں جن کی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے بشارت دی تھی۔ جاؤ، جہاں چاہو رہو، اللہ کی قسم! اگر میرے ساتھ بادشاہت کی مجبوری نہ ہوتی تو میں خود ان کے پاس جاتا، اور ان کے جوتے اور ان کے وضو کے برتن دھوتا۔ ❶

(و)...... ہرقل کی شہادت کہ انجیل میں مذکور نبی آپ ﷺ ہی ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ ہرقل نے اُسے اپنے پاس بلانے کے لیے آدمی بھیجا (ہرقل شاہِ روم کو ایسے آدمی کی تلاش تھی جس سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں پوچھے)، ابوسفیان مکہ کے دیگر تاجروں کے ساتھ ابتدائے اسلام میں شام گیا، تو ہرقل کو اُس کی آمد کی خبر ہوئی۔ اس وقت وہ غزہ میں تھا۔ اس نے ان سب کو اپنی مجلس میں بلایا، اس وقت اس کے اردگرد عظمائے روم بیٹھے تھے۔ اس نے ابوسفیان سے رسول اللہ ﷺ کی صفات اور ان کے احوال کے بارے میں پوچھا۔ ابوسفیان نے اُسے بتایا کہ اس کے دین میں صرف کمزور لوگ داخل ہوتے ہیں، اور ان میں سے کوئی اپنے دین سے نہیں پھرتا، اور یہ کہ وہ دھوکا نہیں دیتے، اور آپ لوگوں کو ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیتے ہیں، اور شرک سے روکتے ہیں، اور آپ نماز، سچائی، پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔

اس نے یہ ساری باتیں پوچھنے کے بعد ابوسفیان سے کہا: آپ (ﷺ) یقیناً ایک دن میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کے مالک بن جائیں گے۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ ظاہر ہونے ہی والے ہیں، لیکن مجھے اس کا گمان نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوں گے۔ اگر میں جانتا کہ میں ان کے پاس پہنچ سکوں گا تو ان سے ملنے کی کوشش ضرور کرتا، اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو میں ان کے دونوں قدموں کو دھوتا۔ ❷

اس واضح اور صریح گواہی سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ہی وہ نبی ہیں جن کا ہرقل دیگر یہود و نصاریٰ کے ساتھ انتظار کر رہا تھا (اس لیے کہ اس کے پاس انجیل کا علم تھا، وہ اس میں آپ ﷺ کی علامتوں اور آپ کی بعثت کے قرب زمانہ کے بارے میں پڑھا کرتا تھا)، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے قبولِ اسلام کی توفیق نہیں دی، اس نے اسلام پر بادشاہت کو ترجیح دی،

---

❶ مسند احمد: ۱/۴۶۱، مستدرک حاکم: ۲/۶۲۳، عیون الأثر، ابن سید الناس: ۱/۱۱۸، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۷/۱۸۹) میں اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، ح: ۷ مختصراً

اور اپنے دین باطل پر قائم رہا، یہاں تک کہ وفات پا گیا۔ ❶

(۷) آپ ﷺ کی بعثت کے بارے میں عرب کاہنوں کی خبریں:

ابن اسحاق نے لکھا ہے: علمائے یہود و نصاریٰ اور عرب کاہنوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں آپ کی بعثت سے قبل کے واقعات کا ذکر کیا ہے۔ لکھا ہے کہ عرب کاہنوں کے پاس شیاطین جن آپ ﷺ کی خبر لے کر آتے تھے، جب وہ آسمان کی باتیں چوری چھپے سن لیا کرتے تھے، اس وقت انہیں ستاروں سے مار کر سننے سے روکا نہیں جاتا تھا۔

کاہن مرد اور عورتیں اس زمانے میں آپ ﷺ کی بعض خبریں بتاتے تھے، لیکن عرب اُن پر دھیان نہیں دیتے تھے، یہاں تک کہ اللہ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا، اور وہ حادثات رونما ہوئے جن کا وہ کاہن ذکر کیا کرتے تھے، تو انہوں نے ان حادثات کو پہچان لیا۔

جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا زمانہ قریب ہو گیا تو شیاطین سننے سے روک دیے گئے، اور انہیں ان مقامات تک پہنچنے سے منع کر دیا گیا، جہاں بیٹھ کر چوری چھپے آسمان کی باتیں سنا کرتے تھے۔ انہیں ستاروں سے مارا جانے لگا، تب جنوں نے سمجھ لیا کہ ایسا کسی عظیم حادثے کا پیش خیمہ ہے جو اللہ کے حکم سے بندوں کے درمیان وقوع پذیر ہونے والا ہے۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں: اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر ان آیات کا نزول فرمایا:

﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ① يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ②﴾ [الجن: ۱-۲]

''اے میرے نبی! آپ کہہ دیجیے، میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا، پھر انہوں نے (دوسرے جنوں سے) کہا کہ ہم نے ایک بہت ہی عجیب قرآن سنا ہے، جو راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، اور ہم اپنے رب کا کسی کو ہرگز شریک نہیں بنائیں گے۔'' ❷

امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کاہن کو بلایا جس نے ان سے کہا کہ میں جاہلیت میں لوگوں کا کاہن تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تمہاری جنیہ نے تمہیں سب سے عجیب کون سی بات بتائی؟ اس نے کہا: میں ایک دن بازار میں تھا کہ وہ میرے پاس گھبرائی ہوئی آئی، اور کہنے لگی: کیا تم جنوں کی پریشان حالی، چوری چھپے آسمان کی باتیں سننے سے ان کی ناامیدی، اور ان کی بدنصیبی کو نہیں دیکھ رہے ہو؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس نے سچ کہا، ایک دن میں مشرکوں کے معبودوں کے پاس تھا کہ ایک آدمی ایک بچھڑا لے کر آیا اور اسے ذبح کیا، تو ایک چیخنے والے کی اتنی شدید چیخ سنی کہ اس سے زیادہ تیز چیخ نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا: اے بدطینت! ایک بہت ہی عمدہ بات سنی گئی ہے۔ ایک فصیح آدمی کہہ رہا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو تمام لوگ چوکنا ہو گئے۔ میں نے سوچا: جب تک اس آواز کی حقیقت کو نہ جان لوں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ دوبارہ پھر وہی آواز آئی، اے بدطینت! ایک

---

❶ صحيح البخاري، كتاب بدء الوحي: حديث(۷)

❷ سيرة ابن هشام: ۱/ ۲۰۴-۲۰۶.

بہت ہی عمدہ بات سنی گئی ہے۔ ایک فصیح آدمی کہہ رہا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر میں اٹھ کر وہاں سے چلا آیا، اس کے بعد ہم اسی حال میں رہے کہ کہا گیا: یہ نبی ہیں۔ ❶

عہدِ ابراہیمی سے بعثتِ نبوی کے پہلے تک نبی کریم ﷺ سے متعلق جن بشارتوں کا اب تک ذکر ہوا، اُن سے مقصود یہ باور کرانا ہے کہ آپ کی بعثت آسمانوں اور زمین میں اللہ کی مخلوقات سے متعلق تمام امور سے اعظم و اہم تھی، اور یہ کہ آپ ﷺ ہی وہ رسول تھے جن کا پوری دنیا انتظار کر رہی تھی، تاکہ آپ انسانوں اور جنوں کو تباہی و ہلاکت اور جہنم کی آگ سے بچالیں، اور سیدھی راہ کی طرف اُن کی رہنمائی کریں۔ یہی نبیِ اعظم ﷺ جبلِ فاران سے آئے، آپ ہی نے دنیا کو روشن کیا، لوگوں کو سیدھی راہ دکھائی، اور پوری کائنات کے لیے خیر و رحمت کو عام کیا۔ ان شاء اللہ عنقریب ہی اس سلسلہ کی مزید تفصیلات آئیں گی۔

❀❀❀❀

❶ صحیح البخاری، فضائل الصحابه، باب مناقب الأنصار: حدیث(۳۸٦٦).

جزیرۂ عرب کی وہ خوبیاں جن کے سبب یہ سرزمین خاتم النّبیین (ﷺ) کی بعثت سے مشرف ہوئی

گزشتہ صفحات میں ہمیں اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی اولاد کو ایک ایسی وادی میں بسائیں جہاں دور دور تک آب وگیاہ کا نام ونشان نہیں تھا، تاکہ ہزاروں سال تک وہ وادی (مکہ) خاندانِ ابراہیمی کا مسکن بنی رہے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت کا وقت آئے، اور آپ ﷺ نبی ورسول اور ہمیشہ کے لیے آسمانی رسالت کا خاتمہ بن کر مبعوث ہوں۔

ہمیں اس بات کا بھی علم ہو چکا ہے کہ تورات وانجیل اور زبور تمام آسمانی کتابوں میں خبر دی گئی ہے کہ یہ نبی اُمّی (ﷺ) اُس جبلِ فاران پر تشریف لائیں گے جو مکہ میں پایا جاتا ہے، اور وہ جزیرۂ عرب کے نبی ہوں گے جیسا کہ کتابِ مقدس (اشعیا: ۱۳/۲۱) میں آیا ہے، اور آپ ﷺ کی تعلیمات مشرق ومغرب اور شمال وجنوب سارے عالم کو روشن کردے گی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اپنے اُمّی رسول ﷺ کو مخاطب کرکے فرمایا ہے:

﴿وَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [سبا: ۲۸]

''اور ہم نے آپ کو تمام بنی نوعِ انسان کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے ہیں۔''

اور قرآنِ کریم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿تَبَارَكَ ٱلَّذِى نَزَّلَ ٱلْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِۦ لِيَكُونَ لِلْعَٰلَمِينَ نَذِيرًا﴾ [الفرقان: ۱]

''بے شمار خیر وبرکت والا ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے، تاکہ وہ سارے جہان والوں کے لیے (آخرت کے عذاب سے) ڈرانے والا بنے۔''

ان آیاتِ کریمات سے بلاشبہ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جزیرۂ عرب کو اللہ تعالیٰ نے اُس عالمی ودائمی رسالت کے لیے بطور مسکن تیار کر رکھا تھا، اور اُس میں اُن تمام خصائص وخوبیوں کو جمع کر دیا تھا جن کا اُس میں اِس مقصدِ عظیم کے لیے پایا جانا ضروری تھا۔

اس لیے اب ہمیں دیکھنا ہے کہ وہ کیا خوبیاں تھیں جو جزیرۂ عرب میں پائی گئیں، اور جن کے سبب وہ نبی اسلام (ﷺ) کا مسکن بنا۔ یہ بات ظاہری دلائل وقرائن کو سامنے رکھتے ہوئے کہی جا رہی ہے، لیکن جزیرۂ عرب کی وہ تمام خوبیاں جن کے سبب وہ اللہ کی آخری رسالت کا مسکن بنا، بے شمار ہیں، اور پردۂ غیب میں پوشیدہ ہیں، جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۱) جزیرہ نمائے عرب کا طبیعی اور جغرافیائی محل وقوع:

یہ پیغامِ اسلام جو پیغامِ عزت وشرف ہے، اور جسے نبی کریم ﷺ اور ان کے پاکباز صحابہ کرام ؓ نے سارے عالم میں پہنچایا، ضروری تھا کہ اس پیغام کی ذمہ داری اٹھانے والے ایسے غیور وخوددار ہوں جنہوں نے کبھی بھی ذلت ورسوائی اور دوسروں کی طرف سے ظلم وزیادتی کو برداشت نہ کیا ہو، اس لیے کہ جو لوگ غلامی اور چاکری کے بوجھ تلے زندگی گزارنے کے عادی بن جاتے ہیں، اور ذلت ورسوائی جن کی طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے، ایسے لوگ کبھی بھی دنیا والوں کا سامنا عزتِ نفس کے ساتھ نہیں کرسکتے، اور نہ ان کے سامنے عزت وشرف والا پیغام پیش کیا جاسکتا ہے۔

رومی اور ایرانی قومیں جو بلادِ عربیہ کے جوار میں رہتی تھیں، وہ دو قسموں میں بٹی ہوئی تھیں: بادشاہوں اور حاکموں کی قسم، جو اپنے آپ کو زمین پر رہنے والوں کا معبود سمجھتے تھے، اور عام لوگوں کی قسم، جو سیکڑوں سال سے اُن بادشاہوں اور حاکموں کی غلامی اور چاکری کے بوجھ تلے زندگی گزار رہے تھے، اور حقیر اور گراوٹوں سے بھری زندگی کے عادی تھے، جیسا کہ قارئینِ کرام کو عنقریب اس سے متعلق تفصیلات کا علم ہوگا۔

اس لیے دعوتِ اسلامیہ کی یہ ضرورت تھی کہ اسلام کی اس دعوت کو ان بادشاہوں، حاکموں اور اس دور کے جابر حکمرانوں نیز مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں رہنے والی دوسری قوموں کے سامنے پیش کرنے والے غیور وخوددار ہوں، اور ذلت ورسوائی اور ظلم کو برداشت کرنے کے عادی نہ رہے ہوں، تاکہ ان کے سامنے وہ اسلام کی دعوت بایں طور پیش کریں کہ اُن کے سر اُن کے سامنے اونچے رہیں۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جزیرۂ عرب کے محل وقوع کو ایسا بنایا ہے کہ عربوں میں غیرت وخودداری، عزت ونخوت اور آزادیٔ نفس جیسی صفات پیدا ہوتی تھیں، چنانچہ عرب بطور عام اور جزیرۂ عرب کے رہنے والے بطور خاص ایک فطری اور سادہ زندگی گزارتے تھے، چاہے وہ شہروں اور بستیوں کے رہنے والے ہوں، یا بادیہ وصحرانشین۔ اُن کے ارادے بہت پختہ ہوتے تھے، صراحت اور ارادہ کی پختگی ان کی عادتِ ثانیہ ہوتی تھی، کسی کو دھوکا نہیں دیتے تھے، اور نہ غیروں کی جانب سے ظلم وجور کو قبول کرتے تھے، اپنے دشمنوں پر آگے سے حملہ کرتے تھے، کبھی پیٹھ پیچھے سے اُنہیں جالیتے تھے، اس لیے کہ وہ دھوکا دہی اور غداری کے عادی نہیں تھے، اپنے دل کی بات بغیر کسی تمہید ومقدمہ کہہ دیتے تھے، چاہے نتیجہ جو بھی ہو۔ جس بات کے وہ مخالف ہوتے تھے اس کی پوری قوت اور سختی کے ساتھ مخالفت کرتے تھے، اور جس بات کو وہ پسند کرتے تھے اس کی پوری سچائی اور صدقِ جذبات کے ساتھ تائید کرتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ صفات سہیل بن عمرو میں اُس وقت ظاہر ہوگئیں جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو غزوۂ حدیبیہ کے موقع سے صلح نامہ کا املاء کراتے ہوئے کہتے سنا: یہ عہد نامہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے اتفاق کیا ہے۔ سہیل نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم جانتے کہ تم اللہ کے رسول ہو، تو ہم تمہیں اللہ کے گھر سے کبھی نہیں روکتے، اور تم سے کبھی جنگ نہیں کرتے۔ اس لیے لکھو: جس پر محمد بن عبداللہ نے اتفاق کیا ہے۔ ❶

---

❶ صحیح البخاری، باب الشروط: حدیث (۲۷۳۱، ۲۷۳۲)

بھی صراحت اور دھوکا دہی اور دغا بازی سے نفرت یثرب کے سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے قول سے عیاں تھی، جب انہوں نے بیعۃ العقبہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کو اہل یثرب سے کہتے سنا جو اسی بیعت کی خاطر ستر افراد پر مشتمل وفد کی شکل میں آئے تھے کہ ''وہ لوگ آپ کے ہاتھ پر ہر حال میں سمع وطاعت کی بیعت کریں گے، اور آسانی وتنگی میں اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے، اور بھلائی کا حکم دیں گے، اور برائی سے روکیں گے...... اور آپ کی مدد کریں گے، اور دشمنوں کے خلاف آپ کا دفاع کریں گے۔'' اور اسی طرح کی دوسری باتیں جو آپ ﷺ نے اس وقت کہیں۔

تو سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا جو لوگوں میں سب سے کم سن تھے اور کہا: اے اہل یثرب! ٹھہر جاؤ، ہم لوگ اتنا طویل اور دشوار گزار راستہ طے کر کے اس یقین کے ساتھ آئے ہیں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور ان کو یہاں سے نکال کر اپنے شہر یثرب لے جانا تمام عربوں کی مخالفت مول لینی ہے، اور تمہارے اچھے لوگ مارے جا سکتے ہیں، اس لیے تمہیں ان تمام آزمائشوں پر صبر کرنا ہوگا، اور تمہیں اس کے بدلے اللہ کی طرف سے اجر ملے گا، اور اگر تم اپنے بارے میں ڈرتے ہو کہ تم محمد (ﷺ) کو بزدلی دکھاؤ گے تو آج ہی سے ان کو بتا دو تو شاید اللہ کے نزدیک تم معذور سمجھے جاؤ گے۔

لوگوں نے کہا: اے اسعد! تم ہمارے سامنے سے ہٹو، اللہ کی قسم! اس بیعت کو ہم کبھی نہیں چھوڑیں گے، اور ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ اس نعمت کو ہم سے چھین لیا جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم سب لوگ آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ ﷺ نے اس وقت ہمارے سامنے کچھ شرطیں رکھیں، اور ہمیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ہمیں جنت دے گا۔ ❶

(۲) جزیرۂ عرب ایک زبردست مضبوط قلعہ:

یاقوت حموی نے معجم البلدان میں ابومنذر ہشام بن محمد بن سائب کلبی کی سند کے ذریعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ بلادِ عربیہ کا نام جزیرہ اس لیے پڑ گیا کہ وہ اپنے چاروں طرف سے نہروں اور سمندروں سے گھرا ہونے کے سبب سمندری جزیروں میں سے ایک جزیرہ کے مانند ہو گیا ہے۔

عربوں کے نزدیک جزیرۂ عرب کے حدود مندرجہ ذیل ہیں: جنوب کی طرف سے بحر عمان، پھر خلیج عرب (خلیج فارس) اور بحر الہند اور خلیج عدن، اور مغرب کی طرف سے بحر احمر (بحر قلزم) پھر صحرائے سینا اور بحر ابیض، اور شام کی جانب سے شمال مغرب میں نہر فرات سے لے کر قنسرین تک کا علاقہ۔

جس طرح یہ علاقہ تین جہات سے سمندروں سے گھرا ہوا ہے، اس کا اندرونی علاقہ پہاڑوں کے ایک سلسلہ سے عبارت ہے، جو اس کے مغرب سے مشرق تک پھیلا ہوا ہے۔ ان پہاڑوں کے نام جبال سراۃ ہیں جو بلادِ عرب کے سب سے بڑے پہاڑ مانے جاتے ہیں۔ اس میں سے ''تہامہ'' کا اکثر حصہ سخت گرم اور پودوں سے تقریباً خالی ریگستان ہے۔ اور

❶ مسند احمد: ۳/ ۳۲۲، ۳۲۹ اور ۳۹۴، بیہقی، سنن کبریٰ: ۹/ ۹، ابن حبان: (۱۶۸۶)، مستدرک حاکم: ۲/ ۶۲۴، ۶۲۵۔ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے، اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی سیرت میں کہا ہے: اس حدیث کی سند امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق جید ہے۔

نجد کا علاقہ وسط جزیرہ میں ایک اونچا علاقہ ہے، اسی میں صحرائے نفود ہے جو اپنے نرم وگداز ریت کے ٹیلوں کے سبب مشہور ہے جس پر آدمی کا چلنا بہت ہی دشوار ہے۔ اور سرزمین حجاز نجد وتہامہ کے درمیان ایک اونچے پہاڑی علاقے کا نام ہے۔ اور عروض کا علاقہ صحراؤں اور وادیوں سے عبارت ہے۔ اور یمن کے علاقے میں ساحل کے متقابل پہاڑوں کی جانب سے وادیاں نکلتی ہیں، اور یہ پہاڑیاں اسی سراۃ کی پہاڑیوں کا ایک حصہ کہلاتی ہیں جو صحرائے دہناء اور صحرائے ربع خالی تک پھیلتی ہوئی چلی گئی ہیں۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جزیرۂ عرب باہر کی طرف سے نہروں اور سمندروں سے گھرا ہوا ہے، اور اس کا اندرونی علاقہ پہاڑوں، صحراؤں اور ریگستانوں میں بٹا ہوا ہے۔ اس کی اسی طبعی اور جغرافیائی حیثیت کی وجہ سے اس کی پڑوسی قوموں (اہلِ فارس اور اہلِ روم) نے کبھی اس پر قابض ہونے کی بات نہیں سوچی، حالانکہ اُس دور میں ان دونوں ممالک کا استعماری جذبہ عروج پر تھا۔

(۳) اقوامِ عرب کا اہلِ قریش کی فصیح زبان پر اتفاق:

اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب میں یہ بات پوشیدہ تھی کہ وہ اپنی آخری کتاب فصیح عربی زبان میں نازل کرے گا، اور یہ کہ جزیرۂ عرب ہی اسلام کا پہلا گہوارہ بنے گا، اور یہاں اسلام نہایت تیزی کے ساتھ پھیلے گا، اور یہ علاقہ عنقریب بتوں اور بت پرستوں سے خالی اور صاف کر دیا جائے گا۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے عرب اقوام کو ایک عربی زبان پر جمع کر دیا، باوجود اس کے کہ جزیرۂ عرب میں رہنے والے قبائل اور اس کے جنوب وشمال اور شرق ومغرب کے درمیان طویل مسافتیں حائل تھیں، اور باوجود ان تمام قبائلی عصبیتوں کے جن میں وہ گھرے ہوئے تھے۔ اس طرح اس جزیرہ میں رہنے والے شہری اور بدوی، قحطانی اور عدنانی سب کے سب ایک عربی زبان پر جمع ہو گئے۔

یہ متعدد زبانیں اگرچہ دورِ جاہلیت میں بعض قبائل میں اپنے مخصوص لہجوں کے ساتھ مشہور ہوئی، لیکن ان کی کوئی بڑی اہمیت نہیں تھی، اس لیے کہ شمال میں رہنے والے عرب قبائل آپس میں ایک فصیح اَدبی لہجہ پر متفق ہو گئے تھے، اور تمام قبائل کے شعراء آپس کی مخالفتوں اور مسافتوں کی دوری کے باوجود اسی شمالی لہجہ کے مطابق شعر کہتے تھے، اور اپنے علاقائی لہجہ سے بلند ہو کر اس عام اَدبی لہجہ کو اختیار کرتے تھے۔

یہ فصیح لہجہ فی الواقع قریش کا لہجہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نازل فرمایا، اس لیے کہ وہ قبائل عرب میں سب سے زیادہ فصیح الفاظ کا انتخاب کرتے تھے، جو گفتگو کے وقت زبان پر آسانی کے ساتھ جاری ہوتے تھے، اور سننے میں بھی اچھے لگتے تھے، اور ما فی الضمیر کی ادائیگی بھی ان کے ذریعہ واضح ہوتی تھی۔ اور عرب کے لوگ اپنے معاملات میں بالعموم اپنا قضیہ قریش کے سامنے پیش کرتے تھے، اور ان کا فیصلہ مانتے تھے، ان کا احترام کرتے تھے، اور کلمات وتعبیرات کے انتخاب میں ان سے استفادہ کرتے تھے۔

اس طرح عرب کے فصحاء شعراء اور اُدباء قریش کی فصیح زبان پر متحد ہو گئے، جس میں قرآن کا نزول ہوا، اور جس زبان

میں خاتم النبیین محمد بن عبداللہ ہاشمی قرشی ﷺ نے تیئیس (۲۳) سال تک بات کی، قرآن کی تشریح فرمائی، اور جس کے ذریعہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مدینہ آنے والے تمام عرب وفود کو دین کی تعلیم دی۔ اس طرح اسلام کا پیغام جزیرۂ عرب میں اتنی تیزی کے ساتھ پھیلا جس کی نظیر آسمانی ادیان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ❶

(۴) مقام مکہ اور بیت اللہ کی فضیلت:

مکہ کی عزت وشرف کے لیے یہ بات کافی ہے کہ یہی وہ شہر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بیت حرام کو رکھا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿٩٦﴾﴾ [آل عمران: ۹۶]

''بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا، وہ ہے جو مکہ میں ہے، اور تمام جہان والوں کے لیے باعث برکت وہدایت ہے۔''

اس کے افتخار واعزاز کے لیے یہ کافی ہے کہ یہیں تمام انبیاء ورسل کے سردار پیدا ہوئے، اور یہیں سارے عالم کے لیے نبی ورسول بنا کر مبعوث کیے گئے۔ اور یہی وہ سرزمین ہے جس میں ابراہیم خلیل الرحمن علیہ السلام نے اپنی بیوی ہاجر اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کے حکم سے چھوڑ کر دعوت کا کام کرنے کے لیے ملک شام واپس چلے گئے، اور یہ دعا کرتے ہوئے گئے:

﴿رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿٣٧﴾﴾ [ابراہیم: ۳۷]

''اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض اولاد کو تیرے بیت حرام کے پاس ایک وادی میں بسایا ہے جہاں کوئی کھیتی نہیں ہے، اے ہمارے رب! میں نے ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں، اس لیے تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف پھیر دے، اور بطور روزی انہیں انواع واقسام کے پھل عطا کر، تاکہ وہ تیرا شکریہ ادا کریں۔''

اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ بیت حرام کو بناتے وقت دعا کی، اور کہا:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾﴾ [البقرہ: ۱۲۹]

''اور اے ہمارے رب! انہی میں سے ایک رسول ان کی ہدایت کے لیے مبعوث فرما، جو تیری آیتیں انہیں پڑھ کر سنائے، اور انہیں قرآن وسنت کی تعلیم دے، اور انہیں پاک کرے، بے شک تو بڑا زبردست اور حکمت والا ہے۔''

چنانچہ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اس سرزمین میں اپنے آخری رسول کو مبعوث کیا، جہاں سے نبوت محمدی کے نور نے دنیا کے گوشے گوشے کو روشن کر دیا۔

علامہ ابن القیم اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ﴾ [القصص: ۶۸] ''اور آپ کا رب جو کچھ چاہتا

---

❶ دیکھئے: سیوطی کی کتاب المزہر، احمد فارس کی کتاب الصاحبی فی فقہ اللغۃ اور مقدمہ ابن خلدون قسم ششم، فصل: ۳۲، ص/۴۰۹، مکۃ فی عصر ما قبل الإسلام: ۱۷۱-۱۷۴۔

ہے پیدا کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے (اپنی رسالت کے لیے) چُن لیتا ہے۔'' کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بلدِ حرام کو اپنے نبی کے وطن اور ایک مقدس مقام کی حیثیت سے چُن لیا، تاکہ دنیا کے گوشے گوشے سے اس کے بندے وہاں حج کے لیے آئیں۔ ❶

نیز کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں اس شہر کی دو جگہ قسم کھائی ہے: فرمایا: ﴿وَهَٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ﴾ [التین: ۳] ''اور قسم ہے اس امن والے شہر کی۔''، اور فرمایا: ﴿لَا أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ﴾ [البلد: ۱] ''میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں۔''، اور یہی وہ شہر ہے جہاں آنے اور اس میں موجود بیتِ حرام کے طواف کو اللہ تعالیٰ نے ہر صاحبِ قدرت پر واجب قرار دیا ہے۔ یہ اللہ کا سب سے بہترین اور نبی کریم ﷺ کے نزدیک سب سے محبوب شہر ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور دیگر محدثین نے سیدنا عبداللہ بن عدی بن حمراء رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ذریعے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو مکہ میں واقع حزورہ مقام پر اپنی سواری پر کھڑے ہو کر یہ کہتے ہوئے سنا: ''اللہ کی قسم، اے مکہ! تم اللہ کی سب سے بہترین زمین ہو، اور اللہ کے نزدیک سب سے محبوب ہو، اگر مجھے تم سے نکالا نہ جاتا تو میں نہ نکلتا۔'' ❷

ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتحِ مکہ کے وقت جمرۃ العقبہ کے پاس کھڑے ہو کر کہا: ''اللہ کی قسم! اے مکہ! تو اللہ کی سب سے بہترین سرزمین ہو، اور میرے نزدیک اللہ کی سب سے محبوب سرزمین ہو، اور اگر مجھے یہاں سے نکالا نہ جاتا تو میں نہ نکلتا۔ یہ سرزمین مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کی گئی، اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال کی جائے گی، اور میرے لیے بھی دن کی صرف ایک ساعت کے لیے حلال کی گئی، پھر یہ حرام ہو گئی۔ اس کے درخت کو نہیں کاٹا جائے گا، اور اس کی گھاس کو نہیں اکھاڑا جائے گا، اور اس کی کوئی گم شدہ چیز نہیں اٹھائی جائے گی، سوائے اس آدمی کے جو اس کے مالک کی تلاش کی نیت سے اٹھائے۔ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! اذخر گھاس کو مستثنیٰ کر دیجیے، اس لیے کہ وہ ہمارے گھروں کے بنانے اور ہماری قبروں میں رکھے جانے کے لیے استعمال ہوتی ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا، اذخر نامی گھاس کے علاوہ۔

اور آپ ﷺ نے مکہ کی عظمت کے بیان میں فرمایا ہے: ''جو شخص مکہ کی گرمی کو ایک ساعت کے لیے برداشت کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے جہنم کو سو سال کی مسافت تک دور کر دے گا، اور دو سو سال کی مسافت کے برابر جنت کو اس سے قریب کر دے گا۔'' اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے سبب دورِ جاہلیت میں عربوں کے دلوں میں اور اسلام کے بعد سارے عرب و عجم کے مسلمانوں کے دلوں میں مکہ کا ایک بہت بڑا مقام بنا دیا ہے۔ اسلام آنے کے بعد ہر دور میں اہلِ زمین کی گردنیں اس کے لیے جھکتی رہیں۔ چنانچہ بڑے بڑے شاہانِ دنیا اور رؤسائے قوم مکہ آ کر حرم میں نماز پڑھتے ہیں، اور خانہ کعبہ کے گرد عام مسلمانوں کے ساتھ مل کر برابر کی حیثیت میں طواف کرتے ہیں۔ اور ان سب کے سر اس وقت صرف ربِ ذوالجلال کے لیے جھکے ہوتے ہیں۔

---

❶ زاد المعاد: ۱/۴۶

❷ مسند احمد: ۴/۳۰۵، ترمذی: حدیث (۳۹۲۵)، ابن ماجہ: حدیث (۳۱۰۸) اور مستدرک حاکم: ۳/۷، ۲۸۰، ۴۳۱۔

ابن قیم رحمہ اللہ آگے لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے تمام اطراف عالم سے بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ بنائی ہے، اور زائرین جب بھی اس کی زیارت کر کے واپس ہوتے ہیں تو دوبارہ اس کی زیارت کا شوق ان کے دلوں میں موجزن ہوتا ہے، اور بار بار اس کی طرف غایت اشتیاق کے ساتھ دیکھتے رہتے ہیں۔

اور یہ بھی لکھا ہے: اس کی افضلیت کی دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ام القریٰ (تمام ملکوں کی اصل) کہا ہے، چنانچہ دنیا کی ساری سرزمینیں اس کی تابع اور اس کی شاخ ہیں، اور وہ اُن سب کی اصل۔ ❶

اور کہا جاتا ہے کہ مکہ کے شرف و عزت کی دلیل یہ بھی ہے کہ وہاں کے رہنے والوں نے شاہان دنیا میں سے کسی کے دین کی پیروی نہیں کی، اور کبھی کسی کو کوئی تاوان نہیں بھرا، اور دورِ جاہلیت میں بھی دنیا کے کسی بادشاہ نے اس پر قبضہ نہیں کیا۔ مکہ کے لوگ ہمیشہ امن میں رہے، نہ کسی نے اس پر قبضہ کیا، اور نہ وہ لوگ کبھی قیدی بنائے گئے، نہ کوئی قریشی عورت کبھی قیدی بنائی گئی۔

کعبہ اللہ کا بیتِ حرام اور مکہ اس کا موطن ہے۔ اہلِ جاہلیت نے ہر دور میں ان دونوں کی تعظیم کی، اور ابتدائے اسلام سے ہی مسلمانوں نے ان دونوں کی تعظیم کی۔ مسلمان قیامت تک بیتِ حرام کی تقدیس کرتے رہیں گے، اور اس کا حج اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے رہیں گے۔ ان کے دل ہمیشہ اس سے لگے رہیں گے، اور بار بار اسی کی طرف لوٹ کر آئیں گے، اور اس کی خاطر اہل و عیال، احباب اور ملک و وطن کو چھوڑنا گوارہ کریں گے، اور اس تک پہنچنے کے لیے مالِ کثیر صرف کریں گے، اور اپنی جانوں کی قربانی پیش کریں گے۔ ان دونوں کی راہ میں کتنے قتل اور کتنے زخمی ہوئے، اور کتنوں کے مال و اسباب چھینے گئے۔ مسلمانوں کے دلوں میں ان دونوں کا عظیم مقام ہے۔

(۵) مکہ مکرمہ کا محلِ وقوع اور اس کی اہمیت:

ڈاکٹر سعد مرصفی نے پروفیسر ڈاکٹر حسین کمال الدین (ملک سعود یونیورسٹی ریاض میں انجینیرنگ ڈیپارٹمنٹ کے رئیس) کا یہ بیان نقل کیا ہے، جو مصری اخبار الأہرام عدد ۱۵/۱/۱۳۹۷ھ میں شائع ہوا تھا کہ ان کے نزدیک یہ جغرافیائی نظریہ تقریباً پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ مکہ مکرمہ کرۂ ارضی کی خشکی کے وسط میں واقع ہے۔ پھر انہوں نے اس ریسرچ کی تفصیل بیان کی ہے، اور اس کے آخر میں لکھا ہے کہ ریسرچ کے وقت اچانک نقشے پر ان کے لیے اس بات کا انکشاف ہوا کہ مکہ دنیا کے بیچ میں واقع ہے۔

نیز مکہ مکرمہ کو بیت اللہ کے شہر کی حیثیت سے اختیار کرنے میں سرِّ الٰہی کا علم ہوا جہاں سے آخری آسمانی رسالت کا ظاہر ہونا اللہ کے علم میں مقدر تھا۔

اور جزیرۂ عرب براعظم ایشیاء کا ایک حصہ ہونے کے ساتھ براعظم افریقہ کے قریب تر اور براعظم یورپ کے قریب واقع ہے، اور ان دونوں براعظموں میں سے ہر ایک زمانۂ قدیم سے مختلف تہذیبوں کا گہوارہ اور قدیم ثقافتوں اور فلسفی نظریات کا مرکز رہا ہے، نیز اُس وقت دنیا کی دو عظیم مذہبی طاقتوں: مسیحیت اور مجوسیت، اور مغرب و مشرق کی دو ہم پلہ طاقتوں (فارس

---

❶ زاد المعاد ۱/ ۴۸، ۴۹.

وروم) کے درمیان واقع تھا۔

چھٹی صدی عیسوی کی ابتدا میں بلادِ عربیہ کی تجارت کی باگ ڈور اہلِ مکہ کے ہاتھوں میں تھی، اسی لیے جزیرۂ عرب کے اِردگرد واقع ملکوں کے ساتھ اُن کے تعلقات گہرے تھے۔ جہاں یمن اور حبشہ کے ساتھ اُن کے تعلقات استوار تھے، وہیں فارس، اہلِ حیرہ اور بازنطیوں کے ساتھ بھی ان کے تعلقات مضبوط تھے۔

بنابریں جزیرۂ عرب بنی نوعِ انسان کی اصلاح کے لیے اسلام کی عالمی دعوت کا مرکز بننے کا زیادہ حق دار تھا، جیسا کہ میں نے اس کے بارے میں اپنی تحریر کے آغاز میں جزیرۂ عرب کی خوبیوں کو اجاگر کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا نسبِ مبارک

آپ ﷺ نسب کے اعتبار سے اہلِ زمین میں سب سے اچھے ہیں:

سیرت نبوی (ﷺ) سے متعلق کچھ ضروری باتیں بیان کرنے کے بعد اب میں پھر آپ ﷺ کے نسب مبارک کے ذکر کی طرف عود کرتا ہوں، اور اللہ سے توفیق کی دعا مانگتے ہوئے عرض کرتا ہوں:

بلاشبہ ہمارے نبی کریم ﷺ نسب کے اعتبار سے تمام اہلِ زمین میں اچھے ہیں۔ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل نے اولادِ ابراہیم علیہ السلام میں سے اسماعیل علیہ السلام کو چن لیا، اور اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں سے کنانہ کو چن لیا، اور اولادِ کنانہ میں سے قریش کو چن لیا، اور قریش میں سے اولادِ ہاشم کو چن لیا، اور اولادِ ہاشم میں سے مجھے چن لیا۔'' ❶

عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب روایت کرتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا: ہم آپ کی قوم کے بعض افراد سے سنتے ہیں کہ ''محمد (ﷺ) کی مثال ایک کھجور کے پودے کی ہے جو کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں اگتا ہے'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! میں کون ہوں؟ لوگوں نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے فرمایا: ''میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ (راوی کہتے ہیں: ہم نے اس سے پہلے آپ ﷺ کو کبھی اس طرح اپنا نسب بیان کرتے نہیں سنا تھا) اللہ تعالیٰ نے جب بنی نوع انسان کو پیدا کیا تو مجھے ان میں سب سے بہتر بنایا، پھر ان سب کو دو جماعتوں میں بانٹ دیا، پھر مجھے سب سے اچھی جماعت میں رکھا، پھر ان کو قبائل میں بانٹ دیا تو مجھے سب سے اچھے قبیلے میں رکھا، پھر انہیں خاندانوں میں بانٹ دیا تو مجھے سب سے اچھے خاندان میں رکھا، میں تم سب سے بہتر خاندان والا اور تم سب سے بہتر فرد ہوں۔'' ❷

مختلف مرسل اور موصول سندوں سے نبی کریم ﷺ کا یہ قول مروی ہے کہ میں نکاح کے ذریعہ پیدا ہوا ہوں، آدم سے لے کر میرے باپ اور میری ماں تک میرے نسب میں کہیں بھی زنا نہیں پایا گیا، اور دورِ جاہلیت کی زناکاریاں مجھے دور سے بھی چھو کر نہیں گئیں۔ ❸

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی ﷺ: حدیث (۲۲۷٦)، سنن الترمذی، المناقب، فضل النبی ﷺ: حدیث (۳٦۰٦) اور مسند احمد: ٤/۱۰۷۔

❷ مسند احمد: ۱/۱٦٦، اس کی سند صحیح ہے، المجمع للهیثمی: ۸/۲۱۵، ۲۱٦، ترمذی، المناقب، فضل النبی ﷺ: حدیث (۳٦۰۷، ۳٦۰۸)

❸ ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے اپنی کتاب ارواء الغلیل: (۱۹۲۲) میں اس روایت کی مختلف سندوں پر کلام کیا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ یہ روایت درجہ حسن کو پہنچتی ہے، اسی لیے میں نے اسے صحیح الجامع الصغیر: (۳۲۱۸ - ۳۲۲۰) میں ذکر کیا ہے۔

اس کی گواہی آپ ﷺ کے قریشی دشمنوں نے بھی دی ہے، اُن میں سے ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب بدء الوحی میں روایت کی ہے کہ جب ہرقل نے ان سے پوچھا کہ وہ تمہارے درمیان نسب کے اعتبار سے کیسا ہے؟ تو کہا: وہ ہمارے درمیان اچھے نسب والا ہے، تو ہرقل نے کہا: اسی طرح انبیاء ہمیشہ اپنی قوم کے سب سے اچھے نسب والوں میں بھیجے گئے۔ ❶

آپ ﷺ کا نسب عدنان تک:

آپ ﷺ کا نسب عدنان تک مندرجہ ذیل ہے:

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مُرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

اہل سیر وانساب نے آپ ﷺ کے نسب نامے کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے؛ پہلا حصہ جس پر سب کا اتفاق ہے وہ آپ ﷺ سے عدنان تک ہے جیسا کہ ابھی میں نے ذکر کیا ہے۔ دوسرے حصہ میں اختلاف ہے، یعنی عدنان کے والد ''اُود'' سے لے کر قیدار بن اسماعیل علیہ السلام تک اور تیسرا حصہ اسماعیل سے آدم علیہ السلام تک۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے پہلے حصہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہاں تک یقینی طور پہ صحیح ہے، ماہرین نسب کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ عدنان کے اوپر مختلف فیہ ہے۔ لیکن اس بات میں ماہرین نسب کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ عدنان اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، اور صحابہ اور تابعین کے نزدیک صحیح قول کے مطابق اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح اللہ تھے۔

بہت سے ائمہ حدیث وتاریخ نے آپ کے نسب نامہ کے دوسرے اور تیسرے حصے کو بھی بیان کیا ہے، اور باحث کبیر ''رحمۃ للعالمین'' کے مصنف نے اُن کی پیروی کرتے ہوئے اُن دونوں حصوں کا بھی ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ روایت: ((کذب النسابون))..... ''نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بیان کیا ہے۔'' کے صحیح ہونے کی مجھے کوئی دلیل نہیں ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا﴾ [الفرقان : ۳۸]

''اور اُن وقتوں کے درمیان پائی جانے والی بہت سی دوسری قوموں کو بھی (ہلاک کردیا)۔'' ❷

بلکہ یہ حدیث موضوع یعنی جھوٹی ہے جیسا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے سلسلة الأحاديث الضعيفه والموضوعه (ص: ۱۱۱) میں بیان کیا ہے۔ اور انہی ائمہ حدیث وتاریخ کی پیروی کرتے ہوئے ابن اسحاق، ابن جریر اور دیگر حضرات نے بھی آپ کے نسب نامہ کے ان دونوں حصوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور یہی رائے امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ دیگر بہت سے علماء کی ہے۔

ماہرین نسب نے آپ ﷺ کے نسب نامہ کا تیسرا حصہ دنیا میں موجود تورات سے لیا ہے، اور اسے امام ابن حزم

---

❶ صحيح البخاري، كتاب بدء الوحي: حديث (۷)

❷ رحمة للعالمين (عربي): ۲/ ۹-۱۴.

ظاہری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الفِصَل" اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ ''البدایہ والنہایہ'' میں ذکر کیا ہے، اور باحث کبیر علامہ منصور پوریؒ نے دقیق بحث وتحقیق کے بعد لکھا ہے کہ تیسرے حصے میں جو نام آئے ہیں وہ سب کے سب صحیح ہیں۔ دیگر تفصیلات کی صحت میں کہیں کہیں شک وشبہ ہے، اس کے بعد انہوں نے دوسرے اور تیسرے حصے کو بیان کیا ہے۔ ❶

لیکن میں نے بہت سے ائمہ ومحدثین کی طرح صرف پہلے حصہ کو بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے، جیسا کہ امام ابن القیمؒ نے اپنی کتاب ''زاد المعاد'' میں اور ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "صحیح السیرة النبویہ" میں بیان کیا ہے، اور ہمارا یقین کامل ہے کہ آپ ﷺ کے جد اعلیٰ عدنان اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں سے تھے، اور اسماعیل ابراہیم علیہما السلام کے بیٹے تھے، اور یہ کہ ہمارے نبی کریم ﷺ اپنے باپ عبداللہ سے ابراہیم علیہ السلام تک اور ابراہیم سے آدم علیہما السلام تک، اہلِ زمین میں نسب کے اعتبار سے سب سے زیادہ اشرف واکرم تھے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں آدم علیہ السلام سے اب تک ہر زمانے میں سب سے بہتر بنایا گیا، یہاں تک کہ میں اس زمانہ میں نبی بنا کر بھیجا گیا۔ ❷

❁❁❁❁

---

❶ مختصر سیرۃ : ٢/١٤۔

❷ صحیح البخاری، المناقب، صفة النبی ﷺ: حدیث (٣٥٥٧)؛ مسند احمد: ٥/١٧،٣٧٣٤۔

رسول اللہ ﷺ کے والدین

والد عبداللہ بن عبدالمطلب:

گزشتہ صفحات میں نبی کریم ﷺ کے اجداد قصی، عبد مناف، ہاشم اور عبدالمطلب کا ذکر کر آیا ہوں، وہاں میں نے لکھا ہے کہ عبدالمطلب کی زندگی میں تین بہت ہی اہم واقعات رونما ہوئے: بئر زمزم کی کھدائی، حادثۂ اصحابِ فیل، اور اُن کی نذر کہ وہ اللہ کے لیے اپنے ایک بیٹے کو ذبح کریں گے، اگر اللہ نے انہیں دس صحت مند اور قوی لڑکے دیئے جو بئر زمزم پر اُن کے حق کی طرف سے دفاع میں اہلِ قریش کے مقابلے میں اُن کا ساتھ دیں گے۔ اُس وقت قرعہ آپ کے والد عبداللہ کے نام نکلا جو اپنے باپ عبدالمطلب کے سب سے محبوب بیٹے، اور قریش کے سب سے خوبصورت جوان تھے، جیسا کہ امام زہریؒ نے ذکر کیا ہے۔

اس واقعے کی تفصیلات میں آتا ہے کہ عبداللہ کے بھائیوں اور زعمائے قریش نے عبدالمطلب کو قائل کیا کہ وہ اپنے بیٹے کی طرف سے فدیہ دے دیں، چنانچہ انہوں نے عبداللہ اور اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی، اور جب اونٹوں کی تعداد سو ہو گئی، تب جا کر قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ عبدالمطلب نے ان تمام کو ذبح کر کے لوگوں کے لیے چھوڑ دیا، اور جس کا جتنا جی چاہا لے گیا۔

میں نے اس حادثہ کو بیان کرتے وقت لکھا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ایک اشارہ تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے دو ذبیح اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام اور عبداللہ بن عبدالمطلب کی نسل سے ہوں گے؛ ابن اسحاقؒ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔'' ❶

والدہ آمنہ بنت وہب:

عبداللہ کے والد نے ان کی شادی آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب سے کر دی، اُس وقت ان کی عمر پچیس سال تھی۔ آمنہ مکہ کی افضل ترین عورتوں میں سے تھیں، اور عبداللہ کے ساتھ نسب میں چوتھی پشت میں مل جاتی تھیں، اور ان کے والد وہب بنو زہرہ کے سردار اور اشرافِ قریش میں سے تھے۔ وہ چھوٹی تھیں جبھی ان کے والد وفات پا گئے، تو ان کی کفالت ان کے چچا وہیب نے کی، جو اپنے بھائی کی طرح اپنی قوم کے سردار تھے۔

آمنہ کو نبی کریم ﷺ کا حمل شادی کے پہلے مہینہ میں ہی قرار پا گیا۔ آپ ﷺ کے والد عبداللہ اپنے باپ کی تجارت کے لیے ملکِ شام کے سفر پر روانہ ہوئے اور واپس آتے ہوئے مدینہ منورہ کے بنی عدی بن نجار میں اپنی ننھیال والوں سے ملنے گئے، وہیں آپ بخار میں مبتلا ہو گئے، اور جلد ہی اپنی روح اپنے پیدا کرنے والے کے حوالے کر دی۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کے والد عبدالمطلب نے انہیں مدینہ بھیجا تھا، تا کہ وہاں سے کھجوریں لے آئیں، وہاں جا کر بیمار

---

❶ سیرۃ ابن ھشام: ۱/۱۵۱-۱۵۵.

ہوگئے اور وفات پاگئے، اور دار النابغہ صغریٰ میں دفن کردیے گئے۔

عبدالمطلب اور عبداللہ کے بھائیوں اور ان کی بہنوں کو اس کا بہت غم ہوا۔ اُس وقت آمنہ سے اُن کی شادی کو صرف تین مہینے ہوئے تھے، اور رسول اللہ ﷺ نکاح کے پہلے مہینے سے ہی اپنی ماں کے پیٹ میں پرورش پا رہے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ عبداللہ نے نبی کریم ﷺ کی ولادت کے دو ماہ بعد وفات پائی، اور بعض کہتے ہیں: سات ماہ کے بعد، اور بعض: ایک سال کے بعد، اور بعض: دو سال کے بعد۔ ان کے علاوہ بھی دیگر اقوال ہیں۔ لیکن واقدی اور ان کے کاتب ابن سعد کے نزدیک پہلا قول ہی راجح ہے، یعنی عبداللہ کی جب وفات ہوئی تو آپ ﷺ رحمِ مادر میں تھے۔ اور سب سے بڑی یتیمی اور یتیمی کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہی ہے۔

آپ ﷺ کے حالات...... ولادت سے بعثت تک

ولادت:

علمائے تاریخ وسیرت کا اجماع ہے کہ آپ ﷺ سوموار کے دن پیدا ہوئے، اور اس کی دلیل امام مسلم رحمہ اللہ کی ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ ایک اعرابی نے کہا: اے اللہ کے رسول! سوموار کے دن کے روزے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اسی دن پیدا ہوا، اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی۔ ❶

علماء کا اس پر بھی اجماع ہے کہ آپ ﷺ واقعۂ فیل (ہاتھی) کے سال پیدا ہوئے، آپ ﷺ ۹ (نو) ربیع الاوّل کو پیدا ہوئے اور مشہور عام رائے ہے کہ آپ ﷺ ۱۲/ ربیع الاوّل سنہ 1 عام الفیل (واقعہ فیل سے ۵۰ روز بعد) بمطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بوقت صبح صادق (قبل از طلوع آفتاب) سوموار کے دن پیدا ہوئے۔☆ قیس بن مخرمہ بن مطلب بن عبد مناف رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے، انہوں نے کہا کہ میں اور رسول اللہ ﷺ واقعۂ فیل کے سال پیدا ہوئے، بلکہ ہم دونوں ایک ہی وقت پیدا ہوئے۔ ❷ سیدنا ابن عباس اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ واقعۂ فیل کے سال سوموار کے دن پیدا ہوئے، اور اُسی دن آپ ﷺ معراج سے مشرف ہوئے، اور اُسی دن آپ نے ہجرت کی، اور اُسی دن وفات پائی۔ ❸

انجینئر محمود پاشا ریاضیات اور فلکیات کے مصری ماہر جن کی وفات ۱۳۰۲ھ میں ہوئی، لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ولادت سوموار کی صبح ۹/ ربیع الاوّل مطابق ۲۰/ اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی، جو واقعۂ فیل کے بعد پہلا سال ہوتا ہے۔ آپ ﷺ شعب بنی

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الصیام: حدیث (۱۱۶۲)، ابو داؤد، الصیام: حدیث (۲٤۲٦).

☆ یہ مشہور عام رائے ہے مگر صحیح رائے ۹ ربیع الاوّل ہے چونکہ سوموار کے دن پر سب کا اتفاق ہے اور سوموار کا دن ۹ تاریخ ہی کو آتا ہے۔ محمد طلعت بک عرب (مؤلف تاریخ دول العرب والاسلام) کی تائید میں قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ (مؤلف رحمۃ للعالمین) نے تقویموں کے حساب میں عرق ریزی کرتے ہوئے ۹ ربیع الاوّل ہی کے حق میں رائے دی ہے۔ نیز مصر کے مشہور ہیئت دان محمود پاشا فلکی نے ریاضیاتی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کا یوم ولادت ۹ ربیع الاوّل ہے جسے پاشا موصوف نے ۲۰/ اپریل ۵۷۱ء سے مطابقت دی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے بھی اسی تحقیق کو قبول کیا ہے۔ ۲۲/ اپریل کا تعین گریگورین قواعد کے مطابق ہے جس کے تحت ستمبر ۱۷۵۲ء سے نئی عیسوی تقویم کا حساب چلا ہے۔ قدیم تقویمی قاعدے کے مطابق اس دن ۱۹/ اپریل ۵۷۱ء جولین کی تاریخ متعین ہوئی ہے۔ مولانا عبدالرؤف دانا پوری رحمہ اللہ (مؤلف اصح السیر) نے ۸ یا ۱۲/ ربیع الاوّل دو تاریخیں لکھی ہیں مگر نہ تو ماخذ روایت پر بحث کی ہے اور نہ ہی تقویموں کے سلسلے میں تفحص پیش کیا ہے۔ بعض نے یکم محرم کا بھی تعین کیا ہے اور عیسوی تقویم کے مطابق ۱۲/ اور ۱۵ فروری کی تاریخیں ذکر کی ہیں۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ کے نزدیک ربیع الاوّل کی بارھویں رات گزرنے پر نبی کریم ﷺ کی ولادت ہوئی۔ ہماری رائے میں محققین کا پلہ ۹ ربیع الاوّل کے حق میں بھاری ہے۔ دیکھئے: سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۱۸۲، رحمۃ للعالمین: ۱/ ۳۴، ۳۵۔ مختصر سیرت الرسول، ص: ۳۶۔ محسن انسانیت ﷺ از نعیم صدیقی، ص: ۶۳۹۔ رسول رحمت ﷺ، ص: ۳۷۔ نبی رحمت ﷺ، ص: ۱۲۷، ۱۲۸۔ الرحیق المختوم، ص: ۸۳۔ مختصر سیرت النبی ﷺ، ص: ۲۳۔

❷ مسند احمد: ٤/ ٢١٥، ترمذی، المناقب: حدیث (٣٦١٩) یہ حدیث صحیح ہے۔

❸ مسند احمد: ١/ ٢٧٧، المعجم الکبیر طبرانی: (١٢٩٨٤)۔ یہ حدیث حسن ہے۔

ہاشم میں واقع ابو طالب کے گھر میں پیدا ہوئے۔

آپ ﷺ کی والدہ نے حمل قرار پانے کے بعد دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محلوں کو روشن کر دیا۔ ابن اسحاق نے کئی اصحاب رسول سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں اپنے بارے میں کچھ بتائیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا، اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں، اور میری والدہ نے حالت حمل میں دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محلوں کو روشن کر دیا۔ ❶

ابن سعد رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ نے کہا: میرا بیٹا جب پیدا ہوا تو میرے جسم سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محلوں کو روشن کر دیا۔ امام احمدؒ نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے اسی کے مشابہ حدیث روایت کی ہے۔ ❷

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! میں ابھی سات یا آٹھ سال کا لڑکا تھا، جو کچھ سنتا تھا اسے سمجھتا تھا۔ میں نے ایک یہودی کو یثرب کی ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر اونچی آواز سے چیختے ہوئے سنا، اے قوم یہود! جب سب لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے تو لوگوں نے اس سے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا: آج کی رات وہ ستارہ طلوع ہوا ہے جو احمد کے ساتھ پیدا ہوا ہے۔ ❸ ابو نعیم اور محمد بن حبان نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ زید بن عمرو بن نفیل کا قول نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے شام کے ایک پادری نے کہا کہ تمہارے شہر میں ایک نبی ظاہر ہوا ہے یا ہونے والا ہے، اس کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے، اس لیے تم واپس جا کر اس پر ایمان لے آؤ اور اس کی پیروی کرو۔ ❹

امام بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی ان کے والد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ختنہ شدہ خوش و خرم پیدا ہوئے، تو ان کے دادا عبدالمطلب بہت خوش ہوئے، اور ان کے دل میں آپ کی محبت اسی وقت سے جاگزیں ہو گئی، اور کہا: یقیناً میرا یہ بیٹا بڑی شان والا ہو گا۔ اسے حافظ ابن عساکر اور ابو نعیم اور ان کے علاوہ دیگر محدثین رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ اپنے رحم مادر سے پیدا ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کو خبر بھیجی کہ آپ کا پوتا پیدا ہوا ہے، آ کر اسے دیکھ لیجیے۔ جب عبدالمطلب آئے تو آپ ﷺ کی والدہ نے ان کو حالتِ حمل میں اپنے خواب کی بات سنائی، اور وہ بات بھی بتائی جو ہاتف غیبی نے ان سے کہی تھی، اور ان کو آپ کا جو نام رکھنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ لوگوں کا خیال ہے کہ عبدالمطلب آپ کو گود میں لے کر خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، اور کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے، اور اس عطیہ پر اس کا شکر ادا کرنے لگے۔ ❺ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا نام محمد رکھا، اور بعض علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے رشتہ داروں کو الہام کیا کہ وہ آپ کا نام محمد رکھیں۔ ❻

---

❶ ابن اسحاق: ۱۷۵/۱، حاکم: ۲/۲ ، ۶۰۰، اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، اور حافظ ذہبیؒ نے ان کی تائید کی ہے اور ابن حبان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ حدیث (۲۰۹۳)۔

❷ ابن سعد: ۶۳/۱، مختصر سیرۃ الرسول ﷺ: ص/۱۲۔

❸ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کی سند حسن ہے۔

❹ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کی سند بھی حسن ہے۔

❺ ابن ہشام: ۱۵۹/۱، ۱۶۰۔

❻ خلاصہ تاریخ ابن کثیر، قسم اول: ص/۱۸۔

دودھ پلانے والی عورتیں

نبی اکرم ﷺ کو اپنی والدہ کے علاوہ دودھ پلانے کی سعادت تین عورتوں کو حاصل ہوئی۔ ان کے تذکار درج ذیل ہیں:

۱۔ اُمِّ ایمن برکہ حبشیہ:

صحیح مسلم کی ایک طویل حدیث میں ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ام ایمن حبشیہ رضی اللہ عنہا (اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی ماں) عبداللہ بن عبدالمطلب کی خادمہ تھیں۔ رسول اللہ ﷺ جب اپنے والد کی وفات کے بعد آمنہ کے بطن سے پیدا ہوئے تو ام ایمن رضی اللہ عنہا ان کی دیکھ بھال کرنے لگیں، جب رسول اللہ ﷺ بڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا❶ اور ان کی شادی اپنے آزاد کردہ محبوب غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دی، جن سے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

یہی ام ایمنؓ آپ ﷺ کی والدہ کے ساتھ اُس وقت تھیں جب وہ آپ کو لے کر یثرب کے سفر پر نکلیں، اُس وقت آپ کی عمر چھ سال سے کم تھی۔ اس سفر کا مقصد بنی عدی بن نجار میں آپ کو اپنے والد کے ننھیالی لوگوں سے ملانا تھا۔

آمنہ مدینہ سے مکہ واپس لوٹتے ہوئے مقام ''ابوا'' پر پہنچیں تو ان کی موت کا وقت آ چکا تھا، چنانچہ وہیں انتقال کر گئیں، اُس وقت اُمِّ ایمنؓ نے نبی کریم ﷺ کو سنبھالا اور مکہ مکرمہ پہنچ کر انہیں ان کے دادا عبدالمطلب کے حوالے کر دیا جنھوں نے آپ کی بہترین پرورش و پرداخت کی۔ آپ ﷺ نے ان کی محبت واہتمام کا اتنا بڑا حصہ پایا جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ ثویبہ ابولہب کی لونڈی:

نبی کریم ﷺ کو آپ کی ماں کے ساتھ آپ کے چچا ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے بھی دودھ پلایا تھا، جن کی گود میں اُس وقت اُن کا بیٹا مسروح پرورش پا رہا تھا، اس سے پہلے ثویبہ نے آپ ﷺ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب کو دودھ پلایا تھا، اور آپ کے بعد ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو بھی دودھ پلایا۔ یہ بات حلیمہ سعدیہ کے ساتھ آپ کے بنی سعد جانے سے پہلے کی ہے۔

بخاری و مسلم نے ام المومنین ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ میری بہن عزہ بنت ابی سفیان سے شادی کر لیجیے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم اسے پسند کرو گی؟ انھوں نے کہا: ہاں، میں آپ کی کوئی تنہا بیوی تو نہیں ہوں، اور میرے ساتھ بھلائی میں شرکت کے لیے میری بہن سے زیادہ کون اچھی ہو سکتی ہے! نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لیکن یہ میرے لیے حلال نہیں ہے، انھوں نے کہا: ہم آج کل یہ سُن رہے ہیں کہ آپ دُرّہ بنت ابی سلمہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ابوسلمہ کی بیٹی سے؟ میں نے کہا: ہاں، آپ نے کہا: اگر وہ میری گود میں میری پروردہ نہ ہوتی تب بھی میرے لیے حلال نہ ہوتی، وہ تو میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے، مجھے اور ابوسلمہ کو ثویبہ نے دودھ پلایا ہے۔ تم

❶ صحیح مسلم، کتاب الجهاد: حدیث (۱۷۷۱).

لوگ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو مجھے پیش نہ کرو۔

صحیح بخاری میں یہ اضافہ ہے: عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ثویبہ کو ابولہب نے آزاد کر دیا تھا اس نے رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ جب ابولہب مرا تو اس کے بعض رشتہ داروں نے اسے خواب میں بُری حالت میں دیکھا۔ اُس سے پوچھا، تمہارا انجام کیسا ہوا ہے؟ ابولہب نے کہا: تم سے جدا ہونے کے بعد میں نے کوئی اچھائی نہیں دیکھی، سوائے اس کے کہ ثویبہ کو میرے آزاد کرنے کے بدلے مجھے یہاں سے پانی پلایا جاتا ہے۔ پھر اس نے انگوٹھے اور اس کے قریب کی انگلی کے درمیان ایک سوراخ کی طرف اشارہ کیا۔ ❶

سہیلی وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ خواب ابولہب کی وفات کے ایک سال بعد اس کے بھائی عباس رضی اللہ عنہ نے دیکھا تھا۔ ❷

۳۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا:

دودھ پلانے والی عورتیں مکہ کے گرد و نواح سے مناسب اوقات میں ایسے دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ آتی تھیں جن کے والدین سے انھیں زیادہ اجرت کی توقع ہوتی تھی، کچھ قبائل اور گھرانے دودھ کی کثرت، آب و ہوا کی بہتری، اور فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے۔ انہی میں سے قبیلۂ ہوازن میں بنی سعد کے گھرانے کا شمار ہوتا تھا جو بالخصوص اپنی زبان کی فصاحت میں مشہور تھا۔

حلیمہ سعدیہ دیگر عورتوں کے ساتھ ایک دودھ پینے والے بچے کی تلاش میں آئیں، اور آپ ﷺ کے یتیم ہونے کے سبب ان کے سوا کسی دوسرے بچے کو تلاش کرنے لگیں، اس لیے کہ دودھ پلانے والی عورتیں بچوں کے والدین سے اچھی اجرت کی امید لے کر آتی تھیں۔ آپ ﷺ کے حلیمہ کے پاس دودھ پینے کے واقعہ کو بیان کرنے کے لیے میں یہاں سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ محدثین کی ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے کہ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو حلیمہ سعدیہ بنی سعد کی دیگر عورتوں کے ساتھ دودھ پینے والے بچہ کی تلاش میں مکہ آئیں۔

حلیمہ کہتی ہیں: میں اپنی ایک سفید مائل بسرخی گدھی پر سوار ہو کر دیگر عورتوں اور اپنے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ کے ساتھ نکلی جو قبیلۂ بنی سعد ہی کے ایک فرد تھے۔ میری سواری کے گھٹنے آپس میں ٹکرا ٹکرا کر زخمی ہو گئے تھے۔ میرے ساتھ ایک بوڑھی اونٹنی بھی تھی جو اللہ کی قسم! ایک قطرہ بھی دودھ نہیں دیتی تھی۔ اور زمانہ قحط سالی کا تھا، لوگ بھوک پیاس سے پریشان تھے، اور میرے ساتھ میرا ایک بیٹا تھا، اللہ کی قسم! وہ رات بھر نہیں سوتا تھا، اور میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے میں اُسے بہلاتی، ہم تو صرف بارش کا انتظار کر رہے تھے، ہمارے پاس کچھ بکریاں تھیں، جن سے ہم دودھ کی امید لگائے ہوئے تھے۔

جب ہم مکہ پہنچے تو ہم میں سے ہر ایک نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، لیکن انھیں لینا پسند نہیں کیا۔ ہم سب کہتے تھے: یہ تو یتیم ہے، دودھ پلانے والی عورت کا خیال تو لڑکے کا باپ کرتا ہے، اس کی ماں یا اس کے چچا یا اس کے دادا ہمیں کیا دیں

---

❶ صحیح البخاري، کتاب النکاح: حدیث (۵۱۰۱)، صحیح مسلم، کتاب الرضاعة: حدیث (۱۴۴۹)، ابوداؤد: حدیث (۲۰۵۶)، ابن ماجه، کتاب النکاح: حدیث (۱۹۳۹)، نسائي، النکاح: ۶/۹۶، طبقات ابن سعد: ۱/۱۰۸.

❷ مختصر تاریخ ابن کثیر: ص/۱۹،۲۰.

گے؟ میری تمام ساتھیوں کو دودھ پینے والے بچے مل گئے۔ مجھے رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی نہ ملا۔ میں ان کے پاس واپس گئی اور انہیں لے لیا۔ اللہ کی قسم! میں نے ان کو اس لیے لے لیا کہ مجھے ان کے سوا کوئی بچہ نہ ملا۔ میں نے اپنے شوہر سے کہا: اللہ کی قسم! میں تو بنی عبدالمطلب کے اس یتیم بچے کو ضرور لے لوں گی۔ امید ہے کہ اللہ ہم سب کو اس سے نفع پہنچائے گا۔ میں اپنی ساتھیوں کے ساتھ کوئی بچہ لیے بغیر واپس نہیں جاؤں گی۔ انہوں نے کہا: تمہاری رائے مناسب ہے۔

حلیمہ کہتی ہیں: میں اسے لے کر اپنے خیمے میں آ گئی۔ اللہ کی قسم! جوں ہی میں خیمے میں داخل ہوئی، میری دونوں چھاتیاں دودھ سے بھر گئیں، یہاں تک کہ میں نے ان کو یعنی رسول اللہ ﷺ کو اور ان کے بھائی کو پیٹ بھر کر دودھ پلایا۔ اور ان کے باپ اونٹنی کے پاس گئے تو دیکھا کہ اس کا تھن دودھ سے بھرا ہوا ہے۔ انہوں نے اسے دوہا، مجھے پیٹ بھر کر پلایا، اور خود بھی سیراب ہوئے۔ انہوں نے کہا: اے حلیمہ! اللہ کی قسم! ہمیں ایک مبارک جان ملی ہے۔ اللہ نے ہمیں اس کے سبب وہ کچھ دیا ہے جس کی ہم امید نہیں کرتے تھے۔ حلیمہ کہتی ہیں: ہم اُس رات آسودہ ہو کر چین کی نیند سوئے۔ پہلے تو ہم اپنے بچے کے ساتھ رات کو سو بھی نہیں پاتے تھے۔

پھر ہم لوگ صبح کے وقت اپنے علاقے کی طرف واپس چل پڑے۔ میں اپنی سفید گدھی پر سوار ہوئی، اور آپ ﷺ کو اپنے ساتھ سوار کر لیا۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں حلیمہ کی جان ہے! میں تمام عورتوں سے آگے بڑھ گئی۔ وہ کہنے لگیں: ذرا ہمارا خیال کرو، کیا یہ تمہاری وہی گدھی نہیں ہے جس پر سوار ہو کر تم اپنے گھر سے چلی تھی؟ میں نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا: ہم جب چلے تھے تو اس کے گھٹنے زخمی ہو گئے تھے، اب یہ تبدیلی کہاں سے آ گئی؟ حلیمہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس پر ایک مبارک لڑکے کو اپنے ساتھ بٹھایا ہوا ہے۔

حلیمہ کہتی ہیں: ہم جب وہاں سے نکلے تو ہر روز اللہ تعالیٰ ہمارے لیے خیر اور بھلائی میں اضافہ کرنے لگا، اور جب اپنے گاؤں واپس آئے تو پورا علاقہ قحط زدہ تھا، لوگوں کے چرواہے بکریاں لے کر صبح جاتے اور شام کو واپس آتے، اور بنی سعد کی بکریاں ویسی ہی بھوکی رہتیں، لیکن میری بکریاں آسودہ ہو کر دودھ سے بھری آتیں۔ ہم انہیں دوہتے اور پیتے۔ تو لوگ کہتے: حارث بن عبدالعزیٰ اور حلیمہ کی بکریوں کے ساتھ کیا ہوا ہے کہ وہ شام کے وقت آسودہ اور دودھ سے بھری آتی ہیں، اور تم سب کی بکریاں بھوکی واپس آتی ہیں؟ لوگ چرواہوں سے کہتے: تم بھی وہیں اپنی بکریاں چراؤ جہاں اُن کی بکریاں چرتی ہیں۔ چرواہے ایسا ہی کرتے، لیکن پھر بھی وہ بکریاں بھوکی آتیں، اور میری بکریاں آسودہ اور دودھ سے بھری آتیں۔

حلیمہ کہتی ہیں: آپ ﷺ اتنی تیزی سے نشو ونما پا رہے تھے کہ دوسرا کوئی بچہ اس معاملے میں ان کے مشابہ نہیں تھا۔ آپ ایک دن میں اتنا بڑھتے جتنا دوسرا بچہ ایک ماہ میں، اور ایک ماہ میں اتنا بڑھتے جتنا دوسرے بچے ایک سال میں۔ جب آپ نے دو سال مکمل کر لیے، تو میں اور میرے شوہر آپ کو لے کر مکہ آئے۔ ہم آپس میں کہتے تھے کہ اللہ کی قسم! ہم اس بچے کو اپنے آپ سے کبھی جدا نہیں کریں گے۔ جب ہم آپ کی ماں کے پاس آئے تو ان سے کہا: اللہ کی قسم! ہم نے کبھی اس سے زیادہ بابرکت بچہ نہیں دیکھا ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں مکہ کی وبا و امراض سے ڈر لگتا ہے، اس لیے تم اجازت دو کہ ہم اسے دوبارہ اپنے ساتھ لے جائیں، تاکہ تمہاری کوئی بیماری اس کو نہ لگ جائے۔ ہم برابر اصرار کرتے رہے، یہاں تک کہ

انہوں نے اجازت دے دی، تو ہم آپ ﷺ کو لے کر واپس بنی سعد آ گئے، اور اسی حال میں تین یا چار مہینے گزر گئے۔

ایک دن آپ ﷺ اور آپ کا رضاعی بھائی گھروں کے پیچھے اپنی چھوٹی بھیڑوں اور بکریوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ آپ ﷺ کا بھائی دوڑتا ہوا آیا، اُس وقت میں اور میرے شوہر اونٹوں کی دیکھ بھال میں لگے ہوئے تھے، اور کہا: میرے قریشی بھائی کے پاس دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے، انہیں پکڑ کر زمین پر ڈال دیا، اور اُن کا پیٹ چاک کر دیا ہے۔ میں اور میرے شوہر دوڑتے ہوئے نکلے تو آپ کو کھڑا ہوا پایا۔ آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا، آپ ہمیں دیکھ کر رونے لگے۔ حلیمہ کہتی ہیں: میں نے اور میرے شوہر نے ان کو چمٹا لیا اور پوچھا: بیٹے تمھیں کیا ہوا ہے؟ کہا: میرے پاس دو آدمی آئے، جنھوں نے مجھے زمین پر ڈال کر میرا پیٹ چیر دیا، اور اس میں کچھ کر کے پھر اُسے ویسا ہی کر دیا جیسا پہلے تھا۔ میرے شوہر نے کہا: اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ میرے بیٹے کو کچھ ہو گیا ہے؟ اے حلیمہ! تم جلد ہی اس کے گھر والوں کے پاس پہنچ کر کسی اندیشہ ناک بات کے ظاہر ہونے سے پہلے اسے لوٹا دو۔

حلیمہ کہتی ہیں: ہم انہیں لے کر ان کی ماں کے پاس چوتھا سال پورا ہونے سے پہلے ہی آ گئے۔ اس نے ہمیں دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا، اور کہا: میرے مانگنے سے پہلے ہی تم دونوں اسے لے کر کیوں آ گئے؟! حالانکہ پہلے تو تم اسے اپنے پاس رکھنے کے بہت ہی زیادہ خواہش مند تھے؟ ہم نے کہا: کوئی بات نہیں، سوائے اس کے کہ اللہ نے رضاعت کی مدت پوری کر دی، اور ہم اس کے حال سے اب خوش ہیں۔ ہم نے یہ بھی کہا کہ اب ہم یہ پسند کرتے ہیں کہ اسے تمہارے پاس رہنے دیں، جیسا کہ تم سب کی خواہش تھی۔

راوی کہتے ہیں کہ آمنہ نے کہا: تم دونوں کے دل میں ضرور کوئی بات ہے، مجھے بتاؤ، اور جب تک ہم نے اسے بتا نہیں دیا، اس نے ہمیں نہیں چھوڑا۔ تب آمنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اسے کوئی تکلیف نہیں ہونے دے گا۔ میرا بیٹا یقیناً بڑی شان والا ہے، کیا میں تمھیں اس کے بارے میں ایک بات نہ بتا دوں؟ میں جب حمل سے ہوئی تو اللہ کی قسم! اس سے زیادہ میرے لیے کوئی چیز ہلکی اور آسان نہیں تھی، اور میں نے اپنے جسم سے ایک نور کو نکلتے دیکھا، جس نے بُصریٰ میں اونٹوں کی گردنوں کو روشن کر دیا۔ یا کہا: بُصریٰ کے محلوں کو روشن کر دیا۔ پھر جب میں نے اسے جنا تو اللہ کی قسم! وہ زمین پر اس طرح نہیں گرا جیسے سارے بچے گرتے ہیں، بلکہ اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیکے ہوئے اپنے سر کو آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھا۔ تم دونوں اس کی فکر نہ کرو۔ پھر آمنہ نے آپ کو اُن سے لے لیا، اور وہ دونوں اپنے گاؤں واپس چلے گئے۔ ❶

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ حلیمہ کے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ کی کنیت ابوکبشہ تھی، اس لیے مشرکینِ مکہ نبی کریم ﷺ کا

---

❶ صحیح ابن حبان بحوالہ موارد الظمآن: ص/ ۵۱۲، ۵۱۳، المعجم الکبیر، طبرانی: ۲۴/ ۲۱۲-۲۱۵، دلائل البیهقی: ۱/ ۱۳۳-۱۳۶، المطالب العالیہ ۴/ ۱۶۷-۱۷۱، ابو یعلیٰ بحوالہ مجمع الزوائد: ۸/ ۲۲۱۔ ان سب نے ابن اسحاق کے واسطے سے روایت کی ہے، اور ابن اسحاق نے سماع کی صراحت کر دی ہے، اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۸/ ۲۲۷) میں کہا ہے: اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور طبرانی نے اسی کی مانند، مگر انہوں نے کہا ہے کہ حلیمہ بنت ابی ذؤیب، اور ان دونوں کے رجال ثقات ہیں، اور ذہبی رحمہ اللہ نے السیرۃ النبویہ: ص/ ۸۱ میں کہا ہے: یہ حدیث جید الاسناد ہے۔ اور اس حدیث کے بہت سے ٹکڑوں کے شواہد ملتے ہیں جو انہیں قوت پہنچاتے ہیں، اس لیے حدیث اپنے شواہد کے سبب حسن ہے۔

استہزاء کرتے ہوئے آپ ﷺ کو ابن ابی کبشہ کہا کرتے تھے۔ ان کا نسب بکر بن ہوازن سے ملتا ہے۔ اور حلیمہ سے ان کے چار بچے تھے؛ عبداللہ، حذافہ، انیسہ اور شیماء۔ چنانچہ یہ سب کے سب رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی بہن ہو گئے، اور شیماء اپنی ماں کی طرح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لگی رہتی تھیں چونکہ یہ بڑی تھیں۔ ❶

شقِ صدر اور شیطان کے حصہ کا نکالا جانا:

حلیمہ سعدیہ نے نبی کریم ﷺ کو دودھ پلانے کا جو واقعہ بیان کیا ہے، اس میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ دو سفید پوش آدمی آپ ﷺ کے پاس آئے، جب آپ ﷺ بنی سعد میں تھے، آپ کا پیٹ چاک کیا، اور اس میں کچھ کیا، پھر جس طرح آپ پہلے تھے ویسا ہی لوٹا دیا۔ آپ ﷺ کے شقِ صدر کے واقعہ کی تائید کئی دیگر صحیح احادیث سے ہوتی ہے جنہیں میں نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اُن کی اہمیت اور رسالتِ محمدی کے ساتھ ان کے قوی ربط وتعلق کے سبب یہاں بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

ان احادیث سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے خالق، تورات اور انجیل کو نازل کرنے والے، انبیاء ورسل علیہم السلام کو مبعوث کرنے والے باری تعالیٰ کے علم غیب میں یہ بات پوشیدہ تھی کہ محمد ﷺ نبی ورسول اور خاتم النبیین ہوں گے۔ اسی لیے مشیتِ الٰہی نے آپ کو اس بارگراں کو اٹھانے کا اہل بنانا چاہا۔ اور آپ کے دل سے شیطان کے حصے کو نکال باہر کیا، تاکہ آپ کی نشو ونما اس طرح ہو، کہ آپ شیطان کے وسوسوں، شبہوں اور دیگر آلائشوں سے طاہر ونقی رہیں، اور اسلام کے عظیم پیغام کو سارے بنی نوعِ انسان تک پہنچانے کے ہر طرح لائق وقابل بنیں۔ احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

(ا) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ یوں بیان کیا ہے: آپ ﷺ کچھ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے، اور آپ ﷺ کو زمین پر ڈال کر آپ کا پیٹ چاک کر دیا، اس میں سے آپ کا دل نکالا، پھر اس میں سے ایک ٹکڑا نکالا، اور آپ ﷺ سے کہا: یہ آپ کے اندر شیطان کا حصہ تھا۔ پھر آپ ﷺ کے دل کو سونے کے ایک طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا، پھر اسے صاف کر کے اس کی جگہ پر لوٹا دیا۔ لڑکے دوڑتے ہوئے آپ کی رضاعی ماں کے پاس آئے، اور کہنے لگے: محمد ﷺ قتل کر دیے گئے، لوگ جب آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ ❷

(ب) اور ابن اسحاق رحمہ اللہ نے کئی صحابہ کرام سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ ہمیں اپنے بارے میں بتائیے، تو آپ ﷺ نے دورانِ گفتگو فرمایا: میں بنی سعد بن بکر میں دودھ پیتا رہا، ایک دن میں اور میرا رضاعی بھائی اپنے گھروں کے پیچھے بکریاں چرا رہے تھے کہ دو سفید پوش آدمی میرے پاس آئے، ان کے پاس سونے کے ایک طشت میں برف کا پانی بھرا ہوا تھا، دونوں نے مجھے پکڑ لیا، میرا پیٹ چیر دیا، میرا دل نکالا، پھر اُسے چیر دیا، اور اس میں سے ایک کالا ٹکڑا نکال کر پھینک دیا، پھر اُس برفیلے پانی سے میرا دل اور پیٹ دھویا، یہاں تک کہ انہیں

---

❶ سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۱۶۰، ۱۶۱۔ ❷ صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسراء: حدیث (۲۶۱)، مسند احمد: ۳/ ۱۲۱، مستدرک حاکم: ۲/ ۲۱۶، ۲۱۷، مقدمہ سنن دارمی: ۱/ ۸، ۹۔

صاف کر دیا (الحدیث)۔ ❶

(ج) اس واقعہ کی شاہد مسند امام احمد اور دلائل النبوۃ میں ابونعیم کی وہ روایت بھی ہے جسے ان دونوں محدثین نے عتبہ بن عبد سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ! آپ کی ابتدائے حیات کس طرح ہوئی؟ تو آپ ﷺ نے بنی سعد میں اپنے دودھ پینے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ چیل کے مشابہ دو سفید چڑیاں آئیں، اور ایک نے دوسرے سے کہا: کیا یہی ہیں وہ؟ اس نے کہا: ہاں، تو دونوں نے تیزی کے ساتھ بڑھ کر مجھے پکڑ لیا، اور گدی کے بل ڈال دیا، پھر میرا پیٹ چاک کر کے میرا دل نکالا، پھر اسے چاک کر کے اس میں سے دو سیاہ ٹکڑے نکالے، پھر ایک نے دوسرے سے کہا: پانی اور برف لاؤ، پھر دونوں نے اس سے میرا پیٹ دھویا، پھر کہا: اولے کا پانی لاؤ، پھر اس سے میرا دل دھویا، پھر کہا: سکینت اور اطمینان لاؤ، پھر اسے میرے دل میں چھڑک دیا، پھر ایک نے دوسرے سے کہا: اس کی سلائی کر دو، تو اس نے اس کی سلائی کر دی، اور میرے دل پر ختم نبوت کی مہر لگا دی...... الحدیث۔ ❷

والدہ کی وفات اور دادا کی کفالت:

بنی سعد سے واپس آنے کے بعد نبی کریم ﷺ اپنی ماں کے پاس رہنے لگے، اور اللہ کی حفاظت وحمایت میں آپ کی پرورش و پرداخت ہونے لگی، حتی کہ آپ کی عمر کا چھٹا سال پورا ہوگیا۔ اس وقت آمنہ نے یثرب (مدینہ منورہ) کے بنی عدی بن نجار میں اپنے بیٹے کے ننہیال والوں کی زیارت کرنی چاہی۔ اُن کا ارادہ اپنے شوہر کی قبر کو بھی دیکھنا تھا؛ چنانچہ وہ اپنے بیٹے اور اپنی خادمہ امّ ایمنؓ کے ساتھ مکہ سے روانہ ہو کر تقریباً چار سو پچاس کلومیٹر کی مسافت طے کر کے یثرب پہنچیں، وہاں ایک ماہ قیام کیا، پھر مکہ کے لیے واپس لوٹ گئیں، راستہ میں مکہ اور یثرب (مدینہ منورہ) کے درمیان ابواء نامی مقام پر بیمار پڑ گئیں، اور وہیں وفات پا گئیں، اور اسی جگہ دفن کر دی گئیں۔ رسول اللہ ﷺ سیدہ برہ امّ ایمنؓ کے ساتھ مکہ واپس آ گئے۔ اب آپ ﷺ باپ اور ماں دونوں طرف سے محروم ویتیم ہو چکے تھے، لیکن حفاظتِ الٰہی اور عنایتِ ربانی آپ پر ہر جانب سے سایہ فگن تھی۔

مکہ پہنچنے کے بعد آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے جب آپ کو امّ ایمن رضی اللہ عنہا سے اپنی گود میں لیا تو آپ کو دیکھ کر بہت ہی زیادہ غمگین ومتاثر ہوئے، اور ماں اور باپ دونوں جانب سے آپ کی یتیمی کے سبب آپ کو اپنے بیٹوں پر ترجیح دینے لگے، اور غایت درجہ ان کا خیال رکھنے لگے، اور آپ ﷺ کی حرکات اور اٹھنے بیٹھنے کی ادا کو دیکھ کر نہایت خوش ہوتے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اپنے دادا عبدالمطلب بن ہاشم کے ساتھ رہنے لگے۔ عبدالمطلب کے لیے کعبہ

---

❶ مسند احمد: ۵/ ۲۶۲، ابن اسحاق: ۱/ ۱۷۵، مستدرک حاکم: ۲/ ۶۰۰، حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، اور ذہبیؒ نے ان کی تائید کی ہے۔ ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے کہا ہے: اس کی سند جید اور قوی ہے، اور اس کے کئی شواہد ہیں، اور ابن اسحاق کی روایت انہی شواہد میں سے ہے۔

❷ مسند احمد: ۴/ ۱۸۴، ۱۸۵، مستدرک حاکم: ۲/ ۶۱۶، ۶۶۷، المعجم الکبیر، طبرانی: ۱۷/ ۱۳۱؛ مقدمہ سنن دارمی: ۱/ ۸۔ ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے کہا ہے: اس حدیث کے رجال ثقات ہیں، اور بقیہ راویوں نے روایتِ حدیث کی تصریح کر دی ہے، اس لیے یہ حدیث صحیح ہے، اور حاکم نے کہا ہے: یہ مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے۔

کے سائے میں ایک چادر بچھائی جاتی تھی، جس کے اردگرد ان کے بیٹے بیٹھ کر اُن کا انتظار کرتے تھے، اور اُن کے غایت احترام میں اُن کا کوئی بیٹا اُس چادر پر نہیں بیٹھتا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ آتے اور اس پر بیٹھ جاتے (اس وقت آپ ﷺ ایک صحت مند اور بھاری بدن کے لڑکے تھے) آپ ﷺ کے چچا حضرات انہیں پکڑ کر چادر سے ہٹانے لگتے تو عبدالمطلب کہتے: میرے بیٹے کو چھوڑ دو، اللہ کی قسم! یہ بڑی شان والا ہوگا۔ پھر آپ کو اپنے ساتھ اس چادر پر بٹھا لیتے، اور اپنا ہاتھ آپ کی پیٹھ پر پھیرتے۔ عبدالمطلب کو آپ ﷺ کی ہر حرکت و ادا سے خوشی ہوتی تھی۔ ❶

طبرانی، بیہقی، ابن سعد اور دیگر مؤرخین نے کندیر بن سعید سے اُن کے باپ کے حوالہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں:
میں نے جاہلیت میں حج کیا تو ایک آدمی کو طواف کی حالت میں ایک شعر پڑھتے سنا:

اے میرے رب! میرے سوار محمد کو لوٹا دے
اُسے میرے پاس لوٹا کر مجھ پر احسان کر دے

میں نے کہا: اس کی مراد کیا تھی؟ اس نے کہا: عبدالمطلب بن ہاشم کے کچھ اونٹ کہیں نکل گئے، انہوں نے اپنے پوتے کو ان کی تلاش میں بھیجا، انہیں کچھ دیر ہوگئی۔ اور اس سے پہلے عبدالمطلب نے جب بھی کسی کام کے لیے ان کو بھیجا تو اسے کر کے فوراً واپس آگئے۔ راوی کہتے ہیں: کچھ ہی دیر کے بعد نبی کریم ﷺ اونٹوں کو لے کر واپس آگئے تو عبدالمطلب نے کہا: اے میرے بیٹے! میں تمہارے لیے عورت کی طرح حزین و غمگین ہوگیا تھا، مجھ سے کبھی الگ نہ رہو۔ ❷

آپ ﷺ سے متعلق، جب آپ اپنے دادا کی کفالت میں تھے، اہم ترین خبروں میں سے ایک یہ خبر بھی ہے کہ بنی مدلج کے کچھ قیافہ شناس مکہ آئے، انہوں نے جب آپ ﷺ کو دیکھا، تو آپ کے دادا سے کہا: اس کی خوب نگرانی کرتے رہیے، ہم نے اس بچے کے قدم کے سوا مقام ابراہیم میں موجود قدم سے زیادہ مشابہ کبھی کوئی قدم نہیں دیکھا۔ عبدالمطلب نے ابوطالب سے کہا: یہ لوگ جو کہہ رہے ہیں اسے غور سے سنو! اور اس کی پوری طرح حفاظت کرتے رہو۔ اُس وقت آپ ﷺ کی عمر تقریباً سات سال تھی۔ ❸

عبدالمطلب نے لمبی عمر پائی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات ایک سو بیس سال کی عمر میں ہوئی، جب نبی کریم ﷺ آٹھ سال کے ہوئے تو ان کی وفات ہوگئی۔ مقبرۂ حجون میں دفن کردیے گئے۔ انہوں نے اپنی وفات سے پہلے یہ مناسب سمجھا کہ اپنے پوتے کی کفالت آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے ذمے لگا دیں، جو آپ ﷺ کے والد عبداللہ کے سگے بھائی تھے۔

❁❁❁❁

---

❶ سيرة ابن هشام: ١/ ١٦٨

❷ المعجم الكبير، طبراني: ٢٤/ ٥٥، دلائل البيهقي: ٢/ ٢٠، ٢١، طبقات ابن سعد: ١/ ١١١، مستدرك حاكم: ٢/ ٦٠٣، ٦٠٤.
حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے۔

❸ مختصر السيرة علامه عبدالله بن الشيخ محمد بن عبدالوهاب: ص/ ٢١.

ابو طالب کی کفالت میں

رسول اللہ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے پاس پلتے بڑھتے جوان ہوگئے، اور اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت کرتا رہا، اور ابو طالب نے اپنے بھتیجے کا حق پورے طور پر ادا کیا۔ انہوں نے آپ کو اپنی اولاد کے ساتھ ملا لیا، اور آپ کو ان سب پر فوقیت دینے لگے۔ جب آپ آٹھ سال کے تھے اس وقت سے نبوت کے دسویں سال تک پورے بیالیس (۴۲) سال انہوں نے آپ ﷺ کا پورا خیال رکھا، آپ ﷺ کا دفاع کیا، ہر طرح سے آپ کی راحت و آرام کا خیال کیا، اور آپ ﷺ کے مقام نبوت کے مطابق آپ کی عزت کی۔

جاہلیت کی آلائشوں اور بتوں کی پرستش سے حفاظت:

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی، نبوت عطا ہونے کے پہلے ہی سے جاہلیت کی گندگیوں اور بُرے اخلاق سے حفاظت کی جو شرفاء کے شایانِ شان نہیں تھے۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں قریش کے دیگر لڑکوں کے ساتھ پتھر اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا رہا تھا، تمام بچوں نے ننگے ہو کر اپنی ازار اپنی گردن پر ڈال لی تھی، تاکہ اس پر پتھر ڈھو سکیں۔ میں ان کے ساتھ آ جا رہا تھا کہ اچانک کسی نے مجھے ایک تکلیف دہ گھونسا مارا اور کہا: اپنی ازار پہن لو۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: میں نے ازار پہن لی، اور اپنی گردن پر پتھر ڈھونے لگا، میں اپنے ساتھیوں میں تنہا ازار پہنے ہوا تھا۔

امام بخاری و امام مسلم نے عبدالرزاق کی سند سے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب کعبہ کی تعمیر کی گئی، تو رسول اللہ ﷺ بھی پتھر ڈھونے کے لیے گئے۔ عباسؓ نے آپ سے کہا: پتھر ڈھونے کے لیے اپنی ازار اپنے کندھے پر ڈال لو، آپ ﷺ نے ایسا کیا تو فوراً ہی زمین پر گر پڑے، اور آپ کی دونوں آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھ گئیں، پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور کہا: مجھے میری ازار دو، آپ ﷺ نے فوراً اپنی ازار پہن لی۔ ❶

امام بیہقی رحمہ اللہ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ تانبے کا بنا ہوا ایک بُت تھا، جس کا نام اِساف و نائلہ تھا، مشرکین حالتِ طواف میں اس پر ہاتھ پھیرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے طواف کیا، اور میں نے بھی ان کے ساتھ طواف کیا، جب میں اس بُت کے پاس سے گزرا تو اس پر اپنا ہاتھ پھیرا، آپ نے فرمایا: اسے مت ہاتھ لگاؤ۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے دل میں سوچا، میں اِسے ضرور ہاتھ لگاؤں گا، تاکہ دیکھوں کیا ہوتا ہے؟ میں نے اسے دوبارہ ہاتھ لگایا، تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں روکا نہیں گیا تھا؟ بیہقی کی ایک دوسری روایت میں ہے: زید رضی اللہ عنہ نے کہا: اُس اللہ کی قسم جس نے آپ کو عزت بخشی اور آپ پر کتاب نازل کی! آپ نے کبھی بھی کسی بُت پر ہاتھ نہیں پھیرا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا، اور اپنی کتاب نازل کی۔ ❷

---

❶ صحیح بخاری: ۱/ ۳۷۷، صحیح مسلم: ۱/ ۱۸۴۔ ❷ مختصر تاریخ ابن کثیر: ص/ ۲۸۔

چچا کے ساتھ شام کا سفر اور بحیرا راہب کی بات:

نبی کریم ﷺ ابو طالب کے گھر میں رہتے رہے، اور عمر کے ساتھ آپ ﷺ کی عقل اور قوت ادراک واحساس ترقی کرتی رہی۔ چچا کے ساتھ آپ کی وفاداری کا تقاضا تھا کہ تلاشِ معاش سے متعلق ان کی تگ ودو میں شرکت کریں، اس لیے کہ ابو طالب کثیر العیال اور قلیل المال تھے۔ آپ نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ انہیں رزقِ حلال کی تلاش میں اپنے چچا کا ہاتھ بٹانا چاہیے، چنانچہ جب آپ ﷺ بارہ سال کے ہوئے اور آپ کے چچا نے تجارت کے لیے ملکِ شام کا سفر کرنا چاہا تو آپ نے ان سے کہا کہ وہ بھی ان کے ساتھ چلیں گے، تاکہ سفر کی ضروریات اور کاروباری امور میں اُن کی مدد کریں، اور آپ مصر رہے، یہاں تک کہ ابو طالب نے اُن کی بات مان لی، اور دونوں ایک ساتھ سفر پر روانہ ہوئے۔

جب یہ تجارتی قافلہ حدودِ شام پر موجود شہر "بصریٰ" پہنچا تو راستہ کی تھکاوٹ دور کرنے کے لیے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، جس کے قریب بحیرا نامی راہب کا عبادت خانہ تھا، یہ راہب انجیل کا علم رکھتا تھا۔

راویٔ حدیث ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: راہب نکل کر ان کے پاس آیا، اس سے پہلے جب یہ لوگ وہاں پڑاؤ ڈالتے تو وہ نکل کر اُن کے پاس نہ آتا اور نہ ان کی طرف متوجہ ہوتا۔ قافلہ والے جب اپنا سامانِ سفر کھول رہے تھے تو راہب لوگوں کے درمیان سے چلتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گیا، اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا: یہ تو سارے عالم کے سردار ہیں، یہ تو رب العالمین کے رسول ہیں، اللہ نے انہیں رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے، یہ سن کر کچھ عمر رسیدہ قریشیوں نے کہا: تمہیں اس بات کا کیسے علم ہوا؟ اس نے کہا: تم لوگ جب گھاٹی کے قریب پہنچے تو ہر شجر وحجر سجدے میں گر گیا تھا، اور یہ دونوں صرف کسی نبی کو ہی سجدہ کرتے ہیں، اور میں ان کو اُس ختمِ نبوت کے ذریعہ پہچانتا ہوں جو سیب کی مانند آپ کے کندھے کے نیچے پایا جاتا ہے۔

راہب فوراً عبادت گاہ میں لوٹا، اور ان سب کے لیے کھانا بنا کر لے آیا۔ اس وقت آپ (ﷺ) اونٹوں کی دیکھ بھال میں لگے تھے۔ لوگوں نے کہا: محمد کو بلا لیا جائے: جب آپ آئے تو ایک بادل آپ پر سایہ فگن تھا، جب آپ لوگوں کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ سب درخت کے سایے تک آپ سے سبقت کر کے پہنچ گئے تھے۔ جب آپ بیٹھ گئے تو وہ درخت آپ پر سایہ فگن ہو گیا۔ راہب نے کہا: لوگو! دیکھو درخت کا سایہ ان کی طرف مائل ہو گیا۔ [1]

اس قصے کی ایک روایت میں آیا ہے کہ بحیرا آپ ﷺ کے مونڈھے پر کسی چیز کو تلاش کرنے لگا، وہاں اس نے ختمِ نبوت کو دیکھا، اور ابو طالب سے از راہِ خیر خواہی کہا کہ وہ آپ کو لے کر مکہ لوٹ جائیں، اس لیے کہ آپ کو یہود سے خطرہ ہے، جو آپ کے خلاف اپنے دل میں بُرائی چھپائے ہوئے ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا: آپ کے بھتیجے بڑی شان والے ہوں گے! چنانچہ ابو طالب نے آپ کو ایک آدمی کے ساتھ مکہ واپس بھیج دیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: ابو طالب ملکِ شام میں اپنی تجارت

---

[1] ترمذی: حدیث (۳٦۲۰)، مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث (۱۸۳۹۰)، ابو نعیم: ص/ ۵٦، ۵٤، دلائل البیہقی: ۱/ ۳۰۷-۳۱۲، مستدرک حاکم: ۲/ ٦۱۲، السیرۃ النبویۃ، ذہبی: ص/ ۲۷، ۲۸۔ اسے حاکم نے شیخین کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے جزری سے اس کی تصحیح نقل کی ہے، اور خود بھی اس کی تصحیح کی طرف میلان کا اظہار کیا ہے، تعلیق الألبانی علی فقہ السیرۃ للغزالی: ص/ ٦۸، اور طبرانی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

سے جلد از جلد فارغ ہوکر آپ کو لے کر خود مکہ واپس آ گئے۔ ❶

فجار کی لڑائی:

یہ لڑائی قریش وکنانہ اور قیس عیلان کے درمیان ہوئی تھی، اس وقت آپ ﷺ کی عمر پندرہ سے انیس سال کے درمیان تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ قیس والوں نے حرم اور حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی کی تھی، اسی لیے اس کا نام فجار کی لڑائی پڑ گیا۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ بنی ضمرہ بن بکر بن عبد مناف بن کنانہ کے براض بن قیس نامی ایک آدمی نے قبیلۂ ہوازن کے عروہ الرحال نامی ایک آدمی کو حرمت کے مہینے میں بازار عکاظ میں قتل کر دیا۔ ایک آدمی نے آ کر قریش کو اس کی خبر دی، اور کہا کہ براض نے عروہ کو حرمت کے مہینے میں عکاظ میں قتل کر دیا ہے۔ یہ سن کر قریش والے ان لوگوں سے جنگ کے لیے چل پڑے۔ جب ہوازن کو اس کی خبر ہوئی تو ان کے پیچھے وہ بھی چل پڑے، اور دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو حرم میں داخل ہونے سے پہلے پا لیا، اور رات گئے تک لڑتے رہے۔ پھر اہل قریش حرم میں داخل ہو گئے، تو ہوازن ان کا پیچھا کرنے سے رُک گئے۔ اس کے بعد بھی کئی دن تک ان میں لڑائی ہوتی رہی۔ اس لڑائی میں کنانہ اور قریش کا قائد حرب بن امیہ بن عبد شمس تھا۔ پہلے دن میدانِ جنگ ہوازن کے ہاتھوں میں رہا، اس کے بعد نبی کریم ﷺ اپنی قوم کے ساتھ اس لڑائی میں شریک ہوئے تو جنگ کا نقشہ بدل گیا، اور قریش والے غالب آ گئے۔ اس جنگ کی کہانی طویل ہے، جسے ابن ہشام نے اپنی کتاب السیرۃ میں بیان کیا ہے، جس کے ذکر کرنے کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔

اس واقعہ کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس جنگ میں کئی دن شریک ہوئے، آپ ﷺ کو آپ کے چچا حضرات اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس جنگ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: میں اپنے چچا حضرات کو کمان میں تیر بھر کر دیا کرتا تھا۔

قریش اور نبی کریم ﷺ کے لیے یہ جنگ اس اعتبار سے اہم تھی کہ اس کا مقصد سرزمینِ حرم اور حرمت کے مہینوں کے احترام کا دفاع کرنا تھا، تاکہ مکہ، اس کی سرزمین اور اس کا حرم ہمیشہ کی طرح امن وسلامتی اور راحت وسکون کا ہر اس شخص کے لیے گہوارہ رہے، جو یہاں بیت اللہ کے طواف اور مناسکِ حج کی ادائیگی کے لیے آئے۔ ❷

حِلْفُ الْفُضُول (عہد نامہ کارہائے خیر):

یہ عہد نامہ جنگِ فجار کے بعد ذی القعدہ کے مہینہ میں ہوا تھا، اُس وقت نبی کریم ﷺ کی عمر تقریباً بیس سال تھی۔ سب سے پہلے جس نے لوگوں کو اس کی دعوت دی وہ زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ یمن کے قبیلہ زبید کا ایک آدمی کچھ سامانِ تجارت لے کر مکہ آیا، جسے عاص بن وائل نے اس سے خریدا، اور اس کی قیمت دینے سے انکار کر دیا۔ زبیدی نے مکہ میں موجود اپنے حلیفوں سے کہا کہ وہ لوگ اس کا حق دلائیں، لیکن کسی نے اس کی مدد نہیں کی، تو وہ شخص جبل ابی قبیس پر

---

❶ سیرۃ ابن هشام: ۱/۱۸۳، والسیرۃ النبویۃ، ذهبی: ص/۲۷-۲۹.

❷ دیکھئے: السیرۃ النبویۃ، ذهبی: ص/۳۰، فقه السیرۃ: ص/۷۴، مختصر تاریخ ابن کثیر: ص/۲۸-۳۰، اور سیرۃ ابن هشام: ۱/۱۸۴-۱۸۷.

طلوع آفتاب کے وقت چڑھ گیا۔ اُس وقت قریش والے کعبہ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے، اور بلند آواز میں لوگوں کو پکارنے لگا، تاکہ وہ اس کا حق دلانے میں اس کی مدد کریں۔ چنانچہ ہاشم، زہرہ، اسد، مخزوم اور تیم بن مرہ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے، اور آپس میں اللہ کے نام پر ایک عہد نامے پر متفق ہوئے کہ وہ سب ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کے لیے ایک ہوں گے، تاکہ اسے اس کا حق دلایا جائے۔

یہ ابن جدعان ایک کریم النفس آدمی تھا جو بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا، اور مہمانوں کی میزبانی کرتا تھا، اور ام المؤمنین عائشہؓ کے رشتہ داروں میں سے تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا کہ کیا قیامت کے دن اس کا یہ جود وکرم اس کے لیے نفع بخش ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اس نے ایک دن بھی نہیں کہا کہ میرے رب، قیامت کے دن میرے گناہوں کو معاف کردے۔ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے اپنی کتاب الصحیح میں روایت کیا ہے۔

قریش نے اس عہد نامے کا نام حِلْفُ الفضول یعنی عہد نامۂ کارہائے خیر رکھا۔ عربوں کی تاریخ میں یہ سب سے پاکیزہ مقاصد والا عہد نامہ گزرا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے اس میں شرکت کی تھی، اور اس سے بہت زیادہ خوش ہوئے تھے۔ ابن اسحاق نے طلحہ بن عبداللہ بن عوف زہری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں اس عہد نامہ کے وقت موجود تھا، اور یہ میرے نزدیک سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ قیمتی اور محبوب تھا۔ اگر مجھے عہدِ اسلام میں بھی ایسے عہد نامے کی دعوت دی جاتی تو اسے فوراً قبول کرلیتا۔ ❶

اس کا نام نبی کریم ﷺ نے حِلْفُ الْمُطَيَّبِين (اچھے لوگوں کا عہد نامہ) رکھا۔ اُس حِلْفُ الْمُطَيَّبِين کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے جس پر قصی کی موت کے بعد بنی عبدمناف والوں نے اتفاق کیا تھا، تاکہ بنی عبدالدار سے زائرینِ حرم کو پانی پلانے، اُن کی میزبانی کرنے، عَلَم برداری، دارالندوہ اور بابِ کعبہ کی نگرانی جیسے اپنے چھینے ہوئے حقوق کو واپس لے سکیں۔ بیہقی نے جبیر بن مطعمؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے چچازاد لوگوں کے ساتھ اس عہد نامے کے وقت موجود تھا، اور میں اسے ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ سرخ اونٹوں کے بدلے اس کی خلاف ورزی کروں۔ ❷

بیہقی نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس عہد نامہ کے علاوہ قریش کے کسی عہد نامے میں شریک نہیں ہوا، اور میں اسے ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ سرخ اونٹوں کے بدلے اسے توڑ دوں۔ ❸ اور بیہقی نے جو حدیثیں روایت کی ہیں وہ صحیح ہیں، اس لیے ہمارے لیے یہ کہنے کے سوا چارہ نہیں کہ آپ ﷺ نے حِلْفُ الْمُطَيَّبِين سے حلف الفضول مراد لی تھی۔ اور اس عہد نامہ کے سبب خوشی کی جو چمک آپ ﷺ کے کلمات سے ظاہر ہوتی ہے، وہی

---

❶ سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۱۳۳، ۱۳۴، مختصر تاریخ ابن کثیر: ص/ ۳۲، ۳۱۔

❷ شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کی سند حسن ہے، اور اس کی تخریج اپنی کتاب "الصحیحۃ" میں حدیث (۱۹۰۰) کے تحت کی ہے۔ دیکھئے ان کی کتاب صحیح السیرۃ النبویۃ: ص/ ۳۵۔

❸ اسے ابن حبان نے بھی روایت کی ہے، یہ بات ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے کہی ہے، اور اس کی تخریج اپنی کتاب "الصحیحۃ" میں حدیث (۱۹۰۰) کے تحت کی ہے۔

دینِ اسلام کی روح ہے جس کا آفتابِ عالم تاب بعثتِ محمدی کے ساتھ طلوع ہوا، اس لیے کہ ظالم کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونا، چاہے وہ جتنا بڑا آدمی ہو، اور مظلوم کی مدد، چاہے وہ جتنا معمولی انسان ہو، اور بھلائی کا حکم دینا، اور برائی سے روکنا، اور اللہ کے حدود کی پابندی، یہی وہ دائمی اصول ومبادی ہیں جن کے سبب یہ دینِ اسلام ہر زمان ومکان کا دین ہے۔

بکریاں چرانا اور تلاشِ معاش کے لیے تگ ودو:

نبی کریم ﷺ یتیم پیدا ہوئے تھے اور والد سے آپ کو صرف پانچ اونٹ، بکریوں کا ایک ریوڑ اور ایک حبشی لونڈی وراثت میں ملی تھی، جس کا نام برکہ اور کنیت ام ایمن تھی، جن کا ذکرِ خیر آپ کی پرورش وپرداخت کرنے والی عورتوں کے ضمن میں ہو چکا ہے۔

پھر آپ حلیمہ کے پاس بنی سعد پہنچ گئے، اور ان کے ساتھ رہنے لگے، جب چلنے پھرنے لگے، اور بعض چھوٹے کام کرنے لگے تو اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے لگے۔ اور جب اپنی ماں کے پاس مکہ واپس آئے، اور کچھ بڑے ہوئے، تو حصولِ رزق کے لیے چند ٹکوں کے عوض اہلِ مکہ کی بکریاں چرانے لگے، تاکہ اپنے چچا ابو طالب کی مدد کرسکیں، جن کے ساتھ آپ رہائش پذیر تھے، اور جو قلیل المال اور کثیر العیال آدمی تھے۔

بخاری ومسلم نے کتاب الاجارہ میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب بھی کوئی نبی مبعوث کیا تو اس نے بکریاں چرائیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اور آپ ﷺ؟ تو فرمایا: ہاں، میں بھی چند سکوں کے عوض اہلِ مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ [1]

امام حاکم نے علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ نے دورِ جاہلیت کے کاموں سے مجھے بچایا۔ اس میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک رات میں نے ایک لڑکے سے کہا: جو میرے ساتھ بکریاں چراتا تھا کہ اگر تم میری بکریوں کا خیال رکھو تو میں مکہ جاؤں، اور وہاں دیگر جوانوں کی طرح قصوں اور کہانیوں کی مجالس میں ان کے ساتھ شرکت کروں۔ [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا نبوت سے قبل بکریاں چرانا اس حکمت کا حامل ہے کہ اس طرح انہیں اپنی قوم کی قیادت اور دیکھ بھال کے لیے ٹریننگ حاصل ہو جائے، اور حلم وبردباری اور شفقت کے عادی بن جائیں۔ اس لیے کہ بکریاں چرانے، ان کے بکھر جانے کے بعد انہیں جمع کرنے، انہیں ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ تک لے جانے، اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کا صبر آزما کام کرنے کے سبب ان کے مزاج، ان کی کمزوری اور ان کی دیکھ بھال کی ضرورت کو وہ خوب جان جاتے تھے، اور اس طرح اپنی قوم کی ہدایت ورہنمائی کی راہ میں انہیں جو تکلیف اٹھانی پڑتی تھی، اس پر صبر کرتے تھے۔

---

[1] صحیح البخاري، کتاب الإجارة: حدیث (۲۲۶۲)۔

[2] مستدرك حاکم: ۲٤٥/٤. حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور دیکھئے: الکامل، ابن الأثیر: ۳۸/۲.

کاروبار تجارت:

اہلِ مکہ کے جو حالات اُوپر بیان کیے جا چکے ہیں، ان سے ہم نے یہ بات جان لی ہے کہ ان کی مالی قوت کا بنیادی سبب قبائل عرب، ملکِ شام، یمن، حیرہ، فارس، حبشہ اور دیگر علاقوں کے رہنے والوں کے ساتھ عہدِ قدیم سے تجارت کرنا تھا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے بھی اس پیشہ کو اختیار کیا۔ چنانچہ بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا کے ساتھ آپ ﷺ نے شام کا سفر کیا، تاکہ تجارت کے اَسرار و رموز کا علم حاصل کریں، اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ آپ ﷺ بڑے ہو کر تجارت کرتے تھے، آپ کے شریک عبداللہ بن سائب تھے۔ مجاہدؒ نے روایت کی ہے کہ مجھ سے میرے آقا عبداللہ بن سائبؓ نے حدیث بیان کی کہ میں جاہلیت میں نبی کریم ﷺ کا شریک تھا۔ اور بعثتِ نبوی ﷺ کے بعد جب میں مدینہ آیا تو میں نے آپ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، تم میرے شریکِ تجارت تھے اور بہت اچھے شریک تھے، کبھی جھگڑتے نہیں تھے، اور صاف ستھرا معاملہ کرتے تھے۔ ❶

اور اب عنقریب یہ ذکر ہوگا کہ آپ ﷺ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مالِ تجارت لے کر ملکِ شام گئے اور جب سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آپ ﷺ سے شادی ہوگئی جو مالدار تھیں تو ان کے مال کے ذریعہ کاروبار کرنے لگے، اور اپنی تنخواہ اور تجارت میں نفع سے آپ ﷺ کا گزر اوقات ہونے لگا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت آپ کو ملی تھی جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کر کے فرمایا ہے:

﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنَىٰ ۝﴾ [الضحیٰ: ۸]

''اور اس نے آپ کو فقیر و محتاج پایا تو آپ کو مال دار بنا دیا۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یتیمی اور محتاجی کے بعد مال دار بنا دیا۔

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر تجارت کے لیے دوبارہ ملکِ شام کا سفر:

نبی کریم ﷺ جب پچیس سال کے ہوئے تو آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے کہا: میرے بھتیجے! میرے پاس مال و دولت نہیں، اور ہم سب پر مشکل وقت آپڑا ہے، اور یہ تمہاری قوم کا قافلہ تجارت کے لیے نکلنے والا ہے، اور خدیجہ بنت خویلد تمہاری قوم کے لوگوں کو اپنا مال دے کر بھیجا کرتی ہے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم اس کے پاس جاتے اور اپنے آپ کو پیش کرتے۔ میرا خیال ہے کہ وہ تمہاری طرف سبقت کرے گی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو چچا بھتیجا کی اس بات کی خبر ہوئی، انہوں نے نبی کریم ﷺ کو بلا بھیجا، اور کہا: میں آپ کو اس سے دوگنی تنخواہ دوں گی، جو کسی دوسرے کو دیتی رہی ہوں۔ ابو طالب نے کہا: میرے بھتیجے! یہ روزی ہے جسے اللہ نے تمہارے لیے بھیج دی ہے۔

کہتے ہیں کہ جب خدیجہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ کے بارے میں صدق گوئی، امانت اور اخلاقِ حسنہ کی باتیں معلوم ہوئیں، تو انہوں نے خود آپ کو بلا بھیجا، اور آپ سے طلب کیا کہ ان کا مالِ تجارت لے کر شام جائیں، اور وہ آپ کو اس سے اچھی اجرت دیں گی جو دیگر تاجروں کو دیا کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ بات منظور کر لی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ

---

❶ مسند احمد: ۳/ ۴۲۵، ابوداؤد: (۴۸۳۶)، نسائی: عمل الیوم واللیلۃ (۳۱۲)، ابن ماجہ: (۲۲۸۷)، المعجم الکبیر، طبرانی: ۱۸/ ۳۶۳، الاصابہ: ۲/ ۱۰، اور الاستیعاب ۲/ ۱۰۰۔

کی اجرت چار اونٹنی مقرر کی تھی۔ اور کہا جاتا ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے ساتھ ایک دوسرے قریشی آدمی کو بھی اجرت پر آپ کے ساتھ لگا دیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ایک غلام بھی گیا جس کا نام میسرہ تھا۔ آپ ﷺ بصریٰ کے بازار میں پہنچے، اور اپنا مال تجارت بیچا، تو گزشتہ تاجروں کے مقابلے میں دوگنا نفع ہوا، اور جو کچھ خریدنا تھا خرید کر مکہ واپس لوٹ گئے۔ آپ کے ساتھ میسرہ بھی تھا جس نے اپنی مالکن خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اس نفع کی اطلاع دی جو ان کی تجارت سے حاصل ہوا تھا، تو وہ بہت خوش ہوئیں۔ میسرہ نے ان کو نبی کریم ﷺ کی صدق گوئی، امانت داری اور اخلاق حسنہ سے متعلق ساری باتیں بتائیں، نیز یہ بھی بتایا کہ آپ ﷺ اور ایک آدمی کے درمیان مال فروخت کرتے وقت کچھ بات بڑھ گئی تو اس نے آپ سے لات وعزیٰ کی قسم کھانے کو کہا۔ آپ ﷺ نے کہا: میں نے کبھی ان دونوں کی قسم نہیں کھائی ہے، اور میں جب بھی ان کے پاس سے گزرتا ہوں، تو ان کی طرف دیکھتا بھی نہیں۔ اس آدمی نے کہا: تمہاری بات مان لیتا ہوں۔ پھر اس آدمی نے میسرہ سے کہا: اللہ کی قسم! یہ وہ نبی ہیں جن کی صفات ہمارے علماء اپنی کتابوں میں پڑھتے ہیں۔

راوی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک راہب کے معبد کے قریب ایک درخت کے سایے میں پڑاؤ ڈالا، تو اس راہب نے معبد کے اندر سے جھانک کر میسرہ سے پوچھا: یہ کون ہے؟ اس نے کہا: قریش کا ایک آدمی، راہب نے کہا: اس درخت کے سایے میں صرف نبی ہی پڑاؤ ڈالتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا مال تجارت فروخت کیا، اور اس کے عوض دوسری چیزیں خرید کر واپس چل پڑے۔ جب دھوپ تیز ہوتی تو میسرہ دو فرشتوں کو دیکھتا کہ وہ آپ ﷺ کے اوپر آفتاب سے سایہ کیے ہوئے ہیں، اور آپ ﷺ چل رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ جو مال تجارت شام سے لے کر آئے تھے، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب اسے مکہ میں بیچا تو دوگنا نفع ہوا۔ ان سب باتوں سے خدیجہؓ بہت خوش ہوئیں، اور ان کے دل میں رغبت پیدا ہوئی کہ کاش آپ ﷺ ان سے شادی کر لیتے، اس وقت آپ ﷺ نے اپنی عمر کے صرف پچیس سال پورے کیے تھے۔ ❶

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی شادی:

خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک حسب ونسب والی، خوبصورت، صحت مند اور کثیر المال عورت تھیں۔ زمانۂ جاہلیت میں انہیں طاہرہ کے نام سے بلایا جاتا تھا۔ پہلے ان کی شادی دو مردوں سے ہو چکی تھی: ایک کا نام عتیق بن عایذ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم تھا، جن سے ان کی ایک لڑکی ہوئی تھی، جو محمد بن سیفی مخزومی کی ماں بنی۔ اس کے بعد ان کی شادی ابو ہالہ تمیمی سے ہوئی جس سے ان کے ہاں ہند بن ہند پیدا ہوئے جو صحابی بن کر جنگ بدر میں شریک ہوئے، پھر حدیث کے بڑے راویوں میں اُن کا شمار ہوا، اور زینب نام کی ایک لڑکی بھی ہوئی تھی۔ اور ہالہ رسول اللہ ﷺ کے پروردہ بنے۔ ابو ہالہ کی وفات کے بعد بہت سے جاہ وحشمت اور مال وجائداد والوں نے خدیجہ سے شادی کرنی چاہی، لیکن انہوں نے خوبصورتی کے ساتھ سب کو ٹال دیا، اور تیسری بار شادی نہیں کرنی چاہی۔ ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تیار کیا تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی مخلص ووفادار، اخلاق وکردار میں بے مثال، اور معاملات زندگی میں تجربہ کار بیوی بنیں، تاکہ اپنی مالی اور اجتماعی حیثیت اور ان صفات حسنہ کے ذریعہ

❶ دیکھئے: طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۲۹؛ وفاء الوفاء باحوال المصطفیٰ: ۱/ ۱۴۳؛ شرح المواہب: ۱/ ۱۹۷؛ سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۱۸۷، ۱۸۸؛ اتحاف الوریٰ: ص/ ۱۳۱-۱۳۴۔

آپ ﷺ کے نبوت پانے اور مشرکین قریش کی طرف سے شدید ترین مشکلات کا سامنا کرتے وقت آپ کا ساتھ دیں۔

چنانچہ جب انہوں نے میسرہ سے آپ ﷺ کے بارے میں راہب کی بات اور آپ پر دورانِ سفر دو فرشتوں کے سایہ فگن رہنے اور دیگر بہت سی اہم باتیں سنیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں آپ سے شادی کرنے کی رغبت ڈال دی۔

وہ قرابت داری میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ قصی میں مل جاتی تھیں، اس اعتبار سے امہات المؤمنین میں وہ نسب کے اعتبار سے آپ سے سب سے زیادہ قریب تھیں۔ انہوں نے اپنے دل کی بات اپنی سہیلی نفیسہ بنت منیہ سے کہی جو آپ ﷺ کے پاس گئیں، اور خدیجہؓ سے شادی کرنے کی بات کی۔ آپ ﷺ نے اسے فوراً قبول کرلیا، اور اپنے چچوں سے اس بارے میں بات کی، تو ابو طالب اور حمزہؓ وغیرہ خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسد سے ملے، (اس لیے کہ صحیح روایت کے مطابق ان کے والد جنگِ فجار میں مارے جاچکے تھے) اور ان کو اپنے بھتیجے کے لیے پیغام دیا، اور بیس اونٹنی بطور مہر پیش کی۔ اور ابو طالب نے کھڑے ہوکر نکاح کے خطبہ میں کہا: بے شک محمد کا اگر قریش کے کسی بھی جوان سے موازنہ کیا جائے تو یہ اس پر شرافت ونجابت اور فضل وعقل میں فائق ملیں گے، اگر چہ ان کے پاس مال کم ہے، تو مال ایک ڈھلتی چھاؤں اور آنی جانی چیز ہے۔ یہ خدیجہ بنت خویلد سے شادی کرنے کی رغبت رکھتے ہیں، اور خدیجہ بھی ایسا ہی چاہتی ہیں۔ یہ سُن کر خدیجہؓ کے ولی نے کہا: بے شک محمد (ﷺ) ایک کریم النفس انسان ہیں، جن کی مثال ملنی ناممکن ہے، اور پھر خدیجہؓ کی شادی آپ ﷺ سے کردی۔

امام فاکہی نے انس رضی اللہ عنہ سے ایک خبر روایت کی ہے جو اُس عظیم محبت کی دلیل ہے جسے خدیجہؓ نبی کریم ﷺ کے لیے اپنے دل میں شادی سے پہلے سے چھپائے ہوئی تھیں، اور اس محبت کے رازِ نہاں کی بھی دلیل ہے۔ خدیجہؓ آپ ﷺ اور آپ کے اخلاق وسیرتِ حسنہ کے بارے میں آپ کے بچپن سے ہی جو کچھ سنا کرتی تھیں ان کے سبب ان کو قوی امید تھی، اور ہر وقت ان کے وجدان پر یہ بات غالب رہتی تھی کہ آپ ﷺ کو ہی اللہ تعالیٰ آخری نبی بنا کر مبعوث کرے گا، اور اس کا زمانہ بالکل قریب ہے، روایت مندرجہ ذیل ہے:

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے سے پہلے ابوطالب کے پاس بیٹھے تھے، آپ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانے کی اجازت مانگی تو ابو طالب نے اجازت دے دی، اور آپ کے پیچھے ایک لونڈی کو بھیجا جس کا نام "نبعہ" تھا اور اس سے کہا: دیکھنا! خدیجہ ان سے کیا کہتی ہے؟ نبعہ نے آکر خبر دی کہ میں نے عجیب بات دیکھی، خدیجہؓ کو جب آپ کے آنے کی خبر ہوئی تو دروازے سے باہر نکل آئیں، آپ کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے سینے اور گلے سے لگالیا۔ پھر کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اللہ کی قسم! میں ایسا اس لیے کررہی ہوں کہ مجھے امید ہے کہ آپ نبی بنائے جائیں گے، اور اگر ایسا ہوا تو آپ میرے حق اور میرے مقام کو پہچانیے گا، اور آپ اس اللہ سے دعا کیجیے جو آپ کو مبعوث کرے گا کہ وہ آپ ﷺ کو میرے لیے بنادے۔ آپ نے ان سے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں نبی ہوا تو تمہارے اس حق کو کبھی ضائع نہیں کروں گا۔ اور اگر میرے سوا کوئی دوسرا نبی ہوا تو مجھے یقین ہے کہ وہ اللہ جس کی خاطر تم ایسا کررہی ہو وہ تمہیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ ❶

---

❶ اخبار مکہ، فاکہی: ٥/٢٠٦، اور فتح الباری: ٧/١٣٤.

چنانچہ خدیجہؓ نے آپ ﷺ سے شادی کے ذریعہ ایک بہت بڑا شرف حاصل کیا، (اُس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی) اور تاریخ میں ایک ایسے دروازہ سے داخل ہوگئیں جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اور دنیا کی چار باکمال اور افضل ترین عورتوں میں اُن کا شمار ہوا۔ وہ عورتیں: خدیجہ، فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ، فرعون کی بیوی آسیہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بنت عمران ہیں۔ (رضی اللہ عنہن)

یہ شادی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک باقی رہی، اُم المؤمنین اُس وقت ان کی عمر پینسٹھ سال ہوچکی تھی، اور اس پوری مدت میں نبی کریم ﷺ اور وہ ایک دوسرے کا غایت درجہ اعزاز واکرام کرتے رہے۔ اور اُم المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فخر واعزاز کے لیے یہ کافی تھا کہ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! خدیجہ ایک برتن لیے آرہی ہیں جس میں سالن، کھانا اور پانی ہے۔ وہ جب آئیں تو انھیں ان کے رب کا اور میرا سلام پہنچا دیجیے، اور انھیں جنت میں بانس کے بنے ایک گھر کی خوشخبری دے دیجیے، جس میں نہ وہ کوئی پریشان کن آواز سنیں گی، اور نہ ہی مشقت وتھکن محسوس کریں گی۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کی تمام اولاد، ابراہیمؓ کے سوا، انہی سے پیدا ہوئی۔ پہلے قاسمؓ پیدا ہوئے جن کے نام پر آپ ﷺ کی کنیت تھی، پھر زینبؓ، پھر عبداللہؓ، انہی کو طیب وطاہر کہا جاتا ہے، پھر رقیہؓ پھر اُم کلثومؓ پھر فاطمہؓ۔ قاسمؓ دو سال کی عمر میں ہی وفات پاگئے، اور عبداللہؓ بھی بچپن میں ہی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اُسی دن عاص بن وائل اور مکہ کے دیگر بڑے مشرکوں نے کہا تھا کہ محمد دُم کٹا ہے، اس کا کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر مندرجہ ذیل آیتیں نازل فرمائیں:

﴿إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ ۝٢ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ٱلْأَبْتَرُ ۝٣﴾ [الکوثر ۱-٤]

''بے شک ہم نے آپ کو خیرِ کثیر عطا کیا ہے، پس آپ صرف اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے، اور صرف اسی کے لیے قربانی کیجیے، بے شک آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔''

یعنی دُم کٹے تو آپ کے وہ دشمن ہیں جو آپ کو گالیاں دیتے ہیں، اور آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ آپ ﷺ کی تمام بیٹیاں مشرف بہ اسلام ہوئیں اور ہجرت کرکے مدینہ پہنچیں، اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا سب آپ ﷺ کی زندگی میں ہی وفات پاگئیں۔ سیدہ فاطمہؓ آپ کی وفات کے چھ ماہ بعد اللہ کو پیاری ہوئیں، اور آپؐ سے جا کر مل گئیں۔ ❷

تعمیرِ کعبہ اور آپ ﷺ کے ہاتھوں حجرِ اسود کا رکھا جانا:

نبی کریم ﷺ جب پینتیس (۳۵) سال کے ہوئے تو قریش نے خانۂ کعبہ کو دوبارہ بنانا چاہا، اس لیے کہ زمانۂ جاہلیت میں اُسے ایک پست زمین میں پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ اس کے ہر طرف سے پہاڑ تھے، اس لیے وہ ہر وقت سیلاب کی زد میں

---

❶ صحیح البخاری، مناقب الأنصار. صحیح مسلم، فضائل الصحابہ: حدیث (۲٤۳۲)، ترمذی، المناقب: حدیث (۳۸۷٦) اور مسند احمد: ۲/ ۲۳۱.

❷ دیکھئے: المعرف الوردي: ص/ ۱۳٥ - ۱٤۰، زاد المعاد: ۱/ ۱۰٥، مختصر تاریخ ابن کثیر: ص/ ۳۳، ۳٤، سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۱۸۸ - ۱۹۰، فقہ السیرۃ: ص/ ۷۹، ۸۰ اور السیرۃ النبویۃ، ذہبی: ص/ ۳۱، ۳۲.

رہتا تھا۔ اسی وجہ سے قریش نے اس کے چاروں طرف ایک بند باندھ دیا تھا، اس کے باوجود اُس کے اوپر سے سیلاب گزر کر ہمیشہ اُس کے لیے خطرہ بنا رہتا تھا، اور پانی اونچا ہو کر بیت اللہ میں داخل ہو جاتا تھا، اور اس کی دیواریں پھٹ جاتی تھیں، اور اس کے گر جانے کا ڈر لگا رہتا تھا۔ نیز بیت اللہ کے دروازے زمین سے قریب تھے، اس لیے اس کے خزانوں اور تحفوں کی بارہا چوری ہو جاتی تھی۔

انہی دنوں ایک عورت خانہ کعبہ کے پاس خوشبودان لے کر آئی جس کی ایک چنگاری سے کعبہ کے غلاف میں آگ لگ گئی، اور پورا غلاف جل گیا۔ اس لیے قریش نے چاہا کہ اسے منہدم کر کے اونچا کر دیں، اور اُس پر چھت ڈال دیں، اس لیے کہ پہلے سے وہ قد آدم سے کچھ اونچا پتھروں سے بنا ہوا تھا، جس پر کوئی چھت نہیں تھی۔ اُسی دیوار پر اس کا کپڑا ڈال کر لٹکا دیا جاتا تھا، اور حجر اسود اُسی دیوار پر ادب واحترام کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔

جب قریش کے لوگ اس کے بنانے پر متفق ہوئے تو اسے چار حصوں میں بانٹ دیا، اور قرعہ اندازی کے ذریعہ سب نے اپنا اپنا حصہ جان لیا۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ سب نے اس پر بھی اتفاق کیا کہ اس کی تعمیر پر صرف حلال کمائی خرچ کریں گے۔ اس میں زانیہ کی اجرت، سود کا مال، اور غصب کیا ہوا کوئی مال داخل نہیں ہونے دیں گے۔ پھر سب نے اپنا اپنا حصہ بنانا شروع کیا۔ نبی کریم ﷺ نے بھی اس کی تعمیر میں شرکت کی۔ اس وقت آپ کی عمر پینتیس سال تھی۔

جب تمام لوگوں نے پہلے پرانی دیواروں کو گرانے کا ارادہ کیا، تو سب سے پہلے ولید بن مغیرہ نے ابتدا کی، جو ان میں سب سے زیادہ ہمت والا تھا۔ اس لیے کہ سب خائف تھے کہ اگر انہوں نے کعبہ کو گرایا تو کہیں کوئی عذاب نہ ان پر نازل ہو جائے۔ ولید نے پھاوڑا مارتے ہوئے کہا: اے اللہ! تو ہمیں خوفزدہ نہ کر، اے اللہ! ہم نے بھلائی کی نیت کی ہے۔

جب اس کو کھودتے ہوئے اس کی بنیاد تک پہنچے، جو سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے رکھی تھی تو اس مضبوط بنیاد پر نئی تعمیر شروع کر دی۔ ہر قبیلہ اپنا حصہ بنانے لگا۔ قریش کے تمام بڑے بڑے شرفاء اور عظماء اپنے کندھوں پر پتھر ڈھوتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ دیگر لوگوں کے ساتھ اجیاد کے علاقے سے پتھر لاتے تھے۔

اُنہی دنوں رومیوں کا ایک سفینہ ساحلِ جدہ پر آ کر ٹوٹ گیا، تو اہلِ قریش نے کعبہ کی چھت بنانے کے لیے اس کی لکڑیاں خرید لیں اور باقوم نامی رومی بڑھئی کو- جو اسی سفینہ میں سوار ہو کر حبشہ جا رہا تھا - اجرت پر رکھ لیا، تاکہ وہ کعبہ کی چھت بنا دے۔

جب اُن کا حلال پیسہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی بنیادوں پر خانہ کعبہ کی تکمیل سے پہلے ختم ہو گیا تو انہوں نے حجر (حطیم) والے حصہ کو نکال دیا جس کا طول چھ گز تھا، اور اس پر ایک چھوٹی دیوار بنا دی، تاکہ پہچان لیا جائے کہ دیوار کے اندر کا حصہ کعبہ میں داخل ہے، اور دروازہ زمین سے اونچا کر دیا، تاکہ کعبہ میں وہی شخص داخل ہو سکے جسے اس میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے۔

نبی کریم ﷺ پتھر ڈھوتے وقت ایک منقش کپڑا پہنے ہوئے تھے جس کا ایک حصہ آپ نے اپنے کندھے پر رکھ لیا تھا، تاکہ پتھروں کی سختی اور خشونت سے محفوظ رہیں۔ کپڑا چھوٹا ہونے کے سبب ایک بار آپ کی شرمگاہ کھل گئی تو آواز آئی، اے

محمد (ﷺ)! اپنی شرمگاہ ڈھانکیے۔ اس کے بعد کبھی بھی آپ ﷺ عریاں نہیں دیکھے گئے۔ ❶

صحیح بخاری میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا تھا کہ اے بھتیجے! کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم اپنی ازار کھول کر اپنے کندھے پر ڈال لیتے۔ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا، اور اسے کندھے پر ڈال لیا تو آپ ﷺ فوراً بے ہوش ہو کر گر گئے۔ اس دن کے بعد آپ کبھی بھی عریاں نظر نہ آئے۔ ❷

جب دیوار اٹھارہ گز اونچی ہو گئی، اور دروازہ زمین سے اتنا اونچا کر دیا گیا کہ بغیر سیڑھی کے وہاں تک چڑھنا مشکل ہو گیا، تو انہوں نے حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنا چاہا، ہر قبیلے نے کہنا شروع کیا کہ اسے ہم اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اور اختلاف اتنا بڑھا کہ جنگ کی نوبت آ گئی، انہوں نے بالآخر اس بات پر اتفاق کیا کہ قریش کا سب سے عمر رسیدہ آدمی اس کا فیصلہ کرے۔ وہ آدمی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا چچا ولید بن مغیرہ مخزومی تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ جو آدمی باب بنی شیبہ سے سب سے پہلے داخل ہو گا وہی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اللہ کی مشیت سے سب سے پہلے نبی کریم ﷺ داخل ہوئے۔ جب لوگوں نے آپ ﷺ کو داخل ہوتے دیکھا، تو کہا: یہ تو الامین آ گئے، ہم ان کے فیصلے پر راضی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ ایک کپڑا لاؤ، انہوں نے حجر اسود کو اس کپڑے کے بیچ میں رکھ دیا، پھر سب سے کہا: ہر قبیلہ کپڑے کا ایک کنارہ پکڑ لے، پھر سب نے مل کر اُسے اٹھایا، اور جب حجر اسود کی جگہ پر پہنچے تو آپ نے اُسے اپنے ہاتھ سے اس کی پہلی جگہ پر رکھ دیا اور اس کے اوپر سے کچھ تعمیر کر دی۔ ❸

نبی کریم ﷺ کا بتوں سے بغض وعداوت:

رسول اللہ ﷺ بچپن سے ہی بتوں سے بغض رکھتے تھے، اور اس کی طرف نظر التفات نہیں کرتے تھے۔ ابن سعد نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے ام ایمن رضی اللہ عنہا نے بتایا: ''بوانہ'' نام کا ایک بت تھا جس کے پاس اہل قریش جا کر اس کی تعظیم کرتے، اس کے سامنے جانور ذبح کرتے، اپنے سروں کو منڈواتے، اور سال میں ایک دن اس کے پاس اعتکاف کرتے۔ ابو طالب رسول اللہ ﷺ سے اس عید میں شرکت کے لیے کہتے تو آپ ﷺ انکار کر دیتے۔ میں نے اس بارے میں ابو طالب کو ناراض ہوتے بھی دیکھا ہے۔ اور آپ ﷺ کی پھوپھیاں تو ایک دن سخت ناراض ہوئیں، اور کہنے لگیں: تم جو ہمارے معبودوں سے الگ رہتے ہو تو ہمیں تمہارے بارے میں ڈر لگتا ہے۔ جب سب مل کر اسی طرح بار بار اصرار کرتے رہے، تو آپ ایک بار اُس کے پاس گئے، اور کچھ دیر تک گھر سے غائب رہے، پھر جو لوٹے تو بہت ہی زیادہ خوفزدہ نظر آئے۔ پھوپھیوں نے پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے جنون تو لاحق نہیں

---

❶ المعجم الکبیر، طبرانی، مسند احمد بحوالہ مجمع الزوائد، ہیثمی: ۳/ ۲۸۹، الفتح الربانی: ۲۰/ ۱۹۸، ۱۹۹، المطالب العالیہ: ٤/ ۱۸۲، حدیث (٤٢٦٦)۔

❷ صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ: حدیث (۳٦٤)، کتاب الحج: حدیث (۱۵۸۲)، مناقب الأنصار: حدیث (۳۸۲۹)، صحیح مسلم، کتاب الحیض: حدیث (۳٤۰) اور مسند احمد: ۳/ ۳۱۰-۳۱۳۔

❸ دیکھئے: عیون الأثر: ۱/ ۵۱-۵۳، طبقات ابن سعد: ۱/ ۱٤۵-۱٤۷، سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۱۹۲-۱۹۷، صحیح السیرۃ النبویۃ، ابراھیم العلی: ص/ ٦۲-٦٤، إتحاف الوری: ص/ ۱٤٤-۱٦۰۔

ہوگیا ہے، انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں شیطان کی آزمائش میں کبھی نہیں ڈالے گا۔ تم میں تو یہ اور یہ اچھی صفات ہیں۔ تم نے کیا دیکھا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں جب بھی بتوں میں سے کسی کے قریب گیا تو میرے سامنے ایک سفید لمبا آدمی آکر چیخنے لگا: اے محمد! پیچھے ہٹ جایئے، اسے ہاتھ نہ لگایئے۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اس کے بعد آپ ﷺ مشرکوں کی کسی عید میں شریک نہیں ہوئے، یہاں تک کہ آپ نبی بنا دیے گئے۔ [1]

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے محمد بن عمر کے اساتذہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بحیرا سے کہا تھا: مجھ سے کوئی بات لات وعزیٰ کی قسم دے کر نہ پوچھو، اللہ کی قسم! میں نے ان دونوں سے زیادہ کسی چیز کو مبغوض نہیں جانا۔ [2]

اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ تانبے کا بنا ہوا ایک بُت تھا جس کا نام "إساف" یا "نائلہ" تھا۔ مشرکین طواف کرتے وقت اُس پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ ایک بار میں نے آپ ﷺ کے ساتھ طواف کیا، اور اس کے پاس سے گزرتے ہوئے اس پر ہاتھ پھیرا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو ہاتھ مت لگاؤ۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اپنے دل میں سوچا، اسے ضرور ہاتھ لگاؤں گا، تاکہ دیکھوں کیا ہوتا ہے: میں نے دوبارہ ہاتھ پھیرا تو آپ ﷺ نے کہا: کیا تم کو روکا نہیں گیا تھا؟! بعض مؤرخین نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ زید رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! آپ نے کبھی کسی بُت کو ہاتھ نہیں لگایا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے رسالت اور وحی قرآن کے ذریعہ آپ کو عزت بخشی۔ [3]

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے: جو شخص کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قوم کے دین پر تھے، بہت ہی بُری بات کہتا ہے۔ کیا یہ بات ثابت نہیں ہے کہ آپ بتوں کے سامنے ذبح کیے گئے جانوروں کا گوشت نہیں کھاتے تھے؟

ابو الوفاء علی بن عقیل کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ بعثت اور نزولِ وحی کے پہلے سے ہی دینِ ابراہیمی کی صحیح باتوں کے مطابق دین دار تھے۔ [4]

امورِ جاہلیت سے آپ ﷺ کی حفاظت:

ابن اسحاق وغیرہ نے سیدنا علی بن ابو طالب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے جاہلیت کے قبیح کاموں میں سے کسی بھی کام کا دوبار کے سوا کبھی ارادہ نہیں کیا۔ اور دونوں ہی بار اللہ نے مجھے بچالیا؛ میں نے ایک رات ایک قریشی جوان سے کہا: تم میری بکریوں کا خیال رکھو تاکہ آج کی رات میں مکہ جاکر دیگر نوجوانوں کی طرح کچھ سرود وغناء کی مجلسوں میں شرکت کروں۔ اس نے میری بات مان لی تو میں وہاں سے نکل کر مکہ کے سب سے قریب گھر کے پاس آیا، جس کے اندر سے گانے اور ڈھولک اور بانسری کی آواز آرہی تھی۔ میں نے لوگوں سے پوچھا: یہاں کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے کہا: فلاں کی شادی ہوئی ہے۔ میں وہیں بیٹھ کر سننے لگا، یہاں تک کہ مجھے نیند آگئی، اور جب آفتاب کی گرمی سے میری آنکھ کھلی تو میں اپنے ساتھی کے پاس لوٹ گیا۔ پھر دوسری رات بھی میں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ کی قسم! میں نے اس کے بعد کبھی بھی اہلِ جاہلیت

---

[1] السيرة النبوية، حافظ ذهبی: ص/٤٢، اور الوفاء: ١/٢٢٨.

[2] الوفاء: ١/٢٢٩.

[3] السيرة النبوية، حافظ ذهبی: ص/٤٢.

[4] الوفاء: ١/٢٢٩.

کا کوئی کام نہیں کیا، یہاں تک کہ اللہ نے مجھے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ❶

اور مسعر نے اپنی سند کے ذریعے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے جاہلیت میں کوئی حرام کام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ اور میں دو بار ایسی جگہ گیا، لیکن ایک بار میرے اور اس کام کے درمیان میری قوم کا قصہ گو حائل ہو گیا، اور دوسری بار مجھے نیند آ گئی۔ ❷

"الصادق الامین" کا لقب:

آپ ﷺ چھوٹی عمر سے ہی اپنی قوم میں "الامین" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ کی صداقت، امانت اور وفاداری کے سبب لوگ آپ کو محمد الامین کے نام سے جانتے اور پہچانتے تھے، آپ حق بات کے سوا کبھی کچھ نہیں کہتے تھے، آپ ﷺ سے محبت کرنے والے اور آپ کے دشمن، تمام نے اس کا اعتراف کیا ہے۔

آپ ﷺ کا سخت ترین دشمن بنی عبدالدار کا نضر بن حارث، شیطان قریش تھا، جو آپ ﷺ کو ہمیشہ ایذاء پہنچایا کرتا تھا، اور جو میدان بدر میں قتل کر دیا گیا۔ آپ ﷺ کے بارے میں اس کا مشہور قول ہے: "محمد تمہارے درمیان ایک کم سن نوجوان تھا، تم لوگ سب سے زیادہ ان سے خوش رہتے تھے، وہ تم میں سب سے زیادہ سچ بولنے والا، اور تم میں سب سے زیادہ امانت کی حفاظت کرنے والا تھا۔ اور اب جب کہ اس کی دونوں کنپٹیوں میں بال سفید ہونے لگے ہیں اور تمہارے سامنے اس نے اپنا دعویٰ نبوت پیش کیا ہے، تو تم اسے جادوگر کہتے ہو۔ نہیں اللہ کی قسم! وہ جادوگر نہیں ہے۔" یہ بات اس نے اس وقت کہی تھی، جب اہل قریش آپ کے بارے میں اپنی صواب دید کے مطابق ایک مناسب بات پر متفق ہونا چاہتے تھے تاکہ موسم حج میں قبائل عرب سے آپ کے بارے میں وہ بات کہہ سکیں۔ ❸

اور جب شاہ روم ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا: کیا تم لوگ اس کے دعویٰ نبوت سے پہلے اسے جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟ اس نے کہا: نہیں۔ تو ہرقل نے کہا: ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک آدمی لوگوں کے ساتھ جھوٹ بولنا گوارہ نہ کرے، اور اللہ کے بارے میں جھوٹ بولے۔ ❹

قاضی عیاض رحمہ اللہ کی کتاب "الشفاء" میں مذکور ہے کہ ایک دن ابوجہل نے آپ ﷺ سے کہا: ہم تمہیں جھوٹا نہیں کہتے ہیں، بلکہ اس بات کو جھٹلاتے ہیں جسے لے کر تم آئے ہو۔ ❺

---

❶ دیکھئے: مستدرک حاکم: ۴/ ۲۴۵۔ حاکم رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور ذہبیؒ نے ان کی تائید کی ہے۔ تاریخ ابن جریر: ۲/ ۳۴، المعجم الصغیر، طبرانی: ص/ ۱۹۰۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے: (فقہ السنہ: ۷۲، ۷۳)، لیکن اس کی تضعیف محل نظر ہے، اس لیے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تصحیح پر حاکم کی تائید کی ہے، اور اس لیے بھی کہ بہت سے ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں اس کی تخریج کی ہے اور اسے قبول کیا ہے۔

❷ السیرۃ النبویۃ، حافظ ذہبی: ص/ ۴۱۔

❸ سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۲۹۹، ۳۰۰۔

❹ صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، باب/ ۶۔

❺ رحمۃ للعالمین (عربی ترجمہ): ۱/ ۳۰۷۔

ہجرت کی رات جب کفار قریش آپ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے جمع ہوئے تو مکہ سے نکلنے سے پہلے آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد نائب بنا دیا، تاکہ آپ ﷺ کے پاس موجود لوگوں کی امانتیں واپس کرنے کے بعد وہ بھی ہجرت کر جائیں۔

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے جیسا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے معلوم ہوا کہ اہل قریش نے جب حجر اسود کو اس کی پہلی جگہ پر رکھنے کے سلسلے میں اختلاف کیا، اور پھر اس بات پر متفق ہوئے کہ باب بنی شیبہ سے داخل ہونے والا پہلا آدمی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا، اور اللہ کی مشیت سے وہ آدمی رسول اللہ ﷺ نکلے تو سب نے بیک آواز کہا: یہ تو الامین ہیں، یہ تو محمد ہیں، ہم ان کے فیصلے پر راضی ہیں۔ ❶

اہل مکہ کا آپ کو امین کہہ کر پکارنے پر کلی اتفاق، جب آپ ﷺ کی عمر پینتیس سال تھی، اس بات کی قوی دلیل ہے کہ آپ ﷺ بچپن ہی سے زندگی کے تمام امور میں سچائی اور امانت کے ساتھ مشہور ہو گئے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الصحیح میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے تورات میں مذکور آپ کی صفات کے بیان میں روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا: میں آپ ﷺ کو ہر کریمانہ اخلاق سے نوازوں گا، سکون و وقار کو اس کا لباس بناؤں گا، نیکی اور بھلائی کو اس کا شعار، تقویٰ کو اس کی ضمیر، حکمت کو اس کی گفتگو، اور سچائی اور وفاداری کو اس کا مزاج بناؤں گا۔ ❷

معلوم ہوا کہ زمانۂ جاہلیت میں آپ ﷺ کو جاننے والے ہر فرد نے بچپن سے ہی آپ کو الصادق الامین کے نام سے پکارا، اور نبوت پانے کے بعد آپ ﷺ نے جس عظیم امانت کا بارگراں اٹھایا، اس کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہی گئی ہر بات میں صادق اور دنیا والوں تک اس کے پہنچانے میں امین ہوں۔ اور ہرقل نے ابوسفیان کی بات کا جواب دیتے ہوئے اسی کی طرف اشارہ کیا تھا جب کہا تھا: ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں کے بارے میں تو جھوٹ بولنا گوارہ نہ کرے، اور اللہ کے بارے میں جھوٹ بولے۔

خود اللہ عزوجل نے اپنا پیغام لوگوں تک پہنچانے کے سلسلے میں آپ ﷺ کے لیے سچائی اور امانت کی گواہی دی ہے۔

سورۃ الحاقہ آیات (۴۴-۴۶) میں رب ذوالجلال نے فرمایا ہے:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝﴾

''اور اگر (میرے نبی) بعض باتیں گھڑ کر میری طرف منسوب کر دیتے، تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ دیتے۔''

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اللہ کے بارے میں کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہی، اور نہ قرآن کریم اور سنت نبویہ کو اپنی طرف سے گھڑ کر لوگوں کے سامنے پیش کیا، بلکہ یہ ساری چیزیں رب العالمین کی طرف سے بذریعہ وحی آپ ﷺ تک پہنچی تھیں۔

---

❶ سیرۃ ابن ہشام: ۱/۱۹۷ اور الوفاء: ۱/۲۴۰۔

❷ صحیح البخاری: ۳/۹۰۵، الدارمی: ۱/۶۔

حجر و شجر آپ ﷺ کو سلام کرتے تھے:

چونکہ آپ ﷺ کا خاتم النّبیین کی حیثیت سے مبعوث ہونا اللہ کے علم میں تھا، اسی لیے آپ ﷺ پر اللہ کا ابتدا سے ہی ایک احسان یہ بھی رہا کہ جب آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے باہر نکلتے تو حجر و شجر آپ کو سلام کرتے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں مکہ میں ایک پتھر کو جانتا ہوں، جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا، آج بھی میں اُسے پہچانتا ہوں۔'' ❶

اور ابن اسحاقؒ نے بعض اہل علم سے روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مقامِ نبوت پر سرفراز کرنا چاہا، اور آپ قضائے حاجت کے لیے شہر مکہ سے دور مکہ کی گھاٹیوں اور وادیوں کی طرف نکلتے تو راستہ میں ہر حجر و شجر آپ کو "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہ" کہتا۔ اور جب آپ ﷺ مُڑ کر اپنے دائیں، بائیں، اور پیچھے دیکھتے تو شجر و حجر کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا۔ آپ ﷺ اسی طرح کچھ دنوں تک دیکھتے اور سنتے رہے، یہاں تک کہ ماہِ رمضان میں غارِ حرا میں آپ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام اللہ کی وحی لے کر آ گئے۔ ❷

امام بیہقی رحمہ اللہ نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ ایک بار آپ ﷺ کے ساتھ مکہ کے بعض علاقوں میں نکلے، تو ہر درخت اور پہاڑ آپ کو " اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہ "کہتا تھا۔ ❸

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا: میں بعثت سے چند دن قبل جب بھی کسی درخت یا پتھر کے پاس سے گزرا، اس نے مجھے " اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہ "کہا۔

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے برہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابتدائے نبوت میں جب آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے باہر نکلتے تو دور گھاٹیوں اور وادیوں کی طرف نکل جاتے، اس وقت ہر شجر و حجر آپ کو "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہ" کہتا، اور جب آپ دائیں، بائیں، اور پیچھے مُڑ کر دیکھتے تو کوئی نظر نہ آتا۔ ❹

اور ولید بن ابو ثور وغیرہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک بار مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلا، تو ہر درخت اور پہاڑ آپ کو" اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہ "کہتا تھا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے غریب کہا ہے۔ ❺

❀❀❀❀

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الفضائل: حدیث (۲۲۷۷).

❷ سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۲۳۴.

❸ مستدرک حاکم: ۲/ ۶۲۰، حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے، اور ابو نعیم رحمہ اللہ نے بھی اسے بعض الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

❹ دیکھئے: الوفاء: ۱/ ۲۰۷.

❺ دیکھئے: السیرۃ النبویۃ، حافظ ذہبی: ص/ ۷۱.

آخری آسمانی رسالت کے لیے
آپ ﷺ کی شخصیت کی تکمیل

گزشتہ صفحات میں چھٹی صدی عیسوی میں پائے جانے والے انسانوں کے حالات اور ان کے بُت پرستانہ عقائد وأدیان کو بیان کرنے کے بعد، لکھ چکا ہوں کہ اُس وقت سارا عالم ہلاکت وبربادی کی کھائی کے دہانے پر پہنچ گیا تھا، اور سب کو ایک نجات دہندہ کی شدید ترین ضرورت تھی جو انہیں بھڑکتی آگ کے گڑھے میں گرنے سے بچالیتا۔

ایک ایسے رسول کی بعثت کی ضرورت تھی جو پوری کائنات کے لیے رحمت بن کرآئے، جو کائنات کے چپے چپے میں پھیلی بُت پرستی اور دورِ جاہلیت کے عقائد وعادات کو ختم کرے، اور شرک باللہ کے بوجھ تلے سسکتی انسانیت کو توحیدِ خالص اور صرف ایک اللہ کی بندگی کی راہ دکھائے، اور ان کے لیے ایک ایسی شریعت لے کرآئے جس میں اُن کے لیے دنیا وآخرت کی ہر بھلائی موجود ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُس رسولِ رحمت کو مکہ کے جبلِ فاران سے بھیجا، جن کا نام محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم قرشی تھا، اور جنھیں اللہ نے اپنا آخری نبی اور پوری کائنات کے لیے بشیر ونذیر بنا کر مبعوث کیا۔

ابھی ہم سب آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا -عہدِ ولادت سے اکتالیس سال کی عمر تک- مطالعہ کرآئے ہیں، جس میں میں نے آپ ﷺ کے بہت سارے انفرادی واجتماعی حالات، اخلاقِ حسنہ، سلوک وسیرت، نبی خاتم ہونے سے متعلق بہت سے غیبی اشارات وبشارات، آپ ﷺ کی خلوت پسندی وعبادات، اور درختوں اور پتھروں کا آپ ﷺ کو سلام کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اور ان تفصیلات سے ہم سب کو یقین ہوگیا کہ نبی اُمّی ہاشمی ﷺ ہی اپنی عظیم صفات اور بے مثل خصوصیات اور خوبیوں کے سبب وہ عظیم نبی ورسول بنائے جانے کے اہل تھے، جن کی بعثت کا مقصد دورِ جاہلیت کی تمام آلائشوں کو ختم کرنا، کینہ پرور بُت پرستی کی جڑوں کو اکھاڑنا، ایک عالم گیر اور دائمی دین کی بنیادوں کو مضبوط کرنا، اور انسانوں کے دلوں میں توحیدِ خالص کا عقیدہ راسخ کرنا تھا۔

تاریخ شاہد ہے کہ آپ ﷺ نے پوری قوت وصلاحیت کے ساتھ اللہ کی جانب سے سونپی گئی ان تمام ذمہ داریوں کو بصورتِ احسن واکمل پورا کیا۔ اور آپ ﷺ کی کوششیں ایسی بارآور ہوئیں کہ اس کی مثال دیگر انبیاء ورسل کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

اِس لیے اُس نبی حبیب اور رسول مصطفیٰ ﷺ کا میں اپنے اوپر حق سمجھتا ہوں کہ آپ ﷺ کی بعثت اور نزولِ وحی سے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے آپ ﷺ کی اُن چند نادر صفات کا ذکر کروں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خاص

کیا تھا، اور جن کے سبب آپ ﷺ کو اسلام کی عظیم رسالت کا بارگراں اٹھانے کا اہل بنایا تھا، جس کے سایہ تلے پناہ لیے بغیر کسی بھی زمان ومکان میں انسانوں کے لیے کوئی بھلائی نہیں تھی:

۱- آپ ﷺ نسب وحسب میں تمام بنی نوع انسان سے بہتر تھے، اور تمام انبیاء ورسل اسی طرح اپنی قوموں میں اصحاب نسب وحسب ہوتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے نسب نامہ کے ضمن میں آپ ﷺ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ میں آدم علیہ السلام سے اپنے باپ ماں تک نکاح کے ذریعہ دنیا میں آیا ہوں، فجور وزنا کے ذریعہ نہیں، اور دورِ جاہلیت کی زناکاریوں کا شائبہ بھی مجھے چھو کے نہیں گیا ہے۔

۲- آپ ﷺ کی والدہ کے جسم سے حمل وولادت کے وقت ایک روشنی نکلی، جس نے شام کے محلوں کو روشن کر دیا (اسی کتاب میں پڑھیے آپ ﷺ کی ولادت کا واقعہ)

۳- آپ ﷺ کا سینۂ مبارک شق کر کے آپ ﷺ کے دل میں سے شیطان کا حصہ نکال دیا گیا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ بنی سعد کی حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا کرتے تھے۔ اُس وقت دو سفید پوش آدمی آئے، آپ ﷺ کا پیٹ شق کیا، آپ ﷺ کا دل نکالا، اور پھر اُس میں سے ایک ٹکڑا نکالا، اور کہا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے، پھر دونوں نے دل کو سونے کے ایک طشت میں آبِ زمزم سے دھویا، پھر اُسے پہلے جیسا کر دیا، اور اُسے اُس کی جگہ لوٹا دیا (پڑھیے آپ ﷺ کے شق صدر کا واقعہ)۔

۴- آپ ﷺ اخلاقِ فاضلہ اور شمائلِ کریمانہ میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کا کوئی ثانی پیدا نہیں ہوا۔

(صحیح البخاری: ۳/۱)

۵- آپ ﷺ نہایت سخی اور کریم النفس تھے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے جب بھی کوئی چیز کسی نے مانگی تو آپ نے انکار نہیں کیا۔ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل)

۶- آپ ﷺ اپنے قول وفعل اور فیصلہ میں غایت درجہ انصاف پسند تھے۔ بعثت سے پہلے اہل مکہ کے درمیان آپ ﷺ کا عدل وانصاف معروف تھا۔ آپ ﷺ ہی نے حجر اسود کو اُس کی پہلی جگہ پر لوٹانے کے سلسلے میں اہلِ قریش کے درمیان اختلاف کی آندھی کا خاتمہ کیا۔

۷- آپ ﷺ سب سے زیادہ بہادر وشجاع تھے۔ سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب گھمسان کا رن چھڑتا تو ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی آڑ میں آکر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے۔

۸- آپ ﷺ سب سے زیادہ تواضع اختیار کرنے والے اور کبر وغرور سے بعید ترین انسان تھے۔ (دیکھیے: حجۃ اللہ البالغہ ولی اللہ الدہلوی)۔

۹- آپ ﷺ سب سے زیادہ معاف کرنے والے اور کریم النفس تھے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ سے پہلے اسّی (۸۰) آدمی تنعیم کی جانب سے صبح کے وقت چھپ کر آئے تاکہ آپ ﷺ کو قتل کر دیں، انہیں

پکڑ لیا گیا، اور رسول اللہ ﷺ نے اُن سب کو آزاد کر دیا۔ (مسلم و ابو داؤد (جهاد و سیر)، ترمذی، تفسیر)۔

۱۰- آپ ﷺ دنیا میں کوئی رغبت نہیں رکھتے تھے، بلکہ سب لوگوں سے زیادہ آپ زاہد فی الدنیا تھے۔ اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے تو میرے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی، سوائے کچھ جَو کے جو ایک چھوٹی سی تھیلی میں رکھے تھے۔ (الرحمة المهداة: ص/۲۲۹)۔

۱۱- آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ سے متعلق ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول تو بہت ہی مشہور ہے کہ "آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، عاجز و درماندہ کے لیے سواری کا انتظام کرتے ہیں، محتاج و محروم کو اپنی کمائی دیتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں، اور حق کے کاموں میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔" (صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق)۔

۱۲- سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "طویل خاموشی آپ ﷺ کی عادت تھی، آپ ﷺ بغیر ضرورت نہیں بولتے تھے، آپ ﷺ کی گفتگو حسبِ حاجت ہوتی، نہ زیادہ نہ کم۔ بُردباری و حیا اور خیر و امانت آپ کی مجلس کا خاصہ تھا، اور آپ کی ہنسی اکثر و بیشتر مسکراہٹ ہوتی تھی۔

۱۳- ہند بن ابو ہالہ رضی اللہ عنہ (جو ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو ہالہ کے بیٹے اور آپ ﷺ کے لے پالک تھے) آپ ﷺ کا وصف یوں بیان کرتے ہیں کہ "آپ ﷺ ہمیشہ خوش مزاج، خوش اخلاق، اور نرم مزاج رہتے۔ نہ سخت مزاج، نہ بد اخلاق، نہ چیخنے والے، نہ بدگو، نہ عیب جو، نہ زیادہ مذاق کرنے والے۔ جس چیز کی خواہش نہ ہوتی اُسے نظر انداز کر دیتے، اور کبھی ناامید نہ ہوتے، آپ ﷺ نے کبھی اپنے نفس کو تین چیزوں کی اجازت نہیں دی: نقاش و جدال، زیادہ طلبی اور لایعنی باتوں کی۔ اور تین باتوں میں لوگوں کو ترک کر دیا تھا: کسی کی بُرائی نہ کرتے، کسی کو عار نہ دلاتے، اور کسی کی پوشیدہ باتوں کے تجسس میں نہ رہتے۔ (دیکھئے الشفاء، قاضی عیاض: ۱/۱۲۶)۔

۱۴- آپ ﷺ ہی وہ دینِ برحق لے کر آئے جس نے لوگوں کے لیے مندرجہ ذیل باتوں کی پوری وضاحت کر دی:

(ا)...... عقیدۂ توحید کی پوری وضاحت کی، اور بیان کیا کہ اسلام کا عقیدۂ توحید نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث کی مانند نہیں، اور نہ ہی فلاسفہ کی توحید کی مانند، جو الفاظ اور فرضی شکلوں کا ایک ملغوبہ ہے۔ اسلام کا عقیدۂ توحید تو عبادت میں توحید، استعانت میں توحید، تصرّف میں توحید، ذاتِ باری تعالیٰ میں توحید، اور اُس کی صفات میں توحید سے عبارت ہے۔

(ب)...... اخوتِ اسلامی کی بنیاد رکھی جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز رہی ہے۔

(ج)...... انسان کا مقام بلند کیا، تعصب کی تمام شکلوں کو ختم کیا، تمام بنی نوع انسان کے درمیان محبت کو عام کیا، اور سب انسانوں کو برابر بتا کر عالمی مساوات کا درس دیا، اور سارے عالم کو اللہ کی یہ بات سنائی کہ:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [الحجرات: ۱۳]

"بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہیں جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہیں۔"

(د)...... رعایا کو حکومت میں شریک کیا، اور لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے رائے اور مشورہ کا حکم دیا۔

(ھ)...... ساری دنیا کے سامنے آپ ﷺ نے اس بات کا اعلان کیا کہ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ شادی

کرے، اور نسلِ انسانی کی بقا کے لیے اپنی بیوی سے جنسی تعلقات قائم کرے۔ اس طرح آپ ﷺ نے تعمیرِ عالم کا بنیادی کام کیا، اور اسے قیامت تک کے لیے فنا و انہدام سے محفوظ کر دیا۔

(و)..... عورتوں کو اُن کا سماجی حق دلایا، اور مردوں کے حقوق کی حفاظت کے ساتھ اُن کے بھی حقوق کی حفاظت کا سامان کیا۔

(ز)..... شراب کو حرام قرار دیا، جو تمام برائیوں کی جڑ ہے، اور زنا اور اس کے قریب لے جانے والے تمام اسباب و ذرائع کو بھی حرام کیا۔

(ح)..... صدق و صفا کی تعلیم دی، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی صفات میں سے ہے، اور جھوٹ کی بُرائی کو لوگوں کے دلوں میں بٹھایا۔

۱۵- ہمارے نبی ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ صائب رائے اور راجح عقل والے تھے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تاریخ کبیر (البدایہ والنہایہ ۶/۶۵) میں لکھتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ حقیقی معنوں میں مخلوقِ الٰہی میں سب سے زیادہ کامل و عاقل تھے۔''

مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دینِ اسلام اور اسے لے کر آنے والے محمد بن عبداللہ ﷺ تمام اقوامِ عالم کے لیے رحمت تھے، اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے سب سے بہترین رسول بنا کر مبعوث کیا۔ آپ ﷺ کے ذریعے قیامت تک کے لیے بعثتِ نبوت پر مہر لگا دی گئی، اور ہر زمان و مکان کے بنی نوعِ انسان کے لیے آپ ﷺ کی عظیم شریعتِ اسلامیہ کو عام کر دیا گیا، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی یوں وضاحت کر دی کہ:

﴿هُوَ الَّذِيٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُۥ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُۥ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝﴾

[التوبہ: ۳۳]

''وہ اللہ کی ذات ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا ہے، تاکہ اسے دنیا کے تمام اَدیان پر غالب کرے، اگرچہ مشرکین ایسا نہیں چاہتے ہیں۔''

❁❁❁❁

آفتابِ عالم تاب جبلِ فاران سے طلوع ہوتا ہے

تنہائی اور عزلت پسندی:

جن روایات میں آپ ﷺ کی خلوت پسندی، عبادت وریاضت، غیبی آوازوں کے سننے، اور خوابوں کے دیکھنے کا ذکر آیا ہے جن کی تعبیریں صبح صادق کی مانند آپ ﷺ کے لیے عیاں ہو جاتی تھیں، ایسی روایتوں کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ پچیس سال کی عمر سے پہلے ہی تنہائی پسند ہو گئے تھے۔ اُن دنوں آپ چند سکّوں کے عوض اہلِ مکہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے، آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان پائی جانے والی مخلوقات میں غور کرتے رہتے تھے، اور بُتوں سے تو آپ بچپن ہی سے غایت درجہ نفرت کرتے تھے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: آپ ﷺ جب پچیس سال کے ہوئے تو تجارت کے لیے ملکِ شام کا سفر کیا۔۔۔ واپس آنے کے بعد سیّدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی، اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں خلوت میں اپنے رب کی عبادت کرنے کی رغبت پیدا کر دی۔ ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دل میں بتوں کی ایسی نفرت بٹھادی کہ دنیا میں کوئی چیز آپ کی نظر میں اپنے آباء واجداد کے دینِ باطل اور بُت پرستی سے زیادہ مبغوض نہیں تھی۔

میں نے گزشتہ صفحات میں ''نبی کریم ﷺ کا بتوں سے بغض وعداوت'' کے عنوان کے تحت جو کچھ لکھا ہے، اسے دوبارہ پڑھیے تاکہ آپ کو یاد آجائے کہ آپ بچپن سے ہی بتوں سے نفرت کرتے تھے۔ اور ایک بار جب اپنے چچا ابو طالب اور اپنی پھوپھیوں کے اصرار پر ایک بُت کو چھونا چاہا تو ایک سفید طویل القامت آدمی آپ کے آگے آگیا، اور چیخ پڑا، اے محمد! پیچھے ہٹ جائیے، بُت کو ہاتھ نہ لگائیے۔

اور جیسے جیسے آپ ﷺ کی عمر بڑھتی گئی، آپ کی خلوت نشینی، آسمانوں اور زمین میں پائی جانے والی کائنات میں غور وفکر، اور عام حالات میں لوگوں سے اُن کی بُت پرستی اور بتوں کے سامنے اُن کی سجدہ ریزی کے سبب بتوں سے نفرت بڑھتی گئی۔

روشنی دیکھتے اور اپنے متعلق آوازیں سنتے:

آپ ﷺ کی عمر جب اڑتیس سال کے قریب ہوئی تو بسا اوقات ایک روشنی آپ ﷺ کی آنکھوں کے سامنے کوند جاتی، اور اپنے متعلق آوازیں سنتے، لیکن کسی آدمی کو نہیں دیکھتے۔ اتحاف الوریٰ کے مؤلف لکھتے ہیں کہ ''اڑتیس سال کی عمر سے آپ ﷺ ایک قسم کی روشنی اور نور دیکھنے لگے، اور آوازیں سننے لگے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تقریباً تین سال تک آواز سنتے رہے، لیکن نہیں سمجھتے تھے کہ یہ آواز کیسی ہے؟ اور شاید شجر وحجر انہی دنوں آپ ﷺ کو سلام کرتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ہے، اور ایک روشنی دیکھتے تھے۔ ❶

❶ الاتحاف: ص/ ۱۶۱، ۱۶۲۔

غارِ حرا میں اللہ کی عبادت:

امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا: میں ایک طرح کی روشنی دیکھتا ہوں، اور ایک آواز سنتا ہوں، مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے جنون تو لاحق نہیں ہوگیا؟! انہوں نے کہا: اے ابن عبداللہ! اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔ پھر وہ ورقہ بن نوفل کے پاس آئیں، اور اُن کو واقعۂ حال سے مطلع کیا، تو انہوں نے کہا: اگر انہوں نے سچ کہا ہے تو یہ ناموس موسیٰ کی مانند ناموس ہے۔ اگر وہ نبی بنائے گئے، اور میں زندہ رہا تو اُن کی مدد کروں گا، اور اُن کے کام آؤں گا، اور اُن پر ایمان لے آؤں گا۔ ❶

اس دوران آپ ﷺ میں خلوت نشینی کی رغبت شدید تر ہوگئی، آپ ﷺ دینِ ابراہیمی کے مطابق اپنے اللہ کو خوب یاد کرتے، اس کی عبادت میں لگے رہتے، اور ایسا لگتا تھا کہ آپ ﷺ کی پاکیزہ اور صاف وشفاف روح اس امرِ عظیم کا غایت درجہ اشتیاق کے ساتھ انتظار کرنے لگی جسے قبول کرنے کے لیے آپ ﷺ ہر طرح تیار تھے۔

آپ ﷺ نے اپنی خلوت نشینی کے لیے جبلِ نور میں موجود غارِ حرا کو پسند فرمایا، جہاں سے خانۂ کعبہ سیدھا نظر آتا تھا! اور وہاں سے تقریباً تین میل کی دوری پر تھا۔ آپ ﷺ وہاں خلوت میں دینِ ابراہیمی کے مطابق کئی کئی راتیں اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے، اور جب کھانا اور پانی ختم ہوجاتا تو سیدہ خدیجہؓ کے پاس آتے، اور دوبارہ کھانا پانی لے کر غار میں لوٹ جاتے۔

بعثت سے پہلے کے چند آخری سالوں میں تو آپ ﷺ ماہِ رمضان میں مکہ کو چھوڑ ہی دیتے، اور پورا مہینہ اُسی غار میں گزارتے۔ اور بلاشبہ آپ ﷺ کا غارِ حرا کو اختیار کرنا مشیتِ الٰہی کے مطابق تھا، تاکہ آپ ﷺ دعوتِ اسلامیہ کا بارِ گراں اٹھانے اور اُس امرِ عظیم کے استقبال کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں جس کا آپ ﷺ کو شدید انتظار تھا۔

سچے خواب کی تعبیر صبحِ صادق کی طرح ظاہر ہوتی:

بعثت سے تقریباً چھ سال پہلے سے آپ ﷺ سچے خواب دیکھنے لگے، جن کی تعبیریں فوراً صبحِ صادق کی مانند ظاہر ہوجاتیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ پر نزولِ وحی کی ابتدا سچے خوابوں کی صورت میں ہوئی، اور جب بھی کوئی خواب دیکھتے تو اس کی تعبیر صبحِ صادق کی طرح سامنے آجاتی۔ ❷

اس بات کی تائید محمد بن اسحاق کی عبید بن عمیر لیثی سے مروی حدیث سے ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں سویا ہوا تھا تو جبریل علیہ السلام میرے پاس دیباج کے ایک ٹکڑے میں لپٹی ایک کتاب لے کر آئے، اور کہا: پڑھیے۔ میں نے کہا: مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ تو جبریل علیہ السلام نے اتنا زور سے مجھے دبایا کہ میں سمجھا، اب میری موت قریب ہے، پھر مجھے چھوڑ دیا۔ ❸

---

❶ مسند احمد: ۱/ ۳۱۲، مجمع الزوائد، هیثمی: ۸/ ۲۵۵، اور کہا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اسے متصل ومرسل دونوں طرح روایت کی ہے اور احمد شاکر رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے، حدیث (۲۸۴۶)۔

❷ صحیح بخاری، تفسیر: حدیث (۴۹۵۳)، بدء الوحی: حدیث (۳)۔

❸ سیرۃ ابن هشام: ۱/ ۲۵۲، اس کی سند مرسل صحیح ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نیند کی حالت میں آپ ﷺ سے ایسا کہا جانا اُس امر عظیم کا پیش خیمہ تھا جو عنقریب ہی حالتِ بیداری میں واقع ہونے تھا، بلکہ مغازی موسیٰ بن عقبہ میں امام زُہری رحمہ اللہ نے اس کی صراحت کردی ہے کہ پہلے آپ ﷺ نے ایسا خواب میں دیکھا، پھر وہی فرشتہ آپ ﷺ کے پاس حالتِ بیداری میں آیا۔

اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں علقمہ بن قیس سے روایت کی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ایسا پہلے حالتِ خواب میں ہوتا تھا، تاکہ اُن کے دل تیار ہو جائیں، پھر بعد میں اُن پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔ ❶

❁❁❁❁

❶ صحیح السیرۃ النبویۃ، الالبانی: ص / ۸۷.

بعثت اور ابتدائے وحی

مشہور ماہر فلکیات محمود پاشا مصری کی تحقیق کے مطابق نبی کریم ﷺ جب چالیس سال، چالیس دن کے ہوئے (اور ایک قول کے مطابق بیس دن کے، اور ایک تیسرے قول کے مطابق دس دن کے) تو سن ۱۳ ارقبل ہجرت، ۱۷ ررمضان، سوموار کی رات کو جبریل علیہ السلام رب العالمین کی طرف سے وحی لے کر آپ ﷺ کے پاس غار حرا میں حالت بیداری میں آئے۔

اور آپ ﷺ سے کہا: پڑھیے، تو آپ نے فرمایا: مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر جبریل علیہ السلام نے مجھے پکڑ لیا، اور زور سے بھینچا، پھر چھوڑ دیا، اور کہا: پڑھیے۔ میں نے کہا: مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے تیسری بار پکڑ لیا، اور زور سے بھینچا، پھر چھوڑ دیا، اور کہا:

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝﴾ [العلق: ۱-۵]

"اے پیغمبر! آپ پڑھیئے، اپنے رب کے نام سے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا ہے، اس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا ہے، پڑھیے، اور آپ کا رب بے پایاں کرم والا ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم دیا، اس نے آدمی کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

رسول اللہ ﷺ وہاں سے فوراً واپس آگئے، اُس وقت آپ کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ آپ ﷺ سیدہ خدیجہ بنت خویلدؓ کے پاس آئے، اور کہا: مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو۔ آپ ﷺ کے گھر والوں نے آپ کو کمبل اوڑھا دیا، اور کچھ دیر کے بعد آپ کا خوف جاتا رہا۔ آپ نے خدیجہؓ کو پوری بات بتائی، اور کہا: میں اپنے بارے میں ڈر گیا ہوں، خدیجہ نے کہا: ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، مجبوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، محتاجوں کے لیے کسب معاش کرتے ہیں، مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں، اور حق کے کاموں میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔

ورقہ بن نوفل نے کہا: اِن کے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے:

سیدہ خدیجہؓ آپ ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو زمانۂ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے، انہیں عربی لکھنا آتا تھا، اس لیے انجیل کو عربی میں حسب ضرورت لکھ لیا کرتے تھے، وہ بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے، سیدہ خدیجہؓ نے ان سے کہا: اے میرے بھائی! آپ اپنے بھتیجے کی بات سنیے۔ ورقہ نے پوچھا: بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا اسے بیان کیا۔ ورقہ نے کہا: یہ تو وہی ناموس (جبریل) ہیں، جسے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ کاش! میں طاقتور جوان ہوتا، کاش! میں اس وقت زندہ رہتا، جب تمہیں تمہاری قوم نکال دے گی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے حیرت کے ساتھ پوچھا: کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں! جب بھی کوئی شخص اُس چیز کو لے کر آیا جسے لے کر تم

آئے ہو، تو اُس سے دشمنی کی گئی۔ اگر میں اُس وقت زندہ رہا تو تمہاری زبردست مدد کروں گا۔ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد ورقہ وفات پا گئے، اور چند دنوں کے لیے وحی کا آنا بند ہو گیا۔ ❶

آپ ﷺ کی بعثت:

سیدہ خدیجہؓ کے پاس رہنے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ کا ڈر جاتا رہا تو پھر غارِ حرا جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ گئے۔ اس کے بعد ایک ماہ سے زیادہ وحی کا سلسلہ بند رہا، آپ ﷺ اُن دنوں قلق واضطراب کی حالت میں وحی کا انتظار کرتے رہے، یہاں تک کہ ماہِ شوال کے آخر میں ایک دن جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے۔

امام بخاری ومسلم نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اُن ایام کے بارے میں روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سُنا ہے کہ ایک دن راستہ چلتے ہوئے میں نے آسمان سے ایک آواز سُنی، تو مارے خوف ودہشت کے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔ پھر اپنے اہل وعیال کے پاس آیا، اور کہا: مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو، تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَأَنذِرْ ② وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ④ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ⑤﴾ [المدثر: ۱-۵]

''اے چادر اوڑھنے والے، اٹھیے! اور لوگوں کو (ان کے رب سے) ڈرائیے، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے، اور اپنے کپڑے پاک رکھیے، اور بتوں سے کنارہ کش ہو جائیے۔''

اس کے بعد دوبارہ وحی آنی شروع ہو گئی، اور مسلسل آتی رہی۔ ❷

امام بخاری ومسلم نے یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کی ہے کہ میں نے سیدنا ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ سے پوچھا: قرآن کی کون سی آیتیں پہلے نازل ہوئیں؟ تو انہوں نے کہا: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ میں نے کہا: اور ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ کب نازل ہوئی؟ تو انہوں نے کہا: میں نے جابر بن عبداللہؓ سے پوچھا: قرآن کی کون سی آیتیں پہلے نازل ہوئیں؟ تو انہوں نے کہا: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ میں نے کہا: اور ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾؟ تو انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ایک مہینہ غارِ حرا میں گوشہ نشین رہ کر نیچے اترا، اور وادی میں پہنچا تو میں نے سُنا کہ کوئی مجھے آواز دے رہا ہے، میں نے اپنے دائیں، بائیں اور آگے پیچھے دیکھا تو کوئی نظر نہیں آیا، پھر آسمان کی طرف نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہی فرشتہ ہوا میں تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی۔ میں فوراً سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا، اور ان سے کہا: مجھے کمبل اوڑھا دو، تو اللہ نے ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَأَنذِرْ ② وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ④﴾ [المدثر: ۱-۴] آیات نازل فرمائیں۔ ''اے چادر اوڑھنے والے، اٹھیے! اور لوگوں کو (ان کے رب سے) ڈرائیے، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے، اور اپنے کپڑے پاک رکھیے۔''

ایک روایت میں ہے: میں نے آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھے اُسی فرشتے کو دیکھا جو میرے پاس غارِ حرا میں آیا تھا۔ میں فوراً گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ روایت ان آیات سے متعلق ہے جو آپ ﷺ پر توقفِ وحی کے بعد نازل ہوئی تھیں۔ اور اس کی دلیل آپ ﷺ کا یہ قول ہے کہ ''میں دوبارہ غارِ حرا لوٹنے کے بعد ایک مہینہ تک عبادت کرتا

---

❶ صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، باب ۳، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۳۴۔

❷ صحیح البخاری، حدیث: ۴۹۵۴ اور امام مسلمؒ نے بھی جابرؓ سے اس حدیث کو تقریباً انہی الفاظ میں روایت کیا ہے۔

رہا، اور جب وہاں سے نیچے اُترا" انتہائے حدیث تک۔

اس دلیل کو حدیث کی دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ کے اس فرمان سے تقویت ملتی ہے کہ "میں نے آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھے اسی فرشتے کو دیکھا جو میرے پاس غارِ حرا میں آیا تھا"، اس میں صراحت ہے کہ اس بار جبریلؑ آپ کے پاس غارِ حرا کے باہر آئے تھے، اور اسی موقع سے سورۃ المدثر کی ابتدائی آیتیں آپ پر نازل ہوئیں۔ اور سورۂ "اقرأ" آپ ﷺ پر غارِ حرا میں اُس وقت نازل ہوئی، جب جبریل علیہ السلام آپ کے پاس پہلی بار آئے، جیسا کہ سیدہ عائشہؓ سے مروی بخاری ومسلم کی روایت میں آیا ہے: "یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس حق آیا جب آپ غارِ حرا میں تھے۔"

اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا، یعنی تیسری بار مجھے بھینچنے کے بعد، پھر جبریل علیہ السلام نے کہا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ② اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ③ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ⑤﴾ [العلق: ۱-۵]

"اے پیغمبر! آپ پڑھیے، اپنے رب کے نام سے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا ہے، اس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا ہے، پڑھیے، اور آپ کا رب بے پایاں کرم والا ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم دیا، اس نے آدمی کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

اس طرح آپ ﷺ پہلی وحی کے ذریعہ نبی بنا کر مبعوث کیے گئے، اور دوسری وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا والوں کے پاس رسول بنا کر بھیجا۔

آپ ﷺ کے بارے میں ایک باطل تہمت کی تردید:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے درمیان بہت دنوں سے امام زہریؒ کی طرف منسوب ایک قول کو پڑھا کرتا تھا کہ کچھ دنوں کے لیے جب وحی کا آنا بند ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ غمگین ہوئے، یہاں تک کہ کئی بار آپ نے سوچا کہ کسی بلند پہاڑی سے نیچے چھلانگ لگا کر ہلاک ہو جائیں، لیکن جب بھی کسی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تو جبریلؑ سامنے آکر کہتے: اے محمد! آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، تو آپ کے دل کو اطمینان ہو جاتا، اور واپس گھر لوٹ آتے...... الحدیث۔

اسی طرح کی ایک روایت طبری نے اپنی تاریخ (۲/۲۰۷) میں بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں یقیناً ایک پہاڑ کی چوٹی سے اپنے آپ کو نیچے گرا دوں گا اور خودکشی کر لوں گا، تاکہ مجھے آرام آجائے۔ چنانچہ میں ایک دن اس ارادے سے نکلا اور جب پہاڑ کے بیچ میں پہنچا تو آسمان سے ایک آواز سُنی: "اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں، اور میں جبریل ہوں۔"

میں اس قصے کو جب بھی پڑھتا، اور اس میں ظلم وبہتان تراشی کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ کی طرف جو یہ منسوب کیا گیا ہے کہ آپ نے کئی بار پہاڑ کے اُوپر سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لینی چاہی، تو میری عقل اسے کبھی قبول نہیں کرتی تھی، اس لیے کہ اس طرح کا بیمار رجحان کسی عقل کے مریض آدمی میں ہی پایا جا سکتا ہے۔ عقل مند، سنجیدہ اور دور اندیش آدمی تو عقلمندی کے ساتھ مشکل حالات کا مقابلہ کرتا ہے، یہاں تک کہ اُن پر غالب آجاتا ہے، اس طرح کا بیمار رجحان تو اس بات کی دلیل ہوتی

ہے کہ وہ آدمی حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور دوسروں کی طرف سے کسی عزت واحترام کا حقدار نہیں ہوتا۔ یہ بات تو ایک عام عقل مند آدمی کے بارے میں بھی نہیں کہی جائے گی، تو ایسا معیوب اور بیمار رجحان خاتم النبیین ﷺ کے اندر پائے جانے کو کیسے مانا جاسکتا ہے جنہیں دنیا کے بڑے بڑے عقلمندوں نے سب سے زیادہ عقل مند، دور اندیش اور سنجیدہ مانا ہے، جیسا کہ ابھی آپ ﷺ کی صفات کے ذکر میں گزر چکا۔

اس لیے اس بیمار فکر کی نسبت آپ ﷺ کی طرف جھوٹ اور بہتان ہے، چاہے اس کا سبب جو بھی ہو، اور اس جھوٹ کو مذکورہ بالا حدیث میں امام زہریؒ کے بلاغ کے طور پر داخل کرنے والا جو بھی ہو۔ جو علماء فن حدیث، نقدِ متن کے اصولوں سے واقف ہیں انہیں اس بات کو سمجھنے میں ہرگز دیر نہیں لگے گی کہ نبی کریم ﷺ کی طرف خودکشی کے رجحان کی نسبت سے بڑھ کر اور کوئی جھوٹ نہیں ہوسکتا۔

میں نے اس کتاب کی تیاری کے دوران اپنے شیخ علامہ محدث البانی رحمہ اللہ کی کتاب ''صحیح السیرۃ النبویہ'' میں یہ پڑھا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف اس جھوٹ کی نسبت صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ یہ امام زہری رحمہ اللہ کی طرف منسوب بلاغات میں سے ہے، اور یہ سند کے اعتبار سے امام زہری رحمہ اللہ تک متصل بھی نہیں ہے، اسی لیے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الصحیح میں اسے ذکر نہیں کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ روایت کا یہ حصہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے نبی کریم ﷺ سے مروی نہیں ہے، بلکہ کسی نے اسے اس روایت میں داخل کر دیا ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ طبری کی یہ روایت نبی کریم ﷺ پر بہتانِ عظیم ہے، اور ان مؤلفین نے بہت بڑی غلطی کی ہے، جنہوں نے اسے آپ ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ❶

آخر میں میں یہ کہنا چاہوں گا، اور میرا مقصد اپنے نفس کا تزکیہ نہیں، کہ میں عہد نبوی سے بعید ترین اس عہد میں نبی ہاشمی ﷺ کا ایک معمولی پیروکار ہوں۔ اگر ۔ اللہ نہ کرے لاکھ بار ۔ میں کسی ایسی مشکل آزمائش میں پڑ جاؤں جو عقلوں کو حیران کر دے تو اللہ کے فضل وکرم سے ہرگز اس قسم کے معیوب اور بیمار رجحان کو اپنے دل ودماغ کی طرف راہ نہیں دوں گا، بلکہ رات دن اللہ کے حضور گریہ وزاری کروں گا کہ اللہ اس مشکل کو ٹال دے، مجھ پر رحم کر دے، اور میری طاقت سے زیادہ مجھ پر بوجھ نہ ڈال۔ تو پھر اس بیمار فکر کی نسبت کو ایک لمحہ کے لیے بھی آپ ﷺ کی طرف کیسے قبول کرسکتا ہوں؟ جن پر ہم سب ایمان لائے ہیں، اور جن سے ہم نے اپنے آباء واجداد، اپنی اولاد اور اپنی جانوں سے زیادہ محبت کی ہے، آپ ﷺ کے اس مقامِ عظیم کی وجہ سے جو اللہ نے آپ ﷺ کو تمام انبیاء ورسل کے درمیان عطا کیا تھا، اور آپ ﷺ کی اس عقلِ عظیم کے سبب جو ابتدائے آفرینش سے دنیا میں اُن کے سوا کسی کو نہیں ملی، اور آپ ﷺ کی بردباری، دور اندیشی اور اپنے رب پر ایمانِ قوی کی وجہ سے جو آپ کو بعثت سے پہلے سے حاصل تھا۔

ابتدائے دعوتِ اسلامیہ:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ العلق کی ابتدائی آیتوں میں اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ پر جو قرآن ابھی نازل ہوا، اور آئندہ نازل ہوگا، اسے آپ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر پڑھیں، اور اگرچہ آپ امی ہیں، آپ کا ربِّ کریم آپ کو

---

❶ دیکھئے: الرحیق المختوم: ص/ ۷۷۔

پڑھنا سکھا دے گا، جس نے ابن آدم کو قلم کے ذریعہ لکھنے کا علم دیا جو اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو نہ بھیجتے تو یہ دین وجود میں نہ آتا، اور زمین پر انسانوں کی طرح رہ کر خالق کائنات کی عبادت کرنا ناممکن ہوتا۔ آپ ﷺ ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر روشن شاہراہ پر ڈال دیا۔

اللہ تعالیٰ نے دعوتِ اسلامیہ کی ابتدا قراءت وکتابت کی دعوت کے ذریعہ کی ہے، اور محمد عربی اُمّی جنہیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا، ان کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کو بنایا جس کی تلاوت ہوتی ہے، اور جو کتاب کی شکل میں لکھا جاتا ہے، اور اس بات کا اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ اسی کتاب کے ذریعہ امتِ محمدیہ کو یکسر ناخواندگی کی حالت سے نکال کر علم کی دنیا میں پہنچا دے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢﴾﴾ [الجمعة: ۲]

''اسی نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں، اور انہیں (کفر وشرک کی آلائشوں سے) پاک کرتے ہیں، اور انہیں قرآن وسنت کی تعلیم دیتے ہیں، بے شک وہ لوگ اُن کی بعثت سے قبل صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔''

۲۔ اور توقفِ وحی کے بعد جو چھ آیتیں نازل ہوئیں، اُن میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مندرجہ ذیل باتوں کا حکم دیا:

(ا)...... آپ اُٹھیں اور اہلِ مکہ کو ڈرائیں کہ اگر وہ اوثان واَصنام کی عبادت سے باز نہیں آئیں گے، جن کی ان سے پیشتر ان کے آباء واجداد عبادت کرتے رہے تھے، تو اللہ کا عذاب انہیں آلے گا۔

(ب)...... آپ اپنے آقا ومالک اور اپنے تمام امور کی اصلاح کرنے والے ربِ ذوالجلال کی عظمت وکبریائی بیان کرتے رہیں، اور اعلان کرتے رہیں کہ اس کی ذات سب سے اعلیٰ وبرتر ہے، تخلیق وبادشاہی اور عبادت کسی میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور جیسا کہ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو نماز پڑھنے کی تعلیم دی ہے، نماز ادا کرتے رہیں، اور امتِ اسلامیہ کو بھی اس کی تعلیم دیتے رہیں۔

(ج)...... آپ اپنے کپڑے ہر حال میں تمام نجاستوں سے پاک وصاف رکھیں، اور خاص طور سے نماز کی حالت میں، اور اپنے باطن کو تو بدرجۂ اولیٰ تمام گندگیوں اور عقائد واخلاق کی پلیدگیوں سے یکسر پاک کیجیے۔

(د)...... آپ اصنام واوثان سے بالکل کنارہ کش ہو جائیں۔ اور چونکہ نبی کریم ﷺ جب سے پیدا ہوئے بتوں کی عبادت سے بالکل دور رہے، اس لیے اس آیتِ کریمہ میں بتوں سے عداوت اور ان سے دور رہنے کی آپ کو مزید رغبت دلائی گئی ہے، اور لوگوں کو بتوں کی پرستش سے بالکل کنارہ کش ہو کر صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

(ہ)...... اور یہ جو دعوت کی ذمہ داری آپ ﷺ پر ڈالی گئی ہے، تو اس کا آپ اپنے رب پر احسان نہ جتائیں، بلکہ اس کے بدلے رب العالمین سے اجر وثواب کی امید رکھیں۔ بعض لوگوں نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے: کسی کو کچھ دے کر آپ اُس پر احسان نہ جتائیں۔

(ز)..... آپ ﷺ کے سر ایک بہت بڑی ذمہ داری ڈالی گئی ہے، اور وہ ہے، سارے عالم کو صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دینا، اور جب آپ ایسا کریں گے تو عرب وعجم سب آپ ﷺ کے خلاف جنگ کے لیے آمادہ ہو جائیں گے، ایسی حالت میں آپ صبر کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مذکورہ اوامر پر پورے طور پر عمل کیا۔ اُن میں سب سے اہم، نمازوں کی متعین اوقات میں ادائیگی ہے، جیسا کہ ابتدائے وحی کے وقت ہی جبریل علیہ السلام نے آپؐ کو تعلیم دی تھی۔ چنانچہ آپؐ نے خود نماز پڑھی، اور جب گھر آئے تو اپنی بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جو سرزمین پر پہلی مسلمان تھیں، وضو اور نماز کا طریقہ سکھایا، پھر ہر اس شخص کو سکھاتے رہے جو اسلام میں داخل ہوا، اور تمام صحابہ کرامؓ کے دل و دماغ میں یہ بات اتار دی کہ وہ جہاں بھی رہیں نماز ادا کریں، اس لیے صحابہ کرامؓ اپنے گھروں میں، مکہ کی گھاٹیوں میں، اور دار ارقم میں، جو صفا پہاڑی پر تھا، مشرکین کی نظروں سے چھپ کر نماز ادا کرتے رہے۔ صحابہ کرام اسی دار ارقم میں آپ ﷺ سے اسلام کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے جمع ہوا کرتے تھے، اس لیے یہ گھر دعوتِ اسلامیہ کا پہلا مرکز اور اسلام اور مسلمانوں کے معاملات پر رائے مشورہ کرنے کی پہلی جگہ تھی۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو عذابِ آخرت سے ڈرایا، اور اللہ کی عظمت وشان بیان فرمائی۔ نیز آپ ﷺ نے لوگوں کو بتوں کی عبادت، ارتکابِ معاصی اور ہر بُرے اخلاق سے روکا۔ اور اللہ کے بعد آپ نے بنی نوع انسان پر احسان کیا، اس لیے کہ آپ ﷺ ہی نے اسلام کی دعوت اُن تک پہنچائی، اور اس راہ میں اذیتوں اور صعوبتوں کو برداشت کیا، اور اس کے لیے بندوں سے کسی معاوضہ کی امید نہیں رکھی، بلکہ ان کا اجر تو انہیں اللہ سے ملنا تھا۔ آپ ﷺ اسی پر پورے عزم وقوت کے ساتھ قائم رہے، تمام تکلیفوں پر اللہ کی جانب سے ثواب کی امید میں صبر کرتے رہے، اور ان تمام صفاتِ عالیہ میں تمام انبیاء ورسل پر فوقیت لے گئے۔ (اللہ کا درود وسلام ہو آپ ﷺ پر)۔

وجوبِ نماز، سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ایمان لانا، اور آپ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کرنا:

امام بخاری ومسلم نے ابتدائے وحی کی کیفیت کے بیان میں روایت کی ہے کہ آپ ﷺ پہلی وحی کے نزول کے بعد فوراً خدیجہؓ کے پاس آئے، اُس وقت آپ ﷺ شدتِ رعب سے کانپ رہے تھے۔ آپؐ نے اُن سے کہا: مجھے کمبل اڑھاؤ، مجھے کمبل اڑھاؤ، تو گھر والوں نے آپ کو کمبل اڑھا دیا، یہاں تک کہ آپؐ کا خوف جاتا رہا۔ پھر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس آئیں، انہوں نے سارا ماجرا سننے کے بعد کہا کہ یہ تو وہی ناموس (جبریل) تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا۔

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تو ورقہ کے پاس آنے سے پہلے ہی آپ ﷺ کو اطمینان دلا دیا تھا، اور کہا تھا: ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا۔ اور شادی کے بعد بھی انہوں نے آپؐ سے کہا تھا: مجھے امید ہے کہ آپؐ ہی وہ نبی ہوں گے جنہیں مبعوث کیا جائے گا، جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے۔

یہ ساری باتیں اس امر کی واضح دلیل تھیں کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلے سے ہی اس حق کو قبول کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھیں، جسے لے کر نبی کریم ﷺ تشریف لائے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے

پاس آئے تو انہوں نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں سے لگا لیا، اور آپ ﷺ نے انہیں وضو کرنا سکھایا، جس طرح جبریل علیہ السلام نے آپ کو سکھایا تھا، اور انہیں نماز پڑھنا سکھایا جیسا جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو تعلیم دی تھی۔ گویا خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والی پہلی بنتِ آدم تھیں۔ ❶

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ثابت ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس جب پہلی وحی لے کر آئے تو آپ ﷺ کو وضو اور نماز کا طریقہ سکھایا۔ ❷

ابن براء رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ثابت ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جب نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا تو اس وقت آپ کی عمر چالیس سال ایک دن تھی، آپ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے...... ابن براء نے کہا: پھر جبریل نے اپنی ایڑی زمین پر ماری تو اس سے پانی اُبل پڑا، پھر انہوں نے آپ ﷺ کو وضو کرنا اور دو رکعت نماز پڑھنا سکھایا۔ ❸

کندی سے یہ حدیث ثابت ہے کہ جب وہ ابتدائے اسلام میں عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے پاس آئے، اور رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو اُس وقت آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، اور خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے پیچھے اور علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ ❹

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث ثابت ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد نبی کریم ﷺ کے ساتھ سب سے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی۔ ❺

معلوم ہوا کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے بعد سرزمین پر اسلام میں داخل ہونے والی دوسری شخصیت تھیں، جیسا کہ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ایمان لائیں، اور اللہ کی بھیجی ہوئی رسالت کی تصدیق کی، ہر موڑ پر آپ ﷺ کی مدد کی، اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والی اور رسالت کی تصدیق کرنے والی پہلی انسان تھیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے بوجھ کو کافی حد تک ہلکا کیا۔ آپ ﷺ جب بھی کفارِ قریش کی زبانی کوئی ناگوار بات سنتے جس سے آپ ﷺ کو غم لاحق ہوتا تو آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتے، وہ آپ کو اطمینان دلاتیں، ہمت بڑھاتیں اور ہر بار آپ ﷺ کی تصدیق کرتیں، اور آپ ﷺ سے کہتیں کہ آپ ان کافروں کی باتوں سے غمگین نہ ہوں۔ یہ باتیں سن کر آپ کا دل ہلکا ہو جاتا، اور حزن و ملال جاتا رہتا۔ اللہ تعالیٰ خدیجہؓ سے راضی ہو، اور ان کو اپنی نعمتوں کے ذریعہ راضی کر دے۔ ❻

رسول اللہ ﷺ پر نزولِ وحی کی کیفیت:

نزولِ وحی کی کیفیت کے بیان میں جو صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں، ان کا مطالعہ کرنے سے آپ ﷺ پر نزولِ وحی کی

---

❶ التحف النوری: ص/ ۱۶۵۔ ❷ الوفاء بأحوال المصطفیٰ: ۱/ ۲۶۶۔ ❸ الوفاء: ۱/ ۲۶۵۔

❹ مسند احمد: ۱/ ۲۰۹، ۲۱۰، اس کے رجال ثقات ہیں۔ مستدرک حاکم: ۳/ ۱۸۳، امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں اور نسائی نے خصائص (۱۸، ۱۷) میں، اور امام بخاری نے تاریخ کبیر (۱/ ۲-۷۵) میں، اور امام ابن عبدالبر نے استیعاب میں روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث بہت ہی حسن ہے۔

❺ ترمذی، مناقب علی: حدیث (۳۷۳۴)، مسند احمد: ۱/ ۳۳۰، ۳۳۱، اس کی سند جید ہے۔

❻ سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۲۴۰۔

مندرجہ ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ کبھی وحی گھنٹی کی تیز آواز کی مانند آتی۔ اور وحی کی یہ نوعیت آپ ﷺ پر شدید ترین ہوتی تھی۔ جب وحی ختم ہوتی تو آپ ﷺ کے جبین مبارک پر پسینے کے قطرے دکھائی دیتے، اور آپ جبریل علیہ السلام کے ذریعہ نازل کردہ اللہ کے کلام کو یاد کر چکے ہوتے۔

۲۔ کبھی فرشتہ (جبریل) آپ ﷺ کے پاس ایک آدمی کی شکل میں آ کر کلام کرتا، تو آپ ﷺ اسے یاد کر لیتے۔ وحی کی ان دونوں قسموں کی دلیل آپ ﷺ کا یہ قول ہے کہ ”مجھ پر وحی کبھی گھنٹی کی تیز آواز کی مانند آتی ہے جو وحی کی شدید ترین قسم ہوتی ہے، اور جب وحی بند ہو جاتی ہے تو میں سب کچھ یاد کر چکا ہوتا ہوں، اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک آدمی کی شکل میں آتا ہے جو مجھ سے کلام کرتا ہے تو میں اس کلام کو یاد کر لیتا ہوں۔“ راوی حدیث سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حارث بن ہشام کے حوالے سے اللہ کے رسول کا یہ قول نقل کرتی ہیں کہ جب وحی کا سلسلہ رُک جاتا تو آپ کی جبین مبارک پر پسینے کے قطرے نظر آنے لگتے۔ ❶

۳۔ آپ ﷺ کی جبین مبارک پر۔ جیسا کہ ابھی گزرا۔ پسینہ کے قطرے دکھائی دیتے تھے، اور بخار کی شدت کی طرح سخت گرمی کا آپ کو احساس ہوتا تھا، اور وحی کے بارِگراں کے سبب موتی کے دانوں کی طرح پسینہ کے قطرے آپ ﷺ کے جسم سے ٹپکنے لگتے تھے، اور اس کی سختی کی وجہ سے آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک متاثر ہو جاتا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ وحی الٰہی کے بوجھ تلے سختی اور تھکن سے دوچار ہوتے تھے۔ ❷

(۴) کبھی کبھار وحی کا بوجھ ﷺ آپ پر ہلکا ہوتا تھا، آپ ﷺ پر رات کا کھانا کھاتے وقت وحی نازل ہوتی، اور گوشت والی ہڈی آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہوتی، آپ کا احساس پوری طرح باقی رہتا، پھر آپ ﷺ اپنا سر اٹھاتے، اور اپنے رب کی طرف سے نازل شدہ احکام شرعیہ کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے۔ ❸

(۵) عام حالات میں آپ ﷺ پر وحی کا بوجھ شدید ہوتا تھا، آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے اس بارِگراں کو اٹھانے کے لیے پہلے سے ہی تیار کر دیا تھا۔ آپؐ کی اونٹنی اسے برداشت نہیں کر پاتی تھی، اسی لیے آپ فوراً اس سے اُتر جاتے۔ اسماءؓ بنت یزید کہتی ہیں کہ میں آپ پر سورۃ المائدہ کے نزول کے وقت آپؐ کی اونٹنی عضباء کی نکیل پکڑے ہوئی تھی، اور ایسا لگتا تھا کہ وحی کا وزن اونٹنی کے بازوؤں کو پیس ڈالے گا۔ اور عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ سورۃ المائدہ جب آپ پر نازل ہوئی تو آپؐ اپنی اونٹنی پر سوار تھے، جب وہ وحی کا بوجھ برداشت نہ کر سکی تو آپؐ فوراً اس سے اُتر گئے۔ ❹

---

❶ صحیح البخاری: حدیث(۲) اور ۳۲۱۵)، صحیح مسلم: ۸۲/۷، مسند احمد: ۱۵۸/۶ اور ۱۶۳۔

❷ دیکھئے: سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث افک، صحیح البخاری: حدیث(۴۱۴۱)، صحیح مسلم: ۱۱۲/۸-۱۱۸، اور دیکھئے عبادہ بن صامتؓ کی حدیث صحیح مسلم: ۱۱۵/۵، مسند احمد: ۳۱۷/۵، ۳۱۸، ۳۲۱ اور ۳۲۷۔ اور ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا حدیث صحیحین میں ہے۔

❸ دیکھئے: عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صحیحین میں، صحیح البخاری: حدیث(۱۴۶، ۴۷۹۵)، مسند احمد: ۵۶/۶۔

❹ دیکھئے دونوں روایتوں کو مسند احمد: ۴۵۵/۶، اور ۱۷۶/۲ میں، ان دونوں روایتوں کی سندیں ماقبل اور مابعد کی روایتوں کی تائید کے سبب درجۂ حسن کو پہنچی ہیں۔

(۶) اور کبھی حالت اس کے برعکس ہوتی جیسا کہ حدیبیہ سے واپسی کے وقت ہوا کہ آپ پر سورۃ الفتح نازل ہوئی، اُس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ ❶

وحی کے اقسام اور اس کی شکلیں:

معلوم ہوا کہ آپ پر وحی کا نزول ہمیشہ ایک کیفیت میں نہیں ہوتا تھا، ان میں سے بعض کا ذکر مندرجہ ذیل آیت میں ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ ﴿٥١﴾﴾ [الشورى: ٥١]

''اور کسی انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس سے اللہ بات کرے، سوائے اس کے کہ اس پر وحی نازل کرے، یا کسی اوٹ کے پیچھے سے، یا کسی رسول کو بھیجے جو اس کی اجازت سے، وہ جو چاہے، اس کی وحی پہنچا دے، وہ بے شک سب سے اونچا، بڑی حکمتوں والا ہے۔''

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ اور ان احادیث کی روشنی میں جنہیں میں نے کیفیتِ وحی کے بیان میں ذکر کیا ہے اور ان کے علاوہ دیگر احادیث کی روشنی میں وحی کی آٹھ قسمیں بتائی ہیں، جو اختصار کے ساتھ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- سچا خواب: جس کا ذکر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے۔

۲- جبریل علیہ السلام بغیر آپ کے سامنے ظاہر ہوئے آپ کے قلب مبارک میں وحی القاء کر دیتے تھے۔

۳- جبریل علیہ السلام ایک آدمی کی شکل میں رونما ہوتے اور آپ سے مخاطب ہوتے، تو آپ ﷺ اسے یاد کر لیتے۔ صحابہ کرام نے ایسی حالت میں جبریل علیہ السلام کو کئی بار دیکھا۔

۴- کبھی وحی کا نزول آپ ﷺ پر گھنٹی کی تیز آواز کی مانند ہوتا، اور وحی کی یہ سخت ترین قسم تھی۔

۵- آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو اُن کی اصلی صورت میں دو بار دیکھا، اس کا ذکر سورۃ النجم آیات (۷-۱۳) میں آیا ہے۔

۶- اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات میں آپ پر وحی کی، اور نماز اور دیگر امور شریعت کو فرض کیا۔

۷- آپ ﷺ سے اللہ تعالیٰ فرشتہ کے واسطہ کے بغیر ہم کلام ہوئے، جیسا کہ معراج کی رات میں آپ کو حاصل ہوا۔

۸- اللہ تعالیٰ کا آپ سے بغیر حجاب کے ہم کلام ہونا، یہ مسئلہ اختلافی ہے، جمہور صحابہ کی رائے ہے کہ آپ نے معراج کی رات اپنے رب کو نہیں دیکھا، اور یہی قول راجح ہے، اور بعض کا خیال ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اس رات دیکھا تھا۔ یہ رائے اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک نور دیکھا، اللہ کو کہاں دیکھ سکتا تھا؟ ❷

انہی کیفیات کے ساتھ وحی الٰہی پچیس سال تک نازل ہوتی رہی، چاہے وہ وحی متلو (یعنی قرآن کریم) ہو یا غیر متلو (یعنی سنت نبویہ) جس کے ذریعہ نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم کی تفسیر بیان کی، اور اسلام کے احکام بیان فرمائے، یہاں تک کہ

---

❶ مسند احمد: ۱/ ٤٦٤، اس کی سند جید ہے۔

❷ صحيح مسلم: حديث (۲۹۲ اور ۲۹۳).

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو مکمل کر دیا اور اس کی خبر دیتے ہوئے حجۃ الوداع میں مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدہ: ۳]

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی، اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لیے پسند کیا۔''

کیا ہی عظیم تر ہے یہ دین اور کیسی معزز و مکرم ہے یہ نعمت۔ تمام تعریفیں، تمام شکر اور تمام مدح و ثنا صرف رب العالمین کے لیے ہیں۔

دعوتِ اسلامیہ خفیہ طور پر

زمین پر پہلے مسلمان:

توحید خالص اور ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دینا، اور شرک باللہ کا انکار اہلِ مکہ کے درمیان آسان نہ تھا جن کے دلوں میں کفر اور شرک باللہ کی جڑیں زمانہ قدیم سے گہری تھیں، اور اس پر مستزاد اُن کا کبر وغرور اور انا کی بیماری میں مبتلا ہونا جس کے سبب وہ کلمۂ حق کو سننے کی قابلیت کھو چکے تھے، اور اس لیے بھی کہ اس کلمۂ حق کی ضرب شدید پورے عرب کی سیادت وقیادت پر لگتی تھی۔

ابن اثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بالاتفاق سرزمین عرب پر اسلام قبول کرنے والی پہلی بنتِ آدم تھیں۔ ان سے پہلے کسی مرد یا عورت نے اسلام قبول نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو آنے والے مشکل حالات کا مکمل ادراک تھا، اور خوب جانتے تھے کہ مشرکینِ قریش کے درمیان علی الاعلان دعوت کا کام شروع کر دینا بہت زیادہ نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے حکمت ودانائی کا تقاضا یہی سمجھا کہ فی الحال دعوت کا کام خفیہ طور پر کیا جائے، یہاں تک کہ مکہ کی سرزمین علانیہ دعوت کے لیے سازگار ہو جائے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی مناسب سمجھا کہ پہلے دعوت کا کام اپنے ان قریب ترین رشتہ داروں کے درمیان کریں جو آپ ﷺ کے اخلاق وکردار سے بخوبی واقف تھے، اور جانتے تھے کہ آپ کبھی بھی اللہ جل جلالہ کے بارے میں کوئی من گھڑت بات نہیں کہیں گے، اس لیے کہ ان کی نظر میں تو آپ ﷺ نے اب تک کی پوری زندگی میں ایک بار بھی جھوٹ نہیں بولا تھا، اور اسی لیے اہلِ مکہ نے آپ کو "الصادق الامین" کا لقب دے دیا تھا۔

سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا:

غارِ حرا میں پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے آپ سے قریب ترین انسان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، اور وہ آپ ﷺ کی بیوی خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا تھیں، آپ ﷺ جب غارِ حرا سے واپس آئے، اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جبریل علیہ السلام کی آمد اور نزولِ وحی کی خبر دی، اُسی وقت وہ ایمان لے آئیں۔

اور ابتدائے وحی کے ذکر کے وقت میں لکھ آیا ہوں کہ وہ تو آپ ﷺ کی بعثت کے اس عظیم واقعہ کو قبول کرنے، اور اس لڑی میں پہلے موتی کی حیثیت سے جُڑ جانے کے لیے پہلے سے ہی ذہنی طور پر تیار تھیں، چنانچہ انہوں نے فوراً ہی اسلام کی دعوت قبول کر لی، اور آپ ﷺ نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں سے لگا لیا، اور انہیں وضو کرنا سکھایا، پھر انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، جیسا کہ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو سکھایا تھا۔ اس طرح سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ پر ایمان لانے والی پہلی بنتِ آدم ہوگئیں۔ ❶

---

❶ الکامل لابن الاثیر: ۲/ ۳۷.

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس رہتے تھے، وہیں کھاتے پیتے اور آپ ﷺ کی خدمت میں لگے رہتے، وہ آپ ﷺ کی کفالت میں آپ ﷺ کے ایک لڑکے کی طرح رہتے تھے، جب اللہ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا اس وقت ان کی عمر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے راجح قول کے مطابق دس سال تھی۔ وہ اپنے تمام اُمور میں نبی کریم ﷺ کے تابع تھے، اور جاہلیت کے تمام گندے کاموں اور بالخصوص بُت پرستی سے بالکل پاک وصاف تھے۔

صاحب اتحاف الوریٰ نے لکھا ہے کہ جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، اس کے دوسرے دن علیؓ نے آپ دونوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو پوچھا: اے محمد! یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اللہ کا دین ہے جسے اُس نے اپنے بندوں کے ملیے چن لیا ہے، میں تمہیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں، جس کا کوئی شریک نہیں، اور لات وعزیٰ کے انکار کی طرف بلاتا ہوں۔ سیدنا علیؓ نے کہا: یہ بات میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنی، میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے باپ ابوطالب سے پوچھ لینا چاہتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کو ڈر ہوا کہ کہیں آپ ﷺ کا راز فاش نہ ہو جائے، اس لیے آپ ﷺ نے کہا: اے علی! اگر تم اسلام نہیں لاتے تو خاموشی اختیار کرو۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے وہ رات اسی حال میں گزاری، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں قبولِ اسلام کی بات ڈال دی؛ چنانچہ صبح سویرے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے محمد! آپ نے مجھے کس بات کی دعوت دی تھی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہی کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ تم لات وعزیٰ کا انکار کرو، اور اللہ کے جھوٹے شریکوں سے اعلانِ براءت کرو۔ علیؓ نے ایسا ہی کیا، اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ ❶ اور بریدہ اسلمیؓ سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی سوموار کے دن نازل ہوئی، اور علیؓ نے منگل کے دن نماز پڑھی۔ ❷

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہے کہ انہوں نے کہا: خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی۔ ❸

عفیف کندی رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں مکہ آئے، اور عباس بن عبدالمطلبؓ کے مہمان بنے، انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ خیمے سے نکل کر کعبہ کے رُخ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگا ہے، پھر ایک عورت نکلی، وہ بھی نماز پڑھنے لگی، اور ایک لڑکا نکلا وہ بھی اس آدمی کے ساتھ نماز پڑھنے لگا۔ انہوں نے عباسؓ سے ان تینوں کے بارے میں پوچھا: تو عباسؓ نے کہا: یہ میرے بھتیجے محمد بن عبداللہ ہیں، جن کا خیال ہے کہ اللہ نے ان کو نبی بنا کر بھیجا ہے، اور یہ ان کی بیوی خدیجہ بنت خویلد ہیں، اور یہ لڑکا ان کا چچازاد بھائی علی بن ابی طالب ہے۔ اور انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ آسمان اور زمین کے رب نے ان کو اس کام کا حکم دیا ہے، جو ان تینوں کو تم نے کرتے دیکھا ہے۔

---

❶ اتحاف الوریٰ: ۱/۱۷۷، دلائل النبوۃ، بیہقی: ۲/۱۶۱، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۴۵، ۲۴۶۔

❷ مستدرک حاکم: ۳/۱۱۲، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے۔

❸ سنن ترمذی، مناقب علی، مسند طیالسی: حدیث (۲۷۵۳)، مسند احمد: ۱/۳۳۰، ۳۳۱، اس کی سند جید ہے۔

عفیف کندیؓ دیر سے اسلام لائے، اور کہا کرتے تھے: اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی دن اسلام کی نعمت سے نواز دیا ہوتا تو میں علیؓ بن ابی طالب کے ساتھ اسلام لانے والا زمین پر دوسرا آدمی ہوتا۔ ❶

زید بن حارثہ بن شرحبیل کلبی رضی اللہ عنہ (آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام):

زید بن حارثہ، حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما کے غلام تھے، انہوں نے انہیں اپنی پھوپھی ام المومنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں خدیجہؓ سے اپنے لیے مانگ لیا تو انہوں نے آپ ﷺ کو دے دیا، آپ ﷺ نے ان کو نبوت سے پہلے ہی آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا، اور لوگ انہیں زید بن محمد کے نام سے پکارنے لگے، یہاں تک کہ اسلام نے منہ بولا بیٹا بنانے کو حرام کر دیا تب وہ اپنے باپ حارثہ کی طرف منسوب ہو کر زید بن حارثہ کہلانے لگے۔ انہوں نے جلد ہی نبی کریم ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا اور مسلمان ہو گئے، اور وہ اور علیؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے لگے۔

ابوبکر بن ابی قحافہ تیمی قرشیؓ:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے دوست اور آپ ﷺ کے تمام مکارم اخلاق سے باخبر تھے، اور خوب جانتے تھے کہ جھوٹ بولنا آپ کی فطرت سے بعید تر بات ہے، جب انہوں نے اسلام کی دعوت کے بارے میں سُنا تو فوراً آپ ﷺ کے پاس آئے، اور پوچھا: اے محمد! کیا اہل قریش سچ کہہ رہے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، میں اللہ کا رسول اور اس کا نبی ہوں، مجھے اس نے اپنی پیغام رسانی کے لیے مبعوث کیا ہے، اور میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ اللہ کی قسم! اسی کی ذات برحق ہے، اے ابوبکر! میں تمہیں ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں، جس کا کوئی شریک نہیں، اور جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا۔ ابوبکرؓ فوراً اسلام لے آئے اور بُت پرستی اور شرک باللہ کا انکار کر کے اسلام کی حقانیت پر ایمان لے آئے، اور جب گھر لوٹے تو وہ صدق دل سے مومن تھے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: میں نے کسی کو بھی اسلام کی دعوت دی تو اس نے کچھ نہ کچھ پس و پیش سے کام لیا سوائے ابوبکر کے، انہوں نے میری بات سننے کے بعد ذرا بھی پس و پیش نہیں کیا۔ ❷

صحیح بخاری میں سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا تو تم لوگوں نے کہا: تم جھوٹے ہو، اور ابوبکر نے کہا: آپ نے سچ کہا، اور اپنی جان اور اپنے مال سے میری مدد کی۔ ❸

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا، اور وہ اپنی قوم میں محبوب اور نرم خو آدمی جانے جاتے تھے، اور قریش میں سب سے زیادہ انساب کے ماہر تھے، اور قریش کی خوبیوں اور برائیوں کو سب

---

❶ دیکھئے: الوفاء: ۱/ ۲۶۸، ۲۶۹، اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے، لیکن شواہد و متابعات کی کثرت کی وجہ سے اسے یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوا، امام حاکم کی بھی یہی رائے ہے، اور امام ذہبی نے ان کی تائید کی ہے، اور امام ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ یہ حدیث محمود درجہ کی حسن ہے۔

(صحیح السیرۃ النبویۃ، البانی: ص/ ۱۱۷).

❷ البدایہ و النهایہ: ۳/ ۲۷.

❸ صحیح البخاری: حدیث (۳۶۶۱، ٤٦٤٠).

سے زیادہ جانتے تھے، ان کا پیشہ تجارت تھا، اور اخلاق حسنہ اور نیک کاموں کے لیے مشہور تھے۔ ان کی قوم کے بہت سے لوگ ان کے پاس اپنی ضروریات کے لیے آتے تھے، اور اُن کی صحبت میں الفت ومحبت کا احساس کرتے تھے۔ انہوں نے ان میں سے چیدہ چیدہ لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنی شروع کردی، اور اُن کی مساعی جمیلہ سے زبیر بن عوام، عثمان بن عفان، طلحہ بن عبیداللہ، سعد ابن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد (جو رسول اللہ ﷺ کے بعد زمین پر پہلی مسلمان خاتون تھیں) یہی آٹھ حضرات ہیں جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت حاصل کی۔ ❶

❀❀❀❀

---

❶ الصحاف النوری: ۱/ ۱۸۰، ۱۸۱۔

اسلام کی طرف سبقت کرنے والے دیگر صحابہؓ کرام

عمرو بن عبسہؓ کا اسلام:

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الصحیح میں اور امام احمدؒ نے مسند میں روایت کی ہے کہ عمرو بن عبسہؓ نبی کریم ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب آپ ﷺ پوشیدہ طور پر دعوت کا کام کر رہے تھے، انہوں نے پوچھا: آپ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نبی ہوں۔ ابن عبسہؓ نے پوچھا: نبی کیا ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا پیغامبر ہوتا ہے، انہوں نے پوچھا: کیا اللہ نے آپ کو بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے پوچھا: اس نے آپ کو کیا دے کر بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہی کہ ہم اللہ کی عبادت کریں، بتوں کو توڑ دیں اور صلہ رحمی کریں۔ انہوں نے کہا: کیا ہی اچھی چیز دے کر اس نے آپ کو بھیجا ہے! اب تک کن لوگوں نے آپ کی پیروی کی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک آزاد اور ایک غلام یعنی ابوبکر اور بلال۔ عمروؓ کہا کرتے تھے: میں نے اپنے آپ کو اس راہ پر چوتھا آدمی پایا اور اسلام میں داخل ہو گیا۔ ❶

اس سے پہلے ورقہ بن نوفل اسلام لا چکے تھے، پھر ابوعبیدہ ابن الجراح (اس امت کے امین)، ابوسلمہ بن عبدالاسد، ارقم بن ابوارقم مخزومی، عثمان بن مظعون جمحی اور ان کے دونوں بھائی: قدامہ اور عبداللہ، عبیدہ بن حارث بن مطلب، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، ان کی بیوی فاطمہ بنت الخطاب (عمر بن الخطاب کی بہن رضی اللہ عنہا) یہ سب کے سب جلد ہی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور اپنے اپنے اسلام لانے کا اعلان کر دیا۔

پھر قبائل عرب کے لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے، انہی میں سے بلال، عمار، ان کی ماں سُمیہ، صہیب، مقداد، اسماء بنت ابی بکر (جن کی شادی زبیر بن عوامؓ سے ہو چکی تھی)، عائشہ بنت ابی بکر (جو ابھی چھوٹی بچی تھیں)، عمیر بن ابی وقاص زہری، عبداللہ بن مسعود (بنی زہرہ کے حلیف)، مسعود بن القاری، سلیط بن عمرو، عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی، اور ان کی بیوی اسماء بنت سلامہ تمیمی، خنیس بن حذافہ سہمی، عامر بن ربیعہ، عبداللہ بن جحش اسدی، ابواحمد بن جحش، جعفر بن ابوطالب، ان کی بیوی اسماء بنت عمیس، عامر بن فہیرہ (ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلام)، خالد بن سعید بن العاص، ان کی بیوی امینہ بنت خلف بن اسعد خزاعیہ، عمار بن یاسر اور صہیب بن سنان، (ان دونوں کا ذکر ان سات اوائل کے ساتھ آ چکا ہے جنہوں نے اسلام کا برملا اعلان کیا تھا) رضی اللہ عنہم۔

عبداللہ بن مسعودؓ کا اسلام:

اسلام کی طرف انہی سبقت کرنے والوں میں سے ایک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ امام احمد طیالسی اور حسن بن عرفہ نے

---

❶ صحیح مسلم: حدیث (۸۳۲)، مسند احمد بحوالہ الفتح الربانی: حدیث (۲۰۲۱۵)، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۱/ ۴۴۳، دلائل البیہقی: ۱/ ۴۲۲.

ان سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: میں ایک جوان لڑکا تھا اور مکہ میں عقبہ بن ابو معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ مشرکین کے ڈر سے بھاگ نکلے، تو میرے پاس پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اے لڑکے کیا تمہارے پاس ہمارے پینے کے لیے دودھ ہے؟ میں نے کہا: میرے پاس یہ بکریاں امانت ہیں، میں آپ دونوں کو دودھ نہیں پلاسکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی بکری کا بچہ ہے جس کو ابھی تک حمل نہیں ٹھہرا؟ میں نے کہا: ہاں۔ پھر میں اسے ان کے پاس لے آیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے باندھ دیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا تھن پکڑ کر دعا کی تو وہ دودھ سے بھر گیا، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے لیے ایک پیالہ نما پتھر لے آئے جس میں آپ ﷺ نے اس کا دودھ نکالا، پھر خود پیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پلایا، پھر دونوں نے مجھے بھی پلایا، پھر آپ نے تھن سے کہا سکڑ جا تو وہ سکڑ گیا۔ اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: مجھے اس اچھی بات یعنی قرآن کا کچھ حصہ سکھا دیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم ایک سکھائے ہوئے لڑکے ہو، چنانچہ میں نے آپ ﷺ کے دہان مبارک سے ستر سورتیں حاصل کیں جن میں کوئی میرا مدِ مقابل نہیں تھا۔ ❶

ضماد الازدی رضی اللہ عنہ کا اسلام:

سیدنا ضماد الازدی رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اسلام لانے میں اس وقت سبقت کی جب نبی کریم ﷺ دعوت کا کام پوشیدہ طور پر کر رہے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ضماد رضی اللہ عنہ از دشنوءہ کے آدمی تھے، مکہ آئے، جھاڑ پھونک کا کام کرتے تھے، انہوں نے سفہائے مکہ کو کہتے سنا کہ محمد (ﷺ) پاگل ہے، انہوں نے سوچا کہ اگر میں اس آدمی کو دیکھ پاتا تو شاید اللہ اسے میرے ذریعہ شفا دیتا، پھر ان کی ملاقات نبی کریم ﷺ سے ہوگئی، انہوں نے کہا: اے محمد (ﷺ)! میں جھاڑ پھونک کرتا ہوں اور اللہ جسے چاہتا ہے میرے ہاتھ پر شفا دیتا ہے، تو کیا تم ایسا چاہو گے؟!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ ، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ، أَمَّا بَعْدُ))

''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں (اس لیے) ہم اسی کی تعریفیں کرتے ہیں، اور (اپنے ہر کام میں) اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ (یقین مانو) کہ جسے اللہ راہ دکھائے اُسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ اپنے در سے دُھتکار دے، اس کے لیے کوئی راہبر نہیں ہوسکتا۔ اور میں (تہِ دل سے) گواہی دیتا ہوں کہ معبودِ برحق (صرف) اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد ﷺ اس کے (خاص) بندے اور (آخری) رسول ہیں۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد!''

یہ سن کر ضماد رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کلمات کو آپ میرے لیے دُہرا دیجیے، آپ ﷺ نے انہیں تین بار ان کے لیے دُہرا دیا، انہوں نے کہا: میں نے کاہنوں، جادوگروں اور شاعروں کے اقوال سنے ہیں، میں نے اس طرح کے کلمات کبھی نہیں سنے، اپنا

---

❶ مسند احمد: ۱/ ٤٦٢، اس کی سند حسن ہے۔

ہاتھ بڑھائیے، میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے بیعت لے لی اور ان سے کہا: میں تمہاری قوم کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کرنے کے لیے بھی تم سے بیعت لیتا ہوں۔ انہوں نے کہا: مجھے یہ بات منظور ہے۔ (مسلم نے اسے کتاب الجمعہ میں حدیث (۸٦۸) کے تحت اور امام احمد رحمہ اللہ نے مسند (۱/۲۹۹) میں روایت کیا ہے، اور اس کی سند قوی ہے)۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اسلام:

اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں سے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی ہیں، یہ بادیہ نشیں قبیلہ غفار سے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب ابوذرؓ کو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر ہوئی تو اپنے بھائی سے کہا: تم مکہ جاؤ اور اس آدمی کے بارے میں میرے لیے معلومات جمع کر کے لاؤ، جو نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ اس کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے۔ جاؤ! اس کی بات سن کر آؤ۔ ان کا بھائی وہاں پہنچا، آپ کا کلام سنا پھر لوٹ کر ابوذرؓ کے پاس پہنچا اور ان سے کہا: میں نے اسے مکارمِ اخلاق کا حکم دیتے ہوئے دیکھا ہے، اور اس کے منہ سے ایک ایسا کلام سنا ہے جو شعر نہیں ہے۔ ابوذرؓ نے کہا: مجھے تمہاری بات سے اطمینان حاصل نہیں ہوا۔ اس کے بعد خود ہی زادِ سفر لے کر مکہ روانہ ہو گئے اور مسجدِ حرام پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کو ڈھونڈنے لگے، آپ ﷺ کو وہ پہچانتے نہیں تھے، انہوں نے کسی سے پوچھنا بھی مناسب نہیں سمجھا، یہاں تک کہ رات آ گئی تو علیؓ نے انہیں دیکھ کر سمجھ لیا کہ یہ کوئی غریب الوطن ہے۔ ابوذر ان کے پیچھے ہو لیے اور دونوں میں سے کسی نے دوسرے سے صبح تک کوئی بات نہیں کی، پھر ابوذرؓ سامانِ سفر لے کر مسجد میں لوٹ آئے اور اس دن بھی رسول اللہ ﷺ نے ان کو نہیں دیکھا، یہاں تک کہ شام ہو گئی، تو پھر اپنے سونے کی جگہ لوٹ آئے۔ علیؓ نے ان سے اس بار پوچھا: کیا تم کو اب تک اپنی منزل نہیں ملی ہے؟ پھر انہیں اپنے ساتھ لے کر چلے گئے اور دونوں میں سے کسی نے دوسرے سے کوئی بات نہیں پوچھی، یہاں تک کہ جب تیسرا دن آیا تو وہ پھر علیؓ کے پاس لوٹ گئے اور وہیں قیام کیا۔ علیؓ نے پوچھا: کیا تم اپنی آمد کا مقصد مجھے نہیں بتاؤ گے؟ انہوں نے کہا: اگر تم مجھ سے وعدہ کرتے ہو کہ میری رہنمائی کرو گے تو میں بتاؤں گا؟ علیؓ نے وعدہ کیا تو انہوں نے اپنا مقصد بیان کر دیا۔ علیؓ نے کہا: یہ بات سچ ہے، اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ جب صبح ہو تو میرے پیچھے آؤ، اور میرے داخل ہونے کی جگہ داخل ہو جاؤ۔ ابوذرؓ نے ایسا ہی کیا، علیؓ کے پیچھے چل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے، اور جب آپ ﷺ کی بات سنی تو فوراً اسلام قبول کر لیا، نبی کریم ﷺ نے ان سے کہا: تم اپنی قوم کے پاس لوٹ جاؤ اور انہیں اسلام کی خبر دو، اور وہیں ٹھہرے رہو، یہاں تک کہ تمہیں میری اعلانیہ دعوت کی اطلاع مل جائے۔

ابوذرؓ نے کہا: اس اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں مشرکینِ قریش کے سامنے چیخ چیخ کر اپنے ایمان کا اعلان کروں گا، پھر نکل کر مسجد حرام آئے اور بلند آواز میں کہا: ((أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ.)) یہ سنتے ہی لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے، انہیں پیٹ پیٹ کر زمین سے لگا دیا۔ اُس وقت عباسؓ آ گئے اور ان کے اوپر جھک گئے اور کہا: تم سب کا بُرا ہو، کیا تم جانتے نہیں ہو یہ قبیلہ غفار کا ہے اور شام میں تمہاری تجارت کا راستہ ان کے پاس سے گزرتا ہے۔ پھر عباسؓ نے انہیں ان سے نجات دلائی۔ دوسرے دن ابوذرؓ نے پھر اسی طرح اعلان کیا، تو لوگ ان کے

خلاف پھر گئے اور انہیں بُری طرح مارا پیٹا، تو عباسؓ دوبارہ ان پر جھک گئے۔ ❶

جنوں کا نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا اور اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دینا:

عہدِ نبوت کے اسی ابتدائی دور میں ایک بار ایسا ہوا کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بازارِ عکاظ کے ارادے سے نکلے، اُس وقت شیاطین آسمان کی خبریں سننے سے روک دیے گئے تھے، اور ایسی جرأت کرنے والے شیاطین انگاروں سے مارے جانے لگے تھے، شیاطین اپنی قوم کے پاس لوٹے، اور انہیں بتایا کہ ہمیں آسمان کی خبریں سننے سے روک دیا گیا ہے، اور ہمیں انگاروں سے مارا جانے لگا ہے، چنانچہ کچھ شیاطین مشرق و مغرب میں پھیل کر اس امر کا پتہ چلانے لگے، جس کے سبب ایسا ہوا ہے۔

جو شیاطین جن تہامہ کی طرف نکلے تھے وہ مقام نخلہ میں رسول اللہ ﷺ تک جا پہنچے۔ اُس وقت آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ جب انہوں نے آپ ﷺ کی زبانی قرآن سُنا تو کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہی وہ چیز ہے جو تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہوگئی ہے۔ اُن جنوں پر اللہ نے کرم کیا، وہ ایمان لے آئے اور اپنی قوم میں واپس آ کر ان سے کہا: لوگو! ہم نے ایک بہت ہی عمدہ اور عجیب قرآن سنا ہے جو اللہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، اور اب ہم کبھی بھی اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر ان آیات کو نازل فرمایا:

﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ①﴾ [الجن: ١]

''میرے نبی! آپ کہہ دیجیے، میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا، پھر انہوں نے (دوسرے جنوں سے) کہا کہ ہم نے ایک بہت ہی عجیب قرآن سنا ہے۔''

کہا جاتا ہے کہ جو جن رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تھے، ان کی تعداد سات تھی، اور ان میں سے ایک کا نام زوبعہ تھا، جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زبانی قرآن سنا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے: خاموش رہو اور غور سے سنو! تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ ㉙ قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ㉚ يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ㉛ وَمَن لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءُ ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ㉜﴾ [الأحقاف: ٢٩-٣٢]

''اور جب ہم نے آپ کی طرف جنوں کی ایک جماعت کو قرآن سننے کے لیے پھیر دیا تھا، پس جب وہ رسول اللہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ تم سب کان لگا کر سنو، جب تلاوت ختم ہوگئی، تو وہ اپنی قوم کے پاس

❶ صحیح البخاری: حدیث (٣٥٢٢، ٣٨٦١)، صحیح مسلم: ٧/ ١٥٥-١٥٧.

گئے، درآنحالیکہ وہ انہیں عذابِ الٰہی سے ڈرانے والے تھے، انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے، جو گزشتہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے، جو دینِ برحق اور سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو قبول کرو، اور اُس پر ایمان لاؤ، اللہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور دردناک عذاب سے تمہیں نجات دے گا، اور جو کوئی اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو قبول نہیں کرے گا، تو وہ زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا، اور اللہ کے سوا اس کا کوئی یار و مددگار نہیں ہوگا، وہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔" ❶

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلا، یہاں تک کہ مجھے آپ ﷺ ایک کھلے میدان میں لے آئے، پھر ایک لکیر کھینچ دی اور مجھ سے کہا: اس جگہ سے نہ ہٹنا، یہاں تک کہ میں تمہارے پاس واپس آ جاؤں۔ آپ ﷺ صبح تک نہیں آئے، اور جب آئے تو فرمایا: میں جنوں کی طرف بھی بھیجا گیا ہوں، تو میں نے پوچھا: یہ آوازیں کیسی تھیں جنہیں میں سن رہا تھا؟، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ انہی کی آوازیں تھیں جب انہوں نے مجھے رخصت کیا ہے اور مجھے سلام کیا ہے۔ ❷

محمد بن اسحاق لکھتے ہیں: جنوں نے آپ ﷺ کی زبان سے قرآن کو اس وقت سنا جب آپ ۱۰ نبوی میں طائف سے لوٹ رہے تھے۔ لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے، اُس صحیح حدیث کی بنا پر جسے بخاری ومسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ ابتدائے اسلام میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بازارِ عکاظ کے قصد سے نکلے، اُس وقت شیاطین جن کو آسمان کی خبریں سننے سے روک دیا گیا تھا، اور طائف سے لوٹنے کے وقت آپ کے ساتھ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہیں تھا۔

مکہ میں دعوتِ اسلامیہ کی خبریں پھیلنے لگیں:

مکہ میں اسلام کی دعوت خفیہ طور پر پھیلتی گئی، اور اہلِ مکہ کی ایک بڑی تعداد آہستہ آہستہ مشرف بہ اسلام ہوتی گئی، اسلام کی روشنی کب تک چھپی رہتی، اسے ایک نہ ایک دن ظاہر ہونا ہی تھا، چنانچہ انتشارِ اسلام کی خبریں ملحدہ ملحدہ قریش تک پہنچنے لگیں، اور انہوں نے اگرچہ ابتدا میں اس پر خاص دھیان نہیں دیا، لیکن ایک غیر شعوری خوف کا احساس اس دینِ جدید کی طرف سے انہیں ہونے لگا۔ اسلام کی دعوت خفیہ طور پر تقریباً تین یا چار سال تک چلتی رہی، اور نبی کریم ﷺ مسلمانوں کے گھروں میں خفیہ طور پر ان کے ساتھ جمع ہوتے رہے، اور انہیں قرآن، توحیدِ خالص اور عقیدۂ صحیحہ کی تعلیم اُس وقت تک نازل شدہ وحی کی روشنی میں دیتے رہے، اور آنے والے زمانے کے لیے اللہ کے حکم کا انتظار کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ پر اللہ کی وحی نازل ہوئی کہ آپ کو جو کچھ حکم دیا جاتا ہے، اس کا اعلان کیجیے، اور لوگوں کو برملا اسلام اور عقیدۂ توحید کی دعوت دیجیے۔

---

❶ تحفۃ الاحوذی: ۱۸۸/۱، ۱۸۹، نیز دیکھیے: صحیح البخاری، تفسیر سورۃ الجن، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ: حدیث (۱۴۹)، سنن الترمذی، وسنن النسائی، کتاب التفسیر۔

❷ الوفاء: ۲۹۷/۱۔

اعلانیہ دعوتِ اسلام

صفا پہاڑی کے اُوپر قریش کو دعوتِ اسلام:

تین سال کی مدت میں کچھ مرد اور کچھ عورتیں اسلام میں داخل ہوتے رہے، یہاں تک کہ ان کی تعداد چالیس سے زیادہ ہوگئی، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اپنی دعوت کے اعلان کرنے کا حکم دیا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جب ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾ [الشعراء: ۲۱۴] ''اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایے۔'' نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نکل کر باہر آئے اور صفا پہاڑی پر چڑھ کر پکارا، لوگو! میری بات سنو! اہلِ قریش نے یہ آواز سن کر کہا: یہ کون ہے؟ پھر سب آپ کے قریب جمع ہوگئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تمہیں خبر دوں کہ گھوڑ سواروں کی ایک جماعت اس پہاڑی کے دامن سے نکلنے والی ہے تو کیا تم لوگ میری بات مانو گے؟ انہوں نے کہا: ہم نے تمہیں کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: پھر میں تمہیں ایک شدید عذاب سے ڈرانے کے لیے آیا ہوں۔ ابولہب نے کہا: تمہاری بربادی ہو، کیا تم نے ہمیں اسی لیے جمع کیا ہے؟ اور کھڑا ہوگیا تو یہ سورت نازل ہوئی:

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ① مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ② سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ③ وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ④ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ⑤﴾ [اللهب: ۱-۵]

''ابولہب ہلاک و برباد ہوا اور وہ کبھی کامیاب نہیں ہوا، اس کا مال اور اس کی اولاد و جاہ اس سے عذاب کو ٹال نہیں سکے، وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا، اور اس کی بیوی، جو لکڑیاں اُٹھائے پھرتی تھی، اس کی گردن میں مونج کی ایک رسی ہوگی (جس کے ذریعہ جہنم میں گھسیٹی جائے گی)۔'' [1]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ جب آیت ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ①﴾ نازل ہوئی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ بنت محمد! اے صفیہ بنت عبدالمطلب! اور اے اَبنائے عبدالمطلب! میں تمہارے لیے اللہ کی جانب سے کوئی اختیار نہیں رکھتا، تم لوگ میرے مال میں سے جو چاہو مانگو۔ [2]

ابولہب اور اس کی بیوی کی آپ ﷺ سے عداوت:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب آیت ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾ نازل ہوئی، تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے قریش کے لوگو! (یا اسی جیسا دوسرا کلمہ) تم لوگ اپنی جانوں کو اللہ سے خرید لو، میں

---

[1] صحيح البخاري: حديث (٤٧٧٠، ٤٩٧١ اور ٤٩٧٢)، صحيح مسلم: حديث (٢٠٨)، مسند احمد: ١/ ٢٨١۔

[2] صحيح مسلم: حديث (٢٥٠).

تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچاسکتا، اے ابنائے عبدمناف! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچاسکتا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچاسکتا۔ اے صفیہ! (رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی) میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچاسکتا۔ اے فاطمہ بنت محمد! تم میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو، میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچاسکوں گا۔ ❶

تمام تاریخی مصادر ومراجع میں یہ بات مذکور ہے کہ جب سورۃ الشعراء کی یہ آیت نازل ہوئی تو معاملہ آپ کے لیے شدید تر ہوگیا، اور پریشان ہوکر اپنے گھر میں بیٹھ گئے، لیکن آپ ﷺ کی پھوپھیوں نے آپ کی ہمت افزائی کی، اور آپ کو اللہ کے حکم کے مطابق کر گزرنے پر آمادہ کیا، چنانچہ جب صبح ہوئی، تو آپ ﷺ نے ابنائے عبدالمطلب کو بلا بھیجا اور ان کے ساتھ مطلب بن عبدمناف کے بھی کچھ لڑکے آئے، سب کی تعداد پینتالیس تھی، ابولہب نے جلدی میں کہا کہ یہ ہیں تمہارے چچا لوگ اور ان کے لڑکے، جو چاہو ان سے کہو، لیکن بے دینی کو چھوڑ دو اور جان لو کہ تمہاری قوم میں سارے عرب سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے، اور تمہارے خاندان والوں کے لیے تمہیں پکڑ کر محبوس کر دینا اس سے زیادہ آسان ہے کہ تمام خاندان ہائے قریش اور قبائل عرب تمہارے خلاف کود پڑیں، اے میرے بھتیجے! میں نے تم سے پہلے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو اپنے خاندان اور اپنی قوم کے لیے اس سے بڑا شر لایا ہو جو تم لائے ہو۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش رہے اور اس مجلس میں کوئی بات نہیں کی، کئی دنوں تک آپ ﷺ مغموم ومہموم رہے، اس لیے کہ ابولہب کی بات آپ پر بہت گراں گزری تھی، پھر ایک دن آپ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور آپ کو اللہ کے حکم کے مطابق کر گزرنے کا حکم دیا اور آپ کی ہمت افزائی کی، تو آپ نے ان سب کو دوبارہ جمع کیا، اور فرمایا: ((الحمد للہ، أحمدہ وأستعینہ، وأومن بہ وأتوکل علیہ، وأشھد أن لا إلہ إلا اللہ وحدہ لا شریک لہ.)) پھر فرمایا: بے شک قائد اپنے گھر والوں سے جھوٹ نہیں بولتا، اگر میں تمام لوگوں سے جھوٹ بولوں تب بھی تم لوگوں سے جھوٹ نہیں بولوں گا، اور اگر میں تمام لوگوں کو دھوکا دوں تب بھی تم لوگوں کو دھوکا نہیں دوں گا۔ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، خاص طور پر تم لوگوں کے لیے اور عام طور پر تمام لوگوں کے لیے۔ اللہ کی قسم! تم سب لوگ ویسے ہی مر جاؤ گے جیسے سوتے ہو اور ویسے ہی دوبارہ اٹھائے جاؤ گے جیسے تم لوگ جاگتے ہو۔ اور تم سے تمہارے کیے کا حساب لیا جائے گا، اور تمہیں اچھے کام کا بدلہ اچھا اور بُرے کام کا بدلہ بُرا دیا جائے گا۔ اور وہ یا تو ابدی جنت ہوگی یا ابدی عذاب نار، اور تم لوگ سب سے پہلے ہو جنہیں میں ڈرا رہا ہوں۔

ابوطالب نے کہا: ہمارے لیے یہ بات سب سے پسندیدہ ہے کہ ہم تمہاری مدد کریں اور تمہارا ساتھ دیں، اور یہ کہ ہم تمہاری نصیحت کو قبول کریں، اور میں ان میں سے ایک ہوں، اور اللہ کی قسم! میں ان سب سے زیادہ اس کام کے لیے تیز گام ہوں جو تمہیں پسند ہے، تمہیں جس کام کا حکم دیا گیا ہے، اسے کر گزرو۔ اللہ کی قسم! میں ہر لمحہ اور ہر حال میں تمہاری حفاظت کروں گا، اور تمہارا دفاع کروں گا، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا نفس عبدالمطلب کے دین کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے،

---

❶ صحیح البخاری: حدیث (٤٧٧١)، صحیح مسلم: حدیث (٢٠٤)، سنن الترمذی: حدیث (٣١٨٥)، سنن النسائی: حدیث (٣٦٢٤، ٣٦٢٥) مسند احمد ٢/ ٣٣٣ اور ٥١٩.

یہاں تک کہ میں اُسی پر مرجاؤں جس پر عبدالمطلب کی موت ہوئی تھی۔

ابولہب کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی نرم بات کہی، ابولہب نے کہا: اے ابنائے عبدالمطلب! اللہ کی قسم! یہ سب سے بڑی شومی قسمت ہے، اسے ایسا کرنے سے روک دو، قبل اس کے کہ تمہارے علاوہ دوسرے لوگ اس پر اپنا ہاتھ ڈالیں، اس وقت اگر تم لوگ اسے ان کے حوالے کردو گے تو ذلیل ہو جاؤ گے، اور اگر ان کے خلاف اس کا دفاع کرو گے تو قتل کردیے جاؤ گے۔ ابوطالب نے کہا: ہم جب تک زندہ رہیں گے اس کی حمایت کرتے رہیں گے، اور صفیہ بنت عبدالمطلب نے بھی اچھی بات کہی، اور ابولہب کی بات کا بُرا منایا۔

متعدد روایتوں میں آیا ہے کہ ابولہب نے نبی کریم ﷺ کی بات سننے کے بعد کہا: کیا اسی لیے تم نے ہمیں جمع کیا ہے؟ پورا دن تم پر بربادی اُترتی رہے، تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ① ﴾

یہ سُن کر جھگڑالو عورت ام جمیل بنت حرب ابولہب کی بیوی مٹھی بھر کنکریاں لیے آگے بڑھی، تاکہ اُسے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر مارے اور آکر ابوبکرؓ کے پاس کھڑی ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ کو اس نے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت کو اُچک لیا اور اُسے اس کے غیظ وغضب کے ساتھ اپنے رسول کی طرف سے پھیر دیا۔ گھر جاکر اس نے اپنے شوہر ابولہب کے ساتھ مل کر اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کو رسول اللہ ﷺ کی دونوں بیٹیوں رقیہ اور ام کلثوم ؓ کو طلاق دے دینے کا حکم دیا، چنانچہ عتبہ نے رُقیہؓ کو اور عتیبہ نے ام کلثومؓ کو طلاق دے دی، اور عتیبہ نے آپ ﷺ سے کہا: میں نے تمہارے دین کا انکار کردیا اور تمہاری بیٹی کو چھوڑ دیا، پھر اس نے رسول اللہ ﷺ پر دست درازی کی اور آپ ﷺ کی قمیص پھاڑ دی، تو رسول اللہ ﷺ نے کہا: میں اللہ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ تم پر اپنے کتے کو مسلط کردے، چنانچہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے چاہا تھا، بلادِ شام میں ایک شیر نے اسے چیر پھاڑ کر ختم کردیا۔ ❶

نبی کریم ﷺ کو اذیت پہنچانے میں ابولہب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا، اور ابوجہل، اسود بن عبد یغوث، حارث بن قیس سہمی، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل سہمی، نضر بن حارث، زہیر بن ابواُمیہ، عاص بن سعید بن عاص، خلف کے دونوں لڑکے اُمیہ اور اُبی، اور ابوقیس بن فاکہ بن مغیرہ وغیرہم کے ساتھ مل کر آپ ﷺ کو ایذاء پہنچانے کی نت نئی تدبیریں کیا کرتا تھا، اور ان میں سب سے زیادہ آپ ﷺ سے عداوت کرنے والے اشخاص ابوجہل، ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط تھے۔ اور ابولہب رسول اللہ ﷺ سے بڑی بُرائی عداوت اور بغض رکھتا تھا، اس لیے کہ ایک بار اس کے اور ابوطالب کے درمیان سخت کلامی ہوگئی اور ابولہب ابوطالب کو پچھاڑ کر ان کے سینے پر بیٹھ گیا، اور ان کے چہرے پر مکے اور گھونسے برسانے لگا، رسول اللہ ﷺ سے ابولہب کی یہ حرکت دیکھی نہ گئی اور اُسے پکڑ کر زمین پر دے مارا، اور ابوطالب اس کے سینے پر بیٹھ گئے اور اُس کے چہرے پر ضربیں لگانے لگے، یہاں تک کہ لوگوں نے دونوں کو الگ کیا۔ ابولہب نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: یہ تمہارا چچا ہے اور میں بھی تمہارا چچا ہوں، پھر تم نے میرے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں کیا؟ اللہ کی قسم! میرا دل تم سے کبھی محبت نہیں کرے گا، اور اس کے بعد وہ بدبخت آپ ﷺ کے دروازے پر کوڑا کرکٹ اور گندی چیزیں ڈالنے لگا، ایک بار حمزہؓ نے اُسے ایسا

---

❶ دیکھئے: دلائل البیهقی: ۲/ ۱۸۱، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۱/ ۴۵۵، الوفاء: ۱/ ۲۹۲.

کرتے دیکھ لیا، تو اسے پکڑا، اور اس گندگی کو اٹھا کر اس کے سر پر ڈال دیا۔ ❶

دعوت الی اللہ کا اعلان عام:

سورۃ الشعراء کی آیت (۲۱۴) ﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾ "اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔"
اور سورۃ الحجر کی آیت (۹۴): ﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴾ ......"پس آپ کو جو حکم کیا جا رہا ہے اسے کھول کر بیان کر دیجیے، اور مشرکین کی پرواہ نہ کیجیے۔"...... جب نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت علانیہ پیش کرنے لگے، اور امت کی خیر خواہی اور اس تک اللہ کی طرف سے پیغام رسانی کے لیے ہر ممکن کوشش کرنے لگے، اور اس کام میں اس طرح ہمہ تن رہوش لگ گئے کہ کوئی چیز آپ ﷺ کو اس کام سے روک نہیں سکی، آپ ﷺ لوگوں کے پاس ان کی مجلسوں اور محفلوں میں جاتے، حج کے زمانے میں وفود عرب سے ملتے اور عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے بازاروں میں لوگوں سے ملاقات کرتے اور ہر آزاد و غلام، کمزور و قوی اور مالدار و فقیر کو اسلام کی دعوت دیتے، اور ایام حج میں ایک ایک قبیلے کے خیمے میں پہنچتے، انہیں اللہ کی طرف بلاتے اور ان سے اپنی تائید و نصرت طلب کرتے، تاکہ پوری قوت کے آپ ساتھ اپنے رب کا پیغام دنیا والوں تک پہنچا سکیں، اور اس کے بدلے آپ ان سے جنت کا وعدہ کرتے اور کہتے: اے لوگو! کہو لا إلٰہ إلا اللہ، تم کامیاب ہو جاؤ گے، اور اس کلمہ کے ذریعہ عرب و عجم تمہارے زیر سیادت آ جائیں گے۔

وفود حجاج کو کہنا کہ محمد (ﷺ) جادوگر ہے:

جب اہل قریش نے نبی کریم ﷺ کے دعوتی کاموں کو تیز تر ہوتے دیکھا، اور دیکھا کہ آپ تو ہر آنے والے، حج و عمرہ کرنے والے، اور عرب کے بازاروں میں شرکت کرنے والے ہر آدمی کو علی الاعلان اسلام کی طرف بلا رہے ہیں، اور اس راہ میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے ہیں، اور آپ کی دعوت رفتہ رفتہ مکہ سے باہر قبائل عرب میں پھیلنے لگی ہے، اور ان کا مذہبی وجود خطرے میں پڑ گیا ہے جس کی بنیاد شرک باللہ اور بت پرستی پر ہے، بلکہ ان کے خیال میں ان کا وجود ہی خطرے میں پڑ گیا ہے، تو انہوں نے ایک دن ولید بن مغیرہ کے ساتھ اجتماع کیا جو ان میں سب سے زیادہ عقل مند اور معاملہ شناس مانا جاتا تھا، اور اس سے کہا کہ وہ انہیں کوئی ایسی بات بتائے جسے وہ لوگ نبی کریم ﷺ کے بارے میں مکہ آنے والے ہر زائر و معتمر اور عرب کے بازاروں میں شریک ہونے والے ہر عربی سے کہیں، تو ولید بن مغیرہ نے ان سے کہا: پہلے تم کہو، تاکہ میں سنوں۔

انہوں نے کہا: ہم اُسے کاہن کہیں گے، اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم وہ کاہن نہیں ہے۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے اور ان کی باتیں سنی ہیں۔ لوگوں نے کہا: ہم اُسے پاگل کہیں گے۔ اس نے کہا: وہ پاگل نہیں ہے، ہم نے جنون اور اس سے پیدا ہونے والے حالات اور وسوسوں کو قریب سے دیکھا ہے۔ لوگوں نے کہا: ہم اُسے شاعر کہیں گے۔ اس نے کہا: وہ شاعر بھی نہیں ہے، ہم نے شعر کے تمام اقسام کو خوب اچھی طرح جانا اور پہچانا ہے، اس کا کلام شعر نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا: ہم اُسے جادوگر کہیں گے۔ اس نے کہا: وہ جادوگر بھی نہیں ہے، ہم نے بہت سے جادوگروں اور ان کی جادوگری کو دیکھا ہے۔ محمد کی بات یقیناً جادوگروں کی بات نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا: تو پھر اے عبد شمس! ہم اس کے بارے میں کیا کہیں؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم!

❶ دیکھئے: اتحاف الوری: ۱/۲۰۶، ۲۰۷.

محمد (ﷺ) کی بات میں ایک عجیب سی مٹھاس ہے، اور اس کی مثال تو کھجور کی درخت کی ہے جس کی جڑیں زمین میں گہری ہوتی ہے اور جس کی شاخیں سرسبز اور لہلہاتی ہوتی ہیں۔ تم ان باتوں میں سے کچھ بھی کہو گے تو لوگ فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ جھوٹ ہے۔ پھر بھی ان میں سب سے مناسب اُسے جادوگر ہی کہنا ہے۔ اس لیے کہ اس نے ایک ایسا کلام پیش کیا ہے جو جادو کی طرح آدمی اور اس کے باپ، آدمی اور اس کے بھائی، آدمی اور اس کی بیوی اور آدمی اور اس کے قبیلے کے درمیان تفریق کر دیتا ہے۔ چنانچہ کفارِ مکہ لوگوں کی راہوں میں بیٹھنے لگے اور ہر آنے والے کو آپ کی بات سننے سے ڈرانے لگے، اور اُن سے کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) جادوگر ہے، جو اپنے جادو کے ذریعہ لوگوں کے درمیان تفریق پیدا کر رہا ہے۔ اسی واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کے بارے میں مندرجہ ذیل آیتیں نازل کیں:

﴿ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ﴿١٢﴾ وَبَنِينَ شُهُودًا ﴿١٣﴾ وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾ ﴾ [المدثر: ١١-٣٠]

''آپ مجھے اور اس آدمی کو چھوڑ دیجیے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے، اور میں نے اسے کافی مال دیا ہے، اور لڑکے دیے ہیں جو ہر وقت اس کے پاس موجود رہتے ہیں، اور میں نے اس کے لیے سیادت کی راہ ہموار کر دی ہے، پھر وہ لالچ کرتا ہے کہ میں اُسے زیادہ دوں، ایسا ہرگز نہیں ہوگا، وہ تو ہماری آیتوں کا مخالف ہے، میں عنقریب اسے ایک بڑی چڑھائی چڑھاؤں گا، اس نے غور کیا اور ایک بات (دل میں) طے کر لی، پس وہ ہلاک ہو، اس نے کیسی بات سوچی، وہ پھر ہلاک ہو، اس نے کیسی بات سوچی، پھر اُس نے دیکھا، پھر اس نے پیشانی سکیڑی اور بُرا سا منہ بنایا، پھر اُس نے پیٹھ پھیر لی اور تکبر کیا، پھر کہنے لگا، یہ محض ایک جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے، یہ محض کسی انسان کا قول ہے، میں عنقریب اسے جہنم میں ڈال دوں گا، اور آپ کو کیا معلوم کہ جہنم کیا ہے، نہ وہ کسی چیز کو باقی رکھے گی نہ چھوڑے گی، وہ تو کھال کو جلا ڈالنے والی ہوگی، اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں۔''

نبی کریم ﷺ اس کے بعد جب موسمِ حج اور عُکاظ، اور مجنہ اور ذوالمجاز کے بازاروں میں لوگوں سے ملاقات کرتے، اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے تو اشرارِ قریش آپ ﷺ کے پیچھے لگے رہتے، اور خاص طور پر آپ ﷺ کا ملعون چچا ابولہب اور ابوجہل، یہ اشرار لوگوں سے کہتے: تم لوگ اس کی بات نہ سنو اور اس کی پیروی نہ کرو، یہ تو بے دین اور جھوٹا ہے، اور یہ بھی کہتے: لوگو! یہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم لوگ اپنے آباء و اجداد کے دین کو چھوڑ دو، اس جھوٹے کی بات نہ سنو، تو بہت سے لوگ آپ ﷺ کے ساتھ بُری طرح پیش آتے، اور آپ ﷺ کو تکلیف پہنچاتے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ابوزناد سے اور بیہقی رحمہ اللہ نے ربیعہ دیلی سے روایت کی ہے، ان میں سے ہر ایک کہتے ہیں: میں

نے رسول اللہ ﷺ کو بازار ذوالمجاز میں لوگوں کے گھروں میں جا کر انہیں اسلام کی طرف بلاتے دیکھا ہے، اور آپ ﷺ کے پیچھے ایک بھینگا آدمی لگا رہتا جس کے دونوں رخسار سُرخ ہوتے، وہ کہتا: لوگو! دیکھو، یہ آدمی تمہیں تمہارے آباء واجداد کے دین کے بارے میں دھوکے میں نہ ڈال دے، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ تو مجھے بتایا گیا: یہ ابولہب ہے۔ ❶ اسی طرح ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابوجہل نبی کریم ﷺ کے پیچھے لگا رہتا تھا، اور لوگوں سے اسی طرح کی بات کہتا تھا۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے جس بات کے ہونے کا فیصلہ کر دیا تھا، اسے بہر حال ہونا تھا، رسول اللہ ﷺ کا ذکر تمام بلادِ عرب میں پھیل گیا، اور موسمِ حج اور دیگر ایام میں مکہ آنے والے لوگ جوق در جوق آپ ﷺ کے پاس آ کر آپ ﷺ کی بات سننے لگے، اور اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان بے شک سچا ہے:

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِـُٔوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝﴾ [الصف: ٨]

''کفار اللہ کے نور کو اپنے منہ سے پھونک مار کر بجھانا چاہتے ہیں، اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنا چاہتا ہے، چاہے کفار کو یہ بات کتنی ہی ناگوار گزرے۔''

طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا اسلام:

اُن دنوں مکہ آنے والوں میں طفیل بن عمرو دوسی بھی تھے، جو ایک شاعر اور عقل مند و شریف آدمی تھے، انہیں دیکھ کر قریش کے کچھ لوگ ان کے پاس گئے، اور ان سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں کہا کہ وہ جادوگر ہے اور اس کی بات جادو اثر ہے جس کے ذریعے وہ آدمی اور اس کے بیٹے، آدمی اور اس کے بھائی اور آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی پیدا کر دیتا ہے، اس لیے آپ اس سے بات نہ کیجیے اور نہ ہی اس کی کوئی بات سنیے۔ یہ سن کر طفیل نے مسجد حرام میں داخل ہونے سے پہلے اپنے کان میں روئی ڈال لی، تاکہ وہ نبی کریم ﷺ کا کلام نہ سن سکیں، وہاں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا۔

طفیل کہتے ہیں: ''میں ان کے قریب کھڑا ہو گیا، تو گویا اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میں ان کی بات ضرور سنوں، چنانچہ میں نے ایک اچھی بات سُنی اور فیصلہ کر لیا کہ میں ان کی بات ضرور سنوں گا، اس لیے جب آپ ﷺ مسجد سے نکلے تو میں ان کے پیچھے لگ گیا، اور ان کے ساتھ ان کے گھر میں داخل ہو گیا، اور کہا: اے محمد (ﷺ)! آپ کی قوم نے مجھ سے ایسا اور ایسا کہا ہے، اور اللہ کی قسم! وہ لوگ مجھے ڈراتے رہے، یہاں تک کہ میں نے روئی سے اپنا کان بند کر لیا، تاکہ آپ کی بات نہ سن سکوں، لیکن اللہ نے چاہا کہ میں ضرور سنوں۔ چنانچہ میں نے ایک اچھی بات سُنی ہے، تو آپ اپنا پیغام مجھے سنائیے۔

آپ ﷺ نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور قرآن کی تلاوت کی، تو مجھے ایسا لگا کہ میں نے (اللہ کی قسم!) اس سے اچھی بات کبھی نہیں سنی تھی اور اس سے اچھا پیغام مجھے کبھی نہیں دیا گیا، اس لیے میں اسلام لے آیا اور شہادت کا کلمہ پڑھ لیا۔''

پھر وہ اپنی قوم کے پاس لوٹ گئے، اور اپنے باپ کو اسلام کی دعوت دی، تو انہوں نے اسے قبول کر لیا، پھر انہوں نے اپنی بیوی کو دعوت دی، تو اس نے بھی قبول کر لیا، پھر اپنے پورے قبیلۂ دوس کو دعوت دی تو ان لوگوں نے قبول کرنے میں دیر

❶ السيرة النبوية، ابن كثير: ١/ ٤٦٢.

کی۔ طفیلؓ دوبارہ نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور آپ ﷺ سے اپنی قوم پر بددعا کرنے کی درخواست کی، لیکن آپ ﷺ نے ان کے لیے ہدایت کی دعا کی، اور طفیل سے کہا: تم اپنی قوم کے پاس لوٹ جاؤ، انہیں پھر دینِ اسلام کی طرف بلاؤ اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ، طفیلؓ لوٹ کر گئے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے اور بدر، اُحد اور خندق کے غزوات گزر گئے، پھر تیسری بار وہ آپ ﷺ کے پاس قبیلۂ دوس کے ستر یا اسی مسلمانوں کے ساتھ اُس وقت گئے جب آپ ﷺ خیبر میں تھے۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کی کشتی رکانہ پہلوان کے ساتھ:

دعوتِ اسلامیہ کے انہی مشکل ایام میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف سے کہیں تنہائی میں ملاقات ہوگئی، جو آپ ﷺ کا بڑا شدید مخالف اور قریش کا سب سے طاقتور آدمی تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے کہا: اے رُکانہ! کیا تم اللہ سے نہیں ڈرو گے اور میری دعوت کو قبول نہیں کرو گے؟ تو اس نے کہا: اگر مجھے یقین ہو جاتا کہ تمہاری بات سچ ہے تو میں تمہاری پیروی کرتا، آپ ﷺ نے اس سے کہا: اگر میں تمہیں پچھاڑ دوں تو کیا تمہیں یقین ہو جائے گا کہ میری بات حق ہے۔ اس نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے کہا: پھر آگے بڑھو اور مجھ سے کشتی لڑو، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے پچھاڑ دیا اور اسے زمین پر دے مارا، اور اسے بالکل بے بس کر دیا، آپ ﷺ نے اسے پھر دوبارہ پچھاڑ دیا۔

ابو بکر شافعیؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک عمدہ سند کے ذریعہ روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس سے کشتی لڑی تھی اس کا نام یزید بن رُکانہ تھا۔ اسے آپ ﷺ نے تین بار پچھاڑا، اور ہر بار ایک سو بکریوں کے عوض۔ جب تیسری بار آپ ﷺ نے اسے پچھاڑا تو اس نے کہا: اے محمد! تم سے پہلے آج تک کسی نے میری پیٹھ زمین سے نہیں لگائی تھی، اور تم سے زیادہ کوئی میرے نزدیک مبغوض نہیں تھا، اور اب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ تم اللہ کے رسول ہو، تو آپ ﷺ اس سے الگ ہو گئے اور اس کی بکریاں اسے واپس کر دیں۔ ❷

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اہلِ قریش کے ایمان لانے کی کیسی شدید تمنا رکھتے تھے، اور انہیں اپنے نبی ہونے کا یقین دلانے کے لیے کس طرح ہر ممکن طریقہ اختیار کرتے تھے۔ اللہ کا درود وسلام ہو آپ پر جب تک شمس وقمر گردش میں رہیں۔

صدائے حق کو خاموش کرنے کی انتہائی کوشش:

ابن اسحاق کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے جب اپنی قوم کے سامنے دعوتِ حق پیش کی تو آپ کی قوم کچھ زیادہ آپ سے دور نہیں ہوئی اور آپ کے خلاف کوئی سخت رویہ اختیار نہیں کیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ ان کے معبودوں کی عیوب جوئی کرنے لگے، تو انہوں نے اس کا بہت زیادہ بُرا منایا، اور آپ کی مخالفت وعداوت پر متفق ہو کر اپنے معبودوں اور اپنی عادات وتقالید کے خلاف اُٹھی ہوئی شورش کو ختم کرنے کی ٹھان لی، اور اس دعوت کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دینا چاہا، جو ان کے

---

❶ سیرۃ ابن ھشام: ۱/۳۸۲-۳۸۵، إتحاف الوری: ۱/۲۵۳-۲۵۶.

❷ صحیح السیرۃ النبویۃ، الألبانی: ص/۲۱۷، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/۸۲، ۸۳.

معبودوں کا انکار کر کے صرف ایک اللہ اور محمد ﷺ کے رسول اللہ ہونے پر ایمان لانے کا مطالبہ کرتی تھی۔ نیز اس بات کا مطالبہ کرتی تھی کہ تمام لوگ اپنی سیادت وکبریائی اور کبر وغرور کو چھوڑ کر صرف اللہ اور اس کے رسول کے تابعدار بن جائیں۔ ❶

ابوطالب کا موقف:

رسول اللہ ﷺ کے دو کافر چچا تھے، ابوطالب اور ابولہب، اور آپ کے ساتھ معاملہ کرنے میں ان دونوں کے درمیان مشرق ومغرب کا فرق تھا، ابولہب آپ کا بڑا سخت دشمن تھا، جیسا کہ ہم نے جانا، اور ابوطالب اس کے بالکل برعکس تھے، رسول اللہ ﷺ اُن کے لیے اللہ کی محبوب ترین مخلوق تھے، وہ آپ ﷺ سے محبت کرتے، اچھا برتاؤ کرتے، آپ کا دفاع کرتے، اور آپ کی حمایت میں اپنی پوری قوم کی مخالفت کرتے، حالانکہ وہ انہی کے دین اور انہی کی عادات وتقالید پر سختی سے قائم تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں آپ کی فطری محبت کو راسخ کر دیا تھا۔

عقیل بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ قریش ابوطالب کے پاس آ کر کہنے لگے: آپ کے بھتیجے نے ہماری مجلسوں اور مسجد میں آ کر ہمیں بہت تکلیف پہنچائی ہے، آپ اُسے روکیے۔ ابوطالب نے کہا: اے عقیل! جاؤ محمد (ﷺ) کو میرے پاس لے کر آؤ۔ میں گیا اور انہیں ایک چھوٹے گھر سے نکال کر دوپہر کی سخت گرمی میں قریش کے پاس لایا۔

ابوطالب نے آپ سے کہا کہ تمہارے یہ چچازاد لوگ کہہ رہے ہیں کہ تم انہیں ان کی مجلسوں اور ان کی مسجد میں بہت تکلیف پہنچاتے ہو، ایسا کرنے سے باز آ جاؤ، آپ ﷺ نے اپنی نظر آسمان کی طرف پھیر کر کہا: تم لوگ اس آفتاب کو دیکھ رہے ہو؟ لوگوں نے کہا، ہاں، آپ نے فرمایا: میں اپنی دعوت پیش کرنے سے اس عوض میں بھی نہیں رُک سکتا کہ تم لوگ میرے لیے اس آفتاب کا ایک روشن ٹکڑا لا دو۔ ابوطالب نے کہا: اللہ کی قسم! میرے بھتیجے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، تم لوگ لوٹ جاؤ۔ ❷

ابن اسحاق اور ان کی سند سے ابن جریر اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ قریش نے جب ابوطالب سے وہ بات کہی جو ابھی گزر چکی ہے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر کہا: اے میرے بھتیجے! تمہاری قوم نے مجھے آ کر ایسا اور ایسا کہا ہے۔ تم اپنی حفاظت کرو، اور مجھے بھی میری طاقت سے زیادہ زیر بار نہ کرو۔ تم اپنی قوم کو وہ بات نہ کہو جس کو وہ بُرا مانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سمجھا کہ شاید ان کے چچا کی رائے ان کے بارے میں بدل گئی ہے اور وہ آپ کو ان لوگوں کے حوالے کر دیں گے تو آپ ﷺ نے کہا: اے چچا! اگر میرے دائیں ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیا جائے تب بھی میں اس دعوت کو نہیں چھوڑوں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غالب کر دے، یا میں اسی راہ میں ہلاک ہو جاؤں۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور رونے لگے۔ جب آپ واپس جانے لگے تو ابوطالب نے آپ کا یہ حال دیکھ کر کہا: اے میرے بھتیجے! تم اپنا کام کیے جاؤ، اور جو راہ تم نے اختیار کی ہے اس پر چلتے جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں تمہیں ہرگز کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔ ❸

---

❶ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۱/ ۴۵۴.

❷ تاریخ کبیر، بخاری: ۴/ ۵۱۲۱، مسند ابو یعلیٰ: ۱۲/ ۱۷۶۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مستدرک حاکم: ۳/ ۵۷۷.

❸ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۱/ ۴۶۳، ۴۶۴۔ اس حدیث کی سند اگرچہ معضل ہے، اس لیے کہ اس کے راوی یعقوب بن عتبہ اتباع تابعین میں سے ہیں، کسی صحابی سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی، لیکن اس کی تائید مذکور بالا حدیث سے ہوتی ہے جسے امام بخاری، ابو یعلیٰ اور حاکم رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اہلِ قریش ابوطالب کے پاس اس سے پہلے بھی ایک بار آئے تھے اور کہا تھا: اے ابوطالب یا تو آپ اُسے ہماری ایذا رسانی سے روکیے یا ہمارے درمیان سے ہٹ جایئے، اس لیے کہ آپ تو دین وعقیدہ میں ہمارے ہی جیسے ہیں، ہم لوگ اس سے نمٹ لیں گے، تو ابوطالب نے ان کو نرم بات کہہ کر واپس کر دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ اپنی ڈگر پر چلتے رہے، اللہ کے دین کا اعلان کرتے رہے، اور لوگوں کو اس کی دعوت دیتے رہے، لیکن حالت دن بدن خراب ہوتی گئی، لوگ دن بدن آپ ﷺ سے دور ہوتے گئے، اور ان کا کینہ بڑھتا گیا۔ اہلِ قریش اپنی مجلسوں میں اکثر وبیشتر آپ کا ذکر چھیڑ کر ایک دوسرے کو آپ کے خلاف اُکساتے رہے، یہاں تک کہ تیسری بار سب مل کر ابوطالب کے پاس پہنچے، اور آپ ﷺ کے بارے میں ان سے بہت کچھ کہا۔ تب ابوطالب نے آپ ﷺ سے کہا کہ وہ ان کو ان کی طاقت سے زیادہ زیر بار نہ کریں، اس وقت آپ ﷺ نے وہ جواب دیا جو ابھی گزر چکا ہے کہ آپ دعوتِ اسلامیہ کا کام ہرگز نہیں چھوڑیں گے، چاہے اہلِ قریش آپ کے دائیں ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں، اور رونے لگے، تو ابوطالبؓ نے آپ کو قریش کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔

جب قریش نے دیکھا کہ ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تو ایک دن عُمارہ بن ولید بن مغیرہ کو لے کر ان کے پاس آئے اور کہا: اے ابوطالب! یہ عمارہ بن ولید ہے، جو قریش کا سب سے بھڑکیلا اور خوبصورت جوان ہے، اسے آپ لے لیجیے، یہ آپ کے ساتھ رہے گا، اور آپ کی مدد کرے گا، اسے آپ اپنا بیٹا بنا لیجیے، اور اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیجیے جو ہمارے اور ہمارے آباء واجداد کے دین کا شدید مخالف ہو گیا ہے تاکہ ہم اسے قتل کر دیں۔ ہم آپ کو ایک آدمی کے بدلے ایک آدمی دے رہے ہیں، تو ابوطالب نے کہا: اللہ کی قسم! کیسا بُرا معاملہ تم لوگ میرے ساتھ کرنا چاہتے ہو؟! تم لوگ مجھے اپنا بیٹا دو گے، میں اسے کھلاؤں گا، پلاؤں گا، اور میں تمہیں اپنا بیٹا دوں جسے تم لوگ قتل کر دو گے۔ اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف نے کہا: اللہ کی قسم! اے ابوطالب! آپ کی قوم نے آپ کے ساتھ انصاف کرنا چاہا ہے، اور اس چیز سے چھٹکارا پانے کی پوری کوشش کی ہے، جسے آپ بھی ناپسند کرتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ آپ ان کی طرف سے کوئی بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، ابوطالب نے کہا: اللہ کی قسم! انہوں نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے، بلکہ تم تو مجھے رسوا کرنا چاہتے ہو اور میرے خلاف پوری قوم کو ابھار رہے ہو۔ تم جو کرنا چاہو کر لو!! اس گفتگو کے بعد معاملہ مزید سنگین ہو گیا، جنگ کی آگ بھڑک اُٹھی اور اہلِ قریش کی عداوت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شدید تر ہو گئی۔

قریش کی عداوت انتہاء کو پہنچ گئی:

نبی کریم ﷺ اور مشرکین قریش کے درمیان اس صریح اور واضح گفتگو کے بعد جس نے آپ ﷺ کے ساتھ کفر وشرک پرست لعنت کی تمام امیدوں کو ختم کر دیا، ان کی عداوت بہت ہی بڑھ گئی اور ان سب نے آپ ﷺ کی مخالفت اور دشمنی پر قطعی اتفاق کر لیا، اور آپؐ کے خلاف سازشوں اور ایذاء رسانیوں کے تمام طریقے اختیار کرنے لگے، اپنے اوباشوں کو آپؐ کے خلاف اُبھارا، اور آپؐ کو قتل یا شہر بدر کر دینا چاہا۔

گزشتہ ناکام کوششوں کے بعد روسائے قریش نے ایک آخری کوشش کرنی چاہی، چنانچہ سب لوگ جمع ہو کر آپ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے کہا: اگر تم مال چاہتے ہو تو ہم تمہارے لیے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ تم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے، اور اگر تم سرداری چاہتے ہو تو ہم سب مل کر تمہیں اپنا سردار بنا دیں گے، اور اگر تم بادشاہت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا دیں گے، اور اگر تم پر کسی جن کا اثر ہے تو ہم اپنی دولت خرچ کر کے تمہارا علاج کرائیں گے، تاکہ تم شفایاب ہو جاؤ، یا ہم تمہیں معذور سمجھنے لگیں۔

آپ ﷺ نے ان سے کہا: تم جو کچھ کہہ رہے ہو، ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں، بلکہ اللہ نے مجھے رسول بنا کر مبعوث کیا ہے، اور مجھ پر قرآن کریم نازل کیا ہے، اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم سب کو جنت کی خوشخبری دوں، اور عذاب نار سے ڈراؤں۔ میں نے تو تم تک اپنے رب کا پیغام پہنچایا ہے اور تمہاری خیر خواہی کی ہے، اگر تم میری دعوت کو قبول کر لو گے تو دنیا و آخرت میں یہ تمہاری خوش نصیبی ہوگی، اور اگر تم اس کا انکار کر دیتے ہو تو میں صبر کروں گا اور انتظار کروں گا، یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔

قریش کے غیر معقول مطالبات:

مشرکین مکہ نے جب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے تمام مطالبات کو رد کر دیا ہے تو عقیدۂ توحید کے انکار کے لیے آپؐ سے غیر معقول اور عاجز بنا دینے والے مطالبات کا سلسلہ شروع کر دیا، کہنے لگے: اے محمد (ﷺ)! اگر تم ہماری کسی بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہو تو اپنے رب سے ہمارے لیے یہ سوال کرو کہ ہم سے ان پہاڑوں کو دور کر دے جنھوں نے ہم پر مکہ کی زمین کو تنگ کر رکھا ہے، ہمارے شہر کو کشادہ کر دے، اور اس میں ہمارے لیے شام و عراق کی نہروں کی مانند نہریں جاری کر دے، اور ہمارے مردہ آباء واجداد کو دوبارہ زندہ کر دے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان سے معذرت کرتے ہوئے کہا: میں تمہارے پاس اس کام کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں۔ انہوں نے کہا: پھر تم اپنے رب سے یہ سوال کرو کہ وہ تمہاری تصدیق کے لیے تمہارے ساتھ ایک فرشتہ کو بھیج دے، اور تمہارے لیے بہت سے باغات ومحلات اور سونے اور چاندی کے خزانے پیدا کر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے لیے اللہ سے اس کا سوال نہیں کر سکتا۔ مجھے تو اللہ نے صرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا: تو پھر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دو۔ ہم اس کے بغیر تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو اللہ کا کام ہے۔

کافروں نے کہا: کیا تمہارے رب کو معلوم نہیں کہ ہم تم سے ایسا مطالبہ کریں گے، تاکہ وہ تمہیں پہلے سے ہی بتا دیتا اور تمہیں خبر دے دیتا کہ وہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا اگر ہم نے تمہاری دعوت کو قبول نہیں کیا۔ اور ہمیں تو یہ خبر ملی ہے کہ یمامہ کا ایک آدمی جس کا نام ''الرحمٰن'' ہے، وہی تمہیں سکھاتا پڑھاتا ہے، ہم تو اللہ کی قسم! رحمٰن پر کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اے محمد! ہم نے تمہیں سمجھانے کی پوری کوشش کر لی۔

مشرکوں کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے چل دیے، اور آپ کے ساتھ آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا عبداللہ بن ابو امیہ بھی چل پڑا، اور آپ ﷺ سے کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں تم پر ہرگز ایمان نہیں لاؤں گا،

یہاں تک کہ تم آسمان تک ایک سیڑھی لگا کر اس پر چڑھتے جاؤ اور میں تمہیں دیکھتا رہوں، یہاں تک کہ تم آسمان پر پہنچ جاؤ، اور اپنے ساتھ چار فرشتوں کو لے آؤ جو تمہاری بات کی صداقت کی گواہی دیں۔ یہ کہہ کر وہ رسول اللہ ﷺ سے منہ پھیر کر واپس چلا گیا، اور رسول اللہ ﷺ مہموم ومغموم اپنے گھر والوں کے پاس واپس آ گئے، اس لیے کہ آپ ﷺ کی قوم نے آپؐ کی دعوت کو ٹھکرا دیا تھا۔ ❶

معجزۂ شق القمر:

مشرکین کے زعم باطل کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو عاجز بنانے والے سوالوں میں سے ایک یہ تھا کہ آپ ﷺ انہیں چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھائیں۔ اور وہ سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے۔ لیکن اللہ سبحانہ نے اس معجزہ کے ذریعہ اپنے نبی کی مدد فرمائی، آپؐ نے چاند کی طرف اشارہ کیا اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس کے اوپر نظر آنے لگا اور دوسرا جبل سویداء کے اوپر۔ جب انہوں نے یہ دیکھا تو کہنے لگے: ابن ابی کبشہ نے اُن کی آنکھوں کو مسحور کر دیا ہے۔ کافروں نے آپؐ کا ذکر اس لقب کے ساتھ بطور حقارت کیا تھا، اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک و برباد کرے۔

یہ واقعہ بہت سی سندوں کے ساتھ مروی ہے، حتیٰ کہ مشابہ متواتر ہو گیا ہے۔ ❷

اصحابِ کہف، ذوالقرنین اور روح کے بارے میں سوال:

رسول اللہ ﷺ کے خلاف اسی قسم کی تعجیزی کارروائی کے طور پر مشرکین مکہ نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابو معیط کو مدینہ کے علمائے یہود کے پاس بھیجا، تاکہ وہ ان سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھیں۔ یہودیوں نے ان دونوں سے کہا: تم لوگ اُس سے تین باتیں پوچھو: اگر وہ تمہیں ان کی صحیح خبر دے دے تو سمجھ لینا کہ وہ بھی مرسل ہے۔ ان سے اُن چند نوجوانوں کے بارے میں پوچھو جو زمانۂ بعید میں گزر چکے ہیں کہ اُن کا کیا معاملہ تھا؟ (یہی لوگ اصحاب کہف تھے) اور اس آدمی کے بارے میں پوچھو جس نے مشرق ومغرب تمام علاقوں کا دورہ کیا کہ اس کے متعلق تمہیں کیا معلوم ہے؟ اور تم لوگ اس سے روح کے بارے میں پوچھو کہ اس کی کیا حقیقت ہے؟

وہ دونوں مکہ واپس آئے، اور رسول اللہ ﷺ سے گزشتہ تینوں سوالات کیے، آپؐ نے ان سے کہا: میں تم لوگوں کو ان کا جواب کل دوں گا اور آپ ﷺ نے ان شاء اللہ نہیں کہا، تو پندرہ دنوں تک وحی کا سلسلہ بند رہا، جس کے سبب رسول اللہ ﷺ بہت ہی زیادہ غمزدہ ہوئے، پھر سورۃ الکہف نازل ہوئی جس میں اللہ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ کی تائید کے طور پر مذکورہ تینوں سوالات کے جوابات تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے وہ بات پیش کر دی جس کے ذریعے انہوں نے اسلام کی حقانیت کو پورے طور پر پہچان لیا تو ان کے جسم وجان میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی، اور اللہ کے خلاف کبر وغرور میں مبتلا ہو کر آپ کی اتباع کا

---

❶ سیرۃ ابن هشام: ۱/ ۱۹۸-۱۹۵.

❷ البخاري، كتاب المناقب: حديث (٣٦٣٦، ٣٦٣٧، ٣٦٣٨) مسلم، صفات المنافقين: حديث (٢٨٠٠)، دلائل البيهقي: ٢/ ٢٦٢ - ٢٦٨.

انکار کر دیا، کفر و شرک پر ان کا اصرار مزید بڑھ گیا، اور انہوں نے مومنوں کی تعذیب اور ایذاء رسانی کو اور تیز کر دیا۔ ❶

اکابر مجرمین مکہ:

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام کو ایذاء پہنچانے والے، اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے والے تو بہت تھے، لیکن مکی سوسائٹی میں جن لوگوں نے عداوتِ اسلام کا بیڑا اُٹھا رکھا تھا، نت نئی سازشیں کرتے تھے، اور نبی کریم ﷺ کو ایذاء پہنچانے کی ہر روز نئی نئی تدبیریں کیا کرتے تھے، اور بعثتِ نبوی کے بعد ان کی زندگی کا مقصد اسلام پر کاری ضربیں لگانے اور اسے ختم کر دینے کی انتہائی کوششیں کرنے کے سوا کچھ بھی نہ تھا، ان کے نام اسلام کی تاریخ میں معروف و مدون ہیں۔ اور ان میں سے بعض کے ذکر اور ان کی دسیسہ کاریوں اور اُن کے اُن شیطانی کارناموں کے بیان کرنے کا مقصد (جن کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل کانپنے لگتے ہیں) یہ ہے کہ ہم اپنے ذہنوں میں نبی کریم ﷺ کی صورت کو حاضر کریں اور سوچیں کہ کیسی قابل رحم حالت رہی ہوگی آپؐ کی، جب آپ ﷺ دعوت الی اللہ کے لیے اور بھٹکی اور گمراہ انسانیت کو راہِ راست پر لانے کے لیے ان تمام روح فرسا ایذاء رسانیوں کو برداشت کرتے تھے۔

ذیل میں ان بعض مجرمین سے متعلق کچھ باتیں پڑھئے:

ابوجہل:

اس کا نام عمرو بن ہشام بن مغیرہ مخزومی قرشی تھا، یہ رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ شعبہ نے قبیلۂ کنانہ کے ایک آدمی سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بازار ذوالمجاز میں کہتے سنا: اے لوگو! تم لا إلٰه إلا اللّٰه کہو، کامیاب ہو جاؤ گے۔ آپؐ کے پیچھے کھڑا ایک آدمی آپؐ پر مٹی ڈال رہا تھا، وہ ابوجہل تھا، اور کہہ رہا تھا: لوگو! یہ آدمی تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ نہ کر دے۔ یہ چاہتا ہے کہ تم لوگ لات و عزیٰ کی عبادت کرنا چھوڑ دو۔ ❷

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مشرکینِ مکہ اور نبی کریم ﷺ کے درمیان ایک طویل مکالمہ نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ جب آپ ﷺ ان کے پاس سے لوٹے تو ابوجہل نے کہا: اے اہلِ قریش! محمد (ﷺ) نے ہماری ہر بات کا انکار کر دیا ہے، ہمارے دین کی عیب جوئی کر رہا ہے، ہمارے آباء واجداد کو گالی دیتا ہے اور ہم سب کو بے عقل کہتا ہے اور ہمارے معبودوں کو گالی دیتا ہے۔ میں اللہ سے تم سب کے سامنے اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ میں کل ایک پتھر لے کر اس کی گھات میں بیٹھوں گا اور وہ جب سجدہ کرے گا تو اس کا سر کچل ڈالوں گا۔ اس کے بعد بنی عبد مناف کی سمجھ میں جو آئے ہمارے خلاف کرے۔

ابوجہل دوسرے دن صبح کو پتھر لے کر بیٹھ گیا، اور نبی کریم ﷺ دونوں رکنوں (رکنِ اسود اور رکنِ یمانی) کے درمیان نماز پڑھنے لگے، اُن دنوں آپؐ شام کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے، اور اہلِ قریش اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر دیکھنے لگے کہ کیا ہوتا ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا، تو ابوجہل پتھر لے کر آپؐ کی طرف بڑھنے لگا، یہاں تک کہ جب آپؐ کے قریب پہنچا تو نہایت خوفزدہ ہو کر واپس بھاگا، اس کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا، اور اس کے دونوں ہاتھ پتھر پر جمے ہوئے

---

❶ سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۳۰۰-۳۱۳، دلائل البیھقی: ۲/ ۲۶۹-۲۷۳۔

❷ مسند احمد: ۳/ ۴۹۲، دلائل البیھقی: ۲/ ۱۸۶۔

www.KitaboSunnat.com

تھے، پھر اس نے پتھر دور پھینک دیا۔

قریش کے کچھ لوگ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ابوالحکم تمہیں کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: میں اپنے وعدے کے مطابق کرگزرنے کے لیے جب محمد (ﷺ) کے قریب پہنچا تو میرے سامنے ایک مہیب وخطرناک اونٹ آ گیا۔ اللہ کی قسم! میں نے زندگی میں کبھی اس کے سر، اس کی گردن اور اس کے دانتوں کے جیسا نہیں دیکھا ہے۔ اس نے مجھے کھا جانا چاہا۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ جبریل علیہ السلام تھے، اگر وہ مجھ سے قریب ہوتا تو جبریل اسے پکڑ لیتے۔ ❶

اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے جسے امام احمد اور امام بخاریؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابوجہل نے کہا: اگر میں نے محمدؐ کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھ لیا تو اس کی گردن کو اپنے پاؤں سے کچل دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ ایسا کرتا تو اُسے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے فرشتے پکڑ لیتے۔ ❷

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ ابوجہل نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرا جب آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، تو اس نے کہا: کیا میں نے تمہیں نماز پڑھنے سے روکا نہیں تھا؟ تو نبی کریم ﷺ نے اسے ڈانٹ پلائی۔ ابوجہل نے کہا: اے محمد (ﷺ)! تم مجھے کیوں ڈانٹتے ہو؟ اللہ کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ مکہ میں مجھ سے زیادہ افراد کسی کے پاس نہیں ہیں، تو جبریل علیہ السلام نے وحی نازل کی:

﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾﴾ [العلق: ۱۷،۱۸]

''پس وہ بلالے اپنی مجلس کے لوگوں کو، ہم بھی جہنم کے داروغوں کو بلالیں گے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اگر وہ اپنے لوگوں کو بلاتا تو عذاب کے فرشتے اسے دبوچ لیتے۔ ❸

امام احمد، مسلم، نسائی، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہم اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ابوجہل نے کہا: کیا محمد (ﷺ) تم لوگوں کے سامنے نماز پڑھتا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں نے اسے اس طرح نماز پڑھتے دیکھا تو اس کی گردن کو اپنے پاؤں سے کچل ڈالوں گا، اور اس کے چہرے کو زمین پر رگڑ دوں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ آئے اور نماز پڑھنے لگے، تاکہ دیکھیں کہ وہ کس طرح آپ کی گردن کو کچلتا ہے! ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ابوجہل آگے بڑھا اور پھر تیزی کے ساتھ پیچھے کی طرف بھاگنے لگا، اور اپنے دونوں ہاتھوں سے بچنے کی کوشش کرنے لگا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا: میرے اور محمد کے درمیان آگ کی ایک خندق اور بہت سے پروں والا ایک خطرناک چہرہ حائل ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ میرے قریب ہوتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو اُچک لے جاتے۔ ❹

---

❶ السيرة النبوية، ذهبي: ص/ ۸۸.

❷ مسند أحمد: ۱/ ۳۶۸، صحيح البخاري: حديث (۴۹۵۸)، سنن الترمذي: حديث (۳۴۰۶).

❸ مسند أحمد: ۱/ ۳۲۹،۲۴۸، اس حدیث کی سند صحیح ہے، سنن الترمذي: حديث (۳۴۰۷)، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

❹ مسند أحمد ۲/ ۳۷۰، صحيح مسلم: حديث (۲۷۹۷)، ابن جرير: ۳۰/ ۲۵۶.

ابوجہل کو جب ولید بن مغیرہ کے بارے میں خبر ملی کہ نبی کریم ﷺ نے اسے قرآن پڑھ کر سنایا تو اس پر رقت طاری ہوگئی ہے تو اس سے کہا: اے چچا! آپ کی قوم آپ کے لیے بہت سارا مال جمع کرنا چاہتی ہے، اس لیے کہ آپ محمدؐ کے پاس اس غرض کے لیے گئے تھے۔ ولید نے کہا: قریش کے لوگ خوب جانتے ہیں کہ میں ان میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، ابوجہل نے کہا: پھر آپ اپنی قوم کو ایسی بات کہلا بھیجئے جس سے وہ سمجھیں کہ آپ اس کی دعوت کے منکر ہیں یا اسے ناپسند کرتے ہیں۔ ولید نے بہت سوچنے کے بعد کہا: یہ کوئی جادو ہے جو لوگوں پر اثر انداز ہوتا ہے، جس کے بعد یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۝ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ۝ وَبَنِينَ شُهُودًا ۝ وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ۝ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ۝ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ۝ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ۝ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ۝ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ۝ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝﴾ [المدثر: ۱۱-۳۰]

''آپ مجھے اور اس آدمی کو چھوڑ دیجیے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے، اور میں نے اسے کافی مال دیا ہے، اور لڑکے دیے ہیں جو ہر وقت اس کے پاس موجود رہتے ہیں، اور میں نے اس کے لیے سیادت کی راہ ہموار کر دی ہے، پھر وہ لالچ کرتا ہے کہ میں اُسے زیادہ دوں، ایسا ہرگز نہیں ہوگا، وہ تو ہماری آیتوں کا مخالف ہے، میں عنقریب اسے ایک بڑی چڑھائی چڑھاؤں گا، اس نے غور کیا اور ایک بات (دل میں) طے کر لی، پس وہ ہلاک ہو، اس نے کیسی بات سوچی، وہ پھر ہلاک ہو، اس نے کیسی بات سوچی، پھر اس نے دیکھا، پھر اس نے پیشانی سکیڑی اور بُرا سا منہ بنایا، پھر اس نے پیٹھ پھیر لی اور تکبر کیا، پھر کہنے لگا، یہ محض ایک جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے، یہ محض کسی انسان کا قول ہے۔ میں عنقریب اسے جہنم میں ڈال دوں گا، اور آپ کو کیا معلوم کہ جہنم کیا ہے، نہ وہ کسی چیز کو باقی رکھے گی نہ چھوڑے گی، وہ تو کھال کو جلا ڈالنے والی ہوگی، اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں۔''❶

اسی ابوجہل نے عتبہ بن ربیعہ کو نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا تھا، تاکہ آپؐ سے دعوت الی اللہ کا کام چھوڑ دینے کے سلسلے میں مداہنت کرے، اس موقع پر جب آپ ﷺ نے اس کے سامنے سورۃ ﴿حٰمٓ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ﴾ کی تلاوت کرتے ہوئے: ﴿أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ﴾ [المدثر: ۱۱-۳۰]..... ''اگر پھر بھی (اہلِ مکہ) آپ کی دعوت سے منہ پھیرتے ہیں، تو آپ کہہ دیجیے کہ میں نے تمہیں عاد و ثمود کے عذاب کے مانند ایک عذاب سے ڈرا دیا ہے۔'' تک پہنچے تو عتبہ نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور رحمٰن کا واسطہ دے کر خاموش ہو جانے کی درخواست کی، اور بہت دیر تک اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر نہیں گیا، تو ابوجہل نے اس سے کہا: اے عتبہ اللہ کی قسم! ہم تو سمجھے کہ تم بے دین ہو گئے، اور پھر اسے اور دیگر رؤسائے قریش کو نبی کریم ﷺ کے خلاف برانگیختہ کرتے لگا۔❷

❶ السيرة النبوية، حافظ ذهبي: ص/ ۸۹.

❷ السيرة النبوية، حافظ ذهبي: ص/ ۹۱، ۹۲.

یہی ابوجہل تھا جو رسول اللہ ﷺ پر چھلانگ لگا کر آپ ﷺ کے کپڑے کے ذریعے آپؐ کا گلا گھونٹنے لگا، تاکہ آپ کو ہلاک کر دے، یہ اس وقت ہوا جب آپؐ ابوبکر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے تو عثمانؓ نے اسے دھکا دے کر آپ سے الگ کیا۔ ❶

یہی ابوجہل مشرکین قریش کے ساتھ ایک دن کعبہ کے پاس بیٹھا رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازش کر رہا تھا کہ آپ ﷺ ان کے پاس پہنچ گئے اور فرمایا: تم سب کا بُرا ہو اور تمہارے ساتھی یعنی ابوجہل کا بُرا ہو، تو سب کی زبانیں گُنگ ہوگئیں، اور کسی نے ایک کلمہ کہنے کی جرأت نہیں کی، تو ان میں سب سے زیادہ خبیث و پلید یعنی ابوجہل آپؐ سے معذرت کرنے لگا اور کہنے لگا کہ تم ہمارے بتوں اور معبودوں کی برائی کرنا بند کر دو، اور ہم تمہاری بُرائی کرنا بند کر دیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں ہرگز باز نہیں آؤں گا، یہاں تک کہ تم اللہ پر ایمان لے آؤ، یا میں تمھیں قتل کر دوں۔ اس نے کہا: کیا تم مجھے قتل کرنے کی قدرت رکھتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمھیں اور ان لوگوں کو اللہ قتل کرے گا۔ اس نوک جھونک کے بعد ابوجہل اور دیگر مشرکین ذلیل وخوار ہوکر لوٹ گئے۔ ❷

اسی ابوجہل نے کہا تھا: اگر محمدؐ دوبارہ مقامِ ابراہیم کے پاس نماز پڑھتا ملے گا تو میں اسے قتل کر دوں گا۔ اور جب آپ ﷺ وہاں آ کر نماز پڑھنے لگے تو اس سے کہا گیا: اب تمھیں کیا چیز روک رہی ہے؟ اس نے کہا: میرے اور اس کے درمیان لشکروں کی کثرت سے فضا سیاہ ہوگئی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اگر وہ آپؐ کی طرف بڑھتا تو فرشتے اسے پکڑ لیتے اور لوگ اس کی طرف دیکھتے رہتے۔ ❸

اسی ابوجہل نے إراش کے ایک آدمی سے اونٹ خریدا اور قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنے لگا تو قریش کے بدمعاشوں نے اسے نبی کریم ﷺ کے پاس بھیج دیا اور کہا: اس کے پاس جاؤ، وہ تمھیں ابوجہل کے پاس لے جائے گا، اور ان کا مقصد نبی کریم ﷺ کا مذاق اُڑانا تھا، اس لیے کہ وہ آپ سے ابوجہل کی شدید ترین عداوت کو خوب جانتے تھے۔ وہ إراشی آپ ﷺ کے پاس گیا اور اپنی بات آپ سے کہی، آپ ﷺ ابوجہل کے پاس گئے اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا، جب وہ نکلا تو اس کے چہرے پر خون کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا، اور اس کا رنگ اُڑا ہوا تھا، آپ ﷺ نے اس سے کہا: اس آدمی کا حق اسے فوراً دے دو، اس نے فوراً اس کا حق ادا کر دیا۔ جب کافروں نے ابوجہل سے پوچھا تو اس نے کہا: تم سب کا بُرا ہو، اللہ کی قسم! اس نے جوں ہی میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور میں نے اس کی آواز سنی تو مجھ پر خوف و دہشت طاری ہوگئی، اور پھر فوراً ہی اس کے پاس نکل کر آیا، تو دیکھا کہ اس کے سر کے اوپر ایک بہت ہی خوفناک اونٹ ہے جس کے سر، گردن اور دانتوں کی مانند میں نے کبھی بھی کوئی اونٹ نہیں دیکھا تھا، اللہ کی قسم! اگر میں انکار کر دیتا تو وہ مجھے کھا جاتا۔ ❹

---

❶ الوفاء: ۱/۲۰۲.

❷ الوفاء: ۱/۲۰۲.

❸ السيرة النبوية، ابن كثير: ۱/٤٦۷.

❹ مصدر سابق: ۱/٤٦۹، ٤۷۰.

امام بیہقی نے اپنی سند کے ذریعہ ابو اسحاق سے روایت کی ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ ابوجہل اور ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو ابوجہل نے کہا: اے بنی عبد شمس! یہ ہے تم لوگوں کا نبی، ابوسفیان نے کہا: تمہیں ہم میں سے ایک نبی مبعوث ہونے پر تعجب ہے، حالانکہ نبی تو ہم لوگوں سے کم حسب ونسب اور کم عزت وشرف والوں میں ہوتا رہا ہے، ابوجہل نے کہا: مجھے تعجب ہے کہ بڑی عمر والے لوگوں کے ہوتے ہوئے ایک لڑکا نبی ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان دونوں کی یہ بات سن رہے تھے، آپ ﷺ ان کے پاس آئے اور کہا: اے ابوسفیان! تمہاری ناراضی اللہ اور اس کے رسول کے لیے نہیں تھی، بلکہ تم اپنے قبیلہ اور خاندان کی حمیت میں ناراض ہو رہے تھے، اور تم اے ابوالحکم! اللہ کی قسم! بہت کم ہنسو گے اور بہت زیادہ روؤ گے۔ ابوجہل نے کہا: اے میرے بھتیجے! تم اپنی نبوت کے ذریعہ مجھے بہت بُری دھمکی دے رہے ہو۔

اور ایک دن تو ابوجہل ملعون نے اپنے حسد اور کبر وغرور کا پردہ فاش کر ہی دیا، جب اس کے پاس اخنس بن شریک آیا اور کہنے لگا: اے ابوالحکم! آپ نے محمد (ﷺ) کو قرآن پڑھتے سُنا ہے، اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: تمہیں کیا بتاؤں، ہم میں اور بنو عبد مناف میں عزت وشرف کے لیے مقابلہ ہوا، انہوں نے لوگوں کو کھانا کھلایا تو ہم نے بھی کھلایا، انہوں نے لوگوں کا بار اُٹھایا تو ہم نے بھی اُٹھایا، اور انہوں نے لوگوں کو اپنا مال دیا تو ہم نے بھی دیا، یہاں تک کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے برابر چلتے رہے، بالآخر انہوں نے کہا کہ ہم میں سے ایک نبی مبعوث ہوا ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے، تو ہم اس جیسی عزت وشرف کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ اس لیے اللہ کی قسم! ہم اس پر کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے، اور اس کی کبھی تصدیق نہیں کریں گے۔ ❶

اور انہی اکابر مجرمین قریش میں سے ملعون ابولہب بن عبدالمطلب تھا، یہ شخص نبی کریم ﷺ کی مخالفت میں بہت سے دور کے رشتہ داروں سے بھی بڑھ چڑھ کر تھا، آپ ﷺ کے خلاف سازشوں میں اس کی بھینگی بیوی ام جمیل بنت حرب بن اُمیہ پورے طور پر ساتھ دیتی تھی۔ امام بیہقی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ بدبخت عورت آپ ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھا دیتی تھی، تاکہ آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام کے قدموں میں چبھ جائیں، یہ دلیل تھی اس بات کی کہ یہ عورت غایت درجہ کمینی اور خسیس تھی اور آپ ﷺ کے خلاف اس کا بغض انتہاء کو پہنچا ہوا تھا، اور ابھی کچھ پہلے ابولہب، اس کی بیوی اور اس کے دونوں لڑکوں کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدترین معاملے کا ذکر گزر چکا ہے۔

اور انہی میں عقبہ بن ابی معیط تھا، جس نے آپ ﷺ کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھری ڈال دی، جب آپ مسجد حرام میں نماز پڑھ رہے تھے اور قریش کے کچھ لوگ آس پاس بیٹھے یہ سب کچھ دیکھتے رہے، آپ سجدے میں گرے رہے، یہاں تک کہ آپ کی چھوٹی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ ﷺ کی پیٹھ سے اس اوجھری کو الگ کیا۔ اُس وقت رسول اللہ ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ! قریش کے ان سرداروں سے تو نمٹ لے۔ اے اللہ! تو عتبہ بن ربیعہ سے نمٹ لے، اے اللہ! تو شیبہ بن ربیعہ سے نمٹ لے، اے اللہ! تو ابوجہل بن ہشام سے نمٹ لے، اے اللہ! تو عقبہ بن ابی معیط سے نمٹ لے، اور اے اللہ! تو اُبی بن خلف سے نمٹ لے۔ اور ایک روایت میں اُبی کے بجائے اُمیہ بن خلف کا نام آیا ہے۔

---

❶ السیرۃ النبویۃ، حافظ ذہبی: ص / ۹۳، اور اسے بیہقی نے اسنادِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، دیکھئے: صحیح السیرۃ النبویۃ، البانی: ص / ۱۶۲۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے ان تمام کو جنگِ بدر میں مقتول دیکھا، پھر انہیں گھسیٹ کر کنویں میں ڈال دیا گیا، سوائے اُبی بن خلف یا اُمیہ بن خلف کے، وہ بھاری جسم کا آدمی تھا، گھسیٹے جانے سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ❶

اس عقبہ بن ابی معیط ملعون نے نبی کریم ﷺ کا گلا گھونٹ کر آپؐ کو ہلاک کر دینا چاہا، اس واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ حجر کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ وہاں اچانک یہ شخص آ گیا، اور اپنا کپڑا آپ ﷺ کی گردن میں ڈال دیا، اور پوری قوت سے آپؐ کا گلا گھونٹنے لگا۔ اسی وقت وہاں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے، اور عقبہ کا مونڈھا پکڑ کر آپؐ سے الگ کر دیا، اور کہا: کیا تم لوگ ایک آدمی کو اس لیے قتل کر دینا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے۔ ❷

یہ عقبہ نبی کریم ﷺ کا پڑوسی تھا اور ابولہب کے ساتھ مل کر آپ کے خلاف سازش کرتا تھا، اس نے ایک بار زعمائے قریش کو بلایا۔ ان میں رسول اللہ ﷺ بھی تھے، آپ نے قسم کھا کر اس سے کہا کہ جب تک وہ اللہ پر ایمان نہیں لائے گا، آپ کھانا نہیں کھائیں گے، تو اس نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔ جب یہ خبر اُبی بن خلف کو ملی جو اس کا دوست تھا تو اس نے اس سے کہا: میرے لیے تمہارا دیکھنا حرام ہے، جب تک کہ تم محمدؐ سے مل کر اس کی گردن کو روند نہیں دو گے، اس کے چہرے پر تھوک نہیں دو گے اور اس کی آنکھ پر گھونسا نہیں مارو گے، چنانچہ اس ملعون نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسا ہی کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کا نزول فرمایا:

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾ يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾ لَّقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا ﴿٢٩﴾﴾

[الفرقان: ۲۷-۲۹]

''اور جس دن ظالم آدمی (مارے افسوس کے) اپنے دونوں ہاتھ کاٹے گا، کہے گا: اے کاش! میں رسول کی راہ پر چلا ہوتا، ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا، جس نے میرے پاس قرآن آ جانے کے بعد اسے قبول کرنے سے مجھے بہکا دیا، اور شیطان کا کام انسان کو رسوا کرنا ہی ہے۔'' ❸

اور انہی میں سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا باپ عاص بن وائل تھا، جو رسول اللہ ﷺ کا سخت ترین دشمن تھا، آپ ﷺ کا مذاق اڑایا کرتا تھا اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتا تھا، کہتا تھا کہ محمدؐ نے اپنے ساتھیوں کو یہ کہہ کر دھوکے میں رکھا ہے کہ وہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے، اللہ کی قسم! ہمیں تو زمانہ ہلاک کر دے گا، اور ہم مٹی میں گل کر ختم ہو جائیں گے۔ خباب ابن الارت رضی اللہ عنہ کا اس کے ذمے قرض تھا، انہوں نے اس سے مطالبہ کیا، تو کہنے لگا کہ کیا محمدؐ کا یہ خیال نہیں ہے کہ جنت میں اہلِ جنت کو ان کی خواہش کے مطابق سب کچھ ملے گا؟ خبابؓ نے کہا: ہاں، تو اس نے کہا: پھر مجھے اس دن تک کے لیے مہلت دے دو۔ مجھے جب اس دن مال واولاد کا کثیر حصہ ملے گا تو تمہارا قرض چکا دوں گا۔ اس

❶ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۱/ ۴۶۸۔

❷ مصدر سابق: ۱/ ۴۷۰۔

❸ الدر المنثور، سیوطی: ۵/ ۸۶، تفسیر طبری: ۸/ ۹۱۔

وقت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝ ﴾

[مريم: ٧٧-٨٠]

''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہا کہ یقیناً مجھے (آخرت میں بھی) مال اور اولاد ملے گی، کیا وہ غیب کی خبر رکھتا ہے، یا اُس نے رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے، ہرگز نہیں (دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے) وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اُسے ہم لکھ رہے ہیں، اور اس کے لیے ہم عذاب کو خوب بڑھا دیں گے، اور وہ جس مال واولاد کی بات کر رہا ہے، اُسے ہم اس سے واپس لے لیں گے، اور وہ تنہا ہمارے سامنے آئے گا۔''

یہ شخص ایک بار رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو آپ ﷺ نے اس کے پاؤں کے تلوے کی طرف اشارہ کر دیا، اس وقت وہ ایک گدھے پر سوار ہو کر طائف جا رہا تھا، ایک ہلکے سبزے کے پاس پہنچ کر اس کا گدھا بدک گیا، اور وہ زمین پر گر گیا، اس وقت اس کے تلوے میں ایک کانٹا چبھ گیا جس سے اس کے پاؤں میں ورم آ گیا، یہاں تک کہ اونٹ کی گردن کی مانند ہو گیا اور موت نے اسے آ دبوچا۔ ❶

اور اللہ اور اس کے رسول کے انہی بدترین دشمنوں میں سے مندرجہ ذیل اشخاص بھی تھے: اسود ابن مطلب بن اسد ابو زمعہ، اسود بن عبد یغوث بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ، ولید بن مغیرہ، حارث بن طلاطلہ، اور حارث بن قیس سہمی۔ یہ بھی لوگ شرپسندی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے، اور نبی کریم ﷺ کی ایذاء رسانی اور آپ کا مذاق اڑانا ان کا مشغلہ تھا، انہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۝ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ ﴾

[الحجر: ٩٥، ٩٦]

''ہم مذاق اڑانے والوں سے نمٹنے کے لیے آپ کی طرف سے کافی ہیں، جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو شریک بناتے ہیں، تو وہ عنقریب جان لیں گے۔''

ان میں سے اسود بن مطلب کو اللہ تعالیٰ نے اندھا بنا دیا، اور اس کے بیٹے کو ہلاک کر دیا، اور اسود بن عبد یغوث کو بادِ سموم کے شدید جھونکے نے ایسا متاثر کیا کہ اس کا پورا جسم سیاہ ہو گیا اور ہلاک ہو گیا۔ اس وقت اسے یہ کہتے سنا گیا کہ مجھے محمد ؐ کے رب نے قتل کر دیا۔ اور ولید بن مغیرہ مخزومی بنو خزاعہ کے ایک ایسے شخص کے زہر آلود تیروں کے اوپر سے پاؤں رکھ کر گزرا جو دھوپ میں سو کر رہے تھے، اس کا پاؤں پڑتے ہی ایک تیر ٹوٹا اور اُس کے بازو کی رگ میں جا کر پیوست ہو گیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ اور آپ ﷺ حارث بن طلاطلہ کے پاس سے گزرے تو اس کے سر کی طرف اشارہ کر دیا، جس کے بعد اس کا

❶ دلائل النبوۃ، ابو نعیم: ۱/ ۳۵٤، ۳۵۵، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/ ۸۷۔

سر پیپ سے بھر گیا اور کچھ دیر بعد وہ ہلاک ہوگیا۔ اور حارث بن قیس سہمی نے ایک بار نمک ملی ہوئی مچھلی کھائی، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کوئی تازہ مچھلی کھائی جس کے بعد اسے سخت پیاس لگی اور وہ شخص پانی پیتا رہا، یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور ہلاک ہوگیا، اسے بھی مرتے وقت یہ کہتے سنا گیا کہ مجھے محمد (ﷺ) کے رب نے قتل کردیا۔ [1]

اور انہی شیاطینِ قریش میں سے نضر بن حارث تھا، جو آپ ﷺ کی تکذیب اور آپ اور آپ کے صحابہؓ کی ایذاء رسانی میں پیش پیش رہتا تھا، یہ شخص لوگوں کو جمع کرکے اہلِ فارس کی کتابیں پڑھ کر سناتا تھا، تاکہ انہیں قرآن کریم اور حدیثِ رسول سننے سے روکے، اور یہ شیطان ہمیشہ قرآن اور رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑایا کرتا تھا، یہ مجرم جنگِ بدر میں قیدی بنالیا گیا، اور اس کی شرارتوں کی کثرت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس کی گردن ماردینے کا حکم دے دیا، چنانچہ وہ قتل کردیا گیا۔

اور انہی بدمعاشوں میں سے خلف کے دونوں بیٹے اُبی اور اُمیہ بھی تھے، یہ دونوں بھی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ سے بڑی سخت دشمنی رکھتے تھے، اور ہر دم آپ ﷺ کے درپے آزار رہتے تھے، اور اللہ کے دین کا مذاق اڑانا ان دونوں کا رات دن کا مشغلہ تھا، یہی اُبی ایک بار رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اس کے ہاتھ میں ایک ہڈی تھی جسے اس نے رگڑ کر گرد بنادیا اور کہنے لگا: تمہارا یہ گمان ہے نا کہ تمہارا رب اس ہڈی کو دوبارہ زندہ کرے گا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں نازل فرمایا:

﴿ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ [یٰس: ۷۸-۷۹]

''اور ہمارے لیے مثال بیان کرتا ہے، اور اپنی تخلیق کی حقیقت کو بھول گیا ہے، کہتا ہے کہ ان ہڈیوں کو گل سڑ جانے کے بعد کون زندہ کرے گا؟ آپ کہہ دیجیے کہ انہیں وہ اللہ زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور وہ اپنی تمام مخلوقات کے بارے میں پورا علم رکھتا ہے۔''

اس کے بھائی امیہ نے عقبہ بن ابی معیط سے اس بات کا عہد لیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی گردن کو اپنے پاؤں سے کچل دے گا اور آپ کے چہرے پر تھوک دے گا، چنانچہ ملعون عقبہ نے ایسا ہی کیا، یہ اُمیہ میدان بدر میں قتل کیا گیا اور اسے گھسیٹ کر دیگر مجرمینِ قریش کے ساتھ کنویں میں ڈال دیا گیا، اور اس کے بھائی اُبی کو رسول اللہ ﷺ نے میدان احد میں ایک نیزے کے ذریعہ اس کی پسلی میں ضرب لگائی جس کے اثر سے مکہ جاتے ہوئے بُری طرح ہلاک ہوا۔

اور انہی مجرمینِ مکہ میں سے نُبیہ اور مُنبہ سہمی بھی تھے، یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑاتے اور آپ سے کہتے: کیا تمہارے رب کو نبی بنانے کے لیے کوئی اور نہیں ملا تھا، یہ دونوں بھی میدان بدر میں مارے گئے۔ مُنبہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا اور دوسرا یعنی نُبیہ میدان جنگ میں مارا ہوا پایا گیا۔

---

[1] دلائل النبوۃ، ابو نعیم: ۱/۳۵۲، ۳۵۶، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/۸۵-۸۷۔

زعمائے قریش کو قتل وہلاکت کی دھمکی:

ابتدائے عہد اسلام میں مشرکین مکہ کا بالعموم اور ان کے زعماء ورؤساء کا بالخصوص یہ مشغلہ بن گیا تھا کہ وہ ہر وقت رسول اللہ ﷺ کی ایذاء رسانی، آپ کا مذاق اڑانے، آپ کے بارے میں طنز وتعریض، آپ کے خلاف سازشیں کرنے اور آپ ﷺ کے بارے میں بدکلامی میں لگے رہتے تھے، اور جب کبھی اپنی مجلسوں میں اور خانۂ کعبہ کے گرد جمع ہوتے تو یہی باتیں سوچتے اور آپس میں آپ ہی کے خلاف مشورے کرتے۔

ان تمام مشرکین کے اعصاب پر یہی بیمار اور متعفن فکر سوار رہتی تھی، اور ان کی وجہ سے نبی کریم ﷺ عجیب آزمائش میں پڑے رہتے تھے، جب بھی کہیں جاتے تو یہ مشرکین ان کے پیچھے لگے رہتے، اور جب خانۂ کعبہ کے پاس آکر نماز پڑھتے تو آپ کی طرف دیکھ دیکھ کر آپس میں آپ کے خلاف سرگوشیاں کرتے، اور جب بیت اللہ کا طواف کرنے لگتے تو آپ ﷺ کے قریب آکر آپ پر جملے چست کرتے، یہ مجرمین ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کو اپنے گھر کے باہر آرام نہ کرنے دیتے، انہوں نے سرزمین مکہ کو آپ پر تنگ کردیا تھا، جس کے سبب آپ اندر ہی اندر بیزار اور گھٹتے رہتے۔

انہی دنوں ایک بار زعمائے قریش خانۂ کعبہ کے حجر والے حصے میں جمع ہوکر آپ ﷺ کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ ہم نے اس آدمی کی طرف سے صبر کرنے کی انتہاء کردی، اس نے ہم سب کو بے وقوف کہا، ہمارے آباء واجداد کو گالی دی، ہمارے دین کی عیب جوئی کی، ہمارے درمیان تفریق پیدا کردی، اور ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہا، اور اب ہم اس کی جانب سے صبر کی انتہاء کو پہنچ چکے ہیں۔

یہ لوگ اپنی انہی باتوں میں لگے تھے کہ رسول اللہ ﷺ آئے اور حجر اسود کا استلام کرکے طواف کرتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اپنی خبیث عادت کے مطابق آپ کی طرف اشارہ کرکے ایذاء رسانی کی کوئی بات کہی جس کے سبب رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ مبارک متاثر ہوا، آپ آگے بڑھ گئے اور جب دوبارہ ان کے پاس سے گزرے تو پھر پہلی بار کی طرح آپ پر کوئی طنزیہ جملہ چست کیا، جس کا اثر آپ کے چہرہ پر ظاہر ہوا، آپ پھر آگے بڑھ گئے، اور تیسری بار ان کے پاس سے گزرے اور انہوں نے پہلے کی طرح آپ پر کوئی جملہ چست کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اے اہل قریش! سن لو، اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمہارے قتل کا سامان لے کر آیا ہوں۔" اس بات سے تمام مشرکین خوفزدہ ہوگئے اور ایسا لگا کہ جیسے ان کے سر پر کوئی چڑیا بیٹھی ہوئی ہو، یہاں تک کہ ان میں سب سے زیادہ آپ سے دشمنی اور آپ کی ایذاء رسانی کرنے والا آپ کو خاموش کرانے لگا اور آپ کی ناراضی کو دور کرنے لگا، اس نے کہا: اے ابوالقاسم! آپ اپنی معروف سنجیدگی کے ساتھ گھر لوٹ جائیے، اللہ کی قسم! آپ تو کبھی بھی نادان نہیں تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے گھر لوٹ گئے۔

دوسرے دن مشرکین پھر حجر میں جمع ہوئے۔ راوی حدیث عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ میں بھی ان کے ساتھ تھا، وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے: کل محمد نے تم سے کچھ کہا، اور تم نے اس سے کچھ کہا، یہاں تک کہ جب اس نے تم سے تکلیف دہ بات کہی تو اسے تم لوگوں نے چھوڑ دیا، وہ لوگ اسی قسم کی بات کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے سامنے آگئے، تمام مل

کر آپ پر دوڑ پڑے، اور آپ ﷺ کو گھیر کر کہنے لگے کہ تم ہی ایسا اور ایسا کہتے ہو؟ یعنی آپ ﷺ جو کچھ ان کے معبودوں اور ان کے دین کے بارے میں کہا کرتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، میں ہی ہوں، جو ایسا اور ایسا کہتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان میں سے ایک آدمی کو (وہ عقبہ بن ابی معیط تھا) دیکھا کہ اس نے آپ ﷺ کی چادر کو لپیٹ کر پکڑ لیا، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں بچانے لگے، اور رو رو کر کہنے لگے: کیا تم لوگ ایک ایسے آدمی کو قتل کر دینا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ پھر وہ سب آپ ﷺ سے الگ ہو گئے۔ ❶

قریش پر آپ ﷺ کی بددعا:

امام بخاری و مسلم نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے خلاف قریش کی سازشیں حد سے گزر گئیں اور انہوں نے اسلام لانے میں تاخیر کی تو آپ ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ! تو ان قریشیوں کے خلاف یوسف بن یعقوب علیہ السلام کی سات چیزوں کی مانند سات چیزوں سے میری مدد فرما۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر انہیں قحط سالی نے آ گھیرا، یہاں تک کہ ہر چیز جڑ سے اکھڑ گئی اور مشرکینِ قریش مردہ کھانے پر مجبور ہو گئے، اور بھوک کی شدت سے ان کی حالت اتنی دِگرگوں ہو گئی کہ ان کو اپنے اور آسمان کے درمیان ایک دھواں سا نظر آتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس قحط سالی کو دور کر دیا۔ اور آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا ۚ إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿١٥﴾﴾ [الدخان: ١٥]

''ہم چند دنوں کے لیے عذاب ٹال دیں گے، تم اپنی پہلی حالت پر لوٹ آؤ گے۔''

راوی کہتے ہیں کہ قحط سالی دور ہونے کے بعد وہ سب کے سب اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ گئے اور کفر پر مصر رہے، یہاں تک کہ جنگِ بدر کا زمانہ آ گیا۔

بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے مُردے، چمڑے اور ہڈیاں تک کھائیں۔ اُس وقت ابوسفیان اور کچھ دیگر اہلِ مکہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے محمد (ﷺ)! تم کہتے ہو کہ تمہیں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے، اور تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے، تم اللہ سے ان کے لیے دعا کرو۔ تو آپ ﷺ نے دعا کی، اور بارش ہوئی، اور ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ لوگ بارش کی کثرت کی شکایت کرنے لگے تو آپ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے اِردگرد بارش ہو، ہمارے اوپر بارش نہ ہو۔ اس دعا کے بعد فوراً ہی آپ ﷺ کے سر کے اوپر سے بادل چھٹ گیا، اور مکہ کے گرد و نواح میں بارش ہونے لگی۔ ❷

روم کے اہلِ کتاب کا فارس کے مجوسیوں پر غلبہ اور دعوتِ اسلامیہ پر اس کا خوشگوار اثر:

بیہقی نے گزشتہ واقعات کا ذکر کرنے کے بعد روم کے اہلِ کتاب پر فارس کے مجوسیوں کے غلبہ اور پھر فارس پر روم کے غلبہ کا ذکر کیا ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل کلام نازل ہوا:

﴿الٓمٓ ﴿١﴾ غُلِبَتِ الرُّومُ ﴿٢﴾ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ﴿٣﴾ فِي بِضْعِ سِنِينَ ۗ لِلَّهِ

---

❶ مسند احمد: ۲/ ۲۱۸، اس کی سند حسن ہے، سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۲۸۹، ۲۹۰۔

❷ دیکھئے: صحیح السیرۃ النبویۃ، الالبانی: ص/ ۲۲۶-۲۲۸۔

الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ بَعْدُ وَ يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٤﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٥﴾﴾ [الروم: ١-٥]

''الٓمٓ، اہلِ روم مغلوب ہو گئے، قریب کی سرزمین (شام) میں، اور وہ اپنی مغلوبیت کے بعد عنقریب ہی (اپنے دشمن اہلِ فارس پر) غالب آ جائیں گے، چند ہی سالوں میں، پہلے بھی ہر چیز کا اختیار صرف اللہ کو حاصل تھا، اور بعد میں بھی صرف اسی کو حاصل رہے گا، اور اُس دن مومنین خوش ہو جائیں گے، اللہ کی نصرت وتائید پر، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، اور وہ غالب، بے حد مہربان ہے۔''

اس کے بعد بیہقی نے لکھا ہے کہ رومیوں کے غلبہ کا مسلمانوں کی نفسیات پر بہت ہی اچھا اثر ہوا اور وہ بہت سے قریشی اور غیر قریشی مشرکین کو اسلام کی حقانیت کے بارے میں قائل کرنے لگے، اور انہیں یقین ہو گیا کہ اسلام ایک دن مشرکین ہی نہیں بلکہ اہلِ کتاب پر بھی اللہ کے حکم سے غالب ہو کر رہے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس دین کو دنیا کے تمام ادیان پر غالب کرے گا۔

امام زہری رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مشرکینِ مکہ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ روم کے لوگ اہلِ کتاب ہیں اور ان پر فارس والے غالب آ گئے ہیں، اور تم مسلمان یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اس کے ذریعہ تم بھی ہم پر غالب آ جاؤ گے، تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم تم پر غالب رہیں گے، جیسا کہ فارس والے اہلِ روم پر غالب آ گئے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿الٓمٓ ﴿١﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿٢﴾﴾ [الروم: ١-٢]

''الٓمٓ، اہلِ روم مغلوب ہو گئے ہیں۔''

ان آیتوں کے نزول کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُبی بن خلف سے بازی لگائی (جُوا کے حرام ہونے سے پہلے) کہ فارس والے پانچ سالوں میں مغلوب ہو کر رہیں گے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا: ابوبکر! تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس لیے کہ دس سے کم عدد پر بضع (یعنی چند) کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ اہلِ روم اس مراہنت (بازی لگانے) کے ساتویں سال کی ابتدا میں اہلِ فارس پر غالب آ گئے۔ سفیان کہتے ہیں: میں نے سنا ہے کہ وہ لوگ جنگِ بدر کے دن غالب ہوئے تھے، جیسا کہ ترمذی نے سورۃ الروم کی تفسیر کے ضمن میں اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ان آیات کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ مراہنت اہلِ فارس اور اہلِ روم کے بارے میں تھی، اور پہلے فارس والے اہلِ روم پر غالب آئے پھر اہلِ روم کا ان پر غلبہ ہو گیا، اور اللہ کے نبی ﷺ کی جنگ بدر کے دن مشرکینِ عرب سے مڈبھیڑ ہوئی، اور اُدھر روم و فارس کی مڈبھیڑ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو مشرکینِ عرب پر اور رومی اہلِ کتاب کو فارس کے مجوسیوں پر غلبہ دیا۔ اس لیے مسلمانوں کو دو خوشیاں ملیں: اللہ نے انہیں مشرکین پر غلبہ دیا، اور اہلِ کتاب کو مجوسیوں پر۔ اور یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿وَ يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٤﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ﴾ سے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس نصرت و کامیابی سے اسلام کو بہت ہی قوت ملی۔

علاء بن زبیر کلابی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے روم پر فارس کا غلبہ دیکھا، پھر روم کا غلبہ فارس پر، پھر میں نے مسلمانوں کا غلبہ فارس اور روم پر دیکھا، اور شام وعراق پر ان کی حکومت وسلطنت دیکھی، یہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے صرف پندرہ سال میں ہوا۔ ❶

سرزمین مکہ رسول اللہ ﷺ پر تنگ ہوگئی:

رسول اللہ ﷺ سے مشرکین مکہ کی شدید عداوت، انتہائی کینہ اور غایت درجہ کے بغض کے جن واقعات کا میں نے اب تک ذکر کیا ہے، یہ حقیقتِ حال کا تھوڑا سا حصہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی بھی قادر الکلام کاتب کا قلم کفار مکہ کی رسول اللہ ﷺ سے عداوت کی حقیقی تصویر کشی سے عاجز ہے۔ ان مشرکین مکہ نے ظلم وطغیان اور عداوت وسرکشی کے ان تمام طریقوں کو اختیار کیا، جن کا گزر عقل انسانی میں ہوسکتا تھا، جیسا کہ اب تک کی تحریر سے معلوم ہوا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی غایت درجہ اہانت کی، مذاق اُڑایا، مارا، سر پر اونٹ کی اوجھری ڈال دی، گلا گھونٹ کر ہلاک کر دینا چاہا، اور اوباش مکہ کو پیچھے لگا دیا، تاکہ وہ آپ ﷺ پر پھبتیاں کسیں۔ اور جب آپ ﷺ وفود عرب سے ملتے، تاکہ انہیں اسلام کی دعوت دیں تو شیاطین مکہ آپ ﷺ کے پیچھے لگ جاتے، آپ پر پتھروں کی بارش کرتے، آپ کے سر پر مٹی ڈال دیتے، قہقہے لگاتے۔ کئی سال تک آپ انہی آزمائشوں سے گزرتے رہے، یہاں تک کہ ان مشرکین کے چھوٹے بچے جو اس زمانے میں بڑے ہوئے آپ کا مذاق اڑانا ان کی عادت ہوگئی تھی، اور ان کے قبولِ حق کی فطرت مسخ ہوگئی تھی، اس لیے کہ انہوں نے جب اپنی آنکھیں کھولیں تو پوری کی سوسائٹی کو ایسا ہی پایا کہ تمام مشرکین آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کی دعوت کا مذاق اڑاتے تھے، اس لیے ان کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ واقعی اس کی دعوت ناحق ہے، اور آپ ﷺ کی صداقت ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی، حالانکہ انہی کے باپ دادا اسلام سے پہلے آپ کو ''الصادق الأمین'' کا لقب دیتے تھے۔

نبی کریم ﷺ ان حالات کے پیش نظر مکہ کی سوسائٹی میں غریب الوطن بن گئے تھے، اور مکہ کی زمین آپؐ کے لیے بدل گئی تھی، وہ زمین نہیں رہی تھی جس پر آپ ﷺ نبوت سے پہلے چلا کرتے تھے، آپ ﷺ ہی نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کے سلسلے میں اہل مکہ کے درمیان فیصلہ کیا تھا۔ اس لیے کہ اس وقت تمام اہل مکہ آپ ﷺ کی صداقت، امانت اور عظیم دوراندیشی پر متفق تھے۔ جب حالت بہت زیادہ دگرگوں ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ کے لیے مکہ میں دعوت کا کام کرنا ممکن نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کرکے یثرب چلے جانے کا حکم دیا۔ جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آئے گی۔

یہاں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ مشرکین مکہ کے، بعثتِ نبوی سے قبل اور اس کے بعد کے موقف میں یہ شدید تبدیلی اور ان کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ اور دعوتِ توحید کے خلاف انتہائی درجے کا بغض وکینہ ان کی بُت پرستی کی وجہ سے پیدا ہوا اور پھر حالات کی تبدیلیوں کے ساتھ ان کی رگ وپے میں رچ بس گیا۔ اور ہم نے ہندوستان میں اس بات کا خوب مشاہدہ کیا ہے کہ وہاں کے مشرکین اور بُت پرستوں کی سب سے پہلی صفت موحدین کے خلاف ان کے دلوں میں شدید بغض

❶ دیکھئے: دلائل البیهقی: ۲/ ۳۳۰-۳۳۴، السیرة النبویة، ابن کثیر: ۲/ ۹۱، ۹۲، تفسیر قرطبی، تفسیر سورة الروم۔

دکینہ ہوتا ہے اور یہی حال قبر پرست مشرکوں کا بھی ہوتا ہے کہ وہ بھی ان موحدین کے شدید ترین دشمن ہوتے ہیں، جو ان کے دین وعقیدہ پر نہیں ہوتے۔

کمزور مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں عذاب دیا جانا:

مشرکینِ قریش کے دل رسول اللہ ﷺ اور ہر مسلمان کے خلاف بغض وعداوت اور کینہ وحسد سے بھرے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا دفاع تو ان کے چچا ابو طالب، بنو ہاشم اور ان کا ساتھ دینے والے بنو مطلب کرتے رہے، اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دفاع ان کی قوم کرتی رہی، لیکن باقی مسلمان اور بالخصوص ان میں کمزور لوگ مشرکینِ مکہ کے شدید آزمائش وتعذیب سے گزرتے رہے، اور دینِ اسلام پر باقی رہنا ان کے لیے بہت بڑی آزمائش بن گئی۔ اہلِ قریش نے مکہ کے ہر مسلمان کے خلاف سازش شروع کردی۔ ان پر سختی کی، انہیں بھوک، پیاس اور ضربِ شدید کے ذریعہ عذاب دیتے رہے، اور سخت گرمی کے وقت انہیں مکہ کے ریتلے علاقے میں لے جاتے اور انہیں دھوپ میں کھڑا کرتے۔ اس طرح ان لوگوں نے مسلمانوں کو ایسی ایسی سزائیں دیں کہ جن کے بیان کرنے سے دل کانپنے لگتا ہے، اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجرم ابوجہل جب بھی مکہ کے کسی شرف وعزت والے آدمی کے بارے میں سنتا کہ وہ مسلمان ہوگیا ہے تو اس کے خلاف قریشی نوجوانوں کو اُبھارتا، اور خود بھی اس مسلمان کو ڈانٹ پلاتا، اسے رُسوا کرتا، اور کہتا کہ تو نے اپنے باپ کے دین کو چھوڑ دیا، حالانکہ وہ تم سے بہتر تھا، ہم تمہاری حماقت ونادانی کے قصے لوگوں میں عام کریں گے۔ تمہاری خطاؤں کو اُچھالیں گے، اور تمہاری عزت وشرف کو ہم زمین سے لگا دیں گے، اور اگر وہ مسلمان تاجر ہوتا تو اسے کہتا: اللہ کی قسم! ہم تمہاری تجارت کو ناکام بنا دیں گے اور تمہارے مال کو برباد کرکے چھوڑیں گے، اور اگر وہ کوئی کمزور آدمی ہوتا تو اسے مارتا اور لوگوں کو اس کے خلاف اُبھارتا۔

ابن اسحاقؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا مشرکینِ مکہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ کو اتنا شدید عذاب دیتے تھے کہ جس کے سبب وہ اپنے دین کو چھوڑنے میں معذور سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! مشرکین بعض مسلمانوں کو مارتے تھے اور انہیں بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے، یہاں تک کہ شدتِ ضرر کی وجہ سے وہ سیدھا بیٹھ نہیں سکتے تھے، مشرکین اُس مسلمان سے یہ بھی کہتے کہ کیا لات وعزیٰ اللہ کے سوا دو معبود ہیں، تو وہ مسلمان ان کی تعذیب سے بچنے کے لیے ''ہاں'' کہہ دیتا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسی جیسی حالت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝﴾ [النحل: ۱۰۶]

''جو شخص ایمان لانے کے بعد پھر اللہ کے ساتھ کفر کر بیٹھے گا، سوائے اس آدمی کے جسے مجبور کیا گیا ہو، درانحالیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، نہ کہ وہ شخص جس نے کفر کے لیے اپنا سینہ کھول دیا ہو، تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب نازل ہوگا، اور ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا۔''

ایسے مجبور و مظلوم مسلمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک معذور تھے۔ ❶

اللہ کی راہ میں اذیتیں اور عذاب پانے والوں میں سے "بلال بن رباحؓ" بھی تھے، جو بنی جمح کے ایک آدمی کے غلام تھے اور انہی لوگوں میں پیدا ہوئے تھے، انہیں اُمیہ بن خلف جمحی قرشی دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں بطحائے مکہ لے جاتا اور پیٹھ کے بل ڈال دیتا، پھر اس کے حکم سے ایک بڑا پتھر ان کے سینے پر رکھ دیا جاتا، پھر وہ ظالم ان سے کہتا: اللہ کی قسم! تمہارے ساتھ ایسا ہی کیا جاتا رہے گا یہاں تک کہ تم مرجاؤ گے، یا محمد کا انکار کردو گے اور لات و عزیٰ کی عبادت کرو گے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اسی آزمائش میں پڑے کہتے "أحد، أحد۔"

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اللہ کی راہ میں اپنی جان کو بالکل ارزاں بنا دیا تھا، اس لیے ہر قسم کی سزا اور عذاب کو برداشت کرتے تھے۔ اُمیہ ان کی گردن میں رسی باندھ دیتا اور انہیں بچوں کے حوالے کر دیتا جوان سے کھیلتے اور مکہ کی گھاٹیوں میں انہیں لیے پھرتے اور وہ صرف یہی کہتے: "أحد أحد۔"

ایک دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے، اس لیے کہ وہ بنی جمح کے پڑوس میں ہی رہتے تھے، تو انہوں نے کہا: اے اُمیہ! کیا تم اس مسکین پر ظلم کرتے ہوئے اللہ سے نہیں ڈرتے ہو تم اسے کب تک عذاب دیتے رہو گے؟ اس نے کہا: تم ہی نے اسے خراب کیا ہے، تو اسے اس حال سے نجات کیوں نہیں دلا دیتے؟ ابوبکرؓ نے کہا: میں تیار ہوں، میرے پاس ایک کالا غلام ہے جو اس سے زیادہ طاقتور ہے اور جو تمہارے دین پر ہے، میں اس کے بدلے تمہیں اس کو دیتا ہوں۔ اُمیہ نے کہا: میں نے قبول کرلیا، ابوبکرؓ نے کہا: پھر وہ غلام تمہارا ہوگیا، چنانچہ ابوبکرؓ نے اسے اپنا وہ غلام دے دیا، اور بلالؓ کو لے کر آزاد کر دیا۔

انہی مظلوم و بے کس غلام مسلمانوں میں سے دیگر سات کو بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرتِ مدینہ سے پہلے آزاد کر دیا تھا، جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

عامر بن فهيرة التميمي: جو ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے، اور غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور بئر معونہ کے معرکہ میں شہید ہو گئے۔ یہ کمزور مسلمانوں میں سے تھے، اس لیے انہیں بہت ہی شدید عذاب دیا گیا، لیکن اپنے دین پر ثابت قدم رہے۔ یہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے، یہی بکریاں لے کر نبی کریم ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس شام کے وقت چھپ کر جاتے تھے جب کہ ہجرت کے وقت دونوں غارِ ثور میں چھپے ہوئے تھے۔

ابو فکیهه: ان کا نام افلح یا یسار تھا، اور یہ صفوان بن اُمیہ بن خلف جمحی کے غلام تھے، اور بلالؓ کے ساتھ اسلام لے آئے تھے، اُمیہ بن خلف نے انہیں پکڑ لیا اور ان کے دونوں پاؤں میں ایک رسی باندھ کر زمین پر گھسیٹتا رہا، پھر انہیں سخت گرم پتھر پر ڈال دیا۔ ایک بار ان کے پاس سے ایک کیڑا گزرا تو اُمیہ نے ان سے کہا: کیا یہ تمہارا رب نہیں ہے؟ تو انہوں نے کہا: اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب اور اس کیڑے کا رب۔ اس جواب پر اُمیہ پوری طاقت کے ساتھ ان کا گلا گھونٹنے لگا، اس وقت اس کے ساتھ اس کا بھائی اُبی بن خلف بھی تھا، جو کہتا تھا: اسے اور عذاب دو، تاکہ محمدؐ آکر اپنے جادو کے ذریعہ اسے نجات دلائے۔ وہ مشرکین انہیں اسی طرح عذاب دیتے رہے، یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گئے تو ان لوگوں نے سمجھا کہ یہ

❶ السيرة النبوية، ابن كثير: ١/ ٤٩٥.

مرگئے۔ پھر کچھ دیر کے بعد انہیں ہوش آ گیا، تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ ❶

ام عبیس: جو بنی زہرہ کی لونڈی تھیں، اور اسود بن عبد یغوث انہیں ان کے اسلام کے سبب سخت عذاب دیتا تھا۔

مؤملیہ: جن کا نام مؤرخ بلاذری نے لبیبہ بتایا ہے، اور جو بنو مؤمل کی لونڈی تھیں۔ اور ہندیہ اور ان کی بیٹی اور زنیرہ، ان سبھوں کو ان کے آقاؤں نے اسلام لانے کے سبب سخت عذاب دیا، لیکن یہ سب اپنے دینِ اسلام پر ثابت قدم رہیں۔

زنیرہ: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی لونڈی تھیں، جو ان سے پہلے اسلام لے آئیں، عمر انہیں مارتے تھے، اور اسی سبب سے ان کی بصارت چلی گئی، تو مشرکین کہا کرتے تھے ہمارے لات وعزیٰ معبودوں نے اسے اندھا کر دیا، انہوں نے کہا: ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! ایسی بات نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی۔ ❷

اللہ کی راہ میں سزائیں پانے والوں میں سے عمار بن یاسر، ان کے بھائی عبداللہ، ان کے والد یاسر اور ان کی ماں سمیہ تھیں (رضی اللہ عنہم)۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ عمار اور ان کے گھر والوں کے پاس سے گزرے، جب انہیں عذاب دیا جا رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے آلِ عمار، اور آلِ یاسر! تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ تمہارا ٹھکانا جنت ہے۔ ❸

عمار کے والدین عذاب کی تاب نہ لا کر فوت ہو گئے، اور ان کی ماں سمیہ تو اسلام کی پہلی شہیدہ عورت تھیں۔ ابوجہل ملعون نے ان کی شرمگاہ میں نیزہ مار دیا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی، اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے اور ان کے قاتل کو اپنی رحمت سے دور کر دے۔ اور عمار کو اتنا سخت عذاب دیا گیا کہ اپنی زبان سے کلمۂ کفر کہنے پر مجبور ہو گئے۔ ابوجہل سخت گرمی کے دن میں انہیں لوہے کی بہت ساری زرہیں پہنا دیتا تھا۔ مسلمانوں نے کہا: عمار کافر ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمار اپنے سر سے قدم تک ایمان سے بھرے ہوئے ہیں۔ انہی کی شان میں اللہ تعالیٰ نے مرتد کے حکم سے بطورِ استثنا نازل فرمایا:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ [النحل: ۱۰۶]

''جو شخص ایمان لانے کے بعد پھر اللہ کے ساتھ کفر کر بیٹھے گا، سوائے اس آدمی کے جسے مجبور کیا گیا ہو، درانحالیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، نہ کہ وہ شخص جس نے کفر کے لیے اپنا سینہ کھول دیا ہو، تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب نازل ہوگا، اور ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا۔'' ❹

اور اللہ کی راہ میں اُن عذاب پانے والوں میں سے خباب بن الارت رضی اللہ عنہ بھی تھے، یہ زمانۂ جاہلیت میں قیدی بنا لیے گئے، انہیں اُمِّ انمار نے خرید لیا تھا، یہ لوہار تھے، نبی کریم ﷺ کو (نبوت کے پہلے سے) ان سے یک گونہ اُنس تھا، یہ ابتدائی چھ مسلمانوں میں سے ایک تھے، ان کی مالکن انہیں آگ کا عذاب دیتی تھی۔ امام ابن سعد اور امام ابن ماجہ نے ابولیلیٰ کندی سے

---

❶ سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۳۱۸، ۳۱۹.

❷ دلائل البیہقی: ۲/ ۲۸۲، ۲۸۳.

❸ مستدرک حاکم: ۳/ ۳۸۸، ۳۸۹. امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے، دلائل البیہقی: ۲/ ۲۸۲، ۲۸۳.

❹ مجمع الزوائد: ۹/ ۲۹۳ میں ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے: اسے احمد نے روایت کیا ہے، اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

روایت کی ہے کہ سیدنا خباب رضی اللہ عنہ ایک بار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: میرے قریب بیٹھو، اللہ کی قسم! عمار رضی اللہ عنہ کے سوا تم سے زیادہ کوئی اس مجلس کا حقدار نہیں ہے۔ سیدنا خباب رضی اللہ عنہ انہیں پیٹھ کھول کر جلائے اور مارے جانے کے آثار دکھانے لگے۔ ❶

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں پیشہ کے اعتبار سے لوہار تھا، اور عاص بن وائل کے ذمہ میرا کچھ قرض تھا، میں نے اس سے اس کا مطالبہ کیا، تو کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں تمہارا قرض نہیں چکاؤں گا، یہاں تک کہ تم محمد (ﷺ) کا انکار کردو، میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں محمد کا انکار نہیں کروں گا، یہاں تک کہ تم مرجاؤ اور پھر دوبارہ اٹھائے جاؤ۔ اس نے کہا: اگر میں مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھایا گیا تو آنا، میرے پاس بہت سا مال اور اولاد ہوگی، میں تمہیں تمہارا قرض چکا دوں گا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرمائیں:

﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ﴿٧٧﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾﴾

[مریم: ٧٧-٨٠]

''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہا کہ یقیناً مجھے (آخرت میں بھی) مال اور اولاد ملے گی، کیا وہ غیب کی خبر رکھتا ہے، یا اُس نے رحمن سے کوئی عہد لے رکھا ہے، ہرگز نہیں (دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے) وہ جو کہہ رہا ہے ہم لکھ رہے ہیں، اور اس کے لیے ہم عذاب کو خوب بڑھا دیں گے، اور وہ جس مال واولاد کی بات کر رہا ہے، اُسے ہم واپس لے لیں گے، اور وہ تنہا ہمارے سامنے آئے گا۔'' ❷

امام بخاری رحمہ اللہ نے انہی ابو لیلیٰ کندی سے روایت کی ہے کہ میں ایک بار رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ کعبہ کے سائے میں اپنی چادر کو تکیہ بنائے لیٹے ہوئے تھے، ان دنوں ہم مشرکین کی طرف سے بہت سختی اور آزمائش میں پڑے ہوئے تھے۔ میں نے کہا: کیا آپ اللہ سے دعا نہیں کریں گے؟ تو آپ بیٹھ گئے، اُس وقت آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے کے لوگوں میں سے جو مسلمان ہوئے ان کے گوشت اور پٹھوں کو ان کی ہڈیوں سے الگ کر دیا جاتا تھا، لیکن وہ دین سے پھرتے نہیں تھے، اور ان کے سروں پر آری رکھ کر ان کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے تھے، لیکن وہ اپنے دین سے نہیں پھرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اس دین کو تمام وکمال تک پہنچائے گا، یہاں تک کہ مسافر صنعاء سے حضر موت جائے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا، لیکن تم لوگ جلدی کر رہے ہو۔ ❸

---

❶ طبقات ابن سعد: ۱٦٥/۳، ابن ماجہ: ص/ ۱٥۳، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

❷ مسند احمد: ۱۱۰/٥، ۱۱۱، صحیح البخاری: حدیث (۲۰۹۱، ۲۲۷٥، ۲٤۲٥، ۲۷۳۲ اور ٤۷۳٥)، صحیح مسلم: حدیث (۲۷۹٥)، سنن الترمذی: حدیث (٥۱۷۲)، ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

❸ صحیح البخاری: حدیث (۳٦۱۲، ۳۸٥۲ اور ٦٦٤۳) سنن ابی داؤد: حدیث (۲٦٤۹)، مسند احمد: ۱۰۹/٥ - ۱۱۱، اور ۳۹٥/٦، مستدرک حاکم: ۳۸۳/۳.

قارئین کرام آپ نے دیکھ لیا کہ مشرکین مکہ کی تمام کوششیں اور نبی کریم ﷺ کے خلاف ان کے ظلم وستم کی تمام شکلیں ناکام ہو گئیں، اور آپ ﷺ دعوت کی راہ پر ہر دم رواں دواں رہے۔ مشرکین قریش کو اس بات کا اچھی طرح یقین ہو گیا تھا کہ ان کی تمنا کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ان کا غیظ وغضب آسمان کو چھونے لگا، ہر روز وہ مومنین پر ظلم وستم کی کارروائیوں کو تیز کرتے گئے اور اس راہ کی کسی بھی ممکن کارروائی کو انہوں نے اٹھا نہیں رکھا۔

نبی کریم ﷺ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ڈھائے گئے ظلم وستم کو دیکھ اور سن کر غایت درجہ ملال ہوتا تھا، لیکن وہ ان آزمائشوں کو روک نہیں سکتے تھے، اسی لیے آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کرام کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی۔ یہ واقعہ سن پانچ بعثت نبوی، اور آپ ﷺ کے علانیہ دعوت الی اللہ کے دو سال بعد کا ہے۔

❀❀❀❀

ہجرتِ حبشہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرتِ حبشہ کی اجازت:

جب مشرکین کی مسلمانوں کو ایذاء رسانی اور ان کے ساتھ ان کا ظالمانہ سلوک، ان کی بُری طرح پٹائی کرنا، اور انہیں ذلیل ورسوا کرنا انتہاء کو پہنچ گیا، اور نبی کریم ﷺ ان کا دفاع کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، اور آپ کو علم تھا کہ حبشہ کا بادشاہ اصحمہ نجاشی ایک انصاف پرور بادشاہ ہے جس کے پاس کسی پر ظلم نہیں ہوتا، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو ہجرتِ حبشہ کی اجازت دے دی، اور ان سے کہا: وہاں چلے جاؤ، یہاں تک کہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ آسانی پیدا کردے۔

چنانچہ ماہِ رجب ۵ نبوی میں بارہ مرد اور چار عورتیں حبشہ چلے گئے، ان میں سے پہلے آدمی عثمان بن عفانؓ اور ان کی بیوی رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ تھیں۔ اللہ کے رسول نے ان مہاجرین سے سفر کے وقت کہا تھا: اللہ ان کا ساتھی ہو، بے شک لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کے ساتھ اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہے۔ اور عہدِ اسلام میں یہ پہلی ہجرت تھی، یہ لوگ مکہ سے رات کی تاریکی میں خفیہ طور پر نکلے تھے، تاکہ قریشیوں کو ان کے سفر کی اطلاع نہ ہو جائے۔ یہ لوگ شعیبہ کے بندرگاہ پر پہنچے، اور حبشہ جانے والی دو تجارتی کشتیوں پر سوار ہوگئے۔ کفارِ قریش کو ان کی اطلاع اس وقت ہوئی جب دونوں کشتیاں انہیں لے کر ساحلِ سمندر سے حبشہ کی طرف روانہ ہو چکی تھیں، یہ صحابہ کرامؓ وہاں پہنچ کر سکون واطمینان کے ساتھ اچھے پڑوس میں رہنے لگے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے امید ظاہر کی تھی۔ وہاں یہ لوگ اپنے دین اور اپنی جانوں کی طرف سے مامون ومحفوظ ہوگئے اور اللہ کی عبادت دل جمعی کے ساتھ کرنے لگے۔ وہاں نہ انہیں کوئی ایذاء پہنچاتا تھا اور نہ وہ اپنے بارے میں کوئی تکلیف دہ بات سنتے تھے۔ یہ لوگ وہاں شعبان اور رمضان دو ماہ رہائش پذیر رہے، اس درمیان مکہ سے ان کے پاس خبر آئی کہ مشرکین نے اسلام کے ساتھ مصالحت کرلی ہے، اور مسلمانوں کو مکہ میں آزاد زندگی گزارنے کی اجازت دے دی ہے۔ اب انہیں وہاں کوئی اذیت نہیں پہنچاتا ہے، یہ خبر ملتے ہی وہ لوگ اپنے شہر کو یاد کرنے لگے جسے انہوں نے بحالتِ مجبوری چھوڑا تھا۔ اور سب نے بالاتفاق مکہ لوٹ جانے کا فیصلہ کیا، اس لیے کہ ہجرت کا سبب ختم ہو چکا تھا اور اب غربت میں رہنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی تھی۔

چنانچہ یہ لوگ شوال میں مکہ کی طرف لوٹ گئے، لیکن جب اس کے قریب پہنچے تو انہیں یہ تکلیف دہ خبر ملی کہ وہاں مسلمانوں کے خلاف اب تک حسبِ سابق ظلم وبربریت کو روا رکھا جا رہا ہے، اور انہیں حبشہ میں غلط خبر ملی تھی۔ حقیقتِ حال معلوم ہونے کے بعد ان میں سے بعض وہاں کے بعض زعماء وسادات کے جوار میں مکہ چلے گئے، اور بعض خفیہ طور پر داخل ہوگئے، وہاں پہنچ کر انہیں یقین ہوگیا کہ مسلمانوں کے خلاف ظلم وبربریت کو ان کے سفرِ حبشہ سے پہلے سے بھی زیادہ روا رکھا جا رہا ہے، اور ابتلاء وآزمائش زیادہ شدید ہوگئی ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے انہیں دوبارہ ہجرتِ حبشہ کا مشورہ دیا۔

یہ دوسری ہجرت پہلی سے مشکل تر تھی، اس لیے کہ قریش چوکنا ہو گئے تھے اور مسلمانوں کے اس فیصلے کو ناکام بنانے کی ٹھان لی، لیکن مسلمان مشرکین اہلِ قریش کی سازش پر عمل درآمد ہونے سے پہلے ہی وہاں سے نکل گئے۔ اس بار مہاجرین کی تعداد بچوں کے علاوہ اسی (۸۰) سے کچھ اوپر تھی اور کہا جاتا ہے کہ ان میں عمار بن یاسرؓ بھی تھے، اس بارے میں راوی کو شک ہے، اور اٹھارہ عورتیں تھیں، یہ سب نجاشی کے پاس بہت ہی سکون واطمینان کے ساتھ رہنے لگے۔ ❶

بطلانِ قصۂ غرانیق:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دوسری بار ہجرتِ حبشہ سے متعلق مزید لکھنے سے پہلے اس جھوٹی خبر کے پھیلنے کے سبب کو جاننا چاہیے جو پہلی بار ان صحابہ کے مکہ لوٹنے کا داعیہ بنا۔ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسی سال ماہِ رمضان میں خانہ کعبہ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہاں بڑے بڑے زعمائے قریش اور کچھ مسلمان موجود ہیں۔ آپ ﷺ ان کے درمیان کھڑے ہو کر سورۃ النجم کی تلاوت کرنے لگے، اور بالخصوص اس سورہ کی آخری آیتیں جو دلوں کو دہلا دینے والی ہیں۔

نبی کریم ﷺ اپنے مخصوص اندازِ نبوی میں تلاوت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل کلام تک پہنچے:

﴿وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ ﴿٥٣﴾ فَغَشَّاهَا مَا غَشَّىٰ ﴿٥٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارَىٰ ﴿٥٥﴾ هَٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ ﴿٥٦﴾ أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ﴿٥٧﴾ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ﴿٥٨﴾ أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿٥٩﴾ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿٦٠﴾ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ﴿٦١﴾﴾ [النجم: ٥٣-٦١]

''اور اُس نے (قومِ لوط کی) الٹی ہوئی بستیوں کو زمین پر دے مارا، پھر اُن بستیوں کو اُس (پتھروں یا پانی) نے ڈھانک لیا جس نے انہیں ڈھانک لیا، پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں میں شک کرو گے، یہ (نبی یا قرآن) پہلے ڈرانے والے (انبیاء یا صحائف) کی طرح ایک ڈرانے والا ہے، آنے والی گھڑی (قیامت) قریب آچکی ہے، اُسے اللہ کے سوا کوئی ظاہر کرنے والا نہیں ہے، کیا تم لوگ اس قرآن کو سن کر تعجب کرتے ہو، اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو، اور غفلت میں مبتلا ہنس کھیل رہے ہو۔''

تو آپ ﷺ اور آپ کے ساتھ دیگر مسلمان سجدے میں چلے گئے اور اس آوازِ حق نے متکبرین اور مذاق اُڑانے والے مشرکینِ قریش کے دل کو اس طرح ہلا دیا کہ وہ بھی غیر شعوری طور پہ مسلمانوں کے ساتھ سجدے میں گر گئے۔

لیکن جب انہیں بعد میں احساس ہوا کہ ایمان باللہ کی عظمت وجلالت نے ان کی نکیل پکڑ کر ان کی گردن کو جھکا دیا ہے تو اپنے کیے پر اظہارِ ندامت کرنے لگے اور جھوٹی معذرت پیش کرنے لگے کہ انہوں نے محمدؐ کے ساتھ اس لیے سجدہ کیا ہے کہ اس نے دورانِ قراءت ان کے بتوں کا ذکر کیا اور کہا: ((تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلَى وَاَنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجَى .))

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے دلوں میں پائے جانے والے اس رعب ودہشت کی وجہ سے اللہ کے لیے سجدے میں گر گئے تھے، جو قرآن کریم کی عظمت وہیبت کی وجہ سے ان کے دلوں پر طاری ہو گئی تھی، لیکن بعد میں انہوں نے اپنی مذموم عادت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی طرف اس جھوٹ کو منسوب کر دیا۔

---

❶ سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۲۱-۳۳۲، عیون الأثر: ۱/۱۱۵-۱۱۸، سیرۃ ابن کثیر: ۲/۶-۹۔

اسلام کی طرف اپنی نسبت کرنے والے بعض مؤلفین کا یہ کہنا باطل محض ہے کہ نبی کریم ﷺ جب اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل قول تک پہنچے: ﴿اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰی ۝ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ۝﴾ [النجم: ۱۹-۲۰] ..... "اے اہل مکہ! کیا تم نے لات وعزیٰ کے بارے میں غور کیا ہے، اور منات پر غور کیا ہے جو ایک تیسرا بت ہے"..... تو شیطان نے اس وقت اپنی طرف سے مندرجہ ذیل کلمات کا اضافہ کر دیا جو آپ ﷺ کی قراءت میں شامل ہو گیا: ((وَاَنَّهُنَّ الغرانيق العُلى وانّ شفاعتهُنّ لترتجى)) اور یہ کلمات آپ ﷺ کی زبان پر جاری ہو گئے جو شیطان کی طرف سے آزمائش وفتنہ تھا۔ یہ دونوں کلمات مکہ کے ہر مشرک کے دل میں بیٹھ گئے اور کہنے لگے: محمد اپنے پہلے دین اور اپنی قوم کے دین کی طرف لوٹ گیا ہے۔ اور بر خود غلط مؤلفین کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا تو وہاں پر موجود ہر مسلم ومشرک نے سجدہ کیا۔ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے سجدہ کرنے کی وجہ سے سجدہ کیا، اور مشرکین نے ان کلمات کو سن کر سجدہ کیا جو شیطان کی طرف سے آپ ﷺ کی قراءت میں داخل کر دیا گیا تھا۔ مشرکین نے یہ سمجھا کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے معبودوں کی تعریف کی ہے، اور اپنے آباء واجداد کے دین کی طرف لوٹ گئے ہیں، اور یہ خبر جب حبشہ میں رہائش پذیر مسلمانوں کو ملی تو انہیں گمان ہوا کہ تمام اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ ان مؤلفین نے آخر میں لکھا ہے کہ شیطان نے آپ کی قراءت میں جو کچھ شامل کر دیا تھا، اللہ نے اسے منسوخ کر دیا اور اپنی آیتوں کو محکم بنا کر ہمیشہ کے لیے انہیں باطل سے محفوظ کر دیا۔

یہ مذکورہ بالا خبر بے بنیاد ہے، صحیح احادیث سے اس کی کوئی دلیل نہیں ملتی، جیسا کہ ہمارے شیخ علامہ البانیؒ نے لکھا ہے کہ "ایسی خبر کو قبول کرنے کے لیے صحیح نقلی دلیل کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور یہ کوئی بعید بات نہیں کہ یہ جھوٹی خبر بعد میں گھڑی گئی ہے، بلکہ یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ اس لیے کہ کسی بھی صحابی سے معتبر سند کے ذریعہ یہ جھوٹی خبر مروی نہیں ہے، بلکہ اس کی تمام سندیں مُرسل ہیں۔ یعنی سلسلۂ سند سے صحابی کا نام مفقود ہے، کسی کو معلوم نہیں کہ عہد نبوت ورسالت پانے والے کسی صحابی نے اسے بیان کیا ہے، اور میں نے اس قصے کے بطلان کو پوری تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "نصب المجانيق لنسف قصة الغرانيق" میں بیان کر دیا ہے۔" ❶

قریش کا نجاشی کو مہاجرین کے خلاف اُبھارنا:

مسلمانوں کے دوبارہ ہجرت حبشہ کی باقی ماندہ تفصیلات کی طرف عود کرتے ہوئے عرض ہے کہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا (جو اپنے سابق شوہر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ میں موجود تھیں) کہتی ہیں کہ جب قریشیوں نے حبشہ میں مسلمانوں کو آرام وسکون کے ساتھ رہتے دیکھا تو سازش کی کہ دو باہمت آدمیوں کا انتخاب کر کے نجاشی کے پاس بھیجیں، تاکہ اسے مسلمانوں کے خلاف ورغلا کر انہیں وہاں سے نکلوا دیں۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ نجاشی کے لیے مکہ سے کچھ بہت ہی عمدہ قسم کے تحفے بھی بھیج دیں، چنانچہ انہوں نے اس کے لیے چمڑے کے بنے ہوئے بہت سارے سامان اور ایک گھوڑا اور دیباج کا بنا ہوا ایک جبہ بھیجا، اور اس کے مقربین میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ ہدیہ تیار کیا، اور ان سب کے ساتھ عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہما کو اس کے پاس بھیجا، اور انہیں اچھی طرح سکھا دیا کہ دربار میں مسلمانوں کے خلاف کوئی بات کرنے سے

---

❶ دیکھئے: تعليق شيخ البانى على فقه السيرة، محمد غزالى: ص ١١٥-١١٨۔

پہلے بادشاہ کے ہر درباری کو اس کا ہدیہ دے دیں، پھر بادشاہ کو اس کے ہدایا پیش کریں، اور کوشش کریں کہ نجاشی مسلمانوں سے اس بارے میں کوئی پوچھ تاچھ کرنے سے پہلے ہی انہیں وہاں سے نکال بھگائے۔ وہ دونوں حبشہ پہنچے اور ایک ایک درباری سے مل کر اس کا ہدیہ اُسے پیش کیا، بات کی، اور کہا کہ ہم بادشاہ کے پاس اپنے ملک کے ان بے وقوفوں کے سلسلہ میں آئے ہیں جنہوں نے اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑ دیا ہے، اور آپ لوگوں کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں۔ ہمیں اُن کی قوم نے اس لیے بھیجا ہے کہ بادشاہ اُن سب کو یہاں سے نکال کر اُن کے ملک واپس کر دے۔ اس لیے جب ہم بادشاہ سے اس بارے میں بات کریں تو آپ لوگ انہیں ایسا کرنے کا مشورہ دیجیے۔ اُن سب نے کہا: ہم ایسا ہی کریں گے۔

پھر اُن دونوں قاصدوں نے نجاشی کو اُس کے تحفے پیش کیے، اور اُس سے کہا: بادشاہ سلامت! ہمارے کچھ نادان نوجوانوں نے اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑ دیا ہے، اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں، اور ایک نیا دین ایجاد کیا ہے، جسے ہم نہیں جانتے، اور آپ کے ملک میں انہوں نے پناہ لے لی ہے۔ اور ہم کو آپ کے پاس اُن کی قوم اور اُن کے باپ اور چچوں نے اور خاندان والوں نے بھیجا ہے، جو انہیں خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ لوگ آپ کے دین میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے، کہ اس امید پر آپ انہیں اپنے پاس رہنے دیں۔

یہ سن کر بادشاہ ناراض ہوگیا، اور کہا کہ اللہ کی قسم! میں انہیں واپس نہیں کرسکتا جب تک انہیں بلا کر اُن کی باتیں نہ سُن لوں اور دیکھوں کہ ماجرا کیا ہے۔ ان لوگوں نے میرے ملک میں پناہ لی ہے، اور میرے جوار کو دوسروں کے جوار پر ترجیح دی ہے۔ اگر یہ لوگ ویسے ہی نکلیں گے جیسا اُن کی قوم کہتی ہے تو میں انہیں واپس کر دوں گا، ورنہ میں بحفاظت یہاں رہنے دوں گا، اور اُن کے اور اُن کی قوم کے درمیان مداخلت نہیں کروں گا۔

جعفر رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی نجاشی کے دربار میں:

سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ اور اُن کے ساتھی جب نجاشی کے پاس لائے گئے، تو انہوں نے اسے سلام کیا، اور سجدہ نہیں کیا۔ نجاشی نے اُن سے پوچھا، کیا مجھے بتاؤ گے کہ تم لوگوں نے اپنی قوم کے دیگر افراد کی طرح مجھے تحیہ اور سلامی کیوں نہیں پیش کی؟ اور تم لوگوں کا عیسیٰ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟ کیا تم لوگ نصرانی ہو؟ صحابہ نے کہا: نہیں۔ تو نجاشی نے پوچھا: پھر کیا تم لوگ اپنی قوم کے دین پر ہو؟ تو انہوں نے کہا: نہیں۔ نجاشی نے پوچھا: پھر تمہارا دین کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اسلام۔ نجاشی نے پوچھا: اسلام کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: ہم اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بناتے۔ اس نے پوچھا: اسے کون تمہارے پاس لے کر آیا ہے؟ صحابہؓ نے کہا: ہماری قوم کا ہی ایک آدمی، جس کے اخلاق و کردار اور حسب و نسب سے ہم خوب واقف ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس نبی بنا کر بھیجا ہے، جیسا اُس ذاتِ پاک نے ہم سے پہلے کی قوموں کے پاس دیگر رسولوں کو بھیجا تھا۔ انہوں نے ہمیں بھلائی، صدقہ، وفاداری اور امانت کا حکم دیا ہے، اور بتوں کی پرستش سے ہمیں منع فرمایا ہے، اور انہوں نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم صرف ایک اللہ کی بندگی کریں۔ ہم نے اُن کی تصدیق کی، ہم نے اللہ کے کلام کو پہچانا، اور ہمیں یقین ہوا کہ وہ جو کلام لے کر آئے ہیں، وہ اللہ کا کلام ہے۔ جب ہم نے ایسا کیا تو ہماری قوم نے ہم سے دشمنی کی، نبی کریم ﷺ سے دشمنی کی، اُن کو جھٹلایا، اور انہیں قتل کرنا چاہا، اور ہم کو بُت پرستی

پر مجبور کرنا چاہا، تو ہم اپنے دین وایمان اور اپنی جان کی حفاظت کے لیے اپنی قوم کے پاس سے بھاگ کر یہاں آگئے ہیں۔

نجاشی نے کہا: اللہ کی قسم! یہ نور تو اسی چراغ سے نکلا ہے جس سے موسیٰ کا نور نکلا تھا، جعفرؓ نے تحیہ وسلام کے بارے میں کہا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ اہلِ جنت کا تحیہ سلام ہے، اور ہمیں اسی کا حکم دیا ہے۔ اس لیے ہم نے آپ کو وہی تحیہ پیش کیا ہے جو ہم لوگ ایک دوسرے کو پیش کرتے ہیں۔ اور عیسیٰ بن مریم، اللہ کے بندہ اور اس کے رسول تھے، اور اس کا کلمہ جسے اُس نے مریم کے اندر ڈال دیا تھا، اور اُس کی جانب سے ایک روح، اور عذراء بتول کے بیٹے تھے۔

یہ سن کر نجاشی نے ایک لکڑی اپنے ہاتھ میں لی اور کہا: اللہ کی قسم! ابن مریم اس لکڑی کے برابر بھی اس بات سے زیادہ نہیں تھے جو تم نے کہی ہے۔ عظمائے حبشہ کہنے لگے: بادشاہ سلامت! اگر حبشہ نے آپ کی یہ بات سُن لی تو وہ آپ کو بادشاہت سے الگ کر دیں گے۔ نجاشی نے کہا: اللہ کی قسم! میں عیسیٰ کے بارے میں اس کے سوا عقیدہ نہیں رکھتا، اور جب اللہ نے میری بادشاہت واپس کرائی تھی، اُس وقت اس باری تعالیٰ نے میرے سلسلہ میں لوگوں کی بات نہیں مانی تھی، تا کہ آج میں اُس کے دین کے بارے میں لوگوں کی بات مانوں۔

ابن اسحاق کی ایک روایت میں آیا ہے کہ جب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیتوں کی تلاوت کی، تو نجاشی رونے لگا، یہاں تک کہ اُس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی، اور اس کے پاس بیٹھے پادری بھی روتے رہے، یہاں تک کہ اُن کے سامنے رکھی کتب اناجیل ان کے آنسوؤں سے بھیگ گئیں، پھر نجاشی نے کہا: یہ روشنی تو اسی چراغ سے نکلی معلوم ہوتی ہے، جس سے وہ نور نکلا تھا جسے موسیٰ لے کر آئے تھے۔ تم لوگ یہاں سے شرافت کے ساتھ چلے جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں ان مسلمانوں کو تمہارے ساتھ واپس بھیج کر تمہیں خوش نہیں ہونے دوں گا۔

پھر مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا: تم لوگ سکون واطمینان کے ساتھ جہاں چاہو ہمارے ملک میں رہو۔ اور اپنے لوگوں سے کہا: ان کے تحفے واپس کر دو، مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ اور دونوں قاصدوں (عمرو بن العاص اور عبداللہ بن أبی ربیعہ) سے کہا: تم دونوں میرے ملک سے نکل جاؤ۔ چنانچہ وہ ذلیل وخوار ہو کر اپنے تحفے لیے وہاں سے واپس چلے گئے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اس کے بعد ہم سب ایک بہترین ملک میں بہترین پڑوسیوں کے ساتھ رہنے لگے۔ ❶

قریشِ مکہ کے نمائندوں کی ناکام واپسی:

اللہ تعالیٰ نے مشرکین قریش کی امیدوں پر پانی پھیر دیا، اور وہ ذلیل وخوار اور خائب وخاسر ہو کر بیٹھ گئے، اور واپس آنے کے بعد ذلت وخواری کے ساتھ اپنے گھر میں روپوش ہوگئے، اور اہلِ قریش سے ملاقات نہیں کی۔ اور جب اُن سے پوچھا گیا تو کہنے لگے کہ نجاشی کا خیال ہے کہ محمد نبی ہے، اور ہمارے جو لوگ دین سے برگشتہ ہو کر اُس کے پاس پناہ گزیں ہیں، وہ بہت ہی اچھی حالت میں اور سکون وراحت کے ساتھ ہیں۔

---

❶ علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ پورا واقعہ سیرۃ ابن ہشام میں بعض تقدیم وتاخیر اور بعض کمی کے ساتھ موجود ہے، اور اسے ابونعیم نے اپنے دلائل میں ابن اسحاق کی سند سے روایت کی ہے، اور اسے امام احمد رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے، اور اس کے رجال صحیحین کے رجال ہیں۔ (صحیح السیرۃ النبویۃ، البانی: ص/ ۱۸۰)۔

جب قریش کو یقین ہوگیا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف حسد وکینہ سے بھری اپنی ناپاک خواہشات کو مکہ کے باہر پوری نہیں کر سکتے، تو اُن کے بغض وعداوت کی آگ اور بھڑک اٹھی، اور طے کرلیا کہ مکہ میں موجود اُن کمزور مسلمانوں پر ظلم وستم کو تیز تر کردیں گے، اور دعوتِ اسلامیہ کے شجر مبارک کو ہی مکہ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔ اور گزشتہ صفحات میں نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کی اُن کی مسلسل سازشوں کے بارے میں لکھ چکا ہوں، اور یہ کہ اللہ عزوجل نے آپ کی حفاظت فرمائی اور ان کی تمام سازشوں کو ناکام بنادیا۔ اور جب انہوں نے دیکھ لیا کہ دعوتِ اسلامیہ کے گرد گھیرا ڈالنے اور نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کی اُن کی ہر سازش اللہ کی طرف سے ناکام بنائی جارہی ہے، بلکہ ہر نئے دن کا آفتاب دعوتِ اسلامیہ کو تیزی کے ساتھ پھیلتے دیکھ رہا ہے، تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ سب مل کر نبی کریم ﷺ، آپؐ کے چچا ابوطالب، آپ کی بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا، دیگر اہلِ اسلام اور بنی ہاشم وبنی مطلب سے سماجی بائیکاٹ کریں گے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرتِ حبشہ کا ارادہ کیا:

اُن شدید ایام میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اہلِ مکہ جس استہزاء، ایذاء رسانی اور تذلیل واہانت کا معاملہ کررہے تھے، اس سے نہایت درجہ تنگ اور دل برداشتہ ہوکر، انہوں نے سابق مہاجرینِ حبشہ کی طرح ہجرت کرکے حبشہ جانے کا فیصلہ کرلیا، تاکہ انہیں کچھ سکون میسر آسکے، اور آزادی کے ساتھ وہاں اپنے رب کی عبادت کرسکیں، یہ بات سن ۶ نبوی یا اس کے بعد والے سال کے ابتدائی دنوں کی ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر مکہ کی زمین تنگ ہوگئی، اہلِ قریش کی ایذاء رسانیاں بڑھتی گئیں، اور دیکھا کہ دن بدن رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب کے خلاف قریشیوں کی عداوت تیز تر ہوتی جارہی ہے، تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ہجرتِ حبشہ کی اجازت لی، اور نکل پڑے۔ جب مکہ سے ایک یا دو دن کا راستہ طے کرلیا، تو اچانک اُن کی ملاقات ابن الدغنہ سے ہوئی، جس نے اُن سے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، مجھے اذیت پہنچائی ہے، اور عرصۂ حیات تنگ کردیا ہے۔ ابن الدغنہ نے کہا: لوٹ چلیے، آپ میری پناہ میں آگئے۔ ابوبکرؓ اس کے ساتھ مکہ واپس آگئے۔ وہاں پہنچنے کے بعد ابن الدغنہ نے قریشیوں سے کہا: میں نے ابن ابی قحافہ کو پناہ دے دی ہے۔

اس کے بعد کفارِ قریش نے انہیں تکلیف پہنچانا بند کردیا، اور وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرنے لگے، پھر ابوبکرؓ کو ایک بات سمجھ میں آئی اور انہوں نے اپنے گھر کے خارجی صحن میں ایک مسجد بنائی اور اس میں نماز اور قرآن پڑھنے لگے۔ پھر ایسا ہوا کہ مشرکین کی عورتیں اور ان کے لڑکے انہیں دیکھ دیکھ کر تعجب کرتے تھے اور ان سے متأثر ہونے لگے، اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رقیق القلب آدمی تھے۔ جب وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے تو انہیں اپنی آنکھوں پر قابو نہیں رہتا تھا۔ ان مناظر نے زعمائے قریش کو ڈرادیا، اور ابن الدغنہ سے کہا: ہمیں ڈر ہوگیا ہے کہ کہیں ہماری عورتیں اور ہمارے لڑکے فتنہ میں نہ پڑ جائیں، اس لیے تم ابوبکر کو ایسا کرنے سے روکو۔ اور اگر وہ نہ رُکے تو ان سے کہو کہ وہ تمہارا عہد ذمہ داری تمہیں واپس کردے۔ ابوبکرؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اس کا عہدِ ذمہ داری واپس کردیا، اور اللہ کے جوار میں رہنے پر راضی ہوگئے۔ اور اس طرح مکہ میں رہ کر ہر قسم کی اذیتوں اور آزمائشوں کو جھیلتے رہے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کرکے

مدینہ چلے گئے۔ ❶

نجاشی کا نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا اور حالت اسلام میں وفات پانا:

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند کلمات اس کریم النفس مسلمان، انصاف پسند اور عالم دین بادشاہ نجاشی کے بارے میں لکھتا چلوں، جس نے مسلمان مہاجرین کو اپنے ملک میں پناہ دی، ان کو عزت بخشی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام کی نعمت سے نوازا، اور اسی پر اس کی وفات ہوئی۔

امام احمدؒ مسلمانوں کے ہجرت حبشہ سے متعلق قوی سند سے روایت کرتے ہیں کہ نجاشی نے جب مسلمانوں کی بات سنی تو فوراً کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور ہم ان کا ذکر جمیل انجیل میں پاتے ہیں، اور یہی وہ رسول ہیں جن کی بشارت عیسیٰ بن مریم نے دی تھی، مسلمانو! تم جہاں چاہو اس ملک میں رہو، اللہ کی قسم! اگر مجھ پر بادشاہی کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں ان کے پاس آ کر ان کی جوتیاں دھوتا۔ ❷

ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں روایت کی ہے کہ نجاشی نے مسلمانوں کی بات سننے کے بعد کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور عیسیٰ نے انہی کی بشارت دی ہے، اور اگر میرے اوپر بادشاہی کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں ان کے پاس جاتا اور ان کی جوتیوں کو چومتا۔ ❸

اور امام بخاریؒ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب نجاشی کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آج ایک مرد صالح کا انتقال ہوگیا ہے، تم لوگ اٹھو! اور اپنے بھائی اصحمہ پر نماز جنازہ پڑھو۔'' ❹

صحیحین میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی وفات کی خبر اسی دن دی، جس دن ان کا انتقال ہوا، اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ نکل کر نماز پڑھنے کی جگہ گئے اور صف بنا کر چار تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی۔ ❺

ابن اسحاق نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب نجاشی نے وفات پائی تو لوگوں کے درمیان یہ بات ہوتی تھی کہ ان کی قبر پر ہمیشہ روشنی دیکھی جاتی ہے۔ ❻

❀❀❀❀

---

❶ سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۳۷۲-۳۷٤، اور اس کی سند جید ہے، اور اسے بخاری کی مندرجہ ذیل روایات تقویت پہنچاتی ہیں۔ (٤٧٦، ۲۱۳۸، ۲۲٦۳، ۲۲٦٤، ۲۲۹۷، ۳۹۰۵، ٤۰۹۳، ٤۷۰٦، ٥۸۰۷ اور ٦۰۷۹).

❷ صحیح السیرۃ النبویۃ، البانی: ص/ ۱٦٦.

❸ صحیح السیرۃ النبویۃ، البانی: ص/ ۱٦۸.

❹ صحیح البخاری: حدیث (۳۸۷۷)، صحیح مسلم: حدیث (۹٥۲)

❺ دیکھئے: احکام الجنائز، البانی: ص/ ۸۹، ۹۰.

❻ سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۳٤۰، ابو داؤد، کتاب الجھاد.

سیّدنا حمزہ اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہما کا قبولِ اسلام

انہی مشکل ایام میں جب مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے، زعمائے قریش میں سے دو بڑے زعماء نے اسلام قبول کر لیا دعوتِ اسلامیہ اور مسلمانوں کی نفسیات پر اس کا بڑا ہی مثبت اثر پڑا، وہ دونوں حمزہ بن عبدالمطلب اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما تھے۔ آیئے ہم ان دونوں کے قبولِ اسلام کا قصہ سنیں:

حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام:

۵ نبوی کے اختتام پر اور ۶ کی ابتدا میں نبی کریم ﷺ کے چچا اور آپ ﷺ کے رضاعی بھائی حمزہ بن عبدالمطلب نے اسلام قبول کر لیا، جو قریش کے ایک معزز ترین اور بااثر جوان تھے۔ ان کے قبولِ اسلام سے رسول اللہ ﷺ کو بہت ہی تقویت ملی اور قریشیوں کی ایذاء رسانی میں کچھ کمی آ گئی۔

ان کے اسلام لانے کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن ابوجہل رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا جب آپ ﷺ صفا پہاڑی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ابوجہل سامنے آ کر آپ ﷺ کو گالی دینے لگا اور آپ کے خلاف تکلیف دہ باتیں کرنے لگا، اور دینِ اسلام کے بارے میں ناپسندیدہ باتیں کرنے لگا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے صبر وتحمل سے کام لیتے ہوئے اس کا جواب نہ دیا۔ اس وقت عبداللہ بن جدعان کی ایک آزاد کردہ لونڈی ان باتوں کو سن رہی تھی، جو صفا پہاڑی کے اوپر اپنے ایک گھر میں رہتی تھی۔ ابوجہل وہاں سے چل کر کعبہ کے پاس اہلِ قریش کی مجلس میں آ کر بیٹھ گیا، کچھ ہی دیر کے بعد حمزہ بن عبدالمطلبؓ اپنا تیر وکمان اپنی گردن میں لٹکائے شکار سے لوٹے، ان کا گزر اس لونڈی کے پاس سے ہوا، تو اس نے کہا: اے ابوعمارہ! کاش آپ نے اپنے بھتیجے کے ساتھ ابوالحکم بن ہشام کی بدسلوکی ابھی کچھ دیر پہلے دیکھی ہوتی! ابوجہل نے انہیں یہاں بیٹھا ہوا پایا تو ان کو گالی دی، اور بہت اذیت پہنچائی، لیکن محمدؐ نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ یہ سن کر حمزہؓ غضبناک ہوگئے اور تیزی کے ساتھ چل کر مسجدِ حرام میں داخل ہوئے، جہاں انہوں نے ابوجہل کو قریشیوں کے درمیان بیٹھا ہوا دیکھا، اس کی طرف بڑھے اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر کمان سے اس کے سر پر ایک شدید ضرب لگائی جس سے اس کا سر بری طرح زخمی ہوگیا اور کہا: کیا تم میرے بھتیجے محمد کو گالی دیتے ہو، حالانکہ میں نے اس کے دین کو قبول کر لیا ہے، میں وہی کہتا ہوں جو وہ کہتا ہے، اگر تمہارے اندر طاقت ہے تو میری طرف ہاتھ بڑھا کر دیکھو۔

بنومخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی مدد کے لیے کھڑے ہوئے اور کہا: اے حمزہ! ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم بے دین ہو گئے ہو، تو حمزہؓ نے کہا: اور مجھے حق ظاہر ہونے کے بعد کون سی چیز قبولِ اسلام سے روک سکتی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اور ان کا قول برحق ہے۔ اللہ کی قسم! میں اس دین کو کبھی نہیں چھوڑوں گا، اگر تم لوگ سچے ہو تو مجھے روک دو۔ ابوجہل نے کہا: لوگو! تم ابوعمارہ سے درگزر کرو، اس لیے کہ میں نے اللہ کی قسم! اس کے بھتیجے کو بہت بُری گالیاں دی ہیں۔

حمزہ رضی اللہ عنہ کا یہ موقف ابتدا میں خاندانی حمیت کے سبب تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے وعظ وتذکیر اور ان کی تخویف وتبشیر کی برکت سے ان کے دل میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کو داخل کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا: میں اپنے دل کی گہرائیوں سے گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً سچے ہیں، اس لیے اے میرے بھتیجے! آپ اپنے دین کو کھل کر بیان کیجیے، اللہ کی قسم! اس کے بعد اگر میرے قدموں میں دنیا کی ساری چیزیں ڈال دی جائیں تب بھی میں اپنے پہلے دین کی طرف نہیں لوٹ سکتا۔ ❶

سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام:

سیّدنا حمزہ بن عبدالمطلبؓ کے اسلام لانے کے تین دن بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ یہ ایک نہایت ہی جواں مرد انسان تھے، اور نبی کریم ﷺ نے اسی رات جس کی صبح کو عمرؓ نے اسلام قبول کیا، دعا کی تھی کہ اے اللہ! ابوجہل یا عمر بن خطاب دونوں میں سے اپنے نزدیک محبوب تر بندہ کے ذریعہ اسلام کو قوت پہنچا۔ ❷

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا کو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں قبول کر لیا، چنانچہ جب صبح ہوئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ کر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا، اور علی الاعلان نماز پڑھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ مسلمانوں کو قوت وعزت دی، جیسا کہ صحیح البخاری میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ عمر بن خطابؓ کے اسلام لانے کے بعد ہم لوگ مکہ میں عزت کے ساتھ رہنے لگے۔ ❸

مستدرک حاکم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول یوں مروی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام فتح تھا، اور ان کی ہجرت نصرت تھی، اور ان کی امارت رحمت تھی۔ عمر کے اسلام لانے سے پہلے کعبہ کے پاس ہم نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، جب یہ اسلام لے آئے، تو انہوں نے قریشیوں سے قتال کیا، اور کعبہ کے پاس نماز پڑھی تو ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ ❹

امام طبرانی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کی ہے کہ سب سے پہلے عمر بن خطابؓ نے اسلام کا اعلان کیا۔ ❺

امام طبرانی نے المعجم الأوسط میں عمرؓ سے روایت کی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں کافروں کی ہر مجلس میں اپنے اسلام کا اعلان کرتا ہوں، ایک بار وہ مسجد حرام میں آئے، وہاں قریش کے لوگ

---

❶ سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۲۹۱، ۲۹۲، إتحاف الوری: ۱/ ۲۶۹، ۲۷۰.

❷ سنن الترمذی: حدیث (۳۶۸٤) ترمذی کے نزدیک یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۳۷، مسند احمد: ۲/ ۹۵، مستدرك حاکم: ۳/ ۸۳، امام حاکم کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے، اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے۔ دیکھئے صحیح السیرۃ النبویۃ، العلی: ص/ ۱۹۳

❸ صحیح البخاری، مناقب الأنصار: حدیث (۳۸٦۳).

❹ مستدرك حاکم: ۳/ ۸۳، حاکم کہتے ہیں: اس حدیث کی سند صحیح ہیں، اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے۔ سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۳٤۲، اور اس کی سند حسن ہے۔

❺ مجمع الزوائد: ۹/ ٦۳.

حلقہ بنائے بیٹھے تھے، ان کے سامنے اسلام کا اعلان کرنے لگے اور گواہی دینے لگے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں تو مشرکین بپھر گئے اور انہیں مارنے لگے اور وہ بھی ان لوگوں کو مارنے لگے، جب لوگوں نے ان کی بہت زیادہ پٹائی کردی تو ایک آدمی (یعنی عاص بن وائل سہمی) نے انہیں ان سے نجات دلائی۔ ❶

سیرت نبوی کے کبار مؤلفین (محمد بن اسحاق، بیہقی، ابن سید الناس اور ابن کثیر) نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے سبب سے متعلق چار اقوال نقل کیے ہیں جو اگرچہ بعض تفصیلات میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن اُن تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ جس چیز نے عمر رضی اللہ عنہ کو قبولِ اسلام کی طرف مائل کیا وہ اُن کا قرآن کریم سننا تھا جس نے اُن کے وجود کو ہلا دیا، اور ان کے دل میں انقلاب پیدا کر دیا۔

قولِ اوّل کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوجہل نے کہا: جو محمد (ﷺ) کو قتل کرے گا اسے میں سو (۱۰۰) سُرخ اور سیاہ اونٹ اور ایک ہزار اُوقیہ چاندی فوراً دوں گا۔ اس کے لیے عمرؓ تیار ہوئے اور ابوجہل کے اس وعدے پر ہُبل بُت کو گواہ بنایا اور تلوار لے کر نبی کریم ﷺ کی طرف چل پڑے، راستے میں انہوں نے ایک غیبی آواز سُنی کہ ایک فصیح آدمی لا اِلٰہ اِلا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت کی دعوت دے رہا ہے، عمرؓ نے اپنے دل میں سوچا کہ اس آواز سے مقصود میں ہوں، پھر وہ ایک بُت کے پاس سے گزرے تو وہاں ایک غیبی آواز کے ذریعہ ایک شعر سُنا جس کے معنی یہ تھے کہ رحمن نے ایک امام کو بھیجا ہے جو کفر کے بعد اسلام، نماز، زکاۃ، روزہ، بھلائی اور صلہ رحمی جیسی اچھی باتیں لے کر آیا ہے۔ عمرؓ نے اپنے دل میں کہا: اللہ کی قسم! اس سے بھی مقصود میں ہی ہوں۔ پھر وہ آگے بڑھے تو ایک دوسرا شعر سُنا، جس میں عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا تھا: تم اس دینِ اسلام کے ناصر ہو، جسے ابن مریم کے بعد محمدؐ لے کر آئے ہیں، یہ سن کر بھی عمرؓ نے اپنے دل میں کہا: اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ میں ہی مقصود ہوں، اس کے بعد وہ اپنی بہن کے گھر میں داخل ہوئے، وہاں انہوں نے خباب ابن الارت اور اپنے بہنوئی سعید بن زید کو پایا، پھر وہاں سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس دارِ ارقم میں پہنچے اور اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔

دوسرے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ عمرؓ نے اپنی بہن اور اپنے بہنوئی سعید بن زیدؓ کے قبولِ اسلام کی بات سُنی تو ان کے پاس پہنچ گئے اور سعیدؓ کے سر کو زخمی کر دیا، پھر بہتا خون دیکھ کر متاثر ہوئے اور اپنی بہن سے قرآن دکھلانے کو کہا۔ انہوں نے کہا: اس کتاب کو صرف پاکیزہ لوگ چھوتے ہیں، عمرؓ نے غسل کیا اور اس مصحف کو لے کر پڑھنے لگے جو ان دونوں کے پاس تھا، اللہ نے ان کے اسلام کے لیے ان کا شرح صدر کر دیا، پھر وہاں سے چل کر دارِ ارقم میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور آپ کے سامنے کلمۂ شہادت پڑھ لیا، دارِ ارقم میں موجود تمام مسلمانوں نے یکبارگی اتنی بلند آواز سے تکبیر کہی کہ مسجد حرام میں موجود تمام لوگوں نے اُسے سُنا، پھر مسلمان اپنی دو ٹکڑیاں بنا کر چلتے ہوئے مسجد حرام تک پہنچے، ایک صف کے آگے حمزہ رضی اللہ عنہ اور دوسری کے آگے عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ جب یہ لوگ مسجد میں داخل ہوئے اور قریشیوں نے عمر اور حمزہ رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو انہیں ایسی تکلیف پہنچی جیسی کبھی نہیں پہنچی تھی۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس دن سے ان کا نام فاروق رکھ دیا، اس لیے کہ انہوں نے حق و باطل کے درمیان تفریق کر دی تھی، اور اس کا برملا اعلان کر دیا تھا۔

---

❶ ہیثمی کہتے ہیں کہ اس کے رجال ثقات ہیں۔

تیسرے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ عمرؓ عہد جاہلیت میں شراب کو پسند کرتے تھے اور اسے پیتے تھے، ایک رات وہ حزورہ کے بازار میں اپنے ہم پیالہ دوستوں سے ملنے گئے تو وہاں انہیں کوئی نہ ملا، وہاں سے پھر ایک شراب بیچنے والے کی تلاش میں گئے تو وہ بھی نہ ملا، وہاں سے چل کر طواف کرنے کے لیے کعبہ پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کھڑے اپنی عادت کے مطابق نماز پڑھ رہے ہیں۔ وہ حجر کی طرف سے کعبہ کے پردہ کے اندر داخل ہو کر آہستہ آہستہ چلتے چلتے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے، اور نبی کریم ﷺ کی زبانی قرآن کریم سننے لگے، جس کا ان کے دل پر بڑا گہرا اثر پڑا، پھر وہ رونے لگے اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ لوٹے تو عمرؓ ان کے پیچھے ہو لیے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کو دار عباس اور دار ابن ازہر کے درمیان جا پایا، جب آپ ﷺ کو ان کی آمد کا احساس ہوا اور انہیں پہچان لیا، تو پوچھا: اے ابن الخطاب! اس وقت تم میرے پاس کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: میں اللہ اور اس کے رسول پر اور دین اسلام پر ایمان لے آیا ہوں، تو آپ ﷺ نے اللہ کی تعریف بیان کی اور اس کا شکر ادا کیا، پھر آپ نے عمرؓ کے سینے پر ہاتھ پھیر کر ان کے لیے اسلام پر ثابت قدمی کی دعا کی۔

چوتھے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ ایک رات اپنے بعض گھریلو حالات کے سبب گھر سے نکل کر مسجد حرام میں رات گزارنے کے لیے گئے، چونکہ سردی زیادہ تھی، اس لیے کعبہ کے پردے کے اندر داخل ہو گئے، اسی وقت نبی کریم ﷺ آئے اور حجر میں نماز پڑھنے لگے۔ پھر واپس لوٹنے لگے۔ عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی کوئی ایسی چیز سنی جسے انہوں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے لگ گئے۔ آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: عمر۔ آپ ﷺ نے کہا: اے عمر! تم مجھے رات اور دن میں کسی وقت نہیں چھوڑو گے۔ عمرؓ کو ڈر ہوا کہ کہیں آپ ﷺ ان پر بددعا نہ کر دیں۔ اس لیے فوراً کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ ﷺ نے کہا: اے عمر! ابھی اس بات کو تم چھپاؤ۔ انہوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں اس کا اسی طرح اعلان کروں گا جس طرح شرک کا اعلان کرتا تھا۔

مندرجہ بالا چاروں اقوال میں قابلِ ملاحظہ بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کے لیے خیر چاہی تو انہیں قرآن کریم سننے کا موقع فراہم کیا، جس سے وہ متاثر ہوئے، اور ان کے دل میں اسلام داخل ہو گیا، پھر اس کا سب کے سامنے اعلان کر دیا، جس سے سارے لوگ ان کے خلاف برانگیختہ ہو گئے اور وہ صبح تک ان لوگوں کے ساتھ جدال وقتال کرتے رہے، پھر مسلمانوں کے ساتھ مل کر دو صفوں میں مسجد حرام پہنچے، ایک صف کے آگے حمزہؓ اور دوسری کے آگے وہ خود۔ اور وہاں سب نے نماز پڑھی، اسی دن نبی کریم ﷺ نے آپ کا نام فاروق رکھ دیا۔ ❶

دوسری قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے اندرون میں بہت پہلے سے اپنے آباء واجداد کے دین اور اس دین کے درمیان سخت مزاحمت شروع ہو گئی تھی، جس کی طرف نبی کریم ﷺ لوگوں کو بلا رہے تھے، یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت اور

❶ دیکھئے: مسند احمد: (۱/ ۱۷، ۱۸) میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی شریح بن عبید کی حدیث اور طبرانی کی معجم اوسط، اس کے رجال ثقات ہیں، لیکن شریح نے عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا تھا، اگرچہ وہ ثقہ ہیں، جیسا کہ تقریب التہذیب اور تہذیب التہذیب میں ہے۔

وہ خصائلِ حمیدہ، مکارمِ اخلاق جن کے آثار آپ ﷺ اور آپ کے ان اصحاب پر ظاہر و عیاں تھے جو اب تک اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ اور ایسا لگتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں مسلمانوں کے لیے نرمی اور رحمت و شفقت کا جذبہ پیدا ہو چکا تھا، اور غیر شعوری طور پر وہ اسلام سے قریب ہوتے جا رہے تھے، اور اس کی دلیل امّ عبداللہ بنت ابوحثمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ابن اسحاق کی روایت ہے، جس میں وہ کہتی ہیں کہ اللہ کی قسم! ہم حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کے لیے جب بالکل تیار ہو گئے تو عامر کسی ضرورت کے لیے گھر سے باہر نکلے، اُسی وقت عمرؓ آئے اور کہنے لگے، اے امّ عبداللہ! کیا آپ لوگ یہاں سے جا رہے ہیں، میں نے کہا: ہاں اللہ کی قسم! ہم اللہ کی کسی دوسری زمین میں چلے جائیں گے، تم لوگوں نے ہمیں بہت اذیت پہنچائی ہے اور ہم پر ظلم کی انتہا کر دی ہے، عمرؓ نے کہا: اللہ تمہارے ساتھ ہو۔ پھر وہ لوٹ گئے۔ امّ عبداللہ کہتی ہیں کہ میں نے ان پر ایسی رقت طاری دیکھی جو پہلے نہیں دیکھی تھی، اور ہمارے ہجرتِ حبشہ کے ارادے نے انہیں غمگین بنا دیا تھا، پھر عامر ضرورت پوری کر کے جب واپس آئے تو میں نے ان سے کہا: اے ابوعبداللہ! کاش آپ نے ابھی تھوڑی دیر پہلے عمر کی رقتِ قلب اور ہمارے جانے پر ان کی غمگینی کو دیکھا ہوتا، انہوں نے کہا: کیا تمہیں اس کے اسلام لانے کی امید ہو گئی ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: جسے تم نے دیکھا ہے، وہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے گا جب تک خطاب کا گدھا نہ اسلام لے آئے۔ امّ عبداللہ کہتی ہیں: انہوں نے یہ بات مسلمانوں پر ان کے ظلم و ستم کو دیکھتے ہوئے ان کے اسلام سے ناامید ہو کر کہی تھی۔ ❶

اللہ کی ذاتِ پاک ہر چیز پر قادرِ مطلق ہے، وہی جسے چاہتا ہے کفر و شرک سے نکال کر ایمان و اسلام کے دائرہ میں داخل کر دیتا ہے، اسی نے عمر رضی اللہ عنہ جیسے اسلام کے سخت ترین دشمن کو حق و باطل کے درمیان تفریق پیدا کرنے والا بنا دیا، اور ان کے دل سے مسلمانوں کے خلاف ظلم اور سختی کو نکال کر رحمت و ہمدردی ڈال دی، اور انہیں اپنے رب کے سامنے خشوع و خضوع اختیار کرنے والا بنا دیا۔

❀❀❀❀

❶ [illegible]: ۱/ ۳۴۲-۳۴۳.

رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی اعلانیہ سازش

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جب حبشہ سے ناکامیاب لوٹے، اور مشرکین قریش کو بتایا کہ مسلمان مہاجرین وہاں بہت ہی سکون واطمینان اور پوری آزادی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، اور اس ملک میں جہاں چاہتے ہیں چلتے پھرتے ہیں تو یہ خبر کفارِ قریش پر بڑی گراں گزری، جیسا کہ ان پر یہ بات بھی بہت ہی گراں تھی کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام پوری تندہی اور جانفشانی کے ساتھ قبائل عرب میں دعوتِ اسلامیہ کا کام کررہے ہیں، اور کافروں کی ہزار کوشش کے باوجود اسلام کی روشنی پھیلتی ہی جارہی ہے۔ ان باتوں کے سبب مشرکین قریش کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا تھا، اس لیے اب انہوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کرلیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اعلانیہ قتل کردیں گے، ابوطالب نے جب یہ بات سُنی تو بنوعبدالمطلب کو جمع کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی گھاٹی میں داخل کردیں، اور ان کی حفاظت کریں، تاکہ مشرکین قریش انہیں قتل نہ کرسکیں۔ ابوطالب کی اس رائے پر بنوعبدالمطلب کے تمام مسلمان اور کافر متفق ہوگئے، مشرکوں نے خاندانی حمیت کے سبب اور مسلمانوں نے ایمان واسلام کے سبب اتفاق کرلیا۔

مکمل سماجی بائیکاٹ:

مشرکین قریش نے جب دیکھا کہ بنوعبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کی حفاظت اور ان کا دفاع کرنے کے لیے متفق ہوگئے ہیں تو ان سب نے بنو ہاشم اور بنوعبدالمطلب کے خلاف اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ ان کے ساتھ نہ بیٹھیں گے، نہ شادی بیاہ کریں گے، نہ خرید وفروخت کریں گے، اور نہ ان کے گھروں میں داخل ہوں گے، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ (ﷺ) کو قتل کرنے کے لیے ان کے حوالے کردیں۔ اور انہوں نے اس بارے میں ایک عہد نامہ یہ لکھا کہ وہ بنو ہاشم سے کبھی بھی مصالحت نہیں کریں گے اور نہ ان کے لیے کوئی نرم رویہ اختیار کریں گے، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے ان کے حوالے کردیں۔

جس نے یہ عہد نامہ لکھا تھا وہ منصور بن عکرمہ بن ہشام تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ وہ نضر بن حارث تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بغیض بن عامر بن ہشام بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی تھا، اور اس عہد نامے میں مزید پختگی کے لیے اسے ماہِ محرم ۷ نبوی میں کعبہ کے اندر لٹکا دیا، اور کہا جاتا ہے کہ کاتب صحیفہ پر رسول اللہ ﷺ نے بددعا کی، جس کے سبب اس کا ہاتھ شل ہوگیا۔

بنو ہاشم اور بنوالمطلب اپنی گھاٹی میں تین سال تک رہے، اور ہر طرح کی تنگی وپریشانی برداشت کرتے رہے، مشرکین نے ان پر تمام بازاروں کے راستے بند کردیے تھے، کھانے کی کوئی چیز ان تک نہیں پہنچنے دیتے تھے، تاکہ بھوک اور پیاس سے وہ ہلاک ہوجائیں، اور ان تمام کارروائیوں کا مقصد رسول اللہ ﷺ کو ان کے حوالے کرنے پر انہیں مجبور بنادینا تھا۔

وہ لوگ جب سونے کے لیے اپنے بستروں پر پہنچ جاتے تو ابوطالب رسول اللہ ﷺ کو اپنے بستر پر سو جانے کا حکم دیتے، تاکہ لوگ آپ ﷺ کو اپنے بستر پر دیکھ لیں، پھر جب لوگ سو جاتے تو ابوطالب اپنے کسی بیٹے یا بھائی یا چچا زاد کو رسول اللہ ﷺ کے بستر پر سلا دیتے، اور آپ ﷺ کو کسی اور بستر پر سونے کا حکم دیتے۔

گھاٹی کے پیچھے سے بھوکے بچوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں، جس سے بعض قریش خوش ہوتے تھے اور بعض کو تکلیف ہوتی تھی، کوئی بھی چیز ان تک خفیہ ہی پہنچتی تھی۔ مطعم بن عدی کسی کسی دن ان کے لیے کھانے کی بہت سی چیزیں خفیہ طور پر پہنچاتے تھے جس کے لیے نبی کریم ﷺ اس کے شکرگزار تھے۔ شام سے تجارتی قافلہ آتا جس میں حکیم بن حزام بن خویلد کے گیہوں سے لدے بہت سے اونٹ ہوتے، جنہیں وہ گھاٹی کی طرف ہانک دیتے، پھر انہیں چابک سے مارتے تاکہ وہ گھاٹی میں داخل ہو جائیں، پھر گھاٹی والے وہ گیہوں لے لیتے۔ اور ہشام بن عمرو بن ربیعہ قریشیوں میں سب سے زیادہ بنوہاشم سے صلہ رحمی کرنے والا تھا، چنانچہ جب یہ لوگ گھاٹی میں گھیر دیے گئے تو اس نے ایک رات میں کھانے کی تین بڑی بوریاں ان کے پاس بھیج دی، قریش کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس سے اس بارے میں پوچھا: ہشام نے کہا کہ میں اب دوبارہ ایسا نہیں کروں گا، لیکن اس نے پھر دوبارہ ایک یا دو بوری بھیج دی، جس کے سبب قریش نے اس پر بہت زیادہ سختی کی اور اسے مارنا چاہا۔ ابوسفیان بن حرب نے کہا: تم لوگ اسے چھوڑ دو، اس نے ایسا صلہ رحمی کے جذبے سے کیا ہے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم نے بھی ایسا کیا ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

عہد نامۂ نامسعود کا خاتمہ:

جب پورے تین سال گزر گئے اور حالت نہیں بدلی، بلکہ بد سے بدتر ہوتی چلی گئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ، صحابہ کرام اور ان کا ساتھ دینے والے کافروں کے لیے آسانی وکشادگی کا فیصلہ کیا، اور ماہ محرم ۱۰ نبوی میں آپ ﷺ کو ان کے صحیفے کے بارے میں بذریعہ وحی اطلاع دی گئی کہ دیمک نے اس میں موجود قطع رحمی، ظلم وجور اور بے وفائی سے متعلق تمام عبارتوں کو چاٹ لیا ہے، اور اس میں اللہ کے نام کے سوا کچھ بھی باقی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر اپنے چچا ابوطالب کو دی، تو انہوں نے کہا: اے میرے بھتیجے! کیا واقعی ایسا ہی ہوا ہے جیسا تم مجھے بتا رہے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اللہ کی قسم، تو ابوطالب نے یہ بات اپنے بھائیوں کو بتائی اور کہا: محمدؐ نے مجھ سے کبھی بھی کوئی جھوٹ بات نہیں کہی۔ تو ان سب نے ابوطالب سے کہا: پھر آپ کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا: میرا خیال یہ ہے کہ تم سب اپنے اپنے اچھے کپڑے پہن کر قریش کے پاس چلو، اور انہیں یہ بات بتاؤ، قبل اس کے کہ یہ خبر ان کو کسی اور ذریعہ سے ملے، چنانچہ وہ سب گھاٹی سے نکل کر مسجد حرام پہنچے، اور حجر میں بیٹھ گئے۔ قریشیوں نے کہا: بھوک کی وجہ سے یہ سب نکل کر یہاں آگئے ہیں، اور جب ان کے پاس آئے، تو ابوطالب نے کہا: ہم ایک اہم بات کے لیے یہاں آئے ہیں۔ تم لوگ اس بارے میں اپنی رائے سے ہمیں مطلع کرو۔ قریشیوں نے کہا: ہم آپ لوگوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ ابوطالب نے کہا: میرے بھتیجے نے مجھے خبر دی ہے۔ اور وہ کبھی مجھ سے جھوٹ نہیں بولتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے عہد نامے پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے جو اس میں موجود ظلم وجور اور قطع رحمی سے متعلق تمام عبارتوں کو چاٹ گیا ہے، اور اس میں صرف اللہ کی یاد رہ گئی ہے۔ اگر میرا بھتیجا سچا ہے تو تمہیں اپنے

اس بُرے فیصلے کو واپس لینا ہوگا۔ اللہ کی قسم! ہم اسے کبھی بھی تمہارے حوالے نہیں کریں گے، یہاں تک کہ ہمارا آخری آدمی مرجائے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو میں اسے تم لوگوں کے حوالے کردوں گا، چاہے تم اسے قتل کردو یا اسے زندہ باقی رکھو۔ قریشیوں نے کہا: تمہارے باپ کی قسم! تم نے ہمارے ساتھ انصاف کیا ہے اور ہم تمہارے اس فیصلے پر راضی ہیں۔

پھر کچھ لوگوں کو اس عہد نامہ کو دیکھنے کے لیے بھیجا گیا، جب اُسے کھولا گیا تو اسے ویسا ہی پایا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا۔ یہ دیکھ کر تمام مسلمانوں نے بیک آواز تکبیر کہی اور مشرکوں کے چہرے کالے پڑ گئے، اور ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، پھر تو سب نے اپنے سر جھکا لیے، اور مسلمانوں سے کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہ تو تمہارے ساتھی (محمد) کا جادو ہے۔ ابو طالب نے کہا: اب تمہارے سامنے یہ بات کھل کر آگئی ہے کہ تمہارا یہ رویہ ظلم و قطع رحمی، جھوٹ اور افترا پردازی پر مبنی ہے۔ مشرکوں میں سے کسی نے ابو طالب کی اس بات کا جواب نہیں دیا اور ذلت و رسوائی لیے وہاں سے لوٹ گئے، ہمدا اپنے کفر و شرک کی برائیوں میں پہلے سے زیادہ سخت ہوگئے اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے ظلم و طغیان میں اور شدت آگئی، اور ابو طالب اور ان کی قوم کے لوگ گھاٹی میں واپس چلے گئے۔

عہد نامہ کی تحریر اور اسے ختم کرنے سے متعلق مختلف روایتوں میں غور و فکر کرنے سے یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ جب بنی عبد مناف، بنی قصی اور قریش کے ایسے لوگ جو بنی ہاشم کی عورتوں کی اولاد تھے، اس صریح ظلم اور قریشیوں کے اس کبر و غرور کو دیکھا تو وہ سب مل کر ایک رات خطم الحجون میں جو مکہ کے بالائی علاقے میں ہے جمع ہوئے اور سب نے مل کر آپس میں عہد کیا کہ اس عہد نامۂ نامسعود کو بہر حال ختم کرنا ہے۔ جو لوگ جمع ہوئے تھے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

ہشام بن عمرو بن حارث، زہیر بن ابو امیہ بن مغیرہ، مطعم بن عدی، ابوالبختری بن ہشام اور زمعہ بن اسود۔

یہ لوگ حسبِ وعدہ صبح کے وقت مسجد حرام میں آئے، اس وقت اہلِ قریش خانہ کعبہ کے جوار میں جمع تھے، زہیر اٹھا اور بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد قریشیوں کے سامنے آیا اور کہا: اے اہلِ مکہ! ہم کھانا کھاتے ہیں، پانی پیتے ہیں اور اچھے اچھے کپڑے پہنتے ہیں، اور بنی ہاشم ہلاک ہورہے ہیں، نہ ان کے ہاتھوں کچھ بیچا جاتا ہے اور نہ ان سے کچھ خریدا جاتا ہے۔ اللہ کی قسم! میں اب خاموش نہیں بیٹھ سکتا، یہاں تک کہ ظلم و جور پر مبنی اس عہد نامے کو پھاڑ نہ دیا جائے، تو ابو جہل نے کہا: تم جھوٹے ہو، اللہ کی قسم! اسے نہیں پھاڑا جائے گا، تو زمعہ نے اُٹھ کر کہا: اللہ کی قسم! تم سب سے بڑے جھوٹے ہو، ہم لوگ اسے لکھے جانے کے وقت ہی اس کی موافقت میں نہیں تھے، پھر ابوالبختری نے اُٹھ کر کہا: زمعہ نے سچ کہا ہے، اس میں جو بات لکھا گیا تھا، ہم اس سے کبھی راضی نہ رہے، اور کبھی اس کی تائید نہیں کی۔ اس کے بعد مطعم اٹھا، اور کہا: تم دونوں نے سچ کہا ہے، اور اس کے سوا جس نے بھی کوئی بات کہی ہے وہ جھوٹ ہے، ہم اللہ کے سامنے اس عہد نامے اور اس میں نوشتہ تمام باتوں سے اعلانِ براءت کرتے ہیں اور ہشام بن عمرو نے بھی اسی جیسی بات کہی، تو اللہ کے دشمن ابو جہل نے کہا: یہ سازش رات میں رچی گئی ہے، اور یہاں آنے سے پہلے اس بارے میں مشورے ہوچکے ہیں، اس کے بعد مطعم بن عدی کھڑے ہوئے اور اس عہد نامہ کو لے کر پھاڑ دیا۔

اس دن مکہ کے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، اور جن لوگوں نے عہد نامہ کو پھاڑ دیے

کا خفیہ فیصلہ کیا تھا وہ سب اپنے اپنے ہتھیار لے کر بنی ہاشم اور بنی مطلب کے پاس گھاٹی میں گئے، اور انہیں وہاں سے نکل کر اپنے گھروں میں جانے کا حکم دیا اور کہا: اے ہمارے باپ اور ہماری ماں کے بیٹو! تم یہاں سے نکل چلو، اللہ کی قسم! تم پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا، یہاں تک کہ ہم مرجائیں، چنانچہ وہ سب کے سب اپنے گھروں میں لوٹ آئے۔

وفدِ نصاریٰ نجران کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات:

نبی کریم ﷺ کے گھاٹی سے نکل کر مکہ آجانے کے بعد نصاریٰ نجران کا ایک وفد آپ ﷺ سے ملنے آیا، انہیں آپ ﷺ کے بارے میں حبشہ کے نصاریٰ سے خبر ملی تھی، اس وقت آپ ﷺ مسجد حرام میں موجود تھے، وہ سب کے سب آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے، آپ سے باتیں کی، اور بہت سے سوالات کیے، اُس وقت قریش کے بہت سے لوگ خانۂ کعبہ کے اردگرد اپنی مجلسوں میں بیٹھے تھے، جب اس وفد کے سوالات ختم ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اللہ کے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی، اور ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کی، جب انہوں نے قرآن سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، پھر انہوں نے اللہ کے پیغام کو قبول کرلیا، آپ ﷺ پر ایمان لے آئے، آپ ﷺ کی تصدیق کی اور آپ کے بارے میں ان سب باتوں کو جانا جو ان کی کتاب انجیل میں پائی جاتی تھیں۔

جب وہ لوگ جانے کے لیے کھڑے ہوئے تو ابوجہل بن ہشام کچھ دیگر قریشیوں کے ساتھ ان کے پاس آیا، اور سب نے مل کر ان سے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں ناکام بنائے، تمہاری قوم کے لوگوں نے تمہیں اس لیے بھیجا تھا تاکہ تم انہیں واپس جاکر اس آدمی (محمد ﷺ) کے بارے میں خبر دو، لیکن ابھی تم اس کے پاس ٹھیک سے بیٹھے بھی نہ تھے کہ تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کردی، ہم نے تم سے زیادہ بے وقوف وفد اب تک نہیں دیکھا، انہوں نے جواب میں کہا: سلام علیکم، ہم تمہاری طرح نادان نہیں بننا چاہتے ہیں، ہم اپنے دین پر ہیں اور تم اپنے دین پر۔ ہم نے اپنے آپ کو بھلائی تک پہنچانے میں کسی تقصیر سے کام نہیں لیا ہے، اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص میں نازل فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ۝ اُولٰٓىٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ٘ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ٘ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ۝﴾ [القصص: ۵۲-۵۵]

”جنہیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی، وہ لوگ قرآن پر ایمان لاتے ہیں، اور جب ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، بلاشبہ یہ ہمارے رب کی برحق کتاب ہے، اور ہم تو پہلے سے ہی مسلمان تھے، یہی لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی وجہ سے دوہرا اجر دیا جائے گا، یہ لوگ نیکی کے ذریعہ بُرائی کا دفاع کرتے ہیں، اور جو روزی ہم نے انہیں دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اور جب وہ کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، ہم تمہیں سلام کہتے ہیں، ہم نادانوں کی دوستی نہیں چاہتے ہیں۔“

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ آیتیں نجاشی اور اس کے درباریوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، اور نصرانیوں کا یہ وفد حبشہ سے آیا تھا، حقیقتِ حال کی صحیح خبر اللہ کو ہی ہے۔ ❶

قریش کا آپ ﷺ کے بارے میں ابو طالب سے ان کی موت کے وقت بات کرنا:

نبی کریم ﷺ اور بنی ہاشم و بنی مطلب اور باقی قریشیوں کے درمیان ظاہری بائیکاٹ تو عہد نامے کو پھاڑ دینے کے بعد ختم ہوگیا، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ مشرکوں کے دلوں میں عداوت کی بھڑکتی آگ بجھ گئی یا کم از کم سرد پڑ گئی، بلکہ اس کے شعلے اور اونچے ہونے لگے، اور شیاطینِ قریش نے دعوتِ اسلامیہ کے خلاف اپنی کارستانیوں کو تیز تر کردیا، اور نبی کریم ﷺ اور آپ کی دعوت پر کاری ضرب لگانے کے لیے نت نئے طریقوں کے بارے میں سوچنے لگے، اور اِدھر نبی کریم ﷺ کی لوگوں سے ملاقاتیں اور موسمِ حج اور دیگر اوقات میں مکہ آنے والے اشخاص و وفود سے آپ ﷺ کے اتصالات میں تیزی آگئی اور اس کے مثبت آثار بھی ظاہر ہونے لگے، اس لیے قریشیوں نے ابو طالب کے ساتھ اپنی آخری کوشش کے طور پر پھر ایک بار ان سے ملنا چاہا، اُس وقت ابو طالب کی عمر اسی (۸۰) سال سے تجاوز کرگئی تھی، اور ان کی وفات کا وقت قریب آ چکا تھا، ان کا ارادہ یہی تھا کہ وہ ابو طالب سے اس بات کا مطالبہ کریں گے کہ وہ اپنے بھتیجے کو اپنی دعوت کے لیے کام کرنے اور ان کے معبودوں کی عیب جوئی سے یکسر روک دیں۔

اس بارے میں حافظ ابن کثیرؒ نے ابن اسحاق کی سند سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب ابو طالب بیمار پڑے اور قریشیوں کو ان کے شدتِ مرض کی خبر ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: حمزہ اور عمر دونوں مسلمان ہوگئے اور محمد (ﷺ) کی دعوت کا چرچا تمام قبائلِ قریش میں ہونے لگا ہے۔ اس لیے ہمیں ابو طالب سے مل کر یہ کہنا چاہیے کہ وہ اپنے بھتیجے سے اس بارے میں کوئی قطعی بات کریں۔ اللہ کی قسم! اب تو ہمیں ڈر ہو چلا ہے کہ کہیں ہماری سیادت وقیادت ہی بنی ہاشم کے لوگ ہم سے یکسر چھین نہ لیں، چنانچہ یہ لوگ ابو طالب کے پاس گئے، ان سے بات کی اور کہا: اے ابو طالب! آپ تو ہم میں سے ہیں، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، اور آپ اب اس حال کو پہنچ گئے ہیں کہ آپ کے بارے میں ڈر ہونے لگا ہے، ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان مشکلات کا آپ کو بخوبی علم ہے، اس لیے آپ اسے بلائیے اور ہمارے اور اس کے درمیان فیصلہ کردیجیے، تاکہ وہ ہماری مخالفت سے رُک جائے، اور ہم اس کی مخالفت سے، وہ ہمیں اور ہمارے دین کو چھوڑ دے، اور ہم اسے اور اس کے دین کو چھوڑ دیں۔

ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلا بھیجا، اور آپ ﷺ سے کہا: اے میرے بھتیجے! یہ تمہاری قوم کے معزز لوگ تمہارے سامنے جمع ہیں، تاکہ وہ تمہارے ساتھ سہولت برتیں اور تم ان کے ساتھ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے چچا! آپ لوگ ایک کلمہ کہہ دیجیے جس کے ذریعے آپ لوگ سارے عرب کے مالک بن جائیں گے، اور سارے عرب والے اس کے ذریعہ آپ کے تابعدار بن جائیں گے۔ ابو جہل نے کہا: ہاں، تمہارے باپ کی قسم! ایک نہیں دس کلمات، آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ کہو: "لا إلـٰه إلا الـلّٰه" اور اس کے سوا اپنے تمام معبودوں سے

❶ السيرة النبوية، ابن كثير: ۲/ ٤٠، سيرة ابن هشام: ۱/ ۳۹۲، عيون الأثر: ۱/ ۱۲۹۔

اعلانِ براءت کر دو۔ یہ سن کر مشرکینِ قریش تالیاں بجانے لگے اور کہنے لگے: اے محمد! کیا تم تمام معبودوں کو ایک معبود بنادینا چاہتے ہو، تمہارا معاملہ عجیب وغریب ہے، پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: اللہ کی قسم! یہ شخص تمہاری کوئی بات نہیں مانے گا، اس لیے یہاں سے چلو، اور اپنے آباء واجداد کے دین پر قائم رہو، یہاں تک کہ اللہ تمہارے اور اس کے درمیان فیصلہ کردے، پھر وہ سب لوٹ گئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: ان ہی مشرکینِ قریش کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ① بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ ② كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّ لَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ③ وَ عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ٘ وَ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ④ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ⑤ وَ انْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَ اصْبِرُوْا عَلٰۤى اٰلِهَتِكُمْ ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ⑥ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۖۚ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ⑦﴾ [ص: ۱-۷]

''ص، اس قرآن کی قسم جو شرف وعظمت والا ہے (یا جس میں نصیحت ہے کہ محمد ساحر وکاذب نہیں ہیں)، اہلِ کفر غرور اور مخالفت میں پڑ گئے ہیں، ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا، تب وہ پکار اٹھیں، وہ وقت چھٹکارا پانے کا نہیں تھا، اور انہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ اُن کے پاس اُنہی میں سے ایک ڈرانے والا آگیا، اور کافروں نے کہا، یہ آدمی تو جادوگر اور پکا جھوٹا ہے، کیا اس نے تمام معبودوں کا ایک معبود بنا دیا ہے، یقیناً یہ بات بہت زیادہ تعجب میں ڈالنے والی ہے، اور سردارانِ کفر یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ چلو اور اپنے معبودوں (کی عبادت) پر جمے رہو، بے شک یہ ایک سوچی سمجھی بات ہے، ہم نے تو یہ بات اقوامِ گزشتہ کی تاریخ میں نہیں سنی ہے، توحید کی یہ بات تو (اسی محمد ﷺ کی) گھڑی ہوئی ہے۔''

یہ واقعہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ بتوں کی محبت مشرکینِ قریش کی گھٹی میں پڑی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے زعماء وساداتِ قریش کی بصارت چھین لی تھی، اور اُن کے دلوں پر مہر لگا دی تھی، اس لیے وہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے، اور اُن کی موت کفر پر ہوئی۔

یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا جواب سنا تو غصہ سے پاگل ہونے لگے، اور دعوتِ توحید کا صریح انکار کرتے ہوئے ابوطالب کی مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے، اور اپنی گمراہی اور ضلالت پر اصرار کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے خلاف نئی نئی سازشیں سوچنے لگے۔ ❶

ابوطالب کی وفات، اور آخرت میں اُن کا انجام:

گھاٹی سے نکلنے کے چھ ماہ بعد ماہِ رمضان، یا نصف شوال، یا ابتدائے ذی القعدہ ۱۰ نبوی میں ابوطالب کا انتقال ہوگیا۔ اُس وقت اُن کی عمر اسی (۸۰) سال تھی، اور نبی کریم ﷺ انچاس سال، آٹھ ماہ اور اکیس دن یا آٹھ دن کے تھے۔ اور اس واقعہ کے تین سال بعد آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔

❶ السیرۃ النبویہ ابن کثیر: ۲/۱۲۳، ۱۲۴؛ سیرۃ ابن ہشام: ۱/۴۱۷-۴۱۹.

ابوطالب کی موت کے تین دن بعد دس رمضان کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ بعض کا خیال ہے: پانچ دن کے بعد، بعض کہتے ہیں: پینتیس دن بعد، اور ایک قول کے مطابق: پچپن دن بعد۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے اس سال کا نام (عام الحزن) ''غم کا سال'' رکھ دیا۔ اس لیے کہ اُس سال آپ پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ابوطالب ہلاک ہو گئے جو آپ کی حمایت اور آپ کا دفاع کرتے تھے، اور خدیجہؓ وفات پا گئیں جو ہر آزمائش کی گھڑی میں آپ کی مخلص ساتھی اور غایت درجہ دوراندیش مشیر کار تھیں، خدیجہؓ آپ کی تائید کرتیں اور آپ کو تسلی دیتیں۔

باری تعالیٰ کے قول: ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ﴾ [الانعام: ۲۶] ''اور وہ لوگ دوسروں کو اس (قرآن) سے روکتے ہیں، اور خود بھی اس سے اعراض کرتے ہیں۔'' ... کی تفسیر کے ضمن میں ابن عباسؓ سے یہ ثابت ہے کہ یہ آیت کریمہ ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جو مشرکین کو تو آپ ﷺ کی ایذا رسانی سے منع کرتے تھے، اور آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے سے خود اعراض کرتے تھے۔ ❶

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ ایک دن خانۂ کعبہ کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے، تو ابن الزبعری نے ابوجہل کے کہنے پر آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر گوبر اور خون مل دیا۔ نبی کریم ﷺ نماز ترک کر کے اپنے چچا کے پاس گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کا حال دیکھ کر پوچھا کہ ایسا تمہارے ساتھ کس نے کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عبداللہ بن الزبعری نے۔ ابوطالب وہاں سے فوراً خانۂ کعبہ کے پاس اپنی تلوار لیے آئے، اور قریشیوں کے قریب پہنچ کر ابن الزبعریٰ اور کچھ دیگر مشرکین کے چہروں، داڑھیوں اور کپڑوں پر گوبر اور خون مل دیا، اور انہیں بہت بُرا کہا، اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کو ابوطالب کی موت کے چند دن پہلے ان کے ایمان لانے کی امید اس وقت زیادہ ہوگئی جب آپ ﷺ نے ابوطالب کا وہ جواب سنا جو انہوں نے مشرکین کو دیا تھا جب وہ ابوطالب کے پاس آئے تھے کہ وہ محمد ﷺ اور ان کے درمیان صلح وصفائی کی کوئی راہ نکال دیں، اور محمد (ﷺ) ان کے معبودوں کی عیب جوئی سے باز آ جائے، اور آپ ﷺ نے ان مشرکین سے کہا تھا کہ تم لوگ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپ ﷺ کی تائید میں ابوطالب نے کہا تھا کہ میرے بھتیجے! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے ان قریشیوں سے کسی نامناسب بات کا مطالبہ نہیں کیا ہے۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے اپنے چچا سے کہا: چچا! آپ اس کلمہ کا اقرار کر لیجیے، تاکہ قیامت کے دن میں آپ کے لیے شفاعت کر سکوں، ابوطالب نے جب رسول اللہ ﷺ کی ان کے اسلام کے لیے اتنی شدید خواہش دیکھی تو کہا: اے بھتیجے! اللہ کی قسم! اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ لوگ تمہیں اور میرے بعد تمہارے آباء کی اولاد کو عار دلائیں گے، اور اہل قریش کہیں گے کہ میں نے موت کے ڈر سے تمہارا کلمہ پڑھ لیا تھا، تو میں اسے کہہ گزرتا۔ ❷

امام بخاری و مسلم نے مسیب رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ جب ابوطالب کی موت کا وقت آیا تو اُن کے پاس

❶ دلائل البیهقی: ۲/ ۳۴۰ - ۳۴۹۔

❷ تفسیر القرطبی: ٦/ ٤٠٥۔

رسول اللہ ﷺ آئے، وہاں پہلے سے ابوجہل اور عبداللہ بن ابوامیہ بن مغیرہ بیٹھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا: اے چچا! آپ لا إله إلا الله کہہ دیجیے، تاکہ میں اللہ کے پاس آپ کے ایمان کی گواہی دے سکوں۔ ابوجہل وعبداللہ بن ابوامیہ نے کہا: اے ابوطالب! آپ کیا عبدالمطلب کے دین سے برگشتہ ہو جائیں گے؟! رسول اللہ ﷺ اُن کے سامنے اپنی بات دُہراتے رہے، یہاں تک کہ ابوطالب نے جو آخری بات کہی وہ یہ تھی "مجھے عبدالمطلب کے دین پر مرنا ہے" اور " لا إله إلا الله" کہنے سے انکار کر دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے کہا: اللہ کی قسم! میں آپ کے لیے اللہ سے اس وقت تک طلب مغفرت کرتا رہوں گا، جب تک مجھے آپ کے لیے دعا کرنے سے روک نہ دیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ [التوبة: ١١٣]

"نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ مناسب نہ تھا کہ وہ مشرکوں کے بارے میں یہ بات کھل کر سامنے آ جانے کے بعد کہ وہ جہنمی ہیں ان کے لیے دعائے مغفرت کریں، چاہے وہ رشتہ داری کیوں نہ ہوں۔"

اور نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے ابوطالب کے بارے میں نازل فرمایا:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ [القصص: ٥٦]

"آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے ہیں، مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور وہ ہدایت قبول کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔"

معلوم ہوا کہ ابوطالب نعمتِ ایمان سے مشرف نہیں ہوئے، حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سچے، نیک اور راہِ راست پر گامزن ہیں۔ اسی لیے وہ حتی الامکان اپنے قول وفعل اور اپنی جان ومال کے ذریعہ لوگوں کو نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانے سے روکتے تھے، آپ ﷺ سے محبت وشفقت کرتے تھے، اور اپنے اشعار میں آپ ﷺ کی خوب مدح سرائی کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایمان کو مقدر نہیں فرمایا تھا، اس کی عظیم حکمت ومصلحت کو باری تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اسی لیے ابوطالب کی موت کفر پر ہوئی، جیسا کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ کسی نے آپ ﷺ کی مجلس مبارک میں آپ کے چچا کا ذکر چھیڑا تو آپ ﷺ نے فرمایا: شاید قیامت کے دن میری شفاعت ان کے کام آ جائے۔ ان کا ٹھکانا ہلکی آگ میں ہوگا، جو ان کے دونوں ٹخنوں تک پہنچ رہی ہوگی، جس سے ان کا دماغ کھولتا رہے گا۔ ❶

امام بخاری ومسلم رحمۃ اللہ علیہما نے عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا: آپ اپنے چچا کے کیا کام آئے؟ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے دوسروں سے ناراض ہوتے تھے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایک ہلکی آگ میں ہیں، اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کی سب سے نچلی کھائی میں ہوتے۔ ❷

---

❶ صحیح البخاري: مناقب الأنصار، حدیث (٣٨٨٥)، صحیح مسلم: کتاب الإیمان، حدیث (٢١٠).

❷ صحیح البخاري: باب قصة أبو طالب، حدیث (٣٨٨٣)، صحیح مسلم: حدیث (٢٠٩)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابوطالب سے متعلق اپنے کلام کے آخر میں لکھا ہے: اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مشرکین کے لیے طلب مغفرت سے نہ روکا ہوتا تو ہم ابوطالب کے لیے ضرور طلب مغفرت کرتے اور ان کے لیے رحم کی دعا کرتے۔ اس لیے کہ وہ جب تک زندہ رہے، آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام کی طرف سے دفاع کرتے رہے اور ہر ممکن ذریعہ سے آپ ﷺ کی تائید وحمایت کرتے رہے۔ ❶

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات:

ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ابوطالب کی وفات کے صرف تین دن بعد ماہِ رمضان کی دس تاریخ کو وفات پائی، جیسا کہ میں نے ابھی کچھ پہلے لکھا ہے، اور ان کی وفات ہجرت سے تین سال پہلے اور معراج کی رات میں پانچوں نمازیں فرض ہونے سے قبل ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر پینسٹھ سال تھی، اور رسول اللہ ﷺ پچاس سال کے تھے، اور ابوطالب کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے میں نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سال کا نام (عام الحزن) ''غم کا سال'' رکھ دیا تھا، اس لیے کہ ان دونوں کی موت سے آپ ﷺ پر دو بڑی بھاری مصیبتیں آ پڑی تھیں؛ ابوطالب کی موت کی مصیبت جو شیاطین مکہ سے ان کی حفاظت کرتے تھے، اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی مصیبت جو ان کی تصدیق کرتی تھیں، انہیں دلاسا دیتی تھیں، اور ہر گام پر ان کا ساتھ دیتی تھیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ کہتی ہیں: نبی کریم ﷺ جب خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کرتے تو ان کی بے حد تعریف کرتے، ایک دن مجھے غیرت آ گئی تو میں نے کہا: آپ اس سُرخ منہ والی کو کتنا یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے اچھی بیوی دے دی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے خدیجہ سے بہتر بیوی نہیں دی ہے، وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب لوگوں نے میرا انکار کر دیا، اور اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا، اور اس وقت اپنے مال کے ذریعہ میری مدد اور دل دہی کی، جب لوگوں نے مجھے محروم کر دیا، اور اللہ نے مجھے اُن کے بطن سے اولاد دی، جب کہ مجھے دوسری عورتوں کی اولاد سے محروم رکھا۔ ❷

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے فضائل کے بیان میں روایت کی ہے کہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! یہ خدیجہ آ رہی ہیں، ان کے پاس ایک برتن میں سالن، یا کھانا یا پینے کی چیز ہے، جب وہ آپ کے پاس آئیں تو انہیں ان کے رب کا، اور میرا سلام پہنچا دیجیے اور انہیں جنت میں بانس کے بنے ہوئے ایک گھر کی خوشخبری دے دیجیے جس میں نہ شور وشغب ہوگا نہ کوئی پریشانی۔ ❸

امام ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اللہ کا ان کے لیے جبریل علیہ السلام کے ہاتھ سلام بھیجنا ایک ایسی امتیازی خوبی وعظمت ہے جو ان کے سوا دنیا میں کسی عورت کے لیے نہیں جانی جاتی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی کسی بیوی سے ایسی غیرت نہیں کھائی، جیسی خدیجہ سے، اس کا سبب یہ تھا کہ میں بہت ہی کثرت سے ان کا ذکر خیر آپ ﷺ کی زبان سے سنتی تھی، حالانکہ آپ

❶ سیرۃ ابن کثیر: ۲/۱۲۵۔ ❷ مسند احمد: ۶/۱۱۸۔ ❸ صحیح البخاری: حدیث (۳۸۲۰)۔

نے مجھ سے ان کی وفات کے تین سال بعد شادی کی، اور آپ ﷺ کو آپ کے رب نے حکم دیا کہ آپ انہیں جنت میں بانس کے بنے ہوئے ایک گھر کی خوشخبری دے دیں، جس میں نہ کوئی پریشانی ہوگی اور نہ شور وشغب۔ ❶

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس کوئی چیز آتی تو فرماتے اسے فلاں عورت کو دے آؤ، وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی تھی، اسے فلاں کے گھر پہنچادو، وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے محبت رکھتی تھی۔ ❷

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آپ ﷺ کے دل میں بہت اونچا مقام تھا، اور اسی سبب سے ان کی سہیلیوں کا بھی آپ ﷺ کے دل میں ایک خاص مقام تھا، اور یہ چیز سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے سالہا سال بعد تک دیکھی گئی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خدیجہؓ کو یاد کیا، تو ان کی خوب تعریف کرنے لگے، اس لیے دنیا کی دیگر عورتوں کی طرح میری غیرت اُبھر آئی، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کو اللہ تعالیٰ نے قریش کی اس سُرخ منہ والی بوڑھیا کے بدلے دوسری بیویاں عطا کی ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: یہ سنتے ہی رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ مبارک اس طرح بدل گیا کہ میں نے کبھی بھی اس طرح آپ ﷺ کا چہرہ بدلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، سوائے نزولِ وحی کے وقت یا بارش سے بھرے بادل کو دیکھ کر، یہاں تک کہ آپؐ کو یقین ہو جاتا کہ وہ رحمت کی بارش ہے یا اللہ کا کوئی عذاب۔ ❸

شعبہ نے قرۃ بن ایاس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا میں بہت سے مرد باکمال ہوئے، لیکن عورتوں میں صرف تین باکمال ہوئیں: مریم بنت عمران، آسیہ (فرعون کی بیوی) اور خدیجہ بنت خویلد۔ اور عائشہ کی فضیلت دیگر عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت دیگر کھانوں پر۔ (رضی اللہ عنہن) ❹

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ عظیم فضیلت اس لیے حاصل ہوئی کہ انہوں نے خاتم النّبیین ﷺ کی دیکھ بھال کی، ان کے ساتھ اچھا معاملہ کیا، بعثت کے بعد آپ ﷺ کی تصدیق کی، نبوت کے کاموں میں آپ کی مدد کی، آپؐ کے ساتھ جہاد کیا، اور اپنی جان ومال کے ذریعہ آپ ﷺ کی نصرت ودل دہی کی۔ ان کو مکہ کے مقبرہ الحجون میں دفن کیا گیا، اور نبی کریم ﷺ خود ان کی قبر میں ان کو دفن کرنے کے لیے اُترے۔

سیدہ عائشہ اور سودہ رضی اللہ عنہما سے آپ ﷺ کی شادی:

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ماہ شوال میں نکاح کیا، اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی، اور انہیں رخصت کر کے اپنے گھر ماہ شوال ۱ھ میں لے آئے، اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد اور مکہ سے ہجرت سے قبل مجھ سے شادی کی، اس وقت میری عمر سات یا چھ سال تھی۔ ❺

---

❶ مصدر سابق: حدیث (۳۸۱۷) صحیح مسلم، فضائل الصحابہ: حدیث (۷۱، ۷۲ اور ۷۴)، مسند احمد: ۶/ ۵۸، ۲۰۲، ۲۷۹۔

❷ سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ: البانی، حدیث (۲۸۱۸)۔

❸ اس حدیث کو امام احمدؒ نے اسناد جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

❹ سیرۃ نبوی، ابن کثیر: ۲/ ۱۲۷، اور اسے ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اسناد صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

❺ صحیح مسلم: حدیث (۶۹)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے جب ان سے شادی کی تو اس وقت وہ چھ سال کی تھیں، اور ان کو رخصت کر کے اپنے گھر لے گئے جب ان کی عمر نو(۹) سال تھی، اور وہ آپ ﷺ کے پاس نو سال رہیں۔ ❶

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم مدینہ آئے تو ''سنح'' میں بنی حارث بن خزرج کے علاقے میں رہائش پذیر ہوئے، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ہمارے گھر میں داخل ہوئے، آپؐ کے پاس انصار کے بہت سے مرد اور عورتیں جمع ہوگئیں، پھر میری ماں نے مجھے اس کمرے میں داخل کر دیا جس میں رسول اللہ ﷺ ایک تخت پر تشریف فرما تھے، میری ماں نے مجھے آپ ﷺ کی گود میں بٹھا دیا اور کہا: یہ آپؐ کی بیوی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے لیے اسے مبارک بنائے اور اس کے لیے آپ کو مبارک بنائے۔ یہ سنتے ہی تمام مرد اور عورتیں وہاں سے نکل گئیں اور رسول اللہ ﷺ نے ہمارے گھر میں ہم سے ملاقات کی، اس وقت میں نو(۹) سال کی تھی۔ ❷ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ فرشتے نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو نبی کریم ﷺ کے سامنے ان کے نکاح سے پہلے ایک ریشمی کپڑے میں پیش کیا اور کہا: یہ آپ کی بیوی ہیں۔ ❸

امام ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: آپ ﷺ نے عائشہؓ کے سوا کسی باکرہ سے شادی نہیں کی، اور ان کے سوا کسی دوسری بیوی کے لحاف میں آپؐ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔ عائشہؓ مخلوق میں سب سے زیادہ آپ کو محبوب تھیں، اور آسمان سے آپ کی پاکدامنی کا اعلان کیا گیا، اور پوری امت ان پر تہمت دھرنے والوں کے جھوٹ پر متفق ہوگئی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی بیویوں میں سب سے زیادہ فقیہ اور سب سے زیادہ علم والی تھیں، بلکہ امت اسلامیہ کی تمام عورتوں سے زیادہ دین کی سمجھ رکھتی تھیں۔ ❹

مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ سے عائشہؓ کی شادی رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کے درمیان عثمان بن مظعونؓ کی بیوی خولہ بنت حکیمؓ کی کوشش اور وساطت سے ہوئی۔ اس کے بعد یہی خولہؓ سودہ بنت زمعہؓ کے پاس گئیں اور ان سے کہا: اللہ نے تمہارے لیے کیسی خیر و برکت کا فیصلہ کیا ہے؟ انہوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ خولہؓ نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمہارے پاس تمہیں شادی کا پیغام دینے کے لیے بھیجا ہے، تو سودہؓ نے کہا: مجھے منظور ہے، پھر خولہؓ ان کے باپ کے پاس گئیں جو ایک بوڑھے آدمی تھے اور ان سے کہا: مجھے محمد بن عبداللہ نے سودہؓ کو شادی کا پیغام دینے کے لیے بھیجا ہے، تو انہوں نے کہا: وہ تو لائق و فائق اور معزز انسان ہیں، سودہ کا کیا خیال ہے؟ خولہؓ نے کہا: اسے یہ شادی پسند ہے۔ انہوں نے پھر کہا: اسے میرے پاس بلا کر لاؤ، خولہؓ انہیں بلا کر لائیں، تو باپ نے کہا: اے بیٹی! یہ خولہ کہہ رہی ہے کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے تمہیں شادی کا پیغام دیا ہے، اور وہ لائق و فائق اور معزز آدمی ہیں، کیا تم پسند کرتی ہو کہ میں ان سے تمہاری شادی کر دوں؟ سودہؓ نے کہا: ہاں، تو انہوں نے خولہؓ سے کہا: جاؤ محمد (ﷺ) کو میرے پاس لے کر آؤ، چنانچہ رسول اللہ ﷺ آئے اور اسی وقت سودہؓ کے باپ نے ان کی آپ ﷺ سے شادی کر دی۔ ❺

---

❶ صحیح مسلم: ۲/۱۰۳۹.

❷ مسند احمد: ۶/۲۱۰، ۲۱۱، صحیح السیرۃ النبویۃ، ابراھیم علی، ص/۱۲۳، دلائل البیہقی: ۲/۴۱۱.

❸ صحیح البخاری: حدیث (۳۶۰۶)، صحیح مسلم: (۴۴۶۸).

❹ زاد المعاد: ۱/۷۳.

❺ صحیح السیرۃ النبویۃ، ابراھیم علی، ص/۱۲۲، دلائل البیہقی: ۲/۴۱۰.

ابوطالب کی وفات کے بعد اوباش قریش کی نبی کریم ﷺ کے ساتھ گستاخیاں:

ابوطالب کی وفات کے بعد اوباش قریش نبی کریم ﷺ کے خلاف زیادہ گستاخ ہوگئے اور آپ ﷺ کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچانے لگے، جن کے بارے میں وہ ابوطالب کی زندگی میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ امام بیہقی نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ابوطالب کی وفات کے بعد قریش کے ایک نادان آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے اوپر مٹی ڈال دی، تو آپ ﷺ گھر لوٹ گئے، اور ان کی ایک بیٹی ان کے چہرے سے روتے ہوئے مٹی صاف کرنے لگی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے بیٹی! مت روؤ، اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کی حفاظت کرنے والا ہے، پھر آپ ﷺ نے کہا: قریش نے ابوطالب کی وفات سے پہلے میرے ساتھ کبھی بھی کوئی بڑی بدسلوکی نہیں کی۔

ہشام بن عروہ اپنے باپ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہلِ قریش بزدل بنے رہے، یہاں تک کہ ابوطالب کی وفات ہوگئی، اور امام حاکم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریش کے لوگ بزدل بنے رہے، یہاں تک کہ ابوطالب کی وفات ہوگئی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: میرا خیال ہے کہ اذیت رسانی کے بیشتر واقعات (مثال کے طور پر آپ ﷺ کے کندھوں پر نماز کی حالت میں اونٹ کی اوجھری ڈال دینا، اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت کہ مشرکین نے ایک بار پوری قوت کے ساتھ آپ ﷺ کا گلا گھونٹ دینا چاہا، اور ابوجہل ملعون کا یہ ارادہ کرنا کہ وہ حالتِ نماز میں آپ کی گردن کو روند دے گا، اور فرشتے کا آکر اس کے اس مجرمانہ فعل اور آپ ﷺ کے درمیان حائل ہوجانا اور اس طرح کی دیگر تمام باتیں) ابوطالب کی وفات کے بعد ہی وقوع پذیر ہوئیں۔ ❶

آپ ﷺ کا دعوتِ اسلامیہ کے لیے سفرِ طائف:

نبی کریم ﷺ کی دعوتی تحریک میں جیسے جیسے تیزی آتی گئی، آزمائشیں بھی بڑھتی گئیں، اور خاص طور سے آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کی وفات کے بعد۔ چنانچہ ۳۰ رشوال ۱۰ نبوی میں ابوطالب اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تین ماہ بعد، آپ اپنے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیدل طائف کے لیے روانہ ہوگئے، وہاں پہنچ کر آپ نے ثقیف کے چند سادات و اشراف سے اس امید کے ساتھ ملاقات کی کہ وہ لوگ آپ کو پناہ دیں گے، ان میں سے تین کے نام مندرجہ ذیل ہیں: عبدیالیل، مسعود اور حبیب۔ آپ ﷺ نے انہیں اللہ کی طرف بلایا، اور ان سے کہا کہ وہ اسلام کی دعوت کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں آپ کی مدد کریں، اور جن لوگوں نے آپ کی مخالفت کی ہے، ان کے خلاف آپ کی مدد کریں، تو ان میں سے ایک نے کہا: اگر اللہ نے تمہیں کچھ دے کر بھیجا ہے تو وہ کعبہ کے پردوں کو پھاڑ ڈالے گا، اور دوسرے نے کہا: کیا اللہ کو اپنا رسول بنانے کے لیے تمہارے سوا کوئی دوسرا نہیں ملا، اور تیسرے نے کہا: اللہ کی قسم! میں تم سے کبھی بھی بات نہیں کروں گا۔ اگر تم اللہ کے رسول ہو جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو میرے لیے اس سے زیادہ خطرناک بات کوئی نہیں کہ میں تمہاری بات کو رد کردوں، اور اگر تم اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتے ہو تو میرے لیے مناسب نہیں کہ تم سے بات کروں۔

---

❶ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/ ۱۴۶-۱۴۹۔

اہلِ طائف کی رسول اللہ ﷺ کو ایذا رسانی:

رسول اللہ ﷺ سردارانِ ثقیف کی طرف سے ناامید ہوگئے اور وہاں سے چل پڑے، اور سردارانِ ثقیف کا جواب اہلِ طائف میں ہر چہار جانب گشت کرنے لگا، وہاں آپ ﷺ نے ایک ماہ قیام کیا، بعض روایتوں میں دس دن آتا ہے، اس پوری مدت میں آپ ﷺ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، سردارانِ طائف میں سے ایک ایک سے مل کر بات کرتے رہے، لیکن ان میں سے کسی نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کیا، اور کسی کی طرف سے آپؐ کو خیر کی امید نظر نہیں آئی۔

طائف والوں کو اپنے کم عمر نوجوانوں کے بارے میں ڈر ہوا کہ وہ آپ ﷺ کی باتوں سے متاثر نہ ہوجائیں، اس لیے انہوں نے کہا: اے محمد (ﷺ)! تم ہمارے شہر سے نکل جاؤ، اور مکہ واپس چلے جاؤ، پھر انہوں نے اپنے اوباشوں اور بدمعاشوں کو آپ کے خلاف ورغلایا، وہ سب آپ کے راستے میں دو صف بنا کر کھڑے ہوگئے اور جب رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان سے گزرے تو وہ سب آپؐ کو گالیاں دینے لگے اور پتھروں سے مارنے لگے، یہاں تک کہ آپؐ کے دونوں ٹخنے زخمی ہوگئے، اور زید بن حارثہؓ اپنے جسم کے ذریعہ آپ کو بچاتے رہے، یہاں تک کہ ان کا سر شدید زخمی ہوگیا، اور آپ مجبور ہوکر عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے ایک باغ میں داخل ہوگئے، اس وقت وہ دونوں وہیں تھے، آپ ﷺ انگور کے ایک درخت کے سایے میں جا کر بیٹھ گئے آپؐ چوٹ کی تکلیف سے کراہ رہے تھے اور آپؐ کے دونوں قدموں سے خون جاری تھا، اور ربیعہ کے دونوں لڑکے آپؐ کو دیکھ رہے تھے، اور اوباشِ ثقیف نے ان کے ساتھ جو بُرا برتاؤ کیا تھا اس پر ایک گونہ ہمدردی کا اظہار کررہے تھے، لیکن جب آپ ﷺ کی ان دونوں پر نگاہ پڑی تو ان کا آپ کو اس حال میں دیکھ لینا آپ کو پسند نہ آیا، اس لیے کہ آپ ﷺ کو اللہ اور اس کے رسول سے ان دونوں کی عداوت کا حال خوب معلوم تھا۔

جب آپؐ کو یک گونہ اطمینان ہوا تو آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر لمبی دعا کی، جس کا خلاصہ یہ ہے:

"اے اللہ! میں تیری جناب میں اپنی کمزوری، کسمپرسی، اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی بے وقعتی کی شکایت کرتا ہوں، اے ارحم الراحمین! تو تمام کمزوروں کا رب ہے، اور تو میرا رب ہے، تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے، کیا کسی اجنبی کے حوالے جو مجھے ترش روئی سے دیکھتا ہے یا کسی دشمن کے حوالے جو میرے معاملات کا مالک بن بیٹھا ہے، اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو میں کسی بات کی پروا نہیں کرتا ہوں، لیکن تیری عافیت کا دائرہ میرے لیے بہت زیادہ وسیع ہے، میں تیرے اس چہرے کے نور کے ذریعہ پناہ لیتا ہوں، جس نے کائنات کی ساری تاریکیوں کو دور کردیا ہے، اور جس کے ذریعہ دنیا وآخرت کے تمام معاملات سدھر گئے ہیں، میں پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا تو مجھ سے ناراض ہوجائے۔ میں تیری طرف اپنی ہر معصیت وخطا سے رجوع کرتا ہوں، یہاں تک کہ تو راضی ہوجائے، تیرے بغیر کسی کے پاس نہ کوئی طاقت ہے اور نہ کوئی قدرت۔"

عداس نصرانی کا قصہ:

عتبہ اور شیبہ نے اپنے ایک نصرانی غلام کو بلایا، جو نینویٰ کا رہنے والا تھا، اُس کا نام عداس تھا، انہوں نے اس سے کہا: اس انگور کا ایک گچھا لے لو اور اُسے پلیٹ میں ڈال کر اس آدمی کے پاس لے جاؤ، اور اسے کھانے کو کہو، غلام نے ایسا ہی کیا، اور

انگور لاکر آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیے، جب آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ کھانے کے لیے بڑھایا تو کہا: بسم اللہ، پھر کھانے لگے، تو عداس نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا اور کہا: اللہ کی قسم! اس شہر کے لوگ تو ایسا نہیں کہتے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نصرانی ہوں اور نینوی کا رہنے والا ہوں، تو اس سے رسول اللہ ﷺ نے کہا: کیا تم مردِ صالح یونس بن متی کے شہر کے رہنے والے ہو، عداس نے کہا: آپ کو کیا معلوم کہ یونس بن متی کون تھے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ میرے بھائی تھے، وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ یہ بات سن کر عداس رسول اللہ ﷺ کے سر، دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو والہانہ طور پر چومنے لگا۔

جب ربیعہ کے دونوں بیٹوں نے یہ منظر دیکھا، تو ایک نے دوسرے سے کہا: محمد (ﷺ) نے تمہارے غلام کو خراب کر دیا، جب عداس لوٹ کر ان کے پاس آیا تو دونوں نے اس سے پوچھا: عداس تمہارا بُرا ہو تم اس آدمی کا سر، اس کے ہاتھ اور پاؤں کیوں چوم رہے تھے؟ ہم نے تمہیں کبھی بھی ہم میں سے کسی کے ساتھ ایسا کرتے نہیں دیکھا؟ تو اس نے کہا: میرے آقا! اس سرزمین پر ان سے بہتر اس وقت کوئی نہیں ہے، انہوں نے مجھے ایک ایسی بات کی خبر دی ہے جسے کوئی نبی ہی جانتا ہے، تو وہ دونوں اس کی بات پر چِڑنے لگے اور کہا: دیکھو یہ آدمی تمہیں تمہاری نصرانیت سے برگشتہ نہ کر دے، یہ بڑا دھوکا باز آدمی ہے۔

بعض مؤلفین سیرت نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث کو اس ضمن میں زبردستی داخل کر دیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ پر اُحد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری قوم نے مجھے عقبہ کے دن جو تکلیف پہنچائی وہ زیادہ سخت تھی، جب میں نے اپنی دعوت ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے سامنے پیش کی، تو اس نے اسے قبول نہیں کیا، میں وہاں سے مغموم و مہموم چل پڑا، یہاں تک کہ قرن ثعالب کے پاس آ گیا، وہاں میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا: ایک بادل مجھ پر سایہ فگن ہے اور اس میں جبریل علیہ السلام کو دیکھا، انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا: بے شک اللہ نے آپ کی قوم کا جواب سن لیا ہے، اور اس نے آپ کے لیے پہاڑوں کے فرشتہ کو بھیجا ہے، تاکہ آپ ان کافروں کے بارے میں جو چاہیں حکم دیں۔ اس حدیث میں آیا ہے کہ فرشتہ نے کہا: اگر آپ چاہیں تو انہیں مکہ کے جبل ابی قبیس اور اس کے مقابل کے پہاڑوں کے درمیان کچل دیا جائے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں میں ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو اللہ کی عبادت کریں گے اور ان کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بنائیں گے۔ [1]

اس حدیث میں قریش کی جانب سے عقبہ کے دن آپ ﷺ کی دعوت کو ٹھکرانے اور آپ کو ایذا پہنچانے سے متعلق تفصیل بیان کی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ فرشتہ نے آپ ﷺ سے اُس دن اس بات کی اجازت مانگی تھی کہ وہ ان کافروں کو مکہ کے دو پہاڑوں کے درمیان کچل دیں۔

آپ ﷺ کے ساتھ طائف میں جو کچھ ہوا اس سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں۔ اس میں اس بات کی صراحت کر دی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے موسمِ حج میں عقبہ کے دن اپنی دعوت ابن عبد یالیل کے سامنے پیش کی تھی۔

یہ بات بعید نہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی دعوت ابن عبد یالیل کے سامنے موسمِ حج میں پیش کی ہو، اور عبد یالیل اور

[1] صحیح البخاری: حدیث (۳۲۳۱)، صحیح مسلم: حدیث (۱۷۹۵).

اس کے دونوں بھائیوں کے سامنے اپنی دعوت اُس وقت پیش کی ہو جب آپ ﷺ طائف گئے تھے بلکہ یہی بات زیادہ قرینِ قیاس ہے۔

طائف سے واپسی:

جب اہلِ طائف نے آپ ﷺ کی دعوت قبول نہیں کی تو آپ ﷺ مغموم ومہموم مکہ واپس آگئے، یہ واقعہ ماہ ذی القعدہ ۱۰ نبوی کا ہے، اُس وقت زید بن حارثہؓ نے آپ ﷺ سے کہا: آپ دوبارہ مکہ میں کیسے داخل ہوں گے؟ اہلِ مکہ نے تو آپ کو نکال دیا ہے، تو آپ نے فرمایا: اے زید! تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ میرے لیے کشادگی فراہم کرے گا، اور میری دعوت کے لیے راہ ہموار کردے گا، بے شک اللہ اپنے دین کا حامی وناصر اور اپنے نبی کو غالب بنانے والا ہے۔

جب آپ ﷺ غارِ حرا کے پاس پہنچے، تو خزاعہ کے ایک آدمی کو اخنس بن شریق کے پاس بھیجا اور اس سے طلب کیا کہ وہ آپ کو پناہ دے، تاکہ آپ اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں، تو اس نے معذرت کردی، پھر آپ ﷺ نے اسے سہیل بن عمرو کے پاس بھیجا، اس نے بھی معذرت کردی، تو آپ ﷺ نے اسے مطعم بن عدی کے پاس بھیجا، اس نے آپ ﷺ کی طلب کو قبول کرلیا، اور کہا: ہاں، ان سے کہو کہ وہ مکہ میں داخل ہوجائیں، چنانچہ آپ زید بن حارثہؓ کے ساتھ ۲۳/ذی القعدہ کو مکہ میں داخل ہوئے، اور مسجدِ حرام میں آکر دو رکعت نماز پڑھی، پھر اپنے گھر چلے گئے، اور مکہ میں اللہ نے جب تک چاہا قیام پذیر رہے، یہاں تک کہ ہجرت کرکے مدینہ چلے گئے۔

ایامِ حج میں قبائلِ عرب کو اسلام کی دعوت:

جیسا کہ میں نے ابھی اُوپر لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ ماہ ذی القعدہ ۱۰ نبوی میں موسمِ حج کے قریب ہونے کے سبب طائف سے مکہ واپس آگئے، اس لیے کہ دعوتِ اسلامیہ کے اعلان کے بعد آپ ﷺ کا طریقہ یہ ہوگیا تھا کہ جو لوگ حج یا عمرہ کے لیے مکہ آتے ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کرتے، اور ہجرت سے قبل کے آخری سالوں میں حج کے زمانہ میں جب اشخاص وقبائل سے ملتے تو جہاں ان سے اپنی دعوت کو قبول کرنے کی بات کرتے، ان سے یہ بھی کہتے کہ وہ آپ کا ساتھ دیں، اور دشمنوں سے آپ کی حفاظت وحمایت کریں، اس لیے کہ کفارِ قریش نے اعلانیہ آپ کو قتل کرنے کی دھمکی دے دی تھی۔

اسی لیے ماہ ذی القعدہ کے آخری دنوں میں آپ ﷺ طائف سے مکہ آگئے، تاکہ قبائلِ عرب اور ان کے زعماء سے مل کر ان کے سامنے اپنی دعوت رکھیں اور اپنی ضرورت بیان کریں، آپ ﷺ ان سے کہا کرتے تھے: ''کیا کوئی ایسا آدمی ہے جو مجھے اپنی قوم کے پاس لے چلے، اس لیے کہ قریش والوں نے مجھے میرے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچانے سے روک دیا ہے'' انہیں بتاتے تھے کہ آپ ﷺ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں، اور کہتے تھے کہ وہ آپ کی تصدیق کریں، اور آپ کا دفاع کریں، تاکہ آپ اللہ کا پیغام کھل کر پیش کرسکیں۔

ایامِ حج میں قبائلِ عرب کے سامنے دعوتِ اسلامیہ کو پیش کرنے سے متعلق بعض تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- امام احمد، بیہقی اور ابونعیم رحمہم اللہ نے ربیعہ الدیلیؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ کو بازار ذی المجاز میں یہ کہتے ہوئے سُنا: لوگو! تم لا إلـه إلا الـلّٰه کہو، کامیاب ہوجاؤ گے، اور لوگ آپ کے اردگرد جمع

ہوتے اور آپ کے پیچھے ایک بھینگا آدمی لگا ہوتا جس کے رخسار آگ کی مانند سرخ ہوتے، وہ کہتا: یہ آدمی بے دین اور جھوٹا ہے، آپ جہاں جاتے وہ شخص آپ ﷺ کے پیچھے لگا رہتا۔ میں نے لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ آپ ﷺ کا چچا ابولہب ہے۔

۲- ابن شہاب زہریؒ کہتے ہیں: آپ ﷺ ایک بار قبیلۂ کندہ کے خیموں میں آئے، ان کے درمیان ان کا ایک سردار بھی تھا، جس کا نام ملیح تھا، آپ ﷺ نے ان سب کو اللہ کے دین کی دعوت دی، اور اپنے ساتھ لے جانے کو کہا تو انہوں نے انکار کر دیا۔

۳- اور قبیلۂ کلب کی ایک شاخ بنی عبداللہ کے خیموں میں آئے، انہیں اللہ کے دین کی دعوت دی، اور اپنے ساتھ لے جانے کو کہا تو انہوں نے آپ ﷺ کی مانگ کو قبول نہیں کیا۔

۴- اسی طرح بنی حنیفہ کے خیموں میں آئے، انہیں بھی اللہ کے دین کی دعوت دی اور ان سے اپنے قبیلے میں لے جانے کی درخواست کی تو آپ ﷺ کو عربوں میں کسی کا جواب بھی انکے جواب سے بُرا نہ ملا۔

۵- اور آپ ﷺ بنی عامر بن صعصعہ کے پاس آئے اور ان کو بھی اسلام کی دعوت دی اور طلب کیا کہ وہ آپ کو اپنے ساتھ لے جائیں تو ان میں سے ایک آدمی نے کہا جس کا نام بحیرہ بن فراس تھا: اللہ کی قسم! میں اگر اس قریشی جوان کو لے چلوں تو اس کے ذریعے سارے عرب کو کھا جاؤں، پھر اُس نے آپ ﷺ سے کہا: اگر ہم نے تمہاری اتباع کی، پھر اللہ نے تمہیں تمہارے مخالفین پر غالب بنا دیا تو کیا تمہارے بعد سیادت ہمارے حصے میں آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ معاملہ تو اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جہاں چاہتا ہے اُسے جگہ دیتا ہے۔ بحیرہ نے کہا: کیا ہم تمہیں بچانے کے لیے اپنی گردنیں عربوں کو پیش کر دیں، اور جب تم غالب آ جاؤ تو سیادت وحکمرانی دوسروں کو مل جائے، ہمیں تمہاری پیروی کرنے کی ضرورت نہیں۔

کلبی نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ عامر بن صعصعہ کے خیمے میں پہنچے، اس وقت لوگ بازار عکاظ میں خرید وفروخت کر رہے تھے، اسی اثناء میں بحیرہ بن فراس قشیری ان کے پاس آیا، اور پوچھا: یہ آدمی کون ہے؟ مجھے تو یہ آدمی تمہارے پاس اجنبی سا لگ رہا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ محمد بن عبداللہ قرشی (ﷺ) ہے، اس نے کہا: تمہارے ساتھ اس کا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا: اس کا خیال ہے کہ یہ اللہ کا رسول ہے، اور اس نے ہم سے طلب کیا ہے کہ ہم اس کا دفاع اور اس کی حفاظت کریں تاکہ یہ اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچائے۔ اس نے پوچھا: تم لوگوں نے اسے کیا جواب دیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم نے اس کو خوش آمدید کہا ہے، اور ہم اسے لے کر اپنے علاقے میں جائیں گے، اور اپنی جانوں کی طرح اس کی جان کی حفاظت کریں گے۔ بحیرہ نے کہا: اس بازار میں موجود لوگوں میں سے کوئی شخص بھی اس سے زیادہ مشکل چیز کو لے کر اپنے علاقے میں نہیں لوٹے گا، جسے لے کر تم لوٹو گے، تم نے لوگوں کی مخالفت مول لی ہے۔ اب سارے عرب ایک تیر کے ذریعہ تمہیں نشانہ بنائیں گے، اس کی قوم کے لوگ اسے زیادہ جانتے ہیں، اگر انہیں اس سے کسی خیر کی امید ہوتی تو وہ لوگوں میں سب سے زیادہ اس کے مستحق ہوتے، کیا تم ایسے شکست خوردہ آدمی کو اپنے گلے لگا رہے ہو جسے اس کی قوم نے نکال بھگایا ہے،

اور اس کی تکذیب کی ہے، اور تم اسے پناہ دینا چاہتے اور اس کی مدد کرنا چاہتے ہو، تمہاری یہ رائے بہت ہی بُری ہے۔

پھر وہ آدمی رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوا اور کہا: اُٹھو! اپنی قوم کے پاس جاؤ، اللہ کی قسم! اگر تم میری قوم کے پاس نہ ہوتے تو میں تمہاری گردن اُڑا دیتا، یہ سُن کر رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی کے پاس آئے، اور اس پر سوار ہو کر جانے لگے، تو خبیث بَیحرہ نے اس کے پہلو میں لکڑی لگا کر اسے بدکا دیا۔ اونٹنی تیزی کے ساتھ اُچھل پڑی اور آپ ﷺ زمین پر گر پڑے۔

اُنہی دنوں ضُباعہ بنت عامر بن قرط نام کی ایک عورت بنی عامر کے پاس آئی تھی، یہ مکہ میں دیگر عورتوں کے ساتھ ابتدا ہی میں اسلام میں داخل ہو گئی تھی۔ اور اپنے چچا زادوں سے ملنے کے لیے ان کے پاس آئی تھی، اس نے کہا: اے آلِ عامر! تمہارا ستیاناس ہو، تمہارے سامنے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسا کچھ کیا جا رہا ہے، اور تم میں سے کوئی ان کی حمایت نہیں کر رہا ہے، چنانچہ اس کے چچا زادوں میں سے تین جوانوں نے بَیحرہ کو پکڑ لیا، اور اسے زمین پر دے مارا، پھر ان میں سے ایک اس کے سینے پر بیٹھ گیا، پھر تینوں نے مل کر اس کے چہرے پر خوب طمانچے لگائے، رسول اللہ ﷺ نے کہا: اے اللہ! تو ان کی زندگی میں برکت دے، اور بَیحرہ اور اس کے لوگوں کو اپنی رحمت سے دور کر دے، چنانچہ وہ تینوں اشخاص جنہوں نے آپ ﷺ کی مدد کی، اسلام لے آئے، اور شہادت کی موت پائی، وہ تینوں سہل کے دو بیٹے غطیف اور غطفان اور عروہ یا عذرہ بن عبداللہ بن سلمہ رضی اللہ عنہم تھے، اور جن پر رسول اللہ نے لعنت بھیجی تھی وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ ان کے نام یہ ہیں: بَیحرہ، حزن بن عبداللہ بن سلمہ بن قشیر اور معاویہ بن عبادہ بنی عقیل کا ایک فرد۔

۶۔ آپ ﷺ بکر بن وائل کے پاس گئے اور ان سے پوچھا: تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے کہا: ہم قبیلۂ بکر بن وائل کے بنی قیس بن ثعلبہ سے تعلق رکھتے ہیں، آپؐ نے پوچھا: تمہاری تعداد کتنی ہے؟ انہوں نے کہا: بہت زیادہ، مٹی کے ذروں کی مانند۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تمہاری قوتِ دفاع کیسی ہے؟ انہوں نے کہا: ہم کسی کی پناہ میں زندگی نہیں گزارتے ہیں، ہمارے پڑوسی فارس والے ہیں، جن سے ہمیں کوئی شکایت نہیں، اور نہ ہم ان کے مخالفین کو پناہ دیتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ مجھ سے یہ وعدہ کرو گے کہ اگر اللہ نے تمہیں باقی رکھا، یہاں تک کہ تم فارس والوں کے گھروں پر قبضہ کر لو، ان کی عورتوں سے شادی کر لو، اور ان کے بیٹوں کو اپنا غلام بنا لو، تو تم لوگ تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ کہو گے اور تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر؟ انہوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ آپ ﷺ نے کہا: میں اللہ کا رسول ہوں، پھر آپ آگے بڑھ گئے۔

۷۔ اس کے بعد آپ ﷺ بنی شیبان بن ثعلبہ کے پاس گئے اُس وقت آپ ﷺ کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے، آپؐ نے ان سے بات کرنی چاہی، ان لوگوں میں مفروق بن عمرو، ہانی بن قبیصہ، مثنیٰ بن حارثہ اور نعمان بن شریک تھے۔ مفروق رسول اللہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: اے قریشی جوان! تم کس بات کی دعوت دیتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ آگے بڑھ کر بیٹھ گئے اور ابوبکرؓ اپنے کپڑے سے آپؐ کے سر پر سایہ کر رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں یہ دعوت دیتا ہوں کہ تم لوگ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور یہ کہ تم لوگ مجھے اپنے پاس لے چلو، اور میری مدد کرو، تاکہ میں اللہ کے اس پیغام کو لوگوں تک پہنچاؤں جس کا اُس نے مجھے حکم

دیا ہے۔قریش نے اللہ کے حکم کی مخالفت کی ہے، اس کے رسول کو جھٹلایا ہے اور باطل کو اپنا کر حق سے اعراض کیا ہے، حالانکہ اللہ بے نیاز اور ساری تعریفوں کا مستحق ہے۔

مفروق نے آپ ﷺ سے پھر پوچھا: اے قریشی! تم اور کس بات کی طرف بلاتے ہو؟ تو رسول اللہ ﷺ نے مندرجہ ذیل آیتیں تلاوت فرمائیں:

﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ [الأنعام: ١٥١]

''آپ کہیے، آؤ، میں پڑھ کر سناؤں وہ چیزیں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کردی ہیں، وہ یہ ہیں کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بناؤ، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور محتاجی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم تمہیں اور انہیں سب کو روزی دیتے ہیں، اور برائیوں کے قریب نہ جاؤ جو ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ ہوں، اور اس جان کو قتل نہ کرو، جسے اللہ نے حرام کردیا ہے، مگر یہ کہ کسی شرعی حق کی وجہ سے کسی کو قتل کرنا پڑے، اللہ نے تمہیں ان باتوں کا حکم دیا ہے، تاکہ تم عقل سے کام لو۔''

مفروق نے آپ ﷺ سے پھر کہا: اے قریشی! اور کس بات کی طرف تم بلاتے ہو؟ اللہ کی قسم! یہ اہل زمین کا کلام نہیں ہے۔ اگر یہ کلام انسانوں کا ہوتا تو ہم اسے پہچان لیتے، تو آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل آیت پڑھی:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ [النحل: ٩٠]

''بے شک اللہ انصاف اور احسان اور رشتہ داروں کو (مالی) تعاون دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی اور ناپسندیدہ افعال اور سرکشی سے روکتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم اسے قبول کرلو۔''

مفروق نے آپ ﷺ سے کہا: اللہ کی قسم! تم نے اخلاقِ حسنہ اور نیک اعمال کی طرف بلایا ہے، اور یقیناً وہ قوم جھوٹی ہے جس نے تمہیں جھٹلایا ہے، اور تمہاری مخالفت کی ہے، پھر ہانی بن قبیصہ نے بات کی اور کہا: اے قریشی! میں نے تمہاری بات سنی اور تمہارے قول کی تصدیق کی، پھر اس نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ انہیں مہلت دیں، تاکہ غور وفکر کرنے کے بعد آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے کی سوچیں۔

پھر مثنیٰ بن حارثہ نے بات کی اور ہانی کے مانند بات کہی، اور کہا: ہم لوگ عراق اور سرزمین عرب کے دیہی علاقوں اور ملک فارس اور کسریٰ کی نہروں کے درمیان رہتے ہیں، اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تمہارا دفاع ان لوگوں سے کریں جو سرزمین عرب سے متصل رہتے ہیں تو اس کے لیے تیار ہیں۔ البتہ کسریٰ اور ہمارے درمیان یہ عہد ہے کہ ہم کسی نئی بات پیدا کرنے والے کو پناہ نہ دیں، اور جس بات کی تم دعوت دے رہے ہو، اسے بادشاہ لوگ پسند نہیں کرتے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم پسند کروگے کہ جب کچھ ہی دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ ان کی سرزمین اور ان کا مال

ومتاع تمہارے قبضے میں کر دے، اور ان کی بیٹیوں کو تمہارے حوالے کر دے، تو تم سبحان اللہ کا ورد کرو گے اور اللہ کی پاکی بیان کرو گے؟ نعمان بن شریک نے کہا: اے قریشی! اس کا ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت کی:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۝﴾

[الأحزاب: ٤٥، ٤٦]

''اے میرے نبی! ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور جنت کی خوشخبری دینے والا اور جہنم سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ کے حکم کے مطابق لوگوں کو اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔''

پھر آپ ﷺ ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے اٹھ کر آگے بڑھ گئے۔

۸۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: واقدی نے ہر اس قبیلے کا نام ذکر کیا ہے، جن کے پاس نبی کریم ﷺ اسلام کی دعوت لے کر گئے۔ آپ مندرجہ ذیل قبائل کے پاس گئے:

بنی عامر، غسان، بنی فزارہ، بنی مرہ، بنی حنیفہ، بنی سلیم، بنی عبس، بنی نضر بن ہوازن، بنی ثعلبہ بن عکابہ، کندہ، کلب، بنی حارث بن کعب، بنی عذرہ، قیس بن حطیم وغیرہم۔ اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔

۹۔ اور قبیلۂ ہمدان کا ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: تم کس قبیلہ کے ہو؟ اس نے کہا: قبیلۂ ہمدان کا، آپ ﷺ نے کہا: کیا تمہاری قوم پناہ دینے کی طاقت رکھتی ہے؟ اس نے کہا: ہاں، پھر وہ آدمی ڈر گیا کہ کہیں اس کی قوم اس سے ناراض نہ ہو جائے، اس لیے وہ دوبارہ آپ ﷺ کے پاس آیا، اور کہا: میں پہلے ان کے پاس جا کر انہیں تمہارے بارے میں بتاتا ہوں، پھر تمہارے پاس آئندہ سال آؤں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے، پھر وہ آدمی چلا گیا اور اسی سال ماہِ رجب میں انصار کا وفد آ کر آپ ﷺ سے ملا۔

زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اُن سالوں میں ہر موسمِ حج میں اپنے آپ کو قبائل کے سامنے پیش کرتے اور ہر سردارِ قوم سے بات کرتے، اور ان سے صرف یہی سوال کرتے کہ وہ آپ کو پناہ دیں، اور آپ کا دفاع کریں۔ اور آپ یہ بھی کہتے کہ میں تم میں سے کسی کو بھی کسی بات پر مجبور نہیں کرتا، جو شخص میری دعوت پسند کرتا ہے، قبول کرے، اور جو ناپسند کرتا ہے تو میں اسے مجبور نہیں کرتا، میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ قتل کیے جانے سے میرا دفاع کیا جائے، تا کہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا سکوں، لیکن ان قبائل میں سے کسی نے بھی آپ ﷺ کی طلب منظور نہیں کی، اور آپ ﷺ جب بھی کسی قبیلہ کے پاس جاتے تو وہ لوگ یہی کہتے کہ کسی آدمی کا قبیلہ اس کو زیادہ جانتا ہے، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک ایسا آدمی ہماری اصلاح کرے، جس نے اپنی قوم کو بگاڑ دیا ہے، اس لیے انہوں نے اسے الگ کر دیا ہے۔ زہریؒ کہتے ہیں کہ دراصل اللہ نے یہ سعادت انصار کے لیے لکھی تھی، چنانچہ اس کے ذریعہ اللہ نے انہیں عزت بخشی۔ ❶

❶ دیکھئے: المنحاف الوردي: ۱/۳۱٤-۳۲٤، السيرة النبوية، ابن كثير: ۲/۱۵۵-۱۷۲، صحيح السيرة النبوية، ابراهيم علي ص/ ۱۳۹-۱٤٤.

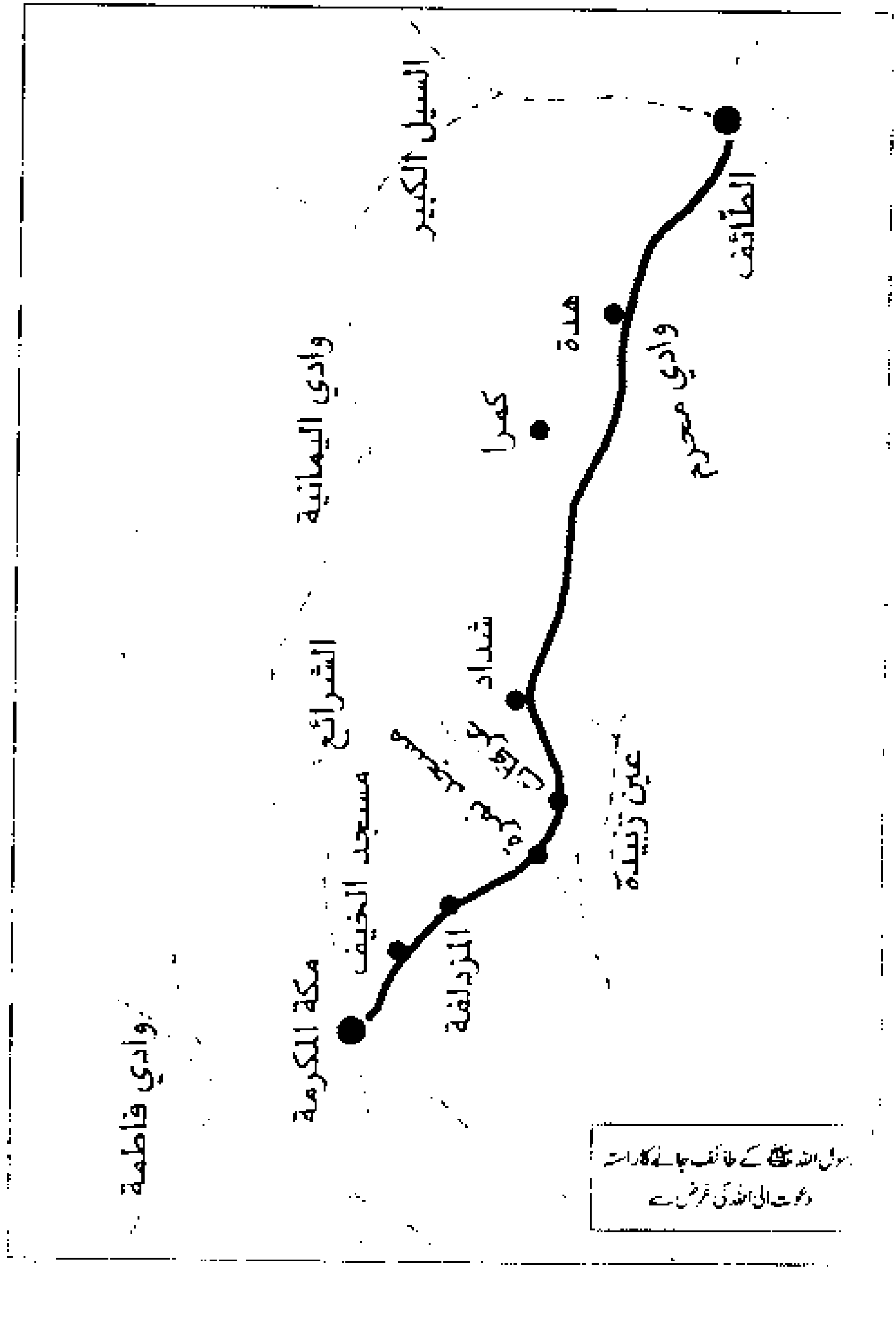
الطائف
السيل الكبير
هدة
وادي محرم
كمرا
وادي اليمانية
شداد
الشرائع
عين زبيدة
مسجد الخيف
المزدلفة
مكة المكرمة
وادي فاطمة
رسول اللہ ﷺ کے طائف جانے کا راستہ
دعوت الی اللہ کی غرض سے

دعوتِ اسلام اور اہلِ مدینہ

سوید بن صامت رضی اللہ عنہ کا اسلام:

بنی عمرو بن عوف کے سوید بن صامت حج یا عمرہ کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آئے۔ یہ اپنی قوم میں کبر سنی، صبر و شکیبائی، شعر گوئی اور اپنے شرف و نسب کی وجہ سے ''کامل'' کے نام سے جانے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ان کی آمد کی خبر ہوئی تو ان سے جا کر ملے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، تو سوید نے آپ ﷺ سے کہا: شاید تمہارے پاس اُسی جیسی چیز ہے جو میرے پاس ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: تمہارے پاس کون سی چیز ہے؟ انہوں نے کہا: حکمتِ لقمان۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: اُسے میرے سامنے پیش کرو، تو انہوں نے اُسے پیش کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کلام اچھا ہے، لیکن جو میرے پاس ہے، وہ اس سے بہتر ہے، میرے پاس قرآن پاک ہے، جسے اللہ نے مجھ پر نازل کیا ہے، اور وہ اللہ کی ہدایت اور اس کا نور ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کی تلاوت کی اور انہیں اسلام کی دعوت دی، تو انہوں نے اس کا انکار نہیں کیا اور کہا: یہ بات اچھی ہے۔ پھر وہاں سے چلے گئے۔

جب مدینہ واپس لوٹے تو کچھ ہی دنوں کے بعد خزرج والوں نے انہیں قتل کر دیا۔ ان کی قوم کے لوگ کہا کرتے تھے کہ ہمارا یقین ہے، وہ قتل ہونے سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ اُن کا قتل جنگِ بُعاث سے پہلے ہوا تھا۔ ❶

ایاس بن معاذ رضی اللہ عنہ کا اسلام:

اور ابو حیسر انس بن رافع مکہ مکرمہ آیا تو اس کے ساتھ بنی عبدالاشہل کے کچھ جوان تھے، انہی میں سے ایاس بن معاذ بھی تھے۔ یہ لوگ اپنی قوم خزرج والوں کی طرف سے قریش کی تائید و نصرت حاصل کرنے کے لیے آئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی خبر ہوئی تو ان کے پاس گئے اور فرمایا: کیا تمہیں اُس چیز سے زیادہ اچھی شے چاہیے جس کے لیے تم آئے ہو؟ انہوں نے کہا: وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ کے بندوں کو اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور مجھ پر اللہ نے اپنی کتاب نازل کی ہے، پھر آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کی تشریح کی اور قرآن کریم کی تلاوت کی۔

ایاس بن معاذ نے کہا: (جو ایک کم عمر نوجوان تھے) اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی قسم! یہ اس سے بہتر ہے جس کے لیے تم آئے ہو۔ ابو حیسر نے ایک مٹھی مٹی اُٹھائی اور ایاس بن معاذ کے چہرہ پر مار دی، اور کہا: تم اس بات کو چھوڑو، اللہ کی قسم! ہم کسی اور کام کے لیے آئے ہیں، ایاس چپ ہو گئے، اور رسول اللہ ﷺ وہاں سے چلے گئے، اور وہ لوگ مدینہ واپس چلے گئے، اور اس کے بعد ہی اوس و خزرج کے درمیان بُعاث کی جنگ چھڑ گئی، اور ایاس بن معاذ کی وفات ہو گئی۔ وفات سے پہلے اُن

---

❶ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/۱۷۳، ۱۷۴، دلائل البیہقی: ۲/ ۴۱۹.

کی قوم ان کی زبان سے تہلیل وتکبیر اور اللہ کی حمد وثنا کے کلمات سنتی رہی، یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی، ان لوگوں کو اس بارے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں تھا کہ اُن کی وفات حالتِ اسلام میں ہوئی تھی۔ ❶

چھ اہلِ مدینہ کی اسلام پر بیعت:

۱۱ نبوی کے موسم حج میں آپ ﷺ حسب عادت قبائل عرب سے ملنے کے لیے نکلے، تو عقبہ کے پاس آپ ﷺ کی ملاقات قبیلۂ خزرج کے چھ اشخاص سے ہوئی۔ اللہ کے علم کے مطابق اب اعلانِ اسلام اور نبی اسلام ﷺ کے اعزاز کا وقت بالکل قریب ہو چکا تھا، ان حضرات کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

بنو نجار کے ابو امامہ اَسعد بن زرارہ، عوف بن حارث بن عفراء، بنو زریق کے رافع بن مالک بن عجلان، بنو سلمہ کے قُطبہ بن عامر بن حدیدہ، بنو حرام بن کعب کے عقبہ بن عامر بن نابی، اور عبید بن عدی ابن سلمہ کے جابر بن عبداللہ بن رئاب۔

آپ ﷺ ان کے پاس گئے اور فرمایا: آپ لوگ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم قبیلۂ خزرج کے ہیں، آپ ؐ نے فرمایا: کیا وہی جو یہودیوں کے ساتھ معاہدہ رکھتے ہیں، انہوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ بیٹھنا چاہو گے تاکہ میں تم سے بات کروں، انہوں نے کہا: ہاں، پھر وہ سب آپ ؐ کے ساتھ بیٹھ گئے تو آپ ﷺ نے انہیں بتایا کہ اللہ نے آپ کو اپنی نبوت کے لیے چُن لیا ہے، اور انہیں اللہ کی طرف بلایا، اور ان کے سامنے اسلام کی تشریح کی اور قرآن کی تلاوت کی۔

یہ لوگ یہودیوں سے سُنا کرتے تھے کہ ایک نبی کی بعثت کا زمانہ قریب آچکا ہے، اور یہ کہ وہ بنی غالب کا ایک فرد ہوگا، جب رسول اللہ ﷺ کی بات ختم ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: اے قوم کے لوگو! جان لو کہ یہی وہ نبی ہیں جن کا نام لے کر یہود تمہیں دھمکی دیتے ہیں، دیکھو، ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ تم سے پہلے ان پر ایمان لے آئیں، چنانچہ وہ سب نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئے، اور ان کی تصدیق کی اور آپ ﷺ نے اسلام سے متعلق جو باتیں ان کے سامنے پیش کی تھیں انہیں قبول کرلیا، اور ان کی اتباع کا وعدہ کیا، اور کہنے لگے کہ ہم اپنی قوم کو اس حال میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ ان سے زیادہ دنیا کی کسی قوم کے درمیان دشمنی اور بغض وحسد کی آگ نہ بھڑکی ہوگی، اور امید ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ متحد کردے گا۔ ہم مدینہ پہنچتے ہی ان کے سامنے آپ ﷺ کی دعوت کو رکھیں گے، اور انہیں اسے قبول کرنے کی رغبت دلائیں گے، اگر اللہ نے ان سب کو آپ کی دعوت پر اکٹھا کردیا تو آپ سے زیادہ کوئی معزز آدمی نہیں ہوگا، اور آئندہ سال موسم حج میں آپ سے ملنے کا وعدہ کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ اس پر راضی ہوگئے۔ پھر وہ لوگ اپنے وطن چلے گئے اور اپنی قوم کو خفیہ طور پر اسلام کی دعوت دینے لگے، انہیں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتایا اور اُن کے سامنے اس دعوت کی تشریح کی جس کے ساتھ اللہ نے آپ ﷺ کو مبعوث کیا تھا، اور انہیں قرآن بھی سُنایا، یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں سے کوئی گھر ایسا باقی نہ رہا جس کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا ہو، اس طرح اسلام بڑی تیزی کے ساتھ ان میں پھیلنے لگا، اور ہر گھر میں نبی کریم ﷺ کا ذکرِ خیر ہونے لگا۔ ❷

---

❶ صحیح السیرۃ النبویۃ، ابراھیم علی: ص/ ۱۴۴، مسند احمد: ۵/ ۴۲۷، اس کی سند حسن ہے، سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۴۲۷، ۴۲۸۔

❷ دیکھئے: سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۴۲۸ - ۴۳۰، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/ ۱۷۶، اتحاف الوریٰ: ۱/ ۳۱۵-۳۱۸۔

دوسرے سال موسم حج میں انصار کے بارہ آدمی مکہ آئے، ان میں سے پانچ (جابرؓ کے سوا) تو وہی تھے جن کا ذکر آ چکا، اور ان کے علاوہ مندرجہ ذیل لوگ تھے:

معاذ بن عفراء، ذکوان بن عبد قیس، عبادہ بن صامت، یزید بن ثعلبہ، عباس بن عبادہ۔ یہ دسوں قبیلۂ خزرج کے تھے، اور قبیلۂ اوس کے دو تھے، عویم بن ساعدہ اور ابوالہیثم مالک بن تیہان۔

یہ بارہ آدمی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عقبہ میں جمع ہوئے، اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امام بخاریؒ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں ان لوگوں کے ساتھ تھا جو عقبہ کے پاس پہلی بیعت میں موجود تھے، اور ہم بارہ آدمی تھے، اور ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعۃ النساء جیسی بیعت کی (یعنی ان عورتوں کی بیعت جیسی جس کا حکم فتح مکہ کے وقت نازل ہوا تھا) کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گے، چوری نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے، بہتان تراشی نہیں کریں گے، اور کسی نیکی کے کام میں اللہ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے یہ عہد پورا کیا تو تمہیں جنت ملے گی اور اگر تم نے ان گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو تمہارا معاملہ اللہ کے حوالے ہوگا، چاہے گا تو تمہیں عذاب دے گا، اور چاہے گا تو تمہیں معاف کر دے گا۔ [1]

سیّدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ میں بحیثیت داعی ومعلم:

جب وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے لوٹ کر مدینہ جانے لگے تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف رضی اللہ عنہ کو بھیجا، اور انہیں حکم دیا کہ وہ انہیں قرآن پڑھنا سکھائیں اور اسلام کی تعلیم دیں۔ مصعبؓ مدینہ میں اسعد بن زرارہؓ کے پاس رہنے لگے اور مقری کے نام مشہور ہو گئے، اور نماز میں ان کی امامت کرنے لگے، اس لیے کہ اوس وخزرج نے اسے پسند نہیں کیا کہ ان میں سے کوئی ان کی امامت کرے۔

ایک دن اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ انہیں لے کر بنی عبدالاشہل کے علاقہ میں گئے اور بنی ظفر کے ایک باغ میں داخل ہوئے، وہاں سعد بن معاذ کو ان کے آنے کی خبر ہوئی، اسعد بن زرارہؓ ان کے خالہ زاد بھائی تھے۔ سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا: تم اسعد بن زرارہ کے پاس جاؤ، اسے ڈانٹ پلاؤ اور کہو کہ کوئی بھی ایسا کام نہ کرے جسے ہم پسند نہیں کرتے، مجھے خبر ملی ہے کہ وہی اس اجنبی آدمی کو اپنے ساتھ لایا ہے جو ہمارے ناتوانوں اور کمزوروں کو بے وقوف بنا رہا ہے، اگر میرے اور اس کے درمیان قرابت نہ ہوتی تو تمہارے بجائے میں خود ہی اس سے نمٹ لیتا۔

اُسید بن حضیر نے اپنا نیزہ لیا اور چل کر اُن دونوں کے پاس آئے، جب اُسعد بن زُرارہؓ نے انہیں دیکھا تو مصعب بن عمیرؓ سے کہا: یہ اپنی قوم کا سردار تمہارے پاس آ رہا ہے، تم اسے اسلام میں داخل ہونے کے لیے پوری محنت کرو۔ مصعبؓ نے کہا: اگر وہ بیٹھ جائے گا تو میں اس سے بات کروں گا۔ اُسید ان دونوں کے سامنے کھڑے ہو کر بُرا بھلا کہنے لگے، نیز کہا: اے اسعد! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس اجنبی آدمی کو ہمارے پاس لائے ہو جو ہمارے ناداروں اور کمزوروں کو بے وقوف بناتا ہے؟ انہوں نے کہا: کیا تم بیٹھ کر بات سُننا پسند کرو گے، اگر تمہیں ہماری بات اچھی لگے تو اسے قبول کر لینا اور اگر بُری لگے تو پھر تمہیں

---

[1] صحیح البخاری، حدیث (۳۸۹۳)، صحیح مسلم، حدیث (۱۷۰۹)، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/ ۱۷۹.

ایسا باقی نہ رہا جس نے اسلام کو قبول نہیں کیا۔

مصعب بن عمیرؓ اس کے بعد اسعد بن زرارہؓ کے گھر لوٹ آئے، اور لوگوں کو پوری تندہی کے ساتھ اسلام کی دعوت دیتے رہے، یہاں تک کہ انصار کا کوئی گھر ایسا باقی نہیں رہا جس میں مسلمان مرد اور عورتیں نہ پائی جاتی ہوں، سوائے بنی اُمیہ بن زید، خطمہ، وائل اور واقف کے گھروں کے۔

اور ایسا اس لیے ہوا کہ اُن میں ابوقیس بن سلت نامی ایک شاعر تھا، جس کی بات وہ لوگ سنتے تھے اور اس کی اطاعت کرتے تھے، یہ شخص ان کے اسلام لانے کی راہ میں حائل ہوگیا اور انہیں اسلام میں داخل ہونے سے روکتا رہا، غزوۂ خندق کے بعد تک ان کا یہی حال رہا۔ اور اس شاعر کو اسلام سے عبداللہ بن اُبَی بن سلول روکتا رہا، جس کو اسی شاعر نے ہی نبی کریم ﷺ کے بارے میں بتایا تھا کہ یہی وہ آدمی ہے جس کی بشارت یہودیوں نے دی تھی۔

اسی سبب سے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی صداقت کا علم رکھتے ہوئے، اس نے قبولِ حق سے اعراض کیا۔ یہ شخص زمانۂ جاہلیت میں تارکِ دنیا ہوگیا تھا، بُت پرستی کو چھوڑ دیا تھا، اور ناپاکی کے بعد غسل کرتا تھا، اس نے نصرانیت کو قبول کرنا چاہا، پھر ایسا نہیں کیا، اس نے اپنے لیے ایک خاص مسجد بنائی تھی اور کہتا تھا: "لوگو! ابراہیمؑ کے الٰہ کی عبادت کرو۔"

ابن اثیر رحمہ اللہ نے اُسد الغابہ میں لکھا ہے: جب اس کی موت کا وقت قریب ہوا تو نبی کریم ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ کہتے ہوئے سنا گیا: لا إله إلا الله۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ موسمِ حج آنے سے پہلے ہی مکہ لوٹ گئے، اور نبی کریم ﷺ کو مدینہ میں تیزی کے ساتھ اسلام پھیلنے کی خوشخبری دی، اور بتایا کہ وہاں اسلام ہر گھر میں داخل ہو چکا ہے۔ مصعب رضی اللہ عنہ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے اسعد بن زرارہؓ کی مدد سے مدینہ میں مسلمانوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی۔ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے کا ہے، اُس دن اُن نمازیوں کی تعداد چالیس تھی۔ ❶

❁❁❁❁

---

❶ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/۱۷۶-۱۹۰، دلائل النبوۃ: ۲/۴۳۰-۴۴۰، عیون الأثر: ۱/۲۴۶-۲۴۸، صحیح السیرۃ النبویۃ، ابراہیم علی: ص/۱۴۶-۱۵۰۔

ایسا باقی نہ رہا جس نے اسلام کو قبول نہیں کیا۔

مصعب بن عمیرؓ اس کے بعد اسعد بن زرارہؓ کے گھر لوٹ آئے، اور لوگوں کو پوری تندہی کے ساتھ اسلام کی دعوت دیتے رہے، یہاں تک کہ انصار کا کوئی گھر ایسا باقی نہیں رہا جس میں مسلمان مرد اور عورتیں نہ پائی جاتی ہوں، سوائے بنی اُمیہ بن زید، خطمہ، وائل اور واقف کے گھروں کے۔

اور ایسا اس لیے ہوا کہ اُن میں ابوقیس بن سلت نامی ایک شاعر تھا، جس کی بات وہ لوگ سنتے تھے اور اس کی اطاعت کرتے تھے، یہ شخص ان کے اسلام لانے کی راہ میں حائل ہوگیا اور انہیں اسلام میں داخل ہونے سے روکتا رہا، غزوۂ خندق کے بعد تک ان کا یہی حال رہا۔ اور اس شاعر کو اسلام سے عبداللہ بن اُبی بن سلول روکتا رہا، جس کو اسی شاعر نے ہی نبی کریم ﷺ کے بارے میں بتایا تھا کہ یہی وہ آدمی ہے جس کی بشارت یہودیوں نے دی تھی۔

اسی سبب سے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی صداقت کا علم رکھتے ہوئے، اس نے قبولِ حق سے اعراض کیا۔ یہ شخص زمانۂ جاہلیت میں تارکِ دنیا ہوگیا تھا، بُت پرستی کو چھوڑ دیا تھا، اور ناپاکی کے بعد غسل کرتا تھا، اس نے نصرانیت کو قبول کرنا چاہا، پھر ایسا نہیں کیا، اس نے اپنے لیے ایک خاص مسجد بنائی تھی اور کہتا تھا: ''لوگو! ابراہیم کے الٰہ کی عبادت کرو۔''

ابن اثیر رحمہ اللہ نے اُسد الغابہ میں لکھا ہے: جب اس کی موت کا وقت قریب ہوا تو نبی کریم ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ کہتے ہوئے سنا گیا: لا إله إلا الله .

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ موسمِ حج آنے سے پہلے ہی مکہ لوٹ گئے، اور نبی کریم ﷺ کو مدینہ میں تیزی کے ساتھ اسلام پھیلنے کی خوشخبری دی، اور بتایا کہ وہاں اسلام ہر گھر میں داخل ہو چکا ہے۔ مصعب رضی اللہ عنہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اسعد بن زرارہؓ کی مدد سے مدینہ میں مسلمانوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی۔ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے کا ہے، اُس دن اُن نمازیوں کی تعداد چالیس تھی۔ ❶

❶ السیرة النبویة، ابن کثیر: ۲/۱۷٦-۱۹۰، دلائل النبوة: ۲/ ٤۳۰-٤٤۰، عیون الأثر: ۱/ ۲٤٦-۲٤۸، صحیح السیرة النبویة، ابراهیم علی: ص/ ۱٤٦-۱۵۰.

معراجِ نبوی

انہی دنوں جب اسلام کی دعوت کفار قریش کے گوناگوں مظالم کے باجود مکہ مکرمہ، یثرب (مدینہ منورہ) اور دیگر عرب قبائل کے درمیان تیزی کے ساتھ پھیل رہی تھی، ۱۲ نبوی میں معراجِ نبوی کا واقعہ ہوا، اور پانچوں نمازیں فرض کی گئیں، نیز موسم حج میں اشخاص وقبائل کے سامنے دعوتِ اسلامیہ کو پیش کرنے کے بہت سارے مثبت نتائج ظاہر ہوئے۔

اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عظیم واقعہ سے متعلق یہاں کچھ لکھتا چلوں جو اسی سال وقوع پذیر ہوا، جس سال مقامِ عقبہ پر مدینہ والوں نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر پہلی بار بیعت کی۔ اس کے بعد ان شاء اللہ مقامِ عقبہ پر دوسری بیعت نیز نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کی مدینہ کی طرف ہجرت کے بارے میں لکھوں گا۔

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے واقدی سے ان کے مشائخ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا آسمانی سفر سنیچر کی رات ۱۷/ رمضان المبارک ۱۲ نبوی میں ہجرت سے اٹھارہ (۱۸) ماہ پہلے ہوا تھا۔ ❶

واقدی نے اپنے اساتذہ ومشائخ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ۱۷ ربیع الاول کی رات میں ہوئی اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے اور اسی کو قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب الشفاء میں راجح قرار دیا ہے۔ ❷

کچھ لوگوں نے کہا ہے: معراج کا واقعہ رمضان میں ہجرت سے چھ ماہ پہلے ہوا، ایک قول یہ بھی ہے کہ ہجرت سے آٹھ ماہ پہلے ہوا، اس قول کے مطابق معراج ماہ رجب میں ہوا تھا، اور ابن الجوزیؒ نے اپنے شیخ ابو الفضل بن ناصر کے حوالے سے اسی کو ترجیح دی ہے، وہ کہتے ہیں کہ معراج ۲۷/ رجب کی رات میں ہوئی۔

اور بخاری، مسلم، احمد، نسائی اور ترمذی نے انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ مالک بن صعصعہؓ نے ان سے حدیث بیان کی کہ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کے سامنے معراج کی رات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا۔ یا شاید کہا کہ میں حجر میں لیٹا ہوا تھا۔ تو ایک آنے والا میرے پاس آیا، اور میرے جسم کو یہاں سے یہاں تک چاک کر دیا، میں نے جارود سے پوچھا جو میرے بغل میں تھے کہ اس سے کیا مراد ہے، تو انہوں نے کہا: آپ کے سینے سے آپ کی ناف تک، اور میں نے ان سے یہ کہتے ہوئے سنا: آپ کے سینے کی بالائی ہڈی سے آپ کی ناف تک، پھر اس نے میرا دل نکالا، پھر اس کے لیے سونے کا بنا ایک طشت جو ایمان سے بھرا ہوا تھا، لایا گیا، پھر میرے دل کو دھویا گیا، پھر ایمان سے بھر دیا گیا، پھر اُسے جوں کا توں لوٹا دیا گیا، پھر میرے لیے ایک سفید جانور لایا گیا، جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔ جارود نے ان سے پوچھا: اے ابو حمزہ! کیا وہ براق تھا، تو انسؓ نے کہا: ہاں، وہ اپنی ٹاپ انسان کی منتہائے نگاہ کے پاس رکھتا تھا، پھر میں اس پر

❶ الوفاء: ۱/ ۲۴۹. ❷ الشفاء: ۱/ ۱۰۸.

سوار کر دیا گیا، پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چلے، یہاں تک کہ میں آسمان دنیا پر آ گیا، وہاں دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا:
پوچھا گیا یہ کون ہے؟ کہا: جبریل، پوچھا گیا: اور آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا: ہاں، کہا گیا: ان کو خوش آمدید کہتا ہوں، کیا ہی اچھا آنے والا آیا ہے، پھر دروازہ کھول دیا گیا، جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں آدم علیہ السلام تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ کے باپ آدم ہیں، انہیں سلام کیجیے، تو میں نے انہیں سلام کیا، اور انہوں نے سلام کا جواب دیا، پھر کہا: خوش آمدید کہتا ہوں، نیک بیٹے اور نیک نبی کو۔

پھر مجھے اُوپر لے جایا گیا، یہاں تک کہ دوسرا آسمان آ گیا، اس کا دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: جبریل۔ پوچھا گیا: اور آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا انہیں بلا بھیجا گیا ہے؟ جبریلؑ نے کہا: ہاں، کہا: انہیں میں خوش آمدید کہتا ہوں، بہت ہی اچھا آنے والا آیا ہے، پھر دروازہ کھول دیا گیا، جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام ملے، یہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی تھے، جبریلؑ نے کہا: یہ یحییٰ اور عیسیٰ ہیں، انہیں آپ سلام کیجیے، میں نے سلام کیا، تو دونوں نے جواب دیا، اور کہا: ہم خوش آمدید کہتے ہیں اپنے نیک بھائی اور نیک نبی کو۔

پھر مجھے تیسرے آسمان تک لے جایا گیا، اور دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو پوچھا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: جبریل۔ پوچھا گیا: اور آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا انہیں بلا بھیجا گیا ہے؟ کہا: ہاں، کہا گیا: انہیں خوش آمدید کہتا ہوں، بہت ہی اچھا آنے والا آیا ہے، پھر دروازہ کھول دیا گیا، جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں یوسفؑ ملے، جبریلؑ نے کہا: یہ یوسفؑ ہیں، انہیں سلام کیجیے، میں نے انہیں سلام کیا، تو انہوں نے جواب دیا، اور کہا: خوش آمدید ہو نیک بھائی اور نیک نبی کو۔

پھر مجھے چوتھے آسمان تک لے جایا گیا، اور دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو پوچھا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: جبریل۔ پوچھا گیا: اور آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا انہیں بلا بھیجا گیا ہے؟ کہا: ہاں، کہا گیا: ان کو خوش آمدید کہتا ہوں، بہت ہی اچھا آنے والا آیا ہے، پھر دروازہ کھول دیا گیا، جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں ادریسؑ ملے، جبریلؑ نے کہا: یہ ادریسؑ ہیں، انہیں سلام کیجیے، میں نے انہیں سلام کیا، تو انہوں نے جواب دیا، اور کہا: خوش آمدید ہو نیک بھائی اور نیک نبی کو۔

پھر مجھے پانچویں آسمان تک لے جایا گیا، اور دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو پوچھا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: جبریل۔ پوچھا گیا: اور آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا انہیں بلا بھیجا گیا ہے؟ کہا: ہاں، کہا گیا: انہیں میں خوش آمدید کہتا ہوں، بہت ہی اچھا آنے والا آیا ہے، پھر دروازہ کھول دیا گیا، جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں ہارونؑ ملے، جبریلؑ نے کہا: یہ ہارونؑ ہیں، انہیں سلام کیجیے، میں نے انہیں سلام کیا، تو انہوں نے جواب دیا، اور کہا: خوش آمدید ہو نیک بھائی اور نیک نبی کو۔

پھر مجھے چھٹے آسمان تک لے جایا گیا، اور دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو پوچھا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: جبریل۔ پوچھا گیا: اور آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا انہیں بلا بھیجا گیا ہے؟ کہا: ہاں، کہا گیا: انہیں میں خوش آمدید کہتا ہوں، بہت ہی اچھا آنے والا آیا ہے، پھر دروازہ کھول دیا گیا، جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں موسیٰ علیہ السلام ملے، جبریلؑ نے کہا: یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں، انہیں سلام کیجیے، میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا، اور کہا: خوش آمدید ہو نیک بھائی اور نیک نبی کو۔ جب میں ان سے آگے بڑھا، تو رونے لگے، ان سے پوچھا گیا: آپ کیوں روتے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں اس لیے

روتا ہوں کہ ایک لڑکا جو میرے بعد مبعوث ہوا، اس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوں گے۔

پھر مجھے ساتویں آسمان تک لے جایا گیا، وہاں جبریل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو پوچھا گیا: یہ کون ہے؟ کہا: جبریل۔ پوچھا گیا: اور آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا انہیں بلا بھیجا گیا ہے؟ کہا: ہاں، کہا: انہیں میں خوش آمدید کہتا ہوں، بہت ہی اچھا آنے والا آیا ہے، جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں ابراہیم ملے، جبریلؑ نے کہا: یہ آپ کے باپ ہیں، انہیں سلام کیجیے، میں نے انہیں سلام کیا، تو انہوں نے جواب دیا، اور کہا: خوش آمدید ہو نیک بیٹے اور نیک نبی کو۔

پھر مجھے اوپر اٹھا کر سدرۃ المنتہیٰ کے قریب کر دیا گیا، جس کے پھل ہجر کے مٹکوں کے مانند تھے، اور جس کے پتے ہاتھیوں کے کانوں کے مانند۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے، وہاں چار نہریں تھیں، دو اندر اور دو باہر، میں نے پوچھا: یہ نہریں کیسی ہیں؟ کہا: اندر کی دو نہریں جنت میں بہہ رہی ہیں، اور باہر کی دو نہریں، نیل اور فرات ہیں۔

پھر مجھے بیت معمور تک اُٹھا کر لے جایا گیا، اور وہاں میرے لیے شراب کا ایک پیالہ، اور ایک پیالہ دودھ کا، اور ایک پیالہ شہد کا لایا گیا، میں نے دودھ کا پیالہ لے لیا، تو جبریلؑ نے کہا: یہی وہ فطرت ہے جس پر آپ، اور آپ کی اُمت کے لوگ ہیں۔

نماز کا فرض ہونا:

پھر مجھ پر روزانہ پچاس نمازیں فرض کی گئیں، لوٹتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، تو انہوں نے پوچھا: آپ کو کیا حکم دیا گیا ہے؟ میں نے کہا: مجھے روزانہ پچاس نمازوں کا حکم دیا گیا ہے، انہوں نے کہا: آپ کی امت روزانہ پچاس نمازیں ادا نہیں کر سکتی۔ اللہ کی قسم! میں نے آپ سے پہلے لوگوں کا خوب تجربہ کیا ہے، اور بنی اسرائیل کے ساتھ بہت جھیلا ہے، آپ اپنے رب کے پاس واپس جائیے اور اپنی امت کے لیے تخفیف طلب کیجیے، میں واپس گیا، تو اللہ نے دس نمازیں کم کر دیں، پھر لوٹ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے اپنی پہلی بات دہرائی، میں واپس گیا، تو اللہ نے دس نمازیں اور کم کر دیں، میں پھر موسیٰ کے پاس لوٹ کر گیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی، میں پھر لوٹ کر اپنے رب کے پاس گیا تو اس نے پھر دس نمازیں کم کر دیں، میں پھر لوٹ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی، میں پھر لوٹ کر گیا تو مجھے روزانہ دس نمازوں کا حکم دیا گیا، میں لوٹ کر گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی بات کہی، تو میں پھر لوٹ کر گیا تو مجھے روزانہ پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ کی امت روزانہ پانچ نمازوں کی استطاعت نہیں رکھتی، میں نے آپ سے پہلے لوگوں کا خوب تجربہ کیا ہے، اور بنی اسرائیل کے ساتھ بہت جھیلا ہے، آپ پھر لوٹ کر اپنے رب کے پاس جائیے، اور اپنی امت کے لیے تخفیف طلب کیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے بار بار طلب کیا، یہاں تک کہ اب مجھے شرم آنے لگی ہے، میں اس آخری بات پر راضی ہوں اور اسے تسلیم کرتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب میں آگے بڑھا تو ایک منادی نے آواز لگائی، میں نے اپنا حکم نافذ کر دیا، اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔ [1]

---

[1] صحیح بخاری: حدیث (۳۸۸۷)، صحیح مسلم، حدیث (۱۶۴)، مسند احمد (۴/۲۰۸-۲۱۰)، نسائی: ۱/۲۱۷، ترمذی، حدیث (۳۳۴۶).

معراج جسمانی ہوئی:

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے: صحیح یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو آپ کے جسدِ مبارک کے ساتھ رات کے وقت مسجدِ حرام سے بیت المقدس بُراق پر سوار کر کے لے جایا گیا، آپ ﷺ کے ساتھ جبریل علیہ السلام تھے، وہاں آپ اُترے اور انبیائے کرام کو امام بن کر نماز پڑھائی، اور بُراق کو مسجد کے دروازے کی کنڈی کے ساتھ باندھ دیا، پھر آپ ﷺ کو اسی رات بیت المقدس سے آسمانِ دنیا کی طرف لے جایا گیا۔ ❶

ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا آپ ﷺ نے اس رات اپنے ربّ کو دیکھا تھا؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی صحیح قول یہی ہے کہ آپ نے اپنے ربّ کو دیکھا، اور ان سے یہ بھی صحیح مروی ہے کہ انہوں نے کہا: آپ ﷺ نے اللہ کو اپنے دل کے ذریعہ دیکھا، اور سیدہ عائشہؓ اور ابن مسعودؓ نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى﴾ [النجم: ١٣-١٤] ..... ''اور انہوں نے اس فرشتہ کو دوسری بار بھی دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔'' ..... سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔

اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث مروی ہے، انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے ربّ کو دیکھا تھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایک نور دیکھا، اللہ کو کہاں دیکھ سکتا تھا۔ ❷ یعنی میرے اور اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے درمیان ایک نور حائل تھا، جیسا کہ ایک دوسری روایت میں آیا ہے، میں نے ایک نور کو دیکھا ہے۔ ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: عثمان بن سعید دارمی نے صحابہ کا اتفاق نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔

واقعۂ معراج اور کفارِ قریش کا موقف:

نبی کریم ﷺ نے جب مکہ میں صبح کی تو اس معاملے سے بہت گھبرائے اور سوچنے لگے کہ لوگ یقیناً انہیں جھٹلا دیں گے، اس لیے سب سے الگ تھلگ مہموم و مغموم بیٹھ گئے۔ آپ کے پاس سے ابوجہل گزرا، اور آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گیا، اور استہزاء آمیز انداز میں کہنے لگا، کیا کوئی نئی بات ہوئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اس نے کہا: وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے گزشتہ رات یہاں سے لے جایا گیا تھا، اس نے کہا: کہاں، آپ نے فرمایا: بیت المقدس، اس نے کہا: پھر صبح کے وقت یہاں پہنچ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

ابوجہل نے سوچا کہ اگر میں نے اسے ابھی جھٹلا دیا تو لوگوں کے آنے کے بعد اپنی بات کا انکار کر بیٹھے گا، اس نے کہا: اگر میں تمہاری قوم کے لوگوں کو بلاؤں تو کیا تم انہیں وہ سب کچھ بتاؤ گے جو تم نے مجھے بتایا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اس نے کہا: اے بنی کعب بن لؤی کے لوگو! یہاں آؤ، یہ سنتے ہی لوگ اس کے پاس آکر بیٹھ گئے، ابوجہل نے کہا: اپنی قوم کے لوگوں کو بتاؤ، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے رات کو یہاں سے دور لے جایا گیا تھا، لوگوں نے پوچھا: کہاں، کہا: بیت المقدس، لوگوں نے پوچھا: پھر صبح کے وقت تم ہمارے درمیان پہنچ گئے، آپ نے فرمایا: ہاں، پھر تو کوئی تالی بجانے لگا، اور کسی

---

❶ زاد المعاد: ٣/ ٣٢، ٣٣.

❷ صحیح مسلم، حدیث (١٧٨، ٢٩١، ٢٩٢).

نے اس جھوٹ پر تعجب کرتے ہوئے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا، پھر سب نے مل کر کہا: کیا تم بیت المقدس کے بارے میں ہمیں بتا سکتے ہو؟ اور حاضرین میں ایسے لوگ موجود تھے، جنہوں نے فلسطین کا سفر کیا تھا، اور بیت المقدس کو دیکھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اس کا وصف بیان کرنے لگا، تو بعض باتوں کے سلسلہ میں شبہ میں پڑ گیا، اچانک بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا گیا، اور میں اُسے دیکھنے لگا، اسے دار عقیل سے بھی زیادہ قریب لا کر رکھ دیا گیا، میں اُسے دیکھ رہا تھا، اور اس کا وصف بیان کر رہا تھا، لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم! وصف تو بالکل صحیح ہے۔ ❶

امام بخاری رحمہ اللہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا: جب قریش والوں نے مجھے جھٹلا دیا تو میں حجر میں تھا، اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا، میں اسے دیکھ کر اس کی نشانیاں بیان کرنے لگا، اس حدیث کو امام مسلم، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے۔ ❷

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا موقف:

حاکم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب آپ ﷺ کو رات کے وقت مسجد اقصیٰ لے جایا گیا، تو مکہ میں لوگ آپس میں خوب باتیں کرنے لگے، اور کئی لوگ ایمان سے پھر گئے، اور دوڑ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور اُن سے کہا: کیا تمہیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارا دوست یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ اسے رات میں بیت المقدس لے جایا گیا ہے؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا انہوں نے ایسا کہا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں، تو ابوبکرؓ نے کہا: اگر انہوں نے یہ بات کہی ہے تو سچ ہے، لوگوں نے کہا: کیا تم اس کی اس بات کو مانتے ہو کہ وہ رات بیت المقدس گیا اور صبح سے پہلے واپس آ گیا؟ انہوں نے کہا: ہاں، میں تو ان کی اس سے زیادہ اہم اور تعجب خیز بات کو مانتا ہوں، میں مانتا ہوں کہ صبح یا شام کسی وقت بھی آپ ﷺ کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے۔ اسی لیے اُن کا نام ابوبکر صدیق پڑ گیا۔ ❸

نبی کریم ﷺ کے اس مبارک آسمانی سفر میں جن معجزات اور مفید نتائج کا ظہور ہوا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- آپ ﷺ کا سینۂ مبارک چاک کیا گیا، پھر آپ ﷺ کے دل کو نکال کر دھویا گیا اور اسے ایمان سے بھر دیا گیا، پھر آپ ﷺ کے سینۂ مبارک میں اُسے لوٹا دیا گیا۔

۲- آپ ﷺ کے سامنے شراب، شہد اور دودھ لایا گیا، تو آپ نے دودھ کو پسند کیا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ نبی کریم ﷺ نے اس فطرت کو پسند کیا، جس پر آپ قائم ہیں، اور آپؐ کے بعد آپ کی امت اس پر قائم رہے گی۔

۳- آپ ﷺ نے جنت میں چار نہریں دیکھیں؛ دو نہریں اندر کی طرف سے اور دو باہر کی طرف سے، اور وہ دونوں دریائے نیل و فرات تھے۔

۴- آپ ﷺ نے داروغۂ جہنم مالک کو دیکھا جو ہنستا نہیں تھا، اور اس کے چہرے پر خوشی اور شادمانی کا کوئی نشان نہیں تھا، اور

---

❶ دلائل البیہقی: ۲/ ۳۶۲، اور اس کے بعد، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/ ۱۰۷۔ ❷ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/ ۱۰۸۔

❸ المستدرک: ۳/ ۶۲، ۶۳۔ امام حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے، اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے، اور اس حدیث کو ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔

آپ ﷺ نے جنت اور جہنم کو دیکھا۔

۵- آپ ﷺ نے ان لوگوں کو دیکھا جو یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں، ان کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کے مانند تھے، وہ اپنے منہ میں آگ کے ٹکڑے ڈالتے جاتے تھے جو ان کے پیچھے کے راستے سے نکل رہے تھے۔

۶- آپ ﷺ نے سود کھانے والوں کو دیکھا، ان کے پیٹ بڑے بڑے تھے، جن کے سبب وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے تھے، اور ان کے پاس سے آل فرعون کے لوگ گزرتے تھے جنہیں آگ میں لے جایا جا رہا تھا، وہ انہیں اپنے پاؤں سے روندر ہے تھے۔

۷- آپ ﷺ نے زناکاروں کو دیکھا، ان کے ہاتھوں میں اچھا، تازہ گوشت تھا اور اس کے پاس ہی سڑا ہوا بدبودار گوشت تھا، وہ سڑا ہوا بدبودار گوشت کھاتے تھے، اور تر و تازہ گوشت چھوڑ دیتے تھے۔

۸- ایسی عورتوں کو دیکھا جو اپنے شوہروں کی اولاد میں ان بچوں کو داخل کرتی تھیں، جو ان کے نہیں ہوتے تھے، وہ اپنی چھاتیوں کے ذریعہ لٹکائی ہوئی تھیں۔

۹- آپ ﷺ نے اس مبارک سفر میں جاتے اور لوٹتے ہوئے اہل مکہ کے ایک تجارتی قافلہ کو دیکھا، اور قافلہ والوں کو ایک اونٹ کے بارے میں بتایا جو ان سے بچھڑ گیا تھا، اور آپ ﷺ نے ایک ڈھکے ہوئے برتن میں موجود ان کے پانی میں سے پیا، اُس وقت وہ لوگ سوئے ہوئے تھے، پھر آپ ﷺ نے برتن کو اسی طرح ڈھکا ہوا چھوڑ دیا، اور یہ بات معراج کی صبح آپ کے دعوے کی صداقت کی دلیل بنی۔

۱۰- آپ ﷺ اپنے رب کے قریب ہوئے، یہاں تک کہ دو کمان کی مسافت سے بھی زیادہ قریب ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو جو چاہا وحی کی۔

۱۱- آپ ﷺ اور آپ کی امت پر ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئیں، پھر اللہ کی جانب سے بطور تخفیف ہر روز پانچ نمازیں کر دی گئیں۔

۱۲- آپ ﷺ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے جایا گیا، پھر آپ ﷺ اپنے جسم و روح کے ساتھ حالت بیداری میں آسمانوں کی طرف لے جائے گئے۔ جمہور ائمہ مسلمین کے نزدیک یہی راجح ہے۔

۱۳- آپ ﷺ جب جنت کی سیر کر رہے تھے تو آپ ﷺ کا گزر ایک نہر کے پاس سے ہوا جس کے دونوں کنارے موتی کے قبوں کے تھے، آپ ﷺ نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ کوثر ہے، جسے آپ کے رب نے آپ کے لیے تیار کیا ہوا ہے، اس کی مٹی مشک کی مانند خوشبودار تھی۔ (صحیح بخاری، سنن ترمذی)

۱۴- آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو ان کے چھ سو پروں کے ساتھ دیکھا [illegible] (... ی ومسلم)

۱۵- آپ ﷺ کو اس رات تین چیزیں [illegible] پانچوں نمازیں، سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں، اور یہ خوشخبری کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائے گا اسے معاف کر دیا گیا۔ (مسلم)

۱۶- آپ ﷺ براق پر سوار ہو کر مکہ سے چلے اور اسے مسجد اقصیٰ کے دروازے کی کنڈی میں بندھا ہوا چھوڑ کر آسمانوں کی

سیر کے لیے روانہ ہوگئے، پھر اسی رات کی صبح مکہ واپس آ گئے، درآنحالیکہ آپ ﷺ کے دل ودماغ سے ہر تکلیف اور ہر حزن وملال زائل ہوگیا تھا اور پہلے سے کہیں زیادہ آپ ﷺ کو سکون واطمینان حاصل ہو چکا تھا۔

ان نتائج ونصائح کے آخر میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ واقعۂ معراج عقبہ کی پہلی بیعت کے بعد ہوا تھا، جب اسلام عرب قبائل میں مشہور ہوگیا تھا، اور مدینہ کے ہر گھر میں داخل ہوگیا تھا، اور فضا میں ایسی علامتیں ظاہر ہونے لگی تھیں کہ اب عنقریب ہی اسلام کا مرکز مکہ سے مدینہ منتقل ہو جائے گا۔ اور انصار مدینہ کو مکی سوسائٹی میں نبی کریم ﷺ پر ظلم وزیادتی کی خبریں نہایت درجہ تکلیف پہنچارہی تھیں۔ وہ آپس میں باتیں کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کب تک مشرکین قریش کے ذریعہ مکہ کے پہاڑوں میں بھگائے اور دوڑائے جائیں گے، اور انہیں آئندہ موسم حج کا شدید انتظار تھا، تاکہ مکہ پہنچ کر آپ سے ملاقات کریں، دل دہی کریں، اطمینان دلائیں، اور آپ ﷺ کے ساتھ عہد وپیمان کریں کہ وہ تمام مشرکین عرب سے آپ کی حفاظت وحمایت کریں گے، اور اس دین کا دفاع کریں گے، جس کے ساتھ آپ ﷺ اللہ کی جانب سے مبعوث ہوئے ہیں اور آپ ﷺ کو اس بات کا یقین دلائیں کہ وہ اپنی جانوں، اپنے مال اور ہر ممکن ذرائع ووسائل کو آپ کی خاطر لگانے کے لیے تیار ہیں۔

معراج نبوی کا یہ عظیم واقعہ اللہ کی جانب سے اعلان تھا کہ دعوتِ اسلامیہ کا ایک دور عنقریب ختم ہونے والا ہے جس میں اسلام کمزور اور مظلوم تھا، اور ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے جس میں آپ ﷺ اور آپ کی مبارک دعوت کو پے در پے کامیابیاں ملیں گی، اور ان سب میں اہم کامیابی یہ کہ اب دعوتِ اسلامیہ مکہ سے باہر نکلنا ہی چاہتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ آسمانی سفر، اللہ تعالیٰ سے آپ کا قربِ شدید اور مسجد اقصیٰ اور وہاں سے آسمانوں کی طرف جاتے ہوئے اور مکہ لوٹتے ہوئے آپ کا اللہ کی بہت سی نشانیوں کا مشاہدہ کرنا، مسجدِ اقصیٰ میں انبیائے کرام کی امامت کرانی، یہ ساری باتیں اس بات کا بیّن ثبوت تھیں کہ یہ دین عنقریب تمام ادیان پر غالب آجائے گا، اور سارے عالم میں پھیل جائے گا۔

اسی لیے جب ہم سورۃ الاسراء کی تلاوت کرتے ہیں، تو صرف پہلی آیت میں واقعۂ معراج کا ذکر پاتے ہیں، اس کے بعد مسلسل یہود کی فضیحتوں اور ان کی بداعمالیوں کا بیان ہے۔ اس اسلوب میں اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ یہود مدینہ بھی مشرکین عرب کی طرح مخاطب ہیں، اور یہ کہ اب نصرانیوں اور یہودیوں کا دور دینی اور روحانی قیادت کے میدان میں ختم ہو چکا، اور یہ کہ شرک باللہ کا عنقریب جزیرۂ عرب سے خاتمہ ہو جائے گا، اور اب اس جزیرہ میں دین اسلام کے سوا کسی مذہب وفکر کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، اور یہ کہ یہ دین بڑی تیزی کے ساتھ عالم عرب سے نکل کر سارے عالم میں پھیل جائے گا، اور تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی کچھ ہوا، جیسا کہ ہمیں عنقریب دعوتِ اسلامیہ کی تاریخ اور نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کو بیان کرتے ہوئے معلوم ہوگا۔ وباللہ التوفیق۔

❊❊❊❊

دوسری بیعتِ عقبہ

۱۳ نبوی میں جب حج کا وقت آیا تو وہ مسلمان جو مدینہ میں اسلام لا چکے تھے، انہوں نے اس سال حج کے لیے جانے اور وہاں رسول اللہ ﷺ سے ملنے کا ارادہ کیا، اور آپس میں بات کی کہ ہم کب تک رسول اللہ ﷺ کو اس طرح چھوڑ دیں گے کہ انہیں مکہ کے پہاڑوں میں بھگایا جائے اور انہیں ڈرایا جائے، چنانچہ وہ لوگ تقریباً ستر (۷۰) مرد یا اس سے ایک یا دو زیادہ اور دو عورتیں (نسیبہ بنت کعب امّ عمارہ رضی اللہ عنہا اور اسماء بنت عمرو امّ منیع رضی اللہ عنہا) اپنی قوم کے مشرک حجاج کے ساتھ۔ جن کی تعداد پانچ سو تھی۔ مکہ آئے، اور براء بن معرور رضی اللہ عنہ جو قوم کے سردار تھے اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا پتہ لگانے کے لیے نکلے، یہاں تک کہ مسجدِ حرام میں داخل ہو گئے، وہاں رسول اللہ ﷺ اور عباس رضی اللہ عنہ مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھے تھے، دونوں نے انہیں سلام کیا، اور آپ ﷺ کے ساتھ بات کرنے لگے۔ پھر اس وعدہ کے ساتھ نکل کر حج کے لیے چلے گئے کہ ایامِ تشریق کے دوسرے دن عقبہ کے پاس رسول اللہ ﷺ سے ملیں گے، جب وہ رات آئی تو انصار کے ساتھ جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام بھی گئے، جو سرداران مدینہ میں سے تھے، لوگوں نے ان سے کہا: اے ابو جابر! آپ ہمارے سرداروں اور معزز لوگوں میں سے ہیں اور ہم نہیں چاہتے کہ آپ کل قیامت کے دن جہنم کا ایندھن بنیں، یہ کہہ کر انہیں اسلام کی طرف بلایا اور ان کو عقبہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ سے اپنے ملنے کے وعدے کی خبر دی۔ وہ فوراً اسلام لے آئے اور ان کے ساتھ عقبہ کے اجتماع میں شریک ہوئے۔ یہ ابو جابر ان بارہ نقیبوں میں سے منتخب ہوئے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے بیعت کے وقت موجود انصار میں سے چنا تھا۔

شب موعود کی جب ایک تہائی گزر گئی تو ایک ایک، دو دو اور تین تین کر کے سب لوگ عقبہ کے پاس گھاٹی میں جمع ہوئے اور رسول اللہ ﷺ ان کے پاس اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے، ان دنوں وہ اپنی قوم کے دین پر تھے۔ انہوں نے خود چاہا کہ وہ اپنے بھتیجے کے ساتھ اس خفیہ اجتماع میں شریک ہوں اور ان کی جانب سے حالات کے بارے میں اطمینان کریں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان دونوں کے ساتھ ابو بکر اور علی رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ سیدنا عباسؓ نے علی رضی اللہ عنہ کو گھاٹی کے دہانے پر اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دوسرے راستے کی ابتدا میں بطور جاسوس کھڑا کر دیا۔ جب نبی کریم ﷺ بیٹھ گئے تو سب سے پہلے عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے بات کی، اور کہا: اے خزرج والو! (اس وقت تمام خزرجی اور اوسی انصار کو خزرج ہی کہا جاتا تھا) محمد (ﷺ) کا ہمارے دلوں میں جو مقام ہے وہ تم سب جانتے ہو، ہم نے اپنی قوم کی طرف سے ان کی حفاظت کی ہے، جو ہمارے ہی دین پر ہیں، اس لیے محمد (ﷺ) اپنے شہر اور اپنی قوم کے درمیان باعزت رہ رہے ہیں، لیکن انہوں نے خود تمہارے پاس جانا چاہا ہے، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ان سے اپنا وعدہ نبھاؤ گے اور ان کے مخالفین سے ان کا دفاع کرو گے تو پھر ٹھیک ہے، اور اگر مدینہ جانے کے بعد ان کو اکیلا چھوڑ دو گے اور انہیں ان کے دشمنوں کے حوالہ کر دو گے تو ابھی

سے انہیں چھوڑ دو، وہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں باعزت اور محفوظ زندگی گزار رہے ہیں۔

بیعت کی شرطیں:

یہ سن کر انصار نے عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ نے جو کہا وہ ہم نے سن لیا، اب اے اللہ کے رسول! آپ جو کہنا چاہتے ہیں کہیے، اور اپنے اور اپنے رب کے سلسلے میں جو ہم سے عہد و پیمان کرنا چاہتے ہیں بیان کیجیے، تو رسول اللہ ﷺ نے پہلے قرآن کی تلاوت کی، حاضرین اجتماع کو اللہ کی دعوت دی، اور سب کو دین اسلام کی ترغیب دلائی، پھر کہا: میں تم سب سے اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ تم میری حفاظت ان سب لوگوں سے کرو گے جن سے تم اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔

اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے (جس کے رجال ثقات ہیں) کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں اپنے رب کے لیے تم سے یہ مانگتا ہوں کہ تم اسی کی عبادت کرو گے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ گے، اور اپنے لیے یہ طلب کرتا ہوں کہ تم مجھے ان تمام لوگوں سے بچاؤ گے جن سے اپنے آپ کو بچاتے ہو۔ انصار نے کہا: اگر ہم نے ایسا کیا تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت۔ ❶

امام بیہقی نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر یہ بیعت کی:

۱- چستی اور سستی ہر حال میں آپ کی بات سنیں گے، اور فرمانبرداری کریں گے۔

۲- تنگی اور کشادگی ہر حال میں اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے۔

۳- بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔

۴- ہم اللہ کے لیے حق بات کہیں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔

۵- رسول اللہ ﷺ جب یثرب پہنچیں گے تو ان کی مدد کریں گے، اور اپنی جانوں، روحوں اور اپنے بیٹوں کے ذریعہ اُن کا دفاع کریں گے، اور ہمیں جنت ملے گی۔

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس روایت کی سند جید اور قوی ہے، اگرچہ دوسرے لوگوں نے اس حدیث کی روایت نہیں کی ہے۔ اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مروی ایک دوسری حدیث میں ہے:

۶- ہم حصولِ حکومت کے لیے سابق حکومت کے ساتھ نزاع نہیں کریں گے۔ ❷

یہ سن کر براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: ہاں، اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، ہم آپ کا دفاع ان سب لوگوں سے کریں گے جن سے اپنی عورتوں کا دفاع کرتے ہیں، اس لیے اے اللہ کے رسول! ہمارے ساتھ بیعت کیجیے، ہم اللہ کی قسم! ماہرین جنگ اور اسلحہ والے ہیں، ہم نے پشت ہا پشت سے اسے وراثت میں پایا ہے۔

جب براء رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بات کر رہے تھے تو ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا: یارسول اللہ (ﷺ)! ہمارے اور یہودیوں کے درمیان تعلقات ہیں، جنہیں ہمیں ختم کرنا پڑے گا، کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم ایسا کر

---

❶ حدیث کبیر: حدیث (۱۷۵۷) طبرانی صغیر: ۲/ ۱۱۰، طبرانی اوسط، جیسا کہ ہیثمی کی مجمع الزوائد میں آیا ہے (۶/ ۴۸، ۴۹)۔

❷ سیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۲/ ۲۰۲، ۲۰۱۔

گزریں، پھر اللہ آپ کو غلبہ دے دے تو ہمیں چھوڑ دیں گے، اور اپنی قوم کے پاس لوٹ جائیں گے؟

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور کہنے لگے: نہیں، بلکہ تمہارے عہود اور مواثیق میرے ہوں گے، اور تمہارا شرف وناموس میرا ہوگا، میں تم میں سے ہوں گا، اور تم لوگ میرے وجود کا ایک حصہ۔ تم لوگ جس سے لڑو گے اس سے میں لڑوں گا، اور جس سے صلح کرو گے اُس سے میں بھی صلح کروں گا۔

براء رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ ہم لوگ بیعت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اپنے درمیان سے بارہ نقیبوں کا انتخاب کرو جو اپنی قوم کے نمائندے ہوں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی بنی اسرائیل میں سے بارہ نقیبوں کو چنا تھا۔ اور تم میں سے کوئی اپنے بارے میں یہ نہ سوچے کہ اسے کیوں نہیں چُنا گیا۔ اس لیے کہ یہ پسند جبریل کی ہے، چنانچہ ان لوگوں نے اپنے درمیان سے بارہ نقیبوں کا انتخاب کیا، نو خزرج میں سے اور تین اوس میں سے۔

ان حضرات کو نبی کریم ﷺ نے دیگر تمام انصارِ مدینہ کا نقیب بنا دیا: (۱) بنی نجار کے نقیب اسعد بن زُرارہ رضی اللہ عنہ چنے گئے۔ (۲) اور بنی سلمہ کے نقیب براء بن معرور اور عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ ہوئے۔ (۳) اور بنی ساعدہ کے نقیب سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ ہوئے۔ (۴) اور بنی زُریق کے نقیب رافع بن مالک بن عجلان رضی اللہ عنہ ہوئے۔ (۵) اور بنی حارث ابن خزرج کے نقیب عبداللہ بن رواحہ اور سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ ہوئے۔ (۶) اور بنی عوف ابن الخزرج کے نقیب عبادہ بن صامت ہوئے۔

قبیلۂ اوس کے بنی عبدالاشہل سے (۱) اُسید بن حضیر (۲) ابوالہیثم بن تیہان، اور بعض نے ابوالہیثم کے بجائے رفاعہ بن عبدالمنذر کا نام بتایا ہے۔ (۳) اور بنی عمرو بن عوف کے نقیب سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ ہوئے۔

ان نقیبوں کی تعداد بارہ ہوئی، ان سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اپنی قوم کے ذمہ دار ہو، جیسے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اپنے مددگاروں کے ذمہ دار تھے اور میں اپنی قوم کا ذمہ دار ہوں۔

سب سے پہلے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی وہ براء بن معرورؓ تھے۔ ایک دوسرا قول ہے کہ سب سے پہلے اسعد بن زُرارہؓ نے بیعت کی۔ تیسرا قول ہے کہ وہ ابوالہیثم بن تیہانؓ تھے۔ پھر سب لوگ پے در پے آنے لگے اور آپ ﷺ کے دستِ مبارک میں اپنا ہاتھ دینے لگے۔ ان سب نے آپ سے اس شرط پر بیعت کی کہ وہ سب آپ کی حفاظت ان تمام لوگوں سے کریں گے جن سے وہ اپنے آپ کی، اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کی کرتے ہیں، اور یہ کہ وہ لوگ کالے اور سرخ تمام سے جنگ کرنے میں آپ ﷺ کا ساتھ دیں گے، اور یہ کہ نبی کریم ﷺ اور ان کے اصحاب کرام سب کے سب مکہ سے ہجرت کر کے ان کے پاس مدینہ چلے جائیں گے۔

جب سب لوگ بیعت سے فارغ ہو گئے تو شیطان نے عقبہ کی چوٹی سے اپنی پوری قوت کے ساتھ چیخ کر اعلان کیا: "اے خیلوں والے! کیا تم لوگ برائیوں سے بھرے (یعنی محمد ﷺ) اور اس کے ساتھ دیگر بے دینوں کو یونہی چھوڑ دو گے جنہوں نے تم سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ عقبہ پہاڑی کا "ازب" نامی شیطان ہے، یہ ازب شیطان کا بیٹا ہے، اے اللہ کے دشمن! کیا تم سن رہے ہو، اللہ کی قسم! میں ضرور تمہارے لیے فارغ ہوں گا۔

پھر آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا: تم لوگ اپنی رہائش گاہوں میں چلے جاؤ، تو عباس بن عبادہ بن نضلہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس اللہ کی قسم! جس نے آپ کو دینِ حق دے کر بھیجا ہے، اگر آپ ﷺ چاہیں گے تو کل ہم اپنی تلواروں کے ساتھ اہلِ منی پر چل پڑیں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس بات کا حکم نہیں دیا گیا ہے، تم لوگ اپنی رہائش گاہوں میں چلے جاؤ، چنانچہ وہ لوگ فوراً واپس جا کر اپنے بستروں پر سو گئے۔

اور سیرتِ حلبیہ میں آیا ہے کہ جبریلؑ نبی کریم ﷺ کے دائیں طرف کھڑے تھے، اور بیعت کے وقت وہ سفید لباس پہنے ہوئے تھے، انہیں حارثہ بن نعمانؓ نے ایک آدمی کی شکل میں دیکھا، تو آپ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا: آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے اچھی چیز دیکھی ہے، وہ جبریل علیہ السلام تھے، اور جب انصار نبی کریم ﷺ کے پاس سے رخصت ہوئے تو آپ ﷺ نفسیاتی طور پر بہت ہی مطمئن تھے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اب آپ ﷺ کو ایک ایسی قوم کی صورت میں قوتِ دفاع دے دی تھی جو جنگجو اور ہتھیاروں اور اسباب و اسلحہ والے تھے۔ ❶

قریش انصار کے تعاقب میں:

جب صبح ہوئی تو سردارانِ قریش میں سے بہت سے لوگ انصارِ مدینہ کے خیموں میں آئے اور کہا: اے خزرج والو! ہمیں خبر ملی ہے کہ تم لوگ ہمارے اس آدمی (رسول اللہ ﷺ) سے ملے ہو، اور اسے ہمارے پاس سے نکال کر لے جانا چاہتے ہو اور تم نے ہم سے جنگ کرنے کے لیے اس کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ اللہ کی قسم! ہمارے لیے اس سے زیادہ کوئی مبغوض بات نہیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان جنگ ہو۔ یہ سُن کر وہاں موجود بعض مشرکینِ مدینہ قسم کھانے لگے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہے، اور نہ ہمیں کسی ایسے ارادے کا علم ہے۔ ان مشرکین نے سچ ہی کہا، اس لیے کہ انصار نے جو کچھ کیا اس کی خبر ان کو نہیں تھی، پھر وہ لوگ عبداللہ بن ابی بن سلول کے پاس آئے اور اس سے بات کی تو اس نے کہا: یہ تو بہت ہی خطرناک معاملہ ہے، میری قوم اس طرح کی کوئی جھوٹی بات میرے بارے میں نہیں کہہ سکتی ہے، اگر میں یثرب میں ہوتا تو میری قوم ایسا نہیں کرتی، یہ سن کر قریش والے لوٹ گئے۔

کے میدان میں موجود سارے لوگ بکھر گئے، اور براء بن معرورؓ بھی وہاں سے مدینہ کے لیے کوچ کر گئے، جب بطن یاجج کے پاس پہنچے جو مکہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے تو ان کے دوسرے مسلمان ساتھی اُن سے جا ملے، کفارِ قریش نے بیعت کے بارے میں کریدنا شروع کیا تو اُسے سچ پایا، اس لیے دوبارہ ان کی تلاش میں نکل پڑے، ان کو اذاخر کے مقام پر سعد بن عبادہ اور منذر بن عمروؓ ملے یہ دونوں ہی نقیبوں میں سے تھے۔

منذرؓ نے تو ان کافروں کو عاجز بنا دیا یعنی ان کی گرفت میں نہیں آئے، البتہ سعد بن عبادہؓ کو انہوں نے پکڑ کر ان کے دونوں ہاتھوں کو ان کی گردن سے لگا کر باندھ دیا، اور مارتے پیٹتے اور سر کے بال کھینچتے مکہ لے آئے۔ سعدؓ کہتے ہیں: جب میں ان کے ہاتھوں میں گرفتار تھا تو قریش کے کچھ لوگوں کا وہاں سے گزر ہوا، ان میں ایک خوبصورت سفید رنگ والا آدمی تھا، میں

---

❶ دیکھئے: سیرۃ ابن ہشام: ۱/۴۴۷، ۴۴۸، دلائل النبوۃ: ۲/۱۴۲ - ۴۵۷، الوفاء: ۱/۳۵۸ - ۳۶۲، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/۱۹۲ - ۲۲۵، اتحاف الوری: ۱/۳۳۷ - ۳۴۸۔

نے اپنے دل میں کہا: اگر ان میں سے کسی کے اندر کچھ بھلائی ہے تو اسی کے اندر ہے، لیکن جب وہ مجھ سے قریب ہوا تو مجھے ایک شدید مکا مارا، میں نے دل میں کہا: اللہ کی قسم! اس آدمی کے بعد تو اب ان میں سے کسی کے اندر کوئی بھلائی نہیں ہوگی۔

اللہ کی قسم! میں اسی طرح ان کے ہاتھوں میں قیدی تھا، مجھے وہ لوگ گھسیٹ رہے تھے کہ اُن میں سے ایک آدمی میرے قریب آیا اور مجھ سے پوچھا: کیا تمہارے اور کسی قریشی کے درمیان کوئی معاہدہ ہے؟ تو میں نے جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس کا نام لیا۔ وہ آدمی وہاں سے نکل کر اُن کے پاس گیا، اور اُن کو میرا نام بتایا۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اس نے سچ کہا ہے، وہ تو ہمارے تاجروں کو پناہ دیتا تھا، اور اپنے شہر میں ان پر ظلم کرنے سے لوگوں کو روکتا تھا۔ وہ دونوں فوراً آئے اور سعدؓ کو ان کے ہاتھوں سے رہائی دلائی۔ سعد بن عبادہؓ وہاں سے فوراً بھاگے، اور اُدھر انصار انھیں تلاش کر رہے تھے، اور اہلِ قریش پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے کہ وہ اچانک ان کے سامنے آگئے، پھر سب مل کر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ [1]

❁❁❁❁

[1] إتحاف الورى: ١/ ٣٥٠-٣٥٢، دلائل البيهقي: ٢/ ٤٥٥، ٤٥٦، السيرة النبوية، ابن كثير: ٢/ ٢٠٥-٢١٢.

اَصحابِ رسول (ﷺ) کی مدینہ کی طرف ہجرت

قریش کو جب بیعتِ عقبہ کی خبر کا یقین ہو گیا تو وہ بہت زیادہ ذہنی پریشانی میں مبتلا ہو گئے، اس لیے کہ انہیں اوس وخزرج کی عسکری قوت اور ان کے عزائم کی پختگی کا خوب علم تھا، انہوں نے سمجھ لیا کہ اب نبی کریم ﷺ کو قوت حاصل ہو گئی، اور پناہ لینے کی ایک اچھی جگہ مل گئی، اس لیے انہوں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنا، انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچانا، اور ظلم وستم کے ایسے پہاڑ توڑنے شروع کر دیے جن کا مسلمان پہلے سے تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ مسلمانوں نے اپنی اس پریشان حالی کا نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا اور آپ سے کہیں دوسری جگہ ہجرت کر کے چلے جانے کی اجازت مانگی، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابھی مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔

اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آپ کا دار الہجرت دکھلا دیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تم لوگوں کا دار الہجرت دیکھ لیا ہے، مجھے ایک ایسی سرزمین دکھائی گئی ہے جو نمک والی ہے اور دو جلے ہوئے پہاڑوں کے درمیان کھجوروں کے باغات والا ایک شہر ہے''، چنانچہ اس خواب کے بعد جن لوگوں نے چاہا ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ اور بعض وہ مسلمان جو ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے، مدینہ لوٹ آئے، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کے لیے تیار ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابھی انتظار کیجیے، امید ہے کہ مجھے اجازت مل جائے گی، تو ابوبکرؓ نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، کیا آپ کو اس کی امید ہو چلی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اس لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رُک گئے، اور اپنے گھر میں چار ماہ تک سواری کے دو جانوروں کو ببول کے پتے کھلاتے رہے۔ ❶

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ مکہ سے ہجرت کر کے ایک ایسی سرزمین کی طرف جا رہا ہوں جس میں کھجور کے باغات ہیں، شروع میں میرا ذہن یمامہ یا بحرین کے مشہور شہر ہجر کی طرف گیا، لیکن اچانک معلوم ہوا کہ وہ تو یثرب ہے۔'' ❷

ابن اسحاق کہتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیتیں نازل کیں:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ﴾ [الحج: ٣٩-٤٠]

''جن مومنوں کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، انہیں اب جنگ کی اجازت دے دی گئی، اس لیے کہ ان پر ظلم ہوتا

---

❶ مسند احمد: ١٩٨/٦ بسند صحيح، مستدرك حاكم: ٤٠٣/٢، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے اور امام بخاری نے اسے کتاب الکفالہ میں حدیث معلّق کے طور پر روایت کیا ہے۔

❷ صحيح البخاري: حديث(٤٠٨١)، صحيح مسلم: حديث(٢٢٧٢).

رہا ہے، اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے، جو لوگ اپنے گھروں سے ناحق اس لیے نکال دیئے گئے کہ انہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے۔"

مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دے دی گئی، اور انصارِ مدینہ نے آپ ﷺ کی اور مسلمان مہاجرین کی تائید ونصرت کا برملا اعلان کر دیا، پھر اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اصحاب کو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جانے کا حکم دے دیا، تاکہ وہاں اپنے انصاری بھائیوں کے جوار میں باعزت زندگی گزار سکیں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دینی بھائی پیدا کر دیے ہیں، اور تمہیں ایک دار الہجرت عطا کیا ہے، جہاں تم سب پناہ لے سکو گے، اس لیے جو چاہے یہاں سے نکل کر مدینہ چلا جائے، جو یہاں سے قریب ہے، اور تم لوگ اسے اچھی طرح جانتے ہو، اس لیے کہ وہ تمہارے تجارتی قافلوں کے شام جانے کے راستے پر ہے۔ یہ سن کر صحابہ کرامؓ مل کر سفر کی تیاری کرنے لگے، اور مال واسباب اور سواری کا انتظام کرنے لگے، اور پوری کوشش کی کہ مکہ سے ان کا نکلنا پوشیدہ رہے، چنانچہ وہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں نکلنے لگے، اور رسول اللہ ﷺ مکہ میں رہ کر ہجرتِ مدینہ کے لیے اللہ کی اجازت کا انتظار کرنے لگے۔

ابوسلمہ اور اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہما کی ہجرت:

قریشی مسلمانوں میں سے سب سے پہلے مدینہ کی طرف ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال مخزومی نے ہجرت کی۔ سیّدہ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا، تو انہوں نے اپنا اونٹ میری سواری کے لیے تیار کیا اور اس پر مجھ کو سوار کر دیا، اور میرے ساتھ میرے بیٹے سلمہ بن ابوسلمہ کو میری گود میں بٹھا دیا، پھر اونٹ کی رسی پکڑ کر چل پڑے، جب بنی مخزوم کے کچھ لوگوں نے ان کو دیکھا تو ان کے راستے میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے تم اپنے آپ کے مالک ہو، لیکن ہم تمہیں کیوں اجازت دے دیں کہ تم اپنی اس بیوی کو اپنے ساتھ دربدر کی ٹھوکریں کھلاؤ۔

چنانچہ انہوں نے ان کے ہاتھ سے اونٹ کی رسی چھین لی اور مجھے اپنے قبضے میں کر لیا، پھر ابوسلمہؓ کے قبیلہ بنوعبدالاسد والے ناراض ہو کر کہنے لگے: جب تم لوگوں نے میرے قبیلہ کے آدمی سے اس کی بیوی کو چھین لیا ہے تو ہم اپنے قبیلہ کے بیٹے کو اس (عورت) کے پاس نہیں چھوڑیں گے۔ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: وہ لوگ میرے بیٹے سلمہ کو ایک دوسرے سے کھینچتے رہے یہاں تک کہ اس کا ہاتھ اکھاڑ دیا، اور بنوعبدالاسد اسے لے کر چلے گئے اور بنومغیرہ والوں نے مجھے اپنے پاس روک لیا، اور میرے شوہر ابوسلمہؓ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے، اس طرح میرے، میرے شوہر اور میرے بیٹے کے درمیان جدائی ڈال دی گئی۔

سیّدہ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں ہر صبح نکل کر مقام ابطح میں آ کر بیٹھ جاتی اور شام تک روتی رہتی، تقریباً ایک سال تک میرا یہی حال رہا، یہاں تک کہ میرا ایک چچازاد میرے پاس سے گزرا، اور میرا حال زار دیکھ کر اسے مجھ پر رحم آیا، اس نے بنی مغیرہ سے جا کر کہا: کیا تم اس بے چاری کو مکہ سے نکلنے کی اجازت نہیں دو گے، تم نے اس کے اور اس کے شوہر اور بیٹے کے درمیان جدائی پیدا کر دی ہے، تب لوگوں نے مجھ سے کہا: اگر تم چاہو تو اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ۔

سیّدہ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: یہ جان کر بنوعبدالاسد نے میرا بیٹا مجھے لوٹا دیا تو میں اپنے اونٹ پر سوار ہو کر اور اپنے بیٹے کو گود میں بٹھا کر اپنے شوہر کے پاس مدینہ جانے کے لیے روانہ ہو گئی، اُس وقت کوئی آدمی میرے ساتھ نہیں تھا، میں نے دل

میں سوچا کہ کسی راہی سے مدد لوں گی، تاکہ اپنے شوہر کے پاس پہنچ سکوں، جب تنعیم کے پاس پہنچی تو میری ملاقات عثمان بن طلحہ بن ابوطلحہ سے ہوئی، انہوں نے مجھ سے پوچھا: اے ابوامیہ کی بیٹی! کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: میں اپنے شوہر کے پاس مدینہ جانا چاہتی ہوں، انہوں نے پوچھا: کیا تمہارے ساتھ کوئی نہیں ہے؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! نہیں۔ مگر اللہ کی ذات اور میرا یہ بیٹا۔

عثمان نے کہا: اللہ کی قسم! میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا، پھر انہوں نے اونٹ کی رسی تھام لی اور چل پڑے، اللہ کی قسم! میں نے اپنی زندگی میں ان سے زیادہ کسی دوسرے عربی کو کریم النفس اور شریف النفس نہیں دیکھا۔ جب وہ کسی جگہ رکتے تو اونٹ کو بیٹھا کر مجھ سے الگ ہوجاتے اور جب میں اتر جاتی تو اونٹ کو الگ لے جاتے اس سے زادِ سفر اُتار دیتے اور اسے درخت میں باندھ دیتے، پھر مجھ سے دور کسی درخت کے پاس چلے جاتے اور اس کے نیچے لیٹ جاتے۔ جب روانگی کا وقت قریب ہوتا تو میرے اونٹ کو تیار کرکے میرے قریب کردیتے، پھر مجھ سے الگ ہٹ جاتے اور کہتے: سوار ہوجاؤ، اور جب میں سوار ہوجاتی تو آکر اس کی رسی پکڑ لیتے اور آگے چل پڑتے، یہاں تک کہ کسی آگے کی منزل پر رکتے، تو وہاں اسی طرح کرتے، اور اس طرح انہوں نے مجھے مدینہ پہنچا دیا، جب ان کی نظر قبا میں بنی عمرو بن عوف کی بستی پر پڑی تو کہا: تمہارا شوہر اسی بستی میں ہے، ابوسلمہؓ وہیں ٹھہرے ہوئے تھے، جاؤ ان کے پاس چلی جاؤ، پھر وہ مکہ واپس چلے گئے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں، اللہ کی قسم مجھے مسلمانوں کا کوئی ایسا گھرانا نہیں معلوم جسے آلِ ابوسلمہ جیسی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہو، اور میں نے اپنی زندگی میں عثمان بن طلحہ سے زیادہ کریم و شریف انسان نہیں دیکھا۔ ❶

یہ عثمان بن طلحہؓ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لے آئے، اور خالد بن ولیدؓ کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ آگئے، فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی کنجی ان کے اور ان کے چچازاد بھائی شیبہ کے حوالے کردی، اور جس طرح ان کے پاس وہ کنجی زمانہ جاہلیت میں رہی، اسی طرح اسلام آنے کے بعد بھی ان کے پاس رہنے دینے کا آپ ﷺ نے حکم دیا، اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا قول نازل ہوا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ [النساء: ٥٨]

''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچا دو۔''

ہجرتِ عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ):

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عیاش بن ربیعہ اور ہشام ابن العاص (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ یہ بات طے کی کہ ہم لوگ سیضاۃ نامی بنی غفار کے تالاب کے پاس (جو مقام سرف کے اوپر مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے) اکٹھے ہوں گے اور وہاں سے ایک ساتھ ہجرت کے لیے روانہ ہوں گے، اور ہمارے درمیان یہ بات طے ہوگئی کہ ہم میں سے جو شخص صبح کے وقت وہاں نہیں پہنچے گا اسے محبوس مان لیا جائے گا، اور اس کے دونوں ساتھیوں کو آگے بڑھ جانے کا اختیار ہوگا، چنانچہ ہشام بن العاص کو مکہ میں محبوس کردیا گیا۔ مدینہ پہنچ کر ہم لوگ بنی عمرو بن عوف میں ٹھہر گئے، ابوجہل بن ہشام اور حارث بن ہشام،

---

❶ سیرۃ ابن ھشام: ١/٤٦٨-٤٧٠.

عیاش بن ابی ربیعہؓ کی تلاش میں نکلے جو ان دونوں کے چچا زاد اور ماں کی طرف سے سوتیلے بھائی تھے۔ وہ دونوں ہمارے پاس مدینہ آئے اور عیاشؓ سے کہا: تمہاری ماں نے نذر مان لی ہے کہ جب تک وہ تمہیں دیکھ نہیں لے گی اپنے سر میں کنگھی نہیں کرے گی۔ عیاشؓ کا دل یہ سن کر نرم پڑ گیا۔

میں نے عیاشؓ سے کہا: اللہ کی قسم! دیکھو، یہ لوگ تمہیں کہیں تمہارے دین سے پھرنے پر مجبور نہ کردیں، اللہ کی قسم! اگر جوؤں سے تمہاری ماں کو تکلیف پہنچے گی تو وہ ضرور کنگھی کرے گی، اور اگر مکہ کی گرمی اسے ستائے گی تب بھی وہ ضرور کنگھی کرے گی۔ عیاشؓ نے کہا: میرا وہاں کچھ مال ہے میں اسے لانا چاہتا ہوں۔ سیدنا عمرؓ کہتے ہیں: میں نے اس سے کہا: تم جانتے ہو کہ میں اہل قریش میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، میں تمہیں اپنا آدھا مال دے دوں گا، تم ان کے ساتھ مت جاؤ، لیکن اس نے انکار کردیا، تو میں نے اس سے کہا: جب تم ایسا کرنے پر بضد ہو، تو میری یہ اونٹنی لے لو، جو بہت ہی تابعدار اونٹنی ہے، اور اس کی پیٹھ سے چپکے رہو۔ عیاشؓ اس پر سوار ہو کر ان دونوں کے ساتھ چل پڑے، جب کچھ راستہ طے ہو گیا تو ابوجہل نے کہا: میری یہ اونٹنی سست پڑ گئی ہے، کیا تم مجھے اپنی اونٹنی پر نہیں بیٹھاؤ گے؟ عیاشؓ نے کہا: ہاں، پھر ان تینوں نے اپنی اونٹنیوں کو بٹھا دیا تاکہ ابوجہل عیاش کے ساتھ سوار ہو جائے، جب تینوں زمین پر اتر گئے تو ان دونوں نے عیاش کو پکڑ کر رسی سے باندھ دیا، اور اسی حال میں انہیں مکہ لے کر آئے، اور انہیں شدید آزمائش میں مبتلا کیا، جس سے وہ مغلوب ہو گئے۔

سیدنا عمرؓ کہتے ہیں: ہم یہ کہا کرتے تھے کہ اللہ کی قسم! اللہ اس آدمی کی طرف سے کسی صدقہ وخیرات کو قبول نہیں کرے گا، جو اللہ کے دین کی خاطر آزمائش سے شکست کھا گیا۔ اللہ ان لوگوں کی توبہ کو قبول نہیں کرے گا، جنہوں نے اللہ کو پہچانا پھر آزمائشوں کی تاب نہ لا کر کفر کی طرف لوٹ گئے۔

عیاشؓ مکہ میں اسی حال میں رہے، یہاں تک کہ ان لوگوں کے ساتھ نکل کر مدینہ پہنچے جو فتح مکہ سے پہلے وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے لیے ہمیشہ نجات کی دعا کرتے تھے۔

سیدنا عمرؓ کہتے ہیں: آزمائشوں سے شکست کھا جانے والے مسلمان بھی اپنے بارے میں یہی کچھ کہتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان جیسے اقوال وافکار کے بارے میں نازل فرمایا:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝﴾

[الزمر: ۵۳-۵۵]

''اے میرے نبی! آپ کہہ دیجیے: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر (گناہوں کا ارتکاب کرکے) زیادتی کی ہے، تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف کردیتا ہے، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا، بے حد مہربان ہے۔ اور تم سب اپنے رب کی طرف رجوع کرو، اور اسی کی طاعت وبندگی میں لگے رہو، اس سے قبل کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے، پھر کسی جانب سے تمہاری مدد نہ کی جائے۔ اور تم سب

اس بہترین کلام کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تم پر نازل کیا گیا ہے، قبل اس کے کہ عذاب الٰہی تمہیں اچانک آ لے، اور تمہیں اس کا احساس بھی نہ ہو سکے۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ان آیتوں کو ایک کاغذ پر لکھ کر ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ ہشام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ ان آیتوں کو ذی الطویٰ کے مقام پر بیٹھ کر پڑھتا رہا، یہاں تک کہ ان کا مفہوم سمجھ لیا، پھر میرے دل میں یہ بات ڈال دی گئی کہ یہ آیتیں ہم جیسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، اور ہمارے ان اقوال وافکار کے بارے میں جو ہمارے دل ودماغ میں گردش کرتے تھے، چنانچہ میں اپنی اونٹنی پر بیٹھا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ آ گیا۔ ❶

مہاجرین سابقین:

امام بخاری رحمہ اللہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: سب سے پہلے ہمارے پاس مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم آئے، یہ دونوں ہمیں قرآن پڑھانے لگے، پھر ہمارے پاس عمار، بلال اور سعد آئے، پھر ہمیں صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آئے، پھر نبی کریم ﷺ تشریف لائے، تو میں نے اہل مدینہ کو کبھی کسی بات سے اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا وہ آپ ﷺ کی آمد سے ہوئے۔ میں نے عورتوں اور بچوں کو کہتے سنا: رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ ❷

پھر عبدالرحمن بن عوف، عثمان بن عفان، طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم، اور دوسرے لوگ آئے اور سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے مسلم کی ایک روایت میں صراحت کردی ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی مدینہ آمد سے پہلے ہجرت کر کے آ گئے تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: پھر مہاجرین پے در پے آنے لگے، طلحہ بن عبیداللہ اور صہیب بن سنان رضی اللہ عنہما، خبیب بن اساف رضی اللہ عنہ کے پاس سُنح میں ٹھہرے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طلحہ، اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرے۔

ہجرت صہیب (رضی اللہ عنہ):

ابن اسحاق نے ابو عثمان النہدی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ صہیب رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش نے ان سے کہا: تم ہمارے پاس ایک بھوکے حقیر آدمی کی حیثیت سے آئے تھے، تم نے ہمارے پاس آ کر مال کمایا ہے، اور اپنی اس حیثیت کو پہنچے، اور اب اپنی جان ومال دونوں کے ساتھ یہاں سے نکل جانا چاہتے ہو، اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہوگا، تو صہیب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اگر میں اپنا مال تمہارے حوالے کردوں تو کیا تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ گے، انہوں نے کہا: ہاں، صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنا مال تمہارے لیے چھوڑتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو فرمایا: صہیب کامیاب ہو گئے، صہیب کامیاب ہو گئے۔

---

❶ ہیثمی رحمہ اللہ نے (مجمع ۶/ ۶۱ میں) لکھا ہے: اسے بزار نے روایت کی ہے اور اس کے رجال ثقات ہیں، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے، اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے۔ اور دیکھئے: سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۴۷۶، اور اس کے بعد، اس سند کے رجال بھی ثقات ہیں، ابن اسحاق نے اس میں حدیث روایت کرنے کی صراحت کردی ہے، اس لیے یہ حدیث صحیح ہے۔

❷ صحیح البخاری، حدیث (۳۹۲۴، ۳۹۲۵)، مسند احمد بحوالہ فتح ربانی: ۲۰/ ۲۷۶، مستدرک حاکم: ۳/ ۶۳۴، اور اس حدیث کے رجال ثقات ہیں۔

بیہقی کی ایک روایت میں ہے، صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھ ابو بکر رضی اللہ عنہ مکہ سے نکلے تو میرا بھی ان کے ساتھ نکلنے کا ارادہ تھا، لیکن قریش کے جوانوں نے مجھے روک دیا۔ میں نے وہ رات بے چینی میں گزاری، تو اہل قریش نے کہا: اللہ نے اسے تمہارے پاس آنے سے پیٹ کی بیماری میں مشغول کر دیا ہے، حالانکہ مجھے کوئی تکلیف نہیں تھی، جب سب لوگ سو گئے تو میں نکل پڑا، کچھ دور چلنے کے بعد ان کے کچھ لوگوں نے مجھے آ لیا، تاکہ مجھے واپس کر دیں، میں نے ان سے کہا: اگر میں تمہیں چند اوقیہ سونا دوں تو کیا تم میرا راستہ چھوڑ دو گے اور میرے ساتھ بدعہدی نہیں کرو گے؟ تو وہ میری بات مان گئے اور میں ان کے ساتھ مکہ واپس گیا، اور اپنے گھر کے پاس پہنچ کر ان سے کہا: تم لوگ دروازہ کی چوکھٹ کے نیچے کھودو، وہاں تمہیں سونے کے اوقیے ملیں گے، اور فلاں عورت کے پاس جاؤ، اس سے دو پوشاک لے لو، پھر وہاں سے نکل کر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس قبا پہنچ گیا، ابھی رسول اللہ ﷺ قبا سے روانہ نہیں ہوئے تھے، جب آپ نے مجھے دیکھا تو کہا: اے ابو یحییٰ! تمہاری بیع بہت نفع بخش رہی، میں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھ سے پہلے آپ کے پاس کوئی نہیں آیا، یقیناً آپ کو اس بات کی خبر جبریل علیہ السلام نے دی ہے۔

ہجرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ):

ابن اسحاق نے ان صحابہ کرام کے نام ذکر کیے ہیں جو ہجرت کے لیے مکہ سے نکلے تھے، اس کے بعد لکھا ہے: سب سے آخری آدمی جو مدینہ آئے اور جنہیں مکہ میں نہ آزمائش میں ڈالا گیا اور نہ محبوس کیا گیا، وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے، ایسا اس لیے ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں مکہ میں رہنے کو کہا تھا، اور انہیں اپنے بستر پر سو جانے کا حکم دیا تھا، اور اس کے بعد تین دن تک رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود لوگوں کی امانتیں واپس کرتے رہے، پھر وہاں سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے۔ ❶

❁❁❁❁

❶ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/۲۱۲-۲۲۴؛ دلائل البیهقی: ۲/۴۰۸-۴۶۴؛ إتحاف الوری: ۱/۳۰۲-۳۵۶.

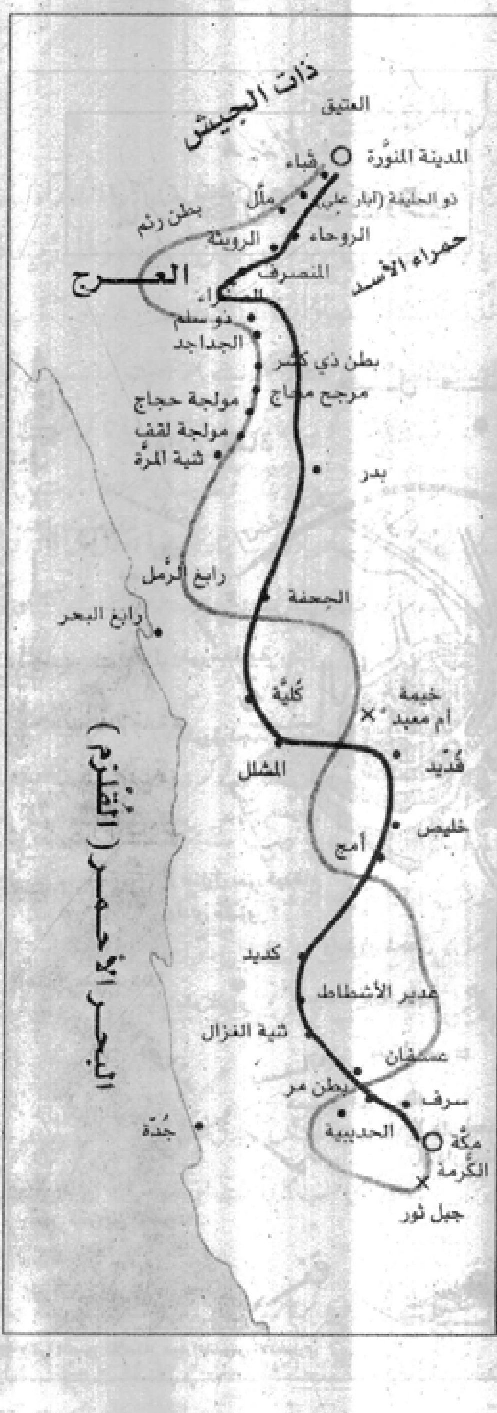

مدینہ منورہ کا راستہ
نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے وقت

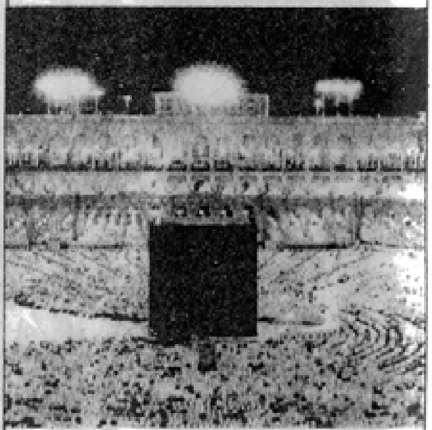

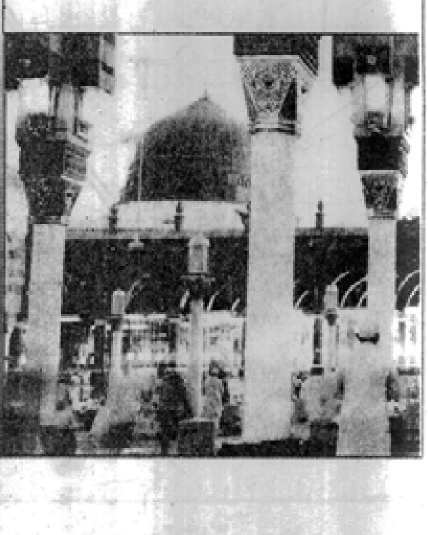

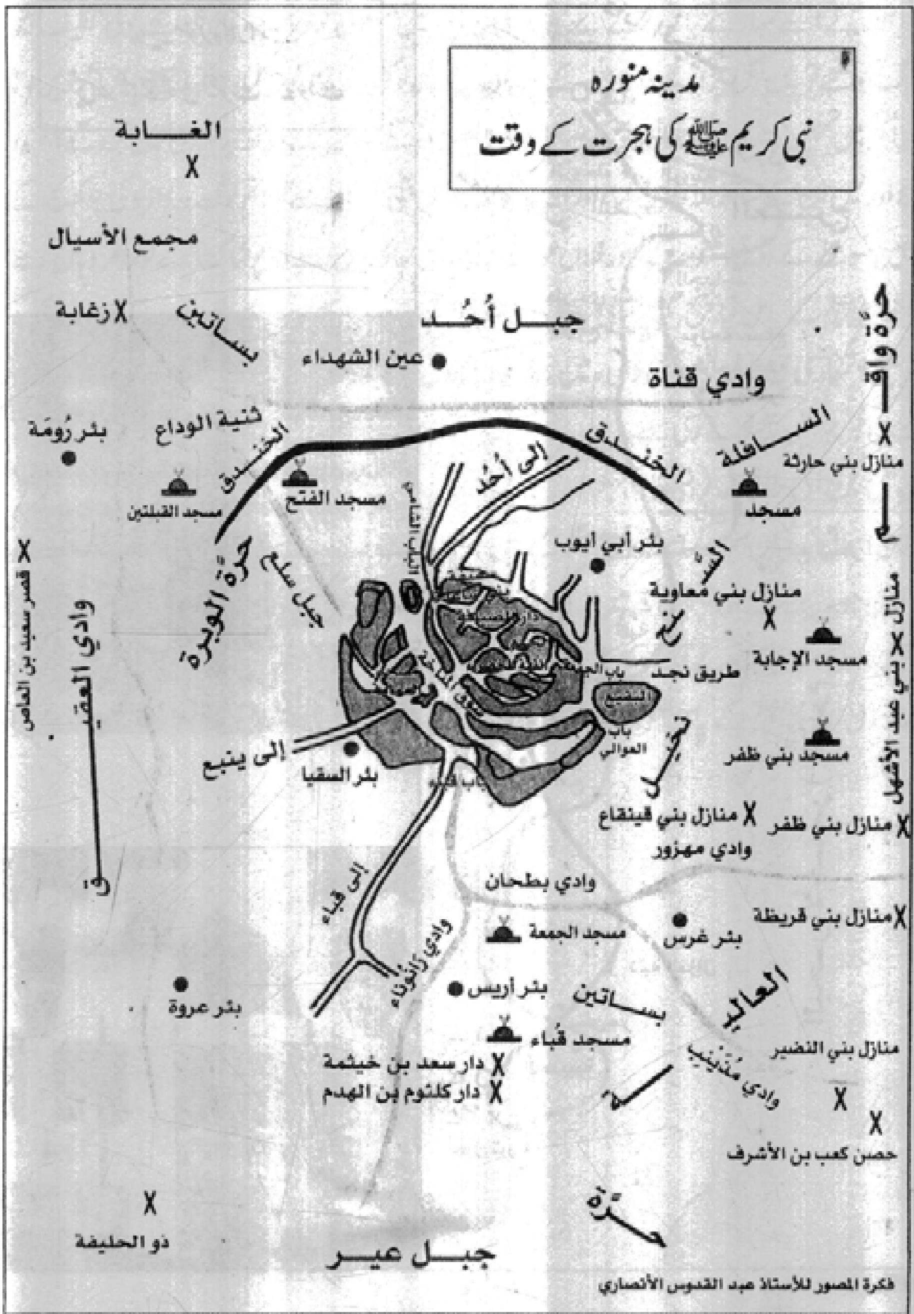
مدینہ منورہ
نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے وقت
الغابة
مجمع الأسيال
زغابة
بساتين
جبل أُحُد
عين الشهداء
وادي قناة
حرة واقم
ثنية الوداع
بئر رُومَة
الخندق
مسجد القبلتين
مسجد الفتح
إلى أُحُد
السافلة
منازل بني حارثة
مسجد
بئر أبي أيوب
منازل بني معاوية
قصر سعيد بن العاص
وادي العقيق
حرة الوبرة
جبل سلع
مسجد الإجابة
طريق نجد
منازل بني عبد الأشهل
البقيع
باب العوالي
نخيل
مسجد بني ظفر
إلى ينبع
بئر السقيا
منازل بني قينقاع
منازل بني ظفر
وادي مهزور
وادي بطحان
إلى قباء
مسجد الجمعة
بئر غرس
منازل بني قريظة
وادي رانوناء
بئر أريس
بئر عروة
بساتين
العالية
مسجد قُباء
دار سعد بن خيثمة
دار كلثوم بن الهدم
وادي مُذَيْنِب
منازل بني النضير
حصن كعب بن الأشرف
ذو الحليفة
حرة
جبل عير
فكرة المصور للأستاذ عبد القدوس الأنصاري

ہجرتِ رسول اللہ ﷺ

رسول اللہ ﷺ حج کے بعد مکہ میں باقی ذی الحجہ اور ۱۴ نبوی محرم وصفر کے مہینوں میں اللہ کے حکم کا انتظار کرتے رہے، جب مکہ سے مدینہ کے لیے آپ کی روانگی کا وقت قریب آیا تو اللہ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا﴾ [الاسراء: ۸۰]...... "آپ کہیے کہ اے میرے رب! مجھے عمدہ طریقہ سے (مدینہ) پہنچادے، اور مجھے عمدہ طریقہ سے (مکہ سے) رخصت کردے، اور تو میرے لیے اپنے پاس سے مدد کرنے والی قوت مہیا کردے۔" ..... اور آپ ﷺ کو یہ دعا کرنے کا الہام کیا تا کہ جلد ہی اللہ تعالیٰ آپ کے لیے مکہ سے نکلنے کے اسباب مہیا کردے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی، جہاں انصار اور دیگر احباب موجود تھے اور آپ کے لیے وہاں ایک گھر اور ایک پناہ گاہ مہیا ہو چکی تھی، اور وہاں کے رہنے والے آپ پر جان چھڑکنے والے بن چکے تھے، اور آپ کے ساتھ مکہ میں صرف وہی لوگ رہ گئے تھے جنہیں آزمائش میں ڈالا گیا اور محبوس کر دیا گیا، سوائے علی بن ابو طالب اور ابو بکر بن ابو قحافہ کے۔ رضی اللہ عنہما

نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کی سازش:

جب مشرکین نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام اپنا سامان اپنے ساتھ لے کر مدینہ کے لیے رخصت ہو گئے، اور اپنے ساتھ اپنے اہل وعیال اور اپنا مال لے کر اوس وخزرج والوں کے پاس پہنچ گئے، اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب آپ ﷺ کے یار ومددگار اور اچھے ساتھی مکہ سے باہر مدینہ میں موجود ہیں، اور مدینہ اب مسلمانوں کے لیے ایک محفوظ گھر بن گیا ہے، اور اوس وخزرج والے بڑی قوت وعزیمت اور عسکری شان وشوکت والے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ کے ان کے پاس پہنچنے کا سوچ سوچ کر بہت ہی گھبرانے لگے، اور انہیں یقین ہو چلا کہ اب نبی کریم ﷺ نے اہل مکہ کے خلاف اعلانِ جنگ کا فیصلہ کر لیا ہے۔

تمام اہلِ قریش دار الندوہ میں جمع ہوئے، تا کہ رسول اللہ ﷺ کے معاملہ میں سنجیدگی کے ساتھ آپس میں رائے مشورہ کریں۔ اس اجتماع سے کوئی بھی صاحب عقل ورائے پیچھے نہیں رہا، اور ان سب کا دوست اور سردار ابلیس اہلِ نجد کے ایک عمر دراز بوڑھے کی شکل میں اپنے بدن پر عبا ڈالے شریک ہوا۔

اس اجتماع میں ہر ایک نے اپنی رائے دی، اور ابلیس ہر رائے کی تردید کرتا رہا، یہاں تک کہ ابو جہل نے کہا: میرے ذہن میں ایک ایسی رائے آئی ہے جو تم میں سے کسی کے ذہن میں نہیں آئی۔ انہوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ ابو جہل نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ ہم ہر قریشی قبیلہ سے ایک مضبوط قوی اور بہادر نو جوان کو چنیں، اور ان سب کو ایک ایک تیز تلوار دیں، اور سب مل کر یکبارگی محمد (ﷺ) پر وار کر کے اس کا قصہ تمام کر دیں، تا کہ اس کا خون تمام قبائل کے درمیان متفرق ہو جائے،

اور بنوعبد مناف کچھ کرنے سے قاصر رہیں۔ اس لیے کہ تمام قبائل کی دشمنی مول لینا ان کے لیے ممکن نہ ہوگا، اور ہم انہیں اس کی دیت دے دیں گے۔

بڈھے ابلیس نے کہا: اس نوجوان نے کمال کیا ہے، یہی صحیح رائے ہے، اس کے بعد سب لوگ اسی بات پر اتفاق کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، اور جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس ان کے رب کی طرف سے وحی لے کر آئے، اور انہیں اس سازش کی اطلاع دی اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اس رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں۔ ❶

رسول اللہ ﷺ دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں ابوبکرؓ کے پاس اپنے چہرہ پر نقاب ڈالے پہنچے، اور ان سے کہا: آپ کے پاس جو لوگ ہیں، انہیں ہٹ جانے کو کہیے، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ سب آپ کے گھر والے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ نے یہاں سے نکل جانے کی اجازت دے دی ہے، ابوبکرؓ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ نکلوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اللہ کی قسم! اس دن سے پہلے میں نہیں جانتی تھی کہ کوئی خوشی کے مارے بھی روتا ہے، یہاں تک کہ میں نے ابوبکرؓ کو روتے ہوئے دیکھا، پھر ابوبکرؓ نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ میری ان دو سواریوں میں سے ایک لے لیجیے، میں نے انہیں اسی دن کے لیے تیار کیا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیمت کے ذریعہ لوں گا۔

جب رات کی تاریکی گہری ہوئی تو نوجوانانِ قریش آپ ﷺ کے دروازے پر جمع ہو کر آپ ﷺ کے سو جانے کا انتظار کرتے رہے، تا کہ وہ سب یکبارگی آپ پر ٹوٹ پڑیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو دیکھا تو علی بن ابوطالبؓ سے کہا: تم میرے بستر پر سو جاؤ، اور میری یہ حضرمی سبز چادر اوڑھ لو، اور بے خوف سو جاؤ، یہ لوگ تمہیں ہرگز نقصان نہیں پہنچا پائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ جب آپ ﷺ سوتے تو چادر اوڑھ کر سوتے۔

ابوجہل نے ان نوجوانوں سے کہا، جب وہ آپ کے دروازے پر تھے: محمد (ﷺ) کا گمان ہے کہ اگر تم اس کی پیروی کرو گے تو عرب و عجم کے بادشاہ ہو جاؤ گے، اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے تو تمہیں اُردن کے باغات کی مانند باغات ملیں گے، اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تمہیں ذبح کر دیا جائے گا، پھر مرنے کے بعد جب دوبارہ زندہ اٹھائے جاؤ گے تو تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا جس میں تم جلائے جاؤ گے۔

رسول اللہ ﷺ وہاں سے نکلے تو اپنے ہاتھ میں ایک مشت مٹی لی اور کہا: ہاں، میں یہ بات کہتا ہوں اور تم ان میں سے ایک ہو، اور اللہ نے ان کی قوت بصارت چھین لی، اس لیے وہ سب آپ کو دیکھ نہیں پا رہے تھے، آپ ان کے سروں پر اس مٹی کو ڈال رہے تھے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝﴾ [یس: ۹]

"اور ہم نے ایک دیوار ان کے آگے اور ایک دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی ہے، پس ہم نے انہیں ہر طرف سے ڈھانک دیا ہے، اس لیے اب وہ کچھ بھی نہیں دیکھ پاتے ہیں۔"

---

❶ صحیح البخاری: حدیث(۳۹۰۵)؛ دلائل البیهقی: ۲/ ٤٦٥.

وہاں سے نکل کر رسول اللہ ﷺ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور ان کے گھر کے پائیں دروازے سے رات کو ہی نکل گئے۔ ان کافروں کے پاس ایک آدمی آیا جو ان کے ساتھ پہلے سے نہیں تھا، اور کہا: یہاں تم لوگ کس کا انتظار کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: محمد (ﷺ) کا، تو اس آدمی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تم سب کی امیدوں پر پانی پھیر دیا، اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) تو کب کا تمہارے سامنے سے نکل کر چلا گیا، اور تم میں سے ہر ایک کے سر پر مٹی ڈال کر یہاں سے نکل گیا، کیا تم اپنی حالت نہیں دیکھتے ہو؟ جب ان میں سے ہر ایک نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھا تو اس پر مٹی ملی، وہ لوگ اسے جھاڑنے لگے۔ وہ مندرجہ ذیل لوگ تھے: ابوجہل، حکم بن العاص، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن حارث، امیہ بن خلف، زمعہ بن اسود، طعیمہ بن عدی، ابو لہب، ابی بن خلف اور حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ۔

پھر ان سب نے جھانکا تو بستر پر علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا جو رسول اللہ (ﷺ) کی چادر اوڑھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: یہ تو محمد (ﷺ) اپنی چادر اوڑھے سویا ہوا ہے، اس لیے وہ اسی طرح صبح تک انتظار کرتے رہے، اور جب علی رضی اللہ عنہ بستر سے اُٹھے تو انہوں نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا انہوں نے تو کہا: مجھے ان کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ مکہ میں رہ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود لوگوں کی امانتیں انہیں واپس کر دیں، مکہ والوں کی عادت تھی کہ جب انہیں اپنے کسی چیز کی چوری کا ڈر ہوتا تو اسے آپ ﷺ کے پاس بطور امانت رکھ دیتے، اس لیے کہ ان سب کو آپ ﷺ کی صداقت وامانت کا حال خوب معلوم تھا۔

رسول اللہ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غارِ ثور میں:

رسول اللہ ﷺ کے مکہ سے نکلنے کی خبر علی بن ابو طالب اور ابوبکر رضی اللہ عنہما اور ان کے گھرانے والوں کے سوا کسی کو نہیں تھی، آپ ﷺ اور ابوبکرؓ نے عبداللہ بن اریقط لیثی کو کرایہ پر اپنے ساتھ کر لیا تھا، اس لیے کہ وہ راستہ کا بڑا ماہر آدمی تھا، وہ شخص اب تک اپنی قوم قریش کے دین پر تھا، آپ ﷺ نے اس کو امین بنایا اور اس کے حوالے اپنی دونوں سواریاں کر دیں، اور تین دن کے بعد غارِ ثور میں ملنے کا وعدہ کیا، چنانچہ وہ دونوں سواریاں اسی کے پاس رہیں، انہیں وہ چراتا رہا، اور وعدے کے وقت کا انتظار کرتا رہا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو حکم دیا کہ وہ پتہ چلاتے رہیں کہ لوگ دن میں آپ دونوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ پھر جب شام ہو تو آ کر اس دن کی خبر انہیں سنائیں، اور اپنے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہؓ کو حکم دیا کہ وہ دن بھر ان کی بکریاں چرائے اور شام کے وقت انہیں غار کے پاس لے آئے، عبداللہ بن ابوبکرؓ جب آپ دونوں کے پاس سے مکہ واپس جاتے تو عامر بن فہیرہؓ ان کے رہ گزر سے بکریاں لے جاتے، تاکہ ان کے قدم کے نشانات مٹ جائیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم نے ان دونوں سواریوں کو اچھی طرح تیار کیا، اور آپ دونوں کے لیے ایک تھیلے میں کھانے کا سامان رکھا، اور اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنے دوپٹے کا ایک حصہ کاٹ کر اس سے اس تھیلے کے منہ کو باندھا، اسی وجہ سے ان کا نام ذات النطاقین پڑ گیا۔ ❶

❶ صحیح بخاری، حدیث: (۳۹۰۵)۔

رسول اللہ ﷺ غار ثور کی طرف چل پڑے جو مکہ کے نچلے حصہ کے ایک پہاڑ میں تھا، اور ابوبکرؓ ان کے ساتھ تھے، ابوبکرؓ کبھی آپ ﷺ کے آگے چلتے اور کبھی پیچھے، رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھ کر کہا: اے ابوبکر! کیا بات ہے کہ آپ کبھی میرے آگے اور کبھی میرے پیچھے چل رہے ہیں؟ ابوبکرؓ نے کہا: یا رسولؐ اللہ! مجھے دشمنوں کا آپ کو ڈھونڈنا یاد آتا ہے، تو آپ کے پیچھے چلنے لگتا ہوں اور کبھی آپ کے گھات میں بیٹھے ہوئے کسی دشمن کا خیال آتا ہے تو آپ کے آگے چلنے لگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ اگر کوئی مصیبت آتی تو میرے بجائے آپ پر آتی۔ انہوں نے کہا: ہاں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین برحق بنا کر مبعوث کیا ہے، میں یہ پسند کرتا ہوں کہ کوئی بھی تکلیف آپ کے بجائے مجھے پہنچے۔

جب دونوں غار کے پاس پہنچے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ اپنی جگہ پر رکیے، تاکہ میں غار کی طرف سے آپ کے بارے میں اچھی طرح مطمئن ہو جاؤں، پھر غار میں داخل ہوئے اور اچھی طرح اطمینان کیا، جب نکل کر باہر آنے لگے تو انہیں یاد آیا کہ اس میں ایک سوراخ ہے جس کو انہوں نے ٹھیک سے نہیں دیکھا ہے، اس لیے دوبارہ کہا: یا رسول اللہ! آپ اپنی جگہ رکیے، تاکہ میں سوراخ کی طرف سے اطمینان کرلوں، پھر داخل ہوئے اور اطمینان کر کے نکلے اور کہا: یا رسول اللہ! اب اندر چلیے۔

اور یہ روایت سند صحیح سے ثابت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کی رات ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کی تفصیلات کو سنا تو کہنے لگے، اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ابوبکرؓ کی وہ ایک رات تمام آل عمر کی زندگیوں سے بہتر ہے۔ ❶

جب مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو بستر پر نہیں پایا تو پھر اٹھے اور آپ کے نقش قدم کے مطابق آپ کو تلاش کرتے ہوئے جبل ثور کے پاس پہنچے، وہاں پہنچ کر انہیں کچھ سمجھ میں نہ آیا تو پہاڑ پر چڑھے اور غار کے پاس سے گزرے اور اس کے دروازے پر مکڑی کا جالا دیکھا تو کہنے لگے: اگر محمد (ﷺ) اس غار میں داخل ہوا ہوتا تو اس کے دروازے پر مکڑی کا یہ جالا نہ ہوتا، رسول اللہ ﷺ اس غار میں تین رات رہے۔ ❷

حافظ ابن عساکر اور حافظ ابونعیم ابومصعب مکی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے انسؓ بن مالک، زید بن ارقم اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کی زبان سے سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب غار میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے ایک درخت کو اس کے دہانہ پر اُگا دیا جس سے آپ چھپ گئے، اور دو جنگلی کبوتریوں کو حکم دیا جو غار کے دہانہ پر کھڑی ہو گئیں، ادھر نوجوانان قریش اپنی لاٹھیوں، نیزوں اور اپنی تلواروں کے ساتھ آپ کو تلاش کرتے ہوئے جب وہاں پہنچے اور آپ سے چالیس گز کے فاصلے پر تھے تو ان

---

❶ مستدرک حاکم: ۳/۶، حاکم نے لکھا ہے: یہ حدیث بخاری ومسلم کی شرط کے مطابق سند کے اعتبار سے صحیح ہے، اگر یہ مرسل نہ ہوتی، اور ذہبیؒ نے ان کی تائید کی ہے اور کہا ہے: یہ مرسل حدیث صحیح ہے جو محمد بن سیرین رحمہ اللہ کی مرسل احادیث میں سے ہے۔

❷ مسند احمد: ۱/۳۴۸، مصنف عبدالرزاق: ۵/۳۸۹، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے: اس کی سند حسن ہے، اور زرقانی نے شرح المواہب: ۱/۳۲۳ میں اسے حسن کہا ہے، اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی سیرۃ (۲/۲۳۹) میں لکھا ہے: مکڑی کے جالے کے قصہ سے متعلق جتنی روایتیں آئی ہیں، ان میں یہ سب سے زیادہ بہتر ہے، دیگر محدثین نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے۔

میں بعض نے غار کی طرف دیکھ کر کہا: میں نے دو کبوتریوں کو غار کے دہانے پر دیکھا ہے اس لیے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس کے اندر کوئی نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جب اسے یہ کہتے سنا تو آپ کو یقین ہو گیا کہ اللہ عزوجل نے ان دونوں کبوتریوں کے ذریعے دشمن کا رُخ آپ سے پھیر دیا ہے۔

ابن عساکر رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ جب مشرکین مکہ آپ ﷺ سے دو سو گز کے فاصلے پر تھے تو ان کے رہنما سُراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی نے کہا: سوراخ ہے، مجھے معلوم نہیں کہ محمد (ﷺ) نے اپنا پاؤں کہاں رکھا ہے، قریش نوجوانوں نے کہا: تم نے آج کی رات کوئی غلط رہنمائی نہیں کی ہے، جب صبح ہوئی تو سراقہ نے کہا: تم لوگ غار میں دیکھو، چنانچہ سب لوگ اس کی طرف دوڑ پڑے اور جب نبی کریم ﷺ سے پچاس گز کے فاصلے پر تھے تو وہاں دو کبوتریوں کو دیکھ کر سراقہ لوٹ آیا، لوگوں نے کہا: کیا وجہ ہے کہ تم نے غار میں نہیں دیکھا، اس نے کہا: میں نے غار کے دہانے پر دو جنگلی کبوتریوں کو دیکھا ہے، اس لیے یقین ہو گیا ہے کہ اس کے اندر کوئی نہیں ہے۔ ❶

امام بخاری و مسلم نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا: جب ہم غار میں تھے تو میں نے نبی کریم ﷺ سے کہا: اگر ان میں سے کوئی اپنے قدموں کی طرف جھانک لے تو ہمیں دیکھ لے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر آپ کا ایسے دو کے بارے میں کیا خیال ہے جس کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔ ❷

رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں تین رات رُکے رہے، یہاں تک کہ کافروں کی جستجو کی آگ سرد پڑ گئی، اس وقت آپ دونوں کے پاس عبداللہ بن اریقط دونوں سواریاں لے کر آیا، وہاں سے دونوں چل پڑے، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے عامر بن فہیرہ کو بٹھا لیا اور راستہ بتانے والا ان کے آگے چلتا رہا اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ ان کی حفاظت کرتی رہی۔

قیس بن نعمان رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ خفیہ طور پر نکلے تو آپ کا گزر ایک غلام کے پاس سے ہوا جو بکریاں چرا رہا تھا، آپ دونوں نے اس سے دودھ پلانے کو کہا تو اس نے کہا: میرے پاس دودھ دینے والی کوئی بکری نہیں ہے، یہاں تو صرف میرے پاس ایک اونٹنی ہے جو ابھی ابتدائے سرما میں حاملہ ہوئی تھی اور اس کا بچہ گر گیا ہے، وہ دودھ نہیں دیتی، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے لے آؤ، وہ غلام اسے لے آیا، تو آپ نے اس کے پاؤں کو رسی سے ہلکا باندھ دیا اور اس کے تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا کی یہاں تک کہ دودھ اُتر آیا۔ قیس کہتے ہیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک ڈھال لے کر آئے، اس میں آپ ﷺ نے اسے دوہا، پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پلایا پھر دوہ کر خود پیا، چرواہے نے کہا: اللہ کی قسم! تم کون ہو؟ میں نے تو تمہارے جیسا آدمی کبھی نہیں دیکھا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم میری بات پوشیدہ رکھو گے، تاکہ میں تمہیں بتاؤں؟ اس نے کہا: ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں محمد ہوں، اللہ کا رسول، اس چرواہے نے کہا: آپ ہی کے بارے میں قریش والے کہتے ہیں کہ آپ بے دین ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ ایسا ہی کہتے ہیں، اس نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نبی ہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو دین لے کر آئے ہیں وہ برحق ہے اور یہ کہ آپ نے جو ابھی کر دکھایا ہے وہ نبی کے سوا کوئی دوسرا

❶ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/ ۲۴۰-۲۴۲، دلائل النبوۃ، ابو نعیم: ۲/ ۴۱۹۔

❷ صحیح البخاری، حدیث: (۳۶۵۳)، صحیح مسلم، حدیث: (۲۳۸۱)۔

نہیں کرسکتا، اور میں آپ کی پیروی کرنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم آج یہ کام نہیں کرسکتے ہو، لیکن جب تمہیں خبر ملے کہ میری دعوت غالب ہوگئی ہے تو ہمارے پاس آجانا۔ ❶

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سفر کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا ہے: ہم دونوں غار سے نکل کر مدینہ کی طرف صبح اندھیرے منہ نکل پڑے، اور سارا دن اور اس کے بعد ساری رات تیز چلتے رہے، یہاں تک کہ دوسرے دن دوپہر کا وقت آگیا، تو میں نے اپنی نظر چاروں طرف دوڑائی تاکہ کوئی سایہ دیکھ کر اس کے نیچے آرام کریں۔ میری نظر ایک چٹان پر پڑی، اس کے قریب گیا تو اس کا کچھ سایہ تھا، میں نے اس جگہ کو رسول اللہ ﷺ کے لیے برابر کردیا، اور آپ ﷺ کے لیے چمڑے کا بنا ایک فرش بچھا دیا، اور کہا: یارسول اللہ! آپ یہاں لیٹ جائیے، رسول اللہ ﷺ لیٹ گئے، پھر میں کچھ آگے ہٹ کر دیکھنے لگا کہ کوئی ہماری تلاش میں تو نہیں آرہا ہے، اچانک میری نظر بکری کے ایک چرواہے پر پڑی، میں نے پوچھا: اے غلام! تمہارا آقا کون ہے؟ اس نے ایک قریشی آدمی کا نام بتایا، جسے میں نے پہچان لیا، میں نے اس سے پھر پوچھا: کیا تمہارے پاس دودھ دینے والی بکری ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: کیا تم اسے میرے لیے دودھ سکتے ہو، اس نے کہا: ہاں پھر میں نے اس کو ان بکریوں میں سے ایک بکری کا پاؤں باندھ کر اس کا تھن صاف کرنے کو کہا۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ بھی صاف کرلے، اور میرے پاس ایک برتن تھا، جس کے منہ پر کپڑے کا ایک ٹکڑا بندھا تھا، اس میں اس نے تھوڑا سا دودھ دوہا پھر میں نے پیالے پر پانی بہایا، یہاں تک کہ اس کا نچلا حصہ ٹھنڈا ہوگیا، پھر میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ نوش فرمائیے، آپ نے پیا یہاں تک کہ میں خوش ہوگیا، پھر ہم لوگ وہاں سے چل پڑے اور قریش والے ہمیں ڈھونڈتے رہے، لیکن ان میں سے کوئی ہمیں نہ پاسکا، سوائے سراقہ بن مالک بن جعشم کے، جو اپنے گھوڑے پر سوار تھا، میں نے کہا: یارسول اللہ! اس آدمی نے ہمیں آلیا، آپ ﷺ نے فرمایا: غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ ❷

واقعۂ سراقہ بن مالک:

سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد یہ خبر لے کر آئے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کو قتل کرنے والے یا انہیں قید کرکے لانے والے کو ان دونوں کی دیت کے برابر رقم دی جائے گی، میں اپنی قوم بنی مدلج کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھا تھا تو ان میں سے ایک آدمی نے کہا: اے سراقہ! میں نے ابھی ساحل کی طرف کچھ لوگوں کو دور سے دیکھا ہے، میرا خیال ہے کہ وہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی ہیں۔

سراقہ کہتے ہیں: مجھے یقین ہوگیا کہ وہی لوگ ہیں، لیکن میں نے اس سے کہا: نہیں، وہ لوگ نہیں ہیں، شاید تم نے فلاں اور فلاں آدمی کو دیکھا ہے جو ابھی ہماری نگاہوں کے سامنے سے گزرے ہیں، میں وہاں تھوڑی دیر رکا رہا، پھر اپنے گھر گیا اور

---

❶ مستدرک حاکم: ۲/۹/۸، حاکم نے کہا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، اور ابو یعلی، بزار اور طبرانی اسے صحیح سندوں سے روایت کی ہے، اور حافظ ابن حجر نے الاصابہ: (۵/۶۰۵) میں اسے صحیح کہا ہے۔

❷ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/۲۵۱، ۲۵۲، مسند احمد: ۱/۲،۳، صحیح البخاری، حدیث: (۳۶۵۲)، صحیح مسلم، حدیث: (۲۰۰۹).

اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ وہ میرے گھوڑے کو نکال کر ٹیلہ کے پیچھے لے جائے اور میرا انتظار کرے، میں نے اپنا نیزہ لیا اور گھر کے بائیں دروازے سے نکلا، درآنحالیکہ میں اپنے نیزے کے ذریعہ زمین میں نشان بنارہا تھا، اور اس کے بالائی حصہ کو جھکا رکھا تھا، یہاں تک کہ میں اپنے گھوڑے کے پاس پہنچ گیا، اس پر سوار ہوا، اور اسے مہمیز لگادی، وہ مجھے لے کر دوڑنے لگا، جب ان کے قریب پہنچا تو میرے گھوڑے کا پاؤں پھسل گیا، اور میں نیچے گر گیا، میں اٹھا، اور اپنا ہاتھ تیروں کے تھیلے تک لے گیا اور اس میں سے تیر نکال کر قسمت کا حال معلوم کرنے لگا کہ میں انہیں نقصان پہنچا سکوں گا یا نہیں، تو میری ناپسندیدہ بات نکلی، لیکن میں نے تیروں کی بات نہیں مانی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

میرا گھوڑا مجھے ان سے قریب کرنے لگا، یہاں تک کہ میں رسول اللہ (ﷺ) کی قراءت کی آواز سننے لگا، اور آپ (ﷺ) ادھر اُدھر نہیں دیکھتے تھے، جب کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بار بار چہار جانب دیکھ رہے تھے۔ اُس وقت میرے گھوڑے کے دونوں اگلے پاؤں زمین میں ٹخنوں تک دھنس گئے، اور میں نیچے گر گیا، اُٹھ کر میں نے گھوڑے کو ڈانٹا تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا، اس نے اپنے دونوں پاؤں بڑی مشکل سے نکالے، جب گھوڑا سیدھا کھڑا ہو گیا تو اس کے پاؤں کی رگڑ سے شہد کی مانند ایک چمکدار غبار اُڑ کر آسمان کی طرف بلند ہو رہا تھا، میں نے دوبارہ تیروں کے ذریعہ قسمت کا حال معلوم کرنا چاہا، تو وہی بات نکلی جسے میں ناپسند کرتا تھا۔

تب میں نے ان لوگوں کو امان دینے کے لیے پکارا، تو وہ کھڑے ہو گئے، میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس آیا، اور اس وقت میرے دل میں یہ بات یقین کی حد تک بیٹھ گئی تھی کہ رسول اللہ (ﷺ) کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ میں نے آپ (ﷺ) سے کہا: آپ کی قوم نے آپ کو گرفتار کرنے کے لیے بڑے معاوضہ کا اعلان کیا ہے، اور دوسری تمام تفصیلات بتائیں، اور آپ اور آپ کے ساتھیوں کو زادِ سفر اور دیگر سامان کی پیش کش کی، تو انہوں نے مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی اور مجھ سے کوئی مطالبہ نہیں کیا، سوائے اس کے کہ میں ان کی بات کسی کو نہ بتاؤں۔ میں نے آپ ﷺ سے طلب کیا کہ مجھے ایک پروانۂ امن لکھ کر دیں، تو آپ ﷺ کے حکم سے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے وہ بات چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر مجھے دی، پھر رسول اللہ ﷺ آگے بڑھ گئے۔

سیرۃ حلبیہ اور شرح المواہب میں آیا ہے کہ جب سُراقہ آپ ﷺ کے پاس سے لوٹنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے سُراقہ! وہ دن تمہارے لیے کیسا ہوگا جب تم کسریٰ کے دونوں کنگن پہنو گے؟۔ سُراقہؓ نے پوچھا: کسریٰ بن ہرمز؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اور سُراقہؓ نے آپ سے ایک تحریر لکھ دینے کی درخواست کی تو ابوبکرؓ نے انہیں لکھ کر دے دیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ انہیں وہ تحریر عامر بن فہیرہؓ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر دی تھی، پھر وہ لوٹ گئے اور لوگوں سے کہتے گئے کہ اس طرف سے میں ڈھونڈ کر آ گیا ہوں، اور اس طرح انہیں اُدھر جانے سے روک دیا۔

زہریؒ نے روایت کی ہے کہ سُراقہؓ نبی کریم ﷺ کی وہ تحریر لے کر آپ کے پاس مقام جعرانہ پر ملے جب آپ طائف سے لوٹ رہے تھے، تو آپ ﷺ نے ان سے کہا: یہ دن وفاداری اور بھلائی کا ہے، قریب آجاؤ، تو میں آپ ﷺ کے قریب ہو گیا، اور اسلام لے آیا۔

سُراقہ رضی اللہ عنہ جب لوٹے تو ہر ایک کو آپ کی تلاش میں اُس طرف جانے سے یہ کہہ کر روکتے رہے کہ میں اِدھر سے تلاش کر کے آ گیا ہوں، اب کسی کو اُدھر جانے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ کی مشیت دیکھیے کہ جو سُراقہ صبح کے وقت آپ کی تلاش میں اپنی جان کھپا رہے تھے، شام کے وقت آپ کی حفاظت کر رہے تھے۔ ❶

واقعۂ امّ معبد رضی اللہ عنہا:

نبی کریم ﷺ غارِ ثور سے نکل کر سیدھے جنوب میں یمن کی طرف چل پڑے، پھر مغرب کی سمت ساحل کا رُخ کیا، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ ایک ایسے راستے پر پہنچ گئے جس پر لوگ عام طور پر نہیں چلتے تھے، تو بحرِ احمر کے ساحل سے لگے شمال کا رخ کیا، اور اس طرح آپ نے ایک ایسا راستہ اختیار کیا جس پر کوئی آدمی شاذ و نادر ہی چلتا تھا۔ ابن اسحاق نے اُن مقامات کے نام ذکر کیے ہیں جہاں سے رسول اللہ ﷺ مدینہ جاتے ہوئے گزرے تھے، یہاں تک کہ آپ قبا پہنچ گئے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ اس سفرِ ہجرت میں امّ معبد بنت کعب خزاعیہؓ کے دو خیموں کے پاس سے گزرے، یہ ایک پاکدامن، نیک دل، عمر رسیدہ اور بہادر خاتون تھیں، جو مردوں کے سامنے آتی تھیں، اپنے خیمہ کے باہر بیٹھی رہتیں اور وہاں سے گزرنے والوں کو کھلاتی پلاتی تھیں۔

آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے ان سے اپنی میزبانی کی خواہش ظاہر کی، تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے پاس نہ کھانا ہے اور نہ دودھ دینے والی کوئی اونٹنی یا بکری، سوائے ایک غیر حاملہ بکری کے، وہ زمانہ قحط سالی کا تھا، رسول اللہ ﷺ کی نظر خیمے کے اندر بندھی ایک بکری پر پڑی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے امّ معبد! یہ بکری کیسی ہے؟ انہوں نے کہا: ایک کمزور اور تھکی ہاری بکری ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہ دودھ دیتی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم مجھے اسے دوہنے کی اجازت دوگی؟ انہوں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اگر آپ سمجھتے ہیں کہ وہ دودھ دے سکتی ہے تو اسے دوہیے۔ آپ ﷺ نے اس بکری کو منگایا اور اس کے تھن پر اپنا ہاتھ پھیرا، اور بسم اللہ پڑھ کر اس کے حق میں دعا کی، تو اچانک وہ بکری دوہے جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ اور اُس کے تھن میں دودھ اُتر آیا، آپ ﷺ نے ایک بڑا برتن منگایا، اور اس میں دوہنے لگے، یہاں تک کہ دودھ کی جھاگ اس برتن کے اوپر آ گئی، آپ ﷺ نے پہلے امّ معبدؓ کو پلایا، پھر اپنے اصحاب کو، اور آخر میں خود پیا۔ سب نے بار بار پیا، یہاں تک کہ اچھی طرح سیراب ہو گئے، پھر آپؐ نے اس میں دوبارہ دوہا، یہاں تک کہ برتن کو بھر دیا، اور اسے امّ معبدؓ کے پاس رکھ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے امّ معبدؓ سے اسلام پر بیعت لی اور وہاں سے چل پڑے، کچھ ہی دیر کے بعد امّ معبدؓ کے شوہر ابو معبد اپنی دبلی پتلی بکریوں کو ہانکتے ہوئے آئے۔

ابو معبد نے جب دودھ دیکھا تو انہیں بڑی حیرت ہوئی، کہنے لگے: اے امّ معبد! یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا ہے، جب کہ خیمے میں موجود بکری چراگاہ سے دور ہے اور نہ حاملہ ہے، اور نہ گھر میں کوئی دودھ دینے والی بکری ہے۔

امّ معبدؓ نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے پاس سے ایک بہت ہی مبارک آدمی کا گزر ہوا ہے جن کی حالت ایسی ایسی تھی،

---

❶ دلائل البیہقی: ۲/ ۴۸۷، اور اس کے بعد۔ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/ ۲۴۷-۲۴۹، زاد المعاد: ۳/ ۴۸، ۴۹، صحیح البخاری، حدیث: (۳۹۰۶)، صحیح مسلم، حدیث: (۲۰۰۹) مسند احمد: ۴/ ۱۷۶۔

ابو معبد نے کہا: اے امّ معبد! مجھے ان کی صفت بیان کرو، تو انہوں نے کہا: میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا جن کا حلیہ یہ تھا؛ چمکتا رنگ، تابناک چہرہ، خوبصورت ساخت، نہ بڑی توند والا نہ گنجے سر والا، جمالِ جہاں تاب کے ساتھ ڈھلا ہوا پیکر، سرگیں آنکھیں، لمبی پلکیں، بھاری آواز، لمبی گردن، سفید و سیاہ آنکھیں، سیاہ سرگیں پلکیں، باریک اور باہم ملے ہوئے ابرو، چمکدار کالے بال، خاموش رہیں تو باوقار، گفتگو کریں تو پرکشش، دور سے دیکھنے میں سب سے تابناک و پرجمال، قریب سے سب سے خوبصورت و حسین، گفتگو میں چاشنی، بات میں وضاحت اور دوٹوک، نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا کہ گویا لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں، درمیانہ قد، نہ ناٹا کہ نگاہ میں نہ جچے اور نہ لمبا کہ ناگوار لگے، دو شاخوں کے درمیان ایسی شاخ کی طرح جو سب سے زیادہ تازہ اور خوش منظر ہے۔ آپ کے رفقاء آپ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے، کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو لپک کر اسے بجالاتے ہیں، مطاع و مکرم، نہ ترش رو، نہ لغو گو۔

ابو معبد نے کہا: یہ تو اللہ کی قسم! وہی آدمی ہیں جنہیں قریش والے ڈھونڈ رہے ہیں، اگر وہ مجھے مل گئے تو میں ان کا ساتھی بن جاؤں گا، اور میں اس کے لیے پوری کوشش کروں گا۔

آپ ﷺ کی زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے ملاقات:

امام بخاری نے زہری رحمہم اللہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں: مجھے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے کہ مدینہ جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی ملاقات زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی جو مسلمان تاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ شام سے واپس آرہے تھے، زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اس وقت سفید کپڑے پہنائے تھے۔ ❶

آپ ﷺ کی ملاقات بُریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے:

اسی ہجرتِ مدینہ کے سفر میں آپ ﷺ کی ملاقات بُریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے اُن کے قبیلہ بنی سہم کے ستر سواروں کے ساتھ ہوئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تم کون ہو؟ کہا: بُریدہ۔ آپ ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوبکر! ہمارا معاملہ ٹھنڈا اور مناسب ہے۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا: تم کس خاندان کے ہو؟ کہا: خاندانِ اسلم کا۔ آپ ﷺ نے ابوبکرؓ سے کہا: ہم محفوظ ہوگئے۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا: تم کس قبیلہ سے ہو؟ کہا: بنی سہم کا۔ آپ ﷺ نے کہا: اے ابوبکر! آپ کی خوش بختی کا تیر نکلا ہے۔ تب بُریدہؓ نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ کہا: میں محمد (ﷺ) بن عبداللہ، اللہ کا رسول ہوں۔ بُریدہؓ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔

چنانچہ بریدہؓ اور وہ تمام لوگ اسلام لے آئے جو ان کے ساتھ تھے، وہ تقریباً اسی (۸۰) گھرانوں کے لوگ تھے، آپ نے اُس وقت عشاء کی نماز پڑھی اور اُن تمام لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب صبح ہوئی تو بُریدہؓ نے نبی کریم ﷺ سے کہا: آپ مدینہ میں اس حال میں داخل ہوں کہ آپ کے ساتھ جھنڈا ہو، پھر بُریدہؓ نے اپنا عمامہ کھول کر اپنے نیزے کے اوپر باندھ لیا اور آپ ﷺ کے آگے چلنے لگے۔ پھر پوچھا: اے اللہ کے نبی! کیا آپ میرے مہمان بنیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: میری یہ اونٹنی اللہ کی مامور ہے، بُریدہؓ نے کہا: اللہ کا شکر ہے کہ بنو سہم والے تمام کے تمام برضا و رغبت

❶ صحیح البخاری، حدیث: (۳۹۰۶)۔

بغیر کسی دباؤ کے اسلام لے آئے۔ ❶

مکہ میں ایک آواز:

جب تین راتیں گزر گئیں اور اللہ تعالیٰ نے اہل قریش کو نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھی ابوبکرؓ کے بارے میں اندھا بنا دیا، اور انہیں کوئی خبر نہ ہوئی کہ وہ دونوں کدھر نکل گئے؟ تو مکہ میں آسمان وزمین کے درمیان ایک اونچی آواز گونجی جسے اہل مکہ سن تو رہے تھے، لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ آواز دینے والا کون ہے؟ یہ آواز مکہ کے نچلے علاقے سے آ رہی تھی کوئی شخص چند اشعار پڑھ رہا تھا، لوگ اس کے پیچھے تھے، اس کی آواز کو سن رہے تھے، اور اسے دیکھ نہیں رہے تھے، پھر وہ آواز دینے والا نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کے بارے میں ام معبدؓ کے خیمے میں اُترنے اور وہاں ان کی ایک بکری کو دوہنے اور پھر وہاں سے مدینہ کی طرف روانہ ہو جانے کی خبر دیتا ہوا مکہ کے بالائی علاقہ سے باہر نکل گیا۔

جب لوگوں نے اس کی بات سنی اور جان گئے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے ہیں، تو بہت سے مسلمان تیزی کے ساتھ ام معبدؓ کے خیمے کی طرف نکل پڑے اور جلد ہی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا ملے۔

جندب بن ضمرہ کا ہجرت کے لیے نکلنا اور تنعیم میں وفات:

جب جندب بن ضمرہ جندعی کو خبر ہوئی کہ نبی کریم ﷺ ہجرت کر گئے تو اپنے دل میں سوچا کہ اب مکہ میں رُکے رہنے کے لیے میرے پاس کوئی عذر نہیں رہا، حالانکہ وہ اس وقت کمزور تھے، انہوں نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ وہ انہیں مکہ سے نکال کر تنعیم لے جائیں، وہاں پہنچنے کے بعد ان کا انتقال ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں نازل فرمایا:

﴿وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ [النساء: ۱۰۰]

"اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کی نیت سے نکلتا ہے، پھر اُس کی موت آ جاتی ہے، تو اس کا اجر اللہ کے نزدیک ثابت ہو جاتا ہے، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔"

جب مکہ میں باقی ماندہ مسلمانوں نے جو سفر کی طاقت رکھتے تھے، یہ بات سنی تو وہ سب کے سب نکل پڑے۔ ابوسفیان مشرکوں کی ایک جماعت کے ساتھ انہیں گرفتار کرنے کے لیے نکلا، انہیں پکڑ کر واپس لے آیا اور سب کو پابند سلاسل کر دیا، ان میں سے کئی لوگ اس ابتلاء وآزمائش سے مغلوب ہو گئے۔ ❷

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے جا ملے:

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے مکہ سے نکل جانے کے بعد تین راتیں وہاں ٹھہرے رہے، آپ نے لوگوں کی ان امانتوں کو واپس کر دیا جو رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں، اور آپ ﷺ کے قرضوں کی ادائیگی کی، پھر

---

❶ الوفاء: ۱/ ۳۹۰، ۳۹۱۔

❷ الوفاء: ۱/ ۳۸۶، ۳۸۷، إتحاف الوری: ۱/ ۳۹۳، مستدرک حاکم: ۲/ ۱۰۰۹، امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا ہے: اس کی سند صحیح ہے اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے، اور کہا ہے: یہ حدیث صحیح ہے۔

نبی کریم ﷺ سے جا ملے، رات میں چلتے تھے اور دن میں چھپ جاتے تھے، یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو قباء میں جالیا۔ ❶

ابوقحافہؓ، ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد کی دیکھ بھال کرتے رہے:

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ اور آپ (ﷺ) کے ساتھ ابوبکرؓ مکہ سے نکلے تو ابوبکرؓ نے سارا مال ساتھ لے لیا تھا، ان کے پاس پانچ یا چھ ہزار درہم تھے، ان کی روانگی کے بعد میرے دادا ابوقحافہ ہمارے پاس آئے، اس وقت ان کی بینائی جا چکی تھی، انہوں نے پوچھا: میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے والد اپنی جان کے ساتھ اپنا مال بھی لے کر چلے گئے، اور تم سب کو پریشانی میں ڈال دیا؟ میں نے کہا: دادا ایسا ہرگز نہیں ہوا ہے۔ وہ تو ہمارے لیے بہت کچھ چھوڑ کر گئے ہیں، پھر میں نے کئی پتھر لیے اور انہیں گھر کے ایک کونے میں رکھ دیا جہاں میرے والد اپنا مال رکھا کرتے تھے، پھر اس پر ایک کپڑا ڈال دیا، پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لے گئی اور کہا: دادا آپ اپنا ہاتھ اس مال پر رکھئے، انہوں نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا تو کہنے لگے: پھر کوئی حرج نہیں، اگر وہ تمہارے لیے اتنا کچھ چھوڑ کر گیا ہے تو بہت اچھا کیا ہے، اس سے تم لوگ اپنا گزر اوقات کرو گے۔ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: حالانکہ اللہ کی قسم! والد نے ہمارے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا، میں نے تو اس طرح اپنے دادا کو اطمینان دلانا چاہا تھا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ کی شخصیت کو چھپانا:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے جب ہجرت کی تو آپ ﷺ کی سواری پر آپ کے پیچھے ابوبکرؓ سوار تھے، راستہ میں لوگ ابوبکرؓ کو پہچان لیتے تھے، اس لیے کہ وہ بارہا اپنے تجارتی کاموں کے لیے شام جاتے رہے تھے، اور ان لوگوں کے پاس سے ان کا گزر ہوتا تھا، لوگ ان سے پوچھتے: اے ابوبکر! آپ کے آگے کون ہے؟ وہ کہتے: ایک راستہ دکھلانے والا ہے، جب مدینہ کے قریب ہوئے تو آپ ﷺ نے انصار مدینہ اور ابوامامہؓ اور ان کے ساتھیوں کو خبر بھیجی، وہ سب نکل کر آپ دونوں کے پاس آئے اور کہا: آپ امن و سلامتی کے ساتھ، اور بحیثیت ہمارے سردار اور فرمانروا داخل ہو جائیے، چنانچہ دونوں مدینہ میں داخل ہو گئے۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے آج تک کوئی دن اُس دن سے زیادہ پررونق اور پربہار نہیں دیکھا، جس دن رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ مدینہ میں داخل ہوئے، اور میں نے آپ ﷺ کی وفات کا منظر بھی دیکھا، تو کوئی دن اُس دن سے زیادہ تاریک اور بدشکل نہیں دیکھا، جس دن رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی۔ ❷

رسول اللہ ﷺ کا مدینہ میں استقبال:

محمد بن اسحاق نے بعض انصاری صحابہ کرامؓ سے روایت کی ہے کہ جب ہمیں نبی کریم ﷺ کے مکہ سے نکلنے کی خبر ملی اور آپ کی آمد کی امید ہوگئی تو ہم لوگ ہر روز صبح کی نماز پڑھنے کے بعد حرہ کے علاقے میں نکل کر آپ ﷺ کا انتظار کرنے

---

❶ سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۴۹۴-۴۸۵؛ إتحاف الوری: ۱/ ۳۹۳-۳۹۵.

❷ مسند احمد: ۳/ ۱۲۲، اس حدیث کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں، مقدمہ سنن دارمی: ۱/ ۴۱، اس کی سند صحیح ہے، مستدرک حاکم: ۳/ ۱۲، امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے۔

لگے۔ اللہ کی قسم! جب تک دھوپ ہمیں ستانے نہ لگتی ہم وہیں انتظار کرتے، اور ہمیں جب کوئی سایہ نہ ملتا تو اپنے گھروں کو واپس آ جاتے، اس لیے کہ وہ زمانہ سخت گرمی کا تھا، یہاں تک کہ وہ دن آ گیا جس دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، اور ہم ہر روز کی طرح انتظار میں بیٹھے رہے اور جب کوئی سایہ باقی نہ رہا تو اپنے گھروں میں داخل ہو گئے، تب رسول اللہ ﷺ پہنچے، اور پہلا آدمی جس نے آپ ﷺ کو دیکھا، ایک یہودی تھا، وہ اونچی آواز کے ساتھ پکارنے لگا، اے بنی قیلہ! یہ دیکھو! تمہاری خوش قسمتی آ گئی۔

ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑ پڑے، آپ اُس وقت ایک کھجور کے سایے میں تھے، اور آپ ﷺ کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو آپ ہی کی عمر کے آدمی تھے، اور ہم میں سے اکثر لوگوں نے اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا تھا، لوگ آپ کے اِردگرد جمع ہو گئے، لیکن نہیں جانتے تھے کہ آپ کون ہیں اور ابوبکر کون؟ یہاں تک کہ سایہ آپ کے سر سے ڈھل گیا، تو ابوبکرؓ اُٹھے اور آپ کے سر پر اپنی چادر سے سایہ کرنے لگے، تب ہم نے آپ ﷺ کو پہچانا۔ ❶

مسجد قبا کی تعمیر:

صحیح بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے مروی احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ ماہ ربیع الاول میں سوموار کے دن مدینہ کے بالائی علاقے میں بنی عمرو بن عوف کے پاس تشریف فرما ہوئے، آپ ﷺ ان کے پاس چودہ راتیں رہے، اور اس مسجد کی بنیاد رکھی جس کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ اور آپ نے اس میں نماز پڑھی، پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے اور لوگ آپ کے ساتھ چلنے لگے، یہاں تک کہ مدینہ آ کر مسجدِ رسول کے پاس اونٹنی بیٹھ گئی۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی جب اہل مدینہ کے سامنے پہنچے تو تمام اہل مدینہ یکبارگی نکل پڑے، یہاں تک کہ دلہنیں چھتوں کے اوپر سے آپ کو دیکھ کر پوچھنے لگیں، ان میں رسول اللہ ﷺ کون ہیں، ہم نے اس سے پہلے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔

صحیحین میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ ہجرت میں ہے کہ جب ہم لوگ مدینہ آئے تو لوگ راستوں اور چھتوں پر نکل آئے، اور غلام اور نوکر چاکر کہنے لگے: اللہ اکبر، رسول اللہ آ گئے، اللہ اکبر، محمد آ گئے، اللہ اکبر، رسول اللہ آ گئے، اللہ اکبر، محمد آ گئے۔ اور جب صبح ہوئی تو جہاں جانے کا اللہ کی طرف سے حکم تھا وہاں چلے گئے۔

بیہقی نے ابن عائشہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو عورتیں اور بچے کہنے لگے:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا ... مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا ... مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ
أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا ... جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

ان اشعار کا مختصر مفہوم یہ ہے:

”ہمارے اوپر ثنیۃ الوداع پہاڑی کے اوٹ سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے، جب

❶ السيرة النبوية، ابن كثير: ٢/ ٢٦٨.

تک پکارنے والا اللہ کو پکارتا رہے گا۔ اے ذات پاک جنہیں اللہ نے ہمارے لیے نبی بنا کر بھیجا ہے، آپ ایک ایسا دین لے کر آئے ہیں جس کی اطاعت کی جائے گی۔"

نبی کریم ﷺ بنی عمرو بن عوف والوں کے پاس سے جمعہ کے دن نکلے، اور جب آپ بنی سالم بن عوف کے علاقے میں پہنچے تو جمعہ کا وقت ہوگیا، چنانچہ آپ ﷺ نے وادی رانوناء میں واقع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو آپؐ نے مدینہ میں پڑھا، اور اسی دن سے یثرب کا نام مدینۃ الرسول رکھ دیا گیا۔ پھر مختصر ہو کر مدینہ کے نام سے مشہور ہوگیا۔

آپ ﷺ کے پاس عتبان بن مالک اور عباس بن عبادہ بن نضلہؓ بنی سالم کے دیگر کچھ لوگوں کے ساتھ آئے، اور کہا: یا رسول اللہ! آپ ہمارے پاس قیام کیجیے، ہم نفری قوت اور اسلحہ اور ساز و سامان والے لوگ ہیں تو آپؐ نے فرمایا: تم لوگ اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے، تو وہ لوگ الگ ہٹ گئے، اور اونٹنی چلتی ہوئی جب دار بنی بیاضہ کے سامنے آئی تو بنی بیاضہ کے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! آپ ہمارے پاس تشریف لائیے، ہم نفری قوت، اسلحہ اور ساز و سامان والے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے، تو وہ لوگ اس کے راستے سے ہٹ گئے۔

اونٹنی چل پڑی یہاں تک کہ دار بنی ساعدہ کے سامنے آئی، تو وہ لوگ کہنے لگے: یا رسول اللہ! آپ ہمارے پاس تشریف لائیے، ہماری تعداد بڑی ہے اور ہم آپ کی حفاظت کی طاقت رکھتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اس اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے، تو وہ الگ ہٹ گئے۔

اونٹنی آگے چل پڑی، یہاں تک کہ دار بنی الحارث بن خزرج کے سامنے پہنچی تو کچھ لوگ آگے بڑھ کر کہنے لگے: یا رسول اللہ! آپ ہمارے پاس تشریف لائیں، ہم تعداد، ہتھیار اور قوت دفاع میں زیادہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا راستہ چھوڑ دو، یہ مامور ہے، تو لوگوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ www.KitaboSunnat.com

اونٹنی آگے چل پڑی یہاں تک کہ عدی بن نجار والوں کے علاقے میں پہنچی، یہ رسول اللہ ﷺ کے ننہالی لوگ تھے، اس لیے کہ عبدالمطلب کی ماں سلمہ بنت عمرو انہی لوگوں کی بیٹی تھی، وہاں کچھ لوگ آگے بڑھے اور کہا: یا رسول اللہ! آپ اپنے ماموں زادوں کے پاس تشریف لائیے، ہم لوگ تعداد، اسباب جنگ اور دفاعی قوت میں زیادہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا راستہ چھوڑ دو، یہ مامور ہے، تو لوگوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔

اونٹنی چلتی ہوئی جب بنی مالک بن نجار والوں کے پاس پہنچی تو آج کی مسجد نبوی کے دروازے کے پاس بیٹھ گئی۔ اس وقت وہ جگہ بنی مالک بن نجار کے دو یتیم لڑکوں سہل اور سہیل کی بکریوں کا باڑہ تھی، اور یہ دونوں معاذ بن عفراءؓ کی گود میں پلے بڑھے تھے، بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ دونوں اسعد بن زرارہؓ کی گود میں پلے بڑھے تھے، واللہ اعلم۔ ❶

اور موسیٰ بن عقبہؒ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ راستہ میں عبداللہ بن ابی بن سلول کے پاس سے گزرے، وہ اس وقت اپنے ایک گھر میں تھا، رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگے کہ وہ آپ کو گھر کے اندر بلائے، ان دنوں وہ

---

❶ السيرة النبوية، ابن كثير: ٥/٢٦٨-٢٧٢، سيرة ابن هشام: ١/٤٩٤-٤٩٥.

خزرج کا سردار تھا۔ عبداللہ نے کہا: ان لوگوں کے پاس جاؤ، جنہوں نے تمہیں بلایا ہے، ان کے پاس جا کر ٹھہرو، آپ ﷺ نے یہ بات چند انصاری صحابہ سے کہی، تو سعد بن عبادہؓ اس کی طرف سے معذرت پیش کرتے ہوئے کہنے لگے: یارسول اللہ! اللہ نے آپ کو بھیج کر ہم پر احسان کیا ہے، ہم عنقریب ہی اس کے سر پر تاج رکھ کر اسے اپنا بادشاہ بنانے والے تھے۔

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں: انصار مدینہ آپ ﷺ کے بنی عمرو بن عوف والوں کے پاس سے روانہ ہونے سے پہلے جمع ہو چکے تھے، سب آپ کی اونٹنی کے گرد چلنے لگے، ان میں سے ہر ایک رسول اللہ ﷺ کی تکریم و تعظیم کے لیے کوشش کر رہا تھا کہ وہ اونٹنی کی لگام تھامے، اور آپؐ جب کسی انصاری کے گھر کے پاس سے گزرتے تو وہ آپ کو اپنے گھر کے اندر تشریف لانے کی درخواست کرتا، تو آپ ﷺ فرماتے: اسے چھوڑ دو، یہ مامور ہے، میں وہیں ٹھہروں گا، جہاں مجھے اللہ ٹھہرائے گا۔

آپ ﷺ کا قیام ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں:

جب اونٹنی ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس پہنچی تو ان کے دروازے پر بیٹھ گئی، آپؐ اُتر کر ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو گئے اور وہیں قیام پذیر ہو گئے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی مسجد اور آپ کے کمرے بنائے گئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: اونٹنی جب وہاں بیٹھی تو آپ ﷺ اس سے نہیں اُترے، وہ پھر دوبارہ کھڑی ہو گئی اور تھوڑی دور چلی، اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی تھی، اونٹنی پھر پیچھے کی طرف مڑی اور جہاں پہلی بار بیٹھی تھی وہیں لوٹ گئی، اور دوبارہ اسی جگہ بیٹھ گئی، پھر اونٹنی نے آواز نکالی اور آرام کے ساتھ وہیں پھیل گئی، تب آپ ﷺ اُتر گئے اور ابوایوب خالد بن زیدؓ نے آپ کا سامانِ سفر اُتار کر اپنے گھر میں رکھا، اور رسول اللہ ﷺ وہاں قیام پذیر ہو گئے۔

آپ ﷺ نے بکری کے باڑے کے بارے میں پوچھا: یہ کس کا ہے؟ تو معاذ بن عفراءؓ نے کہا: یارسول اللہ! یہ عمرو کے دونوں بیٹوں سہل اور سہیل کا ہے، یہ دونوں یتیم میرے زیر نگرانی ہیں، اور میں ان دونوں کو اس زمین کے لیے راضی کر لوں گا، آپ اسے مسجد بنا لیجیے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے تعمیر مسجد کا حکم دے دیا۔ ❶

بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں لکھا ہے: جب اونٹنی ابوایوبؓ کے دروازے پر بیٹھ گئی تو بنی نجار کی کچھ چھوٹی لڑکیاں دف بجاتی ہوئی اور یہ کہتی ہوئی نکلیں:

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ ۔۔۔ يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارِ

''ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں، محمد ہمارے کتنے اچھے پڑوسی بن گئے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ یہ سن کر نکلے اور کہا: کیا تم لوگ مجھ سے محبت کرتی ہو، تو انہوں نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! یارسول اللہ، آپ ﷺ نے فرمایا: اور میں بھی اللہ کی قسم! تم سب سے محبت کرتا ہوں، آپ نے یہ جملہ تین بار دُہرایا، اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور اسی جیسی ایک حدیث امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے روایت کی ہے۔

صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انصار کی عورتوں اور بچوں کو کسی شادی سے واپس آتے دیکھا، تو رسول اللہ ﷺ ان کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہا: اللہ گواہ ہے کہ تم لوگ مخلوق میں سب سے زیادہ مجھے محبوب ہو،

❶ سیرة ابن هشام: ۱/ ۴۹۶.

آپ نے یہ بات تین بار کہی۔

ابن اسحاق نے ابو ایوبؓ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں رہنے لگے تو آپؐ نیچے ٹھہرے، اور میں اور امّ ایوب بالائی منزل پر، میں نے آپؐ سے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے کہ میں آپ کے اوپر رہوں اور آپ میرے نیچے، اس لیے آپ اُوپر تشریف لے چلیں، اور ہم نیچے آجاتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ایوب! ہمارے لیے اور ہمارے پاس آنے والوں کے لیے مناسب یہی ہے کہ میں نیچے رہوں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نیچے رہنے لگے اور ہم اوپر۔ ایک دن اوپر ہمارے پانی کا ایک مٹکا ٹوٹ گیا، تو میں اور امّ ایوب فوراً اپنا ایک کمبل لے کر پانی کو خشک کرنے لگے (ہمارے پاس اس کے سوا کوئی لحاف نہ تھا) تاکہ پانی کا کوئی حصہ آپ کے اوپر ٹپک کر آپ کی تکلیف کا سبب نہ بنے۔ ابو ایوبؓ کہتے ہیں: ہم آپ ﷺ کے لیے رات کا کھانا تیار کر کے آپ کے پاس بھیج دیتے تھے، اور جب اس کا باقی ماندہ حصہ واپس کرتے تو میں اور امّ ایوب آپؐ کے ہاتھ کے نشان کی جگہ سے لے کر بطور تبرک کھایا کرتے۔ ایک رات ہم نے آپ کا کھانا بھیجا جس میں پیاز یا لہسن ملا تھا، آپ ﷺ نے اُسے جب واپس کیا تو اس میں ہم نے آپ ﷺ کے ہاتھ کا نشان نہیں پایا، میں گھبرایا ہوا آپؐ کے پاس آیا اور پوچھا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ نے کھانا واپس کر دیا اور اس میں ہم نے آپؐ کے ہاتھ کا نشان نہیں دیکھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس درخت (پیاز یا لہسن) کی بُو اس سے آئی تھی، اور میں (جبریل سے) سرگوشی کرتا ہوں۔ اس لیے تم لوگ وہ کھانا کھالو۔ چنانچہ وہ کھانا ہم لوگوں نے کھالیا، اور پھر اس کے بعد کبھی آپؐ کے کھانا میں پیاز یا لہسن نہیں ڈالا۔ ❶

امام مسلمؒ نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں اس حدیث کو احمد بن سعید سے روایت کیا ہے، اور حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی کتاب السیرۃ النبویہ (۲/ ۲۷۸) میں اسے ذکر کیا ہے، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا: جب آپ ﷺ ابو ایوبؓ کے گھر مہمان بنے، تو پہلا ہدیہ جو آپؐ کے لیے آیا وہ دودھ، گھی اور روٹی سے تیار کردہ ثرید کا پیالہ تھا۔ میں نے آپ ﷺ سے کہا: یہ میری ماں نے بھیجا ہے، تو آپ ﷺ نے برکت کی دعا کی، اور اپنے اصحاب کو بلا کر سب کے ساتھ اسے کھایا۔ پھر دوسرا پیالہ سعد بن عبادہؓ کے گھر سے آیا جس میں ثرید اور گوشت تھا۔ اس طرح ہر رات آپ ﷺ کے دروازہ پر تین چار آدمی باری باری کھانا لے کر آتے۔ آپ ﷺ کا قیام ابو ایوبؓ کے گھر میں سات ماہ تک رہا۔ ❷

ہجرت نبوی کی اِن مذکورہ تفاصیل سے معلوم ہوا کہ مکہ سے نکلنے کے بعد مدینہ پہنچنے میں آپ ﷺ کو پندرہ دن لگے تھے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ مکہ سے سوموار کے دن نکلے تھے، اور مدینہ سوموار کے دن بارہ ربیع الاوّل کو پہنچے تھے، اور مدینہ میں آپ ﷺ دس سال رہے، ❸ اور غار ثور میں تین دن تک چھپے رہے، وہاں سے نکل کر ساحل کے راستے سے جو عام راستہ سے طویل ہے، قبا پہنچے تھے۔

---

❶ سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۴۹۸، ۴۹۹۔

❷ سیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۲/ ۲۷۷-۲۷۹۔

❸ مجمع الزوائد: (۶/ ۶۳) میں ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کی ہے اور اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔

ہجرتِ نبوی، تاریخ اسلامی کی ابتدا:

ہجرتِ نبوی سے تاریخ اسلامی کی ابتدا کا واقعہ یوں ہے کہ سن ۱۷ یا ۱۸ ہجری میں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک دستاویز پیش ہوئی، جو ایک آدمی کے دوسرے پر کسی حق یا قرض کا ثبوت تھی، اور اس میں یہ لکھا تھا کہ یہ شعبان میں واجب الاداء ہوگا، تو عمر نے پوچھا: کونسا شعبان، اس سال کا شعبان یا گزشتہ یا آئندہ سال کا، پھر انہوں نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور ایک اسلامی تاریخ کے وضع کرنے سے متعلق مشورہ کیا جس کے ذریعہ لوگوں کے قرضوں اور دیگر حقوق کی ادائیگی کی صحیح تاریخ معلوم ہو سکے۔ کسی نے کہا: فارس والوں کی تاریخ استعمال کی جائے۔ کسی نے کہا: روم والوں کی تاریخ، اور کسی نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے دن سے ہماری تاریخ کی ابتدا ہو، اور کچھ لوگوں نے کہا: آپ ﷺ کی بعثت کی تاریخ سے، اور کچھ نے کہا: بلکہ آپ ﷺ کی ہجرت کے دن سے اور کچھ لوگوں نے کہا: بلکہ آپ ﷺ کی وفات کے دن سے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود ہجرت کے دن سے ابتدائے تاریخ کی طرف مائل ہوئے، پھر سب نے اسلامی سوسائٹی کی بناو تعمیر میں ہجرت نبوی کی عظیم اہمیت کے پیش نظر اسی رائے پر اتفاق کر لیا، اور اس لیے بھی سب نے اس رائے کو ترجیح دی کہ ہجرت نبوی حق وباطل، روشنی وتاریکی، خیر وشر اور مشرکین مکہ کے ظلم وطغیان اور کبر وغرور اور مظلوم مسلمانوں کے عہد جدید کی ابتدا کے درمیان حد فاصل تھی۔ جب سب نے ہجرت سے ابتدائے تاریخ پر اتفاق کر لیا تو کہنے لگے: کس مہینے سے اس کی ابتدا ہو پھر ماہ محرم پر سب کا اتفاق ہوگیا، اس لیے کہ اسی مہینے میں لوگ حج سے واپس آتے ہیں، یہ شہر حرام ہے اور سال کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے۔ ❶

خاندانِ نبوی اور خاندانِ ابوبکر رضی اللہ عنہ مدینہ میں:

نبی کریم ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے بعد زید بن حارثہ اور ابو رافع رضی اللہ عنہما کو مکہ بھیجا، تاکہ وہ دونوں آپس کے تعاون سے آپ ﷺ کی بیٹیوں (فاطمہ، ام کلثوم اور زینب رضی اللہ عنہن) اور آپ ﷺ کی بیوی سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اور ان کے لڑکے اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور ان کی ماں ام ایمن برکہ رضی اللہ عنہا کو۔ جنہوں نے آپ ﷺ کو پالا تھا۔ مدینہ لے آئیں، اور آپ ﷺ نے ان دونوں کے ساتھ دو اونٹنیاں اور پانچ سو درہم بھیجے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لیے تھے، تاکہ واپسی کے وقت ان سب کی ضرورت کا سامان خرید لیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے ساتھ عبداللہ بن اُریقط دیلی کو دو یا تین اونٹ دے کر بھیجا، اور اپنے بیٹے عبداللہ بن ابی بکرؓ کو لکھا کہ وہ ان کی بیوی ام رومان اور دونوں بیٹیوں عائشہ اور اسماء کو مدینہ بھیج دیں، چنانچہ زید رضی اللہ عنہ نے مکہ جاتے ہوئے قدید کے مقام پر پانچ سو درہم کے تین اونٹ خریدے اور مکہ پہنچے، اس وقت طلحہ بن عبیداللہ ہجرت کی تیاری کر رہے تھے۔ زید اور ابو رافع رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کی دونوں بیٹیوں (سیدہ فاطمہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما) آپ کی بیوی سودہ، اسامہ بن زید اور ان کی ماں ام ایمن کو لے کر مدینہ واپس چلے گئے، رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ اپنے شوہر عثمان بن عفانؓ کے ساتھ پہلے ہی ہجرت کر گئی تھیں اور ابو العاص بن ربیع نے اپنی بیوی زینب بنت رسول اللہ ﷺ کو روک لیا تھا۔ اور ان سب کے ساتھ عبداللہ بن ابی بکرؓ بھی اپنے والد کے بال بچوں کے ساتھ جن میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، مدینہ آگئے۔

❶ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/۲۸۷-۲۸۹، جامع صحیح، السیرۃ النبویۃ: ۱۰۰۰-۱۰۱.

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا اسلام:

عبداللہ بن سلامؓ یہودیوں کے ایک بڑے عالم تھے، انہوں نے جب رسول اللہ ﷺ کے مدینہ آنے اور بنی نجار میں رہائش پذیر ہونے کی خبر سنی تو فوراً آپؐ کے پاس آئے اور آپؐ سے کچھ ایسی باتیں پوچھیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا تھا، اور آپ ﷺ کے جوابات سن کر اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

امام بخاریؒ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن سلامؓ کو جب آپ کے مدینہ آنے کی خبر ہوئی تو آپؐ کے پاس آ کر انہوں نے کچھ سوالات کیے، کہا: میں آپ سے تین چیزوں کے بارے میں پوچھوں گا، جنہیں صرف ایک نبی ہی جان سکتا ہے، قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟ اہلِ جنت کا پہلا کھانا کیا ہوگا؟ لڑکا اپنے باپ یا ماں کے مشابہ کس وجہ سے ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے ابھی جبریل علیہ السلام نے ان سوالات کے جوابات بتائے ہیں، عبداللہؓ نے کہا: وہ تو یہودیوں کا دشمن فرشتہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کی پہلی نشانی یہ ہے کہ مشرق سے ایک آگ نکلے گی جو تمام لوگوں کو گھیر کر مغرب کی طرف لے جائے گی، اور اہلِ جنت کا پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی ہوگی۔ اور جب مرد کی منی عورت کی منی سے سبقت کر جاتی ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے، اور اگر عورت کی منی مرد کی منی سے سبقت کر جاتی ہے تو بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔ ابن سلامؓ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

عبداللہؓ نے کہا: یا رسول اللہ! یہودی افترا پرداز لوگ ہوتے ہیں، اس لیے آپ ان سے میرے بارے میں میرے اسلام کی خبر پھیلنے سے پہلے ہی پوچھ لیجیے، چنانچہ کچھ یہودی آئے تو آپؐ نے ان سے پوچھا: عبداللہ بن سلام تمہاری نظر میں کیسے آدمی ہیں؟ انہوں کہا: ہم میں سب سے بہتر، سب سے بہتر کے لڑکے اور ہم میں سب سے افضل اور افضل کے بیٹے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اگر عبداللہ بن سلام اسلام لے آئیں، تو تم کیا کہو گے؟ انہوں نے کہا: اللہ انہیں اس سے بچائے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ اپنا سوال دُہرایا، تو انہوں نے پہلے جیسا جواب دیا، تب عبداللہ نکل کر ان کے سامنے آئے، اور کہا: اشهد أن لا إله إلا الله وأنّ محمدًا رسول الله یہ سن کر وہ کہنے لگے: یہ تو ہم میں سب سے بُرا آدمی ہے، اور ہمارے سب سے بُرے آدمی کا لڑکا ہے، اور ان کی عیب جوئی کرنے لگے، تو عبداللہؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اسی بات سے ڈر رہا تھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ عبداللہؓ نے کہا: اے قومِ یہود! اللہ سے ڈرو، اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تم سب خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، اور دینِ برحق لے کر آئے ہیں، تو یہودیوں نے کہا: تم جھوٹے ہو۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کا یہود کے ساتھ یہ پہلا تلخ تجربہ تھا، جس میں اُن کے خبثِ باطن، افترا پردازی اور باطل پر ہٹ دھرمی کا پتہ چلا۔

تعمیر مسجد نبوی:

صحیح بخاری میں ابن شہاب زہریؒ کی روایت ابھی کچھ ہی دیر پہلے گزری ہے کہ وہ جگہ جہاں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی

---

❶ صحيح البخاري، حديث: (٣٩١١)، (٣٩٣٨).

بیٹھی تھی بنی نجار کے دو یتیم لڑکوں کی کھجور خشک کرنے کی جگہ تھی، اور کچھ مسلمان وہاں نماز بھی پڑھتے تھے، آپ ﷺ نے دونوں لڑکوں کو بلا کر ان سے اس کی قیمت معلوم کی، تا کہ آپ اس جگہ مسجد بنائیں، انہوں نے کہا: نہیں، ہم تو اسے آپ کو اے اللہ کے رسول! ہبہ کر دیں گے، چنانچہ انہوں نے وہ زمین آپ ﷺ کو دے دی، آپ ﷺ نے وہیں مسجد بنانا شروع کر دی، آپ اور آپ کے اصحاب کچی اینٹیں ڈھوتے تھے اور آپ ﷺ کہتے جاتے تھے:

هٰذَا الْحِمَالُ لَا حِمَالُ خَيْبَرَ　　هٰذَا أَبَرُّ رَبَّنَا وَأَطْهَرُ

"یہ بوجھ ہر طرح سے بھلائی کا بوجھ ہے، اے ہمارے رب! یہ سب سے زیادہ پاکیزہ اور نیک کام ہے۔"

اور آپ ﷺ یہ بھی کہتے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْأَجْرَ أَجْرُ الْآخِرَةِ　　فَارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

"اے اللہ! اصل اجر تو آخرت کا اجر ہے، تو انصار اور مہاجرین پر رحم کر دے۔" ❶

امام بخاری و مسلم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ جہاں نماز کا وقت آ جاتا وہیں نماز ادا کر لیتے۔ اور بکری کے باڑوں میں بھی نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ پھر آپ کو مسجد بنانے کا حکم دیا گیا تو آپ نے بنی نجار والوں کو بلا بھیجا، اور کہا: اے بنی نجار کے لوگو! تم لوگ یہ باغ میرے ہاتھ قیمت لے کر بیچ دو، انہوں نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! ہم صرف اللہ سے اس کی قیمت مانگتے ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس جگہ مشرکین کی قبریں، اور کوڑا کرکٹ جمع کرنے کی جگہ تھی، اور اس میں کھجور کے درخت بھی تھے، آپ (ﷺ) نے مشرکین کی قبروں کو کھود دینے اور خرابہ کو برابر کر دینے اور کھجور کے درختوں کو کاٹ دینے کا حکم دیا۔ کھجوروں کو صحابہ کرام نے قبلہ کی طرف رکھ دیا، اور اس کی طول کو قبلہ سے لے کر پیچھے تک رکھ دیا، جس کی لمبائی سو گز تھی، اسی طرح سے اس کے دونوں طرف سے یا پیچھے سے بھی بنایا، اور اس کی بنیاد تقریباً تین گز گہری کھودی، پھر اس پر کچی اینٹوں سے مسجد بنانا شروع کر دیا، اور اس کی چوکھٹ کے نیچے پتھر رکھ دیئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پتھر ڈھوتے وقت مندرجہ ذیل شعر گنگناتے تھے، اور آپ ﷺ ان کے ساتھ ہوتے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَةِ　　فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ

"اے اللہ! آخرت کی بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں ہے، اے اللہ! تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما دے۔"

صحابہ نے مسجد کا قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا، اور اس کے تین دروازے بنائے، ایک پیچھے کی طرف سے، دوسرا باب الرحمہ اور تیسرا وہ دروازہ جس سے رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ مسجد سے متصل ہی اسی طرح کچی اینٹوں سے آپ کی بیگمات کے گھر بنائے گئے جن کی چھت کھجور کے پتوں اور اس کے تنوں سے بنائی گئی، اس سے فارغ ہونے کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو رخصت کر کے اس گھر میں لے آئے جسے آپ نے ان کے لیے مسجد کے مشرقی جانب بنایا تھا، اور آج تک وہی ان کے حجرہ کی جگہ ہے، اور آپ ﷺ نے اپنی بیوی سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک دوسرا گھر بنایا۔ ❷

---

❶ صحيح البخاري، حديث: (٣٩٠٦)، (٣٩٦٦).　❷ دیکھئے: زاد المعاد: ٣/٥٥، ٥٦.

عبداللہ بن عمرؓ نے صحیح بخاری کی ایک روایت میں مسجد نبوی کی صفت یوں بیان کی ہے کہ یہ مسجد نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی، اور اس کی چھت کھجور کے پتوں سے اور اس کے کھمبے کھجور کی لکڑیوں سے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں اضافہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کے زمانے کی بنیاد پر ہی کچی اینٹوں اور کھجور کے پتوں سے اسے بنایا، اور لکڑی کے کھمبوں کو دوبارہ لگا دیا، البتہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس میں کافی اضافہ کیا اور اس کی دیواروں کو منقش پتھروں اور چاندی سے بنایا اور اس کے کھمبوں کو منقش پتھروں سے اور اس کی چھت کو ساج نامی درخت کے بڑے بڑے پتوں سے بنایا۔ ❶

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ابوداؤد کی ایک روایت میں آتا ہے جسے بیہقی نے بھی ذکر کیا ہے کہ مسجد نبوی کے کھمبے عہد نبوی میں کھجور کے تنوں کے تھے، جس کے بالائی حصہ پر کھجور کے پتے ڈال کر مسجد کو سایہ دار بنا دیا گیا تھا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ کھمبے دیمک خوردہ ہو گئے تو ان کی جگہ کھجور کے دوسرے کھمبے گاڑ کر ان پر دوبارہ کھجور کے پتے ڈال دیے گئے۔ وہ کھمبے پھر عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دیمک خوردہ ہو گئے تو انہوں نے ان کی جگہ پتھروں کے ستون بنا دیے جو اب تک موجود ہیں۔ ❷

بیہقی نے حسن بصریؒ سے روایت کی ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ کی مدد سے مسجد بنائی تو آپ ان کے ساتھ اینٹ اور پتھر ڈھوتے رہے، یہاں تک کہ آپ کا سینۂ مبارک غبار آلود ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اسے موسیٰ کی چھتری کی مانند ایک چھتری بناؤ۔ اسماعیل بن مسلم کہتے ہیں: میں نے حسنؒ سے پوچھا: موسیٰ کی چھتری کیسی تھی؟ تو آپ نے فرمایا: جب وہ اپنا ہاتھ اٹھاتے تو چھت کو لگتا۔ ابن کثیر کہتے ہیں: یہ حدیث مرسل ہے۔

عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ انصار نے مال جمع کیا اور اسے آپ ﷺ کے پاس لے کر آئے، اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اس مسجد کو بنائیے اور اسے خوبصورت بنائیے، ہم کب تک کھجور کے پتوں کی بنی اس چھتری کے نیچے نماز پڑھتے رہیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے بھائی موسیٰ کی چھتری کے علاوہ کسی دوسری عمارت کی رغبت نہیں رکھتا۔ ❸

رسول اللہ ﷺ نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا غبار جھاڑا:

امام بخاری و مسلم رحمہم اللہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں: ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے، اور عمار رضی اللہ عنہ دو دو، آپ ﷺ نے جب انہیں دیکھا تو ان کے جسم سے مٹی جھاڑنے لگے اور کہنے لگے: عمار کامیاب ہو گیا، اسے ایک باغی جماعت قتل کرے گی، یہ انہیں جنت کی طرف بلائے گا، اور وہ لوگ اسے جہنم کی طرف۔ عمار رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا: میں اللہ کے ذریعہ آزمائشوں سے پناہ مانگتا ہوں۔ ❹

عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسا ہی ہوا، واقعۂ صفین میں شام والوں نے انہیں قتل کر دیا۔ عمار رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور عراق والوں کے ساتھ تھے۔

---

❶ صحیح البخاری، حدیث: (٤٤٦)۔ ❷ دلائل البیهقی: ٢/ ٥٤١.

❸ سیرۃ نبویہ، ابن کثیر: ٢/ ٣٠٤.

❹ صحیح بخاری، حدیث: (٤٤٧)، صحیح مسلم، حدیث: (٢٩١٥)، مسند احمد: ٣/ ٥، دلائل البیهقی: ٢/ ٥٤٦، ٥٤٨.

مدنی سوسائٹی میں مسجد نبوی کا کردار:

نبی کریم ﷺ کا مدینہ پہنچنے کے بعد فوراً ہی مسجد کی تعمیر کرنا اس بات کی دلیل تھی کہ ہر زمان ومکان میں مسلم سوسائٹی کی تعمیر میں مسجد کا کردار بنیادی ہوگا۔ جب ہم عہد نبوی میں مسجد نبوی کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ مسجد صرف پنجگانہ نمازیں ادا کرنے کی جگہ نہیں تھی، بلکہ اس کے ذریعہ بہت سے عظیم اسلامی اغراض ومقاصد پورے ہوئے، جنہیں میں اختصار کے ساتھ یہاں بیان کرتا ہوں:

۱- بلا شبہ یہ مسجد پہلے درجہ میں وہ جگہ تھی جو پنجگانہ نماز کے لیے خاص کی گئی تھی، جو بندۂ مسلم کو اس کے آقا ومالک سے جوڑتی اور اس کے دل کو گندگیوں سے پاک وصاف کرتی ہے، اسے زمین سے اٹھا کر عالم بالا تک لے جاتی ہے، اور روحانی فضاؤں میں اسے اڑاتی ہے، اور اسے یاد دلاتی ہے کہ بندۂ مومن کو ہر حال میں اپنے اللہ کی بندگی اور اس کے سامنے خشوع وخضوع میں مشغول رہنا چاہیے۔

۲- یہ مسجد ایک مدرسہ تھی جس میں صحابہ کرام نے قرآن کریم اور سنتِ نبوی کی تعلیم حاصل کی، جو اسلام، اس کے احکام وشرائع، اخلاقِ حمیدہ اور اُن تمام بنیادی باتوں کی اساس ہے جن پر اسلام کا وجود قائم ہے۔

۳- اسی مسجد میں وہ تمام مسلمان جمع ہوتے تھے جو مختلف قبائل سے ایمان لانے کے بعد رسول ہاشمی کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے لیے آتے تھے، دین کی باتیں سیکھتے تھے، ایک دوسرے سے ذہنی اور فکری طور پر قریب ہوتے تھے، زمانۂ جاہلیت کے قبائلی اونچ نیچ، جنگوں اور اختلافات کو بھول کر وحدتِ اسلامیہ کی لڑی میں یکجا ہو جاتے تھے، اور ایک ایسی لازوال اور سیسہ پلائی دیوار کی طرح قوی اور مضبوط امت میں ڈھل جاتے تھے جن کی زندگی حصولِ رضائے الٰہی اور دعوتِ دین کے لیے وقف ہوتی تھی۔

۴- یہ مسجد حکومتِ اسلامیہ کے تمام سیاسی اور عسکری امور کی نگرانی کی ہیڈ آفس تھی۔

۵- یہی وہ جگہ تھی جہاں نبی کریم ﷺ اپنے اربابِ فکر ونظر صحابہ کرام کے ساتھ جمع ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے تمام اہم امور، مدنی سوسائٹی اور اس کے گوناگوں اجتماعی، معاشرتی، اقتصادی، اور دیگر امور پر تبادلۂ خیال کرتے تھے۔

۶- مسجد نبوی دار القضاء کی حیثیت بھی رکھتی تھی، یہیں مدعی اور مدعیٰ علیہ کے درمیان فیصلے ہوتے تھے۔ اور اس کی حیثیت دار الافتاء کی بھی تھی جہاں سے مسلمانوں کے روز مرہ کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل میں اللہ کی جانب سے نازل وحی متلو اور غیر متلو کے مطابق فتوے صادر ہوتے تھے۔

۷- اسی مسجد میں عرب اور غیر عرب وفود آکر نبی کریم ﷺ سے ملتے تھے، آپ ﷺ اُن کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، اور حسبِ ضرورت یہیں اُن کے ساتھ عہود ومواثیق طے پاتے تھے۔

یہ مبارک مسجد تھی تو بڑی سادہ سی، اس کا فرش ریت اور کنکریوں کا، اس کی چھت کھجور کے پتوں کی، اور اس کے ستون کھجور کے تنوں کے تھے، لیکن اپنے اغراض ومقاصد میں نہایت بلند وبالا تھی۔ اسی عظیم مسجد میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کی تربیت کی جنہوں نے کافروں، مشرکوں، طاغیوں اور باغیوں کے سروں کے اوپر سے گزر کر دنیا کے چپے چپے میں توحید کی

شمع کو فروزاں کیا۔ ❶

ہجرتِ نبوی سے قبل یثرب کی حالت:

یہ بات پہلے لکھی جاچکی ہے کہ یثرب کا نام "مدینۃ الرسول" رکھ دیا گیا، اور یہ شہر نبی کریم ﷺ اور آپ کے اُن اصحابِ کرام کے لیے مسکن و موطن بن گیا جو مکہ اور اس کے مضافات سے ہجرت کر کے یہاں جمع ہو گئے تھے، تاکہ اسلام اور دعوتِ اسلامیہ کے لیے مخلص فوجی کی حیثیت سے کام کریں، اور اس مرکزِ اسلام سے اسلام کی دعوت لے کر سارے عالم میں پھیل جائیں۔ اور زیرِ بحث موضوع کی تکمیل کا تقاضا ہے کہ میں اُس مدنی سوسائٹی پر بھی کچھ روشنی ڈالتا چلوں جس میں رسول اللہ ﷺ مکہ سے آکر رہائش پذیر ہو گئے تھے، اور دیکھوں کہ وہ کون لوگ تھے جو اس شہر کے پرانے مکین تھے، ان کی اصل اور فصل کیا تھی، اور اُن کے عادات و اطوار کیسے تھے؟ تاکہ ہم اس بنیادی انقلاب کی گہرائی اور گیرائی کو سمجھ سکیں جو اسلام کے ذریعے وہاں رونما ہوا تھا، اور وہ کون سی رکاوٹیں تھیں جو قرآن و سنت پر مبنی صحیح عقیدہ اور سچی اخوت و محبت کی بنیاد پر ایک جدید اسلامی سوسائٹی کی تعمیر کی راہ میں آپ ﷺ کو پیش آئی تھیں:

شہرِ یثرب کا علاقہ قدیم زمانہ سے سرسبز و شاداب، ہرا بھرا، زرخیز اور وافر مقدار میں پانی والا علاقہ تھا، اور چاروں طرف سے حرّوں (جلے ہوئے پہاڑوں) سے گھرا ہوا تھا اور اس میں یہود اور اوس و خزرج کے دونوں قبیلے آباد تھے۔

غالب گمان کے مطابق کہا جاتا ہے کہ یہود پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں شام سے ہجرت کر کے یہاں آگئے تھے، جب پہلی صدی قبل مسیح میں سوریا (شام) اور مصر پر اور دوسری صدی عیسوی میں یہودیوں اور نبطیوں کی حکومتوں پر رومانیوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔

سب سے پہلے جو یہود یثرب اور حجاز کے علاقے میں آئے: بنونضیر اور بنوقریظہ کے یہود یہاں آکر سب سے زرخیز علاقوں میں رہائش پذیر ہو گئے، جو شام کی طرف جانے والے تجارتی قافلوں کے راستے کے قریب تھے، اس لیے تجارتی حیثیت سے بھی وہ علاقہ اہم تھا۔ دیگر یہودی قبائل جو ہجرتِ نبوی سے پہلے اس علاقے میں رہائش پذیر تھے وہ بنوقینقاع کے یہودی تھے، جن کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ اصل میں عرب تھے، جنہوں نے یہودی مذہب کو قبول کر لیا تھا، اور انہی یہودی قبائل میں سے بنوعکرمہ، بنومحمر، بنوزعورا، بنوشطیبہ، بنوجشم، بنوبہدل، بنوعوف، بنومعاویہ، بنومرید، بنوالقصیص اور بنوثعلبہ کے لوگ تھے۔ ❷

یہ یہود لباس، زبان اور تہذیب میں عربوں کے رنگ میں رنگ گئے، اور ان کے اور عربوں کے درمیان شادی بیاہ کے تعلقات پیدا ہو گئے، لیکن ان سب کے باوجود انہوں نے اپنی عبرانی اصل کے لیے عصبیت کو ہمیشہ اپنے دل و دماغ میں زندہ رکھا، اور کبھی بھی کلی طور پر عربوں کے ساتھ نہیں ملے، یہ لوگ عربوں کو حقیر جانتے تھے اور انہیں اُمّی کہتے تھے، یعنی وحشی، بے وقوف، رذیل اور پسماندہ لوگ، اور ہمیشہ اوس و خزرج اور یثرب کے پڑوس میں رہنے والے دیگر قبائل کے درمیان دشمنی

---

❶ دیکھئے: دلائل البیہقی: ۲/۵۴۸، اور اس کے بعد، السیرۃ النبویہ: ۲/۳۰۲، اور اس کے بعد۔

❷ وفاء الوفاء: ۱/۱۱۲-۱۱۶، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام: ۶/۵۱۳، ۵۱۴.

اور جنگ کی آگ بھڑکاتے رہتے تھے۔

اس لیے جب انہیں معلوم ہوا کہ اسلام اوس وخزرج کے درمیان جنگ کی آگ کو بجھا دینا چاہتا ہے تو وہ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف اپنے دلوں میں شدید بغض وعداوت رکھنے لگے۔

ان یہودیوں میں بالغ اور قتال کی صلاحیت رکھنے والوں کی تعداد دو ہزار سے کچھ زیادہ تھی، یہ قلعوں کی تعمیر، زراعت وصناعت، مویشی پالنے، پارچہ بافی (کپڑا بننا) اور آلاتِ زراعت وجنگ کی صنعت میں طویل تجربہ رکھتے تھے، ان کے مزاجوں میں اپنی عبرانی اصل کی عصبیت رچی بسی تھی، اور ان کا اکثر وبیشتر کاروبار سود پر مبنی تھا، اور اس معاملہ میں وہ خاص مہارت رکھتے تھے، اسی لیے وہ ہمیشہ عربوں کے کندھوں پر بھاری سودی قرضوں کا بوجھ لادے رکھتے تھے، تاکہ تنگیٔ مال کی وجہ سے آپس میں جنگ نہ بند کردیں۔ اس طرح وہ اپنے یہودی وجود کی ہمیشہ حفاظت میں لگے رہتے تھے اور سودی کاروبار کو ہمیشہ تیز رکھتے تھے۔

اوس وخزرج کے دونوں قبیلے یمن کے قدیم بڑے قبیلے ''ازد'' سے نکل کر یہودیوں کے بعد مدینہ آئے، اور یہودیوں کی چھوڑی چھاڑی زمینوں میں آباد ہونے پر مجبور ہوئے۔

قبیلۂ اوس کے لوگ بنوقریظہ اور بنونضیر کے پڑوس میں، اور قبیلۂ خزرج کے لوگ بنوقینقاع کے پڑوس میں مدینہ کے نچلے علاقے میں رہائش پذیر ہوئے۔ اور قبیلۂ اُوس کا علاقہ خزرج کے علاقے سے زیادہ زرخیز تھا، اسی وجہ سے ان دونوں قبیلوں کے درمیان ہمیشہ مقابلے اور آپسی اختلافات کی بات پائی گئی۔

اور یہودیوں نے ہمیشہ ہی اوس وخزرج کے درمیان نفاق واختلاف پیدا کرکے جنگ کی آگ کو بھڑکانے کی کوشش کی، اور اس کی آخری کڑی جنگِ بُعاث تھی، جو ہجرتِ نبوی سے پانچ سال پہلے ہوئی تھی، جس میں اوس والوں نے خزرج والوں کو شکست دے دی تھی جو اس سے پہلے ہمیشہ اپنی عسکری طاقت میں برتری کے سبب اوس والوں پر غالب آتے رہے تھے۔ اس جنگ کے موقع سے اوس والوں نے بنونضیر اور بنوقریظہ کے ساتھ جنگی تعاون کا معاہدہ کرلیا تھا، اسی لیے وہ جنگِ بُعاث میں خزرج والوں پر غالب آگئے، لیکن انہیں خزرج والوں کو یکسر ہلاک کردینے کی خطرناکی کا پورا احساس تھا، اس لیے کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ خود ہی یہودیوں کو یثرب پر قبضہ کرلینے کا موقع فراہم کریں گے، اور اس مثبت سوچ کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام اوس وخزرج والوں نے عبداللہ بن ابی بن سلول کو اپنا بادشاہ بنا کر اس کی تاج پوشی کرنی چاہی، اس لیے کہ اس کا موقف جنگِ بعاث کے موقع سے نہایت مخلصانہ تھا، اسی کی کوششوں سے بالآخر جنگ بند ہوئی تھی، اور قتل وغارت گری کی آگ سرد پڑی تھی۔

اوس وخزرج والے اب تک ان خطرناک جنگوں کی تلخی کو اپنے دل ودماغ میں اچھی طرح محسوس کر رہے تھے، جو سالہا سال سے ان کے درمیان جاری تھی، اور جن میں ان کے بہت سے جوان کام آگئے تھے، اور جن جنگوں نے ان تمام کی حالت کو بد سے بدتر بنا دیا تھا، انہیں تتر بتر کردیا تھا اور انہیں ہلاکت وبربادی کے دہانے پر پہنچا دیا تھا، انہی حالات واسباب کے پیشِ نظر یہ عرب اسلام کی دعوت کو قبول کرنے کے لیے ذہنی طور پر بالکل تیار تھے، گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر رحم کرنا چاہا، اور ان کی بگڑی بنا کر ایک امتِ راشدہ کی صورت میں دنیا والوں کے سامنے داعیانِ اسلام بنا کر پیش کرنا چاہا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصود اسی طرف اشارہ کرنا تھا، جب انہوں نے کہا: جنگِ بعاث کا دن ایک ایسا دن تھا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی دعوت کے لیے نصرت وتائید کا سبب بنایا، چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ان دونوں جنگجو قبائل کی حالت دگرگوں ہو چکی تھی، اور ان کے تمام زعماء اور سردار یا تو قتل کیے جاچکے تھے، یا بری طرح زخمی ہو چکے تھے، اور یہی سبب تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی تو انہوں نے فوراً اسے قبول کرلیا۔ ❶

جنگِ بعاث کے بعد اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ دونوں قبیلوں کے کچھ لوگ حج کے لیے مکہ آئے، اور اللہ کی مشیت کے مطابق ان میں سے چھ کی ملاقات نبی کریم ﷺ سے ہوگئی، انہوں نے اسلام کی دعوت قبول کرلی، پھر یثرب واپس آگئے، جب دوسرے سال حج کے لیے آئے تو ان میں سے بارہ (۱۲) نے آپ ﷺ سے ملاقات کی، اور اسلام کی دعوت قبول کرلی، یہ لوگ پہلے سے مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہوں نے عقبہ کے پاس نبی کریم ﷺ کے دستِ مبارک پر پہلی بیعت کی، پھر اپنے شہر کو لوٹ گئے، اس کے بعد فوراً ہی رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس مصعب بن عمیر قرشی رضی اللہ عنہ کو بحیثیت داعی ومعلم بھیجا اور مدینہ میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا، اور ہر گھر میں داخل ہونے لگا، پھر یہ مسلمان تیسرے سال اپنے قبیلوں کے مشرک حاجیوں کے ساتھ آئے اور آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر دوسری بیعت کی (ان دونوں بیعتوں کی تفصیل گزر چکی ہے)، پھر یثرب واپس چلے گئے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی، پھر جب آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے ہجرت کی اجازت مل گئی تو آپ بھی مدینہ چلے گئے۔ اور اس وقت یثرب کا نام مدینۃ الرسول رکھ دیا گیا، پھر تو اسلام نے اس سوسائٹی میں ایک گہرا اور کامیاب انقلاب پیدا کیا، جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی، اور جس کی مختصر تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

مدنی سوسائٹی اسلام کے بعد:

اب تک کی تفصیلات سے ہمیں معلوم ہوا کہ اسلام سے پہلے یثرب کی سوسائٹی یہود اور قبائل اوس وخزرج کے عرب مشرکین سے بنی تھی، پھر یہاں مسلمان مہاجرین مکہ سے آئے، اور ان کے بعد ہر جگہ سے نئے مسلمانوں کی آمد کا تانتا بندھ گیا، اور نئی اسلامی اسٹیٹ کو ان مہاجرین کی ضرورت بھی تھی تاکہ مدینہ میں ان کی کثرت ہو اور بآسانی مدینہ اور وہاں کے رہنے والے مسلمانوں اور ان کے اہل وعیال کا دفاع ہو سکے، نیز سماجی، اقتصادی اور سیاسی طور پر مسلمان اپنی کثرت کی بنیاد پر مضبوط ہو سکیں۔

جزیرۂ عرب کے تمام اطراف وجوانب سے نئے مسلمانوں کی آمد نے مدنی سوسائٹی کی بنیاد میں ایک بہت بڑی تبدیلی پیدا کردی۔ بالکل ابتدائے اسلام میں وہاں کے رہنے والے یہودی، انصاری مسلمان اور بعض وہ عرب مشرکین تھے جو ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، بلکہ اپنے کفر وشرک پر علانیہ قائم تھے، لیکن جب اسلامی اسٹیٹ مضبوط ہوئی اور مدنی سوسائٹی میں رہنے والے اکثر لوگوں کا دین دینِ اسلام ہوگیا، اور جنہیں اپنے کفر وشرک پر اصرار تھا، انہیں یقین ہوگیا کہ اب ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کردیں، تاکہ اس مسلم سوسائٹی میں زندہ رہ سکیں، اس لیے

❶ صحیح بخاری، حدیث: (۳۷۷۷)، مسند احمد: ۶/ ۶۱.

انہوں نے ظاہر میں تو اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کر دیا، لیکن اپنے دلوں میں کفر وشرک چھپائے رکھا، تا کہ اپنے سماجی اور اقتصادی منافع کی حفاظت کر سکیں، اور مدینہ میں زندگی گزار سکیں۔

وہ اپنے اس ظاہر و باطن میں فرق، ختلاف کی وجہ سے نفاق میں مبتلا ہو گئے اور اسلام اور نبی کریم ﷺ کے خلاف اپنے دلوں میں دشمنی اور بغض وکینہ کو جگہ دے دی۔ پھر تو مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا ان کی عادت بن گئی، اور اس طرح انہوں نے کفر صریح اور شرک ظاہر کی راہ چھوڑ کر نفاق کی راہ اختیار کر لی اور مدنی سوسائٹی میں وہ اس طرح در آئے کہ انہوں نے یہود اور مخلص انصاری مسلمانوں کے علاوہ ایک تیسرے خبیث عنصر کو جنم دیا، جنہیں اسلامی تاریخ منافق کا نام دیتی ہے۔ اور ان تمام منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔

❁❁❁❁

مدنی سوسائٹی میں بنیادی انقلاب

مدینہ میں اسلام کے داخل ہونے کے بعد مدنی سوسائٹی میں جو تبدیلی پیدا ہوئی وہ نہایت بنیادی تبدیلی تھی، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ عقیدۂ توحید اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان:

اسلام سے پہلے مدینہ میں رہنے والے عرب مشرکین تھے جو بتوں اور ستاروں کی پرستش کرتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے انہیں نعمتِ اسلام سے سرفراز کیا تو انہوں نے اپنے باطل عقیدہ کو یکسر چھوڑ دیا، اپنے بتوں کو توڑ دیا، اپنے جھوٹے معبودوں کو ترک کر دیا، اور ایک اللہ پر ایمان لے آئے، جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور اس کے جیسا کوئی نہیں، انسان کی آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں، اور وہ تمام آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔

۲۔ شریعتِ اسلامیہ کے لیے مکمل سپردگی:

مدینہ کے عرب باشندے دیگر عربوں کی طرح اپنے آپ کو معاملات اور سماجی تعلقات میں کسی ضابطہ اور قانون کا پابند نہیں سمجھتے تھے، لیکن جب دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے تو جاہلیت کے تمام ظالمانہ قوانین اور قبائلی بُری عادات کو یکسر ترک کر دیا، اور اپنے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام اور شریعتِ اسلامیہ کے ضوابط کے پابند ہو گئے، اسلامی اخلاق وعادات کو اپنا لیا، اور خرید وفروخت، شادی اور طلاق، اکل وشرب اور سونے اور جاگنے جیسے تمام احوالِ زندگی میں قرآن وسنت سے رہنمائی حاصل کرنے لگے، اور اپنی ان تمام بُری عادتوں سے چھٹکارا حاصل کر لیا جنہیں ان کے نئے دین کی تائید حاصل نہیں ہوئی، اور دورِ جاہلیت کے تشخص کی تمام صفات سے کنارہ کشی اختیار کر کے اسلامی تشخص کے تمام اوصاف وخصائل کو اپنا لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنی زندگی میں اللہ کی عبادت کے عادی بن گئے اور پنجگانہ نماز کے شدید پابند ہو گئے جو دینِ اسلام کا ستون ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں روزہ اور زکاۃ کا حکم دیا تو اس کی اطاعت کی اور رمضان اور غیر رمضان میں روزہ رکھنے لگے اور اپنے اموال کی زکاۃ ادا کرنے لگے، اور دورِ جاہلیت کی ان تمام بُری عادتوں سے چھٹکارا پا لیا، جو زمانہ بعید سے ان کی گھٹی میں پڑی تھی، جیسے شراب پینا، دورِ جاہلیت کی حرام شادیاں، سودی کاروبار اور اسی طرح کی دیگر تمام قبیح عادتیں جو ان کی سوسائٹی میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور یہ سب کچھ انہوں نے اللہ کے حکم کی بجا آوری میں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝﴾ [المائدۃ: ۹۰-۹۱]

"اے اہل ایمان! بے شک شراب اور جوا، اور وہ پتھر جن پر بتوں کے نام سے جانور ذبح کیے جاتے ہیں، اور فال نکالنے کے تیر ناپاک ہیں، اور شیطان کے کام ہیں، پس تم ان سے بچو، شاید کہ تم کامیاب ہو جاؤ، بے شک شیطان شراب اور جوا کی راہ سے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کرنا چاہتا ہے، اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دینا چاہتا ہے، تو کیا تم لوگ (اب) باز آ جاؤ گے؟"

ان آیات کریمہ کا انصار پر ایسا اثر ہوا کہ انہیں سننے کے بعد فوراً شراب کے مٹکے توڑ دیا اور شراب کو گلیوں میں پانی کی طرح بہا دیا، اور کہنے لگے: اے ہمارے رب! ہم رُک گئے، اے ہمارے رب! ہم رک گئے۔

۳۔ جاہلی عصبیتوں کا خاتمہ:

اسلام سے پہلے یثرب اور دیگر عرب علاقوں میں عرب قبائل کی سیاسی اور سماجی وحدت کی بنیاد قبائلی عصبیت پر تھی، اور وہ جنگ جو برسہا برس سے اوس وخزرج کے درمیان جاری رہی اور جس میں بہت سے عرب جوان قتل کر دیے گئے اس کا سبب یہی قبائلی عصبیت ہی تھی جس کی آگ کو یہود ہمیشہ تیز کرتے رہتے تھے، جیسا کہ میں نے ابھی اوپر بیان کیا ہے، اور انہیں وہ معمولی اختلافی باتیں یاد دلاتے رہتے تھے جو کبھی ماضی میں اُن کے درمیان پائی گئی تھیں۔

جب اسلام آیا تو اس نے اسلامی اسٹیٹ کی بنیاد کو مضبوط کیا اور اس اسٹیٹ سے ان تمام قبائل، جماعتوں اور افراد کو مربوط کیا جو ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے، اور اس ربط کی بنیاد اسلامی عقیدہ تھا جو ان کے ذہنوں اور دماغوں میں دیگر تمام روابط سے اونچی حیثیت کا مالک بن گیا تھا، اس طرح یہ تمام عرب مسلمان اسلام کی لڑی میں پرو دیے گئے، اور تمام قبائلی امتیازات اور عصبیتیں یکسر مٹا دی گئیں، جس کے نتیجہ میں امت مسلمہ وجود میں آئی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱعْبُدُونِ ﴿٩٢﴾﴾ [الأنبياء: ۹۲]

"بے شک یہ تمہاری جماعت ہے، جو ایک جماعت ہے، اور میں تم سب کا رب ہوں، پس تم لوگ صرف میری عبادت کرو۔"

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱتَّقُونِ ﴿٥٢﴾﴾ [المؤمنون: ۵۲]

"اور بے شک یہی تم سب کا دین ہے، جو ایک ہی دین ہے، اور میں تم سب کا رب ہوں، پس تم لوگ مجھ سے ڈرتے رہو۔"

معلوم ہوا کہ نئی سوسائٹی جسے اسلام نے مدینہ منورہ میں وجود بخشا اس کی بنیاد عقیدۂ توحید، ایمان باللہ اور ایمان بالرسول دین کے لیے کامل وخالص وفاداری، شریعت اسلامیہ کی مکمل اتباع، پنجگانہ نماز کی پابندی، رمضان کا روزہ، زکاۃ کی ادائیگی اور دیگر اسلامی شرائع پر تھی، نیز اس جدید سوسائٹی کی بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں رہنے والے تمام مسلمان ہر قسم کی عصبیتوں سے بالاتر ہو کر ایک اسلامی اتحاد کے افراد بن گئے تھے۔

۴۔ رابطۂ اسلام واحد رابطہ:

اب مدینہ میں رہنے والے عرب قبائل کے آپسی تعلقات کی بنیاد قبائلی، لسانی اور اسی طرح کے دیگر عصبیاتی روابط پر نہیں تھی، بلکہ صرف عقیدۂ توحید ہی ان کے درمیان تعلق، اخوت اور محبت کا پہلا سبب بنا، باقی دیگر اسباب وروابط جن کی اسلام نے تائید کی ان کی حیثیت ثانوی تھی، جیسے صلہ رحمی، جس پر اسلام نے مسلمانوں کو بہت زیادہ اُبھارا ہے، قرابت داری، پڑوسی کا حق، ایک شہر میں رہنے والے لوگوں کا ایک دوسرے پر حق وغیرہ۔

اسی وجہ سے جب عقیدہ بدلتا ہے تو اسلامی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے کہ آدمی اور اس کے باپ، اس کے بیٹے، اس کی بیوی، اور اس کے خاندان وقبیلہ کے درمیان تفریق ہوجائے۔ اور یہی وہ عظیم مصلحت تھی جس کی بنیاد پر ابوعبیدہ بن جراحؓ نے معرکۂ بدر میں اپنے باپ کو قتل کردیا، اور ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسی جنگ کے بعد دیکھا کہ اُن کے مشرک باپ کی لاش گھسیٹ کر کنویں میں ڈالی جارہی ہے، اور اُن کے دل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا، ❶ اور میدانِ بدر میں نضر بن حارث کے قتل کے بعد ابوعزیز مشرکوں کا پرچم اُٹھائے ہوئے تھے، اُسے ابوالیسر انصاری نے پابند سلاسل کرلیا، تو ان کے بھائی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس کے پاس سے گزرے، اور انصاری سے کہا: اسے جانے نہ دینا، اس کی ماں بہت مال ومتاع والی ہے، وہ تمہیں پیسے دے کر اُسے آزاد کرائے گی۔ ابوعزیز نے کہا: اے میرے بھائی! یہی میرے لیے تمہاری خیرخواہی ہے؟ تو انہوں نے کہا: تم نہیں، میرا بھائی یہ ہے۔ ❷

اور ایک مہاجر صحابی نے غزوۂ بنی المصطلق میں ایک انصاری کو پیچھے سے ایک لات ماردی، اور اس کی خبر عبداللہ بن اُبی بن سلول کو ہوئی تو اُس نے کہا: کیا واقعی مہاجرین نے ایسا کیا؟ اللہ کی قسم! ہم جب مدینہ لوٹیں گے تو زیادہ عزت وشرف والا نہایت ذلیل آدمی کو وہاں سے نکال دے گا، جب اُس منافق کے بیٹے عبداللہ نے یہ بات سنی، تو اُس سے کہا: اللہ کی قسم! تم اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہوسکتے جب تک اس بات کا اعتراف نہ کرلو کہ تم ذلیل ہو، اور رسول اللہ ﷺ عزت وشرف والے ہیں، اور اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اس کا اعتراف کرے۔ ❸ حالانکہ عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی بن سلول اپنے باپ ابن سلول کا مطیع وفرمانبردار تھا، اور اس کا بڑا احترام کرتا تھا، لیکن عقیدہ کا تقاضا اُس کے نزدیک اوّل درجہ میں معتبر تھا، اس لیے جب انہوں نے دیکھا کہ ان کا باپ نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو ایذا پہنچاتا ہے تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں اُسے قتل کرکے اس کا سر آپ کے قدموں میں لاکر ڈال دوں۔ ❹

صحابہ کرام کا اپنے کافر رشتہ داروں کے بارے میں ایسا رویہ کچھ حیرت انگیز نہ تھا، اس لیے کہ اسلام نے اخوت اور دوستی کو صرف مومنوں کے درمیان محصور کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ [الحجرات: ۱۰] ... ''بے شک مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

نیز فرمان ہے:

---

❶ سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۶۴۰ - ۶۴۱.

❷ البدایۃ والنہایۃ: ۳/ ۳۰۶، ۳۰۷.

❸ سنن ترمذی، کتاب التفسیر: ۵/ ۹۰.

❹ مسند الحمیدی: ۲/ ۵۲۰.

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾﴾ [التوبہ: ۲۳]

"اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے بجائے کفر کو پسند کرلیں تو انہیں اپنا دوست نہ بناؤ، اورتم میں سے جولوگ انہیں اپنا دوست بنائیں گے وہی ظالم ہوں گے۔"

خلاصہ یہ کہ مدینہ کی اسلامی سوسائٹی کی بنیاد سب کچھ سے قبل اسلامی عقیدہ پر تھی، اور اس سوسائٹی کے لوگ صرف اللہ، اُس کے رسول اور مؤمنوں سے محبت کرنا جانتے تھے۔ اور انصار ومہاجرین کے دلوں میں اسی راسخ عقیدہ سے ان کے آپس کی محبت واخوت اور اجتماعی تعاون وتکافل کے سوتے پھوٹے تھے، اور ایک دوسرے کے ساتھ یہی محبت وشفقت اور خوشگوار رشتۂ اخوت اس سوسائٹی میں رہنے والے تمام بڑے اور چھوٹے، مالدار وفقیر اور حاکم ومحکوم کے درمیان تعلق کی بنیاد تھا۔ نہ مالدار فقیر پر اپنی برتری کا اظہار کرتا تھا، نہ حاکم محکوم پر اور نہ قوی کمزور پر، اس لیے کہ مسلمان درحقیقت سب کے سب برابر ہیں، ویسے ہی جیسے کنگھی کے دندانے برابر ہوتے ہیں، کسی کو کسی پر اگر اللہ کے نزدیک برتری مل سکتی ہے تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر۔

۵۔ مہاجرین وانصار کے درمیان بھائی چارہ:

چار طرف سے مہاجرین کی مدینۃ الرسول میں آمد کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ مدنی سوسائٹی میں اجتماعی اور اقتصادی مشکلات رونما ہوتیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس لیے کہ اکثر مہاجرین جو مکہ سے نکل کر یہاں آئے تھے انہیں مشرکین قریش نے ان کا مال واسباب ساتھ لانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اور بہت سے تو مشرکوں کی نگاہ بچا کر مکہ سے خفیہ طور پر نکلے تھے، اس لیے وہ اپنے سامان واسباب کے ساتھ نہیں نکلے تھے، اور جب مدینہ پہنچے تو ان کی حالت ناگفتہ بہ تھی، نہ اُن کے پاس مال تھا اور نہ ہی سر چھپانے کی جگہ۔

اِن حالات کا تقاضا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اُن کے لیے ایسے لوگوں کو تلاش کرتے جو انہیں اپنے گھروں میں پناہ دیں، اور انہیں اپنے کھانے اور پانی میں شریک کریں، یہاں تک کہ اُن کے حالات کچھ درست ہوجائیں، اور ان کے گھبرائے دل کو وحشت وپریشانی کے بعد یک گونہ سکون مل جائے۔

مکہ میں مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ:

مکی دور میں دعوتِ اسلامیہ کے حالات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت سے قبل مکہ میں ہی محسوس کرلیا تھا کہ مسلمان خود اپنے شہر میں نہایت غربت واجنبیت کی زندگی گزار رہے ہیں، اور اس پریشانی کو کسی حد تک دور کرنا ازبس ضروری ہے، اس لیے آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اسلامی رشتۂ اخوت کی طرح ڈالی، اور حمزہ اور زید بن حارثہ، ابوبکر وعمر، عثمان بن عفان اور عبدالرحمن بن عوف، زبیر بن عوام اور عبداللہ بن مسعود، عبیدہ بن حارث اور بلال حبشی، مصعب بن عمیر اور سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن جراح اور سالم (ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام) سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور طلحہ بن عبیداللہ، اور خود اپنے اور علی بن ابی طالب کے درمیان ایمان واسلام کی بنیاد پر اخوت قائم کی (رضی اللہ عنہم)۔ ❶

---

❶ دیکھئے: انساب الأشراف، بلاذری: ۱/ ۲۷۹، فتح الباری: ۷/ ۲۷۱.

اس بھائی چارہ کا مقصد اعلیٰ وادنیٰ کے درمیان تعاونِ باہمی کا جذبہ پیدا کرتا تھا، تاکہ ادنیٰ کی حالت میں اعلیٰ کے ذریعہ سُدھار پیدا ہو، اور اعلیٰ کو ادنیٰ کے ذریعہ مدد ملے، اور اس اسلامی بھائی چارہ کی بنیاد پر آپس میں کوئی حق میراث ثابت نہیں ہوتا تھا۔

مدینہ میں مہاجرین وانصار کے درمیان بھائی چارہ:

مہاجرین جب مکہ سے مدینہ آئے تو انہیں گوناگوں اقتصادی اور سماجی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، جنہیں حل کرنے کی فوری ضرورت تھی، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مہاجرین اور انصار صحابہ کرام کے درمیان ایمان واسلام کی بنیاد پر بھائی چارہ قائم کیا، تاکہ مہاجرین کے ذہنوں سے غربت واجنبیت اور اہل واقارب کی دوری کا احساس ختم ہو، اور ان میں سے بعض بعض کے دست وبازو بن جائیں۔

انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے اپنی طرف سے کسی طرح کا بخل نہیں دکھایا، بلکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو پیشکش کی کہ آپ اُن کے کھجور کے باغات ان کے اور مہاجر بھائیوں کے درمیان تقسیم کردیں، لیکن آپ ﷺ نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے باغات کی نگرانی خود کریں، اور انہیں اپنے لیے باقی رکھیں، اور اپنے مہاجر بھائیوں کو کھجور کا ایک حصہ دیا کریں۔ ❶

انصار نے رسول اللہ ﷺ کو یہ پیشکش بھی کی کہ آپ ان کے مکانات ان سے لے کر ان میں جس طرح چاہیں تصرف کریں، تو آپ ﷺ نے ان کے حق میں کلمۂ خیر کہا اور مہاجر صحابہ کرام کے لیے ایسی زمینوں میں گھر بنائے جنہیں انصار نے ان کے لیے ہبہ کیا تھا، نیز ایسی زمینوں میں جن کا کوئی مالک نہیں تھا۔ ❷

انصار کے اس برادرانہ وکریمانہ برتاؤ کا مہاجرین کے دل ودماغ پر بہت ہی اچھا اثر پڑا، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مہاجرین نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے حسنِ برتاؤ میں آج تک انصارِ مدینہ جیسے لوگ نہیں دیکھے کہ اگر کسی کے پاس تھوڑا ہے تو اس میں ہمیں شریک کرلیا، اور زیادہ ہے تو اس میں سے دل کھول کر ہمارے اوپر خرچ کیا ہے، ہمارے ان بھائیوں نے ہماری ضرورتیں پوری کیں، اور ہمیں اپنی خوشیوں میں شریک کیا، یہاں تک کہ ہمیں ڈر ہونے لگا کہ یہ حضرات پورا کا پورا ثواب لے لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہیں ہوگا جب تک تم لوگ اُن کی تعریف کرتے رہوگے اور اُن کے لیے دعائے خیر کرتے رہوگے۔ ❸

امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے انصار ومہاجرین کے درمیان اس بھائی چارہ کی داغ بیل ہجرت کے پانچ ماہ بعد انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں ڈالی تھی۔ ❹

---

❶ صحیح البخاری، حدیث: (۲۷۸۲)۔ ❷ انساب الأشراف، بلاذری: ۱/ ۲۷۰۔

❸ مسند احمد: ۳/ ۲۰۴، سنن ترمذی، حدیث: (۲۴۸۷)، سنن ابی داؤد، حدیث: (۴۸۱۲)، ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

❹ صحیح البخاری، حدیث: (۲۲۹۴)۔

بھائی چارہ کے اسی عمل کے مطابق آپ ﷺ نے جب عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہما کے درمیان اخوت قائم کی، تو انصاری بھائی نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو پیشکش کی کہ وہ اُن کے اہل و مال کا آدھا حصہ لے لیں، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہارے اہل و مال میں برکت دے، مجھے بازار کا راستہ دکھادو، چنانچہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو بطور نفع کچھ پنیر اور گھی حاصل ہوا، اور آپ ﷺ نے ان کو چند دنوں کے بعد دیکھا تو ان کے جسم پر زرد قسم کی خوشبو کے آثار پائے تو آپ ﷺ نے پوچھا: اے عبدالرحمٰن! یہ کیسی خوشبو ہے؟، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کرلی ہے، آپ ﷺ نے پوچھا: اسے مہر میں کیا دیا ہے؟ انہوں نے کہا: ایک گٹھلی کے برابر سونا، آپ ﷺ نے فرمایا: ولیمہ کرو، چاہے ایک ہی بکری ذبح کر کے۔ ❶

اسی طرح آپ ﷺ نے ابوعبیدہ اور ابوطلحہ، سلمان فارسی اور ابو درداء، ابوبکر اور خارجہ بن زید، عمر بن خطاب اور ایک انصاری صحابی، عثمان اور بنوزُریق کے ایک آدمی، اور زبیر اور کعب بن مالک کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کیا۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

یہ رشتۂ اخوت تقریباً نوے (۹۰) افراد کے درمیان قائم ہوا، پینتالیس (۴۵) مہاجر اور پینتالیس (۴۵) انصار کے درمیان، اور اس اخوت کی بنیاد پر مہاجر اپنے انصاری بھائی کا اس کے رشتہ داروں کے بجائے وارث بننے لگا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ [النساء: ۳۳] ..... ''ہم نے ہر شخص کے ورثا بنائے ہیں۔'' اس کے بعد مہاجرین وانصار کے درمیان وراثت منسوخ ہوگئی اور نصرت وخیر خواہی اور ایک دوسرے کو کھانا کھلانا باقی رہ گیا۔

ابن ابی حاتم نے سندِ حسن کے ساتھ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم مہاجرین وانصار کے بارے میں خاص طور پر فرمایا: ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ﴾ [الأنفال: ۷۵] ..... ''اور رشتہ دار لوگ ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔''، اور یہ اس لیے کہ ہم قریشی مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ہمارے پاس کوئی مال نہ تھا، ہم نے مدینہ میں اپنے انصاری بھائیوں کو پایا ان کے ساتھ ہمارا بھائی چارہ قائم ہوا اور ہم ان کے وارث بننے لگے ..... اور میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بھائی بنا، تو ان کے پاس آکر رہنے لگا، میں نے ان کے پاس بہت سارے ہتھیار دیکھے، اللہ کی قسم! اگر وہ اس دن مرجاتے تو میرے سوا ان کا کوئی وارث نہ ہوتا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو ہم اپنے قدیم طریقۂ میراث کی طرف لوٹ گئے۔ ❷

انصار ومہاجرین کے درمیان اس بھائی چارہ سے متعلق احادیث وآثار کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد بھی صحابہ کرام کے درمیان باہمی ہمدردی، اخلاص اور تعاون کی بنیاد پر بھائی چارہ قائم کرتے رہے، تاکہ مہاجرین کو پیش آنے والی مشکلات کا فوری حل ڈھونڈا جاسکے۔

یہ بات ہر مسلمان کے ملحوظِ خاطر رہنی چاہیے کہ مومنوں کے درمیان رشتۂ اخوت ومحبت قیامت تک باقی رہے گا، اس لیے ہر دور کے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپس میں ہمدردی، تعاون باہمی اور خلوص ومحبت کی بنیاد پر ایک دوسرے

❶ دیکھئے: عیون الأثر: ۱/۲۳۱، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/۳۲۸.

❷ تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۶۸۔

کے بھائی بنیں۔

مہاجرین وانصار کے درمیان قائم کردہ اخوت کی بنیاد پر کئی ایسے خاص حقوق ومصالح مرتب ہوئے تھے جو مسلمانوں کے درمیان عام اخوت وہمدردی پر مرتب نہیں ہوتے۔

صُفّہ اور رشتۂ اخوت:

بعض غریب مہاجرین کو مدینہ آنے کے بعد کوئی ایسا کام نہیں ملا جس سے ان کی روزی کا بندوبست ہوتا، اور نہ انہیں کوئی پناہ کی جگہ ملی، اس لیے کہ مہاجرین مسلسل مدینہ آرہے تھے، اور ان میں سے بہت سے لوگ اہلِ مدینہ میں سے کسی کو نہیں جانتے تھے، بہت سے کھیتوں میں کام کرنے کا تجربہ نہیں رکھتے تھے، اور اکثر کے پاس تجارت کے لیے روپے پیسے نہیں تھے۔

نبی کریم ﷺ ان غریب مہاجرین کی رہائش کے بارے میں مسلسل سوچتے رہے، چنانچہ ہجرت کے سولہ ماہ بعد جب قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا، جیسا کہ امام بخاریؒ نے کتاب الصلاۃ (۱۰۴/۱) میں روایت کی ہے، اور مسجد نبوی کے پچھلے حصے میں قبلۂ اولیٰ کی دیوار باقی رہ گئی تو آپ ﷺ نے اس پر چھت بنانے کا حکم دیا اور اس کا نام صُفّہ یا ظُلّہ (یعنی سایہ دار جگہ) رکھا، اور اُس کے اردگرد کوئی دیوار نہیں بنائی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس صفہ میں ان غریب ونادار مہاجرین کو جگہ دی جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے اسلام اور طاعت وفرمانبرداری کا اعلان کرتے تھے، اسی طرح سے اس میں بعض ان انصار کو بھی جگہ ملی جو زہد وعبادت کی زندگی گزارنا چاہتے تھے، حالانکہ مدینہ میں ان کے مکانات موجود تھے، جیسے کعب بن مالک انصاری، حنظلہ بن ابو عامر انصاری (غسیل الملائکہ یعنی جنہیں فرشتوں نے نہلایا) اور حارثہ بن نعمان انصاری وغیرہ رضی اللہ عنہم، اور ان صحابیوں کی تعداد کم وبیش ہوتی رہتی تھی، وفود کی آمد پر ان کی تعداد بڑھ جاتی، اور جب وہاں سے وہ کوچ کر جاتے تو ان کی تعداد کم ہو جاتی، البتہ وہاں مستقل طور پر قیام کرنے والوں کی تعداد عام طور پر ستر سے اسی ہوتی تھی۔ ❶

یہ حضرات زہد وعبادت کی زندگی میں راغب اور حصولِ علم کے لیے ہر وقت فارغ رہتے تھے، قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے، اس کے فہمِ معانی کا درس لیتے تھے، اور احادیثِ نبویہ کو یاد کرتے تھے، اور جب جہاد کا وقت آتا تو اس میں حصہ لیتے۔ ان میں سے بعض بدر واحد میں شہید ہو گئے اور بعض صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے اور بعض خیبر، تبوک اور یمامہ میں شہید ہوئے۔ یہ لوگ رات میں اپنے رب کی عبادت کرتے تھے، اور دن میں گھوڑوں کی پشت پر جہاد کرتے تھے۔

ان کے پاس اتنا کپڑا نہیں ہوتا تھا جو انہیں ٹھنڈک سے بچائے یا پورے طور پر ان کی ستر پوشی کرے، ان کا کھانا عام طور پر کھجور ہوتی تھی۔ نبی کریم ﷺ ان میں سے ہر دو آدمی کو روزانہ ایک مُد کھجور دیا کرتے تھے۔ انہوں نے مسلسل کھجور کھانے کے سبب اپنے پیٹ میں جلن کی شکایت کی، لیکن نبی کریم ﷺ ان کے لیے اس کے سوا کسی اور کھانے کا بندوبست

---

❶ دیکھئے: وفاء الوفاء: ۳۲۱/۱، اور اس کے بعد، حلیۃ الاولیاء، ابو نعیم: ۳۳۹/۱، ۳۴۱، ۳۴۸، ۳۷۶، اور ابن ابی حاتم: ج ۳ ق ۲، ص ۱۰۶۔

نہیں کر سکے، آپ انہیں صبر کرنے کی نصیحت کرتے تھے۔ ❶ اور بسا اوقات آپ ﷺ انہیں کھانے کے لیے اپنے گھر میں بلاتے، انہیں عمدہ کھانا اسی وقت میسر آتا جب کوئی مالدار صحابی انہیں اپنے گھر میں دعوت دے کر بلاتے، اور ایسا بہت ہوتا تھا، ❷ لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ انہیں کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں ملتا تھا، اور بھوک کی شدت سے نماز کی حالت میں گر جاتے تھے۔

نبی کریم ﷺ ہمیشہ ان کے حالات دریافت کرتے رہتے، مریضوں کی عیادت کرتے، ان کی رہنمائی کرتے، ان کی دل دہی کرتے، اور قرآن کریم کی تلاوت، ذکر اللہ، فکر آخرت اور دنیا کو حقیر جاننے کی نصیحت کرتے۔

نبی کریم ﷺ کبھی ایسا بھی کرتے کہ عشاء کی نماز کے بعد اہل صفہ کو اپنے صحابہ کے درمیان تقسیم کر دیتے، تاکہ ان کے ساتھ رات کا کھانا کھائیں اور فرمایا کرتے جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو لے جائے اور چار آدمیوں کا کھانا ہو تو پانچویں یا چھٹے کو لے جائے، چنانچہ صحابہ کرامؓ ان میں سے بعض کو اپنے ساتھ لے جاتے اور جو باقی بچ جاتے انہیں نبی کریم ﷺ اپنے گھر لے جاتے اور انہیں اپنے ساتھ کھانا کھلاتے۔ ایسا عام طور پر ہجرت کے ابتدائی دنوں میں ہوا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو بہتر بنا دیا تو اہل صفہ کو صحابہ کے گھروں پر تقسیم کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ ❸

اللہ تعالیٰ اُن اہلِ صفہ پر رحمت کی بارش کرے جنہوں نے اپنے دین کی راہ میں ان کٹھنائیوں کو برداشت کیا، قرآن وسنت کی تعلیم حاصل کی، اور اسلام کا پرچم دنیا کے چپے چپے پر لہرایا۔

مہاجرین اور مدینہ کی بیماری:

نبی کریم ﷺ اور ان کے مہاجرین صحابہ کرام مدینہ آئے تو وہاں کی آب وہوا ان کی صحت کے لیے بہت ہی نقصان دہ ثابت ہوئی۔ مہاجرین کو وہاں کے بخار کے سبب بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑیں، البتہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس سے محفوظ رکھا، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہاں کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل کر دے، اور یہ دعا بھی کی کہ اللہ تعالیٰ مدینہ کی محبت ان کے دلوں میں مکہ کی محبت کی طرح یا اس سے زیادہ ڈال دے، تو اللہ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرمائی۔

امام بخاری ومسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے وہ کہتی ہیں: ہم جب مدینہ آئے تو وہاں وبا پھیلی ہوئی تھی، ابوبکرؓ اور بلالؓ بیمار پڑ گئے، آپ ﷺ نے جب بیماری کے سبب اپنے صحابہ کی یہ حالت دیکھی تو دعا کی: اے اللہ! ان کے دل میں مدینہ کی محبت کو مکہ کی محبت کی طرح یا اس سے زیادہ ڈال دے، اور یہاں کی آب وہوا کو ان کی صحت کے لیے مفید ونافع بنا دے، اور ہمارے لیے یہاں کے صاع اور مد میں برکت دے، اور یہاں کے بخار کو جحفہ کی طرف پھیر دے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! تو شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت بھیج دے، جس طرح انہوں نے ہمیں ہمارے شہر سے نکال کر بیماری والی سرزمین میں پہنچا دیا ہے۔

---

❶ وفاء الوفاء: ۱/۳۲۳، حلیہ: ۱/۳۳۹، ۳۷۴، مسند احمد: ۳/۴۸۷.

❷ صحیح البخاری، کتاب المواقیت، باب السمر مع الضیف والأھل، الحلیہ، ابونعیم: ۱/۳۴۱.

❸ صحیح البخاری، مصدر سابق، طبقات ابن سعد: ۱/۲۵۵، حلیہ: ۱/۳۳۸، ۳۴۱، ۳۷۲.

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ جیسے ایک کالی عورت سر کے بال بکھیرے مدینہ سے نکل گئی، یہاں تک کہ وہ ایک کشادہ اور پھیلی ہوئی زمین میں جا کر رُک گئی اور وہ مقامِ جُحفہ ہے۔ میں نے اس کی تعبیر یہ نکالی کہ مدینہ کی وبا وہاں منتقل کر دی گئی۔

دو عہد نامے:

ابن اسحاق کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان ایک دستاویز لکھی اور اس میں یہودِ مدینہ کے ساتھ صلح کے معاہدے کی بات بھی لکھی، اور انہیں اپنے دین پر برقرار رہنے اور اپنے مال ومتاع کے ساتھ مدینہ میں رہنے کی منظوری دی، آپ ﷺ نے اپنی کچھ شرطیں ان پر لگائیں اور اُن کی کچھ شرطوں کو قبول کیا۔

ابن اسحاق نے اس دستاویز کا نص ذکر کیا ہے جو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع ہوتا ہے، اس میں کچھ دفعات مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں، اور کچھ یہود کے ساتھ۔ اور محققین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ دستاویز دو عہد ناموں کا مجموعہ ہے جو دو وقتوں میں لکھے گئے، ایک کا تعلق یہود کے ساتھ مصالحت سے ہے جو رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد جلد ہی لکھا گیا، اور دوسرے کا تعلق مہاجرین اور انصار کے آپس کے تعلقات، حقوق اور واجبات سے ہے جو غزوۂ بدر کے بعد لکھا گیا، لیکن مؤرخین نے ان دونوں کو یکجا کر دیا ہے، جیسا کہ ابن اسحاق نے کیا ہے۔

اور بعض لوگوں نے اس عہد نامہ کے تاریخی طور پر صحیح ہونے میں شبہ کا اظہار کیا ہے، لیکن راجح بات یہی ہے کہ یہ دو الگ الگ صحیح عہد نامے ہیں جنہیں ابو عبید القاسم بن سلام نے اپنی سند کے ذریعہ زہری رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، ❶ جیسا کہ ابن زنجویہ نے کتاب الأموال میں ان دونوں عہد ناموں کو زہری کے واسطے سے ایک دستاویز میں ملا کر ذکر کیا ہے۔ ❷ اور ابن سید الناس نے ذکر کیا ہے کہ حافظ امام ابن خیثمہ نے اس دستاویز کو اپنی تاریخ میں اپنی سند سے یوں ذکر کیا ہے کہ کثیر بن عبداللہ بن عمرو المزنی نے اپنے باپ، انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان ایک دستاویز اسی قسم کی لکھوائی جیسا ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے۔ ❸

ان تمام روایتوں کے درمیان، عبارتوں میں بعض تقدیم وتاخیر یا بعض کلمات میں اختلاف، یا بعض دفعات کے اضافے کے باوجود بہت حد تک مطابقت ہے، اور بالعموم مضمون ایک ہے۔

اس دستاویز کے صحیح ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس کی بہت سے دفعات احادیث کی کتابوں میں صحیح اور متصل سندوں سے مروی موجود ہیں، ان میں سے بعض کو امام بخاری، امام مسلم، امام احمد، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، نیز یہ کہ سیرتِ نبوی ﷺ سے متعلق اہم ترین کتابوں اور تاریخ اسلامی کے دیگر مصادر میں یہود کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی مصالحت کا ذکر آیا ہے اور آپ ﷺ نے اپنے اور یہود کے درمیان ایک دستاویز لکھوائی

---

❶ ابو عبید: الأموال رقم: ۵۱۷.

❷ کتاب الأموال، ابن زنجویه، تحقیق: ڈاکٹر شاکر ذیب فیاض رقم: ۷۵۰.

❸ عیون الأثر: ۱۹۸/۱.

تھی، اسی طرح سیرت وتاریخ کی ان کتابوں میں مہاجرین وانصار کے درمیان ایک الگ عہد نامے کا ذکر ملتا ہے۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے دلائل جن کا ذکر ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری عراقی نے اپنی کتاب ''عہد نبوت میں مدنی سوسائٹی'' میں کیا ہے، اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیتے ہیں کہ مذکورہ بالا دستاویز تاریخی حیثیت کی حامل ہے، اور اصل میں یہ دو عہد ناموں سے عبارت ہے، جنہیں بعض مؤرخین نے ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔ ❶

مسلمانوں سے متعلق دفعات:

(۱) یہ وثیقہ محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے قریشی مسلمانوں اور یثرب کے مسلمانوں کے درمیان ایک عہد نامہ ہے، اور اس ضمن میں وہ سب لوگ آئیں گے جو ایمان واسلام کی بنیاد پر ان کے ساتھ آملیں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔

(۲) تمام مسلمان غیر مسلموں سے الگ ایک امت ہیں۔

(۳) قریش کے مہاجرین اپنی قرابت داریوں پر قائم رہیں گے اور دیت دینے کے لیے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے، اور اپنے پریشان حال افراد کا بھلائی اور انصاف کے ساتھ مالی تعاون کریں گے۔

(۴) بنو عوف اپنی قرابت داریوں پر باقی رہیں گے اور حسب سابق دیت دینے میں آپس میں تعاون کریں گے، اور ہر جماعت اپنے کمزور اور محتاج کے لیے بھلائی اور انصاف کے ساتھ مالی تعاون پیش کرے گی۔

(۵) بنو حارث بن خزرج اپنی قرابت داریوں پر باقی رہیں گے، اور حسب سابق دیت دینے میں آپس میں تعاون کریں گے اور ہر جماعت اپنے کمزور اور محتاج کے لیے بھلائی کے ساتھ مالی تعاون پیش کرے گی۔

(۶) بنو ساعدہ اپنی قرابت داریوں پر باقی رہیں گے، اور حسب سابق دیت دینے میں آپس میں تعاون کریں گے اور ہر جماعت اپنے کمزور اور محتاج کے لیے بھلائی کے ساتھ مالی تعاون پیش کرے گی۔

(۷) بنو جشم اپنی قرابت داریوں پر باقی رہیں گے، اور حسب سابق دیت دینے میں آپس میں تعاون کریں گے اور ہر جماعت اپنے کمزور اور محتاج کے لیے بھلائی کے ساتھ مالی تعاون پیش کرے گی۔

(۸) بنو نجار اپنی قرابت داریوں پر باقی رہیں گے، اور حسب سابق دیت دینے میں آپس میں تعاون کریں گے اور ہر جماعت اپنے کمزور اور محتاج کے لیے بھلائی کے ساتھ مالی تعاون پیش کرے گی۔

(۹) بنو عمرو بن عوف اپنی قرابت داریوں پر باقی رہیں گے، اور حسب سابق دیت دینے میں آپس میں تعاون کریں گے اور ہر جماعت اپنے کمزور اور محتاج کے لیے بھلائی کے ساتھ مالی تعاون پیش کرے گی۔

(۱۰) بنو نبیط اپنی قرابت داریوں پر باقی رہیں گے، اور حسب سابق دیت دینے میں آپس میں تعاون کریں گے اور ہر جماعت اپنے کمزور اور محتاج کے لیے بھلائی کے ساتھ مالی تعاون پیش کرے گی۔

(۱۱) بنو اوس اپنی قرابت داریوں پر باقی رہیں گے، اور حسب سابق دیت دینے میں آپس میں تعاون کریں گے اور

❶ المجتمع المدنی: ص/ ۱۰۷، اور اس کے بعد۔

ہر جماعت اپنے کمزور اور محتاج کے لیے بھلائی کے ساتھ مالی تعاون پیش کرے گی۔

(۱۲) مسلمان آپس میں کسی ایسے مقتول کے خون کو ضائع نہیں ہونے دیں گے جس کا قاتل معلوم نہ ہو، بلکہ اس کے مناسب حال اس کا فدیہ یا اس کی دیت اس کے ورثاء کو دیں گے اور کوئی مسلمان کسی مسلمان کے آزاد کردہ غلام کو اس مسلمان سے الگ اپنا حلیف نہیں بنائے گا۔

(۱۳) اللہ سے ڈرنے والے مسلمان متحد ہو کر اس کے خلاف کھڑے ہوں گے جو ان میں سے بغاوت پر آمادہ ہو جائے یا بطور ظلم کسی سے کوئی عطیہ لینا چاہے، یا اور کوئی گناہ کرے، یا مسلمان کے درمیان شر و فساد پھیلانا چاہے، اگر چہ ایسا آدمی ان میں سے کسی ایک کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۴) کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کرے گا، اور نہ کسی مسلمان کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

(۱۵) اللہ کے لیے تمام مسلمانوں کا عہد ایک ہوگا، جس کے مطابق ایک ادنیٰ مسلمان کسی کو پناہ دینے کا مجاز ہوگا، اور مسلمان غیر مسلموں سے الگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہوں گے۔

(۱۶) جو یہود ہماری پیروی کریں گے، ان کی مدد کی جائے گی، اور ان کے خلاف دوسروں کی مدد نہیں کی جائے گی، بشرطیکہ وہ یہود ظالم نہ ہوں۔

(۱۷) تمام مسلمانوں کا صلح نامہ ایک ہوگا، اللہ کے لیے جہاد کی راہ میں کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے الگ ہٹ کر کسی سے صلح نہیں کرے گا۔

(۱۸) ہر وہ جماعت جو ہمارے ساتھ غزوات میں شریک ہوگی ان کے افراد ہمارے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے رہیں گے۔

(۱۹) مسلمانوں کا خون ایک دوسرے کے برابر ہے، ان کی اس قربانی کے سبب کہ انہوں نے اپنا خون اللہ کی راہ میں بہایا ہے۔

(۲۰) اللہ سے ڈرنے والے مسلمان سب سے بہترین راستے پر گامزن ہیں اور کوئی مشرک قریش کے مال یا اس کی جان کو پناہ نہیں دے گا، اور اسے بچانے کے لیے کسی مسلمان کی راہ میں حائل نہیں ہوگا۔

(۲۱) جو کوئی کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دے گا، اور اس کا ثبوت فراہم ہو جائے گا تو اسے اس کے بدلے قتل کر دیا جائے گا، اِلّا یہ کہ مقتول کے ورثاء دیت لینے پر راضی ہو جائیں، اور تمام مسلمان اس کے خلاف ایک ہوں گے، ان کے لیے اس کے سوا اور کوئی بات حلال نہیں۔

(۲۲) جو مسلمان اس صحیفے کا اعتراف کرے گا اور اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہوگا، اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی بدعتی کی مدد کرے یا اسے پناہ دے، اور جو کوئی اس کی مدد کرے گا یا اسے پناہ دے گا، اس پر قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور اس کا غضب نازل ہوگا، جس دن چھٹکارے کے لیے کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

(۲۳) مسلمانوں کے درمیان اگر کسی بات پر اختلاف ہوگا تو اس کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق ہوگا۔

یہودِ مدینہ سے متعلق دفعات:

نبی کریم ﷺ نے اپنے اور یہودِ مدینہ کے درمیان وفاقی امن و امان کے طور پر ایک دوسرا عہد نامہ لکھوایا، جس کا مقصد

مدنی سوسائٹی میں رہنے والے تمام مسلمانوں اور یہود کے لیے امن وامان کو بحال رکھنا تھا، اور بلاشبہ یہ عہد نامہ اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ اسلام خیر سگالی والا دین ہے اور لوگوں کو ان کے دین اور مال وجائداد کے سلسلے میں پوری آزادی دیتا ہے، اور یہ کہ یہاں کے رہنے والے سب لوگ اسلام کے سایے میں خوش وخرم زندگی گزاریں، بشرطیکہ وہ بدعہدی نہ کریں۔

ذیل میں اس عہد نامے کی اُن دفعات کو ذکر کرتا ہوں جن کی ابتدا اس دستاویز میں (جسے ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب مجموع الوثائق السیاسیہ میں تسلسل کے ساتھ ذکر کیا ہے) ۲۴ رنمبر سے ہوتی ہے:

۱: یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر امن وامان کی بحالی پر خرچ کریں گے جب تک مسلمانوں کے خلاف دشمنوں کی جنگ جاری رہے گی۔

۲: بنوعوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ ایک امت کی حیثیت رکھتے ہیں، یہود کا دین ان کے لیے اور مسلمانوں کا دین اور ان کی جان ومال ان کے لیے ہے، سوائے اس شخص کے جو اپنے آپ پر ظلم کرے اور ارتکاب گناہ کرے گا تو وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو ہلاکت میں ڈالے گا۔

۳: بنی نجار کے یہود، بنی حارث کے یہود، بنی ساعدہ کے یہود، بنی جشم کے یہود، بنی اوس کے یہود اور بنی ثعلبہ کے یہود کے ساتھ بھی بنی عوف کے یہود جیسا معاملہ ہوگا، سوائے اس شخص کے جو ظلم ومعصیت کا مرتکب ہوگا تو وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو ہلاکت میں ڈالے گا۔

۴: جفنہ جو قبیلۂ ثعلبہ کی ایک شاخ ہے وہ ایک دوسرے کی مانند ہیں۔

۵: بنوشطیبہ کے ساتھ بھی بنوعوف کے یہودیوں جیسا معاملہ ہوگا۔

۶: قبیلۂ ثعلبہ کے آزاد کردہ لوگ ان ہی کے مانند ہوں گے۔

۷: یہود کے مؤیدین کے ساتھ انہی جیسا برتاؤ ہوگا۔

۸: ان میں سے کسی کو محمد (ﷺ) کی اجازت کے بغیر نہیں نکالا جائے گا۔

۹: کسی کو کسی کے زخم کا بدلہ لینے کے لیے محبوس نہیں کیا جائے گا، اور جو کوئی کسی کو قتل کرے گا، تو اس کا انجام اسے اور اس کے گھر والوں کو بھگتنا ہوگا، سوائے اس آدمی کے جو مظلوم ہو۔

۱۰: اور یہود اپنا خرچ خود برداشت کریں گے، اور مسلمان اپنا خرچ، اور جو کوئی اس عہد نامے والوں کے خلاف جنگ کرے گا اس کے خلاف سب ایک ساتھ اُٹھ کھڑے ہوں گے اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے۔

۱۱: کوئی آدمی اپنے حلیف کے جرم یا گناہ کا ذمہ دار نہیں ہوگا، اور ہمیشہ مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

۱۲: اس صحیفہ کے مطابق معاہدہ کرنے والوں کے لیے یثرب کے اندر شر انگیزی اور خون خرابہ کرنا حرام ہوگا۔

۱۳: پڑوسی کی حیثیت آدمی کی اپنی حیثیت جیسی ہوگی، بشرطیکہ وہ نقصان پہنچانے والا اور کسی جرم کا مرتکب نہ ہو۔

۱۴: کسی آدمی کو کسی جگہ اس کے مالک کی اجازت کے بغیر پناہ نہیں دی جائے گی۔

۱۵: اگر اس صحیفہ والوں کے درمیان کوئی نئی بات پیدا ہو جائے یا کوئی اختلاف رونما ہو جس سے شرانگیزی کا ڈر ہو تو ایسا معاملہ اللہ اور محمد رسول اللہ (ﷺ) کے حوالے ہوگا، اور فیصلہ ہمیشہ اس صحیفہ میں موجود اچھی باتوں کے مطابق ہوگا۔

۱۶: قریش کو پناہ نہیں دی جائے گی، اور نہ کسی ایسے آدمی کو جو اُن کی مدد کرے گا۔

۱۷: یثرب پر حملہ ہونے کی صورت میں یہاں کے رہنے والے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

۱۸: اگر انہیں کسی صلح کی دعوت دی جائے گی تو اسے قبول کریں گے، اور عمل میں لائیں گے، اور جب کسی ایسی صلح کی طرف انہیں دعوت دی جائے گی تو وہ تمام مسلمانوں پر نافذ العمل ہوگی، سوائے اس کے جو اللہ کے دین کی مخالفت میں جنگ کرے گا تو اس سے صلح نہیں کی جائے گی۔

۱۹: ہر جماعت پر اس کی اور اس کی طرف رہنے والے لوگوں کی مالی ذمہ داری ہوگی۔

۲۰: قبیلہ اوس کے یہودی ان کے دوست سمجھے جائیں گے اور ان پر وہ تمام ذمہ داریاں ہوں گی جو اس عہد نامے والوں پر ہوں گی، اگر کوئی گناہ یا جرم کا ارتکاب کرے گا تو اس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس عہد نامہ کی تمام اچھی اور سچی باتوں کی تائید میں ہے۔

۲۱: یہ عہد نامہ کسی ظالم یا گناہگار کو نہیں بچا سکے گا، اور جو کوئی یہاں سے نکلے گا وہ مامون ہوگا اور جو یہاں رہے گا وہ بھی مامون ہوگا، سوائے اس کے جو ظلم اور گناہ کرے گا، اور بے شک اللہ اس کے ساتھ ہوگا جو بھلائی اور تقویٰ کی راہ اختیار کرے گا، اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ ❶

مقیم کی نماز میں زیادتی:

ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن جریر کے حوالے سے لکھا ہے کہ اسی سال یعنی سن ایک ہجری میں مقیم کی نماز میں دو رکعتوں کا اضافہ ہوگیا، جیسا کہ کہا جاتا ہے، اس لیے کہ پہلے سے مقیم اور مسافر کی نماز دو رکعت تھی۔ اور ایسا نبی کریم ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے ایک ماہ بعد ہوا۔ اس بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ کہتی ہیں: ابتدا میں صرف دو رکعت نماز فرض کی گئی، پھر مسافر کی نماز ایسی ہی باقی رہی، اور مقیم کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا۔ ❷

اذان کی مشروعیت کا واقعہ:

اسی سال کے واقعات میں سے اذان کی مشروعیت بھی ہے، اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ صحابہ کرام پہلے وقت کی خبر ہوئے بغیر نماز کے لیے آتے تھے، اور نماز پڑھ کر واپس چلے جاتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نمازوں کے اوقات کی اطلاع دینے کے لیے کسی مناسب وسیلہ کے بارے میں سوچنا شروع کیا، اور صحابہ کرام سے مشورہ کیا، تو اُن میں سے بعض نے آپ ﷺ کو نرسنگا بجانے کا مشورہ دیا، لیکن آپ نے اسے ناپسند کیا، اس لیے کہ اسے یہود استعمال کرتے ہیں، پھر انہوں

❶ دیکھئے: سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۵۰۱، ۵۰۲، صحیح السیرۃ النبویۃ: ۱۹۸، اور اس کے بعد، المجتمع المدنی فی عهد النبوۃ: ۱۰۷ - ۱۳۶۔

❷ صحیح البخاری، حدیث: (۳۵۰)، (۱۰۹۰) اور (۳۹۳۵)، صحیح مسلم، حدیث: (۶۸۵)، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/ ۳۳۳.

نے آپ ﷺ کو ناقوس کا مشورہ دیا تو اسے بھی ناپسند کیا، اس لیے کہ اسے نصاریٰ استعمال کرتے ہیں۔ انہی دنوں عبداللہ بن زید انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ نے خواب میں ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ ناقوس لیے جا رہا ہے، انہوں نے کہا: اے اللہ کے بندے! کیا تم اپنا ناقوس بیچو گے؟ اس نے کہا: تم اس کا کیا کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہم اس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کی طرف بلائیں گے، اس نے کہا: کیا ہم تمہیں اس سے اچھا طریقہ نہ بتائیں؟ انہوں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: تم اس طرح کہو:

((أَللّٰهُ أَكْبَرُ ، أَللّٰهُ أَكْبَرُ ، أَللّٰهُ أَكْبَرُ ، أَللّٰهُ أَكْبَرُ ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ، أَللّٰهُ أَكْبَرُ أَللّٰهُ أَكْبَرُ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ .))

عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر وہ آدمی مجھ سے تھوڑی دور گیا اور کہنے لگا: اور جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو گے تو یوں کہو گے:

((أَللّٰهُ أَكْبَرُ ، أَللّٰهُ أَكْبَرُ ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ ، أَللّٰهُ أَكْبَرُ أَللّٰهُ أَكْبَرُ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ .))

عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب میں نے صبح کی تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور آپ ﷺ کو اپنے خواب کی اطلاع دی، آپ ﷺ نے فرمایا: ان شاء اللہ یہ خواب سچا ہے۔ تم بلال کے پاس جاؤ، اور اسے جو دیکھا ہے بتا دو، تاکہ وہ اس کے مطابق اذان دے، اس لیے کہ اس کی آواز تمہاری آواز سے زیادہ اچھی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت میں آیا ہے: میں بلالؓ کے پاس گیا اور انہیں اذان کے کلمات بتانے لگا، اور وہ اس کے مطابق اذان دینے لگے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اذان کی آواز اپنے گھر میں سنی تو اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے باہر نکلے اور کہنے لگے، اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دینِ برحق دے کر بھیجا ہے! میں نے بھی ویسا ہی دیکھا ہے، جیسا کہ عبداللہ نے دیکھا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ، یعنی تمام تعریفیں صرف اللہ کے لیے ہیں۔ ❶ اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان میں اضافہ کیا: ((اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ .)) یعنی نماز نیند سے بہتر ہے، تو ان کے اس اضافے کو نبی کریم ﷺ کی طرف سے تائید حاصل ہوگی۔

❶ البخاری، خلق افعال العباد ص: ٣٤، ٢٥؛ ابوداؤد، حدیث: (٤٩٩)؛ ترمذی، حدیث: (١٨٩)، اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے؛ ابن ماجہ حدیث (٧٠٦)؛ دارمی: (١/ ٢٦٩)؛ مسند احمد: ٤/ ٤٣؛ دارقطنی: ١/ ٢٤١؛ ابن خزیمہ، حدیث: (٣٧١)، عبدالرزاق، حدیث: (١٧٨٧).

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی زوجیت میں:

۱ھ کے واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ اپنی بیوی عائشہ بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہا کو اپنے گھر لے آئے، آپ ﷺ نے ان سے ماہِ شوال ۱۱ر نبوی میں نکاح کیا تھا، اس وقت ان کی عمر ۶ رسال تھی، اور ہجرت کے سات ماہ بعد ماہِ شوال میں اپنے گھر رخصت کر کے لے آئے، اس وقت ان کی عمر ۹ رسال تھی، آپ ﷺ نے ان کے علاوہ کسی دوشیزہ سے شادی نہیں کی، اور وہ آپ ﷺ کے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب، اور امت کی عورتوں میں سب سے بڑی فقیہہ اور سب سے زیادہ صاحبِ علم تھیں۔ ❶

مشروعیتِ جہاد:

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے سے اہلِ قریش کی ان کے خلاف عداوت ختم نہیں ہوگئی، بلکہ مزید تیز ہوگئی، ان کی سازشوں میں شدت آگئی اور مشرکینِ عرب کو آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے خلاف برانگیختہ کرنے میں ان کی کارگزاریاں اور بڑھ گئیں، یہاں تک کہ شہرِ مدینہ کا تعلق دیگر علاقوں سے تقریباً منقطع ہوگیا، اور عرب اور یہود سب نے مل کر ان کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی اور ہر طرف سے ان کے خلاف آوازیں آنے لگیں۔ ذیل میں اہلِ قریش، یہود اور منافقین کی کھلی عداوت کی بعض مثالیں پیش کرتا ہوں:

۱- مکہ کے مشرکوں نے عبداللہ بن اُبی بن سلول (جو اس وقت علی الاعلان مشرک تھا) اور اس کے دیگر مشرک ساتھیوں کو دھمکی آمیز خط لکھا کہ تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے، اور ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم اس سے قتال کرو گے یا اسے نکال دو گے، یا ہم لوگ اپنی پوری قوت کے ساتھ تم سے جنگ کرنے کے لیے نکل پڑیں گے، اور تمہارے نوجوانوں کو قتل کر دیں گے، اور تمہاری عورتوں کو اٹھا لائیں گے۔

اس خط کے پہنچنے کے فوراً بعد عبداللہ اور اس کے دیگر مشرک ساتھی نبی کریم ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے اکٹھے ہوگئے، آپ ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو آپ ﷺ ان سے ملاقات کر کے فرمایا: اہلِ قریش کی دھمکی نے تم پر بڑا گہرا اثر ڈالا ہے، وہ لوگ تمہارے خلاف اتنی بڑی سازش نہیں کر رہے تھے، جتنی بڑی تم اپنے خلاف کر رہے ہو، تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے جنگ کرنا چاہتے ہو۔ جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زبان سے یہ بات سنی تو فوراً ہی تتر بتر ہوگئے، اس رعب و خوف کی وجہ سے جو اللہ نے ان کے دل میں داخل کر دیا، یا شاید انہیں نبی کریم ﷺ کی بات سن کر ہوش آگیا، جس کا مقصد اُن کی اور اوس وخزرج والوں کی خیر خواہی تھی۔ ❷

۲- سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرہ کی نیت سے مکہ گئے، اور امیہ بن خلف کے مہمان بنے، انہوں نے امیہ سے کہا: میرے لیے کسی تنہائی کا وقت دیکھو، تاکہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر لوں۔ وہ انہیں دوپہر کے قریب لے کر نکلا، راستے میں دونوں سے ابوجہل کی ملاقات ہوگئی، اس نے پوچھا: اے ابوصفوان! تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟ اس نے کہا: یہ سعد ہیں، تو ابوجہل

---

❶ صحیح بخاری، حدیث: (۵۱۳۳)۔

❷ صحیح بخاری: ۲/۶۵۵، ۶۵۶، ۹۱۶، ۹۲۴۔

نے ان سے کہا: تم ناموس ومحفوظ مکہ آ کر طواف کرنا چاہتے ہو، حالانکہ تم لوگوں نے ہمارے بے دینوں کو پناہ دے رکھی ہے، اور تمہارا خیال ہے کہ تم ان کی مدد کرو گے۔ اللہ کی قسم! اگر تم ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو اپنے اہل وعیال کے پاس بچ کر نہ لوٹ پاتے۔ سعدؓ نے اپنی اونچی آواز میں اس سے کہا: اللہ کی قسم! اگر تم نے مجھے اس سے روک دیا تو میں تمہیں اس سے زیادہ اہم چیز سے روک دوں گا۔ میں مدینہ سے تمہارے گزرنے کے راستے کو تم پر بند کر دوں گا۔ ❶

۳- نبی کریم ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ مشرکینِ قریش اور یہود آپ ﷺ کی جان کے درپے ہیں، اسی لیے آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے طلب کیا کہ وہ رات کے وقت آپ کی نگرانی کریں۔ امام مسلمؒ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ آنے کے بعد ایک رات بیدار رہے، اور فرمایا: کاش میرے صحابہ میں سے ایک نیک آدمی آج رات میری چوکھٹ پر پہرہ دیتا۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم ابھی یہی باتیں کر رہے تھے کہ ہتھیار کی سرسراہٹ سُنی، آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ آواز آئی سعد بن ابی وقاص! آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: کس لیے آئے ہو، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے آپ (ﷺ) کے بارے میں ڈر ہوا، اسی لیے پہرہ دینے کے لیے آ گیا ہوں، آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا کی، پھر سو گئے۔ ❷

۴- مشرکینِ قریش نے خفیہ طور پر یہودِ یثرب کے ساتھ سازش کی اور مسلمانوں کے خلاف کارروائی کرنے کا معاہدہ کیا، اور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو یہ خبر بھیج دی کہ تمہیں اس بات سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے کہ بچ کر یثرب چلے گئے ہو، ہم عنقریب تمہارے پاس آئیں گے، تم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے، اور تمہیں یکسر ختم کر دیں گے۔ ❸

انہی مشکل ترین حالات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی، اور ان آیات کا نزول فرمایا:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ﴾ [الحج: ۳۹- ۴۰]

''جن مومنوں کے خلاف جنگ کی جارہی ہے، انہیں اب جنگ کی اجازت دے دی گئی اس لیے کہ اُن پر ظلم ہوتا رہا ہے، اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے، جو لوگ اپنے گھروں سے ناحق اس لیے نکال دیے گئے کہ انہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے۔''

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مشرکینِ قریش کے ناخن تراشنے اور ان کے کبر ونخوت کو لگام دینے کے لیے تدبیر کی جس کے دو حصے تھے: پہلا حصہ تو یہ تھا کہ آپ ﷺ نے مدینہ کے گردونواح میں رہنے والے ان قبائل کے ساتھ معاہدے کیے جو مشرکینِ قریش کے شام کی طرف جانے والے تجارتی راستوں پر رہتے تھے، ویسا ہی معاہدہ جیسا کہ آپ ﷺ نے قبیلۂ جہینہ کے ساتھ کیا تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرے گا۔ یہ قبیلۂ جہینہ مدینہ سے تین مرحلوں کی دوری

---

❶ مصدر سابق، کتاب المغازی: ۲/ ۵۶۳.

❷ صحیح البخاری، باب الحراسة فی الغزو: ۱/ ۴۰۴، صحیح مسلم، فضل سعد بن أبی وقاص: ۲/ ۲۸۰.

❸ رحمة للعالمین (عربی): ۱/ ۱۱۰۔

پر رہتا تھا، اور اس سے پہلے ہم نے جان لیا ہے کہ آپ ﷺ نے یہود کے ساتھ بھی مصالحت کا معاہدہ کیا تھا۔

دوسرا حصہ یہ تھا کہ آپ ﷺ فوجی دستوں کو مدینہ کے اطراف و جوانب میں بھیجنے لگے، تا کہ وہ حالات کا جائزہ لیتے رہیں، اور مدینہ میں رہنے والے یہود اور مشرکین عرب اور قرب و جوار میں رہنے والے دیہاتیوں کے سامنے اس بات کا مظاہرہ کریں کہ اب مسلمان طاقتور ہو گئے ہیں، اس لیے یہ عقل کے خلاف بات ہوگی کہ انہیں کوئی حیثیت نہ دی جائے یا ان پر حملہ کر دیا جائے، نیز اس کا مقصد مشرکین قریش کو بھی دھمکی دینا تھا کہ وہ اپنے طیش اور نا عقلی سے باز آ جائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی بے وقوفی کے نتیجہ میں مسلمانوں سے جنگ پر آمادہ ہو جائیں، حالانکہ اب حالت بالکل بدل چکی ہے اور وہ مہاجرین جن کا سب کچھ ان سے چھین لیا گیا ہے وہ پوری بے صبری کے ساتھ اس دن کا انتظار کر رہے ہیں، جب وہ مشرکین قریش، ان کے سرداروں اور ان کے بڑے مجرموں پر اپنے انصاری بھائیوں کے ساتھ مل کر یکبارگی پل پڑیں گے اور انہیں ختم کر دیں گے۔

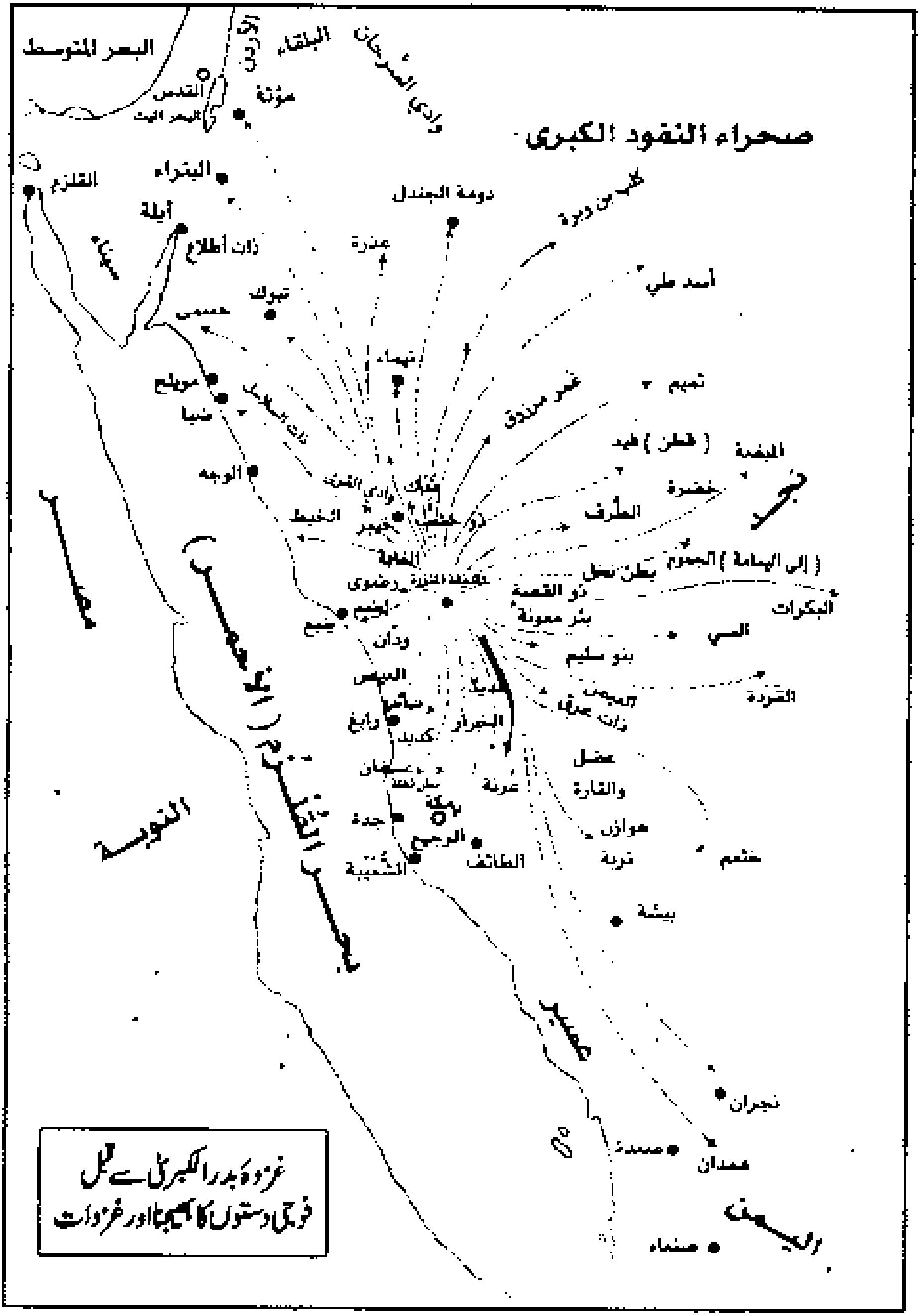
البحر المتوسط
البلقاء
وادي السرحان
القدس
مؤتة
صحراء النفود الكبرى
البتراء
القلزم
أيلة
دومة الجندل
ذات أطلاح
عذرة
أسد طي
تبوك
تيماء
تميم
موبلح
ضبا
الوجه
الطرف
الخبط
خيبر
رضوى
ذو القصة
بئر معونة
البكرات
ودان
العيص
بنو سليم
رابغ
عضل
والقارة
هوازن
تربة
جدة
الطائف
بيشة
خثعم
النوبة
نجران
صعدة
همدان
صنعاء
غزوۂ بدرالکبریٰ سے قبل
فوجی دستوں کا بھیجا اور غزوات

فوجی دستوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی وصیتیں

فوجی دستوں کی خبریں بیان کرنے سے پہلے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی ان وصیتوں کا ذکر کروں جو آپ ﷺ انہیں ان کے سفر سے پہلے کیا کرتے تھے، تاکہ ان عظیم جنگی اخلاقی تعلیمات کا علم ہو جو دینِ اسلام کی امتیازی خوبی ہے، اور تاکہ معلوم ہو کہ اسلام ایسا دین ہے جو سارے عالم میں رحمت پھیلانے کے لیے آیا ہے، اس دین میں اس امر کے لیے کوئی گنجائش نہیں کہ انسانوں کو بے سبب قتل کیا جائے، انہیں دھوکا دیا جائے اور ان کے ساتھ کسی قسم کی خیانت کو روا رکھا جائے۔ وہ وصیتیں مندرجہ ذیل ہیں:

سلیمان بن بریدہ نے اپنے باپ بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی صحابی کو کسی فوج یا فوجی دستہ کا امیر بناتے تو اسے وصیت کرتے کہ وہ اپنے بارے میں اللہ عزوجل سے ڈرتا رہے، اور اپنے ساتھ جانے والے مسلمانوں کی خیر خواہی کرتا رہے، پھر آپ ﷺ فرماتے: تم لوگ اللہ کی راہ میں، اللہ کے نام سے جہاد کرو، ہر اس شخص سے قتال کرو جو اللہ کا انکار کرتا ہے، جہاد کرو اور خیانت نہ کرو، دھوکا نہ دو، مُثلہ نہ کرو (یعنی مقتول کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کرو)، تنہا آدمی کو قتل نہ کرو، اور جب تم مشرک دشمنوں سے ملو، تو ان کے سامنے تین باتیں رکھو، ان میں سے جس بات کو وہ مان لیں اسے تم قبول کر لو، اور جنگ سے رُک جاؤ۔

تم انہیں اسلام کی دعوت دو، اگر وہ قبول کر لیں تو مان جاؤ اور جنگ سے رُک جاؤ، اور انہیں کہو کہ وہ اپنی جگہ سے مہاجرین کی جگہ یعنی شہرِ مدینہ منتقل ہو جائیں، اور انہیں بتاؤ کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کا حق مہاجرین جیسا ہوگا اور ان پر ذمہ داری مہاجرین جیسی ہوگی، اور اگر وہ وہاں سے منتقل ہونے سے انکار کر دیں تو انہیں بتاؤ کہ پھر ان کی حیثیت عام دیہاتی مسلمانوں کی ہوگی، ان کا حکم عام مومنوں کا ہوگا، اور مالِ غنیمت یا مالِ فَی میں اُن کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، مگر یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد کریں، اور اگر وہ انکار کر دیں تو ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو، اگر وہ مان جائیں تو قبول کر لو اور جنگ نہ کرو، اور اگر انکار کر دیں تو اللہ عزوجل سے مدد مانگو اور جہاد کرو۔ ❶

اور جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو، اور اہلِ قلعہ چاہیں کہ تم انہیں اللہ اور اس کے نبی کی طرف سے عہد دو تو ایسا نہ کرو، بلکہ ان کو اپنا عہد اور اپنے ساتھیوں کا عہد دو، اس لیے کہ اگر تم اپنے اور اپنے ساتھیوں کے عہد کی خلاف ورزی کرو گے تو یہ بات اللہ اور اس کے رسول کے عہد سے زیادہ ہلکی ہوگی، اور اگر کسی قلعہ کا محاصرہ کرو، اور اس میں رہنے والے تم سے چاہیں کہ تم انہیں اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرنے کا عہد دو تو ایسا نہ کرو، بلکہ اپنے فیصلے کا عہد دو، اس لیے کہ تم نہیں جانتے کہ ان کے

---

❶ صحیح مسلم: ۲/۱۷۳۱، ابو داؤد، حدیث: (۲۶۱۳)، ترمذی: (۱۴۰۸)، ابن ماجہ، حدیث: (۲۸۵۸)، مسند احمد: ۴/۱۰/۵،۱۰/۳۵۲، ۳۵۸.

سلسلے میں تم اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروگے یا تم سے غلطی ہوگی۔ ❶

بعض فوجی دستوں کے امیر کی کارروائیوں کا انکار:

اسی ضمن میں نبی کریم ﷺ کا بعض فوجی دستوں کے امیر کے بعض کاموں کا انکار بھی آتا ہے، اس لیے کہ وہ کام اسلام کے مزاج کے منافی تھے۔ سالم نے اپنے باپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، انہوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی، تو انہوں نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ ہم اسلام لے آئے، بلکہ کہنے لگے: ہم اپنے دین سے نکل گئے، ہم اپنے دین سے نکل گئے، تو خالد رضی اللہ عنہ بعض کو قتل اور بعض کو پابند سلاسل کرنے لگے۔ اور خالد رضی اللہ عنہ نے ہم میں سے ہر ایک کے حوالے ایک قیدی کیا، اور دوسرے دن حکم دیا کہ ہر آدمی اپنے قیدی کو قتل کردے، میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا، اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے گا، جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور آپ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اُٹھا کر فرمایا: اے اللہ! میں خالد کے فعل سے اپنی براءت کا اعلان کرتا ہوں، اے اللہ! میں خالد کے فعل سے اپنی براءت کا اعلان کرتا ہوں۔ ❷

فوجی دستوں کی خبریں

۱۔ سَرِیّہ (فوجی دستہ) سیف البحر:

سب سے پہلا علم جہاد جو رسول اللہ ﷺ نے بلند کیا وہ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تھا، جسے لے کر وہ ہجرت کے سات مہینے کے بعد ماہِ رمضان میں نکلے تھے، اور اس کا رنگ سفید تھا، اور اس کے اُٹھانے والے ابومرثد کناز بن حصین غنوی رضی اللہ عنہ تھے، جو حمزہ رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو تیس مہاجر صحابہ کے ساتھ بھیجا تھا، تاکہ شام سے آنے والے قریش کے ایک تجارتی قافلہ کا راستہ روکیں، جو تین سو افراد پر مشتمل تھا، اور ان کے ساتھ ابوجہل بن ہشام بھی تھا، یہ فوجی دستہ عیص کے علاقے میں سیف البحر تک پہنچا، وہاں دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے سامنے آگئیں، اور جنگ کے لیے صف بستہ ہوگئیں، اُس وقت مجدی بن عمرو الجہنی آڑے آگیا، جو دونوں جماعتوں کا حلیف تھا، اس لیے جنگ نہیں ہوئی۔ ❸

۲۔ سَرِیّہ رابغ:

پھر آپ ﷺ نے عبیدہ بن حارث بن مطلب رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ کا سردار بنا کر ہجرت کے آٹھ مہینے بعد ماہِ شوال میں رابغ کی طرف اسی (۸۰) مہاجرین کے ساتھ بھیجا، ان کے ساتھ کوئی انصاری نہیں تھا، آپ ﷺ نے ان کو ایک سفید علم

❶ صحیح مسلم، حدیث: (۱۷۳۱)، مسند احمد: ۳۵۸/۵۔

❷ صحیح البخاری: ۱۲۳/٤، ۲۰۳/۵، ۹۲/۸، ۶۲/۹، نسائی: ۲۳۷/۸، مسند احمد: ۱۰۱/۲، مصنف عبدالرزاق: (۹۴۳۵، ۱۸۷۲)۔

❸ زاد المعاد: ۱۲۷/۲۔

دیا، جسے مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ نے اُٹھایا ہوا تھا، تاکہ یہ لوگ قریش کے دو سو افراد پر مشتمل ایک قافلہ کا راستہ روکیں، انہوں نے رابغ میں اس قافلے کو جالیا اور دونوں جماعتوں کے درمیان تیر اندازی ہوتی رہی، لیکن بالآخر مشرکین ڈر گئے کہ کہیں باقی مسلمان گھات میں نہ بیٹھے ہوں، اس لیے شکست کھا کر بھاگ گئے، اور مسلمانوں نے ان کا پیچھا نہیں کیا، مشرکین کے قافلے کا سردار ابوسفیان تھا۔ ❶

مشرکین کے اس قافلے کے دو آدمی مسلمانوں سے مل گئے، وہ دونوں مقداد بن عمرو بہرانی رضی اللہ عنہ اور عتبہ بن غزوان بن جابر مازنی رضی اللہ عنہم تھے، یہ دونوں مسلمان تھے، اور کافروں کے ساتھ اس لیے مکہ سے نکلے تھے، تاکہ بھاگ کر مسلمانوں کے پاس پہنچ جائیں، اس لیے کہ مشرکوں نے ان دونوں کو ہجرت سے روک دیا تھا۔ ابواسحاق کہتے ہیں: اس قافلہ کا سردار عکرمہ بن ابوجہل تھا۔

سَرِیّہ الخرار:

پھر آپ ﷺ نے ماہِ ذی القعدہ ۱ھ میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خرار کی طرف بھیجا، اور انہیں سفید علم دیا، جسے مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اُٹھا رکھا تھا، یہ لوگ بیس (۲۰) مہاجرین تھے، اور قریش کے ایک قافلے کا راستہ روکنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو نصیحت کی تھی کہ وہ خرار سے آگے نہ بڑھیں، یہ لوگ وہاں پہنچنے کے لیے پیدل چلے، دن میں چھپ جاتے تھے اور رات میں راستہ طے کرتے تھے، یہاں تک کہ جمعرات کی صبح کو وہاں پہنچے، لیکن کافروں کا وہ قافلہ ایک دن پہلے ہی وہاں سے آگے جا چکا تھا۔ ❷

❀❀❀❀

---

❶ السیرۃ النبویۃ لابن کثیر: ۲/۳۴۸۔

❷ مصدر سابق: ۲/۳۳۹، زاد المعاد: ۳/۱۲۸۔

یہود اور مشرکین کا نفاق

یہود کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مدنی سوسائٹی یکسر بدل جائے گی، اسلام اس کی گہرائیوں تک اُتر جائے گا، اور قبائل اوس وخزرج (سوائے چند بدنصیبوں کے) اسلام کے تابع فرمان ہو جائیں گے، اور ایک مضبوط اور متحد امت بن کر ظاہر ہوں گے، اور یہ کہ یہود کی حیثیت وہاں کی زندگی میں ثانوی ہو جائے گی۔ چونکہ اتنے بڑے انقلاب کا وہ پہلے سے سوچ بھی نہیں سکتے تھے، اس لیے ابتدائے ہجرت نبوی میں ان کا موقف مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے حق میں تقریباً غیر جانب دارانہ تھا، اگرچہ یہ بات ان کے بارے میں سب کو معلوم تھی کہ ان کا باطن خبیث ہوتا ہے اور انہوں نے ہر دور میں انبیاء ورسل اور آسمانی مذاہب سے کھلی اور پوشیدہ دشمنی رکھی ہے، اور یہ بات حُیَیّ بن اخطب کے قول سے بالکل ظاہر ہوگئی، جب وہ نبی کریم ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ کی مجلس میں گیا، اور آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرنے کے بعد اپنے بھائی کے استفسار کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا: ہاں، یہ وہی نبی ہے جس کا ذکر تورات میں ہے، لیکن میں جب تک زندہ رہوں گا، اللہ کی قسم! اس سے دشمنی رکھوں گا۔ ❶

جب یہود نے دیکھا کہ اسلام مدنی سوسائٹی کا دین غالب ہوگیا ہے، اور مسلمانوں کی عزت اور شان وشوکت دن بدن بڑھتی جارہی ہے، اور رسول اللہ ﷺ اسلامی اسٹیٹ کی بنیاد رکھنے میں اللہ کی توفیق سے کامیاب ہوگئے ہیں، اور مہاجرین و انصار سے بنی اسلامی فوج مدینہ، مکہ اور حجاز کے دیگر علاقوں میں کفر اور شرک کے وجود کے لیے خطرہ بن گئی ہے، تو ان کا موقف اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں یکسر بدل گیا، اور بسا اوقات کھل کر اور کبھی بطور نفاق دشمنی کرنے لگے۔

اور ان کی عداوت اور بغض اور کینہ کو اس بات نے زیادہ ہوا دی کہ ان کے بعض بڑے بڑے علماء اُن سے ٹوٹ کر مسلمانوں کے زُمرے میں داخل ہونے لگے، جیسا کہ ابھی کچھ پہلے ہم نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بارے میں جانا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد آپ ﷺ کے پاس آئے اور اپنے اسلام کا اعلان کر دیا، اور پھر چھپ گئے اور یہود آئے تو نبی کریم ﷺ نے ان سے ان کے بارے میں پوچھا تو پہلے ان کی خوب تعریف کی اور جب سامنے آکر اپنے اسلام کا اعلان کیا تو فوراً اپنی بات بدل کر کہنے لگے کہ یہ آدمی تو ہم میں سب سے بُرا اور ہمارے سب سے بُرے آدمی کا بیٹا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اسی بغض وکینہ اور اللہ کے دین سے عداوت کی وجہ سے ان کی بصیرت چھین لی، چنانچہ وہ مشرکوں کی بُت پرستی کو مسلمانوں کی عبادت پر ترجیح دینے لگے۔ ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ قریش نے علمائے یہود سے پوچھا جو مکہ گئے تھے کہ اے یہود! تم پہلے سے اہل کتاب ہو، اور ان باتوں کو خوب جانتے ہو، جن میں ہمارا اور محمد (ﷺ) کا اختلاف ہے، بتاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے یا اس کا دین؟ انہوں نے کہا: تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے، اور تم زیادہ صحیح

---

❶ سيرة ابن هشام: ۱/ ۵۱۸، ۵۱۹.

راستہ پر ہو۔ ❶ اسی طرف باری تعالیٰ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٥١﴾ ﴾ [النساء: ٥١]

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتابِ الٰہی کا ایک حصہ دیا گیا ہے، کہ وہ بتوں اور شیطانوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں کے مقابلہ میں زیادہ صحیح راستہ پر ہیں۔''

اور بہت سے علمائے یہود نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے اپنی عداوت کا اعلان اس لیے کیا کہ عربوں کو نبی کریم ﷺ کی نبوت کے سبب یک گونہ فضیلت مل گئی تھی۔ اور ان میں سب سے خبیث اور بدترین مندرجہ ذیل لوگ تھے: حُیَیّ بن اخطب اور اس کے دونوں بھائی ابو یاسر اور جُدَی، سلام بن مشکم، کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق، رافع الاعور جو خیبر میں قتل کیا گیا - ربیع بن ربیع بن ابی الحقیق، عمرو بن جحاش، قبیلۂ طی کا کعب بن اشرف، اور اس کی ماں نضیریہ، اور اس کے دونوں حلیف: حجاج بن عمر اور کردم بن قیس۔ یہ سب کے سب بنو نضیر کے تھے۔ اور بنو ثعلبہ بن فطیون کا عبداللہ بن سوریہ۔ کہتے ہیں کہ حجاز میں اس سے زیادہ تورات کا جاننے والا کوئی نہیں تھا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ شخص اسلام لے آیا تھا۔

بنو قینقاع سے: سعد بن حنیف، محمود بن سیحان، عزیز بن ابی عزیز، عبداللہ بن حنیف، رفاعہ بن قیس، فنحاص، اشیع، نعمان بن آضا، بحری بن عمرو، شاس بن عمرو، شاس بن عدی، شاس بن قیس، زید بن حارث، نعمان بن عمرو، سکین بن ابی سکین، رافع بن ابی رافع، مالک بن عوف، کعب بن راشد اور عازر، اور انھی میں سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تھے جو اسلام لے آئے تھے۔

بنو قریظہ سے: زبیر بن باطا، عزال بن شمیل، کعب بن راشد، وہب بن یہوذا، اسامہ بن حبیب، رافع بن حریملہ، نافع بن ابی نافع، اور عدی بن زید۔

بنو زُریق سے: ولید بن عاصم جس نے رسول اللہ ﷺ پر اپنی بیٹیوں کے ذریعہ جادو کروایا تھا، اور بنو حارثہ سے: کنانہ بن صوریا، اور بنو عمرو بن عوف کے یہودیوں میں سے: قردم بن عمرو، اور بنی نجار کے یہودیوں میں سے: سلسلہ بن برہام۔

یہ ہیں شر پسند یہود اور اُن کے علماء جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے کھلی عداوت رکھتے تھے۔

ذیل میں ان یہودیوں کے نام لکھے جاتے ہیں جو نفاق کے ساتھ مشہور تھے، یعنی درحقیقت یہودی تھے، لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے کے لیے اسلام کا اظہار کرتے تھے:

(۱) زید بن اللُّصَیت: اس نے غزوۂ تبوک میں جب نبی کریم ﷺ کی اونٹنی کھوگئی تو کہا تھا: محمد (ﷺ) دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس آسمان کی خبریں آتی ہیں اور وہ نہیں جانتا کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے؟ جب یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں وہی کچھ جانتا ہوں، جس کی اللہ تعالیٰ مجھے خبر دیتا ہے، اور ابھی اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹنی کی خبر دے دی ہے کہ وہ اس گھاٹی میں ہے، اس کی رسی ایک درخت سے الجھ گئی ہے، چنانچہ چند مسلمان گئے تو وہاں اسے اسی حال

❶ سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۲۱٤، ۲۱٥.

میں پایا۔(۲) اور رافع بن حریملہ: جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اس کے ہلاک ہونے کے دن کہا تھا: آج ایک بہت بڑا منافق ہلاک ہو گیا۔(۳) اور رفاعہ بن زید بن تابوت، (۴) اور سوید بن حارث: ان دونوں نے بطور نفاق مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے اسلام کا اعلان کیا تھا، اور ان کے ظاہر سے دھوکا کھا کر بعض مسلمانوں کی ان سے دوستی تھی، انہی دونوں اور ان جیسوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾ [المائدة: ۵۷]

''اے ایمان والو! جن اہل کتاب اور کافروں نے تمہارے دین کا مذاق اڑایا اور اس کا تماشا بنایا، انہیں اپنا دوست نہ بناؤ، اور اگر تم اہل ایمان ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو۔''

اور یہی رفاعہ اپنی زبان مروڑ کر کہا کرتا تھا، اے محمد (ﷺ)! تم ہمارے سننے کا خیال کرو، تا کہ ہم تمہاری بات سمجھ سکیں۔ یہ شخص اسلام پر طعن اور عیب جوئی کرتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں نازل فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ۞ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ۞ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۞﴾ [النساء: ۴۴-۴۶]

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں اللہ کی کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم مسلمان بھی راہ راست سے بھٹک جاؤ، اور اللہ تمہارے دشمنوں کو زیادہ جانتا ہے، اور اللہ بحیثیت دوست کافی ہے، اور اللہ بحیثیت مددگار کافی ہے، بعض یہود، کلمات کو ان کی جگہوں سے ہٹا کر ان میں تحریف پیدا کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا، اور ہم نے نافرمانی کی، (اور کہتے ہیں کہ) تم سنو، تمہیں نہ سنایا جائے (یعنی تم بہرے ہو جاؤ) اور ہماری رعایت کرو، زبان موڑ کر، اور دین میں عیب نکالنے کے لیے، اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اور سنیے اور ہمیں مہلت دیجیے، تو ان کے لیے بہتر اور زیادہ مناسب ہوتا، لیکن اللہ نے اُن کے کفر کی وجہ سے اُن پر لعنت بھیج دی ہے، اس لیے وہ صرف برائے نام ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔''

(۵) اور سعد بن حنیف، (۶) اور نعمان بن اوفیٰ بن عمرو، (۷) اور اس کا بھائی عثمان بن اوفیٰ، (۸) اور سلسلہ بن برہام اور (۹) کنانہ بن صوریا۔ یہ تمام علمائے یہود میں سے تھے اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ و فساد پیدا کرنے اور مسلمانوں کے خفیہ حالات کو جان کر اسلام اور دعوتِ اسلامیہ کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے بطور نفاق اپنے اسلام کا

اظہار کرتے تھے۔ ❶

اوس وخزرج کے منافقین:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کے حوالے سے اوس وخزرج کے ایک گروہ کا ذکر کیا ہے جو نفاق میں مشہور تھے اور ان میں سے اکثر کا نفاق منافق یہودیوں سے متاثر ہونے کے سبب تھا جو اپنے آپ کو ان کا خیرخواہ ظاہر کرتے تھے۔ اور ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی تھی کہ یثرب کی سوسائٹی میں ان کا ایک مقام ہے، جس کی انہیں حفاظت کرنی چاہیے اور انہیں اوس وخزرج کے ان لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہیں چاہیے جنہوں نے محمد (ﷺ) کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل وخوار کر رکھا ہے، اور اسی طرح بہت سی باتیں کیا کرتے تھے، جب بھی ان کی ملاقات اوس وخزرج کے ایسے لوگوں سے ہوتی جن سے ان کی تائید کی امید ہوتی۔ ذیل میں مشرکین مدینہ کے بعض منافقین کے نام درج کرتا ہوں:

قبیلۂ اوس میں سے: (۱) زُوَی بن حارث (۲) اور جلاس بن سوید بن صامت: یہ شخص ان لوگوں میں سے تھا جو غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوا تھا۔ اسی نے کہا تھا کہ اگر یہ آدمی (یعنی رسول اللہ ﷺ) سچا ہے تو ہم گدھے سے بھی زیادہ بُرے ہیں، اور اس کی ناپاک گفتگو کو اس کی بیوی کے لڑکے عُمیر بن سعد نے سن لیا اور اس سے کہا: اللہ کی قسم! اے جلاس! تم لوگوں میں سب سے زیادہ میرے نزدیک محبوب ہو، اور مجھ پر تمہارا بڑا احسان ہے اور میں ہرگز گوارا نہیں کروں گا کہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچے، اور تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر میں نے وہ بات ظاہر کر دی تو میں تمہیں رسوا کر ڈالوں گا، اور اگر میں اس پر خاموش رہا تو میرا دین برباد ہوجائے گا، اور میرے نزدیک دونوں میں سے پہلی بات زیادہ آسان ہے، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور آپ کو جلاس کی بات بتادی۔ جلاس رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر قسم کھانے لگا، اور کہنے لگا کہ عُمیر نے میرے بارے میں جھوٹ کہا ہے، میں نے وہ بات نہیں کہی جو اس نے آپ کو بتائی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں نازل فرمایا:

﴿يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾ [التوبہ: ۷۴]

''منافقین اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے کوئی بات نہیں کہی ہے، حالانکہ کفر کا کلمہ اپنی زبان پر لاچکے ہیں، اور اسلام لانے کے بعد دوبارہ کافر ہوگئے ہیں، اور وہ کام کرنا چاہا جو وہ نہ کرسکے اور انہوں نے اس وجہ سے (رسول اللہ) پر عیب لگایا کہ اللہ اور اس کے رسول نے اللہ کے فضل سے انہیں مالدار بنادیا تھا، پس اگر وہ توبہ کرلیں گے تو ان کے لیے بہتر ہوگا، اور اگر وہ منہ پھیر لیں گے تو اللہ انہیں دنیا وآخرت میں دردناک عذاب دے گا، اور زمین پر کوئی ان کا یار ومددگار نہیں ہوگا۔''

❶ السیرۃ النبویۃ: ۲/۳۴۲-۳۴۹.

سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ یہ شخص اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد تائب ہو گیا اور اپنی توبہ میں مخلص ثابت ہوا۔ اسی لیے اس کے بارے میں صدقِ اسلام اور خیر وصلاح کی خبریں ملتی ہیں۔

(۳) اور جلاس کا بھائی حارث بن سوید: اسی نے مجذر بن زیاد بلوی اور قیس بن زید (جو بنی ربیعہ کا تھا) کو غزوۂ اُحد کے دن قتل کر دیا تھا۔ یہ منافق شخص مسلمانوں کے ساتھ گیا تھا اور جب لوگ جنگ کرنے لگے تو موقع پا کر ان دونوں کو قتل کر دیا، اور اہلِ قریش سے جا ملا، رسول اللہ ﷺ نے عمر بن خطابؓ کو اس کے بارے میں حکم دیا تھا کہ وہ جہاں ملے اسے قتل کر دیا جائے۔ بعد میں اس حارث نے اپنے بھائی جلاس کو خبر بھیجا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی توبہ قبول کر لینے کی درخواست کرے، تاکہ وہ اپنی قوم کے پاس لوٹ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق نازل فرمایا:

﴿ كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴾ [آل عمران: ٨٦]

"اللہ تعالیٰ کیسے ہدایت دے گا ایسے لوگوں کو جو ایمان لانے کے بعد دوبارہ کافر ہو گئے، اور اپنی اس گواہی کے بعد کہ رسول برحق ہے، اور اُن کے پاس کھلی نشانیاں آ جانے کے بعد، اور اللہ تعالیٰ ظالم قوموں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

(۴) اور انہی منافقین میں سے بجاد بن عثمان بن عامر تھا۔ (۵) اور نبتل بن حارث: جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو شخص شیطان کو دیکھنا چاہتا ہے، اسے دیکھ لے۔ یہ شخص بھاری بھرکم جسم والا، کالا کلوٹا، سر کے بال بکھرے ہوئے، سرخ آنکھوں والا، اور سرخ وسیاہ گالوں والا تھا، یہ رسول اللہ ﷺ کی باتیں سن کر منافقین کو بتایا کرتا تھا۔ اس نے کہا تھا، کہ محمد کان کا کچا ہے، جب بھی کوئی بات سنتا ہے تو اسے مان لیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں نازل فرمایا:

﴿ وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ ۚ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ [التوبه: ٦١]

"اور ان منافقین میں بعض ایسے ہیں جو نبی کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کان کا ہلکا ہے (ہر ایک کی سن لیتا ہے) آپ کہیے کہ وہ تمہارے لیے خیر کی باتیں سنتا ہے، اللہ پر یقین رکھتا ہے، اور مومنوں کی باتوں پر بھروسہ کرتا ہے، اور تم میں سے ایمان والوں کے لیے وہ سراپا رحمت ہے، اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

(۶) اور ابو حبیبہ بن الازعر یہ: ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے مسجد ضرار بنائی تھی۔ (۷) اور ثعلبہ بن حاطب، (۸) اور معتب بن قشیر: ان دونوں نے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے فضل وکرم سے نوازا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے، پھر اپنے عہد سے مکر گئے، اور اسی معتب نے جنگِ اُحد کے دن کہا تھا: اگر ہماری کوئی بات سنی جاتی تو یہاں قتل نہیں کیے جاتے، اور اسی نے غزوۂ احزاب کے دن کہا تھا: محمد (ﷺ) ہم سے وعدہ کرتا تھا کہ ہمیں کسریٰ اور قیصر کے خزانے ملیں گے، اور آج حال یہ ہے کہ ہم قضائے حاجت کے لیے بھی اگر باہر جاتے ہیں تو ہماری جان محفوظ نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا﴾

[الأحزاب: ۱۲]

''اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دل بیمار تھے کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جھوٹا وعدہ کیا تھا۔''

(۹) اور عباد بن حنیف: (سہل بن حنیف کا بھائی)۔ (۱۰) اور بُخرج: یہ بھی مسجدِ ضرار بنانے والوں میں سے تھا۔ (۱۱) اور عمرو بن حذام، (۱۲) اور عبداللہ بن نبتل (۱۳) اور جاریہ بن عامر بن عطاف اور اس کے دونوں بیٹے۔ (۱۴) اور یزید۔ (۱۵) اور مجمع، یہ سب مسجدِ ضرار بنانے والوں میں سے تھے۔ (۱۶) اور ودیعہ بن ثابت: یہ بھی مسجدِ ضرار بنانے میں شریک تھا، اسی نے کہا تھا کہ ہم تو بس ہنسی مذاق کر رہے تھے تو اس کے بارے میں قرآن نازل ہوا۔ (۱۷) اور خِدام بن خالد: اسی نے اپنے گھر کا ایک حصہ مسجدِ ضرار بنانے کے لیے دیا تھا۔ (۱۸) اور بشر بن زید۔ (۱۹) اور اس کا بھائی رافع بن زید۔

(۲۰) اور مربع بن قیظی: یہ شخص اندھا تھا، اسی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا، جب آپ اس کے باغ سے ہوکر اُحد کی طرف جاتے ہوئے گزرے تھے کہ اگر تم نبی ہو تو میں تمہارے لیے اس بات کو حلال نہیں کرتا ہوں کہ میرے باغ سے گزرو، اور اس نے اپنے ہاتھ میں مٹی لی اور کہا: اللہ کی قسم! اگر میں جانتا کہ اس کے ذریعہ میں تمہارے سوا کسی کو تکلیف نہیں پہنچاؤں گا، تو تمہیں اس کے ذریعہ ضرور مارتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھے تاکہ اسے قتل کر دیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، یہ اندھا دل کا اندھا ہے، اللہ نے اس کی بصیرت چھین لی ہے اور سعد بن زید الاشہلی نے اسے کمان سے مار کر زخمی کر دیا۔

(۲۱) اور اس کا بھائی اوس بن قیظی: جس نے کہا تھا کہ ہمارے گھر عریاں ہیں تو اللہ نے نازل فرمایا:

﴿وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۖ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا﴾ [الأحزاب: ۱۳]

''حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے، وہ تو بس بھاگنا چاہتے تھے۔''

(۲۲) اور حاطب بن امیہ بن رافع: یہ شخص بوڑھا اور موٹے بدن کا تھا، اور اس کا ایک بیٹا بہت ہی اچھا مسلمان تھا جس کا نام یزید بن حاطب تھا، اور جنگِ احد کے دن شدید زخمی ہو گیا تھا، تو اسے دار بنی ظفر میں اُٹھا کر لے جایا گیا، اور جب وہ جان کنی کی حالت میں تھا تو کچھ مسلمان مرد اور عورتیں اس کے پاس گئے اور کہنے لگے: اے ابن حاطب! تمہارے لیے جنت کی خوشخبری ہے، اس وقت اس کے باپ کا نفاق ظاہر ہوا اور کہنے لگا: ہاں، حرمل کے درختوں کی جنت (حرمل ایک صحرائی پودا کا نام ہے) اللہ کی قسم! تم لوگوں نے اس مسکین کو دھوکے میں رکھا۔

(۲۳) اور بشیر بن اُبیرق ابوطعمہ: (دو زرہوں کا چوری کرنے والا)، اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا﴾ [النساء: ۱۰۷]

''اور آپ ان لوگوں کے لیے نہ جھگڑیے جو خود اپنے ساتھ خیانت کرتے ہیں، بے شک اللہ اسے پسند نہیں کرتا جو بڑا خائن اور گناہ گار ہو۔''

(۲۴) اور قُزمان (بنی ظفر کا حلیف): اسی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: وہ جہنمی ہے، اس کی تفصیل یہ

ہے کہ اس نے احد کے دن، بڑی سخت جنگ کی اور کئی مشرکوں کو قتل کیا، اس کے بعد زخموں کی وجہ سے حرکت کرنے سے عاجز ہو گیا، اور سخت تکلیف اٹھانے لگا تو اپنے آپ کو ہلاک کر لیا اور کہا: اللہ کی قسم! میں نے تو صرف اپنی قوم کی حمیت میں جنگ کی ہے، پھر مر گیا۔ چنانچہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی بات سچی ہو گئی کہ وہ جہنمی ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: بنوعبدالاشہل میں کوئی معروف منافق مرد یا عورت نہیں تھی، سوائے ضحاک بن ثابت کے جسے نفاق اور حب یہود کے ساتھ متہم کیا جاتا تھا۔ (۲۵) اور خزرج میں رافع بن ودیعہ۔ (۲۶) اور زید بن عمرو۔ (۲۷) اور عمرو بن قیس۔ (۲۸) اور قیس بن عمرو بن سہیل۔ (۲۹) اور جد بن قیس: جس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا: مجھے اجازت دے دو، اور آزمائش میں نہ ڈالو۔

(۳۰) اور عبداللہ بن ابی بن سلول: جو منافقین کا سردار اور خزرج اور اوس کا رئیس تھا۔ جاہلیت میں تمام اوس و خزرج والے اسے اپنا بادشاہ بنانے پر متفق ہو گئے تھے۔ اسی وقت اسلام آ گیا اور سب کے سب اس میں داخل ہو گئے، جس کے سبب اس ملعون کو شدید تکلیف ہوئی اور اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف اس کا دل غیظ و غضب سے بھر گیا۔ اسی نے کہا تھا کہ جب ہم مدینہ واپس جائیں گے تو وہاں کا سب سے معزز آدمی، سب سے ذلیل (یعنی نبی کریم ﷺ) کو وہاں سے نکال دے گا۔ اور اس کے اور اس کی جماعت کے بارے میں پوری سورۃ المنافقون نازل ہوئی۔ اور یہی لوگ بنونضیر والوں سے خفیہ طور پر مل کر (جب آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا تھا) کہتے تھے: تم لوگ ثابت قدم رہو، اللہ کی قسم: ﴿ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴾......

[الحشر: ۱۱] ''اگر تم (اپنے گھروں سے) نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے، اور تمہارے بارے میں ہرگز کسی کی بات نہیں مانیں گے، اور اگر تم پر جنگ مسلط کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ بلاشبہ جھوٹے ہیں۔'' اس لیے کہ یہ لوگ باطن میں بنونضیر کے خیر خواہ نہ تھے۔ [1]

بعض منافقین یہود و عرب کا مسجد نبوی سے نکالا جانا:

یہ منافقین یہود و عرب مسجد نبوی میں آ کر مسلمانوں کی باتیں سنتے اور ان کے دین کا مذاق اڑاتے تھے۔ ایک دن اس قسم کے لوگ مسجد میں جمع ہوئے تو انہیں رسول اللہ ﷺ نے آپس میں چپکے چپکے ایک دوسرے سے چپک کر باتیں کرتے دیکھا، تو آپ ﷺ نے انہیں مسجد سے سختی کے ساتھ نکال دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ، بنونجار کے عمرو بن قیس کے پاس گئے اور اسے پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے مسجد سے نکال دیا، پھر ابو ایوب رضی اللہ عنہ رافع بن ودیعہ نجاری کے پاس آئے اور اس کی چادر اس کی گردن میں ڈال کر پکڑ لیا، پھر اُسے زمین پر دے مارا، اور اس کے چہرے پر گھونسوں کی بارش شروع کر دی، پھر اسے مسجد سے یہ کہتے ہوئے نکال دیا: تف ہو تم پر اے منافق خبیث!!

عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ زید بن عمرو کے پاس گئے، جو لمبی داڑھی والا تھا، اسے اس کی داڑھی سے پکڑ کر سختی کے ساتھ کھینچتے ہوئے مسجد سے باہر نکال دیا، پھر عمارہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو جمع کر کے پوری قوت کے ساتھ ان دونوں سے اس کے

[1] السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/ ۳۴۵-۳۴۸.

سینے میں مارا، جس کی تاب نہ لاکر وہ گر گیا، پھر کہنے لگا: اے عمارہ! تم نے مجھے زخمی کر دیا، تو عمارہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تجھے دور کرے اے منافق! اللہ نے تمہارے لیے جو عذاب تیار کر رکھا ہے وہ اس سے زیادہ شدید ہے، آج سے رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے قریب بھی نہ آنا۔ اور ابو محمد مسعود بن اوس نجاری رضی اللہ عنہ جو بدری صحابی تھے، قیس بن عمرو بن سہل کے پاس گئے جو ایک جوان آدمی تھا، اور منافقوں میں اس کے سوا کوئی جوان نہیں تھا، پھر اس کی گردن پکڑ کر دھکا دینے لگے، یہاں تک کہ اسے مسجد سے نکال دیا۔ اور بنو خدرہ کے ایک صحابی حارث بن عمرو نامی ایک منافق کے پاس پہنچے، جس کے سر کے بال لمبے تھے، انہوں نے اُسے سر کے بالوں سے پکڑ لیا اور سختی کے ساتھ گھسیٹتے ہوئے باہر کر دیا، تو منافق کہنے لگا: اے ابوالحارث! آپ نے میرے ساتھ بہت سخت برتاؤ کیا ہے، تو انہوں نے کہا: تم اسی کے حق دار ہو، اے اللہ کے دشمن! اس آیت کے سبب جو تمہارے بارے میں نازل ہوئی ہے، آج سے تم مسجدِ رسول کے قریب نہ آنا، اس لیے کہ تم ناپاک ہو۔ اور بنی عمرو بن عوف کے ایک صحابی اپنے بھائی زُوَی بن حارث کے پاس گئے اور اسے سختی کے ساتھ پکڑ کر باہر کر دیا، اور اس کے نفاق پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا: تم پر شیطان کا غلبہ ہو گیا ہے۔

ان تفاصیل سے اُن مشکلات کا اندازہ ہوتا ہے جن کا دعوتِ اسلامیہ کو مدنی سوسائٹی میں سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس لیے کہ خفیہ عداوت کی خطرناکی کھلی عداوت کی خطرناکی سے زیادہ سخت اور نقصان دہ ہوتی ہے۔ مکی سوسائٹی کے دشمنانِ اسلام جانے پہچانے لوگ تھے، اور وہ کبر و غرور کے ساتھ معاملہ کرتے تھے، اس لیے عام حالات میں مسلمانوں کے خلاف ان کی کارروائیوں کا علم ہوتا رہتا تھا، تو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ممکن حد تک احتیاط کر لیا کرتے تھے، اگرچہ ان کے ظلم و استکبار کا معاملہ بہت ہی سخت ہوتا تھا، جیسا کہ ہم نے جان لیا ہے۔

مدنی سوسائٹی کے دشمنانِ اسلام ظاہر میں اپنے آپ کو اسلام کا وفادار بتاتے تھے اور ان کے دل میں اس کے خلاف عداوت اور بغض و نفرت کی آگ بھڑکتی رہتی تھی، جس کا پہلا ضرر رساں نتیجہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام عام حالات میں ان سے دھوکا کھا جاتے تھے۔ اور ملعون یہود رات دن مدنی سوسائٹی میں اس لاعلاج مرض کے پھیلانے میں لگے رہتے تھے۔ یہ لوگ اپنی خفیہ سازشوں پر اکتفا نہیں کرتے تھے، بلکہ مشرکینِ عرب کے درمیان ہمیشہ کوشاں رہتے تھے کہ وہ ان ہی کی طرح منافق بن جائیں۔ بظاہر رسول اللہ ﷺ اور دینِ اسلام کے لیے اپنی طاعت گزاری کا اعلان کرتے تھے، تاکہ اس سوسائٹی میں اچھوت بن کر نہ رہ جائیں اور دل میں عداوت چھپائے رہتے تھے، اور کبھی یہود کے ساتھ مل کر اور اکثر اوقات آپس میں ہی جمع ہو کر سازشیں گھڑتے رہتے تھے۔ اور ہم نے اب تک ان کی بعض سازشوں کو جان لیا ہے، اور ان شاء اللہ سیرتِ نبوی کی تفصیلات پڑھتے ہوئے قدم بقدم ان کی مزید سازشوں کو جانیں گے، اور نفاق کے اُن خطرناک نتائج کا بھی علم ہوگا جن سے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام دوچار تھے۔

ان تمام سازشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور اپنے نبی ﷺ کی حفاظت فرمائی اور اس نور کو پورا کیا، جسے ظالموں نے بجھا دینا چاہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس نور کے ذریعہ پورے جزیرۂ عرب کو روشن کر دیا، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی غیر عرب علاقوں میں بھی وہ روشنی پھیل گئی، اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین کے

زمانوں میں نورِ اسلام نے پورے عالم کو روشن کر دیا۔

یہاں ایک بات قابل توجہ ہے کہ عہدِ نبوی میں دعوتِ اسلامیہ کی زندگی میں اس خبیث نفاق کی تاریخ اور اس سے متعلق واقعات شاہد ہیں کہ دعوتِ اسلامیہ جہاں کہیں بھی اُن بنیادوں پر قائم ہوگی، جن پر عہدِ نبوی میں قائم ہوئی تھی، تو اُس کا سابقہ اُس عہد کے منافقین اور اُن کی سازشوں سے پڑے گا، وہ منافقین بھی مساجدِ ضرار بنائیں گے، اور اللہ کے مخلص داعیوں پر ایسے اتہامات دھریں گے جن سے اُن کا دامن بالکل پاک ہوگا، اور وہ منافقین ہمیشہ اونچی آواز میں کہا کریں گے کہ وہی امتِ اسلامیہ کے لیے مخلص ہیں اور وہی عقل مند ہیں جو تمام امور اور ان کے انجام کار کو اچھی طرح سمجھتے ہیں، اور یہ کہ اللہ کے دین کی طرف بلانے والے، اور دینِ اسلام پر قائم رہنے والے بیوقوف، سخت گیر اور انتہاء پسند لوگ ہوتے ہیں۔

منافقوں کا ہر زمان و مکان میں یہی وطیرہ رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان پر غالب رہا ہے، اور اپنے دین اور اس کی طرف دعوت دینے والوں کا حامی و ناصر رہا ہے، اور غلبہ ہمیشہ نیک مومنوں کو حاصل ہوتا رہا ہے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتے ہیں۔ اللہ نے سچ کہا ہے:

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ [الصف: ۸]

"کفار اللہ کے نور کو اپنے منہ سے پھونک مار کر بجھانا چاہتے ہیں، اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنا چاہتے ہیں، چاہے کفار کو یہ بات کتنی ہی ناگوار گزرے۔"

غزوات اور فوجی دستوں سے متعلق باقی تفصیلات:

میں نے اس سے پہلے اُن اسباب و وسائل کا ذکر کیا ہے، جنہیں نبی کریم ﷺ نے کفارِ قریش کے کبر و غرور کو لگام لگانے کے لیے اختیار فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے مدینہ اور مکہ میں رہنے والے یہود اور مشرکینِ عرب کے سامنے مسلمانوں کی قوت کے مظاہرے کے لیے فوجی دستے بھیجنا شروع کر دیا تھا، تاکہ مشرکینِ قریش عقل کے ناخن لیں اور مہاجرین و انصارِ مدینہ کے بارے میں اپنے ظالمانہ رویہ پر نظرِ ثانی کریں، اب میں مدنی سوسائٹی میں نفاق اور منافقین کی حالت بیان کرنے کے بعد دوبارہ باقی غزوات اور فوجی دستوں کی تفصیلات کی طرف عود کرتا ہوں، و باللہ التوفیق۔

غزوۂ ابواء یا غزوۂ ودّان:

ماہِ صفر ۲ھ میں مدینہ آنے کے بعد بارھویں مہینہ میں نبی کریم ﷺ کو خبر ملی کہ اہلِ قریش کا ایک قافلہ مقام ابواء سے گزرنے والا ہے، اس لیے آپ ﷺ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنا کر ستر (۷۰) مہاجرین کے ساتھ نکل پڑے۔ اس غزوہ کا علَم سفید تھا، اور اس کے اٹھانے والے سیدنا حمزہ بن عبدالمطلبؓ تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ ودّان یا ابواء پہنچے، ان دونوں کے درمیان صرف چھ میل کا فاصلہ ہے، لیکن قافلہ گزر چکا تھا، اس لیے آپ ﷺ کی کسی سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی۔ اور آپ ﷺ اپنے اس سفر میں بنی ضمرہ بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ تک پہنچے، اور ان کے ساتھ معاہدۂ امن کیا، اور ان کی طرف سے آپ ﷺ کے ساتھ معاہدہ کرنے والا مخشی بن عمرو ضمری تھا، جو اس زمانے میں ان کا سردار تھا، پھر آپؐ مدینہ واپس آگئے، اور وہاں ماہِ صفر کے باقی ایام اور ماہِ ربیع الأول کے ابتدائی دنوں تک قیام فرمایا۔ یہ نبی کریم ﷺ کا پہلا غزوہ تھا۔

غزوۂ بواط:

ماہِ ربیع الاول ۲ھ میں نبی کریم ﷺ دوسو (۲۰۰) سواروں کے ساتھ قریش کے ایک قافلہ کا پیچھا کرنے کے لیے نکلے، جو سو (۱۰۰) آدمی پر مشتمل تھا، انہی میں امیہ بن خلف جمحی تھا، اوران کے ساتھ دو ہزار پانچ سو اونٹ تھے، اس غزوہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں اپنا خلیفہ سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو اور ایک قول کے مطابق سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا، اور اس جنگ کا علم سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، آپ ﷺ جب رضویٰ کی طرف سے بواط پہنچے تو وہاں کسی کو نہیں پایا، آپ ﷺ نے وہاں ربیع الثانی کے باقی ایام اور جمادی الاولیٰ کے بعض ابتدائی ایام میں قیام کیا، پھر مدینہ لوٹ آئے۔ ❶

غزوۂ عُشیرہ:

اسی ۲ھ ماہِ جمادی الاولیٰ کے آخر میں آپ ﷺ ڈیڑھ یا دوسو مہاجرین کے ساتھ نکلے، اور کسی کو نکلنے پر مجبور نہیں کیا، یہ سب تیس اونٹوں پر باری باری سوار ہو کر سفر کرتے رہے۔ آپ ﷺ کو خبر ملی تھی کہ قریش کے ایک سے زیادہ قافلے شام جارہے ہیں، اسی لیے آپ ﷺ نے ارادہ کیا کہ ان میں سے بعض قافلوں کو جالیں، اور مدینہ میں اپنا خلیفہ ابو سلمہ بن عبدالاسد کو بنایا اور علمِ جہاد حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو دیا، اور سفر جاری رکھا، یہاں تک ینبع کی وادی میں مقامِ عُشیرہ پہنچے، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ تو کئی دن پہلے یہاں سے آگے جاچکا ہے۔

آپ ﷺ وہاں جمادی الاولیٰ اور جمادی الاخریٰ کی چند راتیں ٹھہرے رہے۔ اس مدت میں بنی مُدلج اور ان کے حلیفوں سے معاہدۂ امن کیا، پھر مدینہ لوٹ آئے۔ ❷

غزوۂ بدر اولیٰ:

ابن اسحاق کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کو غزوۂ عُشیرہ سے مدینہ واپس ہوئے ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کردیا، تو آپ ﷺ نے مدینہ کا خلیفہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بنا کر خود اس کی تلاش میں نکل پڑے، یہاں تک کہ بدر کے علاقے میں صفوان نامی وادی تک پہنچ گئے۔ اس غزوہ کا علم علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، لیکن آپ ﷺ کی کرز اور اس کے ساتھیوں سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی، اس لیے رسول اللہ ﷺ بغیر جنگ کے ہی مدینہ واپس آگئے اور اس غزوہ کا نام غزوۂ بدر اس لیے رکھ دیا گیا کہ آپ ﷺ اس موقع سے بدر کے قریب پہنچ گئے تھے اور اس کو ''اولیٰ'' کے ساتھ اس لیے متصف کیا گیا تا کہ اس میں اور غزوۂ بدر الکبریٰ میں تفریق کیا جائے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں کو ابوسفیان اور مشرکوں پر نصرِ مبین عطا کی تھی۔ ❸

سریۂ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ:

یہ فوجی دستہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے غزوۂ بدر الکبریٰ کا ایک پیش خیمہ تھا، اس لیے کہ یہ سریہ ماہِ رجب ۲ھ میں نکلا تھا،

---

❶ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/۳۵٦، دلائل البیہقی: ۳/۱۰.

❷ سیرۃ ابن ہشام: ۱/۵۹۹، ٦۰۰، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/۳٦۱-۳٦۳، صحیح السیرۃ النبویۃ، ابراہیم: ۲۱٤.

❸ سیرۃ ابن ہشام: ۱/٦۰۱.

اور غزوہ بدر الکبریٰ اسی سال ماہ رمضان میں ہوا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابو عبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ کو آٹھ آدمیوں کے ساتھ مقام نخلہ کی طرف بھیجنے کا ارادہ کیا، جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے۔ جب سریہ کی تیاری ہوگئی اور سفر کا ارادہ کیا تو ابو عبیدہ، رسول اللہ ﷺ سے جدائی کے تصور سے رونے لگے۔ اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رُک گئے اور آپ ﷺ نے ان آٹھوں اشخاص کو عبداللہ بن جحش اسدی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا جو اوائل مسلمین میں سے تھے اور پہلے ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے، پھر مدینہ آگئے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے ایک پوشیدہ خط لکھا اور حکم دیا کہ وہ اسے فلاں جگہ پہنچنے سے پہلے نہ پڑھیں، نیز یہ کہا: تم اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو خط سننے کے بعد اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: جب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دو دن کا راستہ طے کر لیا تو خط کھولا، لکھا تھا کہ جب تم میرا یہ خط دیکھو، تو آگے چلو، یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ نامی مقام تک پہنچ جاؤ، وہاں پہنچ کر کفار قریش کے بارے میں معلومات جمع کرو۔

سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے خط پڑھنے کے بعد کہا: ہم نے آپ ﷺ کی بات سُنی اور ہم آپ ﷺ کے فرمانبردار ہیں، اور اپنے ساتھیوں کو خط کے مضمون سے آگاہ کیا، اور کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے تم میں سے کسی کو آگے چلنے پر مجبور کرنے سے منع فرمایا ہے، اس لیے تم میں سے جو شخص شہادت کی تمنا رکھتا ہے، وہ آگے بڑھے، اور جو اسے ناپسند کرتا ہے وہ لوٹ جائے، البتہ میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کو بجالانے کے لیے آگے بڑھوں گا۔

چنانچہ وہ اور ان کے تمام ساتھی آگے بڑھے، کوئی بھی پیچھے نہ رہا، اور حجاز کی طرف بڑھتے رہے، یہاں تک کہ جب فرع نامی مقام کے بالائی علاقہ میں بحران نام کے معدن کے پاس پہنچے تو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا ایک اونٹ گم ہوگیا، جس پر یہ دونوں باری باری سوار ہوتے تھے، اس لیے وہ دونوں اس کی تلاش میں پیچھے رہ گئے، اور سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ باقی ساتھیوں کے ساتھ نخلہ پہنچ گئے۔

وہاں سے قریش کا ایک قافلہ گزرا جس میں عمرو بن الحضرمی، عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی، اس کا بھائی نوفل اور حکم بن کیسان (ہشام بن مغیرہ کا آزاد کردہ غلام) تھے۔ ان لوگوں نے ابن الحضرمی کو قتل کر دیا، اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو قیدی بنالیا، اور نوفل بن عبداللہ بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ واقعہ ماہ رجب کی پہلی تاریخ کو ہوا تھا، اور یہ لوگ جان نہ سکے کہ وہ دن ماہ رجب کا تھا یا جمادی الثانیہ کا۔

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی قافلے کا ساز وسامان اور دونوں قیدیوں کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ واپس آگئے۔ اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے الگ کر کے باقی کو اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ اور یہ رسول اللہ ﷺ کے لیے مال غنیمت کا پانچواں حصہ دیے جانے کے نزول حکم سے پہلے کا ہے، اور جب یہ حکم اللہ کی طرف سے نازل ہوا تو عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تقسیم کے مطابق تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں: یہ پہلا مال غنیمت تھا جو مسلمانوں کو حاصل ہوا، اور عمرو بن حضرمی پہلا کافر تھا جسے مسلمانوں نے قتل کیا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان پہلے دو قیدی تھے جنہیں مسلمانوں نے قید کیا۔

جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہیں شہر حرام میں جنگ کی اجازت نہیں دی تھی، پھر آپ ﷺ نے اس سازوسامان اور دونوں قیدیوں کے سلسلے میں توقف کیا، اور اس میں سے کچھ لینے سے انکار کر دیا، تو ان مجاہدین کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، اور انہیں گمان ہوا کہ وہ ہلاک ہو گئے، اور اہل قریش کہنے لگے محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں نے شہرِ حرام کو حلال بنالیا، اور اس میں خون بہانے کو مباح کر لیا، انہوں نے ماہِ حرام میں ہمارا مال لوٹ لیا، اور ہمارے لوگوں کو قیدی بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ ﴾ [البقرہ: ۲۱۷]

"لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں قتال کرنا کیسا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ اس میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے، اور اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکنا ہے، اور اس کا انکار کرنا ہے، اور مسجد حرام سے روکنا اور مسجدِ حرام والوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے، اور (اہلِ توحید کو ان کے دین وعقیدہ کے بارے میں) آزمائش میں ڈالنا قتل سے بڑا گناہ ہے، اور (اے مسلمانو!) اہلِ کفر تم سے جنگ کرتے رہیں گے، حتیٰ کہ اگر ان کی استطاعت میں ہو تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں گے۔"

یعنی اے مومنو! اگر تم لوگوں نے شہر حرام میں ان کا ایک آدمی قتل کر دیا ہے تو انہوں نے تمہیں اللہ کے راستے سے روکا ہے، اور اللہ کا انکار کیا ہے، اور مسجد حرام سے روکا ہے، اور وہاں سے تمہیں اور تمہارے اہل وعیال کو نکال دیا ہے، اور یہ سب جرائم اللہ کے نزدیک ان میں سے ایک کے تمہارے ذریعہ قتل کیے جانے سے کہیں زیادہ بڑے ہیں، اور مسلمانوں کو آزمائش میں ڈالنا تو قتل سے زیادہ بڑا ظلم ہے، یعنی وہ لوگ مسلمانوں کو ان کے دین کے سلسلے میں ابتلاء وآزمائش میں ڈالتے رہے ہیں، تاکہ انہیں ایمان کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹا دیں، اور یہ جرم اللہ کے نزدیک قتل سے زیادہ بڑا ہے۔

جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے مسلمانوں کے دل ودماغ سے اللہ کی ناراضی کا خوف نکال دیا تو رسول اللہ ﷺ نے قریشی قافلہ کا سازوسامان اور دونوں قیدیوں کو رکھ لیا اور قریش نے جب ان دونوں کے بدلے فدیہ دینا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، یہاں تک کہ ہمارے دونوں ساتھی واپس آجائیں۔ ہم ان کے بارے میں تم سے ڈرتے ہیں، اگر تم انہیں قتل کر دو گے، تو ہم تمہارے دونوں آدمیوں کو قتل کر دیں گے، پھر سعدؓ اور عتبہؓ واپس آئے، تو آپ ﷺ نے ان دونوں قیدیوں کے بدلے فدیہ قبول کر لیا، اس کے بعد حکم اسلام لے آئے اور اپنے اسلام پر ثابت قدم رہے، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس رہنے لگے یہاں تک کہ بئر معونہ کے دن شہید ہو گئے، البتہ عثمان مکہ چلا گیا اور وہاں حالت کفر میں مر گیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: جب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا غم نزول قرآن کے بعد زائل ہوا تو اللہ سے اجر کا لالچ کرنے لگے، اور کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم اس بات کی توقع رکھیں کہ ہمیں اس غزوہ کے بدلے مجاہدین کا اجر ملے گا، تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [البقرہ: ۲۱۸]

"بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور اللہ کے لیے اپنا گھر بار چھوڑا، اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی لوگ اللہ کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔"

اس آیت کو سن کر مجاہدین کو اللہ کی جانب سے بڑے اجر کی امید ہو گئی۔

امام احمد رحمہ اللہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اس سریہ کے واقعہ کی روایت کی ہے اور بیان کیا ہے کہ اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بنو کنانہ کے ایک محلے پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا تھا، اور وہ سب مدینہ الگ الگ واپس آئے تھے، تو آپ ﷺ نے انہی سب کو جمع کر کے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی امارت میں نخلہ نامی مقام کی طرف بھیجا تھا، چنانچہ عبداللہ رضی اللہ عنہ عہد اسلام میں پہلے امیر مقرر ہوئے تھے۔ ❶

تبدیلِ قبلہ:

رسول اللہ ﷺ مدینہ آنے کے بعد سولہ ماہ تک اپنی نمازیں بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے ادا کرتے رہے، اور دل سے چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کا رخ کعبہ کی طرف پھیر دیا جائے، اور آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے کہا: میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرے چہرے کو یہود کے قبلہ سے پھیر دے، تو جبریل علیہ السلام نے کہا: میں اللہ کا صرف ایک بندہ ہوں، آپ اپنے رب سے دعا کیجیے اور اس سے مانگیے، اس کے بعد آپ ﷺ اپنا چہرۂ مبارک امید لگائے آسمان کی طرف بار بار اٹھانے لگے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ﴾

[البقرہ: ۱٤٤]

"ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اٹھ رہا ہے، اس لیے ہم آپ کو اُس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پس آپ اپنا رُخ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیجیے۔"

اور اللہ نے آپ کا چہرۂ مبارک بیت الحرام کی طرف پھیر دیا۔ یہ واقعہ جنگِ بدر سے دو ماہ پہلے کا ہے۔

بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تبدیلیٔ قبلہ میں بہت سی عظیم حکمتیں تھیں، نیز اس میں مسلمانوں، مشرکوں اور یہود و منافقین کے لیے بڑی آزمائش تھی، مسلمانوں نے کہا: ہم نے سن لیا اور اطاعت کی اور کہا:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا﴾ [آلِ عمران: ۷]

"ہم اُس پر ایمان لے آئے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔"

مشرکوں نے کہا: جب محمد ہمارے قبلہ کی طرف لوٹ گیا ہے تو عنقریب ہے کہ وہ ہمارے دین کی طرف بھی لوٹ جائے گا، اور یہود نے کہا: محمد نے گزشتہ انبیاء کی مخالفت کی ہے، اگر وہ نبی ہوتا تو گزشتہ انبیاء کے قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز

❶ دیکھئے: دلائل البیهقي: ۳/ ۱۲، السیرة النبویة، ابن کثیر: ۲/ ۳٦٤، سیرة ابن هشام: ۱/ ٦٠١.

پڑھتا، اور منافقین نے کہا: محمد کو پتہ ہی نہیں کہ وہ اپنا رُخ کدھر کرے، اگر پہلا قبلہ حق تھا تو اسے اس نے چھوڑ دیا، اور اگر دوسرا حق ہے تو پہلے سے وہ باطل پر تھا، اس طرح بے وقوفوں کے قیل وقال کی کثرت ہوگئی، اور قبلہ کا موضوع اللہ کی طرف سے اس کے بہت سے بندوں کی آزمائش کا سبب بن گیا، تاکہ پتہ چلے کہ کون رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتا ہے اور کون اُن کی مخالفت کرتا ہے۔ ❶

رمضان کے روزے، صدقۂ فطر، عیدین کی نماز اور قربانی:

اسی ۲ھ ماہ شعبان میں اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان کے روزے فرض کیے، اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ ہر ماہ میں تین روزے رکھتے تھے۔ اور ابن سید الناس نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ رمضان کے روزے تبدیلی قبلہ کے ایک ماہ بعد، اور رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے اٹھارویں ماہ کی ابتدا میں شعبان میں فرض ہوئے، اور اللہ کے رسول نے اسی سال صدقۂ فطر کا حکم دیا۔ یہ حکم زکاۃ کی فرضیت سے پہلے صادر ہوا، اور آپ ﷺ نے عید کے دن خطبہ سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی، اور قربانی کے دن بھی عید کی نماز پڑھی اور قربانی کا حکم دیا، اور آپ ﷺ مدینہ میں دس سال تک رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔ اور آپ ﷺ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے بغیر اذان واقامت کے پڑھتے تھے۔ ❷

فرضیت زکاۃ:

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور اسی ۲ھ میں بہت سے متاخرین علماء کے قول کے مطابق زکاۃ فرض کی گئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا﴾ [التوبہ: ۱۰۳]

''آپ ان کے اموال کی زکاۃ وصول کیجیے تا کہ اُن کو پاک کیجیے، اور اُس کے ذریعہ اُن کے باطن کا تزکیہ کیجیے۔''

اور نبی کریم ﷺ نے زکاۃ کا وقت، اُس کی مقدار اور اس کا نصاب بیان فرمایا، اور یہ کہ زکاۃ کس پر واجب ہوتی ہے اور کسے دی جائے؟ پھر آپ ﷺ نے چار قسم کے مال میں زکاۃ فرض کی:

(۱) کاشتکاری اور پھلوں کے باغات۔ (۲) جانور یعنی اونٹ، گائے اور بکری۔ (۳) وہ دونوں قیمتی جواہر جن پر دنیا اعتماد کرتی ہے یعنی سونا اور چاندی۔ (۴) مالِ تجارت (مختلف اقسام کے) اور اللہ نے اسے ہر سال ایک بار واجب کیا ہے اور کھیتوں کی پیداوار اور پھلوں کا سال اس کے تیار ہونے اور پک جانے کو بتایا۔

❶ دیکھئے: تبدیلی قبلہ سے متعلق احادیث، صحیح البخاری، کتاب التفسیر میں، اور صحیح مسلم، کتاب المساجد میں، اور دیکھئے زاد المعاد: ۳/ ۵۷۔ ۵۸، اور السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/ ۳۷۲، ۳۷۳، اور عیون الأثر: ۱/ ۲۳۰۔ ۲۳۸۔

❷ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/ ۳۷۸۔ ۳۷۹، عیون الأثر: ۱/ ۲۸۔

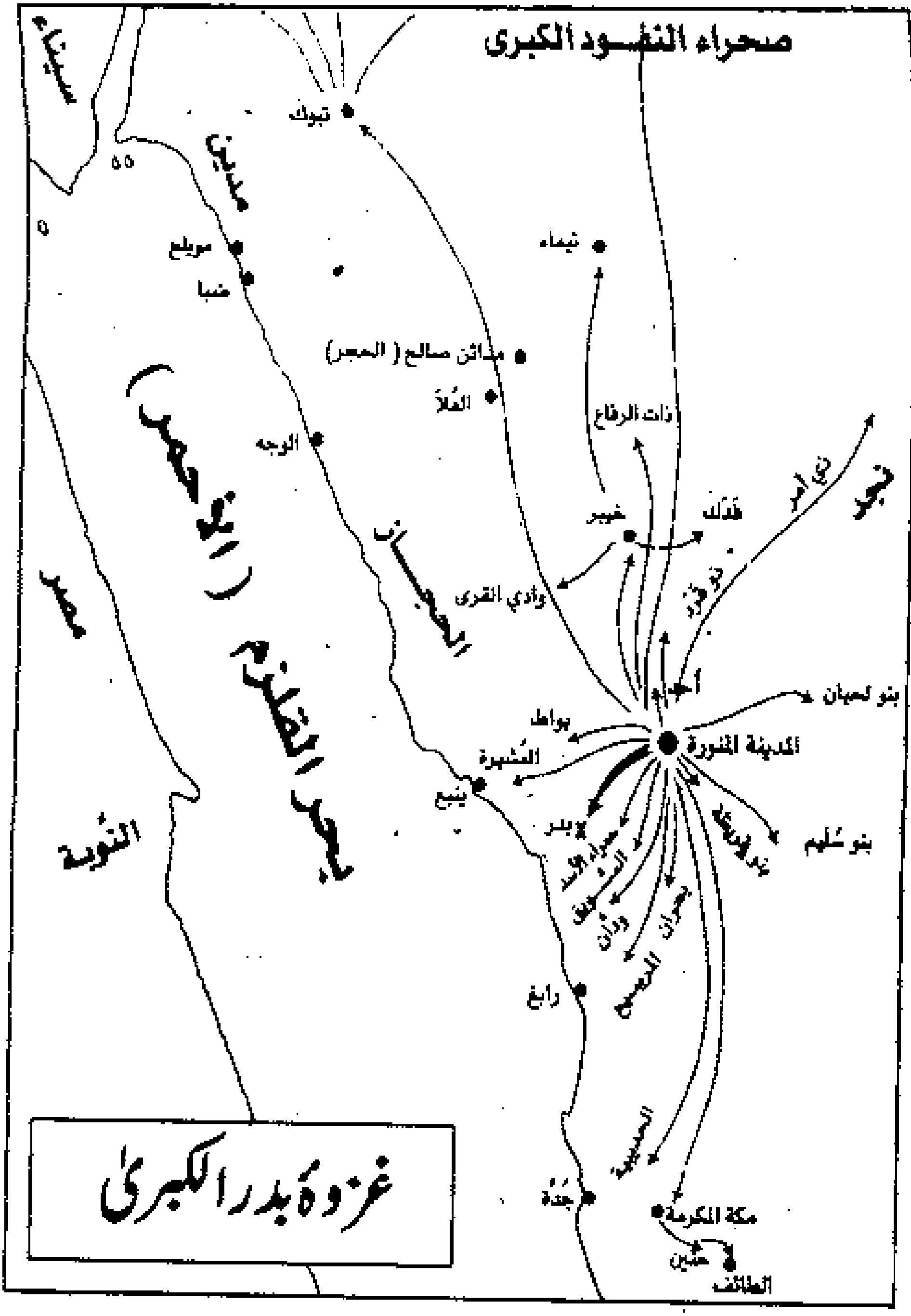

غزوة بدر الكبرىٰ

غزوۂ بدر الکبریٰ [1]

غزوۂ بدر کی وجہ تسمیہ:

یہ معرکہ "بئر بدر" کے پاس واقع ہوا، جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، اس کنویں کو بنی غفار کے ایک آدمی بدر بن قریش نے کھدوایا تھا، اسی لیے اس نام سے مشہور ہو گیا، بلکہ وہ جگہ بھی اسی نام سے مشہور ہو گئی، اور ایمان اور کفر کے درمیان یہ فیصلہ کن جنگ بھی اسی نام سے مشہور ہو گئی۔ یہ جگہ مدینہ سے ایک سو ساٹھ کلو میٹر دور ہے۔

جغرافیائی حالت:

یہ ریتیلی نرم زمین ہے، اس وادی میں پانی کی ایک نہر بہتی ہے جو مشرق سے مغرب کی طرف جاتی ہے، یہی نہر کہیں کہیں سمٹ کر بہت سے کنوؤں کی شکل اختیار کیے ہوئی ہے، جنہیں مسافر لوگ اپنی ضرورت کے مطابق پتھروں سے گھیر کر حوض کی شکل دیتے رہے ہیں۔

اس غزوہ کی اہمیت:

۱- یہی وہ غزوہ ہے جس میں مسلمانوں کو حقیقی فتح و نصرت حاصل ہوئی، اور جس میں بہت کم مسلمان مارے گئے، اور انہیں کوئی رعب و خوف لاحق نہیں ہوا، برخلاف غزوۂ خندق کے۔

۲- اسی غزوہ کے ذریعہ دعوت اسلامیہ کے انجام کا اس کی نئی جگہ (مدینہ منورہ) میں صحیح تعین و تقرر ہوا اور یہی معرکہ درحقیقت تاریخ دعوت اسلامیہ کے دو ادوار کے درمیان حد فاصل ہے، یعنی آزمائش و صبر اور قوت و حرکت کے درمیان، اور اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان واضح تفریق پیدا کر دی۔

۳- اس معرکہ کی اہمیت کا علم اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس دن قبلہ رخ ہو کر اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر - جب جنگ جاری تھی - اپنے اللہ سے مناجات کرتے ہوئے کہا: اے میرے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے آج پورا کر دکھا، اے میرے اللہ! تو نے جو مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ مجھے آج عطا کر، اے میرے اللہ! اگر تو نے اہل اسلام کی اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر زمین میں تیری عبادت نہیں ہوگی۔ آپ ﷺ مسلسل اپنے رب سے نہایت گریہ و زاری کے ساتھ دعا کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی چادر آپ کے کندھے سے نیچے گر گئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور چادر آپ ﷺ کے کندھے پر ڈال دی، پھر آپ کے پیچھے چپک گئے اور کہا: اے اللہ کے نبی (ﷺ)! آپ نے اپنے رب سے بہت مانگ لیا، وہ یقیناً آپ سے کیے گئے وعدے کو پورا کرے گا، تو اللہ عزوجل نے فرمایا:

---

[1] اس غزوہ کی تفصیلات سیرۃ ابن ہشام، دلائل البیہقی، سیرۃ ابن کثیر، الاکتفاء، الحیاۃ العسکریہ، السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری، غزوات النبی ڈاکٹر سید جمیلی، اور کتاب سرایا اور غزوات الرسول ﷺ کمال منتصر سے ماخوذ ہیں۔

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝﴾ [الأنفال: ٩]
"جب تم لوگ اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، تو اس نے تمہاری سن لی اور کہا کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کروں گا جو یکے بعد دیگرے اُترتے رہیں گے۔"

۴- اور اس غزوہ کے دُور رس نتائج میں سے یہ تھا کہ اس کے ذریعہ اہلِ قریش پر اقتصادی پابندی لگ گئی، اور وہ راستہ بند ہو گیا جس پر چل کر وہ اپنی تجارت کے لیے ملکِ شام جایا کرتے تھے، وہ راستہ مکہ سے ساحلِ بحرِ احمر اور تبوک ہوتا ہوا دمشق تک جاتا تھا۔ ❶

غزوہ کا سبب:

نبی کریم ﷺ کو خبر ملی کہ قریشیوں کا ایک بڑا تجارتی قافلہ شام سے لوٹ رہا ہے، جس کی قیادت ابوسفیان کر رہا ہے، اور جس کے پاس قریش کی بھاری دولت موجود ہے، آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ان کا پیچھا کرنے کے لیے بھیجا اور فرمایا: یہ قریشیوں کا قافلہ ہے، اس میں اُن کی بہت بڑی دولت ہے، تم لوگ اس کا پیچھا کرو، شاید اللہ تعالیٰ وہ دولت تمہیں دلا دیں۔

اس قافلہ میں ایک ہزار اونٹ انواع واقسام کے اموال سے لدے بھرے تھے، جن کی قیمت پچاس ہزار سونے کے دینار سے کم نہیں تھی، اور قافلہ کے ساتھ صرف چالیس کے قریب نگران تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چل پڑے، بعض لوگ بغیر ہتھیار لیے بعض لوگ ہتھیاروں کے ساتھ، اس لیے کہ ان کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو دشمنوں سے جنگ کی نوبت آئے گی۔ ابوسفیان جب حجاز سے قریب ہوا تو خبروں کی ٹوہ میں رہنے لگا، اور مارے ڈر کے ہر آنے جانے والے سے پوچھنے لگا، یہاں تک کہ بعض مسافروں کے ذریعہ اس کو یہ خبر مل گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اس کے اور اس کے قافلے کی تلاش میں بھیجا ہے، اس لیے وہ بہت ہی محتاط ہو گیا، اور ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر مکہ بھیجا، تاکہ قریشیوں کو اس کی خبر دے، اور انہیں اپنا مال بچانے کے لیے جلدی آنے کو کہے۔

ضمضم تیزی کے ساتھ مکہ پہنچا، اور اپنے دونوں کان زخمی کر کے اپنے اونٹ پر کھڑا ہو گیا، اور اپنی قمیص آگے اور پیچھے سے پھاڑ دی، اور اپنی سواری کا رخ پھیر دیا اور کہنے لگا: اے اہلِ قریش! اللطیمہ، اللطیمہ (یعنی اپنے چہروں پر طمانچے لگاؤ) تمہارے اموال جو ابوسفیان کے ساتھ ہیں، انہیں لوٹنے کے لیے محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکل پڑا ہے، میرا خیال ہے کہ اب تم لوگ اس قافلے کو نہیں پا سکو گے، دوڑو، مدد کے لیے دوڑو!

اس طریقہ سے ضمضم پورے اہلِ مکہ کو گھبرا دینے میں کامیاب ہو گیا، ان سب کے دل اپنے قافلے اور اپنی تجارت کے بارے میں خوف و ناامیدی سے بھر گئے، اور مسلمانوں کے خلاف ان کا کینہ بڑھ گیا، چنانچہ اہلِ قریش فوراً تیار ہوئے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے نکل پڑے، اور ان کے لیڈروں میں سے کسی نے بھی سستی نہیں کی۔

قریشی قافلہ کی مزید خبریں:

نبی کریم ﷺ نے مدینہ سے نکلنے سے پہلے اپنے دو صحابی طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو قریشی قافلے کی مزید

❶ الحیاة العسکریہ: ص ۲۹/۱، ۳۱.

خبریں لانے کے لیے بھیجا، یہ دونوں شخ کے قریب مقام حوراء میں ایک دیہاتی کے پاس گئے، اور اس کے پاس چھپ کر قیام کیا، اور جب قافلہ وہاں سے گزرا تو وہ دونوں فوراً مدینہ واپس آئے، ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ اب تک مدینہ ہی میں ہیں، تا کہ آپ ﷺ کو قافلے سے متعلق تفصیلات بتائیں۔

لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کا اور قافلے سے متعلق مزید خبروں کا انتظار نہیں کیا بلکہ ۸ رمضان المبارک سن دو ہجری کو تین سو تیرہ (۳۱۳) صحابہ کرام ﷺ کے ساتھ روانہ ہو گئے، اُن کے پاس ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔

ابو سفیان قافلہ سے آگے بڑھ کر "بدر" نامی کنویں کے پاس پہنچا، اور مجدی بن عمرو سے پوچھا: کیا تم نے کسی آدمی کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا: میں نے کسی اجنبی آدمی کو نہیں دیکھا ہے، البتہ دو سواروں کو دیکھا جنہوں نے اس ٹیلے کے پاس اپنی اونٹنی بٹھائی، پھر اپنے گھڑے سے پانی پیا، پھر چل پڑے۔ یہ سن کر ابو سفیان اس جگہ پہنچا اور اونٹوں کا گوبر لے کر اسے توڑا تو اس میں اونٹ کی گٹھلی ملی، اس نے کہا: اللہ کی قسم یہ مینگنیاں یثرب کی نشانیاں ہیں، چنانچہ وہ فوراً اپنے ساتھیوں کے پاس واپس گیا، اور قافلے کے رُخ کو ساحلِ سمندر کے راستے سے پھیر دیا، اور مقام بدر کو چھوڑ کو تیزی کے ساتھ آگے بڑھا۔ اور جب ابو سفیان کو یقین ہو گیا کہ اس نے اپنے قافلے کو بچالیا، تو فوراً قریش کو خبر بھیجی کہ تم لوگ اپنے قافلے، اپنے لوگوں اور اپنے اموال کو بچانے کے لیے نکلے تھے، اللہ نے ان سب کو نجات دے دی، اس لیے تم لوگ لوٹ جاؤ، لیکن انہوں نے اس کی بات نہیں مانی اور جذبات میں آ کر کہنے لگے: کیا محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی سمجھتے ہیں کہ ہمارا قافلہ بھی ابن الحضرمی کے قافلہ جیسا ہوگا؟ اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، وہ جلد ہی حقیقت کو جان لے گا۔ چنانچہ تمام اہلِ قریش کی حالت یہ تھی کہ یا تو ہر شخص جنگ کے لیے خود نکلا، یا اپنی جگہ کسی آدمی کو بھیجا قریش نے جنگ کی خوب تیاری کی، اور لوگوں کو خوب اُبھارا، اسی وجہ سے ان کے سرداروں میں سے ابولہب کے سوا کوئی پیچھے نہ رہا۔ ابولہب نے اپنے بدلے ایک آدمی کو بھیجا جو اس کا مقروض تھا، اور اہلِ قریش نے اپنے اِردگرد رہنے والے قبائلِ عرب کو بھی جمع کیا، اور قریشی خاندانوں میں سے کوئی پیچھے نہ رہا سوائے بنی عدی کے، ان کا کوئی آدمی ان کے ساتھ نہیں نکلا۔

امیہ بن خلف نے پیچھے رہنا چاہا جو ان میں ایک محترم، عمر رسیدہ اور بھاری بھرکم جسم والا آدمی تھا، لیکن عقبہ بن ابی معیط نے اسے عار دلائی، اور اس کے سامنے جب وہ لوگوں کے ساتھ کعبہ کے پاس بیٹھا تھا، ایک عود دان رکھ کر کہا: اے ابوعلی! یہ لو عود کی خوشبو سونگھو، اس لیے کہ تم عورت ہو، یہ سن کر وہ بھی تیار ہو کر لوگوں کے ساتھ نکل پڑا، اور عتبہ بن ربیعہ (جو مشرکوں کا سردار تھا) نے بھی مکہ میں رُک جانا چاہا، تو اس کے بھائی شیبہ نے کہا: اگر ہم اپنی قوم سے جدا ہوئے تو یہ ہمارے لیے گالی ہوگی، اس لیے تم اپنی قوم کے ساتھ ضرور چلو، چنانچہ وہ بھی ان کے ساتھ چل پڑا۔

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو ابو سفیان کے تجارتی قافلہ کو پالینے کے لیے جلد نکلنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ جس کے پاس سواری موجود ہے، وہ فوراً نکل چلے، اور کوئی خاص اہتمام نہیں کیا، اس لیے کہ آپ نے مسلمانوں اور مشرکینِ مکہ کے درمیان فوجی مڈبھیڑ کی نہیں سوچی تھی۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں پنجگانہ نماز کے لیے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نائب بنا دیا، جب آپ مقام روحاء پر پہنچے تو ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا نائب بنا کر واپس بھیج دیا۔ اور علمِ جہاد مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو تھمایا، اور ایک

جھنڈا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو، اور انصار کا جھنڈا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو دیا، اور فوج کے پچھلے حصہ پر قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ کو متعین کیا، اور تیز تیز چلنے لگے تاکہ قریشی قافلہ نکل نہ جائے۔

یہی وجہ ہے کہ معرکۂ بدر میں مسلمانوں کی فوج ان کی پوری عسکری طاقت کی نمائندگی نہیں کر رہی تھی۔ اور عکرمہ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عدی بن زغباء اور بسبس بن عمرو رضی اللہ عنہما کو راستہ کی دیکھ بھال کرنے والے فوجی دستہ کے طور پر بدر روانہ کر دیا تھا، تاکہ یہ دونوں قافلہ کی خبریں جمع کریں، چنانچہ وہ دونوں آپ ﷺ کے پاس تفصیلات لے کر لوٹ گئے تھے۔ ❶

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب:

ابن عباسؓ اور عروہ بن زبیرؒ کی روایت ہے کہ عاتکہ بنت عبدالمطلب نے خواب دیکھا کہ ایک آدمی نے قریش کو آگاہ کیا، اور جبل ابی قبیس کی چوٹی سے ایک پتھر نیچے گرایا جو ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، اور اس کے ذرات تمام اہل قریش کے گھروں میں داخل ہو گئے۔ عاتکہ نے اپنا یہ خواب عباسؓ اور ابوجہل کو سنا کر ان کے اعصاب کو برانگیختہ کر دیا، نیز ضمضم نے آکر وہ اعلان کیا جو ابھی گزر چکا ہے، اور تمام اہل مکہ کو خوفزدہ کر دیا۔

قریشیوں نے اپنی پوری فوجی طاقت اکٹھی کی، اور وہ شدید غصہ کی حالت میں تھے، اور سمجھتے تھے کہ ان کے قافلے کا راستہ روکنا ان کی بے عزتی ہے، اور سارے عرب میں ان کے رعب و دبدبہ کو چیلنج کرنا ہے۔ اور مشرکین کی فوج کی تعداد ایک ہزار تھی، اور ان کے ساتھ دو سو گھوڑے تھے، اور ان کے ساتھ ان کی لونڈیاں بھی تھیں، جو دف بجا کر مسلمانوں کی ہجو میں گیت گا رہی تھیں، اور اہل قریش کے مالدار لوگ فوج کو کھانا کھلانے کے لیے روزانہ کبھی نو اور کبھی دس اونٹ ذبح کرتے تھے۔ ❷

جہیم بن الصلت کا خواب:

قریش کے لوگ جب مقام جُحفہ پر پہنچے تو جہیم بن الصلت بن مخرمہ بن المطلب بن عبدمناف نے ایک خواب دیکھا کہ میں نے ایک گھوڑسوار کو دیکھا جو سامنے آکر رک گیا، اور اس کے ساتھ اس کا ایک اونٹ بھی تھا، پھر کہا: قتل کر دیے گئے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالحکم بن ہشام، امیہ بن خلف اور فلاں اور فلاں۔ اس نے ان سردارانِ قریش کے نام گنائے جو غزوۂ بدر میں قتل کر دیے گئے۔ پھر دیکھا کہ اس نے اپنے اونٹ کی گردن پر چابک مارا اور اسے فوج میں چھوڑ دیا، تو اس کے خون کے چھینٹے فوج کے ہر خیمے میں پہنچے۔ جہیم کا بیان ہے کہ جب ابوجہل کو اس خواب کی خبر ملی تو اس نے کہا: اور یہ دیکھو، اب بنو المطلب میں بھی ایک نبی نکل آیا، کل اسے معلوم ہو جائے گا جب ہماری مڈبھیڑ ہوگی کہ مقتول کون ہے۔ ❸

مشرکین مکہ کو اخنس بن شریق کی نصیحت:

جب مشرکوں کی فوج رابغ کے مشرق میں جُحفہ کے مقام پر پہنچی تو انہیں اخنس بن شریق ثقفی نے (جو بنی زہرہ کا حلیف تھا) نصیحت کی کہ وہ مکہ لوٹ جائیں، اس لیے کہ تجارتی قافلہ مکہ پہنچ چکا ہے، لیکن انہوں نے اس کی نصیحت پر دھیان نہیں

---

❶ الحیاة العسکریة: ص/ ۳۱، ۳۲.

❷ سیرة ابن ہشام: ۱/ ۶۰۷، ۶۰۸.

❸ سیرة ابن ہشام: ۱/ ۶۱۸، الحیاة العسکریة: ص/ ۳٤.

دیا، سوائے بنی زہرہ کے جنہوں نے اخنس بن شریق کی بات مان لی، جو ان کے درمیان قابلِ احترام آدمی تھا، اور واپس چلے گئے، چنانچہ ایک زہری بھی معرکۂ بدر میں شریک نہیں ہوا۔ اسی طرح بنو عدی ابن کعب کے لوگ بھی نہیں نکلے۔ اور طالب بن ابو طالب مکہ لوٹ جانے کے بارے میں پس و پیش میں تھا، چنانچہ بعض قریشیوں کے ساتھ اس بارے میں اس کی تلخ کلامی بھی ہوئی۔ قریشیوں نے کہا: اے بنو ہاشم! ہم تمہیں اچھی طرح جانتے ہیں، اگرچہ تم ہمارے ساتھ نکلے ہو، لیکن دل سے تم محمد (ﷺ) کے ساتھ ہو۔ اس بات پر طالب ناراض ہوا اور مکہ لوٹ جانے والوں کے ساتھ لوٹ گیا۔

مختصر یہ کہ مشرکین کی فوج آگے بڑھی، یہاں تک کہ بدر کے علاقے میں پہنچ گئی۔ ❶

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آپ ﷺ کا مشورہ:

جب بسبس اور عدی رضی اللہ عنہما جنہیں آپ ﷺ نے ابو سفیان اور اس کے قافلے کی خبریں جمع کرنے کے لیے بھیجا تھا، رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آ گئے، تو آپ مقام صفراء سے جہاں آپ ٹھہرے تھے، آگے چلے، یہاں تک کہ ذفران نامی وادی میں پہنچے، وہاں آپ نے قیام کیا، اور آپ کو قریش کے بارے میں خبر مل چکی تھی کہ وہ اپنے قافلے کی حمایت کے لیے نکل پڑے ہیں، آپ ﷺ نے صحابہ کو یہ خبر سنائی اور ان سے مشورہ کیا، پہلے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اچھی بات کہی، پھر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اچھی بات کہی، پھر مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو خبر دی ہے، اس پر عمل کیجیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، اللہ کی قسم! ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ تم اور تمہارا رب جاؤ، اور جنگ کرو، ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آپ اور آپ کا رب آگے بڑھیے، قتال کیجیے، ہم سب آپ ﷺ کے ساتھ قتال کریں گے، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دینِ برحق دے کر بھیجا ہے، اگر آپ ہمیں لے کر برک الغماد کی طرف چلیں گے تو ہم آپ ﷺ کے ساتھ صبر و ثبات قدمی کے ساتھ آگے بڑھیں گے، یہاں تک کہ آپ وہاں پہنچ جائیں گے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے اچھے کلمات کہے، اور دعا کی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ مجھے مشورہ دو (آپ ﷺ کی مراد انصار سے تھی) اور ایسا آپ ﷺ نے اس لیے کہا کہ اس فوج میں انہی کی تعداد زیادہ تھی، اور انہوں نے بیعۃ العقبہ کے وقت کہا تھا: یا رسول اللہ (ﷺ) ! ہم آپ کی حفاظت ویسے ہی کریں گے جیسے اپنی اولاد اور اپنی عورتوں کی کرتے ہیں، دراصل رسول اللہ ﷺ کو ڈر تھا کہ کہیں انصار مدینہ کے ذہن میں یہ بات نہ ہو کہ وہ آپ کی مدد اس وقت کریں گے جب آپ کا دشمن مدینہ پر حملہ کردے، اور یہ کہ بیعت العقبہ کی دفعات کے مطابق ان پر یہ ضروری نہیں کہ رسول اللہ ﷺ انہیں ان کے شہر سے نکال کر کسی دشمن سے لڑنے کے لیے لے جائیں، اس لیے جب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات کہی تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! گویا آپ کی مراد ہم ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، تو سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور آپ کی تصدیق کی ہے اور ہم نے گواہی دی ہے کہ آپ جو دین لے کر آئے ہیں، وہ برحق ہے اور ہم نے آپ سے فرمانبرداری اور طاعت گزاری کا عہد و پیمان کیا ہے، اس لیے اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ اپنے ارادے کے مطابق آگے بڑھیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ

❶ الاکتفاء: ۲/ ۱۹۔

کو دینِ برحق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ ﷺ ہمارے ساتھ اس سمندر کے پاس چلیں گے، اور اس میں چھلانگ لگائیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ چھلانگ لگائیں گے، ہمارا کوئی آدمی پیچھے نہیں رہے گا، اور ہم اس بات کو بُرا نہیں سمجھیں گے کہ کل آپ ہمارے ساتھ مل کر ہمارے دشمن سے ٹکرائیں، ہم جنگ میں صبر کرنے والے اور دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت اخلاص کے ساتھ لڑائی کرنے والے ہیں، مجھے امید ہے کہ اللہ آپ کو ہماری جانب سے وہ کچھ دکھلائے گا، جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، آپ اللہ کا نام لے کر ہمارے ساتھ آگے بڑھیے۔

رسول اللہ ﷺ سعد رضی اللہ عنہ کی اس بات سے بہت زیادہ خوش ہوئے اور اس بات نے آپ ﷺ کے نشاط میں اضافہ کر دیا، پھر فرمایا: چلو آگے بڑھو، اور تمہارے لیے اللہ کی طرف سے خوشخبری ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے، اللہ کی قسم! میں اس وقت گویا اپنی آنکھوں سے مشرکینِ قریش کی لاشوں کی جگہیں دیکھ رہا ہوں۔ ❶

خفیہ فوجی اطلاعات:

۱- رسول اللہ ﷺ ذفران سے چل کر بدر کے قریب پہنچ گئے، اور وہاں قیام فرمایا اور آپ ایک صحابی کے ساتھ جو غالبًا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے سوار ہو کر ایک سن رسیدہ عربی کے پاس پہنچے اور اس سے قریش اور محمد اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں دریافت کیا، تو اس نے کہا: جب تک تم دونوں مجھے نہیں بتاؤ گے کہ کون ہو، میں تمہیں کچھ بھی نہیں بتاؤں گا، تو اس سے آپ ﷺ نے کہا: جب تم ہمیں بتا دو گے تب ہم تمہیں بتائیں گے، اس نے کہا: کیا یہ اس کے بدلے میں ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، تو اس بوڑھے نے کہا: مجھے اطلاع ملی ہے کہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی فلاں دن نکلے ہیں، اگر خبر دینے والا آدمی سچا تھا، تو وہ لوگ آج فلاں جگہ ہوں گے۔ یعنی اس جگہ جہاں اس وقت رسول اللہ ﷺ موجود تھے، اور مجھے خبر ملی ہے کہ اہلِ قریش فلاں دن نکلے ہیں، اگر خبر پہنچانے والا آدمی سچا تھا، تو وہ لوگ آج فلاں جگہ ہوں گے، یعنی اس جگہ پر جہاں اس وقت قریش والے موجود تھے، جب اس نے اپنی بات ختم کی، تو پوچھا: تم دونوں کس قبیلہ کے ہو، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہم لوگ پانی کے ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ اس کے پاس سے لوٹ گئے۔ ❷

۲- رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے پاس واپس آ گئے اور شام کے وقت علی بن ابی طالب، زبیر بن عوام، اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو چند دیگر صحابہ کے ساتھ بدر کے کنویں کے پاس ٹوہ لگانے کے لیے بھیجا، وہاں اُن لوگوں کو قریش کے دو غلام مل گئے جنہیں پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے اور پوچھنے لگے۔ اس وقت آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے کہا کہ ہم قریش کو پانی پلانے والے ہیں، انہوں نے ہمیں پانی لانے کے لیے بھیجا تھا، صحابہ کو ان کی یہ بات اچھی نہیں لگی اور انہیں شبہ ہوا کہ شاید یہ دونوں ابوسفیان کے آدمی ہیں، اس لیے ان دونوں کو مارنے لگے، جب ان دونوں کی خوب پٹائی ہوگئی، تو کہنے لگے: ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں، تب ان دونوں کو چھوڑ دیا۔

---

❶ فتح الباری: ۷/۲۸۷، مسند احمد: ۵/۲۵۹، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۶۲، ۲۶۳۔

❷ الاکتفاء: ۲/۱۸، الحیاۃ العسکریہ: ص/۲۸۔

رسول اللہ ﷺ نے جب سلام پھیرا تو فرمایا: جب ان دونوں نے تم سے سچ کہا تو ان کی پٹائی کی، اور جب جھوٹ کہا تو ان کو چھوڑ دیا، اللہ کی قسم! ان دونوں نے سچ کہا کہ وہ قریش کے آدمی ہیں، اور انہوں نے مجھے قریش کے بارے میں بتایا ہے، پھر آپ ﷺ نے ان دونوں سے کہا: مجھے تم قریش کے بارے میں بتاؤ، انہوں نے کہا: وہ لوگ اس ٹیلے کے پیچھے ہیں جسے آپ دیکھ رہے ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا: وہ لوگ کتنے ہیں، انہوں نے کہا: بڑی تعداد میں، آپ ﷺ نے پوچھا: ان کی تعداد کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے، آپ ﷺ نے پوچھا: وہ لوگ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں، انہوں نے کہا: کبھی نو اور کبھی دس، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان کی تعداد نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے۔

پھر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: ان میں سرداران قریش میں سے کون ہیں؟ انہوں نے کہا: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، ابو جہل بن ہشام، امیہ بن خلف، نبیہ اور منبہ (حجاج کے دونوں بیٹے)، سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدود۔ تب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: یہ لو، مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہارے سامنے لا کر ڈال دیا ہے۔ ❶

مسلمان اور مشرکین قریش آمنے سامنے:

مشرکین قریش آگے بڑھ کر وادیٔ بدر کے مدینہ سے دور کے کنارہ پر پہنچ گئے، اور بدر کے سارے کنویں مدینہ سے قریبی جہت میں تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ وادی بدر کے قریب اُترے تھے، آپ کے پاس حُباب بن المنذر بن جموح انصاریؓ آئے، اور کہا: یارسول اللہ! آپ ﷺ نے جہاں قیام فرمایا ہے، یہ جگہ اللہ نے آپ کے لیے اختیار کی ہے جس سے آپ آگے پیچھے نہیں ہو سکتے، یا یہ آپ (ﷺ) کی رائے اور جنگی تدبیر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ یہ میری ذاتی رائے اور جنگی تدبیر ہے۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! پھر یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ آپ ہمارے ساتھ اُٹھیے اور کفار قریش سے جو کنواں سب سے زیادہ قریب ہے، وہاں تشریف لے چلیے، اور قیام کیجیے، اور اس کے پیچھے جتنے کنویں ہیں ان سب کو ہم بھر دیں، پھر اس پر ایک حوض بنادیں اور اسے پانی سے بھر دیں، پھر ہم کفار قریش سے قتال کریں تو ہم پانی پئیں گے اور انہیں پانی نہیں ملے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے بہت اچھا مشورہ دیا ہے، پھر آپ ﷺ اور صحابہ کرام کفار قریش سے جو کنواں سب سے زیادہ قریب تھا وہاں آ کر ٹھہر گئے، پھر دیگر کنوؤں کو بھر دینے کا حکم دیا گیا، اور جس کنواں کے پاس ٹھہرے تھے اس کے قریب ایک حوض بنا کر اسے پانی سے بھر دیا گیا، اور اس میں ڈول ڈال دیا گیا۔

اللہ عزوجل نے بارش بھیجی اور وادی کی زمین ایسی تھی جس میں پاؤں دھنستے تھے، بارش کے بعد وہ زمین ذرا سخت ہوگئی جس پر چلنا آسان ہوگیا، اور کافروں کی طرف کی زمین پر چلنا مشکل ہوگیا۔

سعد بن معاذؓ نے کہا: اے اللہ کے نبی (ﷺ)! کیا ہم آپ کے لیے ایک سایہ دار جگہ نہ بنادیں جس میں آپ قیام کریں، اور ہم آپ کے پاس آپ کی سواریوں کو تیار کر کے رکھیں، پھر دشمن کا مقابلہ کریں، اگر اللہ نے ہمیں عزت دی اور دشمنوں پر ہم کو غالب بنایا تو ہماری تمنا بھی ہے، اور اگر دوسری بات ہوئی تو آپ اپنی سواری پر بیٹھ کر ہماری قوم کے باقی ماندہ

❶ (کشف: ۲/ ۱۸، الحیاۃ العسکریہ: ص/ ۳۸.

لوگوں کے پاس چلے جائیں گے، اس لیے کہ ہماری قوم کے ایسے لوگ آپ سے پیچھے رہ گئے ہیں جن کے مقابلے میں ہم آپ سے زیادہ محبت کرنے والے نہیں ہیں، اگر انہیں گمان ہوتا کہ آپ کو جنگ کرنے کی نوبت آجائے گی تو وہ آپ سے پیچھے نہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ آپ کی حفاظت کرے گا، اور وہ آپ کی خیر خواہی کریں گے اور آپ کے ساتھ جہاد کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے کلمات خیر کہے اور بھلائی کی دعا کی، پھر آپ ﷺ کے لیے ایک چوٹی پر ایک سایہ دار جگہ بنادی گئی، جہاں سے معرکہ کی جگہ دیکھی جارہی تھی، اور آپ ﷺ معرکہ کی جگہ میں چلتے ہوئے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرنے لگے کہ یہ جگہ فلاں کے قتل کی ہے اور یہ جگہ فلاں کے قتل کی، اور یہ فلاں کے قتل کی، چنانچہ ان کافروں میں سے ایک کی لاش بھی آپ کے اشارہ کی جگہ سے الگ نہیں تھی۔

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام کو اللہ کی تائید و نصرت کا یقین دلانے لگے اور دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! قریش کے یہ مشرکین اپنے پورے کبر و غرور کے ساتھ آگئے ہیں، یہ تیری مخالفت کرتے ہیں اور تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں، اے اللہ! میں تجھ سے اُس نصرِ مبین کا سوال کرتا ہوں جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ پھر آپ ﷺ کھڑے ہوگئے اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر اللہ سے طلبِ نصرت کی مزید دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے، اُسے پورا کردے، اے اللہ! میں تجھ سے تیرے عہد اور وعدہ کے پورا کرنے کا سوال کرتا ہوں۔

پھر آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں ثابت قدمی کی ترغیب دلائی۔ یہ واقعہ منگل کے دن ۱۷ رمضان کا ہے، آپ ﷺ نے اپنی فوج کی صفوں کو جنگ کی صفوں کی طرح منظم کیا اور جنگ کا یہ نیا طریقہ عربوں کے طریقۂ جنگ سے مختلف تھا، جس کے مطابق وہ زمانہ قدیم سے کرّ وفرّ کا طریقہ اختیار کرتے تھے، اور اسی کے مطابق مشرکین نے میدانِ بدر میں بھی جنگ کی۔ قریشیوں نے عمیر بن وہب الجمحی کو مکلف کیا کہ وہ مسلمانوں کی تعداد کا صحیح اندازہ لگائے، اس لیے وہ اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر اسلامی فوج کے اردگرد چکر لگانے لگا، اور وادی میں نیچے اُترا اور کبھی یہ کہتا ہوا اوپر چڑھا کہ شاید مسلمانوں کا کوئی فوجی دستہ گھات لگائے بیٹھا ہو، پھر واپس آکر کہنے لگا: نہ کوئی فوجی دستہ ہے اور نہ کوئی گھات لگائے بیٹھا ہے، ان کی تعداد تین سو یا اس سے کچھ زیادہ ہے، اور ان کے پاس ستر اونٹ اور دو گھوڑے ہیں۔

پھر عمیر نے کہا: اے قریش کے لوگو! مردہ کی قبر پر باندھی گئی اونٹنیاں موت کو ڈھوئے پھرتی ہیں، یثرب کی اونٹنیاں بھی خطرناک موت کو ڈھوئے پھر رہی ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ان کی تلواروں کے سوا نہ کوئی اسبابِ دفاع ہے اور نہ کوئی پناہ کی جگہ۔ کیا تم انہیں دیکھ نہیں رہے ہو کہ کیسے خاموش جنگ کا انتظار کر رہے ہیں؟ بول نہیں رہے ہیں اور سانپوں کے مانند اپنی زبانوں کو اپنی ہونٹوں پر پھیر رہے ہیں، اللہ کی قسم! میں نہیں سمجھتا کہ ان میں سے کوئی آدمی قتل کیا جائے گا، جب تک کہ اس کے ہاتھوں ہمارا ایک آدمی قتل نہ کیا جائے، تو اگر تم میں سے ان کی تعداد کے مانند موت کے گھاٹ اتار دیا جائے تو پھر ایسی زندگی میں کوئی بھلائی نہیں۔ ❶

---

❶ الحیاۃ العسکریۃ: ص/ ۲۳۶، الاکتفاء: ۲/ ۲۰، غزوات النبی: ص/ ۳۲.

قریش کو جنگ سے باز رکھنے کے لیے حکیم بن حزام کی کوشش:

جب حکیم بن حزام نے عمیر کی یہ بات سنی تو لوگوں سے ملا، پہلے عتبہ بن ربیعہ کے پاس آیا اور کہا: اے ابوالولید، آپ قریش کے سردار ہیں اور آپ کی بات مانی جاتی ہے، کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو آپ کی قوم ہمیشہ بھلائی کے ساتھ یاد کرتی رہے؟ آپ لوگوں کو لے کر مکہ واپس چلیے، اور اپنے حلیف عمرو بن حضرمی کی دیت خود برداشت کیجیے۔ اس نے کہا: میں تیار ہوں، آپ ابن الحنظلیہ یعنی ابوجہل کے پاس جائیے، مجھے اس کے سوا کسی سے ڈر نہیں ہے کہ وہ لوگوں کی بات نہیں مانے گا۔

پھر عتبہ نے قریش کے سامنے تقریر کی اور انہیں واپس لوٹ چلنے کی نصیحت کی، اس لیے کہ اگر انہوں نے قتل کیا، تو وہ اپنے کسی چچا زاد یا خالہ زاد یا اپنے خاندان کے کسی فرد کو قتل کریں گے، ان سے یہ بھی کہا: تم لوگ لوٹ جاؤ، اور محمد اور تمام عربوں کے درمیان سے ہٹ جاؤ، اگر ان لوگوں نے اس کا کام تمام کر دیا تو تم یہی چاہتے ہو، اور اگر اس کے علاوہ دوسرا نتیجہ سامنے آیا تو تم اس سے اس حال میں ملو گے کہ وہ تمہیں اس بات کا عار نہیں دلائے گا جو تم چاہتے ہو۔

حکیم ابوجہل کے پاس گیا اور اس کو عتبہ کی رائے سے مطلع کیا، تو اس نے اس کے بارے میں کہا: اللہ کی قسم! جب سے اس نے محمد اور اس کے ساتھیوں کو دیکھا ہے، مارے خوف کے کانپنے لگا ہے اور بزدل ہو گیا ہے، اللہ کی قسم! ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے، یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور محمد کے درمیان فیصلہ کر دے، اور عتبہ کی بات کا کوئی اعتبار نہیں، اس نے تو دیکھا ہے کہ محمد اور اس کے ساتھی اونٹ کا گوشت کھانے والے ہیں اور ان کے درمیان اس کا بیٹا بھی ہے، وہ دراصل تم سے اپنے بیٹے کے بارے میں ڈر رہا ہے۔

ابوجہل نے عمرو بن الحضرمی کے بھائی کو حکم دیا کہ وہ اپنے بھائی عمرو کا خون طلب کرے، چنانچہ اس نے سُرین کھول دیا، اور چیخنے لگا، ہائے میرا بھائی عمرو! یہ سن کر کافروں کی حمیت جاگ اٹھی اور ابوجہل نے اس رائے کو بگاڑ دیا جسے عتبہ نے لوگوں کے سامنے پیش کی تھی۔ ❶

اسی اثناء میں اسود بن عبدالاسد مخزومی نکلا، جو ایک سرکش، تند مزاج اور بداخلاق آدمی تھا، اور کہا: میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ ان کے حوض کا پانی ضرور پیوں گا، یا اسے منہدم کر دوں گا، یا اپنی جان دے دوں گا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ مشرکین کے پیاسے وہاں سے پانی پییں، لیکن مسلمانوں کی صفوں میں تکبر کے ساتھ داخل ہونے کا مقابلہ سختی کے ساتھ ہی کرنا تھا، چنانچہ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ صف سے آگے بڑھے اور اسے ایک کاری ضرب لگا کر اس کا پاؤں حوض پر پہنچنے سے پہلے ہی کاٹ ڈالا، اور وہ اپنی پیٹھ کے بل گر گیا، پھر وہ حوض کی طرف گھسٹتا ہوا اس میں داخل ہو گیا، پیچھے سے حمزہ رضی اللہ عنہ آئے پھر دوسری کاری ضرب لگا کر حوض میں ہی اسے قتل کر دیا۔

معرکے کی ابتدا:

عربوں کا طریقہ تھا کہ جنگی معرکے جانبین کے گھوڑ سواروں کے درمیان مقابلے کے ذریعہ ہوتے تھے، چنانچہ عتبہ بن

❶ ... عسکریہ: ص/ ۳٦، الاکتفاء: ۲/ ۲۲۳۔

ربیعہ اور اس کا بیٹا ولید اور اس کا بھائی شیبہ مقابلے کی آواز لگاتے ہوئے آگے بڑھے اور انصار کے کچھ نوجوان یعنی حارث اور عفراء کے دو بیٹے عوف اور معوذ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم اُن کے سامنے آئے، انہوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ جوانوں نے کہا: انصار کے کچھ افراد، انہوں نے کہا: ہمیں تم سے مقابلہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر اُن میں سے ایک نے پکارا، اے محمد (ﷺ)! ہمارے مقابلے کے لیے ہماری قوم کے ہم پلہ لوگوں کو آگے بھیجو، رسول اللہ ﷺ نے کہا: اُٹھو اے عبیدہ بن حارث اور اٹھو اے حمزہ! اور اٹھو اے علی! جب یہ لوگ اُٹھ کر ان کے قریب گئے تو انہوں نے پھر پوچھا: تم کون ہو؟ عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: عبیدہ، اور حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: حمزہ، اور علی رضی اللہ عنہ نے کہا: علی رضی اللہ عنہ، تب انہوں نے کہا: ہاں، تم ہمارے ہم پلہ اور باعزت لوگ ہو، پھر عبیدہؓ نے عتبہ کا مقابلہ کیا، عبیدہؓ تینوں میں بڑی عمر کے تھے، اور حمزہؓ نے شیبہ کا مقابلہ کیا، اور علیؓ نے ولید کا مقابلہ کیا، حمزہؓ نے شیبہ کو بغیر کوئی مہلت دیے قتل کر دیا، اور علیؓ نے بھی ولید کو بغیر کوئی مہلت دیے قتل کر دیا، اور عبیدہؓ اور عتبہ کے درمیان جھڑپیں ہوئیں اور ہر ایک نے اپنے مقابل کو ٹھنڈا کر دینا چاہا، تب حمزہ اور علی رضی اللہ عنہما نے اپنی تلواروں سے عتبہ پر حملہ کر دیا اور اس کا کام تمام کر دیا، پھر اپنے ساتھ عبیدہؓ کو اُٹھا کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچایا۔ ❶

مقابلہ کے اس نتیجہ نے قریش کی فوج پر بہت بُرا اثر ڈالا اور انہوں نے حملہ شروع کر دیا لوگ ایک دوسرے کی طرف بڑھے، اور رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مشرکوں پر تیروں کی بارش کی جائے اگر وہ قریب ہونے کی کوشش کریں، اور فرمایا: اگر مشرکین تمہارے قریب آنا چاہیں تو انہیں تیر اندازی کے ذریعہ اپنے آپ سے دور کرو۔ رسول اللہ ﷺ اپنی چھاؤنی میں تھے، اور ان کے پاس ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، اور صحابہ رسول کا اس جنگ میں شعار ''أحد أحد'' تھا۔

نبی کریم ﷺ نے اُس دن اپنے صحابہ کی صفوں کو درست کیا، آپؐ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا، جس سے آپؐ صفیں سیدھی کر رہے تھے، پھر آپ خیمے میں لوٹ گئے، آپ کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، ان کے سوا اور کوئی آپ کے ساتھ نہیں تھا، آپ ﷺ اپنے رب سے اس وعدے کو پورا کرنے کا سوال کر رہے تھے جو اللہ نے اُن سے کیا تھا، کہتے تھے: اے اللہ! آج مومنوں کی یہ جماعت ہلاک ہو جائے گی تو زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے تھے: اے اللہ کے نبی! آپ نے اپنے رب سے بہت دعا کر لی، اللہ یقیناً آپ سے کیا گیا اپنا وعدہ پورا کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک بار آنکھ جھپکی، پھر آنکھ کھول کر فرمایا: اے ابوبکر! خوش ہو جایئے، اللہ کی مدد آپ کے لیے آ گئی، یہ جبریل اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے آ رہے ہیں، اور اس کی ٹاپوں سے غبار اُڑ رہا ہے، اُس وقت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝٩﴾ [الأنفال: ٩]

''جب تم لوگ اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، تو اس نے تمہاری سن لی اور کہا کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کروں گا جو یکے بعد دیگرے اُترتے رہیں گے۔''

چنانچہ اللہ نے فرشتوں کے ذریعہ اپنے نبی کی مدد کی۔

بنو سلمہ کا عمیر بن حمام نامی آدمی اپنے ہاتھ میں موجود کھجوریں کھاتا ہوا آگے بڑھا اور کہنے لگا: بَخٍ بَخٍ! (ہائے ہائے!)

---

❶ السيرة النبوية الصحيحة: ٢/٣٦٢، غزوات النبي ﷺ: ص/٣٦، الحياة العسكرية: ص/٩١.

میرے اور دخولِ جنت کے درمیان اتنا ہی وقفہ ہے کہ مجھے یہ لوگ قتل کر دیں، پھر اس نے اپنے ہاتھ سے کھجوریں پھینک دیں اور اپنی تلوار لے کر لڑنے لگا، یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا۔

اُس دن عفراء کے بیٹے عوف بن حارثؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! بندے کی کس بات سے رب کو ہنسی آتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: دشمن کے خون میں ہاتھ کو ڈبونے سے۔ یہ سنتے ہی عوفؓ نے اپنی زرہ نکال پھینکی اور اپنی تلوار سے لگاتار لڑتے رہے، یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے، اور عکاشہ بن محصن اَسدیؓ میدانِ بدر میں اپنی تلوار کے ذریعہ جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ تلوار ان کے ہاتھ میں ٹوٹ گئی، تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ نے انہیں لکڑی کا ایک ٹکڑا دیا اور فرمایا: اے عکاشہ! اس سے لڑو، جب انہوں نے اسے ہاتھ میں لے کر ہلایا تو وہ لکڑی ایک لمبی، مضبوط اور سفید چمکدار تلوار بن گئی، اس سے وہ جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح ونصرت سے نوازا، اور اس تلوار کا نام ''العون'' پڑ گیا، جو اُن کے پاس رہی، اسی کے ذریعہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام معرکوں میں جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ یمامہ کے مرتد ہونے والوں سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے، انہیں طلیحہ اَسدی نے قتل کر دیا تھا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے مٹھی بھر کنکری لے کر قریش کی طرف رخ کر کے کہا: یہ چہرے بدنما ہو جائیں، پھر اسے کافروں کی طرف پھونک دیا، جس سے ان میں سے ہر ایک کی آنکھیں بھر گئیں، اور مسلمان کافروں کو گاجر مولی کی طرح قتل کرنے لگے، اور آپ ﷺ اپنے صحابہ سے کہتے جاتے تھے: ان پر حملہ کرو، اب ان کی قسمت میں صرف شکست رہ گئی ہے، چنانچہ اللہ نے ان کے سرداروں میں سے جس کو چاہا قتل کر دیا، اور جس کو چاہا پابندِ سلاسل بنایا، اور اللہ نے اسی مٹھی بھر کنکری کے پھینکنے کے بارے میں نازل فرمایا:

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾ [الأنفال: ١٧]

''اور (اے میرے رسول!) آپ نے ان کی طرف مٹی نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔'' ❶

فرشتوں نے مشرکوں کو قتل کیا:

قرآنِ کریم اور حدیثِ نبوی سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتوں کو بھیجا اور فرشتوں نے کافروں سے جنگ کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ ﴿١٢٤﴾ بَلَىٰ ۚ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿١٢٦﴾﴾

[آل عمران: ١٢٣-١٢٦]

''اور اللہ نے میدانِ بدر میں تمہاری مدد کی، جبکہ تم نہایت کمزور تھے، پس تم لوگ اللہ سے ڈرو، تاکہ تم (اللہ کی

---

❶ غزوات النبی ﷺ: ص/ ٣٦، الحياة العسكرية: ص/ ٥٢، الاكتفاء: ٢/ ٢٤.

اس نعمت کا) شکر ادا کرو، جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے، ہاں، اگر تم لوگ صبر کرو گے، اور اللہ سے ڈرو گے، اور تمہارے دشمن جوش میں آ کر تم تک آ جائیں گے، تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان لگے ہوئے فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کرے گا، اور اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے محض خوشخبری بنایا ہے، اور تاکہ اس سے تمہارے دلوں کو اطمینان ہو، ورنہ مدد تو صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے، جو بڑی عزت و حکمت والا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝﴾

[الأنفال: ۹-۱۰]

''جب تم لوگ اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، تو اس نے تمہاری سن لی اور کہا کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کروں گا جو یکے بعد دیگرے اترتے رہیں گے، اور اللہ نے ملائکہ کو محض تمہاری خوشی کے لیے بھیجا تھا، اور تاکہ اس سے تمہارے دلوں کو اطمینان ملے، ورنہ فتح و نصرت تو صرف اللہ کی جانب سے ہوتی ہے، بے شک اللہ زبردست بڑی حکمتوں والا ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝﴾ [الأنفال: ۱۲]

''جب آپ کے رب نے فرشتوں کو بذریعہ وحی بتایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تو تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو، میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا، پس تم لوگ ان کی گردنوں اور ان کے ہر جوڑ پر کاری ضرب لگاؤ۔''

امام مسلم رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ غزوۂ بدر کے دن ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا، تو اس نے اپنے اوپر کوڑے کے ذریعہ ضرب لگانے کی آواز سنی، اور گھوڑ سوار کہہ رہا تھا، آگے بڑھو، (حیزوم) (فرشتہ کے گھوڑے کا نام) پھر اس نے دیکھا کہ وہ مشرک فوراً اپنی پیٹھ کے بل گر گیا، جب مسلمان نے اسے دیکھا، تو اس کی ناک پر ضرب کا نشان پایا، جس سے اس کا چہرہ پھٹ گیا تھا، اس انصاری نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم سچ کہہ رہے ہو، یہ تو تیسرے آسمان سے اللہ کی مدد آئی تھی۔ ❶

اور ایک انصاری صحابی نے عباس بن عبدالمطلب کو قید کر لیا، تو عباس نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! اس نے مجھے قید نہیں کیا ہے، مجھے تو ایک ایسے آدمی نے قید کیا ہے جس کے سر کے بال دونوں طرف سے اُڑ گئے تھے، اور وہ بہت ہی

❶ شرح النووي على صحيح مسلم: ۱۲/ ۸۵، ۸۶.

خوبصورت آدمی تھا، جو ایک سفید و سیاہ نشان والے گھوڑے پر سوار تھا، اسے میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں دیکھ رہا ہوں۔ انصاری نے کہا: میں نے اسے قید کیا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: چپ رہو، اللہ نے ایک معزز فرشتہ کے ذریعہ تمہاری مدد کی تھی۔ ❶

صحیح بخاری میں ہے کہ جبریل امین علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا: آپ لوگوں کی نظر میں اہلِ بدر کا کیا مقام ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تمام مسلمانوں سے افضل، جبریل علیہ السلام نے کہا: یہی مقام ان فرشتوں کا ہے جو معرکۂ بدر میں شریک ہوئے۔ ❷

ابوداؤد مازنی کہتے ہیں: میں ایک مشرک کو مارنے اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا، اچانک دیکھا کہ اس کا سر الگ ہوگیا ہے، قبل اس کے کہ میری تلوار اس تک پہنچے، میں نے سمجھ لیا کہ اسے میرے سوا کسی اور نے قتل کیا ہے۔ ❸

مغازی اموی میں اسناد حسن کے ساتھ مروی ہے کہ خیمے میں نبی کریم ﷺ کی آنکھ جھپکی، پھر متنبہ ہوئے تو فرمایا: اے ابوبکر! خوش ہو جائیے، اللہ کی مدد آپ تک آ چکی ہے، یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو سر پر عمامہ باندھے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے آگے آ رہے ہیں اور غبار اُڑ رہا ہے، اللہ کی مدد اور اس کا وعدہ آ گیا۔ ❹

مشرکین کی لاشیں ہر طرف گرنے لگیں، یہاں تک کہ ان میں سے ستر قتل کر دیے گئے اور ستر قید کر لیے گئے، اور ان میں سے بعض اپنی انہی جگہوں پر گرے تھے جن کی نشان دہی رسول اللہ ﷺ نے معرکہ سے پہلے کر دی تھی، اور ان مقتولین کے نام بھی بتا دیے تھے۔

ابلیس کا میدانِ جنگ سے فرار:

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب کفار نے مکہ سے نکلنے کا پختہ ارادہ کر لیا، تو انہوں نے اپنے اور بنو کنانہ کے درمیان جنگی حالت کا ذکر کیا، اُس وقت ابلیس ان کے پاس سراقہ بن مالک مدلجی کی شکل میں ظاہر ہوا، جو بنو کنانہ کے سرداروں میں سے تھا، اور ان سے کہا: آج کوئی بھی تم پر غالب نہیں آ سکتا، اور میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں کہ بنو کنانہ کی طرف سے تمہیں نقصان نہیں پہنچے گا، چنانچہ اہلِ قریش نکلے اور شیطان ان کے ساتھ ساتھ رہا، اور جب معرکہ کا وقت آیا اور اللہ کے دشمن ابلیس نے اللہ کی فوج کو آسمان سے اُترتے دیکھا، تو پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑا، کفار نے کہا: اے سراقہ! کہاں جا رہے ہو، کیا تم نے کہا نہیں تھا کہ تم ہمارے ساتھ رہو گے، ہم سے کبھی الگ نہیں ہو گے؟ اس نے کہا: میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے ہو، میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ کا عذاب بہت سخت ہوتا ہے۔ ❺

طبرانی نے رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب ابلیس نے میدانِ بدر میں مشرکین کے ساتھ فرشتوں کا معاملہ دیکھا تو اسے ڈر ہوا کہ کہیں اس کی بھی باری نہ آ جائے۔ اس وقت حارث بن ہشام اس سے چمٹا ہوا تھا، اور اس کا خیال تھا کہ

---

❶ مسند احمد: ۲/ ۱۹۴، اس کی سند صحیح ہے۔ ❷ فتح الباری: ۷/ ۳۱۱، ۳۱۲۔

❸ مسند احمد: ۱/ ۳۰۔ ❹ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر: ۳/ ۲۸۱، البانی رحمہ اللہ نے اسے حدیث حسن کہا ہے۔

❺ زاد المعاد: ۳/ ۱۶۰۔

یہ سراقہ بن مالک ہے، تب ابلیس نے حارث کے سینے پر مکا مارا اور بھاگتا ہوا وہاں سے نکل گیا، یہاں تک کہ اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دیا۔ ❶

ابن کثیر رحمہ اللہ نے دلائل البیہقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جبریل علیہ السلام ابلیس کی طرف بڑھے، اور جب اس نے انہیں دیکھا تو اس کا ہاتھ ایک مشرک کے ہاتھ میں تھا، ابلیس نے اپنا ہاتھ فوراً چھڑایا اور پیچھے مُڑ کر وہ اور اس کے مددگار شیاطین بھاگ پڑے، مشرک نے کہا: اے سراقہ! کیا تم کہتے نہیں تھے کہ تم ہمارے ساتھ رہو گے؟ اس نے کہا: میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے ہو، میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اور اللہ کا عذاب سخت ہوتا ہے۔ اور یہ اس وقت ہوا جب اس نے فرشتوں کو دیکھا۔ ❷

اللہ کا دشمن ابوجہل:

اللہ کے دشمن ابوجہل کے حالات میں آتا ہے کہ جب میدانِ بدر میں دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آئیں، اور لوگ ایک دوسرے سے قریب ہوئے تو اس نے کہا: اے اللہ! اس نے رشتہ داریوں کو کاٹ دیا ہے اور ایسا دین ہمارے سامنے لایا ہے جسے ہم نہیں جانتے، اس لیے تو آج کے دن اسے (نبی کریم ﷺ کو) ہلاک کر دے، پھر اس نے جنگ کی ابتدا کی۔ اور کہا جاتا ہے کہ پہلے مجاہد جو اس کے سامنے آئے بنوسلمہ کے معاذ بن عمرو بن الجموح تھے، وہ کہتے ہیں: میں نے کافروں کو کہتے سنا (اور اس وقت ابوجہل کچھ کافر فوجیوں کے بیچ میں کھڑا تھا) کہ ابوالحکم کے قریب کوئی نہ آ پائے۔ جب میں نے یہ بات سُنی تو اسے اپنا نشانہ بنالیا، اور اس کی طرف بڑھا اور جب میں بالکل قریب ہو گیا تو اس پر حملہ کر دیا، اور ایک کاری ضرب کے ذریعہ اُس کی آدھی پنڈلی الگ کر دی، اس کے بیٹے عکرمہ نے میرے کندھے پر ضرب لگائی اور میرا ہاتھ صرف چمڑے سے لگا ہوا لٹکنے لگا، اور جنگ نے مجھے اس ہاتھ سے مشغول کر دیا، پھر میں سارا دن جنگ کرتا رہا، اور اپنے ہاتھ اپنے پیچھے گھسیٹتا رہا، اور جب میری تکلیف زیادہ بڑھ گئی تو اپنے پاؤں کے نیچے اسے دبا کر کھینچ کر الگ کر دیا۔ معاذ اس کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہے۔

اس کے بعد ابوجہل کے پاس سے (جبکہ اس کا پاؤں کٹ چکا تھا) معوذ بن عفراء گزرے، اور ایک ضرب لگا کر اسے ٹھنڈا کر دیا، معوذ جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ابوجہل کے پاس سے گزرے، جب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ابوجہل کو مقتولین کے درمیان تلاش کیا جائے تو انہوں نے اسے اس حال میں پایا کہ معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما کی کاری ضربوں نے اسے ٹھنڈا کر دیا تھا، لیکن ابھی تک اس کی سانس چل رہی تھی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اسے پہچان لیا، تو اس کی گردن پر اپنا پاؤں رکھ کر اس سے کہا: اے اللہ کے دشمن! آخر کار اللہ نے تمہیں رسوا کیا، ابوجہل نے کہا: کیا تم ایک ایسے آدمی کے اوپر پاؤں رکھ کر یہ بات کہہ رہے ہو جسے اس کی قوم نے قتل کر دیا ہے۔ مجھے بتاؤ، آج کون غالب رہا؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول، پھر میں نے اس کا سر الگ کیا، اور اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا، اور کہا: یا رسول اللہ! یہ ہے اللہ کے دشمن

---

❶ سیرۃ ابن کثیر: ۲/ ۴۳۳۔ ❷ مصدر سابق۔

ابوجہل کا سر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ ﷺ نے یہ بات تین بار دہرائی اور میں نے ہر بار کہا: ہاں، اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ساری تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اور اپنے بندے کی مدد کی، اور دشمن کے گروہوں کو اکیلے شکست دی، پھر فرمایا: یہ شخص اس امت کا فرعون تھا۔ ❶

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں میدانِ بدر میں صف میں کھڑا اپنے دائیں اور بائیں دیکھنے لگا تو اپنے آپ کو دو کمسن انصاری لڑکوں کے درمیان پایا، میرے دل میں تمنا ہوئی کہ کاش! میں ان دونوں سے زیادہ طاقتور لوگوں کے درمیان ہوتا، ان میں سے ایک نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر کے پوچھا: کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں، لیکن بھتیجے تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟ اس نے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دیتا ہے، اور اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو میرا جسم اس کے جسم سے الگ نہیں ہوگا، یہاں تک کہ ہم دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے۔ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے اس پر بڑا تعجب ہوا، پھر دوسرے لڑکے نے مجھے متوجہ کیا اور اسی جیسی بات اس نے بھی کی۔

عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کچھ ہی دیر کے بعد ابوجہل کو لوگوں کے درمیان آتے جاتے دیکھا، تو میں نے کہا: کیا تم دونوں دیکھ نہیں رہے ہو؟ یہی تو ہے وہ ابوجہل جس کے بارے میں تم مجھ سے پوچھ رہے تھے۔ پھر وہ دونوں اس پر جھپٹ پڑے اور اپنی تلواروں سے اس پر کاری ضرب لگائی یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا، پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور آپ ﷺ کو اس کی خبر دی، تو آپ ﷺ نے پوچھا: تم دونوں میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے؟ ہر ایک نے کہا: میں نے اسے قتل کیا ہے، آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم دونوں نے اپنی تلواروں سے خون کو صاف کر دیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ تو آپ نے دونوں کی تلواروں کو دیکھ کر فرمایا: تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے، اور پھر ابوجہل سے چھینے گئے سامان کا فیصلہ معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کے لیے کیا، اور وہ دونوں معاذ بن عمرو بن الجموح اور معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہما تھے۔ ❷

کفر کا سرغنہ اُمیہ بن خلف:

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: امیہ بن خلف، مکہ میں میرا دوست تھا، میرا نام عبد عمرو تھا، بدر کے دن میں اس کے پاس سے گزرا، اس وقت وہ اپنے بیٹے علی کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑے کھڑا تھا، اور میرے پاس کچھ زرہیں تھیں جنہیں میں نے کافروں سے چھینا تھا، جب اس نے مجھے دیکھا تو کہا: اے عبد عمرو! کیا تم مجھ سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو؟ میں ان زرہوں سے تمہارے لیے زیادہ بہتر ہوں، میں نے کہا: ہاں، اور میں نے اپنے ہاتھ سے زرہیں پھینک دیں، اور اس کا اور اس کے بیٹے کا ہاتھ پکڑ لیا، اس وقت وہ کہہ رہا تھا: میں نے اپنی زندگی میں آج تک ایسا دن نہیں دیکھا، کیا تمہیں فدیہ نہیں چاہیے؟

عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: امیہ نے مجھ سے کہا: تم میں وہ کون سا آدمی ہے جس کے سینے پر شتر مرغ کے پر کا نشان ہے؟

---

❶ صحیح مسلم، حدیث: (۱۸۰۰)، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے، مسند احمد: ۳/ ۱۱۵۔

❷ صحیح البخاری، حدیث (۳۹۸۸)، صحیح مسلم، حدیث: (۱۷۶۲) دلائل البیہقی: ۳/ ۸۳۔

میں نے کہا: وہ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہیں، اس نے کہا: اسی نے ہمارا یہ حال کیا ہے۔

عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! میں ان دونوں کو کھینچے لیے آ رہا تھا کہ بلال رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ لیا۔ امیہ مکہ میں انہیں سخت عذاب دیتا تھا، تاکہ وہ اسلام چھوڑ دیں، انہیں وہ مکہ کے ریتیلے علاقے میں لے جاتا جب ریت تیز گرم ہوتی تو انہیں پیٹھ کے بل ڈال دیتا، پھر ایک بھاری چٹان ان کے سینے پر رکھ دی جاتی اور کہتا: تم اسی حال میں رہو گے، حتی کہ محمد (ﷺ) کا دین چھوڑ دو، بلالؓ کہتے: أحد، أحد۔ اس لیے بلالؓ نے جب اسے دیکھا تو کہنے لگے: اے کفر کے سرغنہ! امیہ بن خلف، اگر تم نجات پا گئے تو میری نجات نہیں، عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں، میں نے کہا: اے بلال! کیا تم میرے دونوں قیدیوں کو ایسی بات کہہ رہے ہو؟ انہوں نے کہا: اگر وہ نجات پا گیا تو میں نجات نہیں پاؤں گا، میں نے کہا: اے کالی لونڈی کے بیٹے! کیا تم میری بات سن رہے ہو؟ انہوں نے کہا: اگر یہ نجات پا گیا تو میں نجات نہیں پاؤں گا، پھر اپنی اونچی آواز سے پکار کر کہا: اے اللہ کے انصار! یہ ہے کفر کا سرغنہ امیہ بن خلف، اگر یہ نجات پا گیا تو میں نجات نہیں پاؤں گا، پھر بہت سے فوجیوں نے مجھے گھیر لیا، یہاں تک کہ انہوں نے میرے گرد گھیرے کو تنگ کر دیا، اور میں اسے بچا رہا تھا، پھر ایک آدمی نے اس کے بیٹے پر ضرب لگائی اور وہ گر گیا، اور امیہ نے ایسی چیخ ماری جیسی میں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ میں نے اس سے کہا: جلد اپنی جان بچاؤ، (حالانکہ اب وہ کہاں بچ سکتا تھا) اللہ کی قسم! میں آج تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ پھر مجاہدین نے ان دونوں کو اپنی تلواروں کی انی پر لے لیا، یہاں تک کہ ان دونوں سے فارغ ہو گئے۔ عبدالرحمٰنؓ کہا کرتے تھے: اللہ رحم کرے بلال پر، میری زرہیں بھی گئیں، اور میرے دونوں قیدیوں کو مروا کر مجھے پریشان کر دیا۔ ❶

قیدیوں کے بارے میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا موقف:

جب مسلمان کچھ دشمنوں کو قتل اور کچھ کو قید کر رہے تھے اس وقت سعد بن معاذؓ رسول اللہ ﷺ کے خیمے کے دروازے پر اپنی تلوار گردن سے لٹکائے کچھ انصار کے ساتھ آپ ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے، اس ڈر سے کہ کہیں دشمن ان پر حملہ نہ کر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھ کر ان سے پوچھا: اے سعد! شاید تم اسے اچھا نہیں سمجھ رہے ہو، جو ابھی مجاہدین کر رہے ہیں۔ سعدؓ نے کہا: ہاں، یا رسول اللہ! یہ تو اہل شرک کے خلاف پہلی جنگ ہے، اس میں تو ان کی بڑی تعداد کو قتل کرنا میرے نزدیک ان کا استقبال کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ ❷

کچھ لوگوں کا مکہ سے مشرکین کے ساتھ مجبوراً نکلنا:

رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن اپنے صحابہ سے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ بنی ہاشم اور بعض دیگر خاندانوں کے کچھ لوگ نکلنے پر مجبور کیے گئے ہیں، وہ ہم سے جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے، اگر بنی ہاشم کا کوئی آدمی تمہیں ملے تو اسے قتل نہ کیا جائے، اور ابوالبختری بن ہشام اگر کسی کو مل جائے تو اسے قتل نہ کرے، اور رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس مل جائیں تو انہیں قتل نہ کیا جائے، وہ یہاں زبردستی لائے گئے ہیں، ابوحذیفہ بن عتبہؓ نے کہا: کیا ہم اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں اور اہل خاندان کو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں، اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے مل گیا تو میں اسے اپنی تلوار کی انی میں پرو دوں گا، جب یہ بات

❶ سيرة ابن هشام: ١/ ٦٣١، ٦٣٢. ❷ سيرة ابن هشام: ١/ ٦٢٨.

رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوحفص! کیا رسول اللہ ﷺ کے چچا کے چہرے پر تلوار سے ضرب لگائی جائے گی؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے چھوڑ دیجیے، تا کہ میں اس کی گردن اڑا دوں، اللہ کی قسم! یہ منافق ہو گیا۔ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: میں اس کلمہ کی وجہ سے اپنے آپ کو مامون نہیں سمجھتا ہوں، جو میں نے اس دن کہا تھا، اور میں اس سلسلے میں ہمیشہ ڈرا رہتا ہوں، الا یہ کہ اللہ کی راہ میں میری شہادت اس کا کفارہ بن جائے، چنانچہ وہ معرکۂ یمامہ میں شہید ہو گئے۔

ابوالبختری کے قتل سے رسول اللہ ﷺ نے اس لیے روکا تھا کہ مکہ میں وہ آپ کی بہت حمایت کرتا تھا، آپ کو تکلیف نہیں پہنچاتا تھا، اور اس کی طرف سے آپ کو اپنے سلسلے میں کسی تکلیف دہ بات کا علم نہیں ہوتا تھا، اور یہ ان لوگوں میں سے تھا، جنہوں نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف قریش کی جانب سے نوشتۂ صحیفہ کو پھاڑا تھا۔ میدانِ جنگ میں اس کی ملاقات انصار کے حلیف مجذر بن زیاد البلوی رضی اللہ عنہ سے ہو گئی، انہوں نے اس سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تمہیں قتل کرنے سے روک دیا ہے۔ اس کے ساتھ اس کا ایک ساتھی تھا جو مکہ سے اس کے ساتھ آیا تھا، اس نے کہا: اور میرے ساتھی کا کیا ہو گا؟ مجذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! ہم تمہارے ساتھی کو نہیں چھوڑیں گے، ہمیں تو رسول اللہ ﷺ نے صرف تمہیں چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے، اس نے کہا: پھر تو اللہ کی قسم! میں اور وہ دونوں ایک ساتھ مریں گے، تا کہ مکہ کی عورتیں میرے بارے میں یہ نہ کہیں کہ میں نے اپنی جان بچانے کے لیے اپنے ساتھی کو چھوڑ دیا تھا، پھر دونوں جنگ کرنے لگے اور مجذر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دینِ برحق دے کر بھیجا ہے، میں نے پوری کوشش کی کہ وہ قیدی بننے کو منظور کر لے تا کہ میں اسے آپ کے پاس لے آؤں، لیکن اس نے انکار کر دیا، تو میں نے اس سے جنگ کی اور اسے قتل کر دیا۔

موسیٰ بن عقبہ نے ذکر کیا ہے کہ مجذر رضی اللہ عنہ نے ابوالبختری سے بہت کہا کہ وہ قیدی بن جائے، اور انہوں نے اس کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے قتل کرنے سے ہمیں روک دیا ہے، لیکن ابوالبختری نے قیدی بننے سے انکار کر دیا، تب مجذر رضی اللہ عنہ نے اس پر اپنی تلوار سے وار کیا، اور ابوداؤد مازنی انصاری نے اس کی چھاتی میں نیزہ مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ ❶

مقتولین کفار کنویں میں ڈال دیے گئے:

جب جنگ ختم ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ کفار مقتولین کے پاس آئے جن کی تعداد ستر تھی، اور کہا: تم لوگ اپنے نبی کے بڑے ہی بُرے رشتہ دار تھے، تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا، جبکہ دوسروں نے میری تصدیق کی، اور تم لوگوں نے مجھے اکیلے چھوڑ دیا، دوسرے لوگوں نے میری مدد کی، اور تم لوگوں نے مجھے میرے گھر اور میرے شہر سے نکال دیا، جب کہ لوگوں نے مجھے پناہ دی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے تمام کفار مقتولین کو کنویں میں پھینک دینے کا حکم دیا، چنانچہ وہ سب کے سب اس میں پھینک دیے گئے، سوائے امیہ بن خلف کے جس کا جسم زرہ میں پھول گیا تھا، جب مجاہدین نے اسے ہلانا چاہا تو اس کے ٹکڑے ہونے لگے، اس لیے اسے وہیں چھوڑ دیا گیا، اور اس پر مٹی اور پتھر ڈال دیے گئے۔

---

❶ الاکتفاء: ۲/ ۲۶، ۲۷.

نبی کریم ﷺ نے اس کنویں کے کنارے کھڑے ہو کر کہا: اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ، اے فلاں اور اے فلاں! کیا تمہارے رب نے جو تم سے وعدہ کیا تھا، اسے سچ پایا؟ مجھ سے تو میرے رب نے جو وعدہ کیا تھا، اسے میں نے سچ پایا، عمر بن خطابؓ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ ایسے لوگوں سے مخاطب ہیں جو مر چکے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم لوگ ان سے زیادہ میری بات نہیں سن رہے ہو۔ ❶

غزوۂ بدر کے قیدی:

نبی کریم ﷺ نے قیدیوں کے بارے میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ کیا جن کی تعداد ستر تھی، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے فدیہ لینے کا مشورہ دیا، اور اس کا سبب یہ بتایا کہ اس سے مسلمانوں کو کافروں کے خلاف قوت حاصل ہوگی، اور ممکن ہے کہ اس احسان کے سبب وہ اسلام لے آئیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کر دینے کا مشورہ دیا، اس لیے کہ یہ سب کفر کے سردار اور سرغنہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا جھکاؤ ابوبکرؓ کی رائے کی طرف ہوا، تو عمرؓ کی رائے کی تائید میں قرآن نازل ہوا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٦٩﴾﴾ [الأنفال: ٦٧-٦٩]

”نبی کے لیے مناسب نہ تھا کہ ان کے پاس قیدی ہوتے قبل اس کے کہ وہ زمین میں کافروں کا خوب قتل کر لیتے، تم لوگ دنیاوی فائدہ چاہتے تھے، اور اللہ تمہارے لیے آخرت کی بھلائی چاہتا تھا، اور اللہ زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے، اور اگر اللہ کی طرف سے ایک بات پہلے سے نوشتہ نہ ہوتی تو تم نے جو مال قیدیوں سے لیا ہے اس کے سبب سے ایک بڑا عذاب تمہیں آلیتا، پس غنائم میں سے حلال اور طیب کو کھاؤ۔“

اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس مال کو حلال کر دیا جو انہوں نے قیدیوں سے بطور فدیہ لیا تھا، اور تمام قیدیوں کا فدیہ یکساں نہیں تھا، بلکہ مالدار سے چار ہزار درہم لیا گیا، اور ان میں جو بالکل محتاج اور فقیر تھے، بغیر فدیے لیے انہیں آزاد کر دیا گیا، اور جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے ان سے یہ طلب کیا گیا کہ وہ دس مسلمان بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں۔

رسول اللہ ﷺ کا مقصد ان سے مال لینا نہیں تھا، بلکہ انہیں معنوی طور پر کمزور کرنا تھا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان بدبودار لوگوں کے بارے میں بات کرتا تو میں اس کی خاطر انہیں چھوڑ دیتا۔

انصار نے عباس بن عبدالمطلبؓ کو فدیہ دینے سے مستثنیٰ کرنا چاہا، اس لیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے، اور ان کی دادی بنی نجار کی تھیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا: ان کا ایک درہم بھی معاف نہ کرو، اس معاملے میں کسی طرف داری کے لیے کوئی گنجائش نہیں، چاہے رسول اللہ ﷺ کے چچا ہی کیوں نہ ہوں۔

---

❶ صحیح البخاری، حدیث: (۳۹۷۶)، اور دیکھئے: صحیح مسلم اور سنن نسائی، کتاب الجنائز اور السیرة النبویة، ابن کثیر: ۲/۴۴۹-۴۵۳۔

سہیل بن عمرو بحیثیت قیدی:

سہیل بن عمرو بھی قید کیا گیا تھا، لیکن مقام روحاء پر مالک بن دُخشم کے پاس سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی اسے پالے اسے قتل کر دے، پھر نبی کریم ﷺ نے اسے ببولوں کے درختوں کے درمیان چھپا ہوا پایا۔ جب آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ اس کی تلاش میں نکلے، تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ اس کے دونوں اگلے دانت توڑ دوں تاکہ اس کی زبان نکلی رہے، اور آپ کے خلاف پھر کبھی بات نہ کر سکے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں اس کا مثلہ نہیں کروں گا (یعنی اس کی شکل نہیں بدلوں گا) تاکہ اللہ میرا مثلہ نہ کرے، اگرچہ میں نبی ہوں، اور ممکن ہے کہ وہ ایک دن ایسا کام کر جائے جسے تم پسند کرو گے، چنانچہ وہ اسلام لے آیا، اور نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد مکہ جا کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خطبہ لوگوں کے سامنے اسی طرح دہرایا جیسا اس نے مدینہ میں سنا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کو جب سہیل رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ خبر ملی تو کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ان کی مراد نبی کریم ﷺ کی گزشتہ بات تھی کہ شاید وہ کوئی ایسا کام کر جائے جسے تم پسند کرو گے۔ ❶

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہی وہ کام ہے جو سہیل نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مکہ میں کیا، جب کئی عرب مرتد ہو گئے اور مدینہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں نفاق پھوٹ پڑا تھا تو اُس وقت سہیل رضی اللہ عنہ نے مکہ میں لوگوں کے سامنے خطبہ دیا، اور انہیں دینِ حنیف پر ثابت قدم رکھا۔ ❷

رسول اللہ ﷺ کے داماد ابوالعاص رضی اللہ عنہ بحیثیت قیدی:

قیدیوں میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت الرسول ﷺ کے شوہر ابوالعاص بن ربیع بھی تھے، جنہیں خراش بن صمہ نے قید کیا تھا، ابوالعاص مال اور امانت و تجارت کے اعتبار سے مکہ کے معدودے چند لوگوں میں سے تھے، اور ان کی ماں خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ بنت خویلد تھیں، اور کفار مکہ نے ابولہب کے بہکانے میں آ کر ابوالعاص سے کہا تھا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو، اور ہم تمہاری شادی قریش کی اس عورت سے کردیں گے جس سے تم شادی کرنا چاہو گے، تو انہوں نے کہا تھا: نہیں، اللہ کی قسم! میں اپنی بیوی کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا، رسول اللہ ﷺ اپنے دامادوں میں ان کی تعریف کیا کرتے تھے، اسلام نے زینب رضی اللہ عنہا اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے درمیان تفریق کر دی تھی، لیکن ان دونوں کے درمیان عملی طور پر جدائی نہیں ہوئی تھی، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں حلال اور حرام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے، بلکہ اپنے حال میں خود پریشان رہتے تھے۔

جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کو آزاد کرانے کے لیے فدیہ بھیجا تو زینب رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے شوہر کے فدیہ کے لیے مال اور اپنا وہ ہار بھیجا جو ان کی والدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے گھر انہیں رخصت کرتے وقت دیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے وہ ہار دیکھا تو آپ پر شدید رقت طاری ہوگئی اور فرمایا: اگر تم چاہو تو زینب کے قیدی کو چھوڑ دو، اور اس کا مال اور ہار اسے واپس کر دو، لوگوں نے کہا: ہاں، یا رسول اللہ! پھر آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا، اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی چیزیں انہیں واپس بھیج دیں۔

---

❶ تحف الوراق: ۱/۴۲۳۔ ❷ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/۴۸۲۔

ہجرت زینب بنت الرسول ﷺ:

رسول اللہ ﷺ نے ابوالعاص سے یہ وعدہ لے لیا تھا کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ ہجرت کر کے آنے کی اجازت دے دیں گے، اس لیے وہ مکہ آئے تو زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے باپ کے پاس چلے جانے کی اجازت دے دی، چنانچہ انہوں نے سفر کی تیاری کر لی، اور ان کے شوہر کے بھائی کنانہ بن ربیع نے انہیں ایک اونٹ دیا، جس پر وہ سوار ہو گئیں، اور کنانہ نے اپنا تیر، کمان اور تیروں کا تھیلا لیا اور زینب رضی اللہ عنہا کو لے کر دن دہاڑے اونٹنی کو ہانکتے ہوئے نکلے، زینبؓ ہودج میں بیٹھی ہوئی تھیں، جب یہ بات قریشیوں کو معلوم ہوئی تو ان کے چند آدمی ان کی تلاش میں نکلے اور مقام ذی طویٰ پر انہیں جالیا، اور سب سے پہلے جو ان کے پاس پہنچا، وہ ہبار بن اسود تھا جو اپنے نیزے کے ذریعہ اُن کے اونٹ کو بدکانے لگا، یہاں تک کہ زینبؓ نیچے گر گئیں، اور ان کا حمل ساقط ہو گیا، اور بہت زیادہ خون بہا، جس کی وجہ سے وہ بیمار ہو گئیں اور مدینہ آنے کے بعد وفات پا گئیں۔

ان کا یہ حال دیکھ کر کنانہ بن ربیع اپنے اونٹ سے نیچے اُترے اور تیر کمان درست کر کے کہنے لگے: اللہ کی قسم! اگر کوئی آدمی مجھ سے قریب ہوگا تو میں اس پر تیر چلا دوں گا، یہ سن کر سب لوگ الگ ہو گئے، اس وقت ابوسفیان آیا اور کہنے لگا، تمہارا بُرا ہو، تم ہماری مصیبت جانتے ہو، اور پھر ایک عورت کو لے کر علانیہ نکلے ہو، اس لیے لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ایسا ہماری ذلت و کمزوری کے سبب ہو رہا ہے، اللہ کی قسم! ہمیں اسے (زینب رضی اللہ عنہا) اس کے باپ کے پاس جانے سے روکنے کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن ابھی تم اسے واپس لے جاؤ، اور جب لوگوں کی آواز دھیمی پڑ جائے اور آپس میں کہنے لگیں کہ ہم نے اسے واپس کر دیا اس وقت اسے خفیہ طور پر لے کر نکلو، اور اسے اس کے باپ کے پاس پہنچا دو، کنانہ نے پھر ایسا ہی کیا۔ ❶

ابن اسحاق نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک فوجی دستہ بھیجا جس میں میں بھی تھا، اور فرمایا کہ اگر ہبار بن اسود تمہارے ہاتھ آ جائے اور وہ آدمی جو اس کے ساتھ زینب کی طرف بڑھا تھا، تو ان دونوں کو آگ میں جلا دو، پھر آپ ﷺ نے اپنی رائے بدل دی اور ان کو دوبارہ خبر بھیجی کہ اگر وہ دونوں تمہارے ہاتھ آ جائیں تو انہیں قتل کر دو۔

ابوالعاص رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے کچھ دنوں پہلے اسلام لے آئے جیسا کہ آگے آئے گا، اور مدینہ آ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے پاس بھیج دیا۔ ❷

سیرت نبوی سے متعلق تمام کتابوں میں ہے کہ مسلمانوں نے اپنے قیدیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، ان میں سے نہ کسی کو کوئی تکلیف پہنچی اور نہ کسی نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی، بلکہ بعض صحابہ تو اپنے قیدیوں کو روٹی کھلاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے خود کھجور کھاتے تھے۔ ❸

اموالِ غنیمت:

امام احمد رحمہ اللہ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ مدینہ سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے اور

---

❶ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/ ۴۸۳، ۴۸۴، اتحاف الوریٰ: ۱/ ۴۲۳، ۴۲۴.

❷ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/ ۵۱۹.

❸ صحیح السیرۃ النبویۃ: ص/ ۲۵۴، ۲۵۵، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/ ۴۵۷ - ۴۶۳.

معرکۂ بدر میں شریک ہوئے، جب دونوں فوجیں ٹکرائیں تو اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دی، اور مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان کا پیچھا کیا اور ان میں سے کئی کو قتل کیا، اور ایک جماعت کافر فوج کا مال ومتاع جمع کرنے لگی، اور ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کے گرد گھیرا ڈالے رکھا، تاکہ کوئی دشمن اچانک آکر آپ ﷺ کو نقصان نہ پہنچادے، جب رات ہوئی اور لوگ ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے تو جن لوگوں نے مال غنیمت جمع کیا تھا وہ کہنے لگے کہ ہم نے اسے جمع کیا اور اس میں کسی دوسرے کا کوئی حصہ نہیں ہے، اور جن لوگوں نے دشمن کا پیچھا کیا تھا، انہوں نے کہا کہ تم لوگ ہم سے زیادہ مال غنیمت کے حقدار نہیں ہو، ہم رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے رہے، اس ڈر سے کہ کہیں دشمن آپ ﷺ کو اچانک نقصان نہ پہنچادے اور ہم اسی کام میں مشغول رہے، تو آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْأَنفَالِ ۖ قُلِ الْأَنفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ﴾

[الأنفال: ١]

''لوگ آپ سے اموالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہیے کہ اموالِ غنیمت اللہ اور رسول کے لیے ہیں، پس تم لوگ اللہ سے ڈرو، اور اپنے آپس کے تعلقات کو ٹھیک رکھو۔'' ❶

آثارِ صحیحہ سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ نکال لینے کے بعد باقی کو مسلمان مجاہدین کے درمیان برابر تقسیم کردیا، اور پانچویں حصہ سے متعلق آیتِ کریمہ غزوہ بدر کے بارے میں نازل شدہ آیات کے سیاق میں نازل ہوچکی تھی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ [الأنفال: ٤١]

''اور جان لو کہ تمہیں جو کچھ بھی مالِ غنیمت ہاتھ آئے گا، اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے، اور (رسول اللہ کے) رشتہ داروں، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہوگا۔'' ❷

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے مالِ غنیمت میں حصہ:

رسول اللہ ﷺ نے اپنے کو صحابہ کرام کو مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا جو کسی عذر شرعی یا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے انہیں مدینہ میں کسی کام کے لیے مکلف کیے جانے کے سبب غزوہ میں شریک نہیں ہوئے، انہی میں سے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ان کی مریض بیوی رقیہ بنت الرسول ﷺ کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا تھا، اور اسی مرض میں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات بھی ہوگئی۔ ❸

شکستِ کفار کی خبریں مکہ میں:

مکہ میں موجود قریشیوں نے اپنے بھاگنے والے فوجیوں کے ساتھ بہت ہی بُرا برتاؤ کیا، پہلے تو یہ سمجھا کہ وہ فوج کے

---

❶ الفتح الربانی: ١٤/ ٧٣۔ ❷ صحیح السیرۃ النبویۃ: ص/ ٢٥٢، مسند احمد: ٥/ ٣٢٤، حاکم: ٢/ ١٣٥، ١٣٦، ٣٢٦۔

❸ صحیح مسلم، حدیث: (٣٦)، الحیاۃ العسکریہ: ص/ ٤٢، الاکتفاء: ٢/ ٥٠۔

ساتھ خیانت کر کے میدانِ معرکہ سے بھاگ آئے ہیں، ان کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ قریشیوں کی اتنی بڑی اسلحہ سے لدی بھری فوج پر غالب آجائیں گے، لیکن جب انہوں نے یہ بُری خبر اُن فوجیوں سے سنی تو مبہوت ہو گئے اور انہیں گمان ہوا کہ جو قاصد شکست کی خبر اور اپنے سرداروں کے قتل کی خبر لے کر آیا ہے، اس کی عقل ماری گئی ہے، اسی لیے وہ بکواس کر رہا ہے۔ پہلا آدمی جو قریش کی تباہی و بربادی کی خبریں لے کر مکہ آیا تھا وہ حیسمان بن عبداللہ الخزاعی تھا، قریش نے اس سے پوچھا: تمہارے پاس کیا خبریں ہیں، اس نے کہا: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو الحکم بن ہشام (ابوجہل) امیہ بن خلف، زمعہ بن اسود، حجاج کے دونوں بیٹے: نبیہ اور منبہ اور ابوالبختری بن ہشام یہ سب کے سب قتل کر دیے گئے۔ جب وہ شخص سردارانِ قریش کو گنانے لگا تو صفوان بن امیہ نے کہا جو کعبہ کے پاس حجر کے حصے میں بیٹھا تھا: اللہ کی قسم! اگر اس کے پاس عقل ہے تو اس سے آپ لوگ میرے بارے میں پوچھیے، انہوں نے پوچھا: صفوان بن امیہ کا کیا ہوا، تو حیسمان نے کہا: یہ تو حجر میں بیٹھا ہوا ہے، اللہ کی قسم میں نے اُس کے باپ اور بھائی کو قتل ہوتے دیکھا ہے۔

قریش کی شکست کی خبر سردارِ مکہ ابوسفیان پر بجلی بن کر گری، اور اس کے غصے کی آگ بھڑک اُٹھی، اور اس کی بیوی ہند اپنے باپ، بھائی اور چچا کے غم میں چیخ پکار کرنے لگی، اور رات دن سینہ پیٹنے اور واویلا کرنے لگی۔ اور کہنے لگی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب اور علی بن ابو طالب (رضی اللہ عنہما) سے عنقریب انتقام لے گی۔ ❶

ابولہب کا انجام:

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابو رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں عباس بن عبدالمطلب کا غلام تھا، اور اسلام ہمارے گھر میں داخل ہو گیا تھا، اور عباس اور امّ الفضل (رضی اللہ عنہما) اسلام لا چکے تھے، اور میں بھی مسلمان ہو چکا تھا، اور عباس رضی اللہ عنہ اپنی قوم سے ڈرتے تھے، اور ان کی مخالفت کو ناپسند کرتے تھے، اسی لیے انہوں نے اپنے اسلام کو چھپا رکھا تھا، وہ مالدار آدمی تھے، ان کا مال ان کی قوم کے مختلف لوگوں کے پاس تھا، ابولہب معرکۂ بدر میں شریک نہیں ہوا تھا، جب اس کو بدر میں قریشیوں کے مارے جانے کی خبر ملی تو وہ نہایت رنجیدہ ہوا، اور اللہ نے اسے ذلیل ورسوا کیا، اور ہم نے اپنے اندر قوت اور غلبہ کا احساس کیا، ابولہب ہمارے گھر آیا، اس وقت امّ الفضل بیٹھی تھیں، اور ابولہب کے چہرہ پر خباثت اور شرارت کے آثار ظاہر تھے، وہ کمرے کے پردہ سے قریب بیٹھ گیا، اس کی پیٹھ میری پیٹھ کی طرف تھی، پھر ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب داخل ہوا، یہ ان لوگوں میں سے تھا جو میدانِ بدر سے بھاگ آنے میں کامیاب ہو گئے تھے، اس نے کہا: اللہ کی قسم! جوں ہی ہماری مڈبھیڑ مسلمانوں سے ہوئی، انہوں نے ہمیں قتل کرنا اور قید کرنا شروع کر دیا، تو ہم پیچھے مڑ کر بھاگ پڑے، اور اللہ کی قسم! ہم نے اپنے لوگوں کو ایسا کرنے پر ملامت نہیں کی، اس لیے کہ ہماری مڈبھیڑ ایسے سفید پوش لوگوں سے ہوئی تھی جو سفید وسیاہ گھوڑوں پر سوار آسمان وزمین کے درمیان پھیلے ہوئے تھے، اللہ کی قسم! اُن کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹک سکتی تھی۔

ابو رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے یہ سن کر اپنے ہاتھ سے پردے کو اٹھایا اور کہا: اللہ کی قسم! وہ فرشتے تھے، تو ابولہب نے اپنا

---

❶ سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۶۰۶.

ہاتھ اٹھا کر میرے چہرے پر ایک زوردار طمانچہ مارا، اور میں اس کے ساتھ گتھم گتھا ہوگیا، تو اس نے مجھے اٹھا کر زمین پر دے مارا، پھر میرے اوپر بیٹھ کر مارنے لگا، اس لیے کہ میں ایک کمزور آدمی تھا، یہ دیکھ کر امّ الفضل رضی اللہ عنہا اٹھیں اور حجرہ کا ایک کھمبا لے کر اس پر ایسی ضربیں لگائی کہ اس کا سر بُری طرح زخمی ہوگیا، اور کہا: کیا اس کا مالک نہیں ہے تو تم اسے کمزور سمجھ رہے ہو، وہ ذلیل و رسوا ہو کر بھاگ پڑا، اللہ کی قسم! اس واقعہ کے بعد ابولہب نے صرف سات راتیں گزاری تھی کہ اسے اللہ تعالیٰ نے طاعون جیسے ایک مرض میں مبتلا کر دیا، جس سے وہ ہلاک ہوگیا۔

ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ اس کے معدے میں ایک ایسا زخم ہوگیا جس سے عرب لوگ بدشگونی لیتے تھے، اور کہتے تھے کہ یہ بیماری بہت تیزی کے ساتھ دوسروں کو لگ جاتی ہے۔ چنانچہ ابولہب کی اس بیماری کا جب اس کے گھر والوں کو علم ہوا، تو اس کے لڑکے تک اس سے الگ ہوگئے، اور مرنے کے بعد تین دن تک اس کی لاش پڑی رہی، کوئی شخص اس کے قریب نہیں جاتا تھا، اور نہ اسے دفن کرنے کی کوشش کرتا تھا، لیکن جب ان کو ڈر ہوا کہ لوگ ان کی برائیاں بیان کریں گے تو سب نے مل کر ایک گڑھا کھودا اور ایک لمبی لکڑی کے ذریعہ اسے دھکا دے کر اسے گڑھے میں گرا دیا اور دور سے پتھر پھینک کر اسے بھر دیا۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ واپسی:

صحیحین میں ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب کسی قوم پر غلبہ حاصل ہوتا تو آپ ﷺ وہاں تین دن تک قیام کرتے، اور یہ بات گزر چکی ہے کہ معرکۂ بدر جمعہ کے دن ۱۷ رمضان المبارک سن دو ہجری کو ہوا، اس کے بعد آپ ﷺ وہاں تین دن تک ٹھہرے رہے، اور سوموار کے دن وہاں سے کوچ کیا، اور جب آپؐ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے تو بدر کے کنوئیں پر کھڑے ہوئے اور ان کفار مقتولین کو جو اس میں ڈالے گئے تھے، مخاطب کر کے وہ بات کہی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، پھر آپ ﷺ وہاں سے چل پڑے اور آپ کے ساتھ ستر (۷۰) جنگی قیدی تھے، جن میں نضر بن حارث اور عقبہ بن ابومعیط بھی تھے، اور بہت سے اموال غنیمت بھی۔ جب آپؐ مقام صفراء کی تنگ نائی سے نکلے تو ریت کے ایک ٹیلے پر اُترے اور وہاں مسلمان مجاہدین کے درمیان مالِ غنیمت تقسیم کر دیا۔

نضر بن حارث اور عقبہ بن ابومعیط کا قتل:

مدینہ واپس جاتے ہوئے، آپ ﷺ نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابومعیط کو قتل کرنے کا حکم دیا، اس لیے کہ یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے شدید ترین دشمنوں، کفر کے سرداروں اور جنگی مجرموں میں سے تھے، جب آپ ﷺ صفراء پہنچے تو نضر بن حارث کے قتل کا حکم دیا، جسے سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا، پھر آپ ﷺ آگے بڑھے اور عرق الظبیہ نامی مقام پر پہنچے تو وہاں آپؐ نے عقبہ بن ابومعیط کے قتل کا حکم دیا، عقبہ نے کہا: اے محمد (ﷺ)! میرے بچوں کا کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جہنم۔ پھر اُسے عاصم بن ثابت بن ابوالاقلح نے قتل کر دیا، اور ایک روایت کے مطابق علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا۔ ❷

❶ الاکتفاء: ۲/ ۳۷، ۳۸، تاریخ الطبری: ۲/ ۶۲، الحیاۃ العسکریۃ: ص/ ۶۴، ۶۵.

❷ السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: ۲/ ۳۷۰، الاکتفاء: ۲/ ۳۵.

مدینہ میں فتح ونصرت کی خبر:

جنگ ختم ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہؓ کو فتح ونصرت کی خبر کے ساتھ مدینہ کے بالائی علاقے میں رہنے والے مسلمانوں کے پاس بھیجا، اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کے نشیبی علاقے میں رہنے والوں کے پاس بھیجا۔

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں یہ خوشخبری اس وقت ملی جب ہم رقیہ بنت الرسول ﷺ کو دفن کر چکے تھے، (آپ ﷺ نے مجھے رقیہ کے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ میں رہنے دیا تھا) میں اپنے والد زید بن حارثؓ کے پاس پہنچا تو وہ مصلی پر کھڑے تھے، اور ان کے چاروں طرف لوگوں کا ازدہام تھا، وہ کہہ رہے تھے: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، زمعہ بن اسود، ابوالبختری بن ہشام، امیہ بن خلف اور حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ، یہ سب کے سب قتل کر دیے گئے، میں نے کہا: اے ابا! کیا یہ بات صحیح ہے؟ انہوں نے کہا: اے بیٹے! ہاں، اللہ کی قسم۔

ایک روایت میں ہے کہ اسامہؓ نے کہا: لوگوں کی آواز سن کر جب میں باہر نکلا تو دیکھا کہ زیدؓ فتح ونصرت کی خبریں لائے ہیں، اللہ کی قسم! میں نے پہلے اس بات کو نہیں مانا، یہاں تک کہ ہم نے قیدیوں کو دیکھ لیا، اور عبداللہ بن رواحہؓ اپنی سواری کے اوپر سے آواز لگا رہے تھے: اے انصاریو! خوش ہو جاؤ کہ رسول اللہ ﷺ سلامتی کے ساتھ ہیں، اور بہت سے مشرکین قتل کر دیے گئے، اور بہت سے قیدی بنا لیے گئے، پھر انہوں نے سرداران کفر کے قتل کیے جانے کی خبر سنائی۔

عاصم بن عدیؓ کہتے ہیں: میں ان کے قریب گیا اور پوچھا: اے ابن رواحہ! کیا یہ بات صحیح ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں اللہ کی قسم! اور رسول اللہ ﷺ کل قیدیوں کو لے کر آئیں گے۔ پھر عبداللہ بن رواحہؓ ایک ایک انصاری کے دروازے پر پہنچے اور انہیں خوشخبری دی، اور بچے ان کے ساتھ کہتے جا رہے تھے: ابوجہل فاسق مارا گیا، یہاں تک کہ عبداللہ بن رواحہؓ بنو امیہ کے گھر تک پہنچ گئے۔ ❶

بدری مجاہدین وشہداء:

وہ تمام مہاجرین وانصار جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ان کی تعداد تین سو چودہ تھی، مہاجرین میں سے تراسی (۸۳)، ان میں سے تین وہ تھے جو غزوہ میں شریک نہیں ہوئے، لیکن مال غنیمت سے ان کو حصہ ملا، اور وہ عثمان بن عفانؓ تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ان کی بیوی رقیہ بنت الرسول کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا اور جو رسول اللہ ﷺ کے بدر سے واپسی سے پہلے ہی وفات پا گئیں، اور طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما جو ان دنوں شام میں تھے، اور رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد وہاں سے لوٹے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان دونوں کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ دیا، اور قبیلۂ اوس کے اکسٹھ (۶۱) آدمی اور قبیلۂ خزرج کے اکہتر (۷۱) آدمی تھے۔

اور اس معرکہ میں چودہ مجاہدین شہید ہوئے، مہاجرین میں سے چھ (۶) خزرج میں سے چھ (۶) اور اوس میں سے دو (۲)۔ ❷

---

❶ الحياة العسكرية: ص/ ۵۷-۵۹، الاكتفاء: ۲/ ۵۰، غزوات النبي ﷺ: ص/ ۴۲.

❷ الحياة العسكرية: ص/ ۶۵، وصحيح السيرة النبوية: ۲۵۵.

نبی کریم ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے:

نبی کریم ﷺ راستہ میں تیز گام چلتے رہے، یہاں تک کہ قیدیوں سے ایک دن پہلے مدینہ پہنچ گئے، اور آپؐ نے ان قیدیوں کو راستہ میں ہی اپنے صحابہ کے درمیان تقسیم کردیا تھا اور ان سے فرمایا تھا کہ قیدیوں کے ساتھ تم لوگ اچھا معاملہ کرنا۔

معرکہ بدر اسلام کی تاریخ میں ایک فیصلہ کن جنگ کی حیثیت رکھتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسے "یوم الفرقان" کا نام دیا ہے، اس لیے کہ اللہ نے اس کے ذریعہ حق اور باطل کے درمیان تفریق کردیا۔ اور عقیدۂ اسلامیہ کو اس جنگ کے ذریعہ بڑی زبردست کامیابیاں حاصل ہوئیں، اور دشمنانِ اسلام جو مدینہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں تھے، خوف زدہ ہوگئے، چنانچہ بہت سے اہلِ مدینہ اس معرکہ کے بعد اسلام لے آئے، اور عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے دیگر منافق ساتھیوں نے ظاہری طور پر اسلام لانے کا اعلان کردیا، اور منافقین کی ایک جمعیت بنالی، جنھوں نے ظاہر میں اسلام کا اعلان کردیا اور باطن میں کفر کو اپنے دلوں میں چھپائے رکھا۔ اور یہود تو اس جنگ کے بعد نہایت ذلیل ورسوا ہوئے، اور اپنے دلوں میں چھپے کینوں کو ظاہر کردیا، اس لیے کہ جنگ کے نتیجے نے انہیں بہت زیادہ ناراض کردیا تھا، جس کی وہ توقع نہیں کرتے تھے، اور ان کے اقوال وافعال سے غیظ وغضب اور بغض وکینہ کی بھڑکتی آگ کے شعلے اٹھنے لگے، اور شعوری اور غیر شعوری طور پر حد سے تجاوز کرنے لگے، اور ان کی انہی خبیث حرکات کا نتیجہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے بنی قینقاع کو مدینہ سے جلاوطن کردیا۔ ❶

شہدائے بدر کی فضیلت:

شہدائے بدر کی بہت بڑی فضیلت ہے، اس سلسلے کی بعض صحیح احادیث کا ذیل میں مطالعہ کیجیے:

۱- امام بخاری رحمہ اللہ نے معاذ بن رفاعہ الزرقی کے حوالے سے ان کے باپ رفاعہؓ سے روایت کی ہے کہ (ان کے باپ رفاعہؓ بدری صحابہ میں سے تھے، اور ان کے دادا بیعۃ العقبہ والوں میں سے) جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا: آپ لوگوں کے درمیان مجاہدینِ بدر کا کیا مقام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ مسلمانوں میں افضل اور اچھے ہیں، جبریل علیہ السلام نے کہا: اسی طرح وہ فرشتے بھی فرشتوں میں افضل ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ ❷

۲- امام بخاری رحمہ اللہ نے حُمید سے روایت کی ہے، انہوں نے انسؓ سے کہ حارثہؓ معرکۂ بدر میں شہید ہوگئے تو ان کی والدہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور پوچھا: یارسول اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ حارثہ کا میرے دل میں کیا مقام تھا، اگر وہ جنت میں ہے تو میں اس اجر کی امید میں صبر کروں گی، اور اگر ایسا نہیں ہے تو آپ جانتے ہیں کہ پھر میں کیا کروں گی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تمہیں ہدایت دے، کیا تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے، تم ایک جنت کی بات کرتی ہو، جنتیں تو بہت ساری ہیں، اور حارثہ تو جنت الفردوس میں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث اگرچہ شہید کے بارے میں ہے، لیکن غزوۂ بدر کی فضیلت میں بھی شریک ہیں، جو شہید ہوگئے وہ بھی اور جو نہیں شہید ہوئے وہ بھی۔ ❸

۳- امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ نے حاطب بن ابو بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا ہے، جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے اہلِ مکہ کو خط

---

❶ سیرۃ نبویۃ: ۲/ ۳۷۱، غزوات النبی ﷺ: ص/ ۱۲۔ ❷ صحیح البخاری، حدیث: (۳۹۹۳)۔

❸ فتح الباری: ۷/ ۳۰۴، ۳۰۵، النووی: ۱۶/ ۵۵۔

بھیج کر جنگ کی خبر دینی چاہی تھی، اور عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ان کی گردن مار دینے کی اجازت مانگی تھی، اس لیے کہ انہوں نے اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے ساتھ خیانت کی تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ یقیناً اہلِ بدر کے دلوں پر مطلع تھا، اسی لیے کہا: اے اہلِ بدر! تم جو چاہو کرو، تمہارے لیے جنت واجب ہو گئی، یا تمہیں بخش دیا گیا۔ راوی کہتے ہیں: یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور کہنے لگے: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ ❶

۴- امام مسلم رحمہ اللہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حاطب بن ابو بلتعہ رضی اللہ عنہ کا ایک غلام رسول اللہ ﷺ کے پاس ان کی شکایت لے کر آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! حاطب ضرور جہنم میں جائے گا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جھوٹ بولتے ہو، وہ جہنم میں نہیں داخل ہوں گے، وہ تو غزوۂ بدر اور صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے ہیں۔ ❷

۵- امام مسلم و ترمذی رحمہما اللہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی ہرگز جہنم میں داخل نہیں ہوگا جو غزوۂ بدر اور صلح حدیبیہ میں شریک ہوا ہے۔ ❸

قتلِ رسول ﷺ کی سازش:

عُمیر بن وہب مکہ کے شیطانوں میں سے ایک شیطان تھا، اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو ایذا پہنچاتا تھا، اور معرکۂ بدر سے بچ کر بھاگنے والے مشرکین جب مکہ واپس پہنچے تو معلوم ہوا کہ اُس کا بیٹا وہب بن عُمیر قیدی بنالیا گیا ہے۔ ایک دن وہ صفوان بن امیہ کے ساتھ حِجر میں بیٹھا تو صفوان نے کہا کہ اللہ کی قسم! ہمارے قیدیوں اور مقتولین کی خبروں کے بعد اب زندگی میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ عُمیر نے کہا: تم نے سچ کہا، اللہ کی قسم! اگر مجھ پر لوگوں کا قرض نہ ہوتا، اور بچے نہ ہوتے جن کے میرے بعد ضائع ہو جانے کا ڈر ہے، تو میں مدینہ جا کر محمد (ﷺ) کو قتل کر دیتا، اور میرے پاس وہاں جانے کا ایک معقول بہانہ یہ ہے کہ میرا بیٹا وہاں مسلمانوں کے پاس قیدی ہے۔ صفوان نے کہا: میں تمہارے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری لیتا ہوں، اور تمہارے بچے میرے بچوں کے ساتھ زندگی بھر رہیں گے، میں اُن کی دیکھ بھال کروں گا۔ عمیر نے کہا: پھر ہم دونوں کی اس بات کو تیسرا نہ جانے، صفوان نے کہا: میں ایسا ہی کروں گا۔

پھر عُمیر نے اپنی تلوار کو تیز اور زہر آلود بنایا، اور مدینہ پہنچ گیا، سب سے پہلے اُسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ اپنی اونٹنی کو مسجد کے دروازہ پر بٹھا رہا ہے، اور اُس کی گردن میں تلوار لٹک رہی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے دل میں کہا کہ یہ عُمیر اللہ کا دشمن یقیناً بُری نیت سے آیا ہے، اِسی نے بدر کے دن کافروں کو ہمارے خلاف بھڑکایا تھا، اور ہماری تعداد کا اندازہ لگایا تھا۔

عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور کہا: اے اللہ کے نبی! اللہ کا دشمن عمیر اپنی تلوار گردن میں لٹکائے آیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اُسے میرے پاس لے آؤ، عمرؓ گئے، اور اُسے اُس کی گردن میں لٹکی تلوار کے نیام سے پکڑ کر لے آئے، رسول اللہ ﷺ نے کہا: عمر! اسے چھوڑ دو۔ پھر کہا: عُمیر، میرے قریب آؤ۔ وہ قریب ہوا اور اہلِ جاہلیت کی عادت کے

---

❶ صحیح البخاری، حدیث: (۳۹۸۳)۔ صحیح مسلم، فضائل الصحابۃ، ح: (۱٦۲)۔ ❷ صحیح مسلم، فضائل الصحابۃ، ح(۱٦۲)۔ ❸ صحیح مسلم، فضائل الصحابۃ، حدیث: (۲٤۲۹٦)، سنن ترمذی، حدیث: (۳۸٦٤)۔

مطابق سلام کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے عُمیر! اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے اس تحیہ سے بہتر اہل جنت کا تحیہ السلام علیکم عطا فرمایا ہے، اے عمیر! تم کس لیے آئے ہو؟ اس نے کہا: میں اپنے بیٹے کا فدیہ لے کر آیا ہوں جو آپ لوگوں کے پاس قیدی ہے، آپ لوگ اس کا فدیہ لے کر ہم پر احسان کیجیے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تمہاری گردن میں یہ تلوار کیوں لٹک رہی ہے؟ اُس نے کہا: ان تلواروں کا بُرا ہو، انہوں نے ہمیں کیا فائدہ پہنچایا ہے، میں اونٹنی سے اُترتے وقت اپنی گردن میں ہی اسے لٹکا ہوا بھول گیا تھا، نبی کریم ﷺ نے اُس سے کہا: سچ بتاؤ، تم کس لیے آئے ہو؟ اُس نے کہا: میں صرف اسی کام کے لیے آیا ہوں، آپ ﷺ فرمایا: بلکہ تم اور صفوان بن امیہ حجر میں بیٹھے بدر کے کنویں میں ڈالے گئے قریشی مقتولین کو یاد کر رہے تھے، تم نے کہا: اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا، اور میرے چھوٹے بچے نہ ہوتے تو مدینہ جا کر محمد (ﷺ) کو قتل کر دیتا، اور صفوان نے تمہارے قرض اور بال بچوں کی ذمہ داری لے لی تا کہ تم مجھے قتل کر دو، لیکن اللہ میرے اور تمہارے درمیان حائل ہے۔

عمیر نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور آپ سچے ہیں، آپ جب آسمان کی خبریں ہمارے پاس لاتے تھے تو ہم سب آپ کو جھٹلاتے تھے، اور اس گفتگو کے وقت تو میرے اور صفوان کے سوا کوئی نہ تھا، اللہ کی قسم، مجھے یقین ہے کہ اس کی خبر آپ کو اللہ نے دی ہے، اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اسلام لانے کی ہدایت دی، اور آپ کے پاس پہنچا دیا، پھر اُس نے کلمۂ حق اپنی زبان سے ادا کیا، تب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: تم لوگ اپنے بھائی کو دین کی تعلیم دو، اور اسے قرآن پڑھنا سکھاؤ، اور اس کے قیدی کو چھوڑ دو۔ صحابہ نے ایسا ہی کیا۔

عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں اللہ کے نور کو بجھانے کی کوشش کرتا رہا ہوں، اور اللہ کے بندوں کو بڑی تکلیف پہنچاتا رہا ہوں، میں پسند کروں گا کہ آپ مجھے مکہ جانے کی اجازت دیجیے تا کہ میں اہل مکہ کو اللہ اور اسلام کی طرف بلاؤں، شاید کہ اللہ انہیں ہدایت دے دے۔ اُدھر صفوان قریشیوں سے کہتا پھرتا تھا: تمہیں ایک واقعہ کی خوشخبری دیتا ہوں جو چند ہی دنوں میں ہونے والا ہے، اُسے سن کر تم بدر کی مصیبتوں کو بھول جاؤ گے، اور صفوان ہر دن عُمیرؓ کے بارے میں مدینہ کی طرف سے آنے والوں سے پوچھتا رہتا تھا، یہاں تک کہ ایک قافلہ نے اُسے عمیرؓ کے اسلام لانے کی خبر دی، یہ سُن کر اس نے قسم کھائی کہ وہ اس سے کبھی بات نہیں کرے گا، اور اس کو کوئی نفع نہیں پہنچائے گا، عُمیرؓ مکہ پہنچ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگے، چنانچہ بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر اسلام لے آئے۔ ❶

رُقیہ رضی اللہ عنہا بنت الرسول ﷺ کی وفات:

اسی سال ماہِ رمضان میں، جس دن زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما مومنوں کی فتح و نصرت اور مشرکوں کی شکستِ فاش کی خبر لے کر آئے، رقیہ بنت الرسول ﷺ وفات پا گئیں اور مسلمانوں نے انہیں دفن کر دیا۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم لوگوں کو مدینہ میں معرکۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح و نصرت کی خبر اس وقت ملی جب ہم رقیہ بنت الرسول ﷺ کو دفن کر چکے تھے۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اُن کے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اُن کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ ❷

---

❶ [illegible]: ۱/ ۴۲۵-۴۲۸، دلائل البیہقی: ۳/ ۱۴۷-۱۴۹، السیرۃ النبویۃ لابن کثیر: ۲/ ۴۸۶۔

❷ [illegible] سیرۃ النبویۃ: ص/ ۲۵۴

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اُمّ کلثوم بنت الرسول ﷺ کی شادی:

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی بیٹی سے شادی کرنے کا پیغام دیا، تو انہوں نے معذرت کردی، رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے عمرؓ سے کہا: کیا میں تمہیں عثمان سے بہتر داماد اور عثمان کو تم سے بہتر خسر بتاؤں؟ عمرؓ نے کہا: ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کردو، اور میں عثمان کی شادی اپنی بیٹی (ام کلثوم) سے کردیتا ہوں، چنانچہ آپ ﷺ نے رقیہؓ کی وفات کے بعد اپنی بیٹی ام کلثومؓ کی شادی عثمانؓ سے کردی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فاطمہ بنت الرسول ﷺ کی شادی:

بیہقی نے ابن مندہ کی کتاب ''المعرفۃ'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فاطمہؓ سے سن ایک ہجری میں نکاح کیا، اور اس کے ایک سال بعد رخصت کر کے لے آئے، یعنی واقعۂ بدر کے کچھ ہی دنوں کے بعد سن دو ہجری کے آخر میں۔ اور واقدی نے اسحاق بن عبداللہ کی ابوجعفر سے ایک روایت کی بنیاد پر صراحت کی ہے کہ علیؓ فاطمہؓ کو ذی الحجہ سن دو ہجری میں رخصت کر کے اپنے گھر لے آئے۔ اور بیہقی نے دلائل میں علیؓ سے فاطمہؓ کی شادی کا واقعہ خود علیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے، علیؓ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کو کسی طرف سے فاطمہ سے شادی کا پیغام ملا، تو میری ایک آزاد کردہ باندی نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو فاطمہ سے شادی کا پیغام دیا گیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، اُس نے کہا: ہاں، پیغام آیا ہے، تو آپ کے لیے کیا مانع ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے بات کیجیے تاکہ وہ آپ سے فاطمہ کی شادی کردیں؟ میں نے کہا: میرے پاس کہاں کوئی چیز ہے جس کے ذریعہ شادی کرسکوں؟ اُس نے کہا: اگر آپ رسول اللہ ﷺ سے بات کریں گے تو وہ آپ سے کردیں گے، اسی طرح وہ میری ہمت بڑھاتی رہی، یہاں تک کہ میں آپ ﷺ کے پاس آیا، اور آپ ﷺ کی شخصیت میں رعب وہیبت تھی، اس لیے جب میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھا، تو میری زبان گنگ ہوگئی، اور بات نہ کرسکا، تو رسول اللہ ﷺ نے خود ہی پوچھا: کس لیے آئے ہو، کیا تمہیں کوئی کام ہے؟ میں خاموش رہا، تو آپ ﷺ نے پھر پوچھا: کس لیے آئے ہو، کیا کام ہے؟ میں پھر بھی خاموش رہا، تب آپ ﷺ نے کہا: شاید تم فاطمہ کے لیے پیغام دینے آئے ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تمہارے پاس کوئی چیز ہے جس کے عوض تم اُسے حلال بناؤ گے؟ میں نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! یارسول اللہ! آپ ﷺ نے پوچھا: تمہارا وہ زرہ کہاں گئی جو میں نے دی تھا؟ (علیؓ کہتے ہیں: اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، وہ ایک حُطَمِی چوڑی سی زرہ تھی جس کی قیمت صرف چار درہم تھی) میں نے کہا: وہ تو میرے پاس ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہارا نکاح اس سے کردیا، وہ زرہ فاطمہ کے پاس بھیج دو، تاکہ اس کے عوض تم اُسے اپنے لیے حلال بناسکو، چنانچہ وہی زرہ فاطمہ بنت الرسول ﷺ کا مہر بنی۔ ❶

امام احمد رحمہ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک مخملی چادر، ایک گھڑا اور چمڑے کے بنے ایک تکیہ (جس میں اِذخر نامی گھاس بھری ہوئی تھی) کے ساتھ رخصت کیا تھا۔ ❷

❋❋❋❋

---

❶ البدایہ والنہایہ: ۳/۳٤٦۔ ❷ مسند احمد: ١/١٠٤، اس کی سند صحیح ہے۔

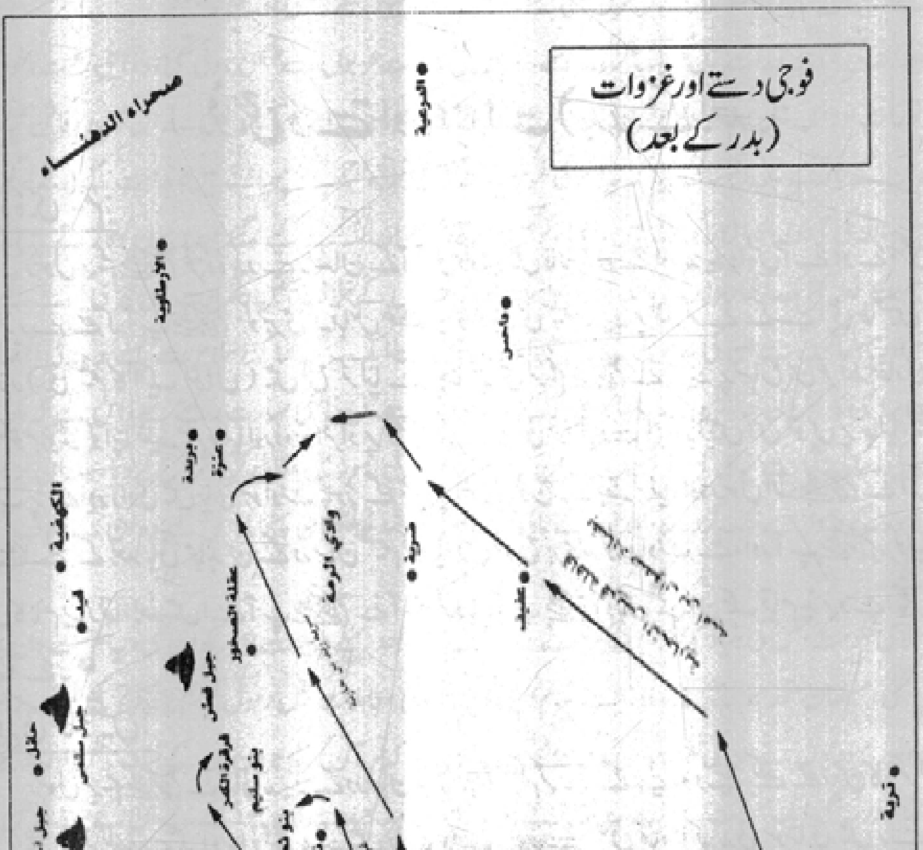
فوجی دستے اور غزوات
(بدر کے بعد)

فوجی دستے اور غزوات (بدر کے بعد)

غزوۂ بنی سلیم:

رسول کریم ﷺ غزوۂ بدر سے رمضان کے آخری دنوں میں فارغ ہوئے اور مدینہ واپس آئے ہوئے ابھی سات دن ہی گزرے تھے کہ آپ ﷺ کو خبر ملی کہ قبائلِ غطفان کا قبیلہ بنی سلیم مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے اپنی طاقتیں مقام قرقرۃ الکدر (بنی سلیم کا ایک کنواں) میں جمع کر لیا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ پر سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ یا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور دو سو افراد پر مشتمل ایک فوج کی خود قیادت کی اور انہیں اس کنویں پر جالیا، لیکن وہ سب بھاگ پڑے اور وادی میں پانچ سو اونٹ چھوڑ گئے جن پر اسلامی فوج نے قبضہ کر لیا، اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا پانچواں حصہ نکالنے کے بعد باقی مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا، اس طرح ہر مجاہد کو دو اونٹ ملے، اور آپ ﷺ کو ایک غلام ملا، جس کا نام یسار تھا، بعد میں اسے آپ ﷺ نے آزاد کر دیا۔ آپ ﷺ وہاں تین دن تک قیام پذیر رہے، پھر مدینہ واپس چلے آئے۔ ❶

یہود کی سازشیں:

رسول کریم ﷺ نے اہالی مدینہ کے درمیان تعلقات کو منظم کرنے کے لیے دو وثیقے لکھے تھے، جن کا ذکر گزر چکا ہے، وہاں میں نے لکھا ہے کہ دوسرا وثیقہ مدینہ میں رہنے والے یہود سے متعلق تھا، تاکہ مدنی سوسائٹی میں رہنے والے تمام مسلمانوں اور یہود کے لیے امن وسکون بحال رکھا جائے، اور مسلمانوں نے اس وثیقہ کی ایک ایک بات کو نافذ العمل بنانے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن یہود جن کی تاریخ دھوکہ دہی، خیانت، بدعہدی، اور قتل انبیاء جیسے گناہوں سے بھری پڑی ہے، انہوں نے اپنی پرانی خبیث عادت کے مطابق اس وثیقہ کا لحاظ نہیں کیا اور نبی کریم ﷺ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے لگے، اور مشرکوں کے ساتھ خفیہ تعلقات قائم کر کے اپنی پرانی دشمنی کے مطابق اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے پروگرام بنانے لگے۔ اور میں نے گزشتہ صفحات میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں سے بعض نے بظاہر اسلام قبول کر لیا، لیکن ان کی پوشیدہ دشمنی طویل مدت تک چھپی نہ رہی۔ اس لیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو علانیہ ایذا پہنچانے لگے، اور آپ ﷺ کے بارے میں بُرے کلمات استعمال کرنے لگے، اور اپنی شاعری میں مسلمان عورتوں کے ساتھ شوق تغزل کی تکمیل کرنے لگے، اور راستہ چلتے مسلمان عورتوں کو چھیڑنے لگے۔

اس عداوت کا اولین سبب ان کے دل میں چھپا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف حسد تھا، اس لیے کہ اسلام سے پہلے مدینہ کے عرب قبائل کے نزدیک یہود کا ایک خاص مقام تھا، عرب اپنے بہت سے معاملات میں ان سے رائے مشورہ لیا

---

❶ السیرة النبویة، ابن کثیر: ۲/۵۳۹.

کرتے تھے، اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ انہیں انبیاء سے ورثہ میں آسمانی علم ملا ہے، چنانچہ جب اسلام آیا اور نبی کریم ﷺ مسلمانوں کے لیے ان کے تمام معاملات میں مرجع بن گئے، تو عرب ان یہود سے مستغنی ہو گئے۔

یہ یہود اللہ کی کتاب تورات میں تحریف کرتے تھے، اور ان کی یہ بات عربوں سے چھپی ہوئی تھی، وہ اپنی رغبت و خواہش کے مطابق تورات اور اس میں موجود احکام شرعیہ میں تصرف کرتے تھے، اور جب اسلام آیا تو اس نے ان کا پردہ فاش کیا، اور قرآن نے ان کے بارے میں انکشاف کیا کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتاب کو چھپاتے ہیں، ہدایت کے بدلے گمراہی خریدتے ہیں، اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں، انبیاء کو قتل کرتے ہیں، اور اللہ سے کیے گئے عہد و پیمان کو توڑتے ہیں۔ ان باتوں سے یہود کا غصہ بھڑک اٹھا، اور رسول اللہ ﷺ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض و عداوت میں تیزی کرنے لگے۔

اسلام اور مسلمانوں سے ان کی عداوت کے ظاہری اسباب میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اسلام سے پہلے مدینہ کی اقتصادی نقل و حرکت پر انہی کا کنٹرول تھا، لیکن جب مہاجرین آئے جو امور تجارت میں خاصی مہارت رکھتے تھے، اس لیے کہ مکہ میں ان کی زندگی کی اساس تجارت پر ہی تھی، تو انہوں نے ان یہود کا تمام تجارتی امور میں مقابلہ کرنا شروع کر دیا، بلکہ ان پر بہت سے تجارتی امور کے دروازے تنگ کر دیے، اور ان کے مالی اثر و رسوخ کو شدید نقصان پہنچایا، اس لیے وہ ان کے خلاف بغض و کینہ رکھنے لگے۔

نیز اسلامی حکومت جس کی بنیاد نبی کریم ﷺ نے مدینہ آنے کے بعد پہلے دن سے ہی رکھ دی تھی، یہ حکومت دن بدن مضبوط ہوتی گئی، مسلمان متحد ہوتے گئے، اور اپنے تمام دینی اور دنیاوی معاملات میں رسول کریم ﷺ کی طرف رجوع کرنے لگے، اور یہودیوں سے ان کی نفرت دن بدن بڑھتی گئی۔ اس لیے کہ قرآن کریم ہر دن ان کے خبث باطن اور بدنیتی کو ظاہر کرنے لگا، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مدینہ میں رہنے والے انصار عہد بعید سے ان یہود کے لیے ان کے خبث باطن اور عربوں کے درمیان قدیم عداوتوں کو بھڑکانے کے سبب اپنے دلوں میں شدید نفرت رکھتے تھے۔

انہی اسباب کی بنیاد پر یہود اسلام اور مسلمانوں سے شدید بغض اور کینہ رکھتے تھے، اور اس کے بُرے آثار مدنی سوسائٹی میں یہودیوں کی سازشوں، نبی کریم ﷺ کو ان کی ایذا رسانی، اور مسلمان عورتوں سے تغزل کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے کچھ ایسی کارروائیاں ضروری سمجھیں جن کے ذریعہ ان یہود کی ناپاک سازشیں روک دی جائیں۔

اسی سلسلے کی کڑی وہ فوجی دستے اور غزوات ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے یہود کے خلاف نافذ کیا تھا، ذیل میں ان اہم فوجی دستوں اور غزوات کی کچھ تفصیلات درج ہیں:

عصماء بنت مروان یہودیہ کا قتل:

عصماء بنت مروان ایک یہودی عورت تھی، جو اسلام کی عیب جوئی کرتی تھی، اور نبی کریم ﷺ کو ایذا پہنچاتی تھی، اور دوسروں کو آپ ﷺ کے خلاف برانگیختہ کرتی تھی۔ معرکہ بدر کے بعد اس نے اپنے اشعار میں مسلمانوں کی ہجو کی، عمیر بن عدی بن خرشہ رضی اللہ عنہ نے جب اس کے وہ اشعار سنے تو انہوں نے نذر مانی کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو بدر سے بحفاظت تمام مدینہ واپس پہنچا دیں گے تو وہ آپ ﷺ سے اس یہودیہ کو قتل کر دینے کی اجازت لیں گے۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ بحفاظت تمام اور کامیاب وکامران واپس لوٹے تو عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار نیام سے کھینچ لی اور رات کی تاریکی میں اس عصماء بنت مروان یہودیہ کے گھر میں گھس گئے، اس وقت وہ سوئی ہوئی تھی، انہوں نے اس کے سینے میں اپنی تلوار اُتار دی، پھر لوٹ کر مسجد نبوی میں آئے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: کیا تم نے مروان کی بیٹی کو قتل کر دیا، انہوں نے کہا: ہاں، یا رسول اللہ! اس کے لیے مجھ پر کچھ ذمہ داری آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے قتل پر کوئی آدمی اعتراض کرنے والا نہیں ملے گا جو اس کا بدلہ لینا چاہے۔ یہ واقعہ ماہِ رمضان سن دو ہجری کا ہے۔ ❶

ابو عفک یہودی کا قتل:

یہ شخص بھی مسلمانوں میں شرانگیزی اور ایذا رسانی کا بہت بڑا مجرم تھا، مشرکوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف ورغلاتا تھا، اور اپنے اشعار اور کلام میں مسلمانوں کی ہجو کرتا تھا، آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: کون ہے جو اس خبیث کو قتل کر دے؟ سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس بات کی نذر مانتا ہوں کہ ابو عفک کو قتل کر دوں گا، یا اس راہ میں اپنی جان دے دوں گا۔

سالم بن عمیر اس کام کے لیے موقع کی تلاش میں رہے، یہاں تک کہ ماہِ رمضان سن دو ہجری کی ایک رات میں اس کے گھر پہنچے اور اسے قتل کر دیا، اور اپنی نذر پوری کرنے اور رسول اللہ ﷺ کا حکم نافذ کرنے کے بعد اپنے گھر واپس آ گئے۔

یہی ہے بدلہ ان لوگوں کا جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَـٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْـَٔاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾﴾ [المائدہ: ۳۳]

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں، اور زمین میں فساد پھیلانے میں لگے رہتے ہیں، ان کا بدلہ یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا انہیں سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں، یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے، یہ رسوائی ان کے لیے دنیا میں ہے، اور آخرت میں انہیں عذاب عظیم دیا جائے گا۔" ❷

❁❁❁❁

---

❶ سرایا وغزوات النبی ﷺ: ص / ۳۴

❷ حوالہ سابقہ۔

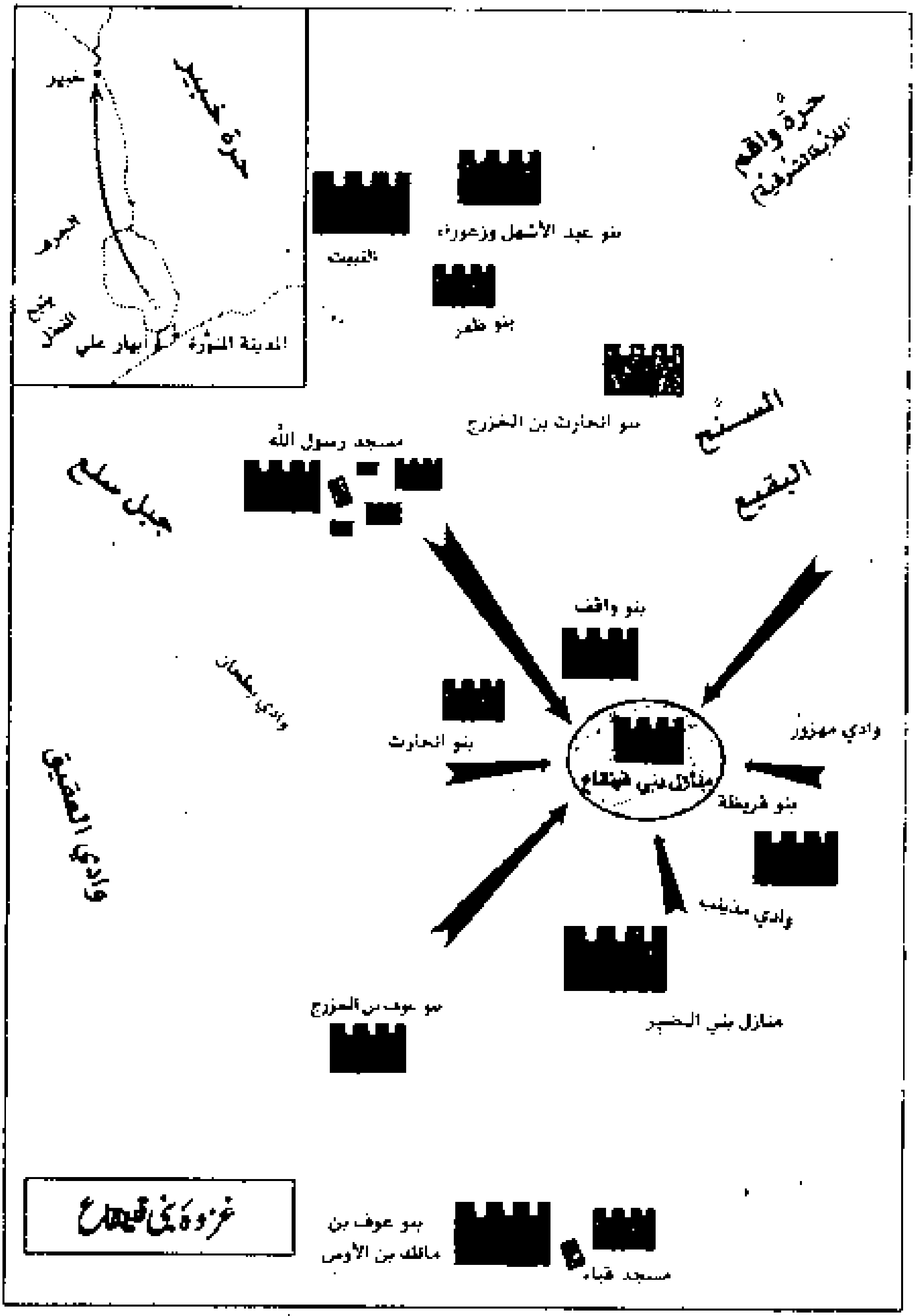
خيبر
حرة خيبر
الجرف
المدينة المنورة
حرة واقم
الناحية الشرقية
بنو عبد الأشهل وزعوراء
بنو ظفر
بنو الحارث بن الخزرج
السنح
البقيع
مسجد رسول الله
جبل سلع
بنو واقف
وادي بطحان
بنو الحارث
وادي مهزور
منازل بني قينقاع
بنو قريظة
وادي مذينيب
وادي العقيق
بنو عوف بن الخزرج
منازل بني النضير
غزوة بني قينقاع
بنو عوف بن
مالك بن الأوس
مسجد قباء

غزوۂ بنی قینقاع

یہودِ بنی قینقاع کی بدعہدی:

نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں اور یہود کے درمیان امن وامان قائم رکھنے کے لیے جو وثیقہ لکھا تھا، اُس کا یہودِ مدینہ نے بالعموم کوئی لحاظ نہیں کیا، اور بالخصوص یہودِ بنی قینقاع جو مدینہ میں انہی کے نام سے ایک محلہ میں رہائش پذیر تھے، یہ لوگ سنار، لوہار، اور گھریلو ساز وسامان اور آلاتِ جنگ بنانے والے تھے، اور ان کے جنگ کرنے والے جوانوں کی تعداد تقریباً سات سو تھی، اور تمام یہود میں اپنی شجاعت وبہادری میں مشہور تھے۔

جب اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں کو معرکۂ بدر میں فتح ونصرت سے نوازا تو ان کا غیظ وغضب اور بغض وحسد بھڑک اُٹھا اور کھل کر انگیزی، دشمنی اور بغاوت وسرکشی پر آمادہ ہوگئے۔ چنانچہ ایک دن نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ بنو قینقاع کے بازار میں گئے، انہیں جمع کیا، نصیحت کی اور انہیں اُن کا عہد وپیمان یاد دلایا، اور ان سے کہا کہ وہ عقل کے ناخن لیں، اور انہیں بغاوت اور تکبر کے بُرے انجام سے ڈرایا، لیکن ان کی شر انگیزی اور کبر وغرور میں مزید اضافہ ہوگیا۔

امام ابوداود رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بازارِ بنی قینقاع میں جمع کرکے کہا کہ اے جماعتِ یہود! اللہ سے ڈرو، اور اس طرح کے عذاب سے جیسا قریش پر نازل ہوا، اور اسلام لے آؤ، تم سب جانتے ہو کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا نبی ہوں، یہ بات تمہاری کتاب میں لکھی ہوئی ہے، اور اللہ نے تم سے مجھ پر ایمان لانے کا عہد وپیمان لے رکھا ہے۔ انہوں نے کہا: اے محمد (ﷺ)! تم ہمیں اپنی قوم جیسا سمجھ رہے ہو، تمہیں یہ بات دھوکے میں نہ ڈال دے کہ تمہاری مڈبھیڑ ایک ایسی قوم سے ہوئی تھی جسے جنگ کرنے کا کوئی علم نہ تھا، تم نے اُن کی اس لاعلمی کا فائدہ اٹھایا ہے، اللہ کی قسم! اگر ہم نے تم سے جنگ کی تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ جنگ کرنا ہمارا کام ہے، اور یہ کہ ابھی ہم جیسوں سے تمہیں سابقہ نہیں پڑا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مزید کہا: انہی کے بارے میں مندرجہ ذیل آیتیں نازل ہوئی ہیں:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ⑬﴾ [آل عمران: ۱۲-۱۳]

"آپ کافروں سے کہہ دیجیے کہ تم عنقریب مغلوب ہوگے، اور جہنم کی طرف لے جانے کے لیے جمع کیے جاؤگے، اور وہ بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہے، یقیناً تمہارے لیے دونوں گروہوں میں ایک نشانی تھی، جو ایک دوسرے کے مقابل میں آگئے، ایک گروہ اللہ کی راہ میں قتال کر رہا تھا، اور دوسرا کافروں کا گروہ مسلمانوں کو اپنی ظاہری آنکھوں سے اپنے سے دوگنا دیکھ رہا تھا، اور اللہ اپنی مدد کے ذریعے جس کی چاہتا ہے تائید فرماتا ہے، بے شک

اس میں اہلِ بصیرت کے لیے عبرت ہے۔'' ❶

انہی دنوں ایک مسلمان عورت جس کی شادی اس کے خاندان سے باہر ایک انصاری سے ہوئی تھی، بازار بنی قینقاع میں آئی، اور ایک سنار کے پاس اس سے اپنا زیور لینے کے لیے بیٹھی، ایک یہودی نے اس کے پیچھے چپکے سے آ کر اس کے کپڑے کو ایک کانٹے کے ذریعہ اس کی پشت سے اٹکا دیا، عورت جب کھڑی ہوئی تو اس کی شرمگاہ کھل گئی اور یہود ہنسنے لگے، وہ عورت چیخ پڑی، اس کی آواز سن کر ایک مسلمان پہنچ گیا، اور اس نے یہودی کو قتل کر دیا، بنو قینقاع کے یہود نے اس مسلمان کو گھیر کر قتل کر دیا، اُس مسلمان کے خاندان والے دیگر مسلمانوں کے پاس گئے اور حقیقتِ حال سے ان کو آگاہ کیا، مسلمان ناراض ہو گئے، اور یہود نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیے گئے عہد نامے کی خلاف ورزی کا اعلان کر دیا اور اپنے قلعہ میں بند ہو گئے۔ ❷

یہود بنی قینقاع کی جلا وطنی:

جب انہوں نے نقضِ عہد کا اعلان کر دیا اور کھل کر دشمنی کرنے لگے تو مدینہ کے امن وامان کو برقرار رکھنے کے لیے نبی کریم ﷺ کے لیے اس مشکل کا حل تلاش کرنا ضروری ہو گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے مدینہ پر ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو نائب بنا دیا، اور ایک سفید جھنڈا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے کر بنو قینقاع کے محلہ کی طرف روانہ ہو گئے، اور ان قلعوں کا پندرہ دن تک محاصرہ کیے رکھا، جب محاصرہ شدید ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں خوف و دہشت ڈال دی، تو کہنے لگے: کیا ہم ہتھیار ڈال کر اور یہاں سے نکل کر کسی دوسری جگہ جا سکتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں، تمہیں اب میرا فیصلہ ماننا پڑے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے مطابق نیچے اترے، تو آپ نے انہیں باندھنے کا حکم دیا، اور اُن سب کے ہاتھ پاؤں خوب اچھی طرح باندھ دیے گئے، اور اس کام کی نگرانی کے لیے رسول اللہ ﷺ نے منذر بن قدامہ بن عرفجہ انصاری اوسی رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔

اُن کے پاس سے عبداللہ بن اُبی بن سلول گزرا اور کہنے لگا: ان کو کھول دو، منذر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم ان لوگوں کو کھول دو گے جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے باندھا ہے؟ اللہ کی قسم! جو شخص انہیں کھولے گا، میں اس کی گردن مار دوں گا، اِسی ابن ابی نے انہیں قلعہ میں بند ہونے کو کہا تھا، اور کہا تھا کہ وہ بھی اُن کے ساتھ قلعہ میں داخل ہو گا، لیکن اس نے وعدہ وفا نہیں کیا، اور یہود اپنے قلعوں میں بند رہے، نہ ایک تیر چلایا اور نہ جنگ کی، یہاں تک کہ انہیں اپنی جانوں، اپنے اموال اور اپنی عورتوں اور اپنی اولاد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ماننے کا وعدہ کرنے کے بعد قلعہ سے نیچے اُترنے کی اجازت ملی۔ ❸

ابن اُبی بن سلول کا موقف بنی قینقاع سے متعلق:

ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنو قینقاع کا محاصرہ کیا، اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو ماننے کا وعدہ کر لیا، تو عبداللہ بن اُبی بن سلول جو خزرجی تھا، اور اسلام سے پہلے بنو قینقاع کے حلیفوں میں سے تھا،

---

❶ سنن ابوداؤد، حدیث: (۳۰۰۱) اور سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۴۷۔

❷ سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۴۸، مغازی الواقدی: ۱/ ۱۷۶، ۱۷۷، ابن سید الناس: ۱/ ۲۹۵۔

❸ غزوات النبی للیہود: ص/ ۱۶۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا، اور کہا: اے محمد (ﷺ)! میرے حلیفوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرو، تو آپ ﷺ نے اس سے رُخ پھیر لیا، لیکن اس نے آپ ﷺ کے کُرتے کے گریبان میں اپنا ہاتھ ڈال دیا، آپ ﷺ نے کہا: مجھے چھوڑ دو، اور آپ ناراض ہو گئے، یہاں تک کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر اس کا اثر دیکھا جانے لگا، آپ نے اس سے پھر کہا: تمہارا بُرا ہو مجھے چھوڑ دو، اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا، یہاں تک کہ تم میرے حلیفوں کے بارے میں اچھا معاملہ کرنے کا وعدہ کر دو۔ چار سو ننگے سر والے اور تین سو زرہ پوش افراد نے سرخ و سیاہ سے میرا دفاع کیا ہے، تم اُن سب کو ایک دن میں ہلاک کر دینا چاہتے ہو، اللہ کی قسم! میں اس کے برے نتائج سے ڈرتا ہوں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جاؤ، یہ سب تیرے لیے آزاد ہیں۔ ❶

عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا موقف:

عبادہ بن صامت کا تعلق بنوعوف سے تھا، اور اللہ اور اس کے رسول کے لیے نہایت مخلص تھے، اور یہود کے ساتھ ان کی قوم کا ویسا ہی معاہدہ تھا جیسا ابن ابی کا اُن یہود کے ساتھ، لیکن اللہ اور اس کے رسول سے ان کی محبت اور ان دونوں کے لیے ان کی مکمل وفاداری کا یہ تقاضا ہوا کہ انہوں نے اُن یہود سے اعلانِ براءت کر دیا، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے محبت رکھتا ہوں، اور ان کافروں کے عہد اور ان کی دوستی سے براءت کا اعلان کرتا ہوں۔

ابن اُبی نے کہا: تم نے اپنے حلیفوں سے اعلانِ براءت کر دیا، اور انہیں اُن واقعات کی یاد دلائی جن میں یہود نے ان کا ساتھ دیا تھا، تو عبادہؓ نے کہا: ابوالحباب! دلوں میں فرق آ گیا، اور اسلام نے تمام عہد ناموں کو ختم کر دیا۔ اللہ کی قسم! تم ایک ایسی بات پر جمع ہوئے ہو، جس کا بُرا انجام کل دیکھ لوگے، عبادہؓ اور ابن ابی کے بارے میں ہی سورۃ المائدہ کی مندرجہ ذیل آیتیں نازل ہوئیں:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَن تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴿٥٣﴾ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٤﴾ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿٥٥﴾ وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٥٦﴾﴾ [المائدة: ٥١-٥٦]

''اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ، وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں، اور

❶ سیرۃ ابن هشام: ٢/ ١٤٨، اس کی سند صحیح ہے، دلائل البیهقی: ٣/ ١٧٤.

تم میں سے جو کوئی انہیں اپنا دوست بنائے گا وہ بے شک انہی میں سے ہو جائے گا، بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا، اس لیے آپ ان لوگوں کو جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے، دیکھ رہے ہیں کہ ان میں مل جانے کے لیے جلدی کر رہے ہیں، کہتے ہیں، ڈر ہے کہ ہمیں کوئی مصیبت لاحق ہو جائے گی، پس توقع ہے کہ اللہ (مسلمانوں کے لیے) فتح یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز بھیج دے، پھر وہ ان باتوں پر نادم ہوں جنہیں اپنے دلوں میں چھپا رکھا تھا، اور ایمان والے کہیں گے، کیا یہی ہیں وہ لوگ جو اللہ کے نام کی بڑی شدید قسمیں کھایا کرتے تھے کہ وہ لوگ یقیناً تمہارے ساتھ ہیں، ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور گھاٹا اٹھانے والے ہو گئے۔ اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا، تو اللہ تعالیٰ عنقریب ایسے لوگوں کو لائے گا، جن سے اللہ محبت کرے گا، اور وہ اللہ سے محبت کریں گے، جو مومنوں کے لیے نرم خو اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑی بخشش والا، بڑا علم والا ہے۔ بے شک تم لوگوں کے دوست اللہ اور اس کے رسول اور مومنین ہیں، جو نمازوں کو صحیح طریقے پر ان کے اوقات میں ادا کرنے کی پابندی کرتے ہیں، اور زکاۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ کے لیے خشوع و خضوع اختیار کرنے والے ہوتے ہیں، اور جو اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی رکھے گا، تو بے شک اللہ والے ہی غالب ہوں گے۔'' ❶

بنی قینقاع سے متعلق ابن ابی کے موقف کی مزید تفصیلات:

ابن اُبی نے جب ان یہود کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بات کی تو آپ انہیں قتل کرنے سے رُک گئے اور حکم دیا کہ انہیں مدینہ سے نکال دیا جائے، ابن ابی دوبارہ اپنے دیگر حلیفوں کے ساتھ آیا، اُس وقت یہود نکل رہے تھے، اور رسول اللہ ﷺ سے بات کرنی چاہی کہ انہیں ان کے گھروں میں رہنے دیا جائے، اُس نے رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ کو پایا، جب اس نے داخل ہونا چاہا تو عویم رضی اللہ عنہ نے اسے روک دیا اور کہا: مت داخل ہو، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں اجازت دے دیں، یہ سن کر ابن ابی نے ان کو دھکا دیا، تو عویمؓ اس کے ساتھ سختی پر اُتر آئے، یہاں تک کہ ابن اُبی کے چہرے کو دیوار سے ٹکرا کر زخمی کر دیا، اور اس کا خون بہنے لگا، تب اس کے یہود حلفاء چیخنے لگے اور کہنے لگے: اے ابوالحباب! ہم ایسے گھر میں ہرگز نہیں رہیں گے جس میں مسلمانوں نے آپ کے چہرے کو زخمی کر دیا ہے۔ ❷

غنائم بنی قینقاع:

جب بنو قینقاع نے نیچے اُتر کر اپنے قلعہ کا دروازہ کھولا، اور باہر نکل گئے، تو محمد بن مسلمہؓ نے ان کے تمام مال و اسباب کو اپنے قبضے میں کر لیا، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہتھیاروں میں سے تین ''قَسِیّ''، دو زرہیں، تین تلوار اور تین نیزے لے

❶ صحیح السیرۃ النبویۃ: ص / ۲٦۹، ۲۷۰، اور اس کی سند صحیح ہے، صحیح السیرۃ النبویۃ، ابن ھشام: ۲/ ٤۹، ۵۰، دلائل البیھقی: ۳/ ۱۷٤، ۱۷۵

❷ غزوات النبی سعود: ص / ۱۸.

لیے، مسلمانوں کو ان کے قلعوں میں بہت سے ہتھیار اور زرگری کے آلات ملے، اور رسول اللہ ﷺ نے ایک زرہ محمد بن مسلمہؓ کو اور ایک سعد بن معاذؓ کو دی، یہ یہود زمینوں اور کھیتوں کے مالک نہیں تھے، اس لیے کہ ان کا پیشہ زرگری تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان تمام اموالِ غنیمت کے پانچ حصے کیے، ایک حصہ اپنے پاس رکھا، اور باقی صحابہ میں تقسیم کر دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان یہود کو مدینہ سے باہر کر دیں، عبادہؓ نے ان سے کہا: تمہارے لیے صرف تین دن کی مہلت ہے اور یہ تو رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے، اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں تمہیں سانس لینے کی بھی اجازت نہیں دیتا، چنانچہ تین دن گزرنے کے بعد عبادہؓ ان کے پیچھے نکلے، یہاں تک کہ وہ تمام کے تمام شام کی طرف جانے والے راستے پر چل پڑے۔ اور انہوں نے اپنے بال بچوں کو اونٹوں پر بٹھا لیا اور خود پیدل چلنے لگے، جب وادی قُریٰ میں پہنچے تو وہاں ایک مہینہ قیام کیا، وادی قُریٰ کے یہود نے اُن میں سے پیدل چلنے والوں کو سواریاں مہیا کیں، اور وہ سب کے سب مقام اذرعات کی طرف پہنچ گئے جو بلقاء اور عمان کے درمیان شام کے علاقے میں واقع ہے، اور وہاں قیام پذیر ہو گئے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں: انہی کے بارے میں مندرجہ ذیل آیتیں نازل ہوئیں:

﴿قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰیَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ؕ وَ اللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ۝﴾ [آل عمران: ۱۲۔ ۱۳]

’’آپ کافروں سے کہہ دیجیے کہ تم عنقریب مغلوب ہو گے، اور جہنم کی طرف لے جانے کے لیے جمع کیے جاؤ گے، اور وہ بڑا ہی برا ٹھکانا ہے، یقیناً تمہارے لیے دونوں گروہوں میں ایک نشانی تھی، جو ایک دوسرے کے مقابل میں آ گئے، ایک گروہ اللہ کی راہ میں قتال کر رہا تھا، اور دوسرا کافروں کا گروہ مسلمانوں کو اپنی ظاہری آنکھوں سے اپنے سے دوگنا دیکھ رہا تھا، اور اللہ اپنی مدد کے ذریعے جس کی چاہتا ہے تائید فرماتا ہے، بے شک اس میں اہلِ بصیرت کے لیے عبرت ہے۔‘‘ ❶

کعب بن اشرف کا قتل:

جمہور علماء کا خیال ہے کہ کعب بن اشرف غزوۂ بدر کے بعد اور غزوۂ بنی نضیر سے پہلے قتل کیا گیا، اور واقدی نے تو اس کی تعیین کر دی ہے، اور لکھا ہے کہ یہ واقعہ ۱۴ ربیع الاول سن تین ہجری یعنی ہجرت نبوی کے تقریباً پچیس ماہ بعد کا ہے۔ ❷

یہ شخص قبیلہ طی کا تھا، اور اس کی ماں عقیلہ بنت ابی الحقیق بنی نضیر کی تھی، کعب کا باپ ان کا حلیف تھا، اور انہی لوگوں میں اس نے شادی کی۔ یہ کعب اسلام اور مسلمانوں سے بغض و حسد رکھنے والے یہودیوں میں سب سے زیادہ شدید تھا، اور دیگر یہودیوں کی طرح اسے بھی امید تھی کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو شکست ہو گی، لیکن معاملہ ایسے تمام بدخواہوں کی توقع کے خلاف

---

❶ سنن ابی داود: ۳/ ۲، ۳۰۰۱، فتح الباری: ۷/ ۳۳۲، حافظ ابن حجرؒ نے ابن اسحاق کی سند پر ’’حسن‘‘ کا حکم لگایا ہے۔

❷ المغازی، واقدی: ۱/ ۱۸۴.

رہا، جب اسے سردارانِ قریش کے قتل اور اکثر کے پابند سلاسل کیے جانے کی خبر ملی تو غصہ سے لوٹ پوٹ کھانے لگا، اور شدید غمگین ہوا۔ اس نے غزوۂ بدر سے صرف ایک ماہ پہلے بطور نفاق اپنے اسلام کا اعلان کر دیا تھا، جب اسے مسلمانوں کی فتح و نصرت کی خبر ملی تو اس نے کہا: کیا یہ بات صحیح ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ محمد (ﷺ) نے اُن تمام لوگوں کو قتل کر دیا، جن کے نام زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہما) نے بتائے ہیں، یہ لوگ تو سردارانِ عرب اور شاہانِ سرزمین تھے، اللہ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) نے ان لوگوں کو قتل کر دیا ہے تو پھر ہمارے لیے زمین کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہے۔

جب کعب نے خبر کی تصدیق کر لی اور اپنی آنکھوں سے قیدیوں کو دیکھ لیا، تو اپنے دل میں شر چھپائے مکہ گیا، اور مشرکین مکہ کے ذہنوں کو کینہ اور نفرت کے زہر سے مسموم کرنے لگا، اور مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے انہیں آمادہ کرنے لگا، پھر مدینہ واپس آ گیا، تاکہ قریش کے ساتھ کیے گئے معاہدہ کے مطابق عمل کرے، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو گالیاں دینے لگا، جھوٹی خبریں پھیلانے لگا، اور مسلمان عورتوں کے ساتھ تغزل اور اُن کا بُرے الفاظ کے ساتھ ذکر کرنے لگا، اور اپنی سرکشی اور بے ادبی میں حد سے آگے بڑھ گیا، اور کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت اسے ان حرکتوں سے باز نہ رکھ سکی، حالانکہ اس سے پہلے اس نے اپنی قوم بنی نضیر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا، اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا، جس طرح ایک حلیف اپنے حلیف کے ساتھ کرتا ہے، لیکن خبیث نے عہد توڑ دیا تھا اور شرانگیزی شروع کر دی تھی۔

ان تمام غلط کارروائیوں، بدسلوکیوں، اور مسلمان عورتوں کے لیے بُرے الفاظ کا استعمال سن کر رسول اللہ ﷺ کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا کہ اس منحوس اور بدتمیز آواز کو خاموش کر دیا جائے اور اس سے نجات حاصل کر لی جائے، قبل اس کے کہ یہ فتنہ مزید سر اُٹھائے اور دوسرے منافقین کی ہمت بڑھے جو شب و روز مسلمانوں کی شکست اور ناکامی کا انتظار کرتے رہتے تھے۔

اس لیے رسول اللہ ﷺ نے کعب بن اشرف کا خون مباح کر دیا اور صحابہ کرام سے کہا: کون ہے جو کعب بن اشرف کا کام تمام کر دے، اس لیے کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو بہت تکلیف پہنچائی ہے۔ یہ سن کر محمد بن مسلمہؓ کھڑے ہوئے جیسا کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الصحیح میں ذکر کیا ہے ❶ اور کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، ابن مسلمہؓ نے کہا: آپ مجھے کچھ کہنے کی اجازت دے دیجیے۔ محمد بن مسلمہؓ اس کے پاس آئے، اور کہا: یہ آدمی ہم سے ہمیشہ صدقہ مانگتا رہتا ہے، اور اس نے ہمیں پریشان کر ڈالا ہے، اور میں تمہارے پاس کچھ قرض کے لیے آیا ہوں، کعب نے کہا: ہاں تم لوگ یقیناً اس سے تنگ اور عاجز آ جاؤ گے، ابن مسلمہؓ نے کہا: ہم نے تو اب اس کی پیروی کر لی ہے، اب ہم اسے چھوڑنا نہیں چاہتے، یہاں تک کہ دیکھ لیں کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ اور ہم اس لیے آئے ہیں کہ تم ہمیں قرض دو، اس نے کہا: ہاں، لیکن میرے پاس کچھ رہن رکھو، میں نے کہا: کیا چیز چاہتے ہو؟ اس نے کہا: تم اپنی

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث: (٤٠٣٧)؛ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، حدیث: (١٨٠١)؛ ابوداؤد، حدیث: (٢٧٦٨)۔

عورتیں میرے پاس رہن رکھو، انہوں نے کہا: ہم اپنی عورتیں تمہارے پاس کیسے رہن رکھیں، جب کہ تم عربوں میں سب سے خوبصورت ہو، اس نے کہا: تو اپنے بیٹے میرے پاس رہن رکھو، انہوں نے کہا: ہم اپنے بیٹے تمہارے پاس کیسے رہن میں رکھ دیں، یہ تو ہمارے لیے گالی ہوگی، لوگ کہیں گے، فلاں آدمی ایک یا دو وسق کھجور کے بدلے رہن رکھا گیا تھا، یہ ہمارے لیے باعث عار ہوگا، لیکن ہم تمہارے پاس اپنے ہتھیار بطور رہن رکھ دیں گے۔ سفیان کہتے ہیں: ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ جب مسلمان اس کے پاس ہتھیار لے کر پہنچیں تو اسے حیرت نہ ہو۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس سے رات میں آنے کا وعدہ کیا، اور ان کے ساتھ ابو نائلہ (سلکان بن سلامہ، کعب کے رضاعی بھائی) بھی آئے، کعب نے انہیں اپنے قلعے کے پاس بلایا، اور وہ اتر کر نیچے آیا، اس کی بیوی نے اس سے کہا: تم اس وقت کہاں جا رہے ہو؟ میں ایسی آواز سن رہی ہوں جس سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں، اس نے کہا: وہ میرا بھائی محمد بن مسلمہ اور میرا دودھ شریک ابو نائلہ ہیں، کریم آدمی کو اگر رات میں نیزہ مارنے کے لیے بھی بلایا جاتا ہے تو چلا جاتا ہے۔

راوی کہتے ہیں: محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ مزید دو آدمی لے لیے تھے، اور کہا تھا کہ جب کعب آجائے تو میں اس کے بال پکڑ کر اسے جھکاؤں گا، اور اس کی خوشبو سونگھوں گا، تم لوگ جب دیکھ لو کہ میں نے اس کے سر کو اچھی طرح اپنے قابو میں کر لیا ہے تو تیزی میں بڑھ کر اس پر ضرب لگاؤ۔

کعب ان کے پاس اپنی چادر اوڑھے ہوئے اترا، اس کے جسم سے خوشبو آ رہی تھی، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ایسی خوشبو آج سے پہلے کبھی نہیں سونگھی تھی، کعب نے کہا: میرے پاس ان دنوں عرب کی سب سے خوبصورت اور سب سے خوشبودار عورت ہے۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم مجھے اپنا سر سونگھنے کی اجازت دو گے، اس نے کہا: ہاں، انہوں نے پہلے خود سونگھا، پھر اپنے ساتھیوں کو سونگھنے کے لیے کہا: محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے پھر کہا: کیا تم مجھے دوبارہ اس کی اجازت دو گے، اس نے کہا: ہاں، جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اچھی طرح اسے اپنے قابو میں کر لیا تو کہا: تم لوگ جلد اسے قتل کر ڈالو۔ پھر وہ تمام صحابہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو اس کے قتل کی خبر سنائی۔

موسیٰ بن عقبہؒ نے لکھا ہے: کعب بن اشرف جب مکہ میں تھا، تو اس سے ابو سفیان نے کہا: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، بتاؤ، ہمارا دین اللہ کو زیادہ پسند ہے یا محمد اور اس کے ساتھیوں کا دین، اور تمہاری رائے میں ہم میں سے کون زیادہ ہدایت یافتہ اور حق سے زیادہ قریب ہے؟ ہم موٹی تازی اونٹنیاں ذبح کر کے لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور پانی کے بعد دودھ پلاتے ہیں اور جب تک شمالی ہوا چلتی رہتی ہے لوگوں کو کھانا کھلاتے رہتے ہیں، کعب بن اشرف نے اس سے کہا: تم لوگ ان سے زیادہ سیدھی راہ پر ہو۔

تب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر مندرجہ ذیل آیتیں نازل فرمائیں:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝٥١ اُولٰۤىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ

نَصِیْرًا ﴿۵۲﴾ [النساء: ۵۱ - ۵۲]

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتابِ الٰہی کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ وہ بتوں اور شیطانوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں کے مقابلہ میں زیادہ صحیح راستہ پر ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت بھیج دی ہے، اور جس پر اللہ لعنت بھیج دے، آپ اُس کا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔''

موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق لکھتے ہیں: کعب بن اشرف مدینہ آنے کے بعد اپنی دشمنی کا اعلان اور لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرنے لگا، اور مکہ سے اس وقت تک نہیں نکلا جب تک کہ سب نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ نہیں کرلیا، اور ام الفضل ابن الحارث رضی اللہ عنہا اور دوسری مسلمان عورتوں کے ساتھ اپنی شاعری میں تغزل کرنے لگا، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کون ہے جو ابن الاشرف کا کام تمام کردے؟ تو محمد بن مسلمہؓ (جو بنی عبدالاشہل کے بھائی تھے) نے آپ سے کہا: میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں، اے اللہ کے رسول! میں اسے قتل کردوں گا۔

اس قتل میں مندرجہ ذیل صحابہ کرام نے حصہ لیا: محمد بن مسلمہ اور سلکان بن سلامہ بن وقش ابو نائلہ (جو کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے) اور عباد بن بشر بن وقش اور حارث بن اوس بن معاذ (یہ سب بنو عبدالاشہل کے تھے) اور ابو عبس بن جبر (قبیلۂ بنی حارثہ کے) (رضی اللہ عنہم)۔

ان حضرات نے ابو نائلہ کو اللہ کے دشمن کعب کے پاس پہلے بھیجا، وہ گئے اور اس کے ساتھ ایک گھنٹہ تک بات کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو اشعار سناتے رہے، ابو نائلہ شاعر تھے، پھر انہوں نے کہا: اے ابن الاشرف! میں تمہارے پاس ایک کام کے لیے آیا ہوں، میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں جسے تم اپنے پاس ہی رکھنا، کعب نے کہا: ہاں، میں ایسا ہی کروں گا، ابو نائلہؓ نے کہا: اس آدمی کا ہمارے پاس آنا ہمارے لیے مصیبت کا سبب بن گیا ہے، تمام عرب ہمارے دشمن ہوگئے اور سب نے ہمیں ایک تیر سے مارا ہے، اور ہمارے آنے جانے کے راستے بند کردیے ہیں، ہمارے بال بچے برباد ہوگئے ہیں، ہماری جانیں مصیبت میں ہیں، اور ہم اور ہمارے بال بچے نہایت تنگ دستی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔

کعب نے کہا: میں ابن الاشرف ہوں، اللہ کی قسم! اے ابن سلامہ! میں تمہیں کہتا تھا کہ معاملہ ویسا ہی ہوگا جیسا تم بتا رہے ہو۔

پھر اس سے سلکان نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ تم ہمارے ہاتھ کھانے کی چیز بیچو اور ہم تمہارے پاس رہن رکھیں گے اور لکھ کردیں گے، اور تم ہمارے ساتھ اس بارے میں اچھا برتاؤ کروگے۔

کعب نے کہا: کیا تم اپنے بیٹوں کو میرے پاس رہن رکھو گے؟ انہوں نے کہا: تم ہمیں ذلیل کرنا چاہتے ہو، میرے ساتھ میرے کچھ اور ساتھی ہیں جن کی رائے میری رائے کی طرح ہے اور میں انہیں بھی تمہارے پاس لانا چاہتا ہوں تاکہ ان کے ہاتھ بھی تم کھانے کا سامان بیچو، اور اچھا معاملہ کرو، اور ہم تمہارے پاس ان چیزوں کی قیمت کے برابر ہتھیار رہن رکھ دیں گے۔

سلکان کا مقصد یہ تھا کہ جب یہ لوگ اس کے پاس ہتھیار لے کر آئیں تو اسے حیرت نہ ہو، پھر اس نے کہا: بے شک ہتھیار کے ذریعہ قیمت ادا ہو جائے گی، سلکان اپنے ساتھیوں کے پاس گئے اور ان کو ساری بات بتائی، اور انہیں کہا کہ وہ لوگ اپنے ہتھیار لے لیں، پھر چلیں اور اس کے پاس جمع ہوں۔

یہ سب صحابہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بقیع الغرقد تک ایک ساتھ پیدل گئے، پھر آپ ﷺ نے انہیں نصیحت کی اور کہا: اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو، اے اللہ! تو ان کی مدد فرما، پھر آپ ﷺ اپنے گھر واپس آ گئے، وہ ایک چاندنی رات تھی، اور وہ سب چلتے ہوئے اس کے قلعہ کے پاس پہنچ گئے۔

ابو نائلہؓ نے اسے آواز دی، اس نے ابھی دنوں نئی شادی کی تھی، اس نے اپنے بستر سے چھلانگ لگا دی، اس کی بیوی نے اپنی پیشانی پکڑ کر کہا: تم ایک ایسے آدمی ہو جس کے خلاف اندرونی طور پر جنگ جاری ہے، اور جنگ کرنے والے لوگ ایسے وقت میں اپنے محل سے نیچے نہیں اُترتے۔ اُس نے کہا: یہ تو ابو نائلہ ہے، اگر وہ مجھے سویا ہوا پاتا تو نہ جگاتا، عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کی آواز میں برائی محسوس کر رہی ہوں، کعب نے کہا: اگر جوان کو نیزہ مار دینے کے لیے بھی بلایا جاتا ہے تو وہ چلا جاتا ہے، پھر وہ نیچے اُترا، اور ابو نائلہؓ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ دیر تک بات کرتا رہا، پھر صحابہ نے اس سے کہا: اے ابن الاشرف! کیا تم شعب العجوز نامی مقام تک ہمارے ساتھ چل سکتے ہو، تاکہ وہاں ہم رات کے باقی حصے میں آپس میں بات کریں، اس نے کہا: جیسی تم لوگوں کی مرضی، چنانچہ وہ لوگ وہاں سے نکل کر کچھ دیر تک چلتے رہے۔

پھر ابو نائلہؓ نے اپنا ہاتھ اس کے سر کے بال میں داخل کر دیا اور اپنا ہاتھ سونگھ کر کہنے لگے: آج کی رات کے مانند میں نے کبھی خوشبو نہیں سونگھی ہے، پھر کچھ دیر تک وہ چلتے رہے، پھر دوبارہ اسی طرح کہا، یہاں تک کہ انہیں اطمینان ہو گیا، پھر کچھ دیر تک چلتے رہے، اور پہلے کی طرح اس کے سر کے بال سونگھتے ہوئے اس کے سر کو پوری طرح اپنے قابو میں کر لیا، پھر کہا: مارو اللہ کے دشمن کو، یہ سن کر ان سب کی تلواریں اس پر چلنے لگیں، لیکن وہ اب تک مارا نہیں جا سکا تھا، اور محمد بن مسلمہؓ کی تلوار کی انی لمبی تھی اسے انہوں نے اس کی ناف اور مثانے کے درمیان گھونپ دیا اور اس کو پوری طاقت سے دبایا، یہاں تک کہ پوری انی اس کے جسم میں داخل ہو گئی، اور اللہ کا دشمن پوری طاقت سے چیخنے لگا، اور اس کے بعد گر گیا، اسی دوران حارث بن اوس کا پاؤں یا سر ہم میں سے کسی کی تلوار سے زخمی ہو گیا۔

ہم وہاں سے نکل کر بنو امیہ بن زید کے علاقے سے گزرتے ہوئے بنو قریظہ اور مقام بُعاث سے ہوتے ہوئے حرۃ العریض تک پہنچ گئے، ہمارے ساتھی حارث بن اوس کو ہم تک پہنچنے میں تاخیر ہوئی اور ان کا خون بہہ رہا تھا، ہم لوگ ان کا کچھ دیر تک انتظار کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس ہمارے نقش قدم کو دیکھتے ہوئے پہنچ گئے، ہم نے انہیں اٹھا لیا، اور ان کو لے کر آخری رات میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، اس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے، ہم نے آپ کو سلام کیا، آپ نکل کر ہمارے پاس آئے، ہم نے انہیں اللہ کے دشمن کے قتل کی خبر سنائی اور آپ نے ہمارے ساتھی حارث بن اوس کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا اور ہم سب اپنے گھروں کو واپس چلے گئے، اور اللہ کے دشمن کعب کے ساتھ [illegible] تمام یہود ڈر گئے، اور ہر ایک یہودی اپنے بارے میں ڈرنے لگا۔

واقدی کا خیال ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کعب بن اشرف کا سر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے تھے، واللہ اعلم۔ یہ تھا کعب کی غداری اور اس کی بدعہدی کا انجام جو اسے ملا، اور پرانی مثل ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ ❶

غزوۂ سویق:

میدانِ بدر سے بھاگے ہوئے مشرکین غم سے چور جب مکہ پہنچے، تو ابوسفیان نے نذر مانی کہ وہ جب تک محمد سے جنگ نہیں کرے گا، اپنا سر نہیں دھوئے گا، چنانچہ وہ دوسرے قریشی گھوڑ سواروں کے ساتھ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے نکلا، یہاں تک کہ مدینہ آیا، اور ایک رات سلام بن مشکم یہودی کے پاس ٹھہرا، جس نے اسے شراب پلائی اور لوگوں کی خفیہ خبریں سنائی، یہ آدمی ان دنوں بنی نضیر کا سردار اور ان کا مالدار آدمی تھا۔

ابوسفیان رات کے آخری پہر میں وہاں سے نکل کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا، اور چند قریشی جوانوں کو بھیجا جو مدینہ کے اطراف میں واقع مقام عریض تک پہنچے، اور کھجور کے درختوں کو جلایا اور دو آدمیوں کو قتل کر دیا، اور تیزی کے ساتھ مکہ واپس چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس کی تلاش میں نکلے، اور مدینہ میں ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا دیا، اور مقام قرقرۃ الکدر تک پہنچ گئے، لیکن ابوسفیان نکل چکا تھا، اور کفار نے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے بہت سارا ستو راستہ میں چھوڑ دیا جو مسلمانوں کے ہاتھ آیا، اسی لیے اس کا نام غزوۂ سویق پڑ گیا (عربی میں ستو کو سویق کہتے ہیں) یہ واقعہ معرکۂ بدر کے بعد ماہِ ذی الحجہ سن دو ہجری کا ہے۔ ❷

غزوۂ ذی امر:

غزوۂ سویق کے ایک ماہ بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو نائب بنایا اور نجد کی طرف فوج لے کر قبیلۂ غطفان سے جنگ کے لیے روانہ ہو گئے جو مقام ذی امر میں جمع تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے ہی سب بھاگ پڑے اور جنگ نہیں ہوئی، آپ ﷺ وہاں ماہِ صفر سن تین ہجری تک ٹھہرے رہے پھر مدینہ واپس آ گئے۔

واقدی اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ ذی امر کے کنویں پر جمع ہونے والے قبیلۂ غطفان کے لوگ تھے جو بنی ثعلبہ بن محارب کا ایک قبیلہ تھا، اور مسلمان فوجیوں کی تعداد چار سو پچاس تھی۔

ابن اسحاق نے ان حضرات کی مخالفت کی ہے اور لکھا ہے کہ مسلمان ان سے جنگ کے لیے جمعرات کے دن بارہ ربیع الاول سن تین ہجری کو نکلے تھے۔ ❸

رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس آنے کے بعد ماہ ربیع الاول کے آخر تک وہیں قیام پذیر رہے، پھر قریش کا پیچھا کرنے کے لیے نکلے، اور مدینہ میں اپنا خلیفہ ابن ام مکتومؓ کو مقرر کر دیا، اس بار آپ مکہ اور شام کے درمیان تجارتی راستہ پر واقع بحران تک پہنچے، لیکن کوئی جنگ نہیں ہوئی، آپ وہاں ربیع الآخر اور جمادی الاولیٰ تک ٹھہرے رہے، پھر مدینہ واپس آ گئے۔

---

❶ السیرۃ النبویۃ لابن کثیر: ۳/ ۹-۱۵، السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: ۱/ ۳۰۲-۳۰۴، الاکتفاء: ۲/ ۶۲-۶۵، سرایا وغزوات الرسول ﷺ: ۳۵-۳۶، غزوات النبی ﷺ: ۴۴، ۴۵۔

❷ السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: ۲/ ۳۷۴، زاد المعاد: ۳/ ۱۴۷، ۱۴۸۔

❸ زاد المعاد: ۳/ ۱۴۸، غزوات النبی للحمیلی: ص/ ۴۳، السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: ۲/ ۳۷۴۔

واقدی نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ اس غزوہ کے لیے مدینہ سے دس دن باہر رہے، اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ مسلمان فوجیوں کی تعداد تین سو تھی۔ ❶

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ:

ہم سب کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ قریش والے اہلِ شام کے ساتھ اپنے تجارتی کاروبار کے لیے اسی راستہ پر بھروسہ کرتے تھے جس پر بالعموم چل کر شام تک جاتے تھے، اور وہ راستہ ساحلِ سمندر کا تھا جو مدینہ سے قریب تھا، اور اب وہ مسلمانوں کے زیرِ نگرانی تھا، نیز نبی کریم ﷺ نے ساحل پر رہنے والے عرب قبائل کے ساتھ مصالحت کر رکھی تھی، اور وہ سب بالعموم اس مصالحت کا پاس ولحاظ رکھتے تھے۔

اور قریشیوں کی زندگی کا انحصار تجارت پر تھا، وہ اس سے مستغنی نہیں ہو سکتے تھے، گرمی کے زمانے میں ان کے تجارتی اسفار شام کی طرف اور سردی میں حبشہ کی طرف ہوتے تھے۔ غزوۂ بدر کے بعد جب گرمی کا زمانہ آیا، اور شام کی طرف ان کے سفر کا وقت قریب ہوا، تو انہیں پریشانی لاحق ہوئی، اور کہنے لگے: محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں نے ہماری تجارت کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم ان کے ساتھ کس طرح پیش آئیں، اور کس راستے سے ہم اپنی تجارت کے لیے ملکِ شام تک پہنچیں۔

بعض لوگوں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے سرداروں کی ایک جماعت کی قیادت میں عراق کے راستہ سے شام جائیں، ان کے وہ سرداران ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ اور حویطب بن عبدالعزیٰ وغیرہ تھے۔ اس قافلے میں مالِ کثیر اور بہت ساری چاندی تھی، اور انہوں نے اس سفر میں اپنی رہنمائی کے لیے فرات ابن حیان بن عجلی کا انتخاب کیا، تاکہ وہ انہیں ایسے راستے سے لے جائیں جس میں مسلمانوں سے ان کی مڈبھیڑ نہ ہو، چنانچہ فرات انہیں عراق کے علاقے میں ذات عرق کے راستے سے لے گیا، لیکن نبی کریم ﷺ کو اس قافلے کی خبر مناسب وقت پر مل گئی، اور وہ اس طرح کہ نعیم بن مسعود مدینہ آیا جسے اس قافلہ کی روانگی کا علم تھا، اور وہ اپنی قوم کے دین پر تھا، اور مدینہ میں کنانہ بن ابی الحقیق نضیری سے ملا، اُس وقت ان کے پاس قبیلۂ اسلم کے سلیط ابن نعمان موجود تھے جو مسلمان ہو چکے تھے، ان سب نے مل کر خوب شراب پی، اُس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، نعیم بن مسعود نے نشہ کی حالت میں اس قافلے اور اس کے پاس موجود مال واسباب اور قافلے میں صفوان بن امیہ کے ہونے کی بات کی۔

سلیط وہاں سے فوراً نکلے اور رسول اللہ ﷺ کو ان باتوں کی اطلاع دی، آپؐ نے اسی وقت سو گھوڑ سواروں کا ایک فوجی دستہ زید بن حارثہ الکلبیؓ کی قیادت میں روانہ کیا، زیدؓ نے تیزی کے ساتھ چل کر اچانک قافلے کو اُس وقت جالیا جب وہ سرزمین نجد میں قردہ نامی ایک کنویں پر ٹھہرا ہوا تھا، مسلمانوں کے آنے کا احساس ہوتے ہی مشرکین گھبرا کر بھاگ پڑے اور اپنا سارا مال واسباب چھوڑ دیا، جن پر مسلمانوں نے قبضہ کرلیا، جس کی مالیت ایک لاکھ تھی، مشرکوں میں سے صرف ایک یا دو آدمی قید کیے گئے، فرات بن حیان بھی قید کر لیے گئے جو مشرکوں کو راستہ دکھلا رہا تھا۔ اسے مدینہ لاکر رسول اللہ ﷺ کی

---

❶ زاد المعاد: ٣/ ١٤٨، السيرة النبوية الصحيحة: ٢/ ٣٧٥.

خدمت میں پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے اس سے کہا: اگر تم اسلام لے آؤ گے تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا، فرات مسلمان ہوگیا اور آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔

قافلہ سے حاصل کیے گئے مال و اسباب کو رسول اللہ ﷺ نے پانچ حصوں میں تقسیم کیا، اس کے پانچویں حصہ کی مقدار بیس ہزار تھی، ایک حصہ آپ ﷺ نے اپنے پاس رکھا، اور باقی چار حصوں کو فوجی دستے پر تقسیم کر دیا، اس طرح زید بن حارثہؓ نے اُن کے ذمہ لگائے گئے جہادی کام کو بطریق احسن انجام دیا، یہ واقعہ ماہ جمادی الثانیہ سن تین ہجری کا ہے۔

سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کا نکاح:

غزوۂ احد سے پہلے سن تین ہجری کے اہم واقعات میں سے رسول اللہ ﷺ کا پہلے حفصہ بنت عمرؓ سے پھر زینب بنت خزیمہؓ سے نکاح کرنا ہے۔ میں نے اس سے پہلے امّ کلثوم بنت الرسول ﷺ سے عثمانؓ کی شادی کے واقعہ میں لکھا ہے کہ عثمانؓ نے عمرؓ کی بیٹی سے شادی کا پیغام دیا تھا، تو عمرؓ نے معذرت کر دی تھی، اور یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے عمر سے کہا تھا کہ میں تمہیں عثمان سے بہتر داماد اور عثمان کو تم سے بہتر سسر نہ بتاؤں؟ عمرؓ نے کہا تھا: ہاں یا رسول اللہ! تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کر دو، اور میں اپنی بیٹی کی شادی عثمان سے کر دیتا ہوں۔

چنانچہ آپ ﷺ نے غزوۂ احد سے دو ماہ قبل ماہ شعبان میں حفصہ بنت عمرؓ سے شادی کر لی، حفصہؓ آپ سے پہلے صالح جوان خنیس بن حذافہؓ کے نکاح میں تھیں، (جو بدر میں شہید ہوگئے تھے)، حفصہؓ کی وفات سن ۴۵ ہجری میں ہوئی اور بقیع میں دفن کی گئیں۔ ❶

زینب بنت خزیمہ الہلالیہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح:

انہیں امّ المساکین کہا جاتا تھا، آپ ﷺ نے ان سے مدینہ میں حفصہؓ سے نکاح کے بعد ماہ رمضان میں نکاح کیا، یہ آپ کے پاس صرف آٹھ ماہ رہ سکیں، اور آپ سے پہلے طفیل بن حارث بن المطلب کے نکاح میں تھیں، آپ نے جب انہیں نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے اپنا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا، چنانچہ آپ نے ان سے شادی کی، اور گواہ مقرر کیا، اور انہیں دس اوقیہ اور ایک نش مہر میں دیا، وہ ماہ ربیع الآخر میں ہجرت کے انتالیس مہینہ کے بعد وفات پا گئیں، ان کی نمازِ جنازہ خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی اور انہیں بقیع میں دفن کیا۔ ❷

❀❀❀❀

---

❶ کتب ازواج النبی ﷺ: ص/ ۴۶.

❷ مصدر سابق: ص/ ۴۸

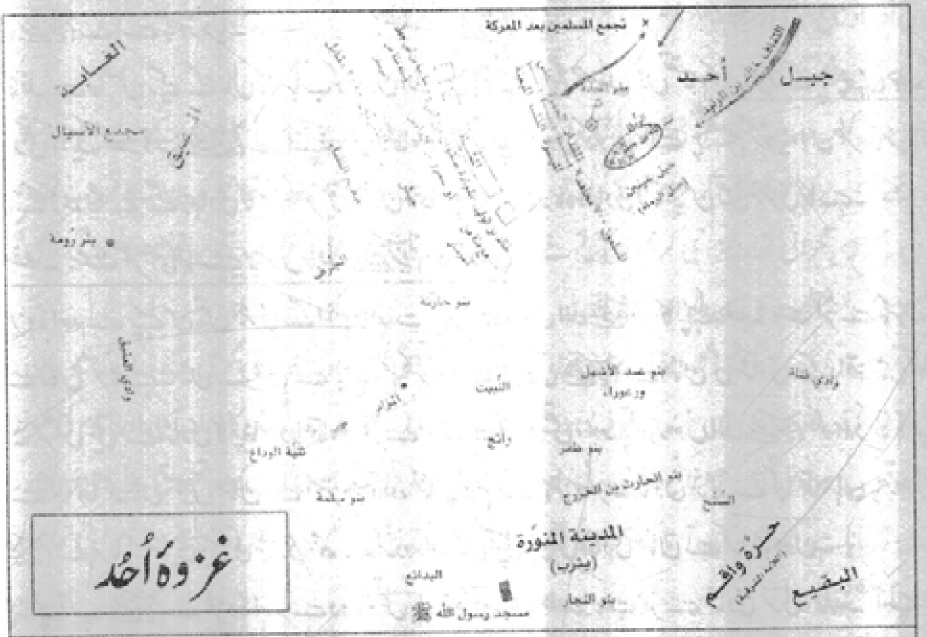

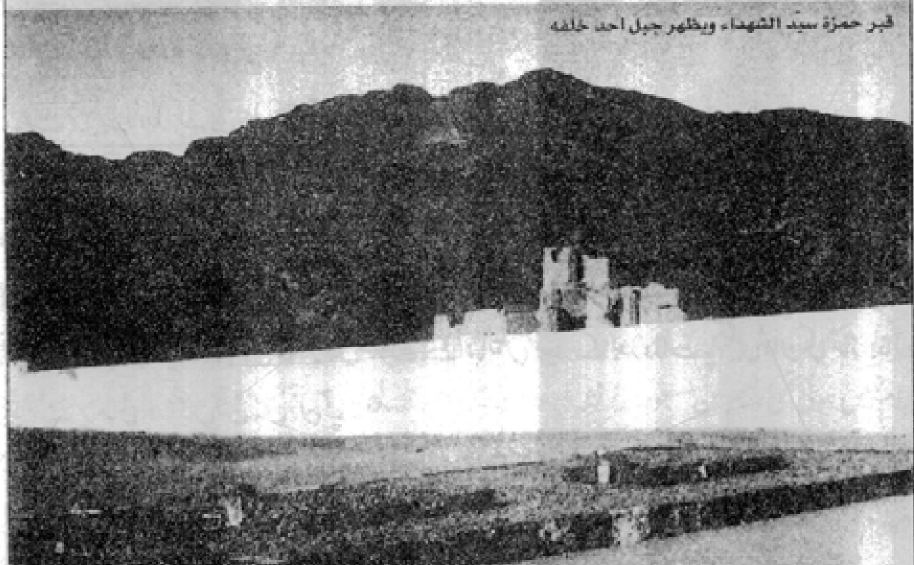

قبر حمزة سيد الشهداء ويظهر جبل احد خلفه

غزوۂ اُحد

غزوۂ اُحد:

یہ غزوہ اُس پہاڑ کے نام سے مشہور ہے جس کے دامن میں مسلمانوں اور مشرکین قریش کے درمیان معرکہ ہوا تھا، یہ پہاڑ مدینہ کے شمال میں مسجد نبوی سے تقریباً ساڑھے پانچ کلومیٹر دور ہے، اس کے جنوب کی طرف سے ''عینین'' نام کی ایک چھوٹی پہاڑی ہے، جو معرکہ کے بعد ''جبل الرماۃ'' (تیر اندازوں کی پہاڑی) کے نام سے مشہور ہوگئی، اور ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک وادی ہے جو وادی ''قناۃ'' کے نام سے مشہور ہوگئی۔

غزوہ کا سبب:

مشرکین جب بدر سے مکہ واپس گئے تو دیکھا کہ تجارتی قافلہ جو ابوسفیان کی قیادت میں شام گیا تھا، واپس آ کر دار الندوہ کے پاس رکا ہوا ہے، اور ان لوگوں کی یہ عادت قدیم زمانے سے تھی، اور یہ قافلہ ہزاروں اونٹوں پر مشتمل تھا، اس وقت سرداران قریش یعنی اسود بن مطلب بن اسد، جبیر بن مطعم، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن ہشام، عبداللہ بن ربیعہ، حویطب بن عبدالعزیٰ، اور حجیر بن ابی اہاب وغیرہم ابوسفیان اور ان قریشیوں کے پاس چل کر گئے جن کا مالِ تجارت اس قافلے میں تھا، اور کہا کہ ہم لوگ بطیب خاطر اس کے لیے تیار ہیں کہ اس قافلے کے منافع سے ایک زبردست فوج محمد (ﷺ) سے جنگ کرنے کے لیے تیار کی جائے۔

ابوسفیان نے کہا: میں سب سے پہلے اس کی منظوری دیتا ہوں، اور میرے ساتھ بنی عبد مناف بھی، چنانچہ سب نے مل کر اس مالِ تجارت کو بیچ کر سونے میں بدل دیا، اور مال والوں کو ان کا راس المال واپس کر دیا، اور نفع نکال لیا، اس تجارت میں ان کو ایک دینار کے بدلے ایک دینار نفع ہوا تھا، انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾﴾ [الأنفال: ٣٦]

''بے شک اہلِ کفر اپنی دولت اس لیے خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روک دیں، پس وہ اُسے خرچ کریں گے، پھر وہ ان کی حسرت کا سبب بن جائے گی، پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے، اور اہلِ کفر جہنم کے پاس جمع کیے جائیں گے۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اُن قریشی سرداروں نے ابوسفیان اور ان لوگوں سے جن کا مالِ تجارت اس قافلے میں تھا، کہا: اے اہلِ قریش! محمد (ﷺ) نے تمہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا اور تمہارے سرداروں کو قتل کر دیا، اس لیے تم

---

[1] تفسیر الطبری: ۲۹۹/۷، مغازی الواقدی: ۱/ ۲۰۰، سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۶۱،۶۰۔

لوگ اس مال کے ذریعہ اس کے خلاف جنگ کرنے کے لیے ہماری مدد کرو، تاکہ ہم اُس سے انتقام لے سکیں، چنانچہ سب نے یہ بات مان لی۔ ❶

کفارِ قریش کی ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے مدینہ کی طرف روانگی:

کفارِ قریش رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کے لیے مکہ اور اس کے اردگرد رہنے والے مختلف الانواع کافروں اور قبائلِ کنانہ اور اہلِ تہامہ کے ساتھ مل کر جمع ہوئے اور عمرو بن عاص، ہبیرہ بن ابی وہب، ابن الزبعری اور ابوعزہ جمحی کو دیگر قبائلِ عرب کے پاس بھیجا، تاکہ ان سب کو جنگ پر آمادہ کریں، اس طرح کافروں نے تمام عربوں کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کیا، اور انہیں مدینہ اور اہلِ مدینہ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے جمع کیا۔

ابوعزہ جمحی کو نبی کریم ﷺ نے بدر کے دن اس شرط پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ اب کبھی مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں کرے گا اور نہ دوسروں کو ان کے خلاف اکسائے گا، لیکن صفوان بن امیہ نے اس سے کہا: اے ابوعزہ! تم ایک شاعر آدمی ہو، اس لیے تم اپنی زبان کے ذریعہ ہماری مدد کرو، اور ہمارے ساتھ نکلو، اس نے کہا: محمد (ﷺ) نے مجھ پر احسان کر کے اس شرط پر چھوڑ دیا تھا کہ میں دوسروں کو اس کے خلاف نہیں ورغلاؤں گا، صفوان نے کہا: ہاں، تو تم اپنی ذات کے ذریعہ ہماری مدد کرو، اگر تم بحفاظت واپس آ گئے تو تمہیں میں مالدار بنادوں گا، اور اگر اس جنگ میں کام آ گئے تو میں تمہاری بیٹیوں کو اپنی بیٹیوں کے ساتھ رکھ لوں گا، وہ سب تنگی اور آسانی میں ایک ساتھ ہوں گی، چنانچہ ابوعزہ تہامہ کی طرف نکلا اور قبیلۂ کنانہ کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اُبھارنے لگا۔ ❷

نافع بن عبد مناف بن وہب بن حذافہ بنی جمح بن مالک کے پاس انہیں جنگ پر آمادہ کرنے کے لیے گیا، جبیر بن مطعم نے اپنے ایک حبشی غلام کو بلایا، جس کا نام وحشی تھا، اور نیزہ اندازی میں اہلِ حبشہ کی مہارت رکھتا تھا، اور بہت کم خطا کرتا تھا، اور کہا: تم بھی لوگوں کے ساتھ جنگ کے لیے نکلو، اگر تم نے محمد (ﷺ) کے چچا حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلے قتل کر دیا تو تم آزاد ہو جاؤ گے۔

ابوسفیان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف اُبھارتا رہا، اور مختلف جماعتوں اور قبیلوں کو جمع کرتا رہا، یہاں تک کہ اس نے تقریباً تین ہزار قریشیوں، ان کے حلفاء اور دیگر مختلف الانواع جنگ کرنے والوں کو جمع کر لیا، نیز دو سو گھوڑوں، تین ہزار اونٹنیوں، اور سات سو زرہوں پر مشتمل آلاتِ حرب جمع کیا، اور اپنے ساتھ اپنی عورتوں کو بھی لے گیا، تاکہ ان کے سامنے ان کے مرد بہادری کے ساتھ جنگ کریں۔

ابوسفیان اپنے ساتھ اپنی بیوی ہند بنت عتبہ بن ربیعہ کو لے گیا، اور عکرمہ بن ابی جہل اپنی بیوی اُم حکیم بنت الحارث بن ہشام کو لے گیا، جو اس کے چچا کی لڑکی تھی، اور اس کا چچا حارث اپنی بیوی فاطمہ بنت الولید بن مغیرہ کو لے گیا۔ اور صفوان

---

❶ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۳/ ۱۹۔

❷ غزوۂ حمراء الاسد سے واپسی کے وقت اس آدمی کو دوبارہ پکڑ لیا گیا، اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا، اور آپ ﷺ کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا، جیسا کہ اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

بن امیہ اپنی بیوی برزہ بنت مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفیہ کو لے گیا، اور عمرو بن العاص اپنی بیوی ریطہ بنت منبہ ابن الحاج کو اپنے ساتھ جنگ پر لے گیا، جو اس کے بیٹے عبداللہ بن عمروؓ کی ماں تھی، اور دوسرے قریشی بھی اپنی عورتوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔

وحشی جب بھی ہند بنت عتبہ کے پاس سے گزرتا، یا وہ اس کے پاس سے گزرتی تو کہتی: اے ابو دسمہ! میری روح کو سکون پہنچا دو، تم بھی سکون پاؤ گے، یعنی اُسے حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے قتل پر ابھارتی تھی، یہ تمام کفار و مشرکین مدینہ کی طرف چل پڑے۔ فوج کی عام قیادت ابوسفیان کر رہا تھا، اور گھوڑ سواروں کی قیادت خالد بن ولید کر رہا تھا، اور اس کی مدد عکرمہ بن ابی جہل کر رہا تھا، اور جنگ کا علم بنو عبدالدار کے ہاتھ میں تھا۔ ❶

یہ لوگ جمعہ کے دن ۷؍شوال سن تین ہجری کو جبل احد کے قریب مقام عینین میں خیمہ زن ہوئے، اور سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے نام ایک خط لکھ کر بنی غفار کے ایک آدمی کے ذریعہ بھیج دیا، جس میں انہوں نے آپؐ کو تمام حالات سے باخبر کیا، آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر اُن کا مقابلہ کیا جائے، یا مدینہ میں ہی رہا جائے، آپؐ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مسلمان مدینہ سے نہ نکلیں، اور یہیں رہیں، اور اگر کفار اس میں داخل ہوں تو مسلمان ان سے گلیوں کے راستوں پر نکل کر ان کا مقابلہ کریں اور عورتیں اپنے گھروں کے اوپر سے۔

عبداللہ بن ابی منافق نے بھی اس رائے کی تائید کی، لیکن جو صحابہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے، انہوں نے مدینہ سے باہر نکل کر اُن کا مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا، اور اس رائے پر اصرار کیا، تو نبی کریم ﷺ اُٹھ کر اپنے گھر میں گئے، اور زرہ پہن کر باہر آ گئے۔ اس درمیان ان صحابہ کرام کی رائے بدل چکی تھی، اور کہنے لگے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو خواہ مخواہ نکلنے پر مجبور کر دیا ہے، اس لیے انہوں نے کہا: یارسول اللہ! اگر آپ چاہتے ہیں تو مدینہ ہی میں رہیے، آپ ﷺ نے فرمایا: ایک نبی کے لیے جب وہ اپنا زرہ پہن لے مناسب نہیں کہ اُسے اُتار دے، یہاں تک کہ اللہ اُس کے اور اس کے دشمن کے درمیان فیصلہ کر دے۔ ❷

پھر نبی کریم ﷺ ایک ہزار صحابہ کے ساتھ نکل پڑے اور مدینہ میں رہنے والے مسلمانوں کی امامت کے لیے سیدنا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا۔

آپ ﷺ نے مدینہ میں ایک خواب دیکھا کہ ان کی تلوار میں ایک سوراخ ہے اور دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی گئی، اور دیکھا کہ آپؐ نے اپنا ہاتھ ایک زرہ میں ڈالا ہے، آپ ﷺ نے اپنی تلوار میں سوراخ کی تعبیر یہ کی کہ اُن کے اہل بیت کا ایک آدمی قتل کر دیا جائے گا، اور گائے کے ذبح کرنے کی تعبیر یہ نکالی کہ ان کے صحابہ کی ایک جماعت قتل ہو جائے گی اور زرہ کی تعبیر شہر مدینہ سے کی۔ ❸

---

❶ تحفۃ الوریٰ: ۱/ ۴۳۱، ۴۳۲، غزوات النبی ﷺ: ص/ ۴۵، السیرۃ ابن کثیر: ۳/ ۲۰، ۲۱.

❷ مسند احمد: ۳/ ۳۵۱، الدارمی: ۲/ ۱۲۹، ۱۳۰، زاد المعاد: ۳/ ۱۵۰.

❸ صحیح البخاری، حدیث: (۳۶۲۲)، (۷۰۳۵)، (۷۰۴۱)، صحیح مسلم، حدیث: (۲۲۷۰) ترمذی، حدیث: (۱۵۶۱)، ابن ماجہ، حدیث: (۲۸۰۸)، مسند احمد: (۱/ ۲۷۱).

اسلامی فوج کے تین ڈویژن:

رسول اللہ ﷺ نے احد کی طرف نکلنے سے پہلے اپنی فوج کو تین ڈویژنوں میں تقسیم کر دیا:

۱- قبیلۂ اوس کا ڈویژن؛ جس کا علم اُسید بن حضیرؓ کو دیا۔

۲- قبیلۂ خزرج کا ڈویژن؛ جس کا علم حباب بن منذرؓ کو دیا۔

۳- مہاجرین کا ڈویژن؛ جس کا علم مصعب بن عمیرؓ کو دیا۔

جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ثنیۃ الوداع سے آگے بڑھ گئے تو آپ نے ایک اچھا ڈویژن دیکھا، اور اس کے بارے میں پوچھا تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ خزرج کے یہودی حلفاء ہیں، جو مشرکوں کے خلاف جنگ میں شریک ہونا چاہتے ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا: کیا یہ لوگ اسلام لے آئے ہیں، لوگوں نے کہا: نہیں، تو آپ نے اہل شرک کے خلاف اہل کفر کی مدد لینے سے انکار کر دیا۔ ❶

اسلامی فوج کا معائنہ:

جب نبی کریم ﷺ الشیخان نامی مقام پر پہنچے، تو اپنی فوج کا معائنہ کیا، اور چھوٹی عمر کے افراد کو واپس کر دیا، ان میں مندرجہ ذیل صحابہ تھے:

عبداللہ بن عمر بن الخطاب، زید بن ثابت، اسامہ بن زید، نعمان بن بشیر، زید بن ارقم، براء بن عازب، اُسید بن ظہیر، عرابہ بن اوس، ابوسعید خدری، سمرہ بن جندب، اور سعد بن حبہ انصاری۔ (رضی اللہ عنہم)

ان تمام کو اللہ کے رسول ﷺ نے واپس کر دیا، پھر رافع بن خدیجؓ کو اس لیے اجازت دے دی کہ وہ ماہر تیر انداز تھے، یہ دیکھ کر سمرہ بن جندبؓ نے اپنی ماں کے شوہر مری بن سنان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی، اور مجھے واپس کر دیا، حالانکہ میں اسے پچھاڑ دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا: تم دونوں میرے سامنے کشتی لڑو، چنانچہ سمرہؓ نے رافعؓ کو پچھاڑ دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی اجازت دے دی۔ ❷

اُحد پہنچنے سے پہلے کی رات:

رسول اللہ ﷺ جب فوج کے معائنہ سے فارغ ہوئے، اور فوج پوری طرح دشمن سے نبردآزمائی کے لیے تیار ہوگئی تو رات آگئی، رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھی، پھر عشاء کی پھر آپ نے پچاس آدمی کا انتخاب فوج کی نگرانی کے لیے کیا، تاکہ وہ ہر چہار جانب گشت کرتے رہیں، اور ان کا قائد محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو مقرر کیا، اور رسول اللہ ﷺ کی نگرانی ذکوان بن عبدقیسؓ نے کی، جو ایک پل کے لیے بھی رسول اللہ ﷺ سے جدا نہ ہوئے، اور آپ ﷺ صبح تک سوتے رہے۔

ابن اُبی کی اپنے ساتھیوں کے ساتھ پسپائی:

طلوع فجر سے تھوڑی دیر پہلے ہی آپ ﷺ وہاں سے آگے چل پڑے اور مقام شوط پر پہنچ کر فجر کی نماز ادا کی، یہاں

---

❶ الحیاۃ العسکریۃ: ص/ ۱۰۸۔

❷ الحیاۃ العسکریۃ: ص/ ۱۰۸، ۱۰۹۔

سے دشمن کی فوج بالکل قریب تھی، آپ انہیں دیکھ رہے تھے، اور وہ لوگ آپ کو، یہاں پہنچ کر عبداللہ بن ابی منافق تقریباً ایک تہائی فوجیوں کے ساتھ پسپا ہوگیا اور آپ ﷺ سے کہنے لگا: تم میری مخالفت کرتے ہو، اور میرے سوا دوسروں کی بات سنتے ہو، اور کہا: ہم کیوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالیں، اور اُس کی دلیل صرف یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی رائے کے بجائے دوسروں کی بات مانی۔

ابن اُبی کا مقصد مسلمانوں کی فوج میں افراتفری پیدا کرنا تھا، اور جب اللہ کا یہ دشمن اپنے لوگوں کے ساتھ واپس ہونے لگا تو ان کے پیچھے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے باپ عبداللہ بن عمرو بن حرام اسلمی رضی اللہ عنہ گئے اور اس مشکل گھڑی میں ان کی ذمہ داری کا انہیں احساس دلایا، اور انہیں ملامت کرنے لگے، اور لوٹ کر مسلمانوں کی فوج میں مل جانے کی ترغیب دلانے لگے اور کہنے لگے: آؤ، اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یا پھر دور ہو جاؤ، تو منافقوں نے کہا کہ اگر ہمیں علم ہوتا کہ تم لوگ جنگ کروگے تو ہم نہیں لوٹتے۔ عبداللہ بن حرام ان کی بات سن کر یہ کہتے ہوئے لوٹ آئے کہ اے اللہ کے دشمنو! اللہ تمہیں اور دور کردے، اللہ اپنے نبی کو تم سے ضرور بے نیاز کردے گا۔

ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہی لوگ مراد ہیں اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل قول میں:

﴿ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾ ﴾ [آلِ عمران: ١٦٧، ١٦٨]

''اور تا کہ نفاق کرنے والوں کو جان لے، اور اُن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو، یا (دشمنوں کو) ہٹاؤ، تو کہنے لگے، اگر ہم جانتے کہ لڑائی ہوگی تو تمہارے پیچھے چلتے، وہ لوگ اُس دن ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے، اپنے منہ سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہوتیں، اور وہ جو کچھ چھپاتے ہیں اللہ انہیں زیادہ جانتا ہے، انہی لوگوں نے اپنے بھائیوں سے کہا اور بیٹھ گئے کہ اگر ہماری بات مانتے تو قتل نہ کیے جاتے، آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم سچے ہو تو پھر موت کو اپنے آپ سے ٹال دو۔'' ❶

عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کے اسلامی فوج سے نکل جانے کی وجہ سے مسلمانوں کو دو بڑے عظیم فائدے پہنچے۔ پہلا فائدہ یہ کہ مسلمانوں کی فوج منافقوں سے پاک ہوگئی، اور اُس میں کوئی ایسا آدمی باقی نہیں رہا جو انہیں ذہنی طور پر پریشان کرتا، یا مسلمانوں کی نفسیات پر منفی اثر ڈالتا۔ دوسرا فائدہ یہ کہ مسلمانوں کو تقریباً تمام منافقین کا علم ہوگیا، تا کہ آئندہ ان کی طرف سے محتاط رہیں، اس لیے کہ اس حادثے کے بعد ایک ایک منافق کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی۔

❶ صحیح البخاری، حدیث: (٤٠٥٠)، صحیح مسلم، حدیث: (٢٧٧٦)، ترمذی: (٣٠٢٨)، نسائی، تفسیر، حدیث: (١٣٣)، سیرۃ ابن ہشام: ٢/ ٦٤، طبقات ابن سعد: ٣/ ٤٤۔

ابن اُبی کے کردار کا منفی اثر:

ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن اُبی کا مقصد مجاہدین کی صفوں میں انتشار پھیلانا تھا، اور یقیناً یہ حادثۂ فاجعہ ایسا بارِگراں تھا جس سے مسلمان فوج کی کمر ٹوٹنے لگی، اور ان کی صفوں میں غیر شعوری طور پر انتشار پھیلنا شروع ہوگیا، اور مخلص مسلمانوں کی دو جماعتوں نے پسپا ہونا چاہا، وہ خزرج کے بنو سلمہ اور اوس کے بنو حارثہ کے لوگ تھے، نیز اوس کے بنو النبیت بھی۔ ان لوگوں نے جب عبداللہ بن اُبی اور اس کے منافق ساتھیوں کو واپس جاتے دیکھا تو ان کی صفوں میں انتشار پھیل گیا، اور پسپا ہو کر مدینہ لوٹ جانا چاہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ثبات بخشا اور لوٹنے کا ارادہ ترک کر دیا، اور نبی کریم ﷺ اور آپ کے پاکباز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہے، انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا وَٱللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ۝﴾

[آلِ عمران: ۱۲۲]

''جب تم میں سے دو گروہوں نے پسپائی کا ارادہ کیا، اور اللہ ان کا دوست ہے، اور مومنوں کو صرف اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جماعتوں کے لیے خیر کی گواہی دی، اور خبر دی کہ اللہ اُن کا دوست ہے، اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے: ﴿إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا﴾ [آلِ عمران: ۱۲۲]...... ''جب تم میں سے دو گروہوں نے پسپائی کا ارادہ کیا'' یعنی بنی سلمہ اور بنی حارثہ کے بارے میں۔ اور ہم اس بات کو پسند نہیں کرتے ہیں کہ یہ آیت نازل نہ ہوئی ہوتی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں کہا ہے: ﴿وَٱللَّهُ وَلِيُّهُمَا﴾ [آلِ عمران: ۱۲۲]...... ''اور اللہ ان کا دوست ہے۔'' ❶

اسلامی فوج کی پیش قدمی:

جب نبی کریم ﷺ نے فجر کی نماز پڑھ لی، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا: کون ہے وہ شخص جو ہمیں کسی ایسے قریب کے راستے سے آگے لے چلے جو دشمن کے پاس سے نہ گزرتا ہو؟ ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں یا رسول اللہ! پھر وہ آپ کو لے کر حرۂ بنی حارثہ اور ان کے باغات کے درمیان سے گزر کر آگے بڑھے، یہاں تک کہ مربع بن قیظی کے باغ سے گزرے، جو ایک اندھا منافق آدمی تھا، جب اسے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی آمد کا احساس ہوا تو ان کے چہروں پر مٹی پھینکتے ہوئے کہنے لگا: اگر تم اللہ کے رسول ہو تو میں تمہارے لیے اس بات کو حلال نہیں کرتا ہوں کہ میرے باغ سے گزرو۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: مجھے بتایا گیا ہے کہ اس اندھے منافق نے ایک مٹھی مٹی لے کر کہا: اے محمد (ﷺ)! اللہ کی قسم، اگر میں جانتا کہ میں تمہارے سوا دوسروں کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا، تو میں یہ تمہارے چہرے پر پھینکتا۔ یہ سن کر صحابہ کرام تیزی کے ساتھ اس کی طرف بڑھے تاکہ اسے قتل کر دیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے قتل مت کرو، یہ اندھا دل کا اندھا ہے، اور آنکھ کا بھی اندھا ہے۔ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہ تو اس کی طرف رسول اللہ ﷺ کے منع کرنے سے پہلے تیزی کے ساتھ بڑھے

---

❶ صحیح البخاري، المغازي، حدیث: (۴۰۵۱)، صحیح مسلم، حدیث: (۲۵۰۵).

اور اس کے سر پر اپنی کمان سے کاری ضرب لگائی اور اس کو زخمی کر دیا۔ ❶

رسول اللہ ﷺ میدانِ کارزار میں:

رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے یہاں تک کہ جمعۃ المبارک کی صبح ۷ رشوال سن تین ہجری کو جبلِ احد کی جانب سے گھاٹی میں پہنچے، اور اپنی فوج کو احد کے بالائی حصہ کی طرف کر دیا، اس طرح دشمن کی فوج مسلمانوں اور مدینہ کے درمیان ہوگئی۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کی صف بندی کی اور انہیں جنگ کے لیے تیار کر دیا، اور ان میں سے پچاس تیر اندازوں کا انتخاب کر کے عبداللہ بن جبیر بن نعمان انصاری اوسی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اس پہاڑ پر مورچہ بند ہو جانے کا حکم دیا جو وادیٔ قناۃ کے جنوبی کنارے پر واقع تھا، اور مسلمان فوج کی جگہ سے ایک سو پچاس میٹر کی دوری پر تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے ان تیر اندازوں کو حکم دیا کہ جنگ کے وقت وہ مسلمانوں کی پشت کی حفاظت کریں، اور دشمن کو اس گھاٹی سے نہ گزرنے دیں، اور اپنی اس جگہ کو ہرگز نہ چھوڑیں، چاہے مسلمانوں کی فتح ہو یا شکست۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں تعلیم دی کہ گھوڑ سوار جب بھی ان سے قریب ہونے کی کوشش کریں اُن پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دیں، اور انہیں سخت تاکید کی کہ وہ اپنی جگہ کو کسی حال میں بھی نہ چھوڑیں، چاہے وہ اپنے ساتھیوں کو اس حال میں دیکھیں کہ چڑیاں انہیں اُچک رہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تیر اندازوں کے اس دستہ کے ذریعہ اس تنہا گزرگاہ کو بند کر دیا تھا جس کے بارے میں آپ کو ڈر تھا کہ کہیں اس راستے سے کافروں کے گھوڑ سوار گزر کر مسلمان مجاہدین کی صفوں تک نہ پہنچ جائیں۔ ❷

پھر آپ ﷺ باقی فوج کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے مقدمۃ الجیش اور دائیں اور بائیں حصہ میں تقسیم کر دیا، مقدمہ میں آپ نے اچھے اور مشہور بہادروں کو رکھا، اور دائیں حصہ پر منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اور بائیں حصہ پر زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعاون کریں، اور زبیر رضی اللہ عنہ کی ذمہ داریوں میں سے یہ تھا کہ وہ خالد بن ولید کے گھوڑ سواروں کی تاک میں لگے رہیں، اگر وہ لوگ گھاٹی سے گزر کر مسلمانوں کی فوج کی طرف آنا چاہیں تو ان کا مقابلہ کریں۔

اس طرح نبی کریم ﷺ نے اللہ کی وحی کی تائید سے ماہر فوجی قائد کی طرح ایک بہت ہی مضبوط اور محکم فوجی پلان بنایا، اور اپنی فوج کو عسکری اعتبار سے میدان کے ایک مناسب ترین جگہ پر صف بند کیا، اور اپنی پشت اور فوج کے دائیں حصہ کو اونچے پہاڑ کے ذریعہ محفوظ کیا، اور فوج کے دائیں حصہ اور اس کی پشت کو معرکہ شروع ہو جانے کے بعد اس گزرگاہ کو بند کر کے محفوظ کیا جس طرف سے خالد بن ولید کے گھوڑ سواروں کے حملے کا ڈر تھا، اور آپ ﷺ نے دشمن کی فوج کو فوجی اعتبار سے پست اور غیر مناسب علاقے میں رُکنے پر مجبور کیا۔ ❸

مشرک فوج کی تیاری:

میں ابھی لکھ آیا ہوں کہ مشرکوں کی فوج چل کر ۷ رشوال جمعہ کے دن مدینہ کے شمال میں واقع مقام عینین تک پہنچی،

---

❶ السیرۃ النبویۃ لابن کثیر: ۳/ ۲۸، ۲۹.

❷ الحیاۃ العسکریۃ: ص/ ۱۰۸، ۱۰۹.

❸ صحیح البخاری، حدیث: (۴۰۴۳)، ابوداؤد، حدیث: (۲۶۶۲)، مسند احمد: ۴/ ۲۹۳- ۲۹۴، دلائل البیہقی: ۳/ ۲۰۹.

مسلمان جاسوسوں نے اس فوج کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور انہیں اندازہ ہوگیا کہ وہ خود ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے انہوں نے فوراً اپنے دیگر مسلمان بھائیوں کو اللہ کے دشمنوں کے آنے کی خبر دی۔

اور اہلِ مدینہ اپنے قلعوں کی فصیلوں پر کھڑے ہو کر اس تکلیف دہ منظر کا مشاہدہ کرنے لگے کہ اہلِ قریش کے اونٹ ہری بھری کھیتیوں کو ٹڈیوں کی طرح چاٹنے لگے، اور ان کے پیدل فوجی جانوروں کو ذبح کرنے لگے اور اُن کے گھوڑ سوار کھیتیوں کو روندنے اور انہیں تباہ و برباد کرنے لگے۔

جب مشرکوں کی فوج اپنی جگہ پر پہنچ گئی تو اُن کے قائدین لشکر کی صف بندی کرنے لگے جس کی قیادت مندرجہ ذیل طریقہ پر تھی:

فوج کا چیف کمانڈر ابو سفیان صخر بن حرب تھا، اور دائیں حصے کا کمانڈر خالد بن ولید اور بائیں حصہ کا عکرمہ بن ابو جہل تھا، اور پیدل فوجیوں کا کمانڈر صفوان بن امیہ اور تیر اندازوں کا کمانڈر عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا، جب کہ علم اٹھانے والا بنو عبدالدار کا مقررہ نامی ایک آدمی تھا۔

ان کی فوج کی تعداد تین ہزار تھی، جس میں قریش کے بہترین اور ماہرین جنگ جوان شامل تھے، اور تمام کے تمام پوری طرح جنگ کے لیے آمادہ اور تیار تھے، اُن میں دو سو گھوڑ سوار بھی تھے جو گھوڑوں کی پشت پر سے جنگ کرنے کی پوری مہارت رکھتے تھے، سات سو زرہ بند فوجی تھے، جو مضبوط ترین زرہیں پہنے ہوئے تھے، اور سواریوں کی ایک بڑی تعداد پر سوار تھے، اور ان کے ساتھ تین ہزار اونٹ اور غلاموں کی ایک بڑی تعداد اور وحشی نام کا حبشی غلام بھی تھا۔

ابو سفیان نے بنو عبدالدار کو مخاطب کر کے میدانِ بدر میں اہلِ قریش پر جو مصیبت مسلمانوں کے ہاتھوں نازل ہوئی تھی انہیں یاد دلائی، علم اٹھانے والے ان کے مشہور لیڈر نضر بن حارث کا قید کیا جانا اور پھر اسے قتل کیا جانا بھی انہیں یاد دلایا، اور اُن سے کہا: اے بنی عبدالدار! بدر کے دن ہمارا جھنڈا تمہارے ہی ہاتھوں میں تھا، تو ہم پر وہ مصیبت نازل ہوئی جو تم نے دیکھ لی، اور ہمیشہ قوموں کے اوپر میدانِ جنگ میں مصیبت کے پہاڑ اُن کے جھنڈا اُٹھانے والوں کی وجہ سے ہی ٹوٹتے ہیں، جب جھنڈا گر جاتا ہے تو لوگوں میں بھگدڑ مچ جاتی ہے، اگر آج تم ہمارے جھنڈے کی حفاظت کر سکتے ہو تو اسے اٹھاؤ، ورنہ چھوڑ دو، تاکہ ہم تمہارے کسی نعم البدل کا انتظام کریں۔

ابو سفیان کی اس بات سے بنو عبدالدار کے لوگ سخت ناراض ہوئے اور کہنے لگے: کیا ہم اپنا جھنڈا کسی اور کو دے دیں؟ کل تمہیں پتہ چل جائے گا جب دشمن سے ہماری مڈبھیڑ ہوگی کہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ چنانچہ جب گھمسان کی لڑائی ہونے لگی تو بنی عبدالدار والے سب کے سب ثابت قدم رہے، یہاں تک کہ ان کا ایک ایک آدمی قتل کر دیا گیا۔

جنگ شروع ہوتی ہے:

سب سے پہلا مشرک جو میدانِ کارزار میں آگے آیا وہ ابو عامر فاسق تھا جس کا نام عبد بن عمرو بن صیفی تھا، اور جسے زمانہ جاہلیت میں راہب کہا جاتا تھا، اس کا نام رسول اللہ ﷺ نے فاسق رکھ دیا تھا، اور زمانہ جاہلیت میں وہ قبیلہ اوس کا سردار تھا، جب اسلام آیا تو وہ حسد کرنے لگا، اور رسول اللہ ﷺ سے اعلانیہ عداوت کرنے لگا، اور مدینہ سے نکل کر قریشیوں کے پاس

گیا تا کہ انہیں آپ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے پر اُبھارے، اس نے قریشیوں سے کہا کہ جب اس کی قوم اسے دیکھے گی تو اس کی اطاعت کرے گی، اور اس کے ساتھ ہو جائے گی، اسی لیے وہ پہلا آدمی تھا جو مسلمانوں کے سامنے آیا اور اپنی قوم کو پکار کر ان سے اپنا تعارف کرایا تو ان مسلمانوں نے اس سے کہا: اے فاسق! اللہ کسی آنکھ کو تمہاری دید سے خوشی نہ بخشے، اس نے کہا: میری قوم کو میرے بعد بہت خطرناک بیماری لگ گئی ہے، پھر اُس نے مسلمانوں سے لڑنا شروع کر دیا، کچھ دیر تک ان کی طرف پتھر پھینکتا رہا، پھر بھاگ پڑا۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ سے پہلے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور مشرکوں کا جھنڈا اُٹھانے والے طلحہ بن عثمان کے درمیان مقابلہ ہوا، علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا، تو مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، اور نبی کریم ﷺ اس کے قتل کیے جانے سے بہت خوش ہوئے۔

پھر گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی، اور رسول اللہ ﷺ انصار کے جھنڈے تلے کھڑے مسلمانوں کی ہمت بڑھاتے رہے، اور صبر وتقویٰ کی نصیحت کے ذریعہ انہیں قلبی اطمینان دلاتے رہے تاکہ وہ اپنی جگہیں نہ چھوڑ دیں، اور فتح کے ابتدائی حالات سے دھوکے میں نہ آجائیں، نیز دنیاوی مال ومتاع کی چمک دمک ان کی آنکھوں کو خیرہ نہ کر دے، اور مال غنیمت کے لالچ میں بے سوچے سمجھے مشرکین کے پیچھے نہ دوڑنے لگیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق مسلمانوں کو فتح عطا کی، یہاں تک کہ انہوں نے مشرکوں کو ان کی جگہ سے مار بھگایا اور ان کی شکست ان کی آنکھوں کے سامنے منڈلانے لگی، اور ان کی فوج کے بائیں حصہ کے گھوڑ سواروں نے عکرمہ بن ابی جہل کی قیادت میں مسلمانوں کی فوج پر حملہ کرنا چاہا، لیکن مسلمان تیر اندازوں نے انہیں مار بھگایا، اور حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ معرکۂ احد کے لیے جنگی شعار (امت امت) کو بلند آواز سے پکارتے پوری قوت کے ساتھ آگے بڑھے، ابودجانہ رضی اللہ عنہ، حمزہ رضی اللہ عنہ کے دائیں طرف تھے، اور ان کے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کی تلوار تھی، اور ان کے سر کے اردگرد سُرخ پٹی بندھی ہوئی تھی۔

ابودجانہ رضی اللہ عنہ:

- انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن ایک تلوار لی اور کہا اس تلوار کو کون مجھ سے اس کی ادائیگی حق کی شرط کے ساتھ لے گا؟ تمام صحابہ نے اپنے اپنے ہاتھ پھیلا دیے، ہر آدمی کہنے لگا، میں، میں، آپؐ نے دوبارہ کہا: اسے کون اس کی ادائیگی حق کی شرط کے ساتھ لے گا؟ لوگ خاموش ہوگئے، اور سماک ابودجانہؓ نے آپ ﷺ سے کہا: اسے میں اس کی شرط کے ساتھ لوں گا، انسؓ کہتے ہیں: انہوں نے اسے لے لیا اور اس کے ذریعہ مشرکوں کا سر قلم کرنے لگے۔ ❶

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن ایک تلوار لوگوں کے سامنے پیش کر کے کہا کہ اس تلوار کو کون اس شرط کے ساتھ لے گا کہ وہ اس کا حق ادا کرے گا، میں کھڑا ہوا، اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں، آپ ﷺ نے میری طرف سے رُخ پھیر لیا، اور دوبارہ کہا: کون اس تلوار کو مجھ سے اس شرط کے ساتھ لے گا کہ وہ اس کا حق

❶ صحیح مسلم، حدیث: (۲٤۷۰)، مسند احمد: ۳/ ۱۲۳.

ادا کرے گا، میں پھر دوبارہ کھڑا ہوا، اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں، آپ ﷺ نے مجھ سے رُخ پھیر لیا، اور تیسری بار کہا: کون اس تلوار کو مجھ سے اس شرط کے ساتھ لے گا کہ وہ اس کا حق ادا کرے گا، تو ابو دجانہ سماک بن خرشہؓ کھڑے ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! اسے میں لوں گا، آپ کی شرط کے ساتھ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس کے ذریعہ کسی مسلمان کو قتل نہیں کرو گے، اور کسی کافر کو اس سے نہیں بچاؤ گے۔ زبیرؓ کہتے ہیں: آپ نے وہ تلوار ان کو دے دی۔ اور ابو دجانہؓ جب جنگ کرنا چاہتے تو اپنے سر پر ایک پٹی باندھ لیتے تھے۔ راوی کہتے ہیں: میں نے سوچا آج ان کو دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کرتے ہیں؟ راوی پھر کہتے ہیں: چنانچہ کوئی بھی چیز ان کے سامنے نہیں آتی تھی، لیکن اسے وہ پھاڑ اور کاٹ دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ لڑتے لڑتے پہاڑ کے دامن میں کچھ عورتوں تک پہنچ گئے جن کے پاس دف تھی، انہوں نے اپنی تلوار سے ایک عورت کو مارنا چاہا، پھر رُک گئے، جب جنگ رُک گئی تو میں نے اُن سے کہا: آپ کا ہر کام آج مجھے اچھا لگا، سوائے عورت پر تلوار اٹھانے کے، پھر آپ نے اسے نہیں مارا، تو ابو دجانہؓ نے کہا: ہاں اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کی تلوار کی عزت کرتے ہوئے اس سے عورت کو قتل نہیں کیا۔ ❶

مشرکوں کے جھنڈے کے اردگرد گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، اور بنو عبدالدار کا کمانڈر طلحہ بن ابو طلحہ، علی بن ابی طالبؓ کے ہاتھوں قتل کیا جا چکا تھا، اس کے بعد ابو شیبہ عثمان بن طلحہ جھنڈا اُٹھائے ہوئے تھا، جس پر حمزہ بن عبدالمطلبؓ نے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، اس کے بعد ابو سعد بن ابی طلحہ نے جھنڈا اُٹھالیا، اسے سعد ابن ابی وقاصؓ نے تیر چلا کر قتل کر دیا، اس کے بعد مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا اُٹھالیا، جسے عاصم بن ثابتؓ نے قتل کر دیا، اس کے بعد اس کے بھائی کلاب بن طلحہ نے جھنڈا اُٹھالیا، جسے قزمان نے قتل کر دیا، اس کے بعد حارث بن ابی طلحہ نے جھنڈا اُٹھالیا، اُسے بھی قزمان نے قتل کر دیا، اس کے بعد ابو زید بن عمیر بن ہشام بن عبد مناف نے جھنڈا اُٹھالیا، اسے بھی قزمان نے قتل کر دیا، اس کے بعد قاسط بن شریح بن ہشام بن عبد مناف نے جھنڈا اُٹھالیا، قزمان نے اسے بھی قتل کر دیا، اس کے بعد صُواب نامی حبشی غلام نے جھنڈا اُٹھالیا، کافروں نے اس سے کہا: ہماری شکست تمہاری وجہ سے ہوگی، اس کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے جھنڈا تھام لیا، اس کا بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو وہ جھنڈے کی لکڑی سے چمٹ گیا اور کہا: کیا میں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی، کافروں نے کہا: ہاں، پھر اسے قزمان ❷ نے قتل کر دیا، اور جھنڈا گر گیا اور مشرکین بکھر گئے۔ ❸

اس کے بعد کافروں کے اس جھنڈے کو عمرہ بنت علقمہ الحارثیہ نے سنبھال لیا، اور مشرکین دوبارہ میدانِ کارزار کی طرف لوٹ پڑے، کافروں کے جھنڈے اور اس کے یکے بعد دیگرے اٹھانے والوں کا جو انجام ہوا اس نے یقیناً قریشیوں کی

---

❶ دلائل البیهقی: ۳/ ۲۳۳، مسند بزار بحواله کشف الأستار، حدیث: (۱۷۸۷)، اس حدیث کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

❷ قزمان: منافقوں میں سے تھا اس نے اپنی قوم کی حمیت میں قتال کیا، اور بری طرح زخمی ہوا، پھر زخم کی تاب نہ لا کر موت میں جلدی کی، اور اپنی تلوار کو زمین میں گاڑ کر اس پر اپنا سینہ رکھ دیا اور اس طرح اس نے اپنے آپ کو قتل کر لیا، تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو اس کے جہنمی ہونے کی خبر دی۔ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۰۲)، صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: (۱۱۲) ومسند احمد: (۲/ ۱۳۵)، وسیرة ابن هشام: ۳/ ۸۸.

❸ الحیاة العسکریة: ص/ ۱۱۲، ۱۱۳۔

ہمت توڑ دی اور ان کے دلوں میں امید کی کوئی کرن باقی نہ رہی، اسی لیے ان کے اکثر فوجی پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑے۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے:

مصعب بن عمیرؓ جو مسلمانوں کا علم جہاد اٹھائے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ شہید ہوگئے اور ان کے قاتل ابن قمئہ اللیثی نے سمجھا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیا، اس لیے قریشیوں کے درمیان چیخنے لگا کہ اس نے محمدؐ کو قتل کر دیا۔ ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میدان احد سے واپس ہوتے ہوئے مصعب بن عمیرؓ کی لاش کے پاس سے گزرے تو وہاں کھڑے ہوگئے اور ان کے لیے دعا کی پھر مندرجہ ذیل آیت پڑھی:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾﴾ [الأحزاب: ٢٣]

''مومنوں میں سے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو سچ کر دکھایا، پس اُن میں سے بعض نے اپنی نذر پوری کر دی، اور بعض وقت کا انتظار کر رہے ہیں، اور ان کے موقف میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اس معرکہ کے تمام مسلمان مقتولین قیامت کے دن اللہ کے سامنے شہیدوں کی حیثیت سے پیش ہوں گے، اس لیے تم لوگ ان کی زیارت کے لیے آتے رہنا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو شخص بھی قیامت تک ان کو سلام کرے گا یہ لوگ اس کا جواب دیں گے۔ ❶

امام بخاری رحمہ اللہ نے خباب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مصعب بن عمیرؓ غزوۂ احد میں جب قتل ہوئے تو ان کے پاس ایک کمبل کے سوا کچھ بھی نہ تھا، جس سے ہم ان کا سر ڈھانکتے تھے، تو ان کے دونوں پاؤں کھل جاتے تھے، اور جب ہم ان کے دونوں پاؤں ڈھانکتے تھے تو ان کا سر کھل جاتا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کا سر ڈھانک دو، اور اس کے دونوں پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو۔ ❷

مصعب رضی اللہ عنہ کے شہید ہو جانے کے بعد علم جہاد علی بن ابی طالبؓ نے سنبھال لیا، اور بے مثال بہادری کے ساتھ جنگ کرتے رہے، حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ شیروں کی طرح لڑتے ہوئے مشرکوں کی فوج کے اندر گھس گئے، اور دشمنوں کی صفوں میں کشتوں کے پشتے لگا دیے، اور بالآخر اپنی جان جاں آفریں کے حوالے کر دی، وحشی نامی حبشی غلام نے دھوکا دے کر ان کو قتل کر دیا (رضی اللہ عنہ)۔

اسد اللہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت:

یہاں میں اللہ کے شیر اور اللہ کے رسول کے شیر حمزہ بن عبدالمطلبؓ کی شہادت سے متعلق چند سطریں لکھنا مناسب سمجھتا

---

❶ سے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الإسناد ہے، اور حافظ ذہبیؒ نے ان کی تائید کی ہے۔

❷ صحیح البخاري، حدیث: (١٢٧٦)، (٣٨٩٧)، (٣٩١٤)، (٤٠٤٧)، صحیح مسلم، جنائز، حدیث: (٩٤٠)، ابو داؤد: (٣١٥٥)، ترمذی: (٣٨٥٣)، نسائی: ٤/ ٣٨، مسند احمد: ٥/ ١١٢.

ہوں۔ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الصحیح میں اور دیگر محدثین نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے کہ حمزہ رضی اللہ عنہ نے میدانِ بدر میں جبیر بن مطعم کے چچا طعیمہ بن عدی ابن الخیار کو قتل کر دیا تھا، اور جبیر کے پاس وحشی نام کا ایک غلام تھا، جبیر نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ حمزہ کو قتل کر دے گا تو اس کو وہ آزاد کر دے گا، چنانچہ احد کے دن جب جنگ کی صفیں درست ہو گئیں تو سباع بن عبدالعزیٰ نے صف سے نکل کر حمزہؓ سے مقابلہ کرنا چاہا، حمزہؓ نے اس کا چیلنج قبول کرتے ہوئے کہا: اے سباع! اے ام انمار عورتوں کا ختنہ کرنے والی کے بیٹے! کیا تم اللہ اور اس کے رسول کو چیلنج کرتے ہو، پھر اس پر وار کر کے اسے قتل کر دیا۔ اسی درمیان وحشی غلام جو ایک چٹان کے پیچھے چھپا گھات میں بیٹھا تھا، ان کے قریب پہنچ گیا اور اپنا نیزہ ان کی طرف پھینکا، جو ان کی ناف اور مثانے کے درمیان جا گھسا، اور ان کے دونوں پہلوؤں کے درمیان سے نکل گیا، اور اس طرح اس نے دھوکا دے کر اللہ کے شیر کو قتل کر دیا۔

بعد میں وحشی مکہ میں مسلمان ہو گیا، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، آپ نے اسے پہچان لیا، تو اس کو حکم دیا کہ وہ آپ کے سامنے نہ آئے، اور جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مسیلمہ کذاب ظاہر ہوا تو وحشیؓ مجاہدینِ اسلام کے ساتھ اہل ردّت کے خلاف جہاد کرنے کے لیے نکلے، اور مسیلمہ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے، اور اس طرح انہوں نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا ایک گونا بدلہ چکا دیا۔ ❶

جب نبی کریم ﷺ کو حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کیے جانے کی خبر ہوئی تو رونے لگے اور جب آپ نے ان کی لاش کو دیکھا کہ ان کا پیٹ پھاڑ دیا گیا ہے، اور ان کے جسم کے مختلف اعضاء کاٹ دیے گئے ہیں، تو آپؐ کے منہ سے ایک کربناک آہ اٹھی اور دوبارہ ان کی لاش کو دیکھنا پسند نہیں کیا، آپ ﷺ نے مقتولین کے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا: میں ان سب کا گواہ ہوں، انہیں تم لوگ ان کے خون کے ساتھ دفن کر دو، اس لیے کہ اللہ کی راہ میں جو زخم بھی لگے گا وہ قیامت کے دن اسی طرح خون ٹپکتا ہوا آئے گا، اس کا رنگ خون کا رنگ ہوگا، اور اس کی خوشبو مشک کی خوشبو ہوگی۔ ان میں سے جو شخص قرآن کا علم زیادہ رکھتا تھا، اسے لحد میں جگہ دو۔ ❷

فتح شکست میں بدل گئی:

مسلمانوں نے مشرکوں پر زبردست حملہ کیا، جس سے مشرکوں کی صفوں میں انتشار اور بھگدڑ مچ گئی اور مسلمان ان کے پیچھے دوڑنے لگے، جب مسلمان تیر اندازوں نے دیکھا کہ کافروں کو شکست ہو گئی ہے تو اس جگہ کو چھوڑ دیا جہاں انہیں رسول اللہ ﷺ نے ہر حال میں رہنے کا حکم دیا تھا، عبداللہ بن جبیرؓ سے کہا: ہم لوگ چلیں مالِ غنیمت جمع کریں، ہماری فوج غالب آ گئی، اب ہم لوگ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں، تو عبداللہ بن جبیرؓ نے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے تم لوگوں سے جو بات کہی تھی سب بھول گئے، انہوں نے کہا: ہم تو ضرور جائیں گے اور مالِ غنیمت حاصل کریں گے۔ ❸

---

❶ صحیح بخاری، حدیث: (۴۰۷۲)، مسند احمد: ۳/ ۵۰۱، دلائل البیہقی: ۳/ ۲۱۴۔

❷ صحیح البخاری، المغازی، باب من قتل المسلمین یوم احد، ابوداؤد، الجنائز، الشہید یغسل، ترمذی، باب ترك الصلاة علی الشہید، النسائی، ابن ماجہ، البزار۔

❸ صحیح البخاری، فتح الباری: ۶/ ۱۶۲۔

اس طرح ان لوگوں نے اپنے امیر کی بات نہیں مانی اور سمجھ بیٹھے کہ اب مشرکین واپس نہیں آئیں گے، چنانچہ وہ سب مال غنیمت کے لیے دوڑ پڑے، اور گھاٹی کو خالی کر دیا، اس طرح مسلمانوں کی پشت غیر محفوظ ہوگئی اور مشرکوں کے گھوڑ سوار اس راستے سے اندر داخل ہو گئے، خالد بن ولیدؓ نے اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اور مسلمانوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ کر حملہ کرنا شروع کر دیا، اور مشرکوں کے گھوڑ سواروں نے مسلمان تیر اندازوں کے قائد عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کو قتل کر دیا۔

پھر ان کی مڈبھیڑ دیگر مسلمان مجاہدین سے ہوئی جنہوں نے دشمنوں سے جنگ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، لیکن دشمنوں کے اس اچانک حملے سے ایسا گھبرا گئے کہ انہیں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب وہ کیا کریں، اور اسی حال میں بغیر سوچے سمجھے جنگ کرنے لگے، اور مسلمانوں اور کافروں میں تمیز کرنا ان کے لیے مشکل ہوگیا، اور مسلمان مجاہدین میدان کارزار میں قتل کیے جانے لگے، ان حالات کے سبب مسلمانوں کا اتصال رسول اللہ ﷺ سے ختم ہوگیا اور یہ بات پھیل گئی کہ رسول اللہ ﷺ قتل کر دیے گئے، یہ خبر پھیلتے ہی مسلمانوں کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور بہت سے مجاہدین گھبرا کر میدان جنگ سے بھاگ پڑے، اور ان میں سے بعض میدان سے الگ ہو کر بیٹھ گئے اور جنگ کرنا چھوڑ دیا۔

مسلمانوں کے ساتھ اس جنگ میں جو کچھ ہوا اس سے بے شک انہیں بہت ہی اہم سبق ملتا ہے جو انہیں قیامت تک دو اہم باتوں کی یاد دلاتا رہے گا، جنہیں انہوں نے غزوۂ احد میں فراموش کر دیا تھا، اسی لیے ان کو شکست وقتل اور دیگر تمام پریشانیوں میں مبتلا ہونا پڑا، اور جب تک مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ان دونوں باتوں کی پابندی نہیں کریں گے، ہرگز کامیاب نہیں ہوں گے، وہ دونوں باتیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱- رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، ان کے ہر امر اور نہی میں۔ آپ نے تیر اندازوں سے کہا تھا کہ اگر تم ہمیں کافروں پر غالب ہوتے بھی دیکھو تو اپنی جگہ نہ چھوڑو، اور اگر دیکھو کہ وہ ہم پر غالب آ گئے تب بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑو، لیکن انہوں نے آپ کے حکم کی نافرمانی کی اور گھاٹی سے نیچے اُتر آئے، جس کا انجام شکست کی صورت میں ظاہر ہوا۔

۲- تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اور صدق نیت، اور یہ کہ بندے کا کوئی کام دنیاوی اغراض ومنافع کے لیے نہ ہو، اس لیے کہ بسا اوقات دنیاوی منافع کے حصول کی نیت امتِ اسلامیہ کے لیے بڑی بڑی مصیبتیں لاتی ہے۔ تیر اندازوں نے مال غنیمت کی لالچ کی، اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کو فراموش کر کے پہاڑ سے نیچے اتر گئے اور گھاٹی کا راستہ خالد کے گھوڑ سواروں کے لیے کھلا چھوڑ دیا، جس کے سبب کافروں کی فوج نے اسلامی فوج پر پیچھے سے حملہ کر دیا، جس کا انجام وہ کچھ ہوا جو ہم نے ابھی جانا، اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں نازل فرمایا:

﴿بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُسَوِّمِيْنَ﴿١٢٥﴾﴾ [آلِ عمران: ۱۲۵]

''ہاں، اگر تم لوگ صبر کرو گے، اور اللہ سے ڈرو گے، اور تمہارے دشمن جوش میں آکر تم تک آجائیں گے، تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان لگے ہوئے فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کرے گا۔''

بہت سے مجاہدینِ اسلام میدانِ جنگ چھوڑ کر نہیں بھاگے اور نہ جہاد چھوڑ کر ایک طرف بیٹھ گئے، بلکہ یہ سننے کے بعد کہ رسول اللہ ﷺ قتل کر دیے گئے، انہوں نے موت کو زندگی پر ترجیح دی، ان میں سے بعض مندرجہ ذیل مجاہدینِ اسلام تھے:

انس بن نضر رضی اللہ عنہ:

یہ جلیل القدر صحابی غزوۂ بدر میں شریک نہ ہونے کے سبب ہمیشہ افسوس کے ساتھ کہا کرتے تھے: اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آئندہ کسی جنگ میں شریک ہونے کا موقع عطا کیا تو اللہ دیکھ لے گا کہ میں کیا کرتا ہوں، چنانچہ انہوں نے احد کے دن جب بعض مسلمانوں کو مبہوت ہو کر بیٹھے ہوئے دیکھا تو چیخ کر کہنے لگے، لوگو! میں احد پہاڑ کے اس طرف سے آنے والی جنت کی خوشبو کو سونگھ رہا ہوں، اور عمر بن خطابؓ اور طلحہ بن عبیداللہؓ کو چند مہاجرین وانصار کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر کہنے لگے، آپ لوگ کیوں بیٹھے ہوئے ہیں، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ قتل کر دیے گئے، انہوں نے کہا: آپ کے بعد زندہ رہ کر کیا کیجیے گا، اٹھیے، اور اسی مقصد کی خاطر جان دے دیجیے، جس کی خاطر رسول اللہ ﷺ کا قتل ہو گیا ہے، پھر دشمن کی طرف آگے بڑھ کر جنگ کرنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے، آپ کے جسم میں اسی (۸۰) سے زیادہ نیزوں، تیروں اور تلواروں کی ضرب کے نشانات ملے، جن کے سبب ان کی بہن الربیع بنت النضر صرف ان کی انگلیوں سے ان کو پہچان سکیں، انہی کے بارے میں اور ان جیسے دیگر مجاہدین صادقین کے بارے میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾﴾ [الأحزاب: ۲۳]

"مومنوں میں سے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو سچ کر دکھایا، پس اُن میں سے بعض نے اپنی نذر پوری کر دی، اور بعض وقت کا انتظار کر رہے ہیں، اور ان کے موقف میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی ہے۔" ●

مسلمانوں کا فرار اور اللہ کی معافی:

قرآنِ کریم نے مسلمانوں کے فرار ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ان کی معافی کی بھی خبر دی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾﴾ [آلِ عمران: ۱۵۵]

"بے شک تم میں سے جن لوگوں نے پیٹھ دکھلائی، جس دن دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آ گئیں، شیطان نے اُن کے بعض بُرے کرتوتوں کی وجہ سے اُن کے پاؤں اکھاڑ دیے، اور اللہ نے یقیناً انہیں معاف کر دیا، بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا بڑا بردبار ہے۔"

صحابہ کرامؓ جب بھاگ پڑے تو مشرکوں کو نبی کریم ﷺ تک پہنچ جانے کا موقع مل گیا، چنانچہ انہوں نے آپؐ کے چہرۂ مبارک کو زخمی کر دیا، اور آپؐ کے دائیں اگلے چار دانت توڑ دیے، زرہ ٹوٹ کر آپ ﷺ کے سر میں داخل ہو گئی، اور

● صحيح البخاري، حديث: (۴۰۴۸)، صحيح مسلم، حديث: (۱۹۰۳)، سيرة ابن هشام: ۲/ ۸۳.

کافروں نے آپ پر پتھروں کی بوچھاڑ کردی، جس سے متاثر ہو کر آپ ﷺ اپنے پہلو کے بل گڑھے میں گر گئے، جب علی نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور طلحہ بن عبیداللہؓ نے آپ کو گود میں اٹھالیا، آپ کے خود کی دو کڑیاں آپ کے چہرۂ مبارک میں پیوست ہوگئیں، جنھیں ابوعبیدہ بن جراحؓ نے اپنے دانتوں سے پکڑ کر پوری طاقت سے کھینچ کر نکالا، جس کے سبب ان کے دو اگلے دانت ٹوٹ گئے، ابوسعید خدریؓ کے والد مالک بن سنانؓ نے آپ ﷺ کے رخسار مبارک سے خون چوسا، مجاہدین کی ایک چھوٹی سی جماعت رسول اللہ ﷺ کے گرد ثابت قدم رہی، اور خود رسول اللہ ﷺ میدان میں ثابت قدم رہے، اور ان تمام پریشانیوں کے باوجود آپ ﷺ کے پاؤں میں لغزش نہیں آئی۔

آپ ﷺ صحابہ کرام کو پکارتے رہے، جیسا کہ قرآن کریم نے ذکر کیا ہے:

﴿إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴾ [آل عمران: ۱۵۳]

''جب تم بھاگے چلے جارہے تھے، اور کسی کو مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ تمھیں تمہارے پیچھے سے بلا رہے تھے، تو اللہ نے تمھیں غم پر غم پہنچایا، تاکہ تم سے جو کھو گیا اور تمھیں جو مصیبت لاحق ہوئی، اُس پر غم نہ کرو، اور اللہ تمہارے اعمال کی خوب خبر رکھتا ہے۔''

جب نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ جنگ کا نقشہ بدل گیا ہے اور حالت خطرناک ہوگئی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مشرکوں کو ہم سے دور کرے گا، وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا، یہ سن کر سات انصاری اور دو قریشی آپ کے دفاع میں جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ سات انصاری شہید ہوگئے۔ ❶ پھر آپ کی طرف سے دفاع میں طلحہ بن عبیداللہؓ جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کا ہاتھ ایک تیر لگنے کے سبب بے کار ہوگیا۔ ❷ سعد بن ابی وقاصؓ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جنگ کرتے رہے، اور آپ ﷺ انھیں تیر دیتے رہے، اور فرمایا: چلاؤ تیر، میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، سعدؓ مشہور تیر انداز تھے۔

ابوطلحہ، ابودجانہ اور قتادہ رضی اللہ عنہم:

ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے زبردست دفاع کیا، یہ بھی مشہور تیر انداز تھے، نبی کریم ﷺ میدان جنگ کی طرف جھانک کر دیکھتے تھے، تو آپ سے ابوطلحہؓ کہتے تھے آپ سر اٹھا کر نہ دیکھیے، کہیں آپ کو دشمن کا کوئی تیر نہ لگ جائے، میری گردن آپ کی گردن کی حفاظت کے لیے ہے، اور جب کوئی مسلمان مجاہد وہاں سے گزرتا جس کے پاس تیر ہوتے، تو رسول اللہ ﷺ کہتے ان تیروں کو ابوطلحہ سے قریب کردو، رسول اللہ ﷺ نے ان کی جنگی مہارتوں سے خوش ہوکر فرمایا: ابوطلحہ کی آواز مشرکوں پر ایک بٹالین فوج سے زیادہ اثر انداز ہے۔ ❸

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ابودجانہؓ نے اپنی پیٹھ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈھال بنادی، اس میں تیر پیوست

---

❶ صحيح مسلم بحواله شرح النووي: ۱۲/ ۱۴۶.

❷ صحيح البخاري بحواله فتح الباري: ۷/ ۳۵۹.

❸ فتح الباري: ۷/۳۵۸ - ۳۶۱، الفتح الرباني: ۲۲/ ۵۸۹.

کر جاتا تھا، لیکن وہ حرکت نہیں کرتے تھے، قتادہ بن نعمانؓ کی آنکھ اس دن زخمی ہوگئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اس آنکھ کو دوبارہ اس کی جگہ پر بٹھادیا، اس کے بعد ان کی وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زندگی بھر زیادہ صحت مند اور اچھی رہی۔ ❶

حنظلہ غسیل الملائکہ:

حنظلہ بن ابو عامرؓ نے ابوسفیان پر زبردست حملہ کیا، اور جب اسے قتل کرنے پر پوری طرح قادر ہوگئے تو شداد بن اسود نے ان پر دوسری طرف سے حملہ کرکے انہیں قتل کردیا، حنظلہؓ اس وقت حالت جنابت میں تھے، اسی رات ان کی شادی ہوئی تھی، جب انہوں نے جہاد کے لیے نکلنے کی آواز سُنی تو فوراً نکل پڑے اور غسل نہ کرسکے، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو خبر دی کہ فرشتے انہیں غسل دے رہے ہیں، پھر کہا: اس کی بیوی سے پوچھو کہ بات کیا ہے؟ انہوں نے ان کی بیوی سے پوچھا تو حقیقت حال کی انہیں خبر دی۔

امّ عمارہ رضی اللہ عنہا میدان اُحد میں:

امّ عمارہ نسیبہ بنت کعب المازنیہؓ نے زبردست جنگ کی، اور عمرو بن قمئہ پر اپنی تلوار سے کئی ضرب لگائی، لیکن وہ دو زرہیں پہنے ہوا تھا، اسی لیے وہ بچ گیا، پھر ابن قمئہ نے ان پر تلوار چلائی اور ان کے کندھے کو شدید زخمی کردیا۔

رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کی طرف بڑھے، جبکہ شیطان نے چیخ کر اعلان کردیا تھا کہ محمد قتل کردیا گیا، اور اس کا بہت سے مسلمانوں کے دلوں پر بہت ہی گہرا اثر پڑا تھا، چنانچہ جب کعب بن مالکؓ نے آپ ﷺ کو خود کے پیچھے سے پہچان لیا تو پوری طاقت کے ساتھ چیخ کر اے مسلمانو! خوش ہوجاؤ، یہ دیکھو! رسول اللہ ﷺ زندہ ہیں، تو آپ ﷺ نے انہیں اشارہ سے خاموش رہنے کو کہا اور مسلمان آپ کے اردگرد جمع ہوگئے اور آپ کو لے کر گھاٹی کی طرف چلے گئے ان مجاہدین میں ابوبکر، عمر، علی اور حارث بن صمہ انصاری وغیرہم موجود تھے۔

اُبی بن خلف کا قتل:

جب مسلمان مجاہدین نے اپنی پیٹھ پہاڑ کی طرف کردی تو ابی بن خلف نے اپنے ''العوذ'' نامی گھوڑے پر سوار ہوکر رسول اللہ ﷺ کا پیچھا کیا، اور اللہ کے اس دشمن کا خیال تھا کہ وہ آپ کو قتل کردے گا، اس لیے کہنے لگا، اے محمد اگر تم آج نجات پاگئے تو میں نجات نہیں پاؤں گا۔ یہ سن کر مجاہدین نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم میں سے کوئی ایک آدمی مڑ کر اس پر حملہ کرے؟ آپ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، جب وہ قریب ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے حارث بن صمہ سے نیزہ لیا اور اسے اُبی بن خلف کی ہنسلی کی ہڈی میں گھونپ دیا، اور اللہ کا دشمن شکست کھا کر بھاگ پڑا، یہ شخص رسول اللہ ﷺ سے مکہ میں کہا کرتا تھا: اے محمد! میرے پاس العوذ نامی گھوڑا ہے جسے میں ہر روز مکئی کھلاتا ہوں، میں اسی پر سوار ہوکر تمہیں قتل کردوں گا، تو رسول اللہ ﷺ کہتے تھے: بلکہ ان شاء اللہ میں تمہیں قتل کروں گا، چنانچہ اُبی جب قریشیوں کے پاس واپس گیا تو اس کا خون منجمد ہوگیا اور کہنے لگا: مجھے محمد نے قتل کردیا۔ لوگوں نے اس سے کہا: اللہ کی قسم! تمہاری عقل ماری گئی ہے، تمہیں تو کوئی تکلیف نہیں

---

❶ سیرۃ ابن ھشام: ۲/ ۸۲، مغازی الواقدی: ۱/ ۲۴۲.

ہے۔ تب اس نے کہا: محمد مکہ میں مجھ سے کہا کرتا تھا، میں تمہیں قتل کروں گا، اس لیے اللہ کی قسم! اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتا تو مجھے قتل کر دیتا، چنانچہ اللہ کا دشمن مکہ سے چھ میل پہلے مقام سرف میں ہی مر گیا، جب کفار قریش اسے لے کر مکہ واپس جا رہے تھے۔ ❶

علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے لیے پانی لے کر آئے، تاکہ آپ اسے پئیں، لیکن وہ پینے کے لائق نہیں تھا، اس لیے آپ نے اسے واپس کر دیا، اور علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے چہرہ سے خون کو دھویا اور آپ کے سر پر پانی بہایا، اور رسول اللہ ﷺ نے وہاں موجود ایک چٹان پر چڑھنا چاہا تو تکلیف اور تھکن کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے، یہ دیکھ کر طلحہ رضی اللہ عنہ آپ کے قدموں کے نیچے بیٹھ گئے، اور آپ ان کی پشت پر پاؤں رکھ کر چٹان پر چڑھ گئے، اس وقت نماز کا وقت ہو گیا تھا، تو آپ نے بیٹھ کر ان صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔

فرشتوں نے آپ ﷺ کا دفاع کیا:

صحیح روایات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل اور میکائیل علیہما السلام کو بھیجا، تاکہ رسول اللہ ﷺ سے دفاع کرنے کے لیے وہ دونوں جنگ کریں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے آپ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی تھی، جیسا کہ بخاری اور مسلم میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو احد کے دن دیکھا کہ دو آدمی آپ کی طرف سے دفاع میں زبردست جنگ کر رہے تھے، اور وہ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے، اُن دونوں کو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور نہ بعد میں کبھی دیکھا۔ ❷

مجاہدین پر اونگھ طاری ہوگئی:

رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر جو بھاری مصیبت آ گئی تھی، اس کے سبب مجاہدین بہت ہی زیادہ غم زدہ تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کے اوپر کچھ دیر کے لیے اونگھ طاری کر دی، اور جب ان کی آنکھیں کھلیں تو ان کے دلوں سے خوف رخصت ہو چکا تھا اور انہیں نہایت سکون و اطمینان حاصل ہو چکا تھا۔

ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اُن لوگوں میں سے تھا، جن پر احد کے دن اونگھ طاری ہوئی تھی، یہاں تک کہ میری تلوار کئی بار میرے ہاتھ سے گرتی رہی اور میں اسے اٹھاتا رہا۔ ❸ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ﴾

[آل عمران: ١٥٤]

"پھر اللہ نے غم کے بعد تمہارے اوپر سکون نازل کیا، جو نیند تھی، جو تم میں سے ایک جماعت پر غالب آ رہی تھی، اور ایک دوسری جماعت تھی، جس کو صرف اپنی فکر لگی ہوئی تھی، جو اللہ کے بارے میں ناحق دورِ جاہلیت کی

❶ الدر المنثور، السیوطی: ٥/ ٦٩، طبقات ابن سعد: ٢/ ٣٢، سیرۃ ابن ہشام: ٢/ ٨٤، غزوات النبی ﷺ: ص/ ٥١.

❷ صحیح البخاری: ٧/ ٢٧٧، صحیح مسلم، حدیث: (٢٣٠٦).

❸ فتح الباری: ٧/ ٣٦٥.

بدگمانیوں میں مبتلا تھی، کہتے تھے کہ کیا ہمیں بھی کسی بات کا اختیار ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ تمام امور اللہ کے اختیار میں ہیں۔"

اور وہ لوگ جن کو صرف اپنی فکر تھی اور مسلمانوں پر نازل شدہ مصیبت اور اسلام کے انجام کی کوئی فکر دامن گیر نہیں تھی وہ منافقین تھے۔

مشرکین جب پہاڑ پر چڑھ گئے اور اس کے ایک حصہ پر قابض ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے سعدؓ سے فرمایا: انھیں مار بھگاؤ، سعد نے کہا: میں اکیلے کیسے انھیں مار بھگاؤں؟ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات تین بار کہی، تو سعدؓ نے اپنے تھیلے سے ایک تیر نکالا اور اس کے ذریعہ ایک کافر کو قتل کر دیا۔ سعدؓ کہتے ہیں: میں نے پھر وہی تیر لیا جسے میں پہچانتا تھا، اور اس کے ذریعہ دوسرے کافر کو مارا، اور اسے بھی قتل کر دیا، اس کے بعد وہ لوگ اپنی جگہ سے پیچھے بھاگ گئے تو میں نے کہا: یہ تیر تو بڑا ہی مبارک ثابت ہوا، چنانچہ اسے میں نے اپنے تھیلے میں رکھ لیا، وہ تیر زندگی بھر سعدؓ کے پاس رہا، اور ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں کے پاس۔ ●

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور ان کے والد:

حذیفہ اور ان کے والد رضی اللہ عنہ اس معرکہ میں شریک تھے، حذیفہؓ نے جب دیکھا کہ مسلمان ان کے والد کو مشرک سمجھ کر قتل کرنا چاہتے ہیں، تو انھوں نے کہا: اے اللہ کے بندو! یہ میرے والد ہیں، لیکن مجاہدین نے ان کی بات نہیں سنی اور انھیں قتل کر دیا، حذیفہؓ نے کہا: اللہ تعالیٰ تم سب کو معاف کر دے، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی دیت دینی چاہی، تو حذیفہؓ نے کہا: میں نے ان کی دیت مسلمانوں پر صدقہ کر دی، اس بات سے نبی کریم ﷺ کی نگاہ میں حذیفہؓ کا مقام بلند ہو گیا۔ ●

سعد ابن الربیع رضی اللہ عنہ کی وصیت:

زید بن ثابتؓ کہتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو تلاش کرنے کے لیے بھیجا اور کہا: اگر وہ تمھیں مل جائے تو میرا اسلام کہنا اور کہنا رسول اللہ ﷺ پوچھ رہے ہیں کہ تم کیسے ہو؟ زیدؓ کہتے ہیں: میں مقتولین کے درمیان گھوم کر انھیں تلاش کرنے لگا، یہاں تک کہ میں نے انھیں پالیا، اس وقت وہ اپنی زندگی کی آخری سانس لے رہے تھے، ان کو ستر کاری ضربیں لگی تھیں۔ میں نے کہا: اے سعد! رسول اللہ ﷺ نے تم کو سلام بھیجا ہے اور کہا ہے: مجھے بتاؤ کہ تم کس حال میں ہو؟ سعدؓ نے کہا: رسول اللہ ﷺ پر بھی سلام ہو، ان سے کہنا: اے اللہ کے رسول! میں جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں، اور میری قوم انصار سے کہنا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارے لیے کوئی عذر معافی کا نہیں ہوگا، اگر دشمن رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گیا اور تمہارے درمیان ایک آنکھ بھی دیکھنے والی موجود ہے۔ اور اس کے بعد ہی فوراً انھوں نے اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دی۔ ●

● زاد المعاد: ۳/ ۱۶۰، صحیح البخاری، حدیث: (۴۰۵۵ – ۴۰۵۹)، فتح الباری: ۷/ ۴۱۶، غزوات النبی ﷺ: ص/ ۵۰.

● سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۸۷، مستدرک حاکم: ۳/ ۲۰۲، حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے۔

● مستدرک حاکم: ۳/ ۲۰۱، امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح الإسناد ہے، اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے، دلائل البیہقی: ۳/ ۲۸۵، طبقات ابن سعد: ۳/ ۵۲۴.

عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کی تمنا:

ابو قتادہؓ روایت کرتے ہیں: عمرو بن الجموح رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر میں اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہوا قتل کر دیا جاؤں، تو کیا اپنے اس پاؤں کے ذریعہ درست حالت میں جنت میں چل پھر سکوں گا، اس لیے کہ وہ لنگڑے آدمی تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، چنانچہ احد کے دن وہ، ان کا بھتیجا، اور ان کا ایک غلام تینوں کام آگئے، اور جب رسول اللہ ﷺ کا ان کی لاش سے گزر ہوا تو فرمایا: اے عمرو! میں تمھیں جنت میں اپنے انھی پاؤں سے درست حالت میں چلتے دیکھ رہا ہوں، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں کو ایک قبر میں دفن کر دیا۔ ❶

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے:

قیس نے روایت کی ہے کہ میں نے طلحہؓ کا وہ مشلول ہاتھ دیکھا تھا جس کے ذریعہ وہ احد کے دن رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے رہے ❷ اور جابر بن عبد اللہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ احد کے دن جب لوگ بھاگ پڑے تو رسول اللہ ﷺ اپنے بیس صحابہ کرام کے ساتھ ایک طرف ثابت قدم رہے، ان میں طلحہؓ بھی تھے، مشرکین ان کے پاس جا پہنچے تو آپ ﷺ نے پوچھا: کون ان کافروں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہے؟ طلحہؓ نے کہا: میں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی جگہ پر رہو، پھر ایک آدمی نے کہا: میں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں تم مقابلہ کرو، چنانچہ انھوں نے جنگ کی یہاں تک کہ قتل کر دیے گئے۔ اور آپ ﷺ نے دیکھا کہ مشرکین بڑھتے آرہے ہیں، تو آپ ؐ نے پھر پوچھا: کون ہے جو ان کا مقابلہ کرے گا؟ طلحہؓ نے کہا: میں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی جگہ پر رہو، پھر ایک انصاری نے کہا: میں، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں تم مقابلہ کرو، چنانچہ انھوں نے جنگ کی یہاں تک کہ قتل کر دیے گئے، صحابہ کرام اسی طرح یکے بعد دیگرے مشرکوں سے جنگ کرتے رہے، اور شہید ہوتے رہے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف طلحہؓ باقی رہ گئے تو آپ ؐ نے فرمایا: کون ہے جو ان کافروں کا مقابلہ کرے گا؟ طلحہؓ نے کہا: میں، تو پھر طلحہؓ نے ان گیارہوں شہدا صحابہ کے برابر جنگ کی، یہاں تک کہ ان کی انگلیاں کٹ گئیں، پھر اللہ تعالی نے مشرکوں کو مار بھگایا۔ ❸

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ معرکۂ احد سے واپس لوٹتے ہوئے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی لاش کے پاس سے گزرے تو وہاں کھڑے ہو کر ان کے لیے دعا کی، پھر پڑھا:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ [الأحزاب: ٢٣]

''مومنوں میں سے ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو سچ کر دکھایا، پس ان میں سے

---

❶ مسند أحمد: ٥/ ٢٩٩، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس کی سند کو حسن کہا ہے، دیکھیے، فتح الباري: ٣/ ٢٠٧.

❷ صحیح البخاري، حدیث: (٤٠٦٣)، مقدمہ ابن ماجہ، حدیث: (١٢٨) مسند أحمد: ١/ ١٦١.

❸ سنن النسائي: ٦/ ٢٩، ٣٠، ذہبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں، اور حاکم نے بھی اسی معنی کی ایک حدیث روایت کی ہے ٣/ ٣٩٩۔

بعض نے اپنی نذر پوری کردی، اور بعض وقت کا انتظار کر رہے ہیں، اور ان کے موقف میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی ہے۔"

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ تمام مقتول مجاہدین قیامت کے دن اللہ کے سامنے شہیدوں کی حیثیت سے پیش ہوں گے۔ ●

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے صحابہ کرام:

واقدی نے لکھا ہے کہ احد کے دن مہاجرین میں سے مندرجہ ذیل سات صحابہ کرام ثابت قدم رہے: ابوبکر صدیق، علی بن ابی طالب، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن عوام اور ابوعبیدہ بن جراح۔ (رضی اللہ عنہم)

اور انصار میں سے مندرجہ ذیل سات صحابہ کرام ثابت قدم رہے: ابودجانہ سماک بن خرشہ، حباب بن منذر، عاصم بن ثابت، حارث بن صمہ، سہل بن حنیف، سعد بن معاذ، اسید بن حضیر، اور بعض نے آخری دو کے بجائے سعد بن عبادہ اور محمد بن مسلمہ کا نام ذکر کیا ہے۔ (رضی اللہ عنہم) ●

میدان احد میں مسلمان عورتوں کا کردار:

غزوۂ احد میں مجاہدین اسلام کے ساتھ مسلمان عورتوں کا بھی بڑا عظیم کردار رہا ہے:

۱۔ اُمّ عمارہ نسیبہ بنت کعب المازنیہؓ کہتی ہیں کہ میں صبح کے وقت اس ارادے سے نکلی کہ دیکھوں مجاہدین کا کیا حال ہے؟ اور میرے پاس پانی کا ایک مٹکا تھا، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئی، آپؐ اس وقت صحابہ کرامؓ کے ساتھ تھے، اور جنگ کا رُخ مسلمانوں کے حق میں تھا، لیکن جب مسلمان شکست کھا کر بھاگنے لگے تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئی اور جنگ کرنے لگی، اور تلوار کے ذریعہ آپ کا دفاع کرنے لگی، اور دشمنوں کی طرف تیر چلانے لگی، یہاں تک کہ میں زخموں سے چور ہوگئی۔

اُمّ سعد بنت سعد بن ربیعؓ کہتی ہیں: میں نے ان کے کندھے پر ایک گہرے زخم کا نشان دیکھا تو پوچھا: یہ ضرب آپ کو کس نے لگائی تھی؟ انہوں نے کہا: ابن قمئہ نے، اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرے، جب لوگ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگنے لگے تو ابن قمئہ کہنے لگا، کوئی آدمی مجھے محمد (ﷺ) کو دکھلا دے، اگر وہ آج نجات پا گیا تو میں نجات نہیں پاؤں گا، یہ سن کر میں، مصعبؓ بن عمیر، اور کچھ دیگر صحابہ نے آگے بڑھ کر اسے روکنے کی کوشش کی، تو اس نے میرے کندھے پر یہ ضرب لگائی، اور میں نے اس کے بعد اس پر کئی ضربیں لگائیں، لیکن اللہ کا دشمن دو زرہیں پہنے ہوا تھا۔ ●

۲۔ اُمّ سلیط انصاریہؓ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، احد کے دن پانی کے گھڑے مجاہدین کے پاس

● مستدرک حاکم: ۳/ ۲۰۰، اور حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، اسے بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

● الحیاۃ العسکریۃ: ص/ ۱۱۶، ۱۱۷۔

● الاکتفاء: ۲/ ۷۵۔

پہنچاتی تھیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کچھ صحابیات مدینہ کے درمیان لباس تقسیم کیا، اور ایک اچھا لباس باقی رہ گیا تو انہوں نے ام سلیطؓ کو دے دیا اور کہا: یہ اس کی زیادہ حقدار ہے، یہ احد کے دن ہمارے لیے پانی کے گھڑے ڈھوتی تھی۔ ❶

۳- سیدہ عائشہ بنت ابی بکر ام المومنین اور ام سلیم رضی اللہ عنہما اپنی پیٹھ پر پانی کے گھڑے ڈھوتی تھیں، اور مجاہدین کو پلاتی تھیں، پھر لوٹ کر آتیں اور گھڑے بھر کر لے جاتیں، پھر آتیں اور مجاہدین کو پانی پلاتیں۔ ❷

۴- ابوحازم کی روایت سے ثابت ہے کہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا میدان معرکہ میں موجود تھیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا زخم دھویا اور علی بن ابی طالبؓ نے اپنی ڈھال میں پانی لے کر اس پر انڈیلا، اور جب سیدہ فاطمہؓ نے دیکھا کہ پانی سے اور زیادہ خون نکل رہا ہے، تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر اسے جلایا اور زخم پر چپکا دیا، تو خون بند ہو گیا۔ ❸

جنگ کے شعلے دھیمے پڑ گئے:

اس طرح صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرنے میں اپنی جانوں کی بازی لگا دی، اور بھگدڑ مچ جانے کے بعد دوبارہ انہوں نے اپنی صفوں کو درست کیا، اور کافروں پر دوبارہ زبردست حملہ کر دیا، جس سے مشرکوں کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا، اور احد کی گھاٹیوں میں مسلمانوں کا پیچھا کرنے سے رک گئے۔

مشرک ہمیشہ ہی کینہ پرور اور خبیث فطرت واقع ہوا ہے، اسی لیے مشرکوں نے کئی مسلمان مقتولین کے اعضاء کاٹے، ان کی شکلوں کو بگاڑا، ان کے کان، ناک اور شرمگاہوں کو کاٹا، اور ابوسفیان کی بیوی ہند نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چاک کیا اور ان کا کلیجہ چبایا، لیکن اسے حلق سے نیچے نہیں اتار سکی، تو اسے منہ سے باہر پھینک دیا، اور کافر عورتوں نے مجاہدین کے کانوں اور ناکوں کے پازیب اور ہار بنا کر پہنے۔ ❹

ابن اسحاق نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حمزہؓ کو ان کا مثلہ کیے جانے کے بعد دیکھا تو فرمایا: اگر میں نے قریش کو پا لیا تو ان میں سے تیس آدمی کے مثلے کروں گا، اور جب صحابۂ رسول نے آپ ﷺ کی تکلیف کا اندازہ لگایا تو کہنے لگے اگر ہم نے ان کو پا لیا تو ان کا ایسا مثلہ کریں گے کہ کسی عربی نے کسی دوسرے کا نہیں کیا ہوگا، تب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ﴾ [النحل: ۱۲۶ سے آخر سورہ تک] ...... "اور (مسلمانو) اگر تم سزا دو تو اتنی ہی دو جتنی سزا تمہیں دی گئی تھی۔" بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے صبر کیا اور مثلہ کرنے سے منع فرما دیا۔ ❺

---

❶ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤٠٧١).

❷ صحيح البخاري، باب ام سليط، حديث: (٤٠٧١).

❸ صحيح البخاري، حديث: (٤٠٧٥)، صحيح مسلم، حديث: (١٧٩٠)، مسند احمد: (٥/ ٣٣٠، ٣٣٤)، سنن ابن ماجه، حديث: (٣٤٦٤)، سنن الترمذي، حديث: (٢٠٨٥).

❹ سيرة ابن هشام: ٢/ ٩١.

❺ سيرة ابن هشام: ٢/ ٩٦.

جب جنگ کی آگ سرد پڑ گئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی چنگاری کو بجھا دیا تو ابوسفیان نے پہاڑ کے اوپر سے جھانک کر آواز دی اور کہا: کیا تم لوگوں کے درمیان محمد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا جواب نہ دو، اس نے پھر کہا: کیا تمہارے درمیان ابن ابی قحافہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا جواب نہ دو، اس نے پھر کہا: کیا تمہارے درمیان ابن الخطاب ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کا جواب نہ دو، ابوسفیان نے ان تینوں کے علاوہ اور کسی کے بارے میں نہیں پوچھا: اس لیے کہ وہ جانتا تھا کہ اسلام کی عمارت کی بنیاد یہی حضرات ہیں۔ تب ابوسفیان نے کافروں سے کہا: تم لوگوں نے انہیں قتل کر دیا، اگر یہ زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔

یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا، اور کہا: اے اللہ کے دشمن، اے جھوٹے! جن کے تم نے نام لیے ہیں، وہ سب زندہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان تمام لوگوں کو ابھی باقی رکھا ہے، جن کے نام سن کر تمہاری نیند حرام ہو جاتی ہے، ابوسفیان نے کہا: مسلمان مقتولین کا مثلہ کیا گیا ہے، میں نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، لیکن مجھے اس بات سے کوئی تکلیف بھی نہیں ہوئی ہے، پھر اس نے کہا: ہبل معبود اونچا رہے، تب نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے کہا: کیا تم لوگ اس کا جواب نہیں دو گے، صحابہ نے پوچھا: ہم کیا کہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو "اللہ اعلیٰ واجل" یعنی اللہ سب سے اعلیٰ اور سب سے بلند و بالا ہے۔ صحابہ نے کہا: "اللہ اعلیٰ واجل" تو ابوسفیان نے کہا: ہمارے پاس عزیٰ ہے اور تمہارے پاس عزیٰ نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ اس کا جواب نہیں دو گے، صحابہ نے پوچھا: ہم کیا کہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو، اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں ہے، صحابہ نے کہا: اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں، پھر ابوسفیان نے کہا: آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے، اور جنگ میں ایسا ہی ہوتا ہے، عمر نے کہا: نہیں ہماری اور تمہاری جنگ برابر نہیں ہو سکتی، ہمارے مقتولین کا ٹھکانا جنت ہوگا، اور تمہارے مقتولین جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ ●

ابتدا میں ابوسفیان کا جواب اس کی اہانت اور تذلیل کے طور پر نہیں دیا گیا، یہاں تک کہ جب کفر کا نشہ اس کے دماغ پر چڑھ گیا اور کبر سے اس کا دل و دماغ بھر گیا اور اپنے معبودوں اور شرک اکبر کے ارتکاب پر فخر کرنے لگا تب صحابہ کرام نے اس کو حقیقت امر سے آگاہ کیا، اور پوری شجاعت کے ساتھ اس کی بات کا جواب دیا، تاکہ توحید کا کلمہ بلند ہو اور بت پرستی کی تذلیل ہو، اور اللہ تعالیٰ کے بلند و بالا مقام کا اعلان ہو۔

ابوسفیان کی طرف سے دوبارہ میدان بدر میں جنگ کی دھمکی:

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابوسفیان نے واپس لوٹتے ہوئے پکار کر کہا کہ ہمارا اور تمہارا موعد آئندہ سال مقام بدر ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی سے کہا: کہو، ہاں، ہمیں یہ وعدہ منظور ہے۔ ●

اس طرح مشرکین کی فوج ناکام و نامراد اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر اور اپنے انتقام کی پیاس یک گونہ بجھا کر خوشی کے ساتھ

● صحیح البخاری، حدیث (۴۰۴۳)، سنن ابی داؤد، حدیث: (۲۶۶۲)، مسند احمد: (۴/ ۲۹۳)، سنن النسائی، التفسیر، حدیث: (۹۹).

● سیرۃ ابن ھشام: ۲/ ۹٤.

واپس جانے کی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ایک دن میں یہ لوگ کئی کئی میل کا سفر کرتے تھے، انھیں یقین تھا کہ مسلمان ان کا پیچھا کریں گے، اور ان پر حملہ کرنے کی کوشش کریں گے، گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا تھا۔

کفار قریش خائب وخاسر مکہ واپس لوٹے، سوائے انتقام کی پیاس بجھانے کے اور کوئی کامیابی ان کو حاصل نہیں ہوئی، نہ انہیں کوئی مال غنیمت حاصل ہوا، جو ان کے لیے دلیل بنتا کہ وہ غزوۂ احد سے کامیاب لوٹے ہیں اور نہ ان کے ہاتھوں میں کوئی ایک بھی مسلمان قیدی تھا، تاکہ عربوں میں اعلان کرتے کہ وہ زیادہ طاقتور ہیں اور مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرکے لوٹے ہیں، بلکہ اس کے برعکس ان کی فوج کی ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی تلواروں اور نیزوں سے قتل کردی گئی۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ مقتول مشرکین کی تعداد بائیس تھی، اور ایک دوسرے قول کے مطابق ان کی تعداد سینتیس (۳۷) تھی۔

صاحب اتحاف الوریٰ نے لکھا ہے کہ پہلا مشرک جو غزوۂ احد اور مشرکوں کے نامراد لوٹنے کی خبر لے کر مکہ پہنچا وہ عبداللہ بن امیہ بن مغیرہ تھا، اس نے اچھا نہیں سمجھا کہ اہل قریش کی شکست کی خبر لوگوں کو اسی کے ذریعہ ملے، اس لیے وہ چپکے سے طائف چلا گیا اور وہاں سے اس نے خبر بھیجی کہ اصحاب محمد جیت گئے ہیں، اور ہم شکست کھا گئے ہیں۔ ❶

علی رضی اللہ عنہ مشرکوں کی شکست کی خبر لے کر آتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں کے مکہ لوٹ جانے کی خبر کا اطمینان کرنے کے لیے علی بن ابو طالب کو یہ حکم دیا کہ وہ کافروں کے پیچھے جائیں اور دیکھیں کہ وہ کیا کرتے ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ اگر وہ گھوڑوں کے بجائے اونٹوں پر سوار ہوتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ مکہ لوٹ رہے ہیں، اور اگر گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں اور اونٹوں کو ہانک رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر انھوں نے ایسا سوچا تو میں مدینہ میں ان کا مقابلہ کروں گا۔ علی کہتے ہیں: میں ان کے پیچھے نکلا تاکہ دیکھوں وہ کیا کرتے ہیں تو وہ گھوڑوں کے بجائے اونٹوں پر سوار ہوئے، اور مکہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ ❷

شہدائے احد کی تدفین:

مشرکین مکہ جب میدان معرکہ سے نکل کر مکہ کی طرف چل پڑے تو رسول اللہ ﷺ نے شہداء کو دفن کرنے کا حکم دیا، جن کی تعداد ستر تھی، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو دو شہداء کو ایک کپڑے کا کفن دیتے تھے، پھر فرماتے تھے کہ ان میں قرآن کا علم کس نے زیادہ حاصل کیا تھا، اور جب کسی ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو آپ اسے لحد میں مقدم کرتے اور کہتے کہ میں قیامت کے دن ان سب کا گواہ ہوں گا، آپ ﷺ نے تمام شہداء کو ان کے خون کے ساتھ دفن کرنے کا حکم دیا، نہ آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور نہ انہیں غسل دیا گیا۔ ❸

---

❶ اتحاف الوریٰ: ۱/ ۲۵.

❷ سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۹٤، والسیرۃ النبویۃ لابن کثیر: ۳/ ۷٦.

❸ صحیح البخاری، الجنائز، حدیث: (۱۳٤۳)، مسند احمد: (۵/ ٤۳۱)، اور اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے کتاب الجنائز میں روایت کیا ہے۔

ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ احد کے دن مجاہدین اسلام کو لگے زخموں کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے مقتولین کے لیے کشادہ قبر کھودو، اور ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرو، اور دو دو اور تین تین کو ایک قبر میں دفن کرو، اور ان میں جو قرآن کا علم زیادہ رکھتے تھے انھیں آگے کرو، چنانچہ میرے باپ بھی زخموں کی تاب نہ لا کر وفات پاگئے تو انہیں دو آدمی پر مقدم کیا گیا۔ ❶

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مقتولین احد زیادہ تھے اور کپڑے کم تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ تین تین اور دو دو کو ایک قبر میں جمع کرتے اور پوچھتے کہ ان میں سے کس کے پاس قرآن کا علم زیادہ تھا، اسے آپ ﷺ لحد میں مقدم کرتے، اور دو دو اور تین تین کو ایک کپڑے کا کفن دیتے۔ ❷

جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ شہدائے احد اپنی جگہ سے اٹھا لیے گئے تو رسول اللہ ﷺ کے منادی نے پکارا کہ تم لوگ شہدا کو ان کی پہلی جگہوں پر لوٹا دو، اور جابرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ میرے والد معرکۂ احد میں شہید ہو گئے تو میری بہنوں نے مجھے اپنی ایک اونٹنی دے کر بھیجا اور کہا کہ جاؤ اپنے باپ کو اس اونٹ پر لاد کر لے آؤ، اور انہیں بنوسلمہ کے مقبرہ میں دفن کر دو۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ میں اور میرے کچھ مددگار وہاں پہنچے تو نبی کریم ﷺ کو اس کی خبر ملی، آپ اس وقت میدانِ احد میں ہی بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے مجھے بلایا اور کہا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ اپنے بھائیوں کے ساتھ دفن کیے جائیں گے، چنانچہ وہ مقام احد میں ہی دیگر شہداء کے ساتھ دفن کیے گئے۔ ❸

نبی کریم ﷺ کی تمنا:

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی شہدائے احد کا ذکر کرتے تو کہتے اللہ کی قسم! میں نے چاہا کہ مجھے بھی میرے ان صحابہ کے ساتھ شہید کر دیا جاتا جو پہاڑ کے دامن میں قتل کر دیے گئے۔ ❹

صحابیاتِ رسول ﷺ کا موقف:

مدینہ میں مسلمان مردوں اور عورتوں پر میدانِ احد میں ان کی اتنی بڑی تعداد کے قتل ہو جانے کے سبب بہت بھاری مصیبت پڑ گئی تھی، اور ان ہی میں سے رسول اللہ ﷺ بھی تھے، جنہیں مقتولین احد کے سبب بہت ہی گہرا غم لاحق ہو گیا اور خاص طور سے آپؐ کے چچا حمزہؓ کی شہادت کا ان کے دل پر زندگی بھر غم کا گہرا اثر رہا، ذیل میں کچھ صحابیاتِ رسول ﷺ کے

---

❶ سنن الترمذی، کتاب الجہاد، حدیث: (۱۷۱۳)، اور ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور اسے ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے کتاب الجنائز میں روایت کی ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

❷ سنن ابی داؤد، حدیث: (۳۱۳۷)، مسند احمد: ۳/ ۱۲۸، مستدرک حاکم: (۱/ ۳۶۰)، اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲/ ۳۹۱، ۳۹۲.

❸ مسند احمد: ۳/ ۳۰۸، اور اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی، اور ابن ماجہ نے جنائز میں اور ترمذی نے کتاب الجہاد میں روایت کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

❹ مسند احمد: ۳/ ۳۷۵، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۳/ ۸۹، اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۶/ ۱۲۳) میں لکھا ہے کہ اس کے رجال ابن اسحاق کے علاوہ سب حدیث صحیح کے رجال ہیں اور ابن اسحاق نے سماع کی صراحت کر دی ہے اس لیے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

غموں کا حال بیان کرتا ہوں:

۱- صفیہ بنت عبدالمطلبؓ کو اپنے سگے بھائی حمزہ بن عبدالمطلبؓ کی شہادت کا بڑا ہی شدید غم ہوا، ان کو جب ان کی شہادت کی خبر ملی تو دوڑتی ہوئی میدانِ احد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئیں، آپ ﷺ نے ان کے بیٹے زبیر بن عوامؓ سے کہا: جلد جا کر اُن سے ملو، اور انہیں واپس کر دو، تا کہ وہ اپنے مقتول بھائی کو اس حال میں نہ دیکھ پائیں، چنانچہ زبیرؓ نے ان سے کہا: امی جان رسول اللہ ﷺ نے آپ کو لوٹ جانے کا حکم دیا ہے، انہوں نے کہا: کیوں، مجھے خبر ہوئی ہے کہ میرے بھائی کا مُثلہ کیا گیا ہے، لیکن ان کے ساتھ ایسا اللہ کی خاطر ہوا ہے، میں ان شاء اللہ۔ اللہ سے اجر کی امید کروں گی، اور صبر کروں گی، پھر ان کی لاش کے پاس آئیں اور انہیں دیکھ کر انا للہ وانا الیہ راجعون کہا، اور ان کے لیے طلبِ مغفرت کی دعا کی، پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے انہیں دفن کر دیا گیا۔ ❶

۲- جب رسول اللہ ﷺ مدینہ کی طرف لوٹنے لگے تو راستے میں آپؐ کی ملاقات حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ہوگئی جنہیں اُن کے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی گئی تو انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی پھر انہیں ان کے ماموں حمزہ بن عبدالمطلبؓ کی شہادت کی خبر دی گئی تو انا للہ پڑھا اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی، پھر انہیں ان کے شوہر مصعب بن عمیرؓ کی شہادت کی خبر دی گئی تو چیخ پڑیں اور واویلا کرنے لگیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک ہر عورت کے دل میں اس کے شوہر کا ایک خاص مقام ہوتا ہے، یہ بات آپؐ نے یہ دیکھ کر کہی کہ وہ اپنے بھائی اور اپنے ماموں کی شہادت پر ثابت قدم رہیں، اور اپنے شوہر کی شہادت کی خبر سن کر چیخ پڑیں۔ ❷

۳- نبی کریم ﷺ بنی دینار کی ایک صحابیہ کے پاس سے گزرے جن کے شوہر، بھائی اور باپ تینوں میدانِ احد میں شہید ہو گئے تھے، جب انہیں یہ خبر دی گئی تو پوچھا: رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ صحابہ نے کہا: اے امِ فلاں! رسول اللہ ﷺ اللہ کے فضل و کرم سے جیسا تم چاہتی ہو ویسے ہی ہیں یعنی بخیر ہیں۔ تو انہوں نے کہا: مجھے آپ ﷺ کو دکھلا دو، تا کہ میں آپ کو دیکھ لوں، چنانچہ آپؐ کی طرف اشارہ کر کے اُن سے کہا گیا کہ یہ ہیں، رسول اللہ ﷺ۔ جب صحابیہ نے آپ کو دیکھ لیا تو کہا: اے اللہ کے رسول! آپ زندہ سلامت ہیں، تو پھر ہر مصیبت ہلکی ہے۔ ❸

۴- سعد بن معاذؓ کی والدہ دوڑتی ہوئی آئیں، اس وقت سعدؓ آپ ﷺ کے گھوڑوں کی لگام پکڑے ہوئے تھے، سعدؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ میری ماں ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں خوش آمدید کہتا ہوں، آپ ان کے لیے کھڑے ہو گئے اور جب وہ قریب ہوئیں تو آپ ﷺ نے اُن سے ان کے بیٹے عمرو بن معاذؓ کی شہادت پر تعزیت کی تو وہ کہنے لگیں میں نے جب آپ کو بخیر و عافیت دیکھ لیا تو ہر مصیبت میرے لیے ہلکی ہوگئی۔ پھر آپ ﷺ نے شہدائے احد کے رشتہ داروں کو بلایا اور کہا: اے امِ سعد! خوش ہو جائیے، اور ان سب کو خوشخبری دے دیجیے کہ ان کے مقتولین سب

---

❶ سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۹۷، دلائل البیہقی: ۳/ ۲۸٦۔

❷ سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۹۸۔

❸ سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۹۹، دلائل البیہقی: ۳/ ۳۰۲، تاریخ الطبری: ۲/ ۵۳۳، اور اس کی سند حسن ہے۔

جنت میں ایک ساتھ ہیں، اور ان شہداء نے اپنے تمام رشتہ داروں کے لیے شفاعت کی ہے، ام سعد نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم راضی ہوگئے، ایسی خوشخبری کے بعد، اب ان پر کون آنسو بہائے گا، پھر کہا: اے اللہ کے رسول! جو لوگ یہاں موجود نہیں ہیں، اُن کے صبر و شکیبائی کے لیے دعا کر دیجیے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! ان سب کے دلوں کے غم کو دور کر دے اور ان کی مصیبت کا اچھا بدلہ دے اور ان کے پسماندگان کو ان کا اچھا وارث بنا۔ ❶

صحابیات رسول ﷺ نے اپنے مقتولین کی مصیبت پر مومنانہ قلب و روح کے ساتھ صبر کیا اور اپنے غم کو فراموش کر کے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھتی رہیں، اس لیے کہ انھیں اپنے شوہروں اور اپنے رشتہ داروں سے زیادہ نبی کریم ﷺ کی زندگی اور خیر و عافیت کی فکر تھی۔

شہدائے احد کے لیے بشارت:

۱- رسول اللہ ﷺ نے انصار و مہاجرین کے مردوں اور عورتوں کو ان کے مقتول بھائیوں اور رشتہ داروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم اجر و ثواب کی خوشخبری دی، آپ ؐ نے جابرؓ کے والد عبداللہ بن حرامؓ کی بیٹی سے کہا: کیوں روتی ہو، تمہارے باپ کے اوپر تو فرشتے سایہ فگن رہے یہاں تک کہ وہ آسمان کی طرف اٹھا لیے گئے۔ ❷

۲- ابن عباسؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: جب تمہارے بھائی میدان احد میں کام آگئے تو اللہ عزوجل نے ان کی روحوں کو ہری چڑیوں کے جوف (پیٹ) میں رکھ دیا، یہ چڑیاں جنت کی نہروں سے پانی پیتی ہیں اور اس کے پھل کھاتی ہیں، اور عرش الٰہی کے سایہ میں بنی قندیلوں کے ارد گرد اڑتی رہتی ہیں، انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾

[آل عمران: ۱۶۹]

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیے گئے آپ انہیں مردہ نہ سمجھیں، بلکہ وہ تو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، اور انہیں روزی دی جاتی ہے۔"

۳- جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے احد کے دن کہا: اے اللہ کے رسول! اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو میرا ٹھکانا کہاں ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت میں، چنانچہ اس نے اپنے ہاتھ میں موجود کھجوریں پھینک دیں، اور جنگ کرنے لگے یہاں تک کہ قتل ہوگئے۔ ❸

۴- سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ معصب بن عمیرؓ کی لاش کے پاس سے گزرے تو

---

❶ السيرة الحلبية: ۲/ ۴۷.

❷ صحيح مسلم: ۳/ ۲۸۵.

❸ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤٠٤٦)، صحيح مسلم، حديث: (١٨٩٩)، سنن النسائي، كتاب الجهاد: ٦/ ٣٣، مسند أحمد: ٣/ ٣٠٨، دلائل البيهقي: ٣/ ٢٤٣.

کھڑے ہو کر ان کے لیے دعا کی پھر یہ آیت کریمہ پڑھی:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ [الأحزاب: ۲۳]

''مومنوں میں سے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو سچ کر دکھایا، پس اُن میں سے بعض نے اپنی نذر پوری کر دی، اور بعض وقت کا انتظار کر رہے ہیں، اور ان کے موقف میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک یہ سب مقتولین شہداء کی حیثیت سے پیش ہوں گے۔ ❶

رسول اللہ ﷺ مدینہ کی طرف لوٹتے ہوئے:

رسول اللہ ﷺ جب شہداء کے دفن سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام کی صف بندی کی اور اللہ کی تعریف بیان کی اور فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ ، اَللّٰهُمَّ لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ ، وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ ، وَلَا هَادِيَ لِمَا أَضْلَلْتَ ، وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَيْتَ ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ ، وَلَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ ، وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَ ، وَلَا مُبَعِّدَ لِمَا قَرَّبْتَ ، وَاَللّٰهُمَّ) ابْسُطْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَفَضْلِكَ وَرِزْقِكَ ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ النَّعِيْمَ الْمُقِيْمَ الَّذِيْ لَا يَحُوْلُ وَلَا يَزُوْلُ ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ النَّعِيْمَ يَوْمَ الْعَيْلَةِ (الْفَاقَةُ) وَالْأَمْنَ يَوْمَ الْخَوْفِ . اَللّٰهُمَّ عَائِذٌ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا أَعْطَيْتَنَا وَشَرِّ مَا مَنَعْتَ ، اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْإِيْمَانَ وَزَيِّنْهُ فِيْ قُلُوْبِنَا ، وَكَرِّهْ إِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ، وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِيْنَ ، اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ وَأَحْيِنَا مُسْلِمِيْنَ وَأَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِيْنَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مَفْتُوْنِيْنَ ، اَللّٰهُمَّ قَاتِلِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ ، وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ ، وَاجْعَلْ عَلَيْهِمْ رِجْزَكَ وَعَذَابَكَ ، اَللّٰهُمَّ قَاتِلِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ إِلٰهَ الْحَقِّ .)) ❷

اس دعا میں رسول اللہ ﷺ نے باری تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی ہے اور اپنے لیے اور اپنے صحابہ کرام کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت، فضل و کرم، روزی اور اس کی برکتوں کی دعا کی ہے، نیز قیامت کے دن کے خوف سے امن کی دعا کی ہے، اور دعا کی ہے کہ اللہ کفر و فسوق اور معصیت کی ان کے دلوں میں نفرت ڈال دے، اور ان سب کو ہدایت یافتہ بنا دے، سب کو دنیا میں مسلمان زندہ رکھے اور جب موت آئے تو اسلام پر آئے، اور آخر میں آپ نے ان کافروں پر بد دعا کی ہے جو اللہ کے

---

❶ مستدرک حاکم: ۳/ ۲۰۰، اور حاکم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الإسناد ہے، اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے۔

❷ مستدرک حاکم: ۳/ ۲۳، اور حاکم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے، مسند احمد: ۳/ ۴۲۴.

رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں، اور اس کی سیدھی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں۔

پھر آپ ﷺ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کے لیے چل پڑے، اور مدینہ کی عورتیں اور بچے اپنے گھروں سے نکل کر مجاہدین میں اپنے شوہروں اور اپنے باپوں کو تلاش کر رہے تھے، جبکہ وہ ذہنی طور پر اللہ کی راہ میں ہر مصیبت کو جھیل جانے کے لیے تیار نظر آ رہے تھے۔

حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے والی کوئی نہیں؟

راستہ میں رسول اللہ ﷺ انصار کے گھروں میں سے ایک گھر کے پاس سے گزرے تو اندر سے شہداء کے قتل کیے جانے پر رونے اور نوحہ کرنے کی آواز آئی، آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہ پڑے اور رونے لگے، پھر فرمایا: لیکن حمزہ پر رونے والی کوئی نہیں ہے۔ جب سعد بن معاذ اور اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہما بنو عبدالاشہل کے گھروں کے پاس سے پہنچے تو اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ وہ سب جائیں اور رسول اللہ ﷺ کے چچا پر روئیں؛ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور جب رسول اللہ ﷺ نے حمزہ رضی اللہ عنہ پر ان کے رونے کی آواز سنی تو ان کے پاس پہنچے، وہ سب مسجد کے دروازے پر رو رہی تھیں، اور کہا: تم لوگ لوٹ جاؤ، اللہ تم پر رحم کرے، تمہارے یہاں آنے سے مجھے یک گونہ تسلی ملی ہے۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے جب ان کے رونے کی آواز سُنی تو فرمایا: اللہ انصار پر رحم کرے، ان کی طرف سے مجھے تسلی دی جاتی تو پرانی بات ہے، انھیں حکم دو کہ وہ لوٹ جائیں اور آپ ﷺ نے ان سب کو نوحہ کرنے سے شدت کے ساتھ منع فرمایا۔ ❶

ابن عمر اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم نے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ میدانِ احد سے واپس آئے تو انصار کی عورتوں کو روتے ہوئے سنا، فرمایا: لیکن حمزہ پر رونے والی کوئی نہیں؟ جب یہ بات انصار کی عورتوں کو معلوم ہوئی تو حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے لگیں، اور رسول اللہ ﷺ سو گئے، پھر بیدار ہوئے تو دیکھا کہ اب تک وہ سب رو رہی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کا بھلا کرے، اب تک رو رہی ہیں، تو خوب رو لیں اور آج کے بعد کسی مرنے والے پر نہ روئیں۔ ❷

ابو اُسید ساعدی رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ میں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، صحابہ کمبل کو ان کے چہرے کی طرف کھینچتے تھے تو ان کے دونوں قدم کھل جاتے تھے قدموں کی طرف کھینچتے تھے تو ان کا چہرہ کھل جاتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے ان کے چہرے پر ڈال دو اور ان کے دونوں قدموں پر درخت کے پتے اور ٹہنیاں ڈال دو، راوی کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر اُٹھایا تو آپ کے صحابہ کرام رو رہے تھے۔ ❸

---

❶ مسند احمد: ۲/ ۹۸، احمد شاکر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، مستدرک حاکم: ۱/ ۳۸۱، اور حاکم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے اور طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۶۔

❷ سنن ابن ماجہ، الجنائز، حدیث: (۱۵۹۱)، اور اس کی سند مسلم کی شرط کے مطابق ہے اور مسند احمد بحوالہ الفتح الربانی: ۷/ ۱۰۶، ۱۰۷، اور اس کی سند جید ہے۔

❸ المطالب العالیہ، حدیث: (۴۳۲۲) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ابوبکر ابن ابی شیبہ کی طرف منسوب کیا ہے اور بوصیری اس سے خاموش رہے ہیں اور ہیثمی نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقات ہیں۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ میں:

رسول اللہ ﷺ سنیچر کے دن ہی شام کو اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ گئے اور اپنی تلوار (ذوالفقار) اپنی بیٹی فاطمہؓ کو دیتے ہوئے کہا: اے بیٹی! اس میں لگے خون کو دھودو، اللہ کی قسم! آج اس نے اپنے اخلاص کا ثبوت دیا ہے، اور علی بن ابو طالبؓ نے بھی فاطمہؓ کو اپنی تلوار دی اور کہا: اس میں بھی لگے خون کو دھودو، اللہ کی قسم! آج اس نے اپنے اخلاص کا ثبوت دیا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے پورے اخلاص کے ساتھ آج جنگ کی ہے تو تمہارے ساتھ سہل بن حنیف اور ابودجانہ رضی اللہ عنہما نے بھی اپنی جان لگا کر جنگ کی ہے۔

اس دن رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابو طالبؓ سے کہا: اب مشرکین آج کی طرح کبھی بھی ہمیں تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فتح ونصرت عطا فرمائے گا۔ ❶

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں بعض ان مسلمانوں سے ملاقات کی، جو شکست خوردہ ہوکر بھاگ آئے تھے، آپؐ نے ان کے ساتھ سختی کے ساتھ بات نہیں کی، بلکہ بالکل نرم انداز میں گفتگو کی اور ان کی لغزش کو معاف کر دیا، آپ ﷺ کے اسی مشفقانہ اور رحیمانہ موقف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴾

[آلِ عمران: ۱۵۹]

"آپ محض اللہ کی رحمت سے اُن لوگوں کے لیے نرم ہوئے ہیں، اور اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، پس آپ انہیں معاف کر دیجیے، اور ان کے لیے مغفرت طلب کیجیے، اور معاملات میں ان سے مشورہ لیجیے، پس جب آپ پختہ ارادہ کر لیجیے تو اللہ پر بھروسہ کیجیے، اللہ توکل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

لیکن بدخواہ یہود اور فتنہ انگیز منافقین اور اطراف مدینہ میں رہنے والے بادیہ نشین مشرکین نے مسلمانوں کی مصیبت پر خوب خوشی منائی، انہیں معلوم نہیں تھا کہ انجام کار عزت اور غلبہ اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے ہی ہے۔

❶ الاکتفاء: ۲/ ۸۱۔

غزوۂ حمراء الأسد

غزوۂ احد کے بعد دشمنانِ اسلام کا موقف:

میں نے ابھی کچھ پہلے ذکر کیا ہے کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں پر جو مصیبت نازل ہوئی اس کے سبب ان پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ گئے، اور مدینہ واپس آنے کے بعد جب انہوں نے یہود، منافقین اور بادیہ نشین مشرکوں کو خوشی مناتے دیکھا اور اندازہ لگایا کہ یہ دشمنانِ اسلام مدینہ کے پھلوں اور اس کی خیرات و برکات پر تاک لگائے بیٹھے ہیں تو ان کا غم دوہرا ہو گیا۔

منافقین نے لوگوں میں ہر چہار جانب یہ بات پھیلا دی کہ محمد (ﷺ) کی فوج شکست کھا گئی، تاکہ عام مسلمانوں کی ہمت ٹوٹ جائے، اور عبداللہ بن ابی بن سلول کے استہزاء اور نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کا مذاق اڑانے کی تو کوئی حد ہی نہیں رہی۔ اس شخص کا پہلے سے طریقہ یہ تھا کہ ہر جمعہ کو ایک جگہ کھڑا ہو کر لوگوں سے خطاب کرتا تھا، اور اس کی قوم میں اس کی قدر و منزلت کے سبب کوئی اس پر اعتراض نہیں کرتا تھا، جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ جب بیٹھ جاتے تو یہ منافق کھڑا ہوتا اور لوگوں سے کہتا لوگو! تمہارے سامنے یہ اللہ کے رسول ہیں، اللہ نے تمہیں ان کے ذریعہ عزت بخشی ہے، اس لیے تم سب ان کی مدد کرو اور ان کی اطاعت کرو، پھر بیٹھ جاتا۔ جب احد کے دن اس کا نفاق کھل کر سامنے آیا، اور نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کا مذاق اڑایا، اور پھر جمعہ کے دن معمول کے مطابق لوگوں سے کچھ کہنے کے لیے کھڑا ہوا تو مسلمانوں نے ہر چہار جانب سے اس کے کپڑے پکڑ کر کھینچا اور کہا: اے اللہ کے دشمن! بیٹھ جاؤ، تم اس کے اہل نہیں ہو، تم نے تو جنگ احد کے موقع پر جو کچھ کیا ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ تو اللہ کا وہ دشمن لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا اور یہ کہتا ہوا نکل گیا، اللہ کی قسم! اگر میں نے لوگوں کو اس کا ساتھ دینے کی تاکید کی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں نے کوئی بُری بات کہہ دی ہے، مسجد کے دروازے پر ایک انصاری کی اس سے مڈبھیڑ ہو گئی، اس نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: میں اُٹھ کر اس کی تائید کرنے لگا تو اس کے اصحاب میں سے کچھ میرے خلاف کھڑے ہو گئے اور مجھے برا بھلا کہنے لگے، گویا کہ میں نے کوئی بری بات کہہ دی۔ انصاری نے کہا: اللہ تم کو ہدایت دے، واپس چلو، تاکہ رسول اللہ ﷺ تمہارے لیے مغفرت کی دعا کریں، اس منافق نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے لیے مغفرت کی دعا کرے۔

قرآن کریم نے منافقوں کے اس رُسوا کن موقف کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہا ہے:

﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَن لَّن يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ۝ وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُم بِسِيمَاهُمْ ۚ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ ۝﴾ [محمد: ۲۹-۳۱]

"کیا جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے، انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ اللہ اُن کے کینوں کو ظاہر نہیں

کرے گا، اور اگر ہم چاہتے تو آپ کے لیے اُن کی نشاندہی کر دیتے، تو آپ اُنہیں اُن کے نشان سے پہچان جاتے، اور آپ یقیناً اُنہیں اُن کے طرزِ گفتگو سے پہچان لیں گے، اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے، اور یقیناً تمہیں آزمائیں گے، تاکہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جانیں، اور تاکہ ہم تم سے متعلق خبروں کو آزمائیں۔"

نیز کہا ہے:

﴿إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾﴾ [آلِ عمران: ۱۲۰]

"اگر تمہیں کوئی بھلائی ملتی ہے تو انہیں تکلیف ہوتی ہے اور اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو گے، تو ان کا مکر وفریب، تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا، بے شک اللہ ان کے کرتوتوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔"

اور بدخواہ یہود بھی پہلے سے مسلمانوں پر مصیبت آنے کا انتظار کرتے رہتے تھے، اسی لیے اس جنگ کے بعد وہ بھی بہت زیادہ خوش ہوئے۔

اور یہ احتمال باقی تھا کہ کفارِ قریش اپنی ناکامی پر شرمندہ ہوں اور دوبارہ واپس آکر مدینہ پر حملہ کر دیں۔ موسیٰ بن عقبہ نے اس احتمال کی تصدیق کے طور پر لکھا ہے کہ مکہ کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا، اس نے کہا: میں ان لوگوں سے ملتا رہا ہوں، میں نے انہیں آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرتے سنا ہے، وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ "تم لوگوں نے کچھ بھی نہیں کیا، تم لوگوں نے مسلمانوں پر غالب آنے کے بعد انہیں چھوڑ دیا اور ان کو جڑ سے نہیں کاٹا" اس نے مزید کہا: ابھی ان کے بڑے بڑے سرداران موجود ہیں جو تمہارے خلاف جمع ہوں گے۔

دشمنوں کی بلبلی اور مشرکوں کے دوبارہ مدینہ پر حملے کے بارے میں سن سن کر مسلمانوں کا غم ہر روز بڑھتا جا رہا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ کے لیے ایسا موقف اختیار کرنا ضروری تھا جس کے ذریعہ تمام عربوں کے ذہن میں دوبارہ یہ بات ثبت کر دی جائے کہ مسلمان کمزور نہیں ہوئے ہیں، اور وہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے اور انہیں بری طرح شکست دینے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔

اسی لیے معرکۂ احد کے دوسرے دن جو شوال سن تین ہجری کی ۱۶ر تاریخ اتوار کا دن تھا، رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھنے کے بعد یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ دشمن کا پیچھا کرنے کے لیے جلد از جلد نکلا جائے اور اس دستہ میں وہی مجاہدین نکلیں جو معرکۂ احد میں شریک ہوئے ہیں، آپ ﷺ کے اس حکم کا مقصد مجاہدینِ معرکۂ احد کے مقام کی عظمت کو ظاہر کرنا تھا، نیز یہ کہ منافقین مسلمانوں کے ساتھ کہیں پھر نہ مل جائیں۔

ان نکلنے والوں کی تعداد چھ سو تھی، اور یہی مجاہدین غزوۂ احد میں شریک ہوئے تھے، سوائے جابر بن عبداللہ بن حرام ؓ

کے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ میرے باپ نے مجھے میری سات بہنوں کا ذمہ دار بنادیا اور کہا: اے بیٹے! مناسب نہیں کہ ہم دونوں ان عورتوں کو اس حال میں چھوڑ دیں کہ ان کے ساتھ کوئی مرد نہ رہے، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کرنے میں میں تمھیں اپنے آپ پر ترجیح نہیں دے سکتا ہوں، اس لیے تم اپنی بہنوں کی حفاظت کے لیے ان کے ساتھ رہو۔ چنانچہ میں غزوۂ احد میں ان کے ساتھ رہ گیا، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے صرف ان کو اپنے ساتھ کفارِ قریش کا پیچھا کرنے کے لیے نکلنے کی اجازت دی۔

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے ہزار زخموں اور تکلیفوں کے باوجود دشمن کا پیچھا کرنے کا علی الاعلان حکم دے دیا، تاکہ تمام کفار اس بات کو سن لیں، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں آپ کے ساتھ چلنا چاہتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔

نبی کریم ﷺ کے اس حکم کی تعمیل میں تمام مخلص مجاہدین اپنے رستے ہوئے زخموں کے ساتھ نکل پڑے، جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ؕۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ۝﴾ [آل عمران: ۱۷۲]

''جن لوگوں نے کاری زخم لگنے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول کی بات مانی، ان میں سے جن لوگوں نے اچھے کام کیے اور تقویٰ کی راہ اختیار کی، ان کے لیے اجر عظیم ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ اُحد کا ہی علمِ جہاد منگایا جواب تک کھولا نہیں گیا تھا، اور اسے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا، اور ایک روایت کے مطابق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا، اور آپ ﷺ مجاہدینِ اسلام کے ساتھ نکل پڑے، حالانکہ آپ ﷺ کا چہرہ زخمی تھا، پیشانی پر شدید چوٹ آئی تھی، اگلے چار دانت ٹوٹ گئے تھے، نچلا ہونٹ اندر سے زخمی تھا، دایاں کندھا ابن قمئہ کی ضرب سے کمزور ہوا پڑا تھا اور دونوں گھٹنے پتھروں کی رگڑ سے شدید زخمی تھے۔ عوالی میں رہنے والے مسلمان بھی جمع ہوگئے اور آواز سنتے ہی اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ رسول اللہ ﷺ ایک گھوڑے پر سوار ہوئے، اور تمام مجاہدین آپ ﷺ کے ساتھ نکل پڑے، آپ نے مدینہ میں اپنا نائب ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو بنادیا۔

قرآن کریم نے صحابہ کرام کے پوری تیزی کے ساتھ نکلنے کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ؕۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ۝﴾ [آل عمران: ۱۷۲]

''جن لوگوں نے کاری زخم لگنے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول کی بات مانی، ان میں سے جن لوگوں نے اچھے کام کیے اور تقویٰ کی راہ اختیار کی، ان کے لیے اجر عظیم ہے۔''

عائشہ رضی اللہ عنہا نے عروہ رحمہ اللہ سے کہا، تمہارے باپ (زبیر رضی اللہ عنہ) ان مجاہدین میں سے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی۔ احد کے دن جب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر بھاری مصیبت نازل ہوئی، تو مشرکوں کے لوٹ جانے کے بعد آپ ﷺ نے

فرمایا: ان کا پیچھا کرنے کے لیے کون نکلے گا؟ تو ستر مجاہدین ان کا پیچھا کرنے کے لیے نکل پڑے ❶ اور باقی مجاہدین دوسرے دن ان سے جا ملے، اس طرح ان کی تعداد چھ سو تیس (۶۳۰) ہو گئی تھی۔

صحابہ کرام کی فدائیت:

غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بنو عبدالاشہل کے دو بھائی شریک ہوئے تھے جو شدید زخمی ہو کر واپس آئے تھے، جب رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ تمام مجاہدین احد دشمن کا پیچھا کرنے کے لیے نکل پڑیں تو ان دونوں بھائیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس غزوہ کا شرف ہم سے فوت ہو جائے گا، ہمارے پاس کوئی سواری نہیں تھی اور ہم دونوں سخت زخمی بھی تھے، اس کے باوجود ہم دونوں نکل پڑے۔ ایک بھائی کا بیان ہے کہ میرا زخم کچھ ہلکا تھا، اس لیے جب میرا بھائی زیادہ پریشان ہوتا تو میں اسے اپنے کندھے پر بٹھالیتا اور چل پڑتا، اور کبھی اسے اتار دیتا اور وہ بھی میرے ساتھ پیدل چلنے لگتا، یہاں تک کہ ہم دونوں مسلمان مجاہدین کے ساتھ جا ملے۔

رسول اللہ ﷺ اتوار کے دن حمراء الاسد پہنچے، جو مدینہ سے آٹھ میل کی دوری پر ہے، اور وہاں سوموار، منگل اور بدھ تین دن قیام کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ اسلم کے تین افراد کو بطور مقدمۃ الجیش کفار قریش کا پیچھا کرنے کے لیے بھیجا، ان میں سے دو حمراء الاسد کے مقام پر کفار قریش کے پاس پہنچ گئے اور ان کی کرخت آواز سنی وہ آپس میں دوبارہ مدینہ کی طرف لوٹنے کی سازش کر رہے تھے، انہوں نے ان دونوں کو دیکھ لیا اور مڑ کر انہیں جالیا، اور قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ جب حمراء الاسد پہنچے تو ان دونوں کو ایک قبر میں دفن کر دیا۔

اسی مقام پر معبد بن ابو معبد الخزاعی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا، اس وقت وہ مشرک تھا، اس کی قوم اور کفار قریش کے درمیان عداوت چلی آ رہی تھی، اور اس کی قوم کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے لیے مخلص تھے، آپ ﷺ سے وہ لوگ کچھ بھی نہیں چھپاتے تھے، معبد نے کہا: اے محمد (ﷺ)! اللہ کی قسم! آپ کے اصحاب پر احد کے دن جو مصیبت آئی ہے اس سے ہم بہت غمزدہ ہیں اور ہم تمنا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مصیبت سے بچالیتا۔

معبد وہاں سے چل کر ابوسفیان بن حرب اور اس کے ساتھیوں کے پاس مقام روحاء پر آیا، اس وقت ان سب نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے جنگ کرنے کے لیے دوبارہ لوٹنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے محمد (ﷺ) کے ساتھیوں اور ان کے سرداروں اور لیڈروں پر غلبہ حاصل کر لیا ہے، اس لیے ان کی جڑ کاٹے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ جب ابوسفیان اور مشرکین احد سے لوٹے اور مقام روحاء پر پہنچے تو ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم لوگوں نے نہ محمد کو قتل کیا اور نہ ان کی نوجوان عورتوں کو اپنی اونٹنیوں پر پیچھے بیٹھا کر لا سکے، تم لوگوں نے بہت برا کیا، رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو لوگوں کو ان کا پیچھا کرنے کا حکم دیا، چنانچہ تمام مجاہدین احد

---

❶ فتح الباری: ۷/ ۳۷۳۔

تیزی کے ساتھ نکل پڑے۔

جب ابوسفیان نے معبد کو دیکھا تو پوچھا: اے معبد! تمہارے پاس کیا خبر ہے؟ اس نے کہا: محمد (ﷺ) تمہارے پیچھے اپنے ساتھیوں کی اتنی بڑی جماعت کے ساتھ نکل پڑا ہے کہ میں نے آج سے پہلے ایسی بھاری جماعت نہیں دیکھی، تم پر غصہ کے مارے ان سب کے بدن میں آگ لگی ہوئی ہے اور ان کے ساتھ وہ تمام مسلمان جمع ہو گئے ہیں جو احد میں شریک نہیں ہوئے تھے اور ان کے ساتھ جو کچھ ہوا اس پر بہت زیادہ نادم ہیں۔ اور تم سب کے خلاف ان کے سینوں میں غیظ وغضب کی ایسی آگ بھڑک رہی ہے کہ میں نے اس جیسی کیفیت آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ ابوسفیان نے کہا: تمہارا برا ہو، تم ہمیں کیا مشورہ دیتے ہو؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ان کے گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھنے سے پہلے یہاں سے کوچ نہیں کرو گے۔ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! ہم نے تو ان کو جڑ سے ختم کر دینے کے لیے دوبارہ لوٹ کر ان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ معبد نے کہا: میں تمہیں ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں۔ اس طرح معبد نے ابوسفیان کے عزم وارادے کو پست کر دیا، اور ابوسفیان سوچنے لگا کہ فوراً مکہ لوٹ جانا اور مسلمانوں سے نجات پانا ہی بہتر ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب کفار قریش نے مدینہ کی طرف لوٹنا چاہا تو ان سے صفوان بن امیہ نے کہا: تم لوگ ایسا نہ کرو، اس لیے کہ مسلمان اس وقت شدید غیظ وغضب کی حالت میں ہیں، اور ہمیں ڈر ہے کہ اس بار ان کی جنگ پہلے کی طرح نہیں ہوگی، اس لیے ہم لوگ فوراً مکہ لوٹ چلیں۔

نبی کریم ﷺ نے جب حمراء الاسد پہنچنے کے بعد سنا کہ کفار لوٹنے کا ارادہ کر چکے ہیں تو فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ان کے لیے پتھروں پر اللہ کی طرف سے نشان لگا دیے گئے ہیں، اگر انہیں ان پتھروں کے ذریعہ مارا گیا تو وہ ایسے ہو جائیں گے کہ جیسے کبھی اس دنیا میں موجود نہیں تھے۔

معبد الخزاعی (جو اس وقت مسلمان ہو گئے تھے) کی اس کامیاب کوشش کے نتیجے میں کافر فوج کے ارادے متزلزل ہو گئے، ان کے دلوں میں دہشت اور خوف داخل ہو گیا اور انہوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ وہ جلد از جلد مکہ واپس چلے جائیں، لیکن انہوں نے اسلامی فوج کو ڈرانے کے لیے یہ کیا کہ مدینہ جانے والے قبیلۂ عبدالقیس کے ایک قافلے سے مل کر ابوسفیان نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم مدینہ جا رہے ہیں، ابوسفیان نے پوچھا: کیوں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم کھانے پینے کے سامان کے لیے جا رہے ہیں، ابوسفیان نے کہا: تو کیا تم لوگ میری طرف سے محمد (ﷺ) کو ایک پیغام پہنچا دو گے اور اس کے بدلے میں کل تمہیں بازار عکاظ میں کشمش دوں گا، انہوں نے کہا: ہمیں منظور ہے۔ ابوسفیان نے کہا: تم محمد (ﷺ) کو کہہ دینا کہ ہم نے لوٹ کر مدینہ پر دوبارہ حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، تاکہ تمہارے باقی ماندہ لوگوں کو بھی قتل کر دیں۔

یہ قافلہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا، اور آپ ﷺ کو ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کی بات بتائی، تو مسلمان کہنے لگے: ﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾ ...... ''ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے۔''

اسی بات کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت میں بیان فرمایا ہے:

﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ۝﴾ [آلِ عمران: ۱۷۳، ۱۷۴]

''جن سے لوگوں نے کہا کہ کفار تم سے جنگ کے لیے جمع ہوگئے ہیں، تم ان سے ڈرکر رہو، تو اس خبر نے ان کا ایمان بڑھادیا، اور انہوں نے کہا کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے، اور وہ اچھا کارساز ہے، پس وہ اللہ کی نعمت اور فضل لےکر لوٹے، انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچی، اور انہوں نے رضائے الٰہی کی اتباع کی، اور اللہ عظیم فضل والا ہے۔''

ایک کافر جاسوس کا قتل:

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ واپس ہونے سے پہلے احد کے علاقے میں معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس کو گرفتار کرلیا تھا، جو عبدالملک بن مروان کا نانا تھا، اسی طرح آپ ﷺ نے ابوعزہ الجمحی کو بھی پکڑلیا جسے آپ ﷺ نے بدر میں قید کرنے کے بعد بطور منت واحسان چھوڑ دیا تھا، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے دوبارہ معاف کردیجیے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم اب دوبارہ مکہ میں اپنے دونوں رخسار نہیں صاف کروگے، اور کہتے نہیں پھروگے کہ میں نے محمد (ﷺ) کو دوبار دھوکا دیا، اے زبیر! اس کی گردن ماردو، چنانچہ انہوں نے اس کی گردن ماردی۔ ابن ہشام کہتے ہیں: مجھے سعید بن مسیبؒ کے ذریعہ خبر ملی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا: بے شک مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ اے عاصم بن ثابت! اس کی گردن ماردو، چنانچہ انہوں نے اس کی گردن اڑادی۔ ❶

معاویہ بن مغیرہ مشرکوں کے مکہ واپس چلے جانے کے بعد اپنے چچازاد بھائی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے لیے امن کی درخواست کی، تو آپؐ نے اس شرط پر اسے امن دے دیا کہ اگر وہ تین دن کے بعد مدینہ میں دیکھا جائے گا تو اسے قتل کردیا جائے گا۔ جب رسول اللہ ﷺ حمراء الاسد کے لیے نکل گئے تو وہ شخص چھپ گیا اور وہاں تین دن سے زیادہ رُکا رہا، اور کفار قریش کے لیے جاسوسی کرتا رہا، اور جب اسے نبی کریم ﷺ کے واپس آجانے کی خبر ہوئی تو وہاں سے نکل کر بھاگ پڑا، اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوگئی تو آپؐ نے زید بن حارثہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو اس کا پیچھا کرنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ تم دونوں اسے فلاں جگہ پاؤگے، چنانچہ ان دونوں نے اسے اسی جگہ پایا، اور اسے قتل کردیا۔ ❷

رسول اللہ ﷺ کی واپسی:

جب مسلمانوں کی فوج کشی کی خبر ہر چہار جانب پھیل گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو نامراد بنایا، اور ذہنی طور پر دشمن مغلوب ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن مدینہ واپس آگئے۔ آپؐ اُن دنوں پانچ راتیں مدینہ سے باہر رہے تھے۔

احد کا دن امتحان وآزمائش کا دن:

مندرجہ بالا تفصیل سے ہمیں معلوم ہوگیا کہ غزوۂ حمراء الاسد کوئی مستقل غزوہ نہیں تھا، بلکہ دشمنوں کو مار بھگانے اور ان

❶ سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۱۰۴۔ ❷ مصدر سابق: ۲/ ۱۰۴، الاکتفاء: ۲/ ۸۵، ۸۷، زاد المعاد: ۳/ ۱۹۰، ۱۹۱۔

کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لیے غزوۂ احد کا ایک حصہ تھا، تاکہ وہ سب دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنے کی نہ سوچیں، اور اللہ کی توفیق وتائید سے یہ بہترین نتیجہ رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہوا۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ احد کا دن اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی آزمائش وامتحان کا دن تھا، اللہ نے اپنے مومن بندوں کو آزمانا چاہا، اور منافقوں کو ذلیل ورسوا کرنا چاہا، تاکہ ان کا نفاق کھل کر سامنے آجائے، نیز احد کا دن ان لوگوں کے لیے اعزاز واکرام کا دن تھا جو میدانِ معرکہ میں اسلام، نبی اسلام اور امتِ اسلامیہ کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے شہید ہوگئے تھے۔

اس غزوہ سے مستفاد احکام اور حکمتیں:

اس غزوہ میں جو حادثات وقوع پذیر ہوئے ان سے علمائے اسلام نے نہایت مفید فقہی احکام کا استنباط کیا ہے، انہی کبار علماء میں سے امام ابن القیم رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے اپنی کتاب زاد المعاد میں بہت سے عظیم فوائد اور فقہی احکام اور حکمتوں کا ذکر کیا ہے، میں نے مناسب سمجھا ہے کہ اُن میں سے خاص خاص فوائد واحکام کا غایتِ اختصار کے ساتھ یہاں ذکر کروں۔

احکامِ فقہیہ:

۱- جہاد شروع کرنے کے بعد اس کی تکمیل لازم ہے، چنانچہ جو شخص جہاد کی نیت سے اپنی زرہ پہن لے گا، اس کے لیے واپس ہونا جائز نہیں۔

۲- جب مسلمانوں کے دشمن کے علاقے میں پہنچ جائیں تو ان سے جہاد کے لیے شہر سے نکل کر باہر جانا واجب نہیں، بلکہ ان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے گھروں میں رُکے رہیں اور جب دشمن وہاں آجائیں تو ان سے قتال کریں۔

۳- غیر بالغ جو قتال کی طاقت رکھتا ہے مسلمانوں کا امام اسے جہاد کی اجازت دے سکتا ہے۔

۴- غزوات میں عورتوں کو ساتھ لے جانا اور جہاد میں اُن سے مدد لینا جائز ہے۔

۵- امام اگر زخمی ہو جائے تو وہ مجاہدین کو بیٹھ کر نماز پڑھائے گا، اور مجاہدین اس کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھیں گے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس غزوہ میں کیا تھا۔ (یہ حکم بعد میں منسوخ ہوگیا تھا)

۶- مسلمان کے لیے یہ دعا کرنا جائز ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جائے، جیسا کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے کیا۔

۷- جس نے خودکشی کر لی اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا جیسا کہ قزمان نے کیا، جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی کہ وہ جہنمی ہے۔

۸- شہید فی المعرکہ کو نہ نہلایا جائے گا اور نہ اس پر جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی، اسے اُس کے کپڑوں میں خون اور زخموں کے ساتھ دفن کر دیا جائے گا۔

۹- اگر شہید جنبی ہوگا تو اسے غسل دیا جائے گا، جیسا کہ فرشتوں نے حنظلہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔

۱۰- شہداء اپنی قتل گاہ میں دفن کر دیے جائیں گے۔

۱۱- دو یا تین آدمی کو ایک قبر میں دفن کرنا جائز ہے۔

۱۲- معذور آدمی کے لیے سبب جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت ہے، اگر وہ دیارِ اسلام سے دفاع اور طلبِ شہادت کے لیے شریک ہونا چاہے تو ایسا کرنا اس کے لیے جائز ہے۔

۱۳- اگر مجاہدین کسی مجاہد کو کافر سمجھ کر قتل کر دیں تو اس کی دیت امام المسلمین بیت المال سے ادا کرے گا۔

دیگر اغراض اور حکمتیں:

۱- مسلمانوں کو گناہ کے بُرے انجام، ممنوع اعمال اور آپس کے اختلاف کے بُرے نتائج سے باخبر کرنا، اور انہیں یہ بتانا کہ غزوۂ احد میں ان پر جو مصیبت آئی، وہ اُن کے برے اعمال کا نتیجہ تھی۔

۲- اللہ تعالیٰ کا اپنے رسولوں اور ان کے پیروکاروں کے بارے میں یہی طریقہ رہا ہے کہ کبھی وہ غالب آتے ہیں اور کبھی اُن کے دشمن ان پر غالب آجاتے ہیں، لیکن بالآخر اچھا انجام انہی کے لیے ہوتا ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ سچے مسلمانوں کو جھوٹے منافقوں سے الگ کر دکھاتا ہے، غزوۂ بدر کے بعد بہت سے منافقین بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے تو اللہ نے انہیں غزوۂ احد کے ذریعہ ظاہر کر دیا، اور لوگ کافر، مومن اور منافق تین قسموں میں سامنے آ گئے۔

۴- مسلمانوں کی ہر حال میں کامیابی اور اُن کے دشمنوں کا مغلوب ہونا فطری طور پر بہت سے مسلمانوں کو طغیان وبغاوت پر آمادہ کرتا ہے، اسی طرح جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی روزی میں حد سے زیادہ وسعت دیتا ہے تو وہ سرکشی پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے مومن بندوں کے صلاح واعتدال کے لیے ضروری ہے کہ وہ خوشی اور غم اور وسعت وتنگی دونوں حالتوں سے دوچار ہوتے رہیں۔

۵- اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لیے جنت میں اتنے بلند مرتبے رکھے ہیں جنہیں وہ اپنے اعمال کے ذریعہ نہیں پاسکتے، اس لیے اللہ تعالیٰ انہیں آزمائش وامتحان سے گزارتا ہے تاکہ وہ آزمائشیں بھی جنت کے ان بلند مقامات کو پانے کا سبب بن سکیں۔

۶- اللہ کی راہ میں شہادت اولیاء اللہ کے اعلیٰ مراتب میں سے ہے، اور اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے بعض بندوں کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے، اور اس کا ذریعہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ کبھی اللہ اور اس کے رسول کے دشمن اُن پر غالب آکر انہیں شہید کر دیں۔

۷- واقعۂ اُحد، نبی کریم ﷺ کی وفات کی طرف ایک خفی اشارہ تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے طلب کیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی موت کے بعد بھی اپنے دین وتوحید پر ثابت قدم رہیں، اور اسی پر جان دیں، اور کسی حال میں بھی اپنے دین سے نہ پھریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس واقعہ کے وقت ہی ان پر اپنا یہ احسان یاد دلایا کہ اس نے انہیں میں سے ایک رسول کو ان کی ہدایت کے لیے بھیجا، جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں، ان کا تزکیہ کرتے ہیں، انہیں قرآن وسنت کے ذریعہ تاریکی سے نکال کر روشنی تک پہنچایا، اور جہالت سے نکال کر علم کی راہ پر ڈالا، اللہ تعالیٰ کا ان گنت شکر واحسان ہے کہ اس نے امتِ اسلامیہ پر یہ عظیم احسان کیا۔ ❶

---

❶ زاد المعاد: ۳/ ۱۶۵۔ ۱۹۰۔

غزوۂ احد کے بعد فوجی دستوں کی روانگی:

گزشتہ صفحات میں لکھا گیا ہے کہ غزوۂ احد میں اسلامی فوج پر جو مصیبت آئی اس کے سبب مسلمانوں کے دشمنوں کے دلوں سے ان کی ہیبت جاتی رہی، اسی لیے بہت سے وہ لوگ جنہوں نے مسلمانوں سے پہلے صلح کی تھی، اب اس سے مُکر گئے اور مدینۃ الرسول کو ہر چہار جانب سے خطروں نے گھیر لیا، اور یہود و منافقین نے کھل کر عداوت کرنی شروع کردی، اور مدینہ کے اردگرد رہنے والے دیہاتی جری ہوگئے اور مدینہ پر حملہ کرنے اور مسلمانوں کا مال واسباب لوٹ لینے کی سوچنے لگے۔

ان حالات میں رسول اللہ ﷺ کے لیے ضروری تھا کہ وہ ایسی کارروائیاں کریں جن کے سبب پھر دوبارہ دشمنوں کے دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت بیٹھ جائے، اسی سلسلے کی ایک کامیاب جنگی کڑی تھی ابوسفیان کی فوج کا پیچھا کرنا اور معبد خزاعی کے ذریعہ مشرکوں کی فوج کے دلوں میں رعب بٹھانا؛ چنانچہ اس واقعہ کے بعد یہود اور منافقین دوبارہ مسلمانوں کا ہزار حساب اپنے دلوں میں رکھنے لگے، اس لیے کہ انہیں یقین ہوگیا کہ اسلامی فوج ہر اس سانپ کا سر کچلنے کی طاقت رکھتی ہے جو مسلمانوں کو ڈسنا چاہے گا، چاہے وہ یہودی ہو یا منافق یا دیہاتی سرپھرا۔

اس کے علاوہ بھی دیگر دشمن جماعتوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے جنگی کارروائیاں کیں، جن کا مسلمانوں کی نفسیات پر بہت ہی اچھا اثر پڑا، ان کا اپنے آپ پر اعتماد بحال ہوگیا، نیز دشمنوں کے دل ودماغ میں بھی ان کا خوف ورعب بیٹھ گیا اور ان پر شدید دہشت طاری ہوگئی۔ ذیل میں میں اس ضمن کے فوجی دستوں کا مختصر ذکر کرتا ہوں:

سریۂ ابی سلمہ:

رسول اللہ ﷺ نے حمراء الاسد سے واپس آنے کے بعد ماہ شوال کے باقی ایام اور ذی القعدہ اور ذی الحجہ کے مہینوں میں مدینہ ہی میں قیام کیا، ماہ محرم کی ابتدا میں ایک آدمی مدینہ آیا اور رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ بنی اسد کے طلیحہ اور سلمہ نامی دو آدمی جو خویلد کے بیٹے ہیں، اپنی قوم اور اپنے پیروکاروں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر اکسا رہے ہیں، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومیؓ کو بلایا، اُن کے ہاتھ میں علَمِ جہاد دیا، اور ان کے ساتھ ڈیڑھ سو مہاجرین وانصار کو بھیجا، ان میں ابوعبیدہ بن جراح، سعد بن ابی وقاص، اسید بن حضیر اور ابو نائلہ جیسے کئی مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ابوسلمہؓ سے کہا: تم اس فوجی دستہ کو لے کر نکلو، میں نے تمہیں اس کا ذمہ دار بنا دیا ہے، اور چلتے رہو یہاں تک کہ بنی اسد کے علاقے میں پہنچ جاؤ، اور ان پر اُن سب کے اکٹھا ہونے سے پہلے حملہ کر دو۔

ابوسلمہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر لبیک کہا اور تیزی کے ساتھ چل پڑے، اور ایک غیر مانوس راستہ اختیار کیا، تاکہ دشمن کو ان کی آمد کی خبر نہ ہو جائے چنانچہ ابوسلمہؓ نے اچانک انہیں ان کے گھروں میں جا لیا اور ان پر حملہ کر دیا اور انہیں شکست فاش دی، وہ سب اپنے اونٹ اور بکریاں چھوڑ کر پہاڑوں پر بھاگ گئے، ابوسلمہؓ نے ان جانوروں کو اپنے قبضہ میں کر لیا، اور ان لوگوں میں سے ایک تعداد کو قیدی بنا لیا، پھر مدینہ واپس چل پڑے ان کے ساتھ غنیمت کے اموال واسباب بھی تھے۔

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو غزوۂ احد میں کاری ضرب لگی تھی، جس کا ایک مدت تک علاج کرنے کے بعد مائل بشفا ہو گئے تھے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس فوجی دستے کا امیر بنا کر بھیج دیا تھا، لیکن جب واپس آئے تو ان کا زخم دوبارہ کھل گیا اور

چند ہی دنوں کے بعد وفات پا گئے، رسول اللہ ﷺ ان کی موت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ان مسلمانوں میں سے تھے جو ابو بکر، عثمان بن عفان اور ارقم بن ابی ارقمؓ کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے، اور بدری صحابیوں میں سے تھے، اور ان لوگوں میں سے تھے جو ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں سے مشرف ہوئے تھے اور ان کے ساتھ ان کی بیوی ام سلمہ ہند بنت ابو امیہ قُرشیہؓ نے بھی پہلے حبشہ کی طرف پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی، رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہؓ سے ان کے شوہر ابو سلمہؓ کی وفات کے بعد شادی کر لی، اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔ ❶

سریہ عبداللہ بن انیس جہنی:

محرم سن چار ہجری کی ۵ تاریخ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس خبر آئی کہ خالد بن سفیان بن نبیح الہذلی لوگوں کو جمع کر رہا ہے، اور انہیں مسلمانوں کے خلاف اُبھار رہا ہے، تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن انیسؓ کو بلایا اور ان سے فرمایا: مجھے خبر ملی ہے کہ خالد بن سفیان بن نبیح میرے خلاف جنگ کرنے کے لیے لوگوں کو جمع کر رہا ہے اور وہ اس وقت وادی عُرنہ میں ہے، تم جا کر اسے قتل کر دو۔ عبداللہ بن انیسؓ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اس کی کوئی نشانی بتا دیجیے تاکہ اسے پہچان لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم اسے دیکھو گے تو تم اپنے جسم میں ایک قسم کی کپکپی محسوس کرو گے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اپنی تلوار لے کر نکل پڑا، یہاں تک کہ میں وادی عرنہ میں اس کے پاس پہنچ گیا، وہاں وہ ایک گھر میں اپنی بیویوں کے ساتھ موجود تھا، اور وہ وقت عصر کی نماز کا تھا، جب میں نے اسے دیکھا تو اپنے جسم میں رسول اللہ ﷺ کے بتانے کے مطابق ایک کپکپی محسوس کی تو میں اس کی طرف بڑھا، اور ڈرا کہ میرے اور اس کے درمیان کشمکش مجھے نماز سے مشغول نہ کر دے، اس لیے میں اس کی طرف چلتا ہوا اپنے سر کے اشارے سے رکوع اور سجدے کرتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا، اس نے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: ایک عربی آدمی جس نے سنا ہے کہ تم اُس آدمی (یعنی نبی کریم ﷺ) کے خلاف جنگ کے لیے لوگوں کو اکٹھا کر رہے ہو، اسی لیے میں تمہارے پاس آیا ہوں، اس نے کہا: ہاں، میں اسی کام میں لگا ہوں، عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اس کے ساتھ کچھ دیر چلتا رہا، یہاں تک کہ جب اس پر پوری طرح قدرت پالی تو اس پر تلوار سے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، اور فوراً نکل پڑا، میں نے واپس ہوتے ہوئے دیکھا کہ اس کی بیویاں اس پر جھکی ہوئی تھیں۔

میں جب واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور آپؐ نے مجھے دیکھا تو فرمانے لگے، یہ چہرہ کامیاب لوٹا ہے، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اسے قتل کر دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو، عبداللہؓ کہتے ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ چل کر اپنے گھر میں داخل ہوئے اور مجھے ایک لاٹھی دی اور فرمایا: اے عبداللہ! اسے تم اپنے پاس رکھنا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے یہ لاٹھی مجھے کیوں دی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن یہ لاٹھی میرے اور تمہارے درمیان نشانی ہوگی، بے شک قیامت کے دن اپنے نیک اعمال پر ٹیک لگانے والے یعنی بھروسہ کرنے والے سب سے کم لوگ ہوں گے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے وہ لاٹھی اپنی تلوار کے ساتھ رکھ دی اور وہ ان کے پاس زندگی بھر رہی، یہاں تک کہ

---

❶ غزوات النبی ﷺ: ص / ٦١، سرایا وغزوات الرسول ﷺ: ص / ٣٩، ٤٠.

وفات کے وقت اُن کے حکم سے وہ لاٹھی ان کے کفن میں رکھ دی گئی اور دونوں ایک ساتھ دفن کر دیے گئے۔ ❶

سریہ یوم الرجیع:

اور ماہِ صفر سن چار ہجری میں مضر کے دو قبیلے عضل اور قارہ سے ملی جلی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، اور واقدی کا خیال ہے کہ ان لوگوں نے قبیلۂ ھذیل کے ساتھ خالد بن سفیان الھذلی کا انتقام لینے کے لیے اتفاق کیا ہوا تھا، چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ صحابہ کی ایک جماعت انہیں دین سکھلانے اور قرآن پڑھانے کے لیے بھیج دیں۔ بخاری کی روایت کے مطابق آپ نے اپنے دس صحابہ کرام کو، اور ابن اسحاق کے قول کے مطابق چھ سو صحابہ کو، اور موسیٰ بن عقبہ کے قول کے مطابق سات صحابہ کرام کو ان کے ساتھ بھیج دیا، اور عاصم بن ثابت انصاریؓ کو ان کا امیر بنا دیا، اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آپ (ﷺ) نے ان کا امیر مرثد بن ابو مرثد غنویؓ کو بنایا۔ یہ حضرات ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور مقام رجیع پر پہنچے، جو حجاز کے ایک کنارے پر قبیلۂ ھذیل کا ایک کنواں تھا، تو انہوں نے صحابہ کے ساتھ غداری کی اور قبیلۂ ھذیل کے ایک خاندان بنولحیان کو آواز دے کر بلا لیا، جنہوں نے آتے ہی صحابہ کرام کو چاروں طرف سے گھیر لیا، ان کی تعداد سو (۱۰۰) تھی جو تمام کے تمام تیر انداز تھے۔

جب عاصمؓ اور ان کے ساتھیوں کو ان کی آمد کا یقین ہو گیا تو انہوں ایک اونچی جگہ پر پناہ لے لی، کافروں نے صحابہ سے کہا: تم لوگ اتر کر نیچے آؤ، اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو، ہم تم سے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ تم میں سے ایک کو بھی قتل نہیں کریں گے۔

عاصم بن ثابتؓ نے کہا: ساتھیو! میں کسی کافر پر اعتماد کر کے نیچے نہیں اتروں گا، پھر انہوں نے کہا: اے اللہ! تو ہمارے بارے میں اپنے نبی کو خبر کر دے۔ اس کے بعد ان کافروں نے تیر اندازی شروع کر دی، اور عاصمؓ اور ان کے چھ ساتھیوں کو قتل کر دیا، اور ان میں سے تین آدمی ان کے عہد و پیمان پر بھروسہ کرتے ہوئے نیچے اُتر آئے، وہ حضرات خبیب، زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما اور ایک تیسرے آدمی تھے، جب کافروں نے پوری طرح انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا، تو انہیں اپنے کمان کے تاروں سے باندھ دیا۔

تیسرے آدمی نے کہا: یہ بے وفائی کی ابتدا ہے، اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا، میرے لیے یہ شہداء نمونہ ہیں، چنانچہ کافروں نے ان کو گھسیٹنا اور تکلیف پہنچانا شروع کیا، لیکن پھر بھی انہوں نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ تب کافروں نے انہیں قتل کر دیا، اور خبیب اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کو لے کر چلے گئے، اور مکہ کے بازار میں انہیں بیچ دیا، ان دونوں صحابیوں نے میدانِ بدر میں مکہ کے سرداروں کو قتل کیا تھا، خبیبؓ نے حارث بن عامر بن نوفل کو قتل کیا تھا، خبیبؓ ان کے پاس کچھ دنوں تک قید میں رہے، پھر سب نے ان کے قتل پر اتفاق کر لیا، اور انہیں حرم سے تنعیم لے گئے، خبیبؓ نے ان سے کہا: مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو، انہوں نے ان کو اجازت دے دی، انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی، اور کہا: اللہ کی قسم! اگر تمہیں یہ گمان نہ ہوتا کہ مجھے اپنی موت سے گھبراہٹ ہے تو میں اور نماز پڑھتا، پھر انہوں نے دعا کی: اے اللہ! ان تمام کو ایک ایک کر کے گن لے اور ان تمام کو ایک ایک کر کے قتل کر دے، اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ معاف کر، پھر آپ نے یہ شعر پڑھا:

---

❶ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، حدیث: (۱۲۴۹)، مسند احمد: ۳/ ۴۹۶، سنن بیہقی: ۳/ ۲۵۶، اس کی سند جید ہے، صحیح السیرۃ النبویۃ: ص/ ۳۱۸، ۳۱۹۔

وَلستُ أُبالي حين أقتلُ مسلمًا ... على أيِّ جنبٍ كان في اللهِ مصرعي
وذلك في ذات الإلٰه وإن يشأ ... يبارك على أوصال شلوٍ ممزَّعِ

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر میں بحیثیت مسلمان قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کوئی پروا نہیں کہ اللہ کی راہ میں مجھے کس پہلو قتل کیا جائے گا؟ اور یہ جو کچھ میرے ساتھ ہو رہا ہے اللہ کی خاطر ہو رہا ہے، اور اگر اللہ چاہتا ہے تو جسم کے کٹے ہوئے ٹکڑوں پر بھی اپنی برکت نازل فرماتا ہے۔

پھر ابو سروعہ عقبہ بن حارث بن عامر اٹھ کر ان کے قریب آیا اور انہیں قتل کر دیا۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے ہر مسلمان کے لیے جسے عذاب دے کر قتل کیا جاتا ہے نماز پڑھنے کی سنت جاری کی، اور نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسی دن اس واقعہ کی خبر دے دی۔

قریشیوں کو جب عاصم بن ثابت کے قتل کیے جانے کی خبر ہوئی تو انہوں نے کچھ لوگوں کو بھیجا کہ وہ عاصم کے جسم کا کوئی حصہ لے آئیں جس سے وہ انہیں پہچان لیں، اس لیے کہ عاصم نے کفار قریش کے ایک بہت بڑے سردار کو قتل کیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے عاصم کی حفاظت کے لیے بھڑوں کی ایک جماعت بھیج دی، اور کفار ان کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ نہیں سکے۔

زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے خرید لیا، اس نے انہیں اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلے میں قتل کر دیا جو بدر میں قتل کیا گیا تھا، اور ابو سفیان نے ان سے ان کے قتل کیے جانے سے پہلے پوچھا: اے زید! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم پسند کرو گے کہ اس وقت محمد (ﷺ) تمہاری جگہ ہوتا اور اس کی گردن ماری جاتی اور تم اپنے اہل وعیال میں ہوتے؟ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں تو اس کو بھی پسند نہیں کروں گا کہ اس وقت محمد (ﷺ) جہاں ہیں ان کے پاؤں میں ایک کانٹا چبھ جائے اور میں اپنے بال بچوں میں بیٹھا رہوں۔ ابو سفیان نے کہا: میں نے کسی انسان کو کسی دوسرے سے ایسی محبت کرتے نہیں دیکھا جیسی محبت اصحاب محمد (رضی اللہ عنہم) نے محمد (ﷺ) سے کی ہے۔ [1]

سریہ بئر معونہ:

ماہ صفر سن چار ہجری میں ہی بئر معونہ کا غمناک واقعہ پیش آیا، جس کا سبب یہ تھا کہ ابو براء عامر بن مالک بن جعفر عامری رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک ہدیہ لے کر مدینہ آیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو براء! میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا، اگر تم چاہتے ہو کہ میں اسے قبول کر لوں، تو اسلام لے آؤ، پھر آپ ﷺ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا، لیکن وہ اسلام نہیں لایا، اور نہ اس کا انکار کیا اور کہا: اے محمد (ﷺ)! آپ جس چیز کی طرف بلا رہے ہیں وہ بہت ہی اچھی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ اپنے کچھ صحابہ کو اہل نجد کے پاس دعوت اسلام دینے کے لیے بھیجیں، مجھے امید ہے کہ وہ لوگ آپ کی دعوت قبول کر لیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں ان کے بارے میں اہل نجد سے ڈرتا ہوں۔

ابو براء نے کہا: (جو اپنی قوم کا سردار تھا) کہ میں ان کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے

---

[1] دیکھئے: صحیح البخاري، المغازي، حدیث: (۳۹۸۹) (٤٠٨٦)، سنن ابو داؤد، الجهاد، حدیث: (۲٦٦٠، ۲٦٦١)، مصنف عبدالرزاق، حدیث: (۹۷۳۰) مسند احمد: ۲/ ۲۹۵، طبقات ابن سعد: ۲/ ۵۰.

ساتھ منذر بن عمروؓ، اور دیگر ستر صحابہ کرام کو بھیج دیا، جو مسلمانوں کے سردار اور ان کے علماء وفضلاء تھے، یہ حضرات مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر بئر معونہ پہنچے جو علاقۂ بنی عامر اور حرۂ بنی سلیم کے درمیان واقع تھا، اور وہاں پڑاؤ ڈال دیا، پھر عامر بن طفیل سردار بنی عامر کے پاس رسول اللہ ﷺ کے خط کے ساتھ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو بھیجا، لیکن اس نے اُسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا، ایک آدمی نے ان پر پیچھے سے نیزے کے ذریعہ حملہ کر دیا، جب نیزہ ان کے جسم میں پیوست ہو گیا اور انہوں نے خون دیکھا تو کہا: رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔

عامر اپنی قوم کو منذرؓ اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کرنے پر اُبھارنے لگا، لیکن انہوں نے اس کی بات نہیں مانی اور ابو براء سے کیے گئے عہد کی مخالفت کا انکار کر دیا۔ تب اس نے بنو سلیم کو جنگ پر آمادہ کیا اور قبائل عُصَیّہ اور رعل اور ذکوان نے اس کی بات مان لی، اور صحابہ کرام کو چاروں طرف سے گھیر کر جنگ شروع کر دی، اور کعب بن زید بن نجارؓ کے سواسب کو قتل کر دیا۔

کعب بن زید رضی اللہ عنہ مقتولین کے درمیان گھس کر چھپ گئے تھے اس لیے وہ بچ گئے اور مدینہ منورہ واپس آنے میں کامیاب ہو گئے، اور بعد از اں غزوۂ خندق میں شہید ہوئے۔

عمرو بن امیہ ضمری اور منذر بن محمد رضی اللہ عنہما دو صحابہ کرام کے سامان کی حفاظت کر رہے تھے، جب انہوں نے چڑیوں کو ان کی قتل گاہ کے قریب اڑتے دیکھا تو دونوں وہاں پہنچے، منذرؓ مشرکین سے قتال کرتے ہوئے شہید ہو گئے، اور عمرو بن امیہؓ قید کر لیے گئے، ان کے بارے میں مشرکین کو معلوم ہوا کہ وہ قبیلۂ مضر کے ہیں، تو عامر بن طفیل نے ان کی پیشانی کے بال کاٹ دیے اور ایک غلام کے بدلے آزاد کر دیا۔ عامر کا خیال تھا کہ وہ کفارہ اس کی ماں پر واجب تھا۔ اس طرح عمرو رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ واپس آ گئے، اور مسلمانوں نے اپنے ستر بہترین داعیانِ اسلام کو کھو دیا۔ اس واقعہ سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ بادیہ نشین دیہاتیوں میں جا کر اسلام کی دعوت کا کام کرنا اس زمانے میں موت کے خطروں سے گھرا ہوتا تھا، لیکن ان خطروں نے کبھی بھی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بادیہ نشینوں کے درمیان تبلیغ اسلام سے نہیں روکا۔

ابو براء رضی اللہ عنہ کو جب اس بدعہدی کی خبر ملی تو اسے بہت ہی زیادہ ملال ہوا، اور اپنے بیٹے ربیع کو عامر بن طفیل کے پاس بھیجا، جس نے اسے قتل کر دیا۔ ❶ اس المناک واقعہ کی خبر رسول اللہ ﷺ کو اسی رات ہوئی جس رات آپ ﷺ کو یوم الرجیع کے المناک واقعہ کی خبر ہوئی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ ان دونوں حادثات سے متاثر ہو کر بہت زیادہ غمگین ہوئے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک ماہ تک ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد دعائے قنوت پڑھتے رہے، اور بنو سلیم کے قبائل رعل، ذکوان اور عُصَیّہ پر بددعا کرتے رہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے پیچھے آمین کہتے رہے۔ ❷

---

❶ زاد المعاد: ۳/ ۱۹۴، ۱۹۵؛ صحیح السیرۃ النبویۃ: ۳۲۱-۳۲۳؛ السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: ۳۹۸-۴۰۱؛ سرایا وغزوات الرسول ﷺ: ۴۵، ۴۶۔

❷ ابوداؤد، الصلاۃ، حدیث: (۱۴۴۳)؛ مسند احمد: ۱/ ۳۰۱؛ مستدرک حاکم: ۱/ ۲۲۵، اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

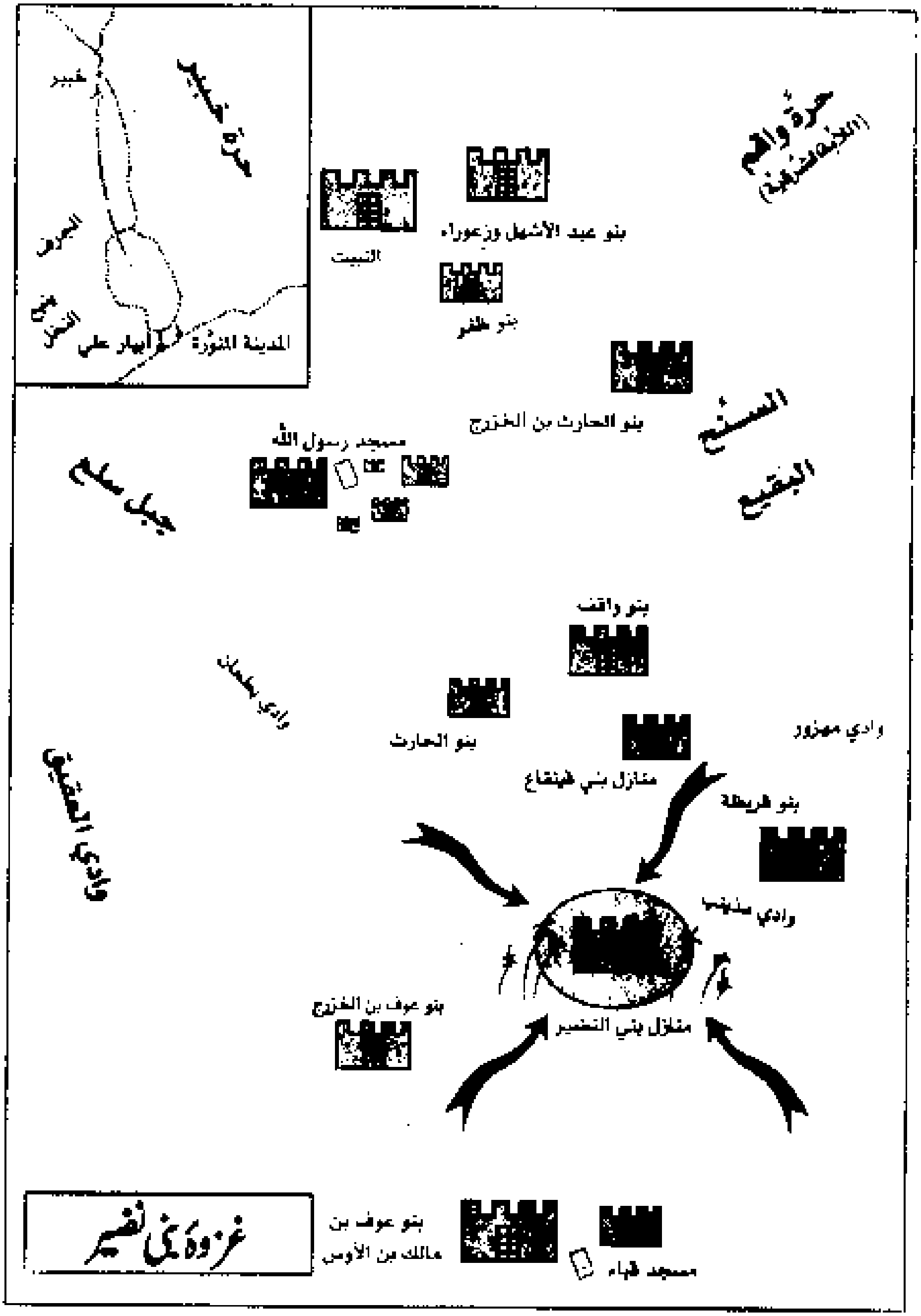
خيبر
الجرف
المدينة المنورة
حرة واقم
بنو عبد الأشهل وزعوراء
بنو ظفر
بنو الحارث بن الخزرج
السنح
البقيع
مسجد رسول الله
جبل سلع
بنو واقف
وادي بطحان
بنو الحارث
وادي مهزور
منازل بني قينقاع
بنو قريظة
وادي العقيق
منازل بني النضير
بنو عوف بن الخزرج
بنو عوف بن
مالك بن الأوس
مسجد قباء
غزوة بني نضير

غزوۂ بنی نضیر

میں نے سریۂ بئر معونہ کی تفاصیل میں یہ بات لکھی ہے کہ عمرو بن امیہ ضمریؓ ان ستر قراء میں سے تھے، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اہلِ نجد کے پاس بھیجا تھا، انہیں وہاں قید کر لیا گیا، پھر عامر بن طفیل نے ان کی پیشانی کے بال کاٹ کر آزاد کر دیا، اور وہ مدینہ واپس آ گئے، جب وہ مقام قرقرہ پر پہنچے، تو ایک درخت کے سایے میں آرام کرنے لگے، اسی وقت بنی عامر کے دو آدمی آئے اور وہاں ان کے ساتھ آرام کرنے لگے جب دونوں سو گئے تو عمرو رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو ہلاک کر دیا، اور ان کا یہ خیال تھا کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں کا انتقام لیا ہے، حالانکہ ان دونوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کا عہد نامہ تھا، جس کی ان کو خبر نہیں تھی، جب وہ مدینہ پہنچے، اور رسول اللہ ﷺ کو اپنے کیے کی خبر دی، تو آپ ﷺ غمگین ہو گئے اور آپ پر اس کا بڑا اثر پڑا، اور عمرو رضی اللہ عنہ کو ان کے کیے پر ڈانٹ پلائی، اور کہا کہ تم نے بہت برا کیا، ان دونوں کے پاس تو ہماری طرف سے عہد و امان تھا، انہوں نے کہا: مجھے معلوم نہیں تھا، میں نے تو دونوں کو مشرک سمجھا تھا، اور ان کی قوم نے ہمارے ساتھ غداری کر کے ہمارے ساتھیوں کو قتل کر دیا تھا۔

اس واقعہ کے بعد عامر بن طفیل نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ تمہارے ساتھیوں میں سے ایک آدمی نے میری قوم کے دو آدمی کو قتل کر دیا ہے، حالانکہ ان کے پاس تمہاری طرف سے عہد و امان تھا، اس لیے تم ہمارے پاس ان دونوں کی دیت بھیج دو۔

نبی کریم ﷺ یہ سن کر بنی نضیر کے پاس گئے تاکہ ان دونوں کی دیت کی ادائگی میں مدد طلب کریں، بنو نضیر ان دنوں بنو عامر کے حلیف تھے۔ اس کام کے لیے آپ ﷺ سنیچر کے دن نکلے، اور مسجد قباء میں مہاجرین و انصار کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، پھر بنی نضیر کے پاس گئے، اور ان سے ان دونوں کی دیت کی ادائگی میں مدد مانگی جنہیں عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا: اے ابو القاسم! آپ جو چاہتے ہیں وہ ہم کریں گے، آپ یہیں بیٹھیے، تاکہ ہم آپ کو کھانا کھلائیں، آپ ﷺ اس وقت ان کے گھروں میں سے ایک گھر کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ بنو نضیر نے آپس میں سرگوشی کی اور حُیَیّ بن اخطب نے کہا: اے جماعتِ یہود! محمد (ﷺ) تمہارے پاس اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ آیا ہے، ان کی تعداد دس سے بھی کم ہے۔ اس پر اس گھر کے اوپر سے ایک بڑا پتھر گرا کر اسے قتل کر دو، تمہیں اس سے بہتر موقع دوبارہ نہیں ملے گا، اگر وہ قتل کر دیا گیا تو اس کے ساتھی بکھر جائیں گے۔ قریشی مہاجرین مکہ چلے جائیں گے۔ اور یہاں صرف اوس و خزرج والے اور ان کے حلفاء رہ جائیں گے، اس لیے اگر تم کسی دن کچھ کرنا چاہتے ہو تو آج ہی کر ڈالو۔ اس کام کے لیے انہوں نے عمرو بن جحاش بن کعب کو مامور کیا۔ اس نے کہا: میں اس کام کو انجام دوں گا۔ اس وقت ان سے سلام بن مشکم نے کہا: اے قومِ یہود! تم ساری زندگی میری مخالفت کرو، لیکن اس بار میری بات مان جاؤ، اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) کو تمہارے

ارادے کی خبر کر دی جائے گی اور یہ ہمارے اور اس کے درمیان عہد کی خلاف ورزی ہوگی، لیکن یہود نے اس کی بات نہیں مانی، اور عمرو بن جحاش اس گھر پر چڑھا تاکہ وہاں سے رسول اللہ ﷺ پر ایک بڑا چٹان گرا دے۔

وہ ایسا کرنے والا ہی تھا کہ جبریل علیہ السلام نے رب العالمین کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو اُس کے ارادے کی خبر دے دی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ وہاں سے فوراً یہ کہہ کر اُٹھ گئے کہ انہیں قضائے حاجت کی ضرورت ہے، اور مدینہ واپس آ گئے، صحابہ کرام سمجھتے رہے کہ آپ قضائے حاجت کے لیے گئے ہیں، جب کافی دیر ہوگئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارے یہاں رُکے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں، یقیناً رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی طرف سے کوئی حکم آ گیا ہے، اس لیے وہ سب وہاں سے چل پڑے، حُیَیّ نے کہا: ابوالقاسم نے بڑی جلدی کی، ہم تو ان کی ضرورت پوری کرنا چاہتے تھے۔

یہود بنی نضیر اپنے کیے پر بہت زیادہ نادم ہوئے اور ان سے کنانہ بن صوریا یہودی نے کہا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ محمد (ﷺ) کیوں چلا گیا؟ محمد (ﷺ) کو تمہارے ارادے کی خبر کر دی گئی تھی، اور وہ بلاشبہ آخری نبی ہیں، اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک دن تم لوگ یہاں سے کوچ کر جاؤ گے، اور تمہارے بچے بلبلائیں گے اور تمہیں اپنے گھروں اور مال و جائداد کو چھوڑ کر یہاں سے نکل جانا ہوگا، نیز کہا: تم لوگ اگر اسلام لے آؤ گے اور محمد (ﷺ) کے ساتھی بن جاؤ گے تو تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محفوظ رہے گی، اور تم لوگ اس کے اونچے مقام والے ساتھیوں میں سے بن جاؤ گے، اور اپنے گھروں سے نکالے نہیں جاؤ گے، انہوں نے اس کی بات کا یہ جواب دیا: ہم تورات اور عہد موسیٰ کو نہیں چھوڑیں گے۔ اس نے کہا: وہ عنقریب ہی تمہیں حکم دے گا کہ تم لوگ میرے شہر سے نکل جاؤ، تو تم لوگ کہو: ہاں، پھر وہ تمہارے خون اور تمہارے مال کو اپنے لیے حلال نہیں بنائے گا، اور تمہارے مال و جائداد کو تمہارے لیے چھوڑ دے گا، چاہو گے تو بیچ دو گے، اور چاہو گے تو اپنے پاس رکھو گے، انہوں نے کہا: ہاں، ہم ایسا کرنے کے لیے تیار ہیں۔

صحابہ کرام بھی بعد میں بنی نضیر کے علاقہ سے مدینہ لوٹ آئے اور آپ ؐ سے عرض کیا کہ آپ اُٹھ کر چلے آئے اور ہمیں اس کا احساس بھی نہ ہوا، ہمیں بتایئے کہ یہود کا کیا ارادہ تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، جب وہ آئے تو ان سے فرمایا: تم یہود بنونضیر کے پاس جاؤ، اور ان سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ تم سے کہہ رہے ہیں: تم لوگ میرے شہر سے نکل جاؤ، اس لیے کہ تم لوگوں نے بدعہدی کی ہے اور مجھے دھوکا دے کر قتل کرنا چاہا ہے، چنانچہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور انہیں ان کی غداری اور عمرو بن جحاش کے گھر کے اوپر جانے اور وہاں سے آپ ﷺ کے سر پر ایک بڑی چٹان گرانے کی بات بتائی تو وہ سب کے سب خاموش ہوگئے اور ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکال سکے۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں دس دن کی مہلت دی، اور فرمایا کہ اس کے بعد جو یہاں نظر آئے گا اس کی گردن مار دی جائے گی، وہ کئی دن تک تیاری کرتے رہے۔ اسی اثناء میں ان یہودیوں کے پاس عبداللہ بن ابی بن سلول کا پیغامبر آیا اور ان سے کہا: عبداللہ بن ابی تم سے کہہ رہے ہیں کہ تم لوگ اپنے گھروں سے نہ نکلو، اور اپنے قلعوں میں مقیم رہو، میرے پاس میری قوم اور دیگر عربوں کے دو ہزار افراد موجود ہیں جو تمہارے ساتھ تمہارے قلعہ میں داخل ہو جائیں گے، اور تم سے دفاع کرتے ہوئے اپنی جان دے دیں گے، اور بنوقریظہ کے یہود بھی تمہاری مدد کریں گے، وہ تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ دیں گے، اور قبیلہ

غطفان کے تمہارے حلفاء بھی تمہاری مدد کریں گے۔

عبداللہ بن ابی نے ان سے یہ بھی کہا کہ ہم تمہیں محمد (ﷺ) کے حوالے نہیں کریں گے، اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں گے، اور اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل پڑیں گے، ابن ابی اسی طرح حُیَی بن اخطب کے پاس اپنے پیغامات بھیجتا رہا، یہاں تک کہ حُیَی نے کہا: ہم اپنے گھروں سے اپنا مال وجائداد چھوڑ کر نہیں نکلیں گے، محمد (ﷺ) جو چاہے کرے، اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ⑪ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ⑫﴾

[الحشر: ۱۱، ۱۲]

''کیا آپ نے منافقین کو نہیں دیکھا، وہ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم (اپنے گھروں سے) نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے، اور تمہارے بارے میں ہرگز کسی کی بات نہیں مانیں گے، اور اگر تم پر جنگ مسلط کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ بلاشبہ جھوٹے ہیں، اگر وہ نکال دیے گئے، تو منافقین اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر انہیں جنگ کرنی پڑی تو وہ ان کی مدد نہیں کریں گے، اور اگر انہوں نے ان کی مدد کی تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑیں گے، پھر اُن کی کسی جانب سے مدد نہیں کی جائے گی۔''

سلام بن مشکم نے حُیَی سے کہا: اے حُیَی! اللہ کی قسم! تمہارے نفس نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا ہے، آؤ، محمد (ﷺ) نے ہمیں جو امان دیا ہے، اسے قبول کرلیں، اور اس کے شہر سے نکل جائیں۔ ابن ابی کی بات کی کوئی اہمیت نہیں، وہ تمہیں ہلاکت میں ڈالنا چاہتا ہے، تاکہ تم محمد کے خلاف برسرپیکار ہو جاؤ، اور وہ تمہیں چھوڑ کر اپنے گھر میں بیٹھا رہے، جیسا کہ اس نے اس سے پہلے اپنے حلفاء بنو قینقاع کے ساتھ کیا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے جنگ کی اور بدعہدی کی اور اپنے آپ کو اپنے گھروں میں بند کر کے ابن اُبی کی مدد کا انتظار کرتے رہے، اور وہ جا کر اپنے گھر میں بیٹھ گیا، اور محمد نے ان کا محاصرہ کرلیا، یہاں تک کہ انہیں مجبور ہو کر اس کے فیصلے کو ماننا پڑا، لیکن حُیَی نے اس کی نصیحت نہیں مانی، اور اپنے بھائی جدی بن اخطب کو رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ کہنے کے لیے بھیجا کہ ہم اپنے گھروں اور اپنے اموال کو نہیں چھوڑیں گے، تمہیں جو کرنا ہے کرلو، جب جدی نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے کہی تو آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، اور مسلمانوں نے بھی آپ کی تکبیر کی آواز سن کر اللہ اکبر کہا اور آپ ﷺ نے فرمایا: یہود جنگ پر آمادہ ہو گئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ ان کے علاقہ کی طرف چل پڑے، اور بنی نضیر کے میدانی علاقے میں عصر کی نماز پڑھی، جب انہوں نے آپ اور صحابہ کرام کو دیکھا تو اپنے قلعوں کی دیواروں پر تیر اور پتھر لے کر کھڑے ہو گئے، اور یہود بنی قریظہ ان سے الگ ہو گئے، ان کی کوئی مدد نہیں کی، اس دن وہ لوگ رات گئے تک مسلمانوں کی طرف تیر اور پتھر پھینکتے رہے،

رسول اللہ ﷺ اپنے دس صحابہ کرام کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے گھر واپس آگئے اور مسلمانوں نے صبح تک ان کا محاصرہ کیے رکھا، پھر بلالؓ نے مدینہ میں اذان دی، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ان دسوں صحابہ کے ساتھ بنی خطمہ کے میدانی علاقے میں فجر کی نماز ادا کی، ان دنوں آپ ﷺ نے مدینہ میں ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا دیا تھا۔

بنونضیر کی مدد کے لیے کوئی بھی آگے نہیں آیا، نہ ابن اُبَی اور نہ ان کا کوئی حلیف، اور جب رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان کے کھجوروں کے باغات کاٹے اور جلائے جانے لگے، تو حُیَی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم سے تم جو چاہتے ہو اس کے لیے تیار ہیں، اور ہم تمہارے شہر سے نکل جائیں گے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ، اور تم اپنے ساتھ ہتھیاروں کے علاوہ اتنا مال واسباب لے جاسکتے ہو جو اونٹوں پر لاد سکتے ہو۔ انھوں نے آپ کی یہ شرط منظور کرلی، ان میں سے دو آدمی یامین بن عمیر اور ابوسعد بن وہب مسلمان ہوگئے اور اپنا خون اور اپنا مال بچالیا، اور قبیلۂ قیس کے ایک آدمی نے اپنے چچازاد بھائی ابن یامین کے تعاون سے اس عمرو بن جحاش کو قتل کردیا جس نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کردینے کا ارادہ کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس سے بڑی خوشی ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ نے پانچ دن تک ان کا محاصرہ کیا، پھر انہیں مدینہ سے جلاوطن کردیا، اور محاصرہ کے دنوں میں یہود اپنے گھروں کو خراب کرتے رہے، اور مسلمان ان علاقوں کو اللہ کے حکم سے خراب کرتے رہے اور جلاتے رہے جو ان کے پاس تھے، یہاں تک کہ صلح کی بات طے ہوگئی، اور یہود نے اپنی عورتوں، بچوں، گھر کی لکڑیوں اور دروازوں کو چھ سو اونٹوں پر لادلیا، اور ان کے سرداران حُیَی بن اخطب اور سلام بن ابی الحقیق پیدل خیبر کی طرف روانہ ہوگئے، اور ان کی ایک جماعت شام کی طرف چلی گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے مال واسباب، ہتھیاروں، اراضی اور ان کے گھروں پر قبضہ کرلیا، ان کے گھروں سے پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں نکلیں، اور بنونضیر کا مال واسباب، ان کی زمین اور ان کے گھر خالص رسول اللہ ﷺ کے لیے ہوگئے، آپ اپنی مرضی سے اس میں تصرف کرتے تھے انہیں پانچ حصوں میں تقسیم نہیں کیا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مال واسباب اپنے نبی کو بغیر کسی جنگ وقتال کے عطا کیا تھا۔

کھجور کے درختوں کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے لیے جو کی اچھی خاصی کھیتی کی جاتی تھی، جس سے آپ ﷺ کی بیویوں اور بنی عبدالمطلب کا ایک سال کا خرچ پورا ہوجاتا، اور جو بچ جاتا تھا اسے اسلامی فوج کے گھوڑوں اور ہتھیاروں کی خریداری پر خرچ کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے بنی نضیر کے ان اموال پر اپنے آزاد کردہ غلام ابورافع کو متعین کر رکھا تھا جو سات باغات پر مشتمل تھے، ان اموال سے اور باغ مخیریق کے اموال سے آپ غریب مسلمانوں کو صدقات دیا کرتے تھے، انہی باغات میں سے ایک میں آپ کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ماں (ماریہ قبطیہ) رضی اللہ عنہا قیام پذیر تھیں، جن کے پاس رسول اللہ ﷺ حسب معمول آیا کرتے تھے۔

مہاجرین اس وقت تک انصار کے گھروں میں رہا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے انصار کو بلایا اور ان سے مہاجرین کے ساتھ ان کے بہترین برتاؤ اور اپنے آپ پر انہیں ترجیح دینے کا ذکر خیر کرکے فرمایا: اگر تم لوگ چاہو تو تمہارے اللہ

مہاجرین کے درمیان اس مال کو تقسیم کردوں جو اللہ نے مجھے بنی نضیر کی طرف سے عطا کیا ہے اور اگر چاہو تو صرف مہاجرین کی مدد کروں اور وہ تمہارے گھروں سے نکل کر اپنے لیے گھر بنالیں، سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذؓ نے کہا: یا رسول اللہ! بہتر یہ ہے کہ آپ اسے مہاجرین کے درمیان تقسیم کردیجیے، اور وہ ہمارے گھروں میں پہلے کی طرح رہائش پذیر رہیں۔

انصار نے بیک آواز کہا: اے اللہ کے رسول! ہم راضی ہوگئے اور آپ کی اس رائے کو تسلیم کرلیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا کی اور کہا: اے اللہ! انصار اور ابنائے انصار پر تو رحم کر، بنی نضیر کے مال کو رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین کے درمیان تقسیم کردیا، اور انصار کو اس میں سے کچھ بھی نہیں دیا، سوائے ابو دجانہ اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما کے جنہیں آپ ﷺ نے ان کے فقر و تنگی کے سبب اس مال میں سے کچھ عطا کیا۔

یہ غزوہ ماہ ربیع الاول سن چار ہجری میں واقع ہوا تھا، اور اسی کی تفصیل بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پوری سورۃ الحشر نازل فرمائی، جس میں اللہ نے مدینہ سے یہودیوں کو نکالے جانے، منافقین کا پردہ فاش کرنے، اور مال فئی کے احکام بیان کیے ہیں، اور مہاجرین و انصار کی تعریف کی ہے، نیز بیان کیا ہے کہ جنگی مصلحت کے تقاضے کے مطابق دشمن کی سرزمین میں درختوں کا کاٹنا اور جلانا جائز ہے، جیسا کہ بنی نضیر کے ساتھ کیا گیا تو وہ مجبور ہو کر صلح کرنے اور مدینہ سے نکل جانے پر آمادہ ہوگئے۔

غزوۂ بدر ثانیہ:

غزوۂ احد کے بعد ایک سال گزر گیا اور شعبان کا مہینہ آگیا، اور ایک رائے کے مطابق ماہ ذی القعدہ سن چار ہجری داخل ہوگیا اور وہ وقت آگیا جس کی تعیین ابو سفیان نے احد سے مکہ لوٹتے ہوئے کی تھی، اور کہا تھا کہ اب سے ایک سال بعد ہمارے اور تمہارے درمیان دار الصفراء جنگ کا مقام دموعد رہے گا، ہم وہاں ملیں گے اور جنگ کریں گے، تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے کہا تھا: ہاں، ان شاء اللہ۔

لیکن قحط سالی کے سبب قریشیوں کے اقتصادی حالات دگرگوں ہوگئے، اور ان کی آمدنی کے ذرائع کم ہوگئے، اس لیے ان میں اس متعین وقت پر جنگ کے لیے آنے کی طاقت نہ رہی، تو ابو سفیان نے مسلمانوں کو دھوکا دینے اور انہیں جنگ کے لیے نکلنے سے باز رکھنے کے لیے نعیم بن مسعود نامی ایک آدمی کو کرایہ پر رکھا اور اس سے کہا کہ وہ مدینہ جائے اور وہاں لوگوں میں اس بات کو خوب پھیلائے کہ قریشیوں نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے ایک ایسا لشکر جرار جمع کرلیا ہے جیسا آج سے پہلے نہیں دیکھا گیا۔ نعیم مدینہ گیا اور مسلمانوں میں اس مبغوض جھوٹ کو اتنا پھیلایا کہ مسلمانوں کے دل مرعوب ہوگئے اور معنوی طور پر ان کی قوت بہت کمزور ہوگئی، جس کے نتیجے میں وہ سوچنے لگے کہ مشرکوں کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے مقامِ بدر کی طرف جانے کی ان کے اندر طاقت نہیں۔

اسی طرح یہود اور منافقین نے بھی اسلامی فوج کی معنوی قوت کو کمزور کرنے کی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، اور مسلمانوں کے درمیان در پردہ یہ بات پھیلانے لگے کہ محمد کی فوج کے سامنے ہرگز نہیں ٹک سکتا، اور اسے ہرگز غلبہ حاصل نہیں ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کو یقین ہوگیا کہ یہ دشمنانِ دین کی ایک سازش ہے تاکہ مسلمانوں کو مدینہ میں ہی رُکے رہنے پر مجبور کردیا جائے، لیکن یہ خبر عام مسلمانوں میں بہت تیزی کے ساتھ پھیل چکی تھی، اس لیے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما فوراً رسول اللہ ﷺ سے

لے اور کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ اپنے دین کو غالب کر کے رہے گا، اور اپنے نبی کو عزت دے گا، ہم نے کفار مکہ سے ایک وعدہ کر رکھا ہے جس کے خلاف ہم نہیں کرنا چاہتے، ورنہ وہ سمجھیں گے کہ مسلمان بزدل ہیں، اور ہم سے ڈر گئے ہیں، اس لیے آپ ان کے وعدے کے مطابق ضرور چلیں، اللہ کی قسم! یقیناً اسی میں بھلائی ہے، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ضرور نکلوں گا چاہے میرے ساتھ ایک آدمی بھی نہ نکلے۔

پھر رسول اللہ ﷺ ایک ہزار پانچ سو افراد پر مشتمل ایک فوج لے کر چل پڑے، آپ کے ساتھ دس گھوڑے تھے، اور رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا، اور آپ نے مدینہ میں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا دیا تھا، جب آپ مقام بدر پر پہنچے تو وہاں کسی قریشی کو نہیں پایا، آپ وہاں آٹھ دن قیام پذیر رہے، اور مشرکوں کا انتظار کرتے رہے۔

اُدھر ابوسفیان مکہ سے دو ہزار فوجی اور پچاس گھوڑوں کے ساتھ نکلا، اور جب مقام مر الظہران پر پہنچا (جو مکہ سے قریب ہے) تو ابوسفیان نے اپنے لوگوں سے کہا کہ تمہارے لیے جنگ کے لیے ایک ایسے سال میں نکلنا مناسب ہے جس میں درخت ہرے بھرے ہوں اور دودھ وافر مقدار میں ملتا ہو، اور تمہارا یہ سال قحط زدہ ہے، اس لیے میں نے مناسب سمجھا ہے کہ تمہیں لے کر مکہ واپس چلا جاؤں، چنانچہ مکہ کی فوج واپس چلی گئی، اور اہل مکہ نے بطور استہزاء اپنی فوج کا نام جیش السویق (یعنی ستوؤں کی فوج) رکھ دیا، اس طرح انہوں نے وعدہ خلافی کی، اور عربوں میں ان کی شہرت خراب ہوگئی، اور غزوہ احد میں ایک گونا کامیابی کے نام پر ان کے فخر ومباہات کا اثر ختم ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کی حیلہ سازی اور مسلمانوں کی ہمت توڑنے کی سازش کا بھانڈا پھوڑنے کے لیے قرآن کریم میں نازل فرمایا:

﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ فَانقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ۝ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝﴾ [آل عمران: ۱۷۳-۱۷۵]

"جن سے لوگوں نے کہا کہ کفار تم سے جنگ کے لیے جمع ہوگئے ہیں، تم ان سے ڈرکر رہو، تو اس خبر نے ان کا ایمان بڑھا دیا، اور انہوں نے کہا کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے، اور وہ اچھا کارساز ہے، پس وہ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر لوٹے، انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچی، اور انہوں نے رضائے الٰہی کی اتباع کی، اور اللہ عظیم فضل والا ہے، بے شک وہ شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، پس تم لوگ اس سے نہ ڈرو، اور اگر مومن ہو تو مجھ سے ڈرو۔"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یعنی وہ مسلمان جنہیں کافروں نے دشمنوں کی ایک بڑی فوج سے ڈرایا تو انہوں نے اس کی پروا نہیں کی، بلکہ اللہ پر توکل کیا، اور اس سے مدد مانگی اور کہا: ہمارے لیے اللہ کافی ہے، اور وہ بہتر کارساز ہے، یہ بات ابراہیم علیہ السلام نے کہی تھی جب انہیں آگ میں ڈالا گیا، اور محمد ﷺ نے کہی تھی جب دشمنان اسلام نے مسلمانوں سے کہا کہ کفار قریش نے تم سے جنگ کرنے کے لیے ایک بہت بڑی فوج کو جمع کیا ہے، اس لیے تم لوگ ڈر کر رہو، اس سے

جہاد کے لیے نہ نکلو، تو اس بات نے ان مومنوں کا ایمان بڑھا دیا اور کہا: ہمارے لیے اللہ کافی ہے، اور وہ بہتر کارساز ہے، بے شک شیطان اپنے اولیاء سے ڈراتا ہے، یعنی شیطان تمہیں اپنے اولیاء کا نام لے کر ڈراتا ہے اور تمہیں وہم میں مبتلا کرتا ہے کہ وہ بڑی طاقت والے ہیں، اس لیے اے مومنو! تم ان سے مت ڈرو، اور اگر مومن ہو تو مجھ سے ڈرو، یعنی اگر شیطان تمہارے لیے کسی جھوٹ کی طمع سازی کرتا ہے، اور تمہیں کسی وہم میں مبتلا کرتا ہے تو تم لوگ مجھ پر توکل کرو، اور میری جناب میں پناہ لو، بے شک میں تمہارے لیے کافی ہوں، اور میں تمہاری ان کے خلاف مدد کرنے والا ہوں۔

• مختصر یہ کہ کفار قریش جنگ کے لیے میدان بدر میں نہیں آئے اور مسلمان وہاں آٹھ دن ان کا انتظار کرتے رہے، اور اس مدت میں وہاں تجارت کرتے رہے، اور جو مال تجارت اپنے ساتھ لائے تھے اسے بیچ کر ایک درہم کے بدلے دو درہم نفع حاصل کیا، اور سارے عربوں میں یہ بات پھیل گئی کہ مکہ کی فوج نے شکست قبول کر لی، اور جنگ کے لیے نہیں آئی، اور اسلام کا جھنڈا وہاں پورے آب وتاب کے ساتھ لہراتا رہا۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی:

ماہ شوال سن چار ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہ بنت ابوامیہ ؓ سے شادی کی، وہ آپ ﷺ سے پہلے اپنے شوہر ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں، جو ان کی اولاد کے باپ تھے، اور اسی سال ماہ جمادی الاولیٰ کے آخری دنوں میں اس زخم سے متاثر ہو کر وفات پا گئے تھے جو انہیں غزوۂ احد میں لگا تھا، اس سے بظاہر شفایاب ہو گئے تھے لیکن سریہ بنی اسد کی قیادت سے واپسی کے بعد وہ زخم دوبارہ تازہ ہو گیا، اور مرض بڑھتا گیا، یہاں تک کہ وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی تو میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور دعا کی کہ اے اللہ! میری مصیبت کو برداشت کرنے کی مجھے قوت عطا فرما اور مجھے اس کا بہتر بدل عطا فرما، پھر میں نے اپنے آپ سے کہا: مجھے ابو سلمہ سے بہتر کہاں مل سکتا ہے؟

جب میری عدت پوری ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ملنے کی اجازت مانگی، اس وقت میں ایک چمڑے کی اصلاح کر رہی تھی، میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے قرظ کے پتے کے اثر کو دھویا، انہیں اجازت دی، اور میں نے چمڑے کا بنا ایک تکیہ جس میں پتے بھرے ہوئے تھے، ان کے لیے رکھ دیا، آپ ﷺ تشریف لائے اور وہاں بیٹھ گئے اور مجھے شادی کا پیغام دیا، جب آپ ﷺ کی بات پوری ہوئی تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ سے شادی کرنے کے لیے کیسے راغب نہیں ہو سکتی ہوں، لیکن میرے اندر شدید غیرت پائی جاتی ہے، اور میں ڈرتی ہوں کہ مجھ سے آپ کے سلسلے میں کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جس کے سبب اللہ مجھے عذاب دے، نیز میں اب ایک بڑی عمر کی عورت ہو گئی اور میرے پاس بچے بھی ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہاں تک تمہاری شدید غیرت کی بات ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تم سے دور کر دے گا، اور کبر سنی کی جو بات تم نے کی ہے تو میں بھی تمہاری طرح اب بڑی عمر کا ہو گیا ہوں، اور اپنے بچوں کے بارے میں جو بات تم نے کہی ہے تو شادی کے بعد تمہارے بچے میرے بچے ہوں گے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے پھر اپنا معاملہ

❶ دیکھئے: زاد المعاد: ۳/ ۱۹۹، ۲۰۰، الحیاۃ العسکریۃ: ص/ ۱۵۵- ۱۵۷، سرایا وغزوات الرسول ﷺ: ص/ ۱۴۳- ۱۴۵.

رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کے سبب مجھے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے بدلے ان سے بہتر عطا کیا، یعنی مجھے رسول اللہ ﷺ مل گئے۔

صحیح روایت کے مطابق ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سن ۶۱ ہجری میں یزید بن معاویہ کے عہد خلافت میں چوراسی سال کی عمر میں وفات پائی، بقیع میں دفن کی گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کی شادی زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا سے:

اسی سن چار ہجری ماہ ذی القعدہ میں رسول اللہ ﷺ نے زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، نبی کریم ﷺ سے پہلے ان کی شادی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی جو رسول اللہ ﷺ کے پروردہ اور ان کے محبوب تھے، پھر انہوں نے ان کو طلاق دے دی، اس لیے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان حسب ونسب میں بڑے تفاوت کے سبب زینبؓ اپنے شوہر زیدؓ سے محبت نہیں کرتی تھیں، وہ ایک بڑے حسب ونسب والے خاندان کی بیٹی تھیں، اور زیدؓ ایک گمنام غلام تھے، اگرچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے۔ جب ان کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو زیدؓ کے واسطہ سے اپنی شادی کا پیغام دیا، انہوں نے کہلا بھیجا کہ وہ اپنے رب سے استخارہ کریں گی، اور اس معاملہ میں غور کریں گی، لیکن ان کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا، اور رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی:

﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝﴾

[الأحزاب: ۳۷]

"اور جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے احسان کیا اور آپ نے بھی اس پر احسان کیا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو، اور اللہ سے ڈرو، اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا، اور آپ لوگوں سے خائف تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حقدار تھا کہ آپ اس سے ڈرتے، پس جب زید نے اس سے اپنی ضرورت پوری کر لی، تو ہم نے اس سے آپ کی شادی کر دی، تاکہ مومنوں کے لیے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے شادی کرنے میں کوئی حرج باقی نہ رہے، جب منہ بولے بیٹے اپنی بیویوں سے ضرورت پوری کر لیں، اور اللہ کے فیصلے کو بہر حال ہونا ہی تھا۔"

اس وحی کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ بغیر اجازت زینبؓ کے پاس چلے گئے۔

اسی لیے زینبؓ نبی کریم ﷺ کی دیگر بیویوں کے سامنے بطور فخر ومباہات کہا کرتی تھیں کہ تمہاری شادیاں تمہارے خاندان والوں نے کی، اور میری شادی اللہ تعالیٰ نے سات آسمان کے اوپر کر دی۔ ❶

❶ صحیح البخاری، حدیث: (۶۹۸٤).

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے دن نکلنے کے بعد ہمیں روٹی اور گوشت کھلایا، اور کھانا کھانے کے بعد لوگ نکل گئے، لیکن کچھ لوگ آپ کے گھر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے، تو رسول اللہ ﷺ وہاں سے نکل پڑے اور میں ان کے پیچھے چلا، رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں کے کمروں میں جا کر ایک ایک کو سلام کرنے لگے، اور آپ کی بیویاں پوچھتی تھیں: اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنی نئی بیوی کو کیسا پایا؟

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے یاد نہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو خبر دی کہ لوگ نکل کر چلے گئے یا آپ نے مجھے خبر دی۔

پردہ کا حکم:

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے گھر میں داخل ہوئے تو میں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ داخل ہونا چاہا، اس وقت آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ لٹکا دیا، اور اللہ تعالیٰ نے پردہ کی آیت نازل فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ﴿٥٣﴾﴾ [الأحزاب: ٥٣]

"اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، الا یہ کہ تمھیں کھانے کے لیے داخل ہونے کی اجازت دی جائے، لیکن تم (پہلے ہی سے بیٹھ کر) اس کے پکنے کا انتظار نہ کرو، بلکہ تمھیں بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ، اور جب کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ، اور آپس میں بات چیت کرنے میں دلچسپی نہ لو، بے شک تمہاری یہ حرکت نبی کو تکلیف پہنچاتی ہے، لیکن وہ تم سے حیا کرتے ہیں، اور اللہ حق بات بیان کرنے میں حیا نہیں کرتا ہے، اور جب تم اُن (امہات المومنین) سے کوئی سامان مانگو تو پردے کی اوٹ سے مانگو، ایسا کرنے سے تمہارے اور ان کے دل زیادہ پاکیزہ رہیں گے، اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاؤ، اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے شادی کرو، تمہارا ایسا کرنا اللہ کے نزدیک بڑے گناہ کی بات ہے۔" ●

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے سب سے پہلے یہ آیت سیکھی، اور اس کے بعد نبی کریم ﷺ کی بیگمات کے لیے پردہ واجب ہو گیا۔ زینب رضی اللہ عنہا نے ترپن (۵۳) سال کی عمر میں سن ۲۰ ہجری میں وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی یہ پہلی بیوی تھیں جن کی وفات ہوئی۔ ●

غزوۂ دومۃ الجندل:

رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر ثانیہ سے مدینہ واپس لوٹے تو پورے علاقے میں امن وامان قائم ہو چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ

● دیکھو: صحیح مسلم، حدیث: (۱۴۲۸)۔

● السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: ۲/ ۴۰۲، نساء حول الرسول ﷺ: ص/ ۱۰۴-۱۱۲، طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۱۴۔

کی خواہش کے مطابق دشمنوں کے دل مرعوب ہو چکے تھے، اور مدینہ کے آس پاس کے تمام علاقوں پر مسلمانوں کا رعب و دبدبہ بیٹھ چکا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ چھ ماہ تک مدینہ میں اسلامی اسٹیٹ کی جڑوں کو مضبوط کرتے رہے، مسلمان مرد اور عورتوں کو قرآن وسنت کی تعلیم دیتے رہے، اور اسلامی رشد وہدایت کے مطابق ان کی تربیت کرتے رہے، تاکہ مستقبل میں پوری دنیا کے لیے نمونہ بن کر ابھریں۔

اور تقریباً چھ ماہ کے بعد آپ ﷺ کو خبر ملی کہ شام کی سرحد پر واقع دومۃ الجندل کے ارد گرد رہنے والے قبائل مسافروں کو دن دہاڑے لوٹ لیتے ہیں، اور مدینہ میں موجود مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے عربوں کی ایک بڑی تعداد کو جمع کر رہے ہیں۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے سوچا کہ ان بھیڑیوں کے ناخن کاٹ دینا اور ان کے دانت توڑ دینا نہایت ضروری ہے، اس لیے مدینہ میں سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا، اور ماہ ربیع الاول سن ۵ ہجری میں ایک ہزار صحابہ کرام کے ساتھ چل پڑے، اور بنی عذرہ کے ایک آدمی کو رہنما کے طور پر اپنے ساتھ لے لیا، جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ راستے کا بڑا ماہر ہے۔

رسول اللہ ﷺ اپنی فوج لے کر خفیہ طور پر غیر مانوس راستے سے چلے، آپ ﷺ رات کو چلتے تھے اور دن میں کہیں چھپ جاتے تھے اس لیے کہ زمانہ گرمی کا تھا، اس طرح آپ ﷺ نے تقریباً پندرہ راتوں میں راستہ طے کیا، جب دومۃ الجندل والوں کو آپ کی آمد کی خبر ہوئی تو بہت زیادہ خوفزدہ ہوئے اور فوراً ہر طرف بکھر گئے، آپ ﷺ نے ان کے چوپایوں اور چرواہوں پر قبضہ کر لیا، اور کچھ لوگوں کو قتل کیا اور کچھ لوگ بھاگ گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس علاقہ میں کئی دن تک قیام کیا، اور کئی فوجی دستے بھیجے، جو بحفاظت تمام آپ ﷺ کے پاس لوٹ کر آ گئے، ایک دستہ والے نے ایک آدمی کو گرفتار کیا اور اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے، آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی، تو وہ مسلمان ہو گیا۔

اسی غزوہ کے موقع سے رسول اللہ ﷺ نے عیینہ بن حصن الفزاری سے صلح کا معاہدہ کیا، پھر آپ ﷺ غنیمت کے چوپایوں کے ساتھ مدینہ بحفاظت تمام لوٹ آئے۔ ❶

www.KitaboSunnat.com

شراب نوشی کی حرمت:

اسی سن ۵ ہجری میں شراب حرام کر دی گئی جیسا کہ بلاذری نے اپنی کتاب انساب الاشراف (۱/۲۷۱) میں ذکر کیا ہے۔ ❷

❶ زاد المعاد: ۳/ ۲۰۰ – ۲۰۱، السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: ص/ ۴۰۲، الحیاۃ العسکریۃ: ص/ ۱۰۸، سرایا وغزوات الرسول ﷺ: ۱۱۶۔

❷ السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: ۲/ ۴۰۲۔

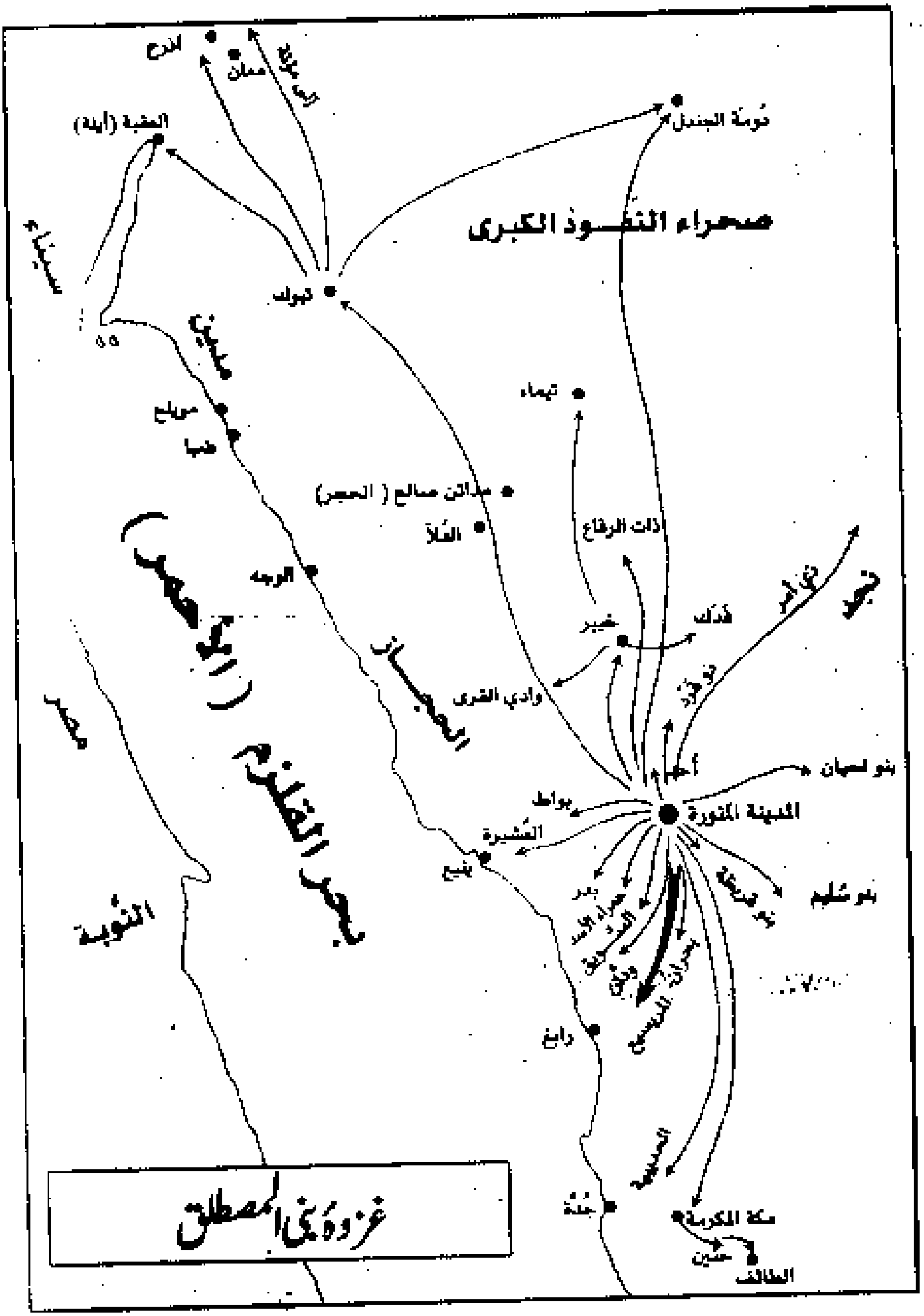

غزوة بني المصطلق

غزوۂ بنی المصطلق

بنی مصطلق قبیلۂ بنو خزاعہ اَزدیہ کی ایک شاخ ہے جس کا نسب اوس وخزرج کے ساتھ انصار کے جدثانی (دوسرے دادا) اور مصطلق کے جد رابع (چوتھے دادا) میں ملتا ہے۔ یہ لوگ قدید اور عسفان کے درمیان مکہ سے تقریباً اسی سے ایک سو بیس کلومیٹر کے فاصلہ پر رہتے تھے۔ اور قبیلۂ خزاعہ کے لوگ مرالظہران (جو مکہ سے تیس کلو میٹر کے فاصلے پر ہے) اور ابواء کے درمیان رہتے تھے (جو مکہ سے دوسو چالیس کلومیٹر کی دوری پر ہے) اور خزاعہ کا مسلمانوں کے ساتھ صلح پسندی کا موقف سب کے نزدیک معروف تھا، حالانکہ وہ لوگ مشرک تھے اور مکہ سے قریب رہتے تھے، اور غالباً اس کا سبب انصار کے ساتھ ان کی پرانی رشتہ داری اور بعض دیگر مصالح تھے۔

بنی المصطلق کے لوگ غزوۂ احد سے پہلے مشرکین مکہ کے جھوٹے پروپیگنڈوں اور عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرنے کے سبب دھوکے میں آگئے۔ اسی لیے غزوۂ احد میں قریش کے مختلف الانواع فوجیوں کے درمیان وہ بھی پائے گئے، اسلام کے خلاف ان کا یہ پہلا موقف تھا، اور جب انہوں نے غزوۂ احد میں مسلمانوں کی ہزیمت دیکھی تو دوسرے عرب قبائل کی مانند ان کی بھی جرأت بڑھ گئی۔

سن ۵ ہجری ماہ رجب کے اواخر میں رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی کہ بنی المصطلق کا سردار حارث بن ابوضرار اپنی قوم اور دیگر عربوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کی سوچ رہا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے حالات کا جائزہ لینے اور اس خبر کی تصدیق کے لیے بریدہ بن الحصیب الاسلمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا جنہوں نے جا کر حارث بن ابوضرار سے ملاقات کی، اور اس سے کہا کہ وہ ان کی مدد کے لیے آیا ہے۔ انہیں دوران گفتگو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ مدینہ جا کر حملہ کرنے کے لیے ہتھیار اور افراد جمع کر رہے ہیں۔ وہ فوراً واپس آئے اور رسول اللہ ﷺ کو واقعۂ حال سے باخبر کیا۔

رسول اللہ ﷺ راجح قول کے مطابق سوموار کے دن ۲ شعبان سن ۵ ہجری کو مدینہ منورہ سے سات سو مجاہدین پر مشتمل فوج لے کر چل پڑے، ❶ آپ کے ساتھ اس سفر میں ام المؤمنین عائشہ اور ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہما تھیں، مدینہ میں آپ ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا دیا، ایک دوسرے قول کے مطابق ابوذر کو، اور تیسرے قول کے مطابق نمیلہ بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ عنہ کو بنایا، اس سفر میں آپ کے ساتھ منافقین کی ایک جماعت بھی نکلی، جو اس سے پہلے کسی غزوہ میں نہیں نکلی تھی۔

❶ یہ قول صحیح موسیٰ بن عقبہ کا ہے جسے انہوں نے زہری اور عروہ سے روایت کیا ہے، اور ابو معشر سندی، واقدی اور ابن سعد نے ان کی تائید کی ہے، لیکن قول ابن القیم کا ہے جسے انہوں نے زاد المعاد (۳/۲۰۱) میں، اور ذہبی نے تاریخ الاسلام (۲/۲۷۵) میں اور ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ اس قول کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوۂ بنی المصطلق میں شریک ہوئے اور غزوۂ بنی قریظہ میں شہید ہو گئے، جو صحیح قول کے مطابق سن ۵ ہجری میں ہوا تھا، معلوم ہوا کہ غزوۂ بنی المصطلق غزوۂ بنی قریظہ اور غزوۂ خندق سے پہلے ہوا تھا۔ وباللہ التوفیق۔

حارث بن ابوضرار اور اس کے ساتھ جمع ہونے والے دیگر عربوں کو جب رسول اللہ ﷺ کے مدینہ سے چل پڑنے کی خبر ہوئی تو بہت زیادہ ڈر گئے، اور عرب قبائل کے بہت سے لوگ ان سے الگ ہوگئے، رسول اللہ ﷺ مقام مریسیع پر پہنچے جو پانی کی ایک جگہ تھی، اور جنگ کے لیے تیار ہوگئے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی صف بندی کی، اور مہاجرین کا جھنڈا ابوبکر صدیق کو اور انصار کا جھنڈا سعد بن عبادہ کو دیا، اور عمر بن خطاب کو حکم دیا کہ وہ کافروں کے درمیان منادی کرا دیں کہ اے لوگو! کہو: لا الہ الا اللہ اور اس کلمہ کے ذریعہ اپنی جانوں اور اپنے اموال کی حفاظت کرلو، لیکن انہوں نے انکار کردیا، اور ایک گھنٹہ تک تیر چلاتے رہے، تب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا، اور انہوں نے یکبارگی متحد ہوکر حملہ کردیا جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو فتح ونصرت حاصل ہوئی اور مشرکین شکست کھا گئے، ان میں سے بہت سے لوگ قتل کیے گئے، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا، اور ان کے چوپایوں اور بکریوں کو اپنے قبضے میں کرلیا، اور مسلمانوں میں سے ہشام بن صبابہ نامی صرف ایک آدمی قتل ہوا، جسے غلطی سے ایک انصاری نے قتل کردیا تھا۔ ●

یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ مریسیع نامی کنویں کے پاس جنگ ہوئی، پھر بنی المصطلق کے لوگ شکست کھا گئے۔ ● اور ابن القیم نے لکھا ہے کہ یہ ان کا وہم ہے، ان کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوئی، جیسا کہ امام بخاری ومسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے جو اس غزوہ میں شریک تھے کہ نبی کریم ﷺ نے بنی المصطلق پر اس وقت حملہ کیا جب وہ بالکل غافل تھے، اور ان کے چوپائے کنویں پر پانی پی رہے تھے، چنانچہ صحابہ کرام نے ان کے جنگ کرنے والے جوانوں کو قتل کیا اور ان کے بال بچوں کو قیدی بنالیا، اسی دن سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بھی قید کرلی گئیں۔ ●

امام مسلم نے اپنی روایت میں صراحت کردی ہے کہ بنی المصطلق پر حملہ انہیں بغیر خبر کیے ہوا تھا، اس لیے کہ انہیں اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی، اور غزوۂ احد میں قریشیوں کے ساتھ شرکت کے بعد ثابت ہوچکا تھا کہ وہ ہر وقت مسلمانوں کے ساتھ حالتِ جنگ میں تھے، نیز نبی کریم ﷺ کو ان کے بارے میں یقینی خبر پہنچ چکی تھی کہ وہ لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے عرب قبائل کو جمع کر رہے ہیں، اسی لیے رسول اللہ ﷺ کی فوج نے انہیں اچانک جالیا، جس کی وہ تاب نہ لاسکے اور زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کرسکے۔ ●

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کی روایت اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے درمیان تطبیق پیدا کرتے ہوئے لکھا ہے کہ احتمال اس بات کا ہے کہ جب مسلمانوں نے بنی المصطلق پر ان کے مریسیع نامی کنویں پر اچانک حملہ کردیا تو انہوں نے تھوڑی دیر جنگ کی، لیکن پھر پسپا ہوگئے۔ ●

واقدی نے لکھا ہے کہ بنی المصطلق کے دس آدمی قتل کیے گئے اور باقی قید کرلیے گئے، ان کا ایک آدمی بھی بھاگنے میں کامیاب نہ ہوسکا، اور اموال غنیمت کے طور پر دو ہزار اونٹ، اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں، اور دو سو گھرانوں کی عورتیں اور بچے گرفتار کرلیے گئے، ایک روایت میں ہے کہ قیدیوں کی تعداد سات سو سے زیادہ تھی، بظاہر ان دونوں اقوال میں کوئی تعارض

● دیکھئے: سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۲۹۰.

● صحیح البخاری، العتق، حدیث: (۲۵۴۱).

● صحیح مسلم، کتاب الجہاد، حدیث: (۱۷۳۰).

● فتح الباری: ۷/ ۴۳۰، ۴۳۱.

نہیں، اس احتمال کے سبب کہ دو سو گھرانوں کے افراد کی تعداد سات سو سے زیادہ رہی ہو۔

منافقین کی فتنہ انگیزی:

منافقینِ مدینہ اس دن کے انتظار میں رہتے تھے جب مسلمان شکست کھا جائیں گے، تاکہ اُن کے دل میں لگی حسد کی آگ بجھے، مسلمانوں کو جب بھی فتح و نصرت حاصل ہوتی ان کا بغض و حسد بڑھ جاتا اور ہر دم اس فکر میں لگے رہتے کہ مسلمانوں کے درمیان کسی فتنہ کی آگ کو بھڑکائیں، ان میں سب سے پیش پیش اللہ کا دشمن عبداللہ بن اُبی بن سلول تھا

۱۔ منافقین کی انہی سازشوں میں سے وہ سازش تھی جو عبداللہ بن اُبی کی زیر نگرانی عمل میں لائی گئی۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں نکلے جس میں مسلمان مختلف تکلیفوں سے دو چار ہوئے ❶ تو عبداللہ بن اُبی نے اپنے منافق ساتھیوں سے کہا کہ تم لوگ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کے لیے اپنا مال خرچ نہ کرو، تاکہ یہ تمام لوگ اس سے الگ ہو جائیں، نیز اس نے کہا: ہم جب مدینہ واپس پہنچ جائیں گے تو وہاں کا سب سے معزز آدمی سب سے ذلیل انسان کو وہاں سے نکال دے گا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور اس بات کی اطلاع دی، تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن اُبی کو بلا بھیجا اور اس سے اس بارے میں پوچھا تو وہ قسم کھا گیا کہ اس نے کوئی ایسی بات نہیں کہی ہے، اور دیگر منافقین نے کہا: زید نے رسول اللہ ﷺ سے جھوٹ کہا ہے، میرے دل پر اس کا بڑا گہرا اثر ہوا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میری تصدیق میں سورۃ المنافقون کی وہ آیتیں نازل کیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ان کا پردہ فاش کیا۔ اور اللہ کے نبی نے مجھے بلا کر وہ آیتیں سنائیں اور فرمایا: اے زید! اللہ نے تمہاری تصدیق کر دی ہے۔ ❷

محمد بن اسحاق نے تین سندوں سے اس واقعہ کی تفصیل بیان کی ہے، اور انصار و مہاجرین کے درمیان ایک جھگڑے کا قصہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبداللہ بن اُبی بن سلول ناراض ہو گیا۔ اور اس کے پاس اس کی قوم کی ایک جماعت موجود تھی، انہی میں کم سن نوجوان زید بن ارقمؓ بھی تھے۔ ابن اُبی نے کہا: کیا مہاجرین نے انصار کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا ہے، یہ ہمارے شہر میں آ کر ہم سے نفرت کا برتاؤ کرتے ہیں اور ہم سے بڑا بننے کی کوشش کرتے ہیں، اور ہمارے احسانات کو بھول گئے ہیں، اللہ کی قسم! جب ہم مدینہ واپس پہنچ جائیں گے تو وہاں کا سب سے معزز آدمی سب سے ذلیل انسان کو وہاں سے نکال دے گا، پھر وہ اپنی قوم کے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا: تم لوگوں نے اپنے ساتھ یہی کچھ کیا ہے؟ تم نے ان لوگوں کو اپنے شہر میں پناہ دی، اور اپنے مال و جائداد میں ان کو شریک بنا لیا، اللہ کی قسم! اگر تم ان کی مدد کرنا بند کر دو گے تو یہ سب تمہارے شہر سے نکل کر کہیں اور چلے جائیں گے۔

زید بن ارقمؓ نے یہ بات سُنی اور جا کر رسول اللہ ﷺ کو بتا دی، یہ واقعہ اس وقت ہوا جب رسول اللہ ﷺ اپنے دشمن کی سرکوبی سے فارغ ہو چکے تھے، اس وقت آپ ﷺ کے پاس عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ موجود تھے، انہوں نے آپ سے عرض

---

❶ دوسری روایتوں میں صراحت آئی ہے کہ وہ غزوۂ بنی المصطلق کا سفر تھا، دیکھئے: مسند احمد: ۴/ ۳۶۲- ۳۶۳، سنن الترمذی: ۵/ ۹۰، اور ترمذی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

❷ صحیح البخاری، التفسیر، حدیث: (۴۹۰۰)، (۴۹۰۱)، اور ان کے بعد کی حدیثیں، صحیح مسلم، حدیث: (۲۷۷۲)۔

کیا: آپ عباد بن بشر کو حکم دیجیے کہ وہ اس منافق کو قتل کر دے، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے عمر! ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ لوگ بات بنانے لگیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے، پھر آپ نے وہاں سے کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔

جب عبداللہ بن ابی کو خبر ہوئی کہ زید بن ارقمؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اس کے کہے کی خبر دے دی ہے، تو وہ فوراً رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا: اس نے جو بات آپ کو بتائی ہے میں نے نہیں کہی ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ وہاں سے چل پڑے تو اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے، اُن سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تمھیں اس بات کی خبر نہیں ہوئی ہے، جو تمہارے ساتھی نے کہی ہے، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ کون آدمی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عبداللہ بن اُبی، انہوں نے پوچھا: اس نے کیا کہا ہے؟ آپ نے بتایا: اس کا یہ خیال ہے کہ مدینہ واپس پہنچنے کے بعد سب سے معزز آدمی وہاں سے سب سے ذلیل آدمی کو نکال دے گا۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اگر آپ چاہیں گے تو اسے مدینہ سے نکال دیں گے، اللہ کی قسم! وہ ذلیل ہے، اور آپ معزز انسان ہیں، پھر انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اس کے ساتھ نرم معاملہ کیجیے، اللہ کی قسم! آپ کو اللہ نے ہمارے پاس اس وقت بھیجا جب اس کی قوم اس کے لیے تاج بنا رہی تھی، تاکہ سب مل کر اس کی تاج پوشی کریں، وہ سمجھ رہا ہے کہ آپ نے اس کی بادشاہت اس سے چھین لی ہے۔ ❶

زید رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث سنن ترمذی والی روایت میں ہے کہ اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ نے اس سے کہا: اللہ کی قسم تم بچ کر نہیں جا سکتے، یہاں تک کہ اقرار کرلو کہ تم ذلیل ہو، اور رسول اللہ ﷺ معزز ہیں، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ ❷

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے، لوگوں کا خیال ہے کہ وہ غزوہ بنی المصطلق تھا، تو ایک مہاجر نے ایک انصاری کو اپنے پاؤں سے ماردیا، انصاری نے پکارا، اے انصار! اور مہاجر نے پکارا، اے مہاجرین! رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سن لی، اور فرمایا: کیا بات ہے کہ جاہلیت کا نعرہ لگایا جارہا ہے، صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایک مہاجر نے ایک انصاری کو پاؤں سے ماردیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ ایسا نعرہ لگانا بند کرو، یہ چیز تو نہایت ہی بدبودار اور سڑی ہوئی ہے۔ جب عبداللہ بن اُبی کو اس بات کی خبر ہوئی تو اس نے کہا: کیا مہاجرین نے ایسا کیا ہے؟ اللہ کی قسم! ہم جب مدینہ واپس پہنچ جائیں گے تو وہاں کا سب سے معزز آدمی سب سے ذلیل انسان کو وہاں سے نکال دے گا، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوگئی، عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑادوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔

انصار کی تعداد ابتدائے ہجرت کے وقت مہاجرین سے زیادہ تھی، پھر مہاجرین کی تعداد بڑھتی گئی۔ ❸

---

❶ دیکھئے: سیرۃ ابن ھشام: ۲/ ۲۹۰- ۲۹۲، یہ حدیث مرسل ہے، لیکن اس کے رجال ثقات ہیں۔

❷ سنن الترمذی، التفسیر، حدیث: (۳۳۱۵)، ترمذی نے لکھا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے، مسند احمد: ۳/ ۳۹۲، ۳۹۳۔

❸ صحیح البخاری، التفسیر، حدیث: (۴۹۰۵- ۴۹۰۷) اور صحیح مسلم، حدیث: (۲۵۸۴) اور ترمذی، التفسیر، حدیث: (۳۳۱۵)۔

حادثۂ افک:

دوسرا حادثہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی کا ہے جو عبداللہ بن ابی بن سلول کے نفاق اور خبث باطن کا نتیجہ تھا، اسی نے سب سے پہلے صدیقہ بنت الصدیق ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر بے بنیاد اور ظالمانہ بہتان تراشی کی اور ان کی پاکدامنی کے داغدار ہونے کا دعویٰ کیا۔

مشرکین، یہود اور منافقین سب مل کر رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے کی جتنی سازشیں کرتے تھے، ان میں یہ حادثہ فاجعہ اپنی نوعیت کا منفرد حادثہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے دل و دماغ پر اس کا بہت ہی گہرا اثر پڑا اور منافقین کی خام خیالی کے مطابق یہ زخم ایسا تھا جس کا کوئی مداوا نہیں تھا، اس لیے کہ اس کا نشانہ رسول اللہ ﷺ کی عزت اور آپ کا شرف تھا جو دنیا میں کسی بھی شریف انسان کی عزیز ترین شے مانی جاتی ہے، اور اس کاری ضرب کا نشانہ خاتم النبیین، اللہ کے محبوب ترین رسول اور سرزمین پر معزز ترین انسان تھے، اور اس کا خطرناک اور گھناؤنا مقصد رسول اللہ ﷺ کے دین وعقیدہ اور اس عظیم ترین مقصد کو نقصان پہنچانا تھا جس کی خاطر وہ دنیا میں مبعوث ہوئے تھے، ذیل میں اس نہایت تکلیف دہ واقعہ کو بیان کرتا ہوں جس نے مدینہ کی مسلم سوسائٹی کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے اور جس کا نام نکلتا اسے اپنے ساتھ اس سفر میں لے جاتے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے ایک غزوہ کے موقع سے ہمارے درمیان قرعہ اندازی کی (مسند ابویعلیٰ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی (۴/۲۵۰) روایت میں مذکور ہے کہ وہ غزوۂ بنی المصطلق تھا) تو قرعہ میں میرا نام نکلا، ہم سب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر پر روانہ ہوگئے، اور یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے، میں دوران سفر اپنے ہودج کے ساتھ اٹھا کر اونٹ پر بٹھا دی جاتی تھی، پورے سفر میں ایسا ہی ہوتا رہا، یہاں تک کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے غزوہ سے فارغ ہوکر واپس ہوئے اور ہم لوگ مدینہ کے قریب آگئے تو آپ ﷺ نے رات میں ہی چل دینے کا حکم دیا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار کھو جانا اور فوج سے پیچھے رہ جانا:

جب سفر کا حکم صادر ہوگیا تو میں اٹھ کر چل پڑی یہاں تک کہ فوج سے آگے بڑھ گئی، اور قضائے حاجت سے فراغت کے بعد اونٹ کے کجاوے کے پاس لوٹ کر آئی تو اپنے گلے میں مجھے اپنا ہار نہیں ملا، وہ شاید ٹوٹ کر کہیں گر گیا تھا، میں فوراً واپس گئی اور اپنا ہار تلاش کرنے لگی اور اس کی تلاش میں مجھے دیر ہوگئی۔

جن صحابہ کے ذمہ میرے سفر کا اہتمام کرنا تھا، انہوں نے ہودج کو اٹھا کر اس اونٹ پر رکھ دیا جس میں میں سوار ہوتی تھی، وہ سمجھ رہے تھے کہ میں ہودج میں ہوں۔ اس زمانے میں عورتیں ہلکی ہوتی تھیں، ان کے جسم پر گوشت اور چربی نہیں ہوتی تھی، اس لیے کہ انہیں قلیل مقدار میں کھانا ملتا تھا، اس لیے جن لوگوں نے ہودج اٹھایا، انہیں میرے اس کے اندر نہ ہونے کا احساس نہ ہوا، میں ایک کم سن لڑکی تھی، پھر انہوں نے اونٹ کو اٹھا دیا، اور چل پڑے، فوج کی روانگی کے بعد مجھے اپنا ہار مل گیا تو اپنی جگہ واپس آئی، لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

اس لیے میں اپنی سابق جگہ پر بیٹھ گئی، اس خیال سے کہ لوگوں کو جب ہودج میں میرے نہ ہونے کا علم ہوگا تو میرے پاس لوٹ کر آئیں گے، میں اپنی جگہ پر بیٹھی سوگئی، صفوان بن معطل السلمی رضی اللہ عنہ وہاں رات کے آخری پہر میں پہنچ کر آرام کرنے کے لیے سوگئے، جب صبح ہوئی تو انہوں نے وہاں ایک آدمی کو سویا دیکھا، وہ میرے پاس آئے اور مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے، اس لیے کہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے وہ مجھے بارہا دیکھ چکے تھے، میں ان کی زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون سُن کر جاگ اٹھی اور اپنا چہرہ اپنے دوپٹہ سے ڈھانک لیا، اللہ کی قسم، انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور نہ میں نے ان کی زبان سے انا للہ کے علاوہ کوئی لفظ سنا، انہوں نے اپنی سواری کو بٹھا دیا، میں اس پر سوار ہوگئی، اور وہ اونٹنی کو ہانکتے ہوئے چل پڑے، یہاں تک کہ ہم فوج کے پاس دوپہر کے وقت پہنچے، اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کی تقدیر میں میری عزت پر حملہ کرکے ہلاک ہونا لکھا تھا، وہ ہلاک ہوچکا تھا، اس بہتان تراشی کا سب سے پہلا مجرم عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔

حادثۂ افک کی خبر مدینہ میں:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم لوگ مدینہ پہنچ گئے، مدینہ پہنچنے کے بعد میں ایک ماہ تک بیمار رہی، اور لوگ بہتان تراشوں کے بارے میں مختلف قسم کی باتیں کرتے رہے، اور مجھے کسی بات کی کوئی خبر نہیں ہوتی تھی، لیکن جو چیز مجھے بیماری کی حالت میں ایک گونہ شک وشبہ میں مبتلا کرتی تھی، وہ یہ تھی کہ میں بیماری کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جس لطف وعنایت کا پہلے احساس کرتی تھی، اسے اس بار نہیں پاتی تھی، رسول اللہ ﷺ آتے، سلام کرتے اور پھر کہتے: تم کیسی ہو؟

آپ ﷺ کا یہ انداز میرے لیے پریشان کن تھا، لیکن میں کسی بری خبر کا احساس نہیں کر پائی تھی، یہاں تک کہ کچھ اچھی ہونے کے بعد ایک شام میں ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لیے نکلی، ان دنوں ہم لوگ قضائے حاجت کے لیے رات کو نکلا کرتے تھے، ہمارا حال زمانہ گزشتہ کے عربوں جیسا تھا، ہم اپنے گھروں کے قریب قضائے حاجت کی جگہیں بنانے کو برا سمجھتے تھے، میں اور ام مسطح نکلیں، ان کا بیٹا مسطح بن اثاثہ بن عبادہ بن عبدالمطلب تھا، میں اور ام مسطح قضائے حاجت کے بعد اپنے گھر کی طرف لوٹیں، تو ام مسطح کا پاؤں چادر میں الجھ کر پھسل گیا، انہوں نے کہا: مسطح کا برا ہو، میں نے ان سے کہا: آپ ایک ایسے آدمی کو برا کہہ رہی ہیں جو بدری صحابی ہیں۔ انہوں نے کہا: اے مغفل لڑکی! کیا تم نے اس کی بات نہیں سنی؟ میں نے کہا: وہ کیا ہے، تو انہوں نے مجھے بہتان تراشوں کی کذب بیانی کی خبر دی، جسے سن کر میری بیماری اور بڑھ گئی، اور جب میں اپنے گھر لوٹی تو رسول اللہ ﷺ آئے اور کہا: تم کیسی ہو؟ میں نے کہا: کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر جاؤں؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میرا مقصد اپنے والدین کے ذریعہ خبر کی تصدیق کرنا تھا، رسول اللہ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی، اور میں اپنے ماں باپ کے پاس آئی، اور اپنی والدہ سے کہا: امی جان! لوگ کیا باتیں کررہے ہیں؟ انہوں نے کہا: بیٹی! پریشان نہ ہو، اللہ کی قسم! جب بھی کسی خوبصورت لڑکی سے اس کا شوہر محبت کرتا ہے، اور اس کی سوکنیں ہوتی ہیں تو سب مل کر اس میں عیب نکالتی ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے کہا: سبحان اللہ، تو کیا لوگ اس بارے میں باتیں کرتے رہے ہیں؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں ساری رات روتی رہی، صبح تک میرے آنسو نہیں رُکے، اور صبح کے بعد بھی روتی رہی۔

رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کرام سے مشورہ:

ادھر رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابو طالب اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا، تاکہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بارے میں ان سے مشورہ کریں، اس لیے کہ اس سلسلے میں اب تک کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی بیوی کی براءت اور پاکدامنی کا یقین دلایا، اور تمام اہل بیت سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ آپ کی بیوی ہیں، اور ہم لوگ ان کے بارے میں سوائے اچھی بات کے کوئی بری بات نہیں جانتے۔

لیکن علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ پر عورتوں کا دروازہ تنگ نہیں کر دیا ہے، اگر آپ لونڈی سے پوچھیں گے، تو وہ آپ کو سچ بتادے گی، آپ ﷺ نے بریرہ کو بلایا، اور کہا: اے بریرہ! کیا تو نے عائشہ کی طرف سے شک وشبہ کی کوئی بات دیکھی ہے؟ بریرہ نے کہا: اس اللہ کی قسم! جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے ان کی طرف سے بھی کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جسے میں نے معیوب جانا ہو، سوائے اس کے کہ وہ کم سن لڑکی ہیں، آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں، اور بکری آکر اسے کھا جاتی ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور عبداللہ بن ابی بن سلول کا ذکرِ شر کرتے ہوئے فرمایا: اے مسلمانو! مجھے کون اس آدمی کے بارے میں معذور جانے گا جس کی اذیت میرے گھر والوں کے سلسلے میں انتہا کو پہنچ چکی ہے، اللہ کی قسم! میں نے اپنی بیوی کے بارے میں سوائے اچھی بات کے کوئی بری بات نہیں جانی ہے، اور لوگوں نے ایک ایسے مسلمان آدمی کا نام لیا ہے جس کے بارے میں بھی میں نے سوائے اچھی بات کے کوئی بری بات نہیں سنی ہے، اور وہ میرے گھر میں صرف میرے ساتھ داخل ہوتے تھے۔ یہ سن کر سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو اس کے بارے میں معذور سمجھتا ہوں، اگر وہ اوس کا کوئی آدمی ہے تو ہم اس کی گردن ماردیں گے، اور اگر وہ ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہے، تو آپ ہمیں حکم دیں گے اور ہم آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔

عنقریب تھا کہ فتنہ کی آگ بھڑک اٹھتی:

یہ سن کر خزرج کے سردار سعد بن عبادہؓ کھڑے ہوگئے، جو ایک نیک آدمی تھے، لیکن عصبیت ان پر غالب آگئی اور سعد بن معاذؓ سے کہنے لگے: اللہ کی قسم! تم جھوٹ بولتے ہو تم اسے قتل نہیں کرسکتے، یہ سن کر اسید بن حضیرؓ کھڑے ہوئے جو سعد بن معاذؓ کے چچازاد بھائی تھے، اور سعد بن عبادہؓ سے کہا: بلکہ تم جھوٹے ہو، ہم اسے یقیناً قتل کردیں گے، تم منافق ہو، اور منافقوں کا دفاع کررہے ہو۔ پھر اوس وخزرج دونوں قبیلے پھر اٹھے اور جنگ وقتال پر آمادہ ہوگئے، رسول اللہ ﷺ اس وقت تک منبر پر کھڑے تھے، آپ ﷺ ان سب کو خاموش کرتے رہے، یہاں تک کہ سب چپ ہوگئے اور آپ ﷺ بھی چپ ہوگئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں سارا دن روتی رہی، نہ آنسو تھمتے تھے اور نہ نیند آتی تھی، دوسری رات بھی روتی رہی، نہ آنسو تھمے اور نہ نیند آئی، اور میرے والدین کو گمان ہو چلا کہ مسلسل رونے سے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا، وہ دونوں میرے پاس بیٹھے تھے اور میں رو رہی تھی کہ ایک انصاری عورت اجازت لے کر میرے پاس آئی اور بیٹھ کر میرے ساتھ رونے لگی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم سب اسی حال میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ آئے، سلام کیا، اور بیٹھ گئے۔ جب سے یہ

جھوٹی خبر پھیلی تھی آپ ﷺ میرے پاس کبھی نہیں بیٹھے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا عائشہؓ سے استفسار:

ایک مہینہ گزر گیا تھا اور میرے بارے میں آپ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، آپ ﷺ نے پہلے شہادت کا کلمہ پڑھا: پھر فرمایا: اے عائشہ! تمہارے بارے میں مجھے ایسی اور ایسی خبر ملی ہے، اگر تم پاکدامن ہو تو اللہ عنقریب تمہاری براءت دپاکدامنی کو ظاہر کر دے گا، اور اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ سے مغفرت مانگو، اور اس کی جناب میں توبہ کرو، اس لیے کہ بندہ جب گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے اور تائب ہو جاتا ہے تو اللہ اس کی توبہ کو قبول کر لیتا ہے۔

سیدہ عائشہؓ کہتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ کی بات ختم ہوئی، تو میرے آنسو ٹھہر گئے، میں اس کا ایک قطرہ بھی اپنی آنکھ میں محسوس نہیں کر رہی تھی، میں نے اپنے والد سے کہا: آپ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجیے، ابوبکرؓ نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ میں رسول اللہ ﷺ کو کیا کہوں؟ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا: آپ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجیے، تو انہوں نے بھی کہا: اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ میں رسول اللہ ﷺ کو کیا کہوں؟

تو میں نے کہا: میں ایک کم سن لڑکی ہوں، زیادہ قرآن پڑھنا نہیں جانتی، میں اللہ کی قسم! جانتی ہوں کہ آپ لوگوں نے یہ بات سنی اور آپ کے دل ودماغ میں بیٹھ گئی اور اسے سچ مان لیا، اگر میں آپ سب سے کہوں کہ میں بری ہوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں بری ہوں، تو آپ لوگ میری بات نہیں مانیں گے، اور اگر میں کسی بات کا اعتراف کر لوں، حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو آپ لوگ فوراً میری تصدیق کر بیٹھیں گے، اللہ کی قسم! میری اور آپ لوگوں کی مثال ویسی ہی ہے جیسی یوسف علیہ السلام کے باپ یعقوب علیہ السلام نے کہی تھی:

﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾﴾ [یوسف: ١٨]

''پس مجھے اچھے صبر سے کام لینا ہے، اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس پر اللہ سے ہی مدد مانگنی ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر میں وہاں سے اُٹھ کر اپنے بستر پر لیٹ گئی، اور اللہ کی قسم! مجھے معلوم تھا کہ میں بری ہوں، اور یقین تھا کہ اللہ ضرور میری براءت کو ظاہر کرے گا، لیکن اللہ کی قسم! میں کبھی بھی یہ نہیں سمجھتی تھی کہ میرے بارے میں وحی نازل ہوگی جس کی تلاوت کی جائے گی، میں تو اپنے آپ کو اس سے حقیر سمجھتی تھی کہ اللہ میرے بارے میں قرآن کریم میں آیت نازل فرمائیں گے، جسے دنیا پڑھا کرے گی، میں تو یہ امید لگائے بیٹھی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کوئی خواب دیکھیں گے جس میں اللہ تعالیٰ انہیں میری براءت کی خبر دیں گے۔

براءت عائشہؓ کے سلسلہ میں نزولِ وحی:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ابھی اپنی جگہ سے اُٹھے بھی نہیں تھے، اور نہ میرے گھر والوں میں سے کوئی باہر گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وحی نازل فرمائی، اور آپ ﷺ پر وہ کیفیت طاری ہوگئی جو عام طور پر نزولِ وحی کے وقت طاری ہوتی تھی، اور آپ ﷺ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے ظاہر ہونے لگے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ پر وحی تمام ہوگئی تو آپ ﷺ مسکرانے لگے، اور پہلا کلمہ جو

آپ ﷺ کی زبان سے نکلا، وہ یہ تھا کہ اے عائشہ! خوش ہو جاؤ، اللہ نے تمہاری براءت بیان کر دی۔

میری والدہ نے مجھ سے کہا: اٹھو، رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو، میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں آپ ﷺ کا شکریہ ادا نہیں کروں گی، اور اللہ کے سوا کسی کی تعریف نہیں کروں گی، جس نے میری براءت بیان کی ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ عزوجل نے مندرجہ ذیل دس آیتیں نازل فرمائی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑪ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ⑫ لَّوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ⑬ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑭ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ ⑮ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ⑯ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ⑰ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ⑱ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ⑲ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ⑳﴾ [النور: ۱۱-۲۰]

"بے شک جن لوگوں نے (عائشہ پر) تہمت لگائی ہے، وہ تم ہی میں کا ایک چھوٹا گروہ ہے، تم لوگ اس بہتان تراشی کو اپنے لیے برا نہ سمجھو، بلکہ اس میں تمہارے لیے خیر ہے، ان میں سے ہر آدمی کو اپنے کیے کے مطابق گناہ ہوگا، اور ان میں سے جس نے اس افترا پردازی کی ابتدا کی ہے اس کے لیے بڑا عذاب ہے، جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مسلمان مردوں اور عورتوں نے اپنے ہی جیسے مسلمان مردوں اور عورتوں کے بارے میں اچھا گمان کیوں نہیں کیا، اور کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا بہتان ہے، افترا پردازوں نے اپنی سچائی پر چار گواہ کیوں نہیں پیش کیے، پس جب وہ چار گواہ نہیں لا سکے تو وہی لوگ اللہ کے نزدیک پکے جھوٹے ہیں، اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو اس بارے میں تمہاری چہ میگوئیوں کی وجہ سے تمہیں ایک بڑا عذاب آ لیتا، جب تم لوگ اس بہتان کو ایک دوسرے سے نقل کرتے تھے، اور اپنی زبان پر ایسی بات لاتے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہیں تھا، اور تم لوگ اسے ایک معمولی بات سمجھتے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی، اور جب تم لوگوں نے یہ جھوٹی خبر سنی تو کیوں نہیں کہا: ہمارے لیے یہ مناسب نہیں کہ ایسی بات کریں، اے ہمارے رب! تو تمام عیوب سے پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے، اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مسلمان ہو تو دوبارہ کبھی ایسی غلطی نہ کرنا، اور اللہ تمہارے لیے اپنی آیتوں کو کھول کر بیان کرتا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمتوں والا ہے، جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں کے درمیان بدکاری رواج پائے، ان کے لیے دنیا

اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور اللہ کو سب کچھ معلوم ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے ہو، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ یقیناً بہت شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے [تو تمھیں سخت عذاب دیتا]۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسطح کے بارے میں کہا جن پر وہ اس کی قرابت داری اور محتاجی کے سبب خرچ کرتے تھے: اللہ کی قسم! اب میں کبھی اس آدمی پر کچھ خرچ نہیں کروں گا، تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢﴾﴾ [النور: ٢٢]

"اور تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب حیثیت ہیں، وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دینے کی قسم نہ کھالیں، بلکہ معاف کر دیں اور درگزر کر دیں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمھیں معاف کر دے، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔"

اس آیت کو سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں یقیناً اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ میری مغفرت فرما دے، پھر انھوں نے مسطح رضی اللہ عنہ کا نفقہ دوبارہ جاری کر دیا، اور کہا: میں اب کبھی بھی اسے بند نہیں کروں گا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیوی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے میرے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی ایسی گندی بات سے حفاظت کرتی ہوں، اللہ کی قسم! میں عائشہ کے بارے میں سوائے اچھائی کے کوئی بری بات نہیں جانتی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: یہی زینب رسول اللہ ﷺ کے پاس فخر ومباہات میں میرا مقابلہ کرتی تھیں، اس کے باوجود اللہ نے ان کے تقویٰ کے سبب ان کی حفاظت فرمائی۔ ان کی بہن حمنہ بنت جحش ان کے بارے میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے لڑتی تھی، اور بہتان تراشی کے اس حادثہ میں ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوگئی۔ [1]

فتنہ انگیز عبداللہ بن اُبی:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس بارے میں مسطح، حسان بن ثابت اور منافق عبداللہ بن اُبی زیادہ باتیں کرتے تھے، اور ابن اُبی ہی زیادہ اس کی کرید میں لگا رہتا تھا، اس نے اور حمنہ نے سب سے پہلے اس فتنہ کو ہوا دی تھی۔ [2]

تہمت دھرنے والوں پر حدِ قذف:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب میری براءت کی آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور ان آیتوں کی تلاوت فرمائی اور منبر سے اُترنے کے بعد دو مرد اور ایک عورت پر حدِ قذف جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا، چنانچہ ان

[1] صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤١٤١)، صحيح مسلم، كتاب التوبة، حديث: (٢٧٧٠).

[2] صحيح البخاري، حديث: (٤٧٥٧)، صحيح مسلم، حديث: (٢٧٧٠).

پر حد جاری کی گئی۔ ❶

ان تینوں مخلص مسلمانوں کے لیے کسی طرح مناسب نہ تھا کہ وہ منافقین کے جال میں پھنستے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ۝﴾

[النور: ۱۲]

''جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مسلمان مردوں اور عورتوں نے اپنے ہی جیسے مسلمان مردوں اور عورتوں کے بارے میں اچھا گمان کیوں نہیں کیا، اور کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا بہتان ہے۔''

اس لیے کہ مومنوں پر واجب ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے گھرانے کے بارے میں پورے طور پر چوکنا رہیں اور ان کا کامل اعتماد اور ایمان ہو کہ نبی کے گھرانے کے افراد ایسے گناہ میں ہرگز مبتلا نہیں ہو سکتے تاکہ اسلامی دعوت کے دل میں خنجر پیوست نہ ہو جائے، اسی لیے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جب اس جھوٹے بہتان کے بارے میں سنا تو بغیر کسی توقف کے کہا: اللہ کی ذات تمام عیوب سے پاک ہے، ہمارے لیے ایسی بات کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں، یقیناً یہ بہتان عظیم ہے۔ ❷

ممکن ہے کوئی شخص کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی پر حد کیوں نہیں جاری کی، حالانکہ سب سے پہلا فتنہ انگیز وہی تھا، تو اس سے کہا جائے گا کہ بظاہر حدود جاری کرنے کی سب سے بڑی حکمت گناہ گار کو اس کے گناہ سے پاک کرنا ہوتا ہے اور اس مجرم و منافق کو تو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں بڑے عذاب کی وعید دے رکھی ہے، اس لیے اس پر حد جاری نہیں کی گئی، تاکہ اس کا کندھا اس عظیم گناہ اور اس کے علاوہ دیگر بڑے گناہوں سے بوجھل رہے، جن کا وہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ آنے کے بعد پوری زندگی میں ارتکاب کرتا رہا تھا، تاکہ قیامت کے دن جب وہ اللہ سے ملے تو عظیم تر ہلاکت و بربادی کا مستحق بنے۔

اس مجرم پر حد جاری نہ کرنے کے ظاہری اور اہم اسباب میں سے یہ بھی تھا کہ اس کے ساتھ منافقین اور یہود کی ایک جماعت ملی ہوئی تھی، جو مسلمانوں کی ابتلاء و آزمائش کا انتظار کرتی رہتی تھی، اور اوس و خزرج کے درمیان نیز مہاجرین اور انصار کے درمیان فتنہ و شر انگیزی کے لیے اوقات و حالات کا انتظار کرتی رہتی تھی، اس لیے دعوت الی اللہ کی حکمت اور اسلامی اسٹیٹ کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کا تقاضا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان منافقین و یہود کو مسلمانوں کی صفوں میں کسی فتنہ انگیزی کا موقع نہ دیں، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اس بدبخت منافق کی بہت سی شر انگیزیوں کو نظر انداز کرنا اور اس بارے میں خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا تھا۔

اور اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ان کے صبر اور حسنِ توکل کا بہترین بدلہ یہ عطا فرمایا کہ ان کی براءت میں

---

❶ سنن الترمذی، التفسیر، حدیث: (۳۱۸)، سنن ابن ماجه، الحدود، حدیث: (۲۷۶۵)، مصنف عبدالرزاق: ۵/ ۱۹، مسند احمد: ٦/ ٦١.

❷ فتح الباری: ۱۳/ ۳٤٤.

قرآن کریم نازل فرمایا جسے مسلمان رہتی دنیا تک تلاوت کرتے رہیں گے، اور بلاشبہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ ایک بہت ہی بڑا شرف واعزاز تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کو زندگی بھر اس کا احساس بھی رہا، اسی لیے وہ کہا کرتی تھیں کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میرے بارے میں وحی نازل ہوگی جس کی لوگ تلاوت کریں گے، اس لیے کہ میری حیثیت خود میری نگاہ میں ایسی نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں کلام کریں گے، اور وحی نازل کریں گے جس کی تلاوت کی جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ کی شادی سیّدہ جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے:

ان کا نام جویریہ بنت الحارث بن ابوضرار مصطلقیہ خزاعیہؓ تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب اللہ کے رسولؐ نے بنی مصطلق کے قیدیوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا تو سیدہ جویریہ بنت الحارثؓ، ثابت بن قیس بن شماسؓ یا ان کے کسی چچازاد بھائی کے حصے میں آ گئیں، تو جویریہؓ نے ان کے ساتھ اپنے معاملے میں مکاتبت ❶ کرلی، وہ نہایت خوبصورت تھیں، انہیں جب بھی کوئی دیکھتا تو ان کے حسن وملاحت سے مسحور ہو جاتا، مکاتبت کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مالی تعاون حاصل کرنے کے لیے آئیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! جب میں نے انہیں اپنے کمرے کے دروازے پر دیکھا تو اچھا نہیں سمجھا، اور مجھے یقین ہوگیا کہ آپ ﷺ اس سے ضرور متاثر ہو جائیں گے۔

وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں، اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں اپنی قوم کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ ہوں، اور مجھ پر وہ مصیبت آ پڑی ہے جو آپ سے مخفی نہیں، میں نے اپنے سلسلے میں مکاتبت کی ہے، آپ مکاتبت کا مال ادا کرنے کے لیے میری مدد کیجیے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس سے بہتر معاملہ چاہتی ہو؟ اس نے کہا: وہ کیا ہے، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہاری مکاتبت کی رقم ادا کردوں اور تم سے شادی کرلوں، انہوں نے کہا: ہاں، اے اللہ کے رسول ﷺ۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: لوگوں میں یہ خبر عام ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ نے جویریہ بنت الحارث سے شادی کرلی ہے، اور لوگ یہ بھی کہنے لگے کہ بنی المصطلق کے قیدی رسول اللہ ﷺ کے رشتہ دار ہوگئے، اس لیے سب نے اپنے اپنے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کی جویریہ سے شادی نے بنی المصطلق کے سو گھرانوں کو آزادی دلائی، میں ان سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے لیے بابرکت نہیں جانتی۔ ❷

حارث بن ابی ضرار مدینہ آئے اور رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ ان کی بیٹی کو چھوڑ دیں تو آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ وہ اپنی بیٹی کو اختیار دیں، انہوں نے اپنی بیٹی جویریہ رضی اللہ عنہا کو اختیار دیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کو اختیار کرلیا۔ بعد میں حارث بن ابی ضرار اور ان کی قوم کے لوگ اسلام لے آئے، اور آپ ﷺ نے ان کو اپنی قوم سے زکاۃ کی وصولی کا نگراں بنا دیا۔ ❸

---

❶ مکاتبت یہ ہے کہ جنگ میں قید کیا گیا غلام، یا قید کی گئی لونڈی اپنے مالک سے سمجھوتہ کرلے کہ وہ ایک متعین رقم اسے ادا کرکے آزاد ہو جائے گی۔

❷ مسند احمد: ٦/ ٢٧٧، مستدرك حاكم: ٤/ ٢٦، دلائل البيهقى: ٤/ ٤٩.

❸ السيرة النبوية الصحيحة: ص/ ٤١٣.

رسول اللہ ﷺ کی سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی اور ان کی قوم کے قیدیوں کی آزادی کا بنی المصطلق کے دلوں پر بہت ہی اچھا اور گہرا اثر پڑا، چنانچہ ان تمام نے اسلام قبول کر لیا، اور اللہ اور اس کے رسول کے تابع فرمان بن گئے، اور اسلام کے دفاع میں زندگی بھر جہاد کرتے رہے۔

اس غزوہ سے مستفاد شرعی احکام:

علمائے کرام نے اس غزوہ کی تفصیلات اور اس بارے میں نازل شدہ آیات قرآنیہ سے شرعی احکام مستنبط کیے ہیں، جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

۱- جن کافروں کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو، ان پر اچانک حملہ کرنا جائز ہے، اور جنہیں اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو اُن پر حملہ کرنے سے پہلے اسلام کی دعوت دینی واجب ہے۔

۲- لونڈی کی آزادی کو اس کا مہر بنانا صحیح ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ام المومنین جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کے ساتھ اور غزوۂ خیبر میں سیدہ صفیہ بنت حُیَیّ بن اخطب رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا۔

۳- سفر کے وقت بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی مشروع ہے، تاکہ سفر میں اُسے ساتھ لے جایا جائے جس کے نام کا قرعہ نکلے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس غزوہ میں کیا، اور قرعہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام نکلا۔

۴- جھوٹی تہمت دھرنے والوں اور بہتان تراشوں پر حد جاری کرنا قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

۵- عربوں کو غلام بنانا جائز ہے، جیسا کہ اس غزوہ میں بنی المصطلق کو غلام بنا لیا گیا، حالانکہ وہ قبیلۂ خزاعہ کے عرب تھے۔

۶- علمائے امت کا اجماع ہے کہ جو شخص سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دے گا، اور ان پر منافقین کی طرح تہمت دھرے گا وہ بلاشبہ کافر ہوگا، اس لیے کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا اور قرآن کریم کا انکار کیا۔

۷- بیویوں سے عزل کرنا (یعنی خارج رحم انزال کرنا) جائز ہے، اس لیے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی، اور فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرو تب بھی کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ قیامت کے دن تک جس روح کو بھی پیدا ہونا ہے وہ پیدا ہو کر رہے گی۔ اس لیے جمہور علماء نے آزاد بیویوں کی اجازت سے عزل کو جائز قرار دیا ہے۔

۸- حادثۂ افک اس بات کی صریح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ غیب کا علم نہیں رکھتے تھے اور کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہتے تھے، اس حادثہ کے موقع سے ایک ماہ سے زیادہ وحی نازل نہیں ہوئی اور نبی کے گھرانے اور مسلم سوسائٹی میں شدید پریشانی اور اضطراب کا عالم رہا، لیکن آپ ﷺ نے کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہی، یہاں تک کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر وحی نازل فرمائی۔ اور آپ نے صحابہ کرام کے سامنے ان آیتوں کی تلاوت فرمائی جن میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا بیان آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف میں فرمایا ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿١١٠﴾﴾ [الكهف: ۱۱۰]

"آپ کہیے کہ میں تو تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں، مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہے، تو جو شخص اپنے رب سے ملنے کا یقین رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے، اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝﴾ [الحاقة: ٤٤-٤٧]

"اور اگر (میرے نبی) بعض باتیں گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیتے، تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ دیتے، پھر تم میں سے کوئی ہمیں روکنے والا نہ ہوتا۔" ❶

---

❶ السيرة النبوية الصحيحة: ص/ ٤١٤.

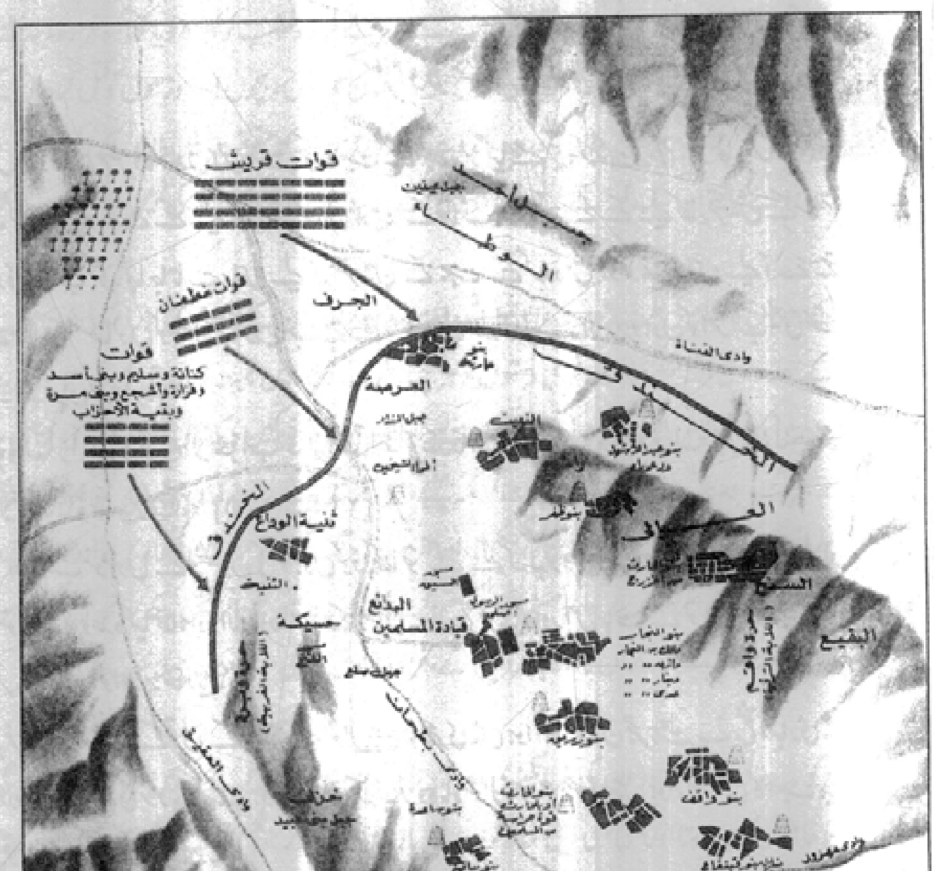
قوات قريش
قوات غطفان
قوات
كنانة وسليم وبنو أسد
وفزارة وأشجع وبنو مرة
وبقية الأحزاب
الجرف
وادي القناة
ثنية الوداع
البقيع
العصبة

غزوهٔ خندق

غزوۂ خندق

اس غزوہ کا نام غزوۂ خندق اس خندق کی اہمیت کے سبب پڑ گیا جسے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئی فوج اور ان عرب گروہوں کو روکنے کے لیے کھودا تھا جو اہلِ مدینہ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے کفارِ قریش کے ساتھ جمع ہو گئے تھے، اسے غزوۂ احزاب بھی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ مشرکین کے بہت سے گروہ جمع ہو کر مدینہ اس لیے آئے تھے کہ وہ اپنے زعمِ باطل کے مطابق مسلمانوں کو یکسر ختم کر دینا چاہتے تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان گروہوں کو احزاب یعنی مختلف گروہوں کا نام دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴾ [الأحزاب: ۲۲]

''اور جب مومنوں نے دشمنوں کی فوجوں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو وہی چیز ہے جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا، اور اس بات نے تو ان کے ایمان اور طاعت وفرمانبرداری کو اور بڑھا دیا۔''

یہ غزوہ جمہور علماء کے قول کے مطابق ماہِ شوال سن ۵ ہجری میں ہوا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اسی قول کو ترجیح دی ہے اور ان لوگوں کی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ غزوہ ماہِ شوال سن ۴ ہجری میں ہوا، اور اس کا سبب بیان کیا ہے، نیز کہا ہے کہ یہ قول قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ غزوہ دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول کے مطابق ماہِ شوال سن ۵ ہجری میں ہوا تھا، اس لیے کہ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ غزوۂ احد شوال سن ۳ ہجری میں ہوا تھا، اور مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ سے آئندہ سال جنگ کرنے کا وعدہ کیا تھا، جو سن ۴ ہجری ہوتا ہے، لیکن انہوں نے اس سال کی قحط سالی کے سبب وعدہ پورا نہیں کیا، اور لوٹ گئے، اور جب پانچواں سال ہوا تو کفارِ قریش آپ ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے مدینہ آگئے، مؤرخینِ سیر ومغازی کے نزدیک یہی قول راجح ہے۔ ❶

اس غزوہ کے دو اہم اسباب

مؤرخینِ سیرت نے اس غزوہ کے دو اہم اسباب بتائے ہیں:

پہلا سبب:

مسلمانوں اور مشرکینِ قریش کے درمیان مستقل جنگی چھیڑ چھاڑ۔ مشرکین کی طرف سے ہر وقت جنگ کا اعلان رہتا تھا،

❶ دیکھئے: سیرۃ ابن هشام: ۲/ ۲۱٤، فتح الباری، المغازی: ۷/ ۳۹۳، دلائل البیهقی: ۳/ ۳۹۲، ۳۹۳۔

اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر لمحہ مرکزِ اسلام مدینہ منورہ اور وہاں رہنے والے مہاجرین وانصار کا دفاع کرنے کے لیے چوکنے اور تیار رہتے تھے۔

ایک اہم سبب جس نے مسلمانوں کے خلاف نئے سرے سے ان کے غیظ وغضب کو بھڑکا دیا تھا وہ غزوۂ احد میں ان کی محرومی ونامرادی تھی، ان کا خیال تھا کہ وہ مدینہ منورہ میں داخل ہو کر مسلمان عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کر دیں گے، لیکن اللہ نے ان کے اس زعمِ باطل کو یکسر ناکام بنا دیا، اور وہ مکہ لوٹ گئے، اس لیے کہ حقیقت میں ان کے دل رعب اور خوف ودہشت سے بھرے ہوئے تھے اور ایک لمحہ کے لیے بھی انہوں نے مدینہ میں داخل ہونے کی نہیں سوچی، جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

غزوۂ احد کے بعد ان کا شام کی طرف جانے والا تجارتی راستہ بند ہو گیا اور ان کے تمام فوجی اور اقتصادی منصوبے ناکام ہو گئے، اس غزوہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فوجی دستوں کو ہر چہار طرف بھیجنے میں بہت زیادہ تیزی کی، تاکہ مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرنے والے ہر کافر کا سر کچل دیا جائے، اس لیے مکہ میں موجود مشرکین کے دل مسلمانوں کی بڑھتی طاقت کو دیکھ کر غم واندوہ سے بھر گئے، اور جب سے مدینہ سے لوٹ کر مکہ پہنچے، اسی فکر میں لگے رہے کہ وہ عرب قبائل اور خاندانوں کو جمع کریں اور انہیں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے ڈرائیں، اور ان سے جنگ کرنے پر انہیں اُبھاریں، اور ان کے دل میں اس بات کو اچھی طرح بٹھا دیں کہ اگر وہ مدینہ جا کر مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے مشرکین قریش کے ساتھ جمع نہیں ہوں گے، تو ایک دن یہ مسلمان ان قبائل پر حملہ کر کے ان کا صفایا کر دیں گے، غزوۂ خندق کا یہی سب سے پہلا سبب تھا۔

<u>دوسرا سبب:</u>

یہود بنی نضیر کو مدینہ سے نکالنا اور ان کی شرانگیزی اور فتنہ انگیزی سے بچنے کے لیے انہیں وہاں سے خیبر کی طرف بھگا دینا۔ لیکن دشمن خاموش نہیں رہتا اور کبھی بھی اپنی سازشوں سے باز نہیں آتا، اور جو شخص اپنے دشمنوں کے بارے میں اس کے سوا کوئی خوش خیالی رکھتا ہے، وہ یقیناً بے وقوف اور مغفل ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ بلاشبہ ذی ہوش اور بیدار مغز انسان تھے اور وحی الٰہی ان کی تائید کر رہی تھی، اسی لیے آپ ﷺ کبھی بھی یہود اور ان کی سازشوں کی طرف سے مطمئن نہیں ہوئے۔

یہود بنو نضیر خیبر میں رہتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف سازش کرتے رہے اور چپکے چپکے جنگ کی تیاری، اور کافروں اور منافقوں کے ساتھ جوڑ توڑ کرتے رہے، چنانچہ ان کے کئی لیڈر مکہ گئے، تاکہ کفارِ قریش اور دیگر قبائلِ عرب کے ساتھ نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے معاہدہ کریں، ان لیڈروں میں بنی نضیر کے حُیَیّ بن اخطب، سَلّام بن مشکم، سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق اور ہوذہ بن قیس وائلی، ابوعمار وائل اور حوح بن عامر وغیرہ تھے، جب یہ لوگ مکہ پہنچے، اور زعمائے مشرکین سے مل کر انہیں مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اُبھارا، اور ان سے وعدہ کیا کہ وہ لوگ ان کی ضرور مدد کریں گے، اور میدانِ کارزار میں ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں گے، اور جنگ میں پوری طرح ان کا ساتھ دیں گے تو قریشیوں نے ان کی بات مان لی، اور اُن سے کہا: اے جماعتِ یہود! تم لوگ پہلی آسمانی کتاب والے ہو، اور جس بارے میں ہمارا اور محمد (ﷺ) کا اختلاف ہے اسے خوب جانتے ہو، بتاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے یا اس کا دین؟ انہوں

نے کہا: بلکہ تمہارا دین اس کے دین سے زیادہ بہتر ہے اور تم لوگ اس کے مقابلے میں تائید الٰہی کے زیادہ حقدار ہو، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں نازل فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٥١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾﴾ [النساء: ٥١-٥٢]

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب الٰہی کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ وہ بتوں اور شیطانوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں کے مقابلہ میں زیادہ صحیح راستہ پر ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت بھیج دی ہے، اور جس پر اللہ لعنت بھیج دے، آپ اُس کا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔''

پھر یہ زعمائے یہود مکہ سے دیار نجد کی طرف گئے اور غطفان کے بڑے قبیلے کے ساتھ مسلمانوں سے جنگ کرنے کا معاہدہ کیا، پھر قبائل عرب میں گھوم گھوم کر سب کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اکساتے رہے، جس کے نتیجہ میں بہت سے قبائل نے ان کی بات مان لی اور یہود کی کوششوں سے مشرکین کی جماعتوں نے مسلمانوں کے خلاف آپس میں ایک زبردست معاہدہ کیا۔

موسیٰ بن عقبہ لکھتے ہیں کہ یہودیوں کے وفد نے قبیلۂ غطفان سے خیبر کی آدھی کھجوروں کا وعدہ کر دیا، تاکہ انہیں بہر حال اس معاہدہ میں شرکت پر مجبور کر دیں۔ ❶

چنانچہ کفار قریش ابوسفیان کی قیادت میں چار ہزار کا لشکر جرار لے کر جنوب کی طرف سے نکلے، اور ان کے ساتھ بنی سلیم، کنانہ اور اہل تہامہ سے ان کے حلفاء بھی تھے۔

مشرق سے قبائل غطفان: بنو فزارہ جن کا قائد عیینہ بن حصن تھا، اور بنو مرہ جن کا قائد حارث بن عوف تھا، اور بنو اشجع جن کا قائد مسعر بن رخیلہ بن مغیرہ تھا وغیرہم نکلے، نیز مشرک قبائل میں سے بنو اسد وغیرہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔

کفار قریش اور ان کے حلفاء کے اکٹھا ہونے کی جگہ مر الظہران مقرر تھی جو مکہ سے چالیس کلومیٹر کی دوری پر ہے، چنانچہ تمام حلفاء اس جگہ جمع ہو کر ایک ساتھ مدینہ کی طرف چلے، ان کی مجموعی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی، ان تمام عورتوں، بچوں، جوانوں، اور بوڑھوں کی تعداد سے زیادہ جو مدینہ میں رہتے تھے۔ اور جرف اور زغابہ کے درمیان سیلابی پانی کے جمع ہونے کی جگہ پر خیمہ زن ہو گئے، اور غطفان اور بنو اسد کے لوگ احد کے بغل میں باب نعمان میں خیمہ زن ہوئے۔

خندق کھودنے کی پلاننگ:

جب رسول اللہ ﷺ کو مشرک جماعتوں اور گروہوں کے مر الظہران میں جمع ہو کر مدینہ کی طرف چل پڑنے کی خبر ہوئی، تو آپ ﷺ نے فوراً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا، تاکہ اس مشکل گھڑی سے نمٹنے اور مناسب تر کارروائی کے لیے آپس

❶ دیکھئے: سیرۃ ابن ھشام: ۲/ ۲۱۱، ۲۱۲، صحیح السیرۃ النبویۃ، ابراھیم: ص/ ۳۵۱-۳۵۲۔

میں مشورہ کریں، جیسا کہ آپ ﷺ کی ہمیشہ مشکل حالات کے وقت یہ عادت طیبہ تھی، اس میٹنگ میں صحابی جلیل سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے شمالی علاقے میں خندق کھودنے کا مشورہ دیا، تاکہ حرۂ واقم اور حرۂ ابرہ کے دونوں کناروں کو جوڑ دیا جائے جو کافر حملہ آوروں کے لیے تنہا کھلا ہوا علاقہ تھا۔ مدینہ کے دیگر اطراف ایک قلعہ کی طرح تھے، ان میں مکانات اور کھجور کے درخت ایک دوسرے کے ساتھ گھتے ہوئے تھے، اور حرّوں کے ذریعہ ہر طرف سے گھرے ہوئے تھے، جن کے سبب ان علاقوں میں اونٹوں اور پیادہ پا فوجیوں کا چلنا مشکل تھا۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکیمانہ پلاننگ کی تائید کی جسے عرب پہلے سے نہیں جانتے تھے، اس لیے کہ خندق مسلمانوں اور مشرک جماعتوں کے درمیان ڈائرکٹ جنگی حملوں کی راہ میں ایک رکاوٹ بن کر حائل ہوگئی، اور حملہ آوروں کو مدینہ میں داخل ہونے سے روک دیا، اور مسلمانوں کے لیے ایک بہترین دفاعی کارروائی کا کام دینے لگی، اس لیے کہ دشمن جب بھی خندق کے قریب ہوتے اور اس میں اُتر کر مسلمانوں کی طرف آنا چاہتے تو مجاہدینِ اسلام خندق کے پیچھے سے ان پر تیروں کی بارش کرنے لگتے۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فوراً خندق کھودنے کا حکم دیا، اور مسلمان اس کام میں دل و جان سے مصروف ہو گئے اور ہر دس مسلمانوں کو چالیس گز کھدائی کی ذمہ داری دے دی گئی، مہاجرین نے مشرق میں قلعۂ راتج کی طرف سے قلعۂ ذباب تک کھودنے کی ذمہ داری سنبھال لی، اور انصار نے قلعۂ ذباب سے مغرب میں جبل عبید تک، کھدائی کا کام سخت سردی اور قحط سالی اور بھوک اور پیاس کے باوجود نہایت تیزی کے ساتھ انجام پایا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خندق میں موجود تھے، کھودنے والے کھدائی کا کام کرتے تھے اور ہم لوگ اپنے کندھوں پر مٹی اُٹھا کر دوسری جگہ منتقل کرتے تھے، آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا:

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ
فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ

"اے اللہ! آخرت کی زندگی کے سوا کسی زندگی کی کوئی حقیقت نہیں، اس لیے تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمادے۔"

سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خندق کی طرف گئے جہاں سخت ٹھنڈک میں مہاجرین وانصار کھدائی کا کام کر رہے تھے، اس لیے کہ ان کے پاس غلام نہیں تھے جو ان کے بدلے یہ کام کرتے۔ جب آپ ﷺ نے تھکن اور بھوک کے سبب ان کا حالِ زار دیکھا تو فرمایا:

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ
فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ

"اے اللہ! حقیقی زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے، اس لیے تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمادے۔"

تو صحابہ نے آپ ﷺ کو یوں جواب دیا:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَى الْاِسْلَامِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

''ہم ہی لوگوں نے محمد (ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کی ہے (جہاد کرنے کے لیے) جب تک ہم اس دنیا میں رہیں گے۔''

اور ایک دوسری روایت میں ہے: مہاجرین وانصار مدینہ کے گرد خندق کھودتے تھے، اپنی پیٹھوں پر مٹی ڈھوتے تھے، اور کہتے تھے:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَى الْاِسْلَامِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

''ہم ہی لوگوں نے محمد (ﷺ) سے اسلام پر بیعت کی ہے، جب تک اس دنیا میں زندہ رہیں گے۔''

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ان صحابہ کرام کے لیے ایک ہتھیلی بھر جو لایا جاتا تھا، جس کی روٹی پرانے بدمزہ تیل میں پکا کر ان کے سامنے رکھ دی جاتی اور بھوک کی شدت سے اسے وہ لوگ کھاتے، حالانکہ وہ اپنی تیز بدبو کی وجہ سے بمشکل حلق سے نیچے اترتی تھی۔ ❶

براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ خندق کھودتے تھے اور مٹی ڈھوتے تھے یہاں تک کہ مٹی سے آپ ﷺ کے پیٹ کا چمڑا ڈھک گیا تھا، آپ ﷺ کے جسم پر بال تھے، میں نے آپ ﷺ کو ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ کلمات رجزیہ انداز میں پڑھتے ہوئے سنا:

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا ۔۔۔ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا ۔۔۔ وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا
اِنَّ الْاُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا ۔۔۔ وَاِنْ اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

اور آپ ﷺ آخری کلمات پر اپنی آواز کو کھینچتے تھے۔ ﷺ۔

ان اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ اے اللہ! اگر تو نہ چاہتا تو ہم ہدایت نہیں پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے، تو ہم پر طمانیت نازل فرما اور دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت ہمیں ثابت قدم رکھ، بے شک انہی لوگوں نے ہم پر چڑھائی کر دی ہے، اور اگر انہوں نے کسی فتنہ کا ارادہ کیا تو ہم اس کا انکار کر دیں گے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے ان کی سند کے ذریعہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ خندق کے دن جب کھدائی کر رہے تھے تو ایک سخت چٹان سامنے آ گئی، صحابہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا: یہ ایک چٹان کھدائی میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نیچے اترتا ہوں، پھر آپ کھڑے ہوئے اور آپ کے بطن مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا، اور تین دن سے ہمیں کھانے کو کچھ نہیں ملا تھا، نبی کریم ﷺ نے کدال لی اور اس پر ضرب لگائی تو وہ ریت کی مانند بکھر گئی۔ ❷

---

❶ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤٠٩٩، ٤١٠٠)، صحيح مسلم، الجهاد، حديث: (١٨٠٥)، البداية والنهاية: ٤/ ٩٩، فتح الباري: ٧/ ٣٩٥.

❷ السيرة النبوية، ابن كثير: ٣/ ١٨٦، ١٨٧.

معجزات کا ظہور

خندق کھودتے وقت نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کے ذریعہ کئی معجزات کا ظہور ہوا، ان میں سے بعض کا یہاں ذکر کرتا ہوں:

ا۔ کھانے میں برکت:

جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ جب خندق کھودی جا رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا بطنِ مبارک بھوک کی شدت سے پیٹھ سے چپک رہا تھا، میں اپنی بیوی کے پاس گیا اور اس سے پوچھا: کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو شدید بھوک کی حالت میں دیکھا ہے، اس نے ایک تھیلی نکالی جس میں ایک صاع جو تھا اور ہمارے پاس گھر میں پلی ہوئی ایک بکری تھی، میں نے اسے ذبح کیا، اور بیوی نے آٹا پیسا، پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے لگا تو بیوی نے کہا: رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کے سامنے میری فضیحت نہ کرنا۔ جابرؓ کہتے ہیں: میں آپ کے پاس پہنچا اور چپکے سے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے اپنی ایک بکری ذبح کی ہے اور میری بیوی نے ایک صاع جو کا آٹا پیسا ہے، جس کے سوا ہمارے پاس اور کچھ نہیں تھا، آپ اپنے چند صحابہ کے ساتھ تشریف لے چلیے، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے زور سے پکارا، اے اہلِ خندق! جابر نے تمہاری دعوت کی ہے، اس لیے تم سب میرے ساتھ چلو، اور رسول اللہ ﷺ نے جابرؓ سے کہا: تم اپنی ہانڈی چولھے سے نہ اُتارنا، اور جب تک میں نہ آ جاؤں آٹے کی روٹی نہ پکانا، چنانچہ میں آ گیا، اور رسول اللہ ﷺ تمام صحابہ کے ساتھ تشریف لے آئے، میں جب اپنی بیوی کے پاس پہنچا تو وہ صحابہ کرام کی کثرت کو دیکھ کر مجھے ملامت کرنے لگی، میں نے کہا: میں نے تو ویسا ہی کیا ہے جیسا تم نے مجھ سے کہا تھا۔ میری بیوی نے آپ ﷺ کے سامنے آٹا رکھ دیا، آپؐ نے اس میں لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا کی، پھر ہانڈی کے پاس گئے اس میں بھی لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا کی، پھر میری بیوی سے کہا: ایک روٹی پکانے والی کو بلا لو، تا کہ وہ تمہارے ساتھ روٹی پکائے اور اپنی ہانڈی سے پیالہ کے ذریعہ سالن نکالتی رہو، اور اسے چولھے سے نہ اُتارو، صحابہ کرام کی تعداد ایک ہزار تھی، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان سب نے آسودہ ہو کر کھایا، اور گوشت اور روٹی کو اسی طرح چھوڑ دیا اور واپس چلے گئے اور ہماری ہانڈی ویسی ہی بھری ہوئی اُبال کھاتی رہی اور ہمارا آٹا اسی طرح موجود تھا۔ [1]

۲۔ شاہوں کے محلوں اور ملکوں کی کنجیاں رسول اللہ ﷺ کو دے دی گئیں:

براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں کہ خندق کھودتے وقت ایک چٹان کھدائی میں رکاوٹ بن رہی تھی، کدال اور پھاوڑے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا، ہم نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے بتائی تو آپ ﷺ تشریف لائے اور کدال لے کر بسم اللہ کہا اور ایک ضرب میں اس کا ایک تہائی حصہ توڑ دیا اور فرمایا: اللہ اکبر! مجھے ملکِ شام کی کنجیاں دے دی گئیں، اللہ کی قسم! میں اس وقت ان کے سرخ محلوں کو دیکھ رہا ہوں، پھر آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی اور دوسری تہائی کاٹ دی، اور فرمایا: اللہ اکبر! مجھے ملکِ فارس کی کنجیاں دے دی گئیں، اللہ کی قسم! میں مدائن کے سفید محل دیکھ رہا ہوں، پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ کہا اور تیسری ضرب لگائی تو آپؐ نے باقی پتھر کاٹ ڈالا اور فرمایا: اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں دے دی

[1] صحیح بخاری، المغازی، حدیث: (۴۱۰۱)، (۴۱۰۲)، صحیح مسلم، الاشربہ، حدیث: (۲۰۳۹)۔

گئیں۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت اپنی اس جگہ سے صنعاء کو دیکھ رہا ہوں۔ ❶

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں پیش گوئی ❷

ان حالات سے گزر کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خندق کو صرف چھ دن میں مطلوبہ وسعت و گہرائی کے مطابق دشمنوں کی فوج آنے سے پہلے کھود دیا، اور مدینہ خالی کر دیا، اور پورے طور پر دفاع کے لیے تیار ہو گئے عورتوں اور بچوں کو فارع نامی قلعہ میں جمع کر دیا، جو بنو حارثہ کا مسلمانوں کے لیے سب سے قوی قلعہ تھا، تاکہ یہ عورتیں اور بچے اللہ کے حکم سے محفوظ رہیں، اور اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کافر جماعتوں کی آمد سے پہلے مدینہ کے دفاعی پلان کے تمام لوازمات پورے کر لیے۔

خندق کھودتے وقت منافقین کا کردار:

اب تک جو کچھ لکھا گیا یہ مہاجرین وانصار کا کردار تھا، جو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے خندق کھودتے وقت سامنے آیا، یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چھ دن مسلسل کھدائی کرتے رہے، نہ بھوک اور پیاس نے انہیں شکست دی اور نہ سخت ٹھنڈک نے، لیکن منافقین کا کردار بزدلی، خوف ووحشت پھیلانا اور مسلمانوں کی ہمت شکنی تھی، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اہل خندق کے لیے کھانے کی کثرت سے متعلق حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک چٹان پر ضرب لگا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہر ضرب پر کہتے رہے اللہ اکبر! کعبہ کے رب کی قسم! میں روم کے محلوں کو دیکھ رہا ہوں، اللہ اکبر! کعبہ کے رب کی قسم! میں فارس کے محلوں کو دیکھ رہا ہوں، تو منافقین اس وقت کہنے لگے: خندق ہم کھودتے ہیں اور وہ ہم سے فارس اور روم کے محلوں کا وعدہ کر رہا ہے۔ ❸

اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے بارے میں جو خندق کی کھدائی میں شریک نہیں ہوئے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی:

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾ [النور: ٦٣]

''مسلمانو! رسول کے بلانے کو تم آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی طرح نہ بناؤ، اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو نظر بچا کر آہستگی کے ساتھ چلے جاتے ہیں، پس جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی بلا نہ نازل ہو جائے، یا کوئی دردناک عذاب نہ انہیں آ گھیرے۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ وَاِذْ قَالَتْ

---

❶ مسند احمد: ٤/ ٣٠٣، سنن النسائی، الجهاد: ٦/ ٤٣، ٤٤، فتح الباری: ٧/ ٣٩٧، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

❷ صحیح مسلم: ٤/ ٢٢٣.

❸ دیکھئے: مجمع الهیثمی: ٦/ ١٣١- ١٣٢، اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال حدیث صحیح کے رجال ہیں، سوائے عبداللہ بن احمد ابن حنبل اور نعیم عنبری کے، اور یہ دونوں ثقہ ہیں۔

طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا
عَوْرَةٌ ۛؕ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿١٣﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ
لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ
اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿١٥﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٦﴾
قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ
الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٨﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ
يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ
يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ
يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا
اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٢٠﴾﴾ [الأحزاب: ١٢-٢٠]

’’اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دل بیمار تھے کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جھوٹا وعدہ کیا تھا، اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اے یثرب کے رہنے والو! یہ جگہ تمہارے ٹھہرنے کی نہیں ہے، تم لوگ اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، اور ان کا ایک گروہ نبی سے اجازت مانگتا تھا، کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے، وہ تو بس بھاگنا چاہتے تھے، اور اگر اُن کے دشمن مدینہ کے چاروں طرف سے گھس آتے، پھر ان منافقوں سے مسلمانوں کے خلاف فتنہ میں شریک ہونے کو کہا جاتا تو اُس میں کود پڑتے، اور اس بارے میں بہت کم توقف کرتے، حالانکہ اس سے قبل انہوں نے اللہ سے عہد و پیمان کیا تھا کہ وہ پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگیں گے، اور اللہ سے کیے گئے عہد کے بارے میں ان سے سوال ہوگا، اے میرے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم موت یا قتل کے ڈر سے راہِ فرار اختیار کرو گے تو یہ فرار تمہیں بچا نہیں لے گا، اور تب تمہیں دنیاوی زندگی سے لطف اندوز ہونے کا بہت ہی کم موقع دیا جائے گا، آپ کہہ دیجیے کہ اگر اللہ تمہیں تکلیف پہنچانا چاہے تو کون بچالے گا، یا تمہیں اپنی رحمت سے نوازنا چاہے تو کون روک دے گا، اور لوگ اللہ کے سوا اپنا نہ کوئی یار پائیں گے اور نہ مددگار، اللہ تمہارے درمیان ان لوگوں سے خوب واقف ہے جو لوگوں کو شرکتِ جہاد سے روکتے ہیں، اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ تم لوگ ہمارے پاس آجاؤ، اور جنگ میں برائے نام حصہ لیتے ہیں، وہ لوگ تم مسلمانوں کا ساتھ دینے میں بڑے بخیل ہیں، اور جب دشمنوں کا خوف لاحق ہوتا ہے تو آپ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں، وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں کہ اُن کی آنکھیں گھوم رہی ہوتی ہیں، اس آدمی کی طرح جس پر موت کی بیہوشی طاری ہو، پھر جب خطرہ ٹل جاتا ہے تو مالِ غنیمت کے بڑے ہی حریص بن کر اپنی تیز زبانوں کا تمہیں نشانہ بناتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان لائے ہی نہیں تھے، اسی لیے اللہ نے ان کے اعمال ضائع

کردیے، اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بڑا آسان تھا، یہ لوگ یہی سمجھ رہے ہیں کہ دشمن کی فوجیں اب تک واپس نہیں گئی ہیں، اور اگر وہ فوجیں دوبارہ مڑ کر آ جائیں تو ان کی خواہش ہوگی کہ وہ بادیہ میں چلے جائیں اور وہاں سے تمہارے احوال معلوم کرتے رہیں، اور اگر یہ لوگ تمہارے درمیان ہوتے تو برائے نام ہی جنگ میں شریک ہوتے۔"

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی حالت اور خندق کھودتے وقت اور دشمنوں سے مڈبھیڑ کے وقت منافقین کے کردار کو آشکارا کیا ہے اور یہ باتیں ان کے بارے میں تعجب خیز نہیں تھیں، اس لیے کہ وہ منافقین تھے اور ایمان واسلام سے یکسر عاری ومحروم تھے، اسی لیے غزوہ کی پوری مدت میں ان کی جانیں مصیبت میں رہیں اور بزدلی، شکست خوردگی اور اللہ پر عدم اعتماد کا شعور ان پر غالب رہا، بلکہ وہ پوری کوشش کرتے رہے کہ جھوٹی خبریں پھیلا کر مسلمانوں کو خوف زدہ اور ان کی ہمت شکنی کریں، اور وہ ذہنی طور پر ہر وقت اپنی جانیں بچانے کے لیے میدانِ کارزار سے بھاگنے کے لیے تیار رہتے تھے، اور ہر زمانے اور ہر جگہ منافقین کا ہمیشہ یہی حال رہا ہے، لیکن مخلص مسلمانوں نے منافقین کے اس مجرمانہ کردار کی پروا نہیں کی، اور پوری تندہی سے خندق کھودتے رہے، اور جنگی اور دفاعی کارروائیوں کی تکمیل میں لگے رہے، تاکہ مدینہ اور وہاں رہنے والے مسلمان بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کی حفاظت کرسکیں۔

اسلامی فوج:

دفاعی پلان مکمل ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی تین ہزار پر مشتمل فوج کو غایتِ حکمت ودانائی کے ساتھ مرتب کیا، اُن کی پیٹھوں کو جبلِ سلع کی طرف کردیا، اور ان کے چہروں کو اس خندق کی طرف جو ان کے اور مشرکین کے درمیان حدِّ فاصل تھا، مسلمانوں نے خندق کے کنارے واقع ریت کے اونچے ٹیلوں کے پیچھے صف بندی کی، تاکہ وہاں سے مشرکین کو اپنے تیروں کا نشانہ بناسکیں۔

دشمنانِ اسلام کا لشکر:

اس سے پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ کافروں کے لشکر کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی، اور قریش کے لوگ سیلاب کا پانی جمع ہونے کی جگہ خیمہ زن ہوئے تھے، اور غطفان اور اہلِ نجد کے لوگ احد پہاڑی کے کنارے اُترے تھے۔

قریش کے لوگ سمجھتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان کی مڈبھیڑ جبلِ احد کے پاس ہوگی، لیکن انہوں نے وہاں کسی کو نہیں پایا تو مدینہ کی طرف بڑھتے گئے، اور اچانک انہوں نے اپنے سامنے خندق کو پایا تو وہ اور تمام مشرکینِ عرب بہت زیادہ حیران وپریشان ہوئے، اس لیے کہ انہیں پہلے سے اس طرح کی کسی دفاعی تدبیر کا کوئی علم نہیں تھا، اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہ ایک ایسی جنگی چال ہے جس سے عرب نابلد ہیں۔

چنانچہ جب وہ سب خندق کے قریب پہنچے تو مسلمانوں نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کردی، تو وہ تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹ گئے، اور اتنی مسافت پر اپنی صفیں بنائیں جہاں مسلمانوں کے تیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔

اس طرح دونوں فوجیں کئی دن تک ایک دوسرے کے سامنے کھڑی انتظار کرتی رہیں، اور دشمنوں کے دستے رات دن خندق کے آس پاس گھومتے رہے، کہ شاید انہیں کہیں سے کوئی ایسا راستہ مل جائے، جس کے ذریعہ وہ خندق پار کرسکیں، اور

مسلمانوں کو دھوکا دے کران پر حملہ کر سکیں، لیکن مسلمانوں کی فوج ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں تھی، مسلمان جب بھی دشمن کے کسی دستہ کو خندق کے قریب ہوتے دیکھتے تو ان پر تیروں کی بارش شروع کر دیتے، تو وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتے۔

عمرو بن عبدودّ کا قتل:

کفارِ قریش، یہود اور عرب قبائل کا حصار طول پکڑتا گیا، لیکن کافروں کے لیے وہ کسی طرح بھی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوا، اس لیے قریش کے بعض جوانوں کا کبر وغرور بھڑک اُٹھا، اور طیش میں آ کر صف سے نکل گئے اور خندق کی ایک تنگ جگہ سے اس میں داخل ہوگئے ان میں پیش پیش عکرمہ بن ابوجہل، عمر بن عبدود اور ضرار بن خطاب وغیرہ تھے۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے خطرہ کو تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے محسوس کرلیا، اور علی بن ابو طالبؓ کی قیادت میں چند گھوڑ سواروں نے خندق کی اس تنگ جگہ کو بند کرنا چاہا، اور کافر گھوڑ سواروں کا مقابلہ کرنے کے لیے سامنے آئے، عمرو بن عبدودّ کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ وہ تنہا ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے، یہ شخص آگے بڑھا اور آواز لگائی کہ کون میرا مقابلہ کرے گا؟ تو علی بن ابو طالب کھڑے ہوئے، اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں اس کا مقابلہ کروں گا، آپ نے فرمایا: یہ عمرو بن عبدودّ ہے، بیٹھ جاؤ، عمرو بن عبدودّ نے دوبارہ پکارا، کیا تم میں سے کوئی آدمی مقابلہ کے لیے آگے نہیں آئے گا؟ کہاں ہے تمہاری وہ جنت جس کے بارے میں تمہارا خیال ہے کہ تم میں سے جو قتل کیا جائے گا اس میں داخل ہوگا، کیا تم لوگ کسی آدمی کو بھی میرے مقابلہ کے لیے آگے نہیں بڑھاؤ گے؟ علی بن ابو طالبؓ دوبارہ کھڑے ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اس کا مقابلہ کرنے دیجیے، عمرو بن ودّ نے تیسری مرتبہ کچھ اشعار پڑھے جن میں وہ مسلمان گھوڑ سواروں کو اپنے مقابلے کی دعوت دے رہا تھا، تو علیؓ پھر کھڑے ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اس کا مقابلہ کرنے دیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ عمرو بن ودّ ہے، علی نے کہا: اگرچہ یہ عمرو ہے، تب آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی، علیؓ اس کی طرف بڑھے، اور اس کے قریب آگئے، تو ان سے عمرو نے پوچھا: تم کون ہو؟ علی نے کہا: میں علیؓ ہوں، عمرو نے کہا: عبد مناف کے بیٹے ہو؟ علیؓ نے کہا: میں علی بن ابو طالب ہوں، عمرو نے کہا: اے بھتیجے! تمہارے چچوں میں تم سے زیادہ عمر والے ہیں، میں تمہارا خون بہانا اچھا نہیں سمجھتا، علیؓ نے کہا: لیکن میں اللہ کی قسم! تمہارا خون بہانا اچھا سمجھتا ہوں، اس پر عمرو ناراض ہوگیا، اور گھوڑے سے اُتر کر تلوار کھینچ لی جیسے کہ وہ آگ کا ایک شعلہ ہو، پھر علیؓ کی طرف غصہ کی حالت میں بڑھا، اور علیؓ اپنی ڈھال پر اس کا وار روکنے کے لیے تیار ہوگئے، عمرو نے ان کی ڈھال پر ایسی ضرب لگائی کہ اسے کاٹ ڈالا، اور اس میں تلوار پیوست ہوگئی، اور علیؓ کے سر کو بھی زخمی کر دیا، سیدنا علیؓ نے اس کی گردن اور مونڈھے کے درمیان ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ گر پڑا، اور فضا غبار آلود ہوگئی، اور رسول اللہ ﷺ نے تکبیر کی آواز سنی، اور دشمنوں کے گھوڑے شکست کھا کر بھاگ پڑے، ان میں سے بہت سارے خندق میں گر پڑے، اور ان پر ایسا رعب طاری ہوا کہ عکرمہ بھاگتے ہوئے اپنا نیزہ چھوڑ گیا۔ مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس دس ہزار دے کر کسی کو عمرو بن عبدودّ کی لاش خریدنے کے لیے بھیجا تو آپ ﷺ نے کہا: تم لوگ اسے اٹھا کر لے جاؤ، ہم مُردوں کی قیمت نہیں کھاتے۔ [1]

---

[1] سیرۃ ابن ھشام: ۲/ ۲۲۴، ۲۲۵؛ طبقات ابن سعد: ۲/ ۶۸؛ صحیح السیرۃ النبویۃ، ابراھیم: ص/ ۳۶۱، ۳۶۲؛ الحیاۃ العسکریۃ: ص/ ۱۶۶، ۱۶۸.

بعض نمازوں کا وقت نکل جانا:

محاصرہ کے دنوں میں مشرکین مسلسل حملے کرتے رہے، اور ایک دن تو ان کا حصار بہت ہی سخت ہوگیا، جس کے سبب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عصر کی نماز غروب آفتاب کے بعد پڑھ سکے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس دن نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے، انہوں نے ہمیں عصر کی نماز سے مشغول کر دیا، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا۔ ❶

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق کے ایک دن غروب آفتاب کے بعد آئے اور کفار قریش کو بُرا کہنے لگے، اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں نماز نہیں پڑھ سکا، قریب تھا کہ آفتاب غروب ہو جاتا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے تو عصر کی نماز اب تک نہیں پڑھی ہے، پھر ہم نے آپ ﷺ کے ساتھ مقام بطحان پر جا کر وضو کیا، اور غروب آفتاب کے بعد عصر کی نماز پڑھی، اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ ❷

بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا:

جب مشرکین کے گھوڑے مسلمانوں کی تیروں کی بارش کے سبب شکست کھا کر بھاگنے لگے، اور ابو سفیان خندق عبور کرنے میں ناکام رہا، تو اس نے یہود بنو قریظہ سے رابطہ کیا جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ تھا، تا کہ وہ بدعہدی کر کے کفار اور یہود خیبر کے ساتھ مل جائیں اور اسلامی فوج پر پیچھے سے دباؤ ڈالیں تا کہ خندق کی دفاعی اہمیت ختم ہو جائے اور مسلمان پریشان کن حالات سے دوچار ہو جائیں۔

ابو سفیان نے فوراً حُیَیْ بن اخطب نضیری سے رابطہ کیا اور اس سے کہا کہ وہ جلد کعب بن اسد قرظی سے خفیہ طور پر ملے اور اس سے کہے کہ موقع کو غنیمت جانتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ کیا گیا معاہدہ توڑ دے اور محمد بن عبداللہ (ﷺ) اور اس کے نئے دین کو ختم کرنے کے لیے ہمارے ساتھ مل جائے۔

حُیَیْ نے کعب سے مل کر اس سے نقضِ عہد کی بات کی، تو کعب نے کہا کہ تم بڑے ہی منحوس آدمی ہو، میں نے محمد (ﷺ) سے معاہدہ اس لیے نہیں کیا کہ اسے توڑ دوں، اور میں نے اس کی طرف سے وفاداری اور صدق واخلاص کے سوا کوئی دوسری بات نہیں دیکھی ہے۔

حُیَیْ نے کہا: تمہارا بُرا ہو! میں تمہارے پاس زمانے کی عزت اور ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر جیسی فوج لے کر آیا ہوں، میں تمہارے پاس قریشیوں کو ان کے سرداروں اور لیڈروں سمیت لے کر آگیا ہوں اور وہ مقام زُرمہ کے سیلاب کا پانی جمع ہونے کی جگہ خیمہ زن ہیں، اور قبیلۂ غطفان کو ان کے سرداروں اور لیڈروں کے ساتھ لے کر آگیا ہوں جو سب کے سب احد کے بغل میں فروکش ہیں، اور ان سب نے مجھ سے عہد کر رکھا ہے کہ وہ جب تک محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کا قلع قمع نہیں کر دیں گے یہاں سے واپس نہیں جائیں گے۔

---

❶ صحیح البخاري، المغازي، حدیث: (٤١١١)، صحیح مسلم، المساجد، حدیث: (٦٢٧).

❷ صحیح البخاري، المغازي، حدیث: (٤١١٢)، صحیح مسلم، المساجد، حدیث: (٦٣١).

کعب نے کہا: اللہ کی قسم! تم زمانے بھر کی ذلت اور ایک ایسا دکھاوے کا بادل لے کر آئے ہو جس میں پانی کی ایک بوند بھی نہیں ہے، میں نے محمد (ﷺ) کی طرف سے وفاداری اور صداقت کے سوا کوئی دوسری بات نہیں دیکھی ہے، لیکن آخرکار حُیَیؔ کعب کو یہ کہہ کر قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ اس وقت عربوں کی طاقت قریش کے ساتھ ہے، اور بنو قریظہ کے مستقبل کے بارے میں اطمینان دلایا اور عہد و پیمان کیا کہ اگر قریش اور غطفان کے لوگ محمد (ﷺ) کا خاتمہ کیے بغیر واپس چلے گئے تو میں تمہارے ساتھ تمہارے قلعہ میں داخل ہو جاؤں گا تاکہ جو تمہارا انجام ہو وہی میرا بھی انجام ہو، اور اس طرح یہودی بنی قریظہ ان کافروں کے ساتھ مل گئے جو مدینہ پر چڑھ آئے تھے۔

چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مخبری:

بنو قریظہ کے غدر و خیانت کی خبر ہوتے ہی آپ ﷺ نے فوراً اس خبر کی تصدیق کرنی چاہی چنانچہ آپ ﷺ نے سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، عبداللہ بن رواحہ، اور خوات بن جبیر رضی اللہ عنہم کو بلایا، اور ان سے کہا: تم لوگ بنو قریظہ کے پاس جاؤ اور معلوم کرو، اگر ان کی خیانت و بدعہدی کی بات صحیح ہے تو واپس آ کر مجھے اشارہ میں بتا دو، اور لوگوں کی ہمت کو پست نہ کرو، اور اگر خبر جھوٹی ہے تو لوگوں میں اس کا اعلان کر دو۔ وہ چاروں بنو قریظہ کے پاس گئے اور انہیں اس سے زیادہ خباثت اور شرانگیزی پر آمادہ پایا جس کی آپ ﷺ کو خبر ہوئی تھی، بنو قریظہ نے کہا: اب کیا رہ گیا جبکہ ہمارے پَر توڑ دیے گئے، اور محمد (ﷺ) نے بنو نضیر کو یہاں سے نکال دیا، اور رسول اللہ ﷺ کو بُرا کہنے لگے، اور کہا: جاؤ، ہمارے اور اس کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ یہ سن کر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان سے وفاداری کی التجا کرنے لگے، اور انہیں غداری اور خیانت کے بُرے انجام سے ڈرانے لگے، اور ان سے کہنے لگے، اے بنی قریظہ کے لوگو! ہمارے اور تمہارے درمیان جو حلف اور معاہدہ ہے، اسے تم خوب جانتے ہو، اس لیے مجھے کہنے دو کہ میں تمہارے بارے میں بنو نضیر جیسے یا اس سے بدتر انجام سے ڈرتا ہوں۔

بنی قریظہ سخت کلامی پر اُتر آئے، اور انہیں گالیاں دینے لگے، اور وہ بھی ان کو بُرا کہنے لگے، تب سعد بن عبادہؓ نے سعد بن معاذؓ سے کہا: ان کے ساتھ منہ نہ لگاؤ، ہمارے اور ان کے درمیان اس سے بڑی بات کا معاہدہ ہے۔

سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اُس وقت آپ ﷺ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ تھے، اور کہا: عضل اور قارہ۔ ان دونوں قبیلوں کی اصحاب رجیع کے ساتھ غداری اور خیانت کی طرف اشارہ کر کے یہ بتانا مقصود تھا کہ بنی قریظہ بھی انہی کی طرح غداری اور خیانت پر آمادہ ہو چکے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے مسلمانو! خوش ہو جاؤ، پھر آپؐ نے اپنے کپڑے سے اپنا منہ ڈھانک لیا اور دیر تک لیٹے رہے، اور صحابہ کرام نے جب آپ کی یہ کیفیت دیکھی تو ان کی حالت دگرگوں ہونے لگی، اور سمجھ گئے کہ بنو قریظہ کے بارے میں آپ کو کوئی اچھی خبر نہیں ملی ہے، پھر آپؐ نے سر اٹھایا، اور فرمایا: میں تمہیں اللہ کی طرف سے فتح و نصرت کی خوشخبری دیتا ہوں۔ [1]

دشمنانِ اسلام کی ہر چہار طرف سے یلغار:

اس طرح مشرکینِ مکہ و حجاز مدینہ کے بالائی علاقے کی طرف سے چڑھ آئے اور اہلِ نجد نچلے علاقے کی طرف سے، اور

[1] الحیاۃ العسکریۃ: ص/ ۱۶۸ - ۱۷۰، السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: ۲/ ۴۲۷، سرایا وغزوات الرسول ﷺ: ص/ ۱۵۶، ۱۵۷.

مدینہ کے اندر رہنے والے یہود ومنافقین نے آپس میں گٹھ جوڑ کر لی اور مسلمانوں کی صفوں میں خوف ودہشت پھیلانا شروع کر دیا، اور اُن کی عسکری طاقت کے بارے میں بے سروپا باتیں پھیلانے لگے، اور منافق معتب بن قشیر جو بنی عمرو بن عوف سے تعلق رکھتا تھا، کہنے لگا کہ محمد (ﷺ) تو ہم سے وعدہ کرتا تھا کہ ہم قیصر وکسریٰ کے خزانوں کے مالک بن جائیں گے، اور آج حال یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اتنا مطمئن نہیں کہ وہ قضائے حاجت کے لیے باہر جا سکے، اور اوس بن قیظی کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! ہمارے گھر دشمنوں کے لیے بالکل کھلے ہوئے ہیں، آپ ہمیں اپنے گھروں کو لوٹ جانے کی اجازت دیجیے، اور بنوسلمہ نے تو پسپائی کا ارادہ بھی کر لیا تھا۔

قرآن کریم نے اس شدید ترین اور غایت درجہ پریشان کن حالت کی تصویر کشی یوں کی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٩﴾ إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ﴿١٠﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ﴿١١﴾ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢﴾ وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۖ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ﴿١٣﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ﴿١٥﴾ قُل لَّن يَنفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٦﴾ قُلْ مَن ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُم مِّنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ۖ وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٨﴾ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۖ وَإِن يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُم بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنبَائِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا فِيكُم مَّا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢٠﴾ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ﴿٢٢﴾ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾ لِّيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِن شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٢٤﴾ وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ﴿٢٥﴾ وَأَنزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُم مِّنْ أَهْلِ

الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَأْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿٢٦﴾ وَاَوْرَثَكُمْ
اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢٧﴾ ﴾

[الأحزاب: ۹-۲۷]

''اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، جب کافروں کی فوجیں تم پر ٹوٹ پڑیں، تو ہم نے ان پر آندھی، اور ایسے لشکر بھیج دیے جنہیں تم دیکھ نہیں رہے تھے، جب کہ اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھ رہا تھا، جب دشمن تم پر چڑھ آئے، تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے، اور جب آنکھیں پتھرا گئیں، اور دل گلے تک پہنچ گئے، اور تم لوگ اللہ کے بارے میں مختلف قسم کے گمان کرنے لگے، اس موقع سے مومنین بڑی آزمائش میں ڈالے گئے، اور پوری شدت کے ساتھ جھنجھوڑ دیے گئے، اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دل بیمار تھے کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جھوٹا وعدہ کیا تھا، اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اے یثرب کے رہنے والو! یہ جگہ تمہارے ٹھہرنے کی نہیں ہے، تم لوگ اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، اور ان کا ایک گروہ نبی سے اجازت مانگتا تھا، کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے، وہ تو بس بھاگنا چاہتے تھے، اور اگر اُن کے دشمن مدینہ کے چاروں طرف سے گھس آتے، پھر ان منافقوں سے مسلمانوں کے خلاف فتنہ میں شریک ہونے کو کہا جاتا تو اُس میں کود پڑتے، اور اس بارے میں بہت کم توقف کرتے، حالانکہ اس سے قبل انہوں نے اللہ سے عہد و پیمان کیا تھا کہ وہ پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگیں گے، اور اللہ سے کیے گئے عہد کے بارے میں ان سے سوال ہوگا، اے میرے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم موت یا قتل کے ڈر سے راہِ فرار اختیار کرو گے تو یہ فرار تمہیں بچا نہیں لے گا، اور تب تمہیں دنیاوی زندگی سے لطف اندوز ہونے کا بہت ہی کم موقع دیا جائے گا، آپ کہہ دیجیے کہ اگر اللہ تمہیں تکلیف پہنچانا چاہے تو کون بچا لے گا، یا تمہیں اپنی رحمت سے نوازنا چاہے تو کون روک دے گا، اور لوگ اللہ کے سوا اپنا نہ کوئی یار پائیں گے اور نہ مددگار، اللہ تمہارے درمیان ان لوگوں سے خوب واقف ہے جو لوگوں کو شرکتِ جہاد سے روکتے ہیں، اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ تم لوگ ہمارے پاس آ جاؤ، اور جنگ میں برائے نام حصہ لیتے ہیں، یہ لوگ تم مسلمانوں کا ساتھ دینے میں بڑے بخیل ہیں، اور جب دشمنوں کا خوف لاحق ہوتا ہے تو آپ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں، وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں کہ اُن کی آنکھیں گھوم رہی ہوتی ہیں، اس آدمی کی طرح جس پر موت کی بیہوشی طاری ہو، پھر جب خطرہ ٹل جاتا ہے تو مالِ غنیمت کے بڑے ہی حریص بن کر اپنی تیز زبانوں کا تمہیں نشانہ بناتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان لائے ہی نہیں تھے، اسی لیے اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیے، اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بڑا آسان تھا، یہ لوگ ابھی سمجھ رہے ہیں کہ دشمن کی فوجیں اب تک واپس نہیں گئی ہیں، اور اگر وہ فوجیں دوبارہ مڑ کر آ جائیں تو ان کی خواہش ہوگی کہ وہ بادیہ میں چلے جائیں اور وہاں سے تمہارے احوال معلوم کرتے رہیں، اور اگر یہ لوگ تمہارے درمیان ہوتے تو برائے نام ہی جنگ میں شریک ہوتے، فی الحقیقت تم مسلمانوں کے لیے رسول اللہ کا قول و عمل

ایک بہترین نمونہ ہے، ان کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا یقین رکھتے ہیں، اور اللہ کو بہت یاد کرتے رہتے ہیں، اور جب مومنوں نے دشمنوں کی فوجوں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو وہی چیز ہے جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا اور اس بات نے تو ان کے ایمان اور طاعت وفرمانبرداری کو اور بڑھا دیا، مومنوں میں ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد وپیمان کو سچ کر دکھایا، پس اُن میں سے بعض نے اپنی نذر پوری کر دی، اور بعض وقت کا انتظار کر رہے ہیں، اور ان کے موقف میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی ہے، یہ سب کچھ اس لیے پیش آیا تا کہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے، اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے، یا چاہے تو ان کی توبہ قبول کر لے، بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، بے حد مہربان ہے، اور اللہ نے کافروں کو غیظ وغضب بھرے دلوں کے ساتھ واپس کر دیا، اپنی کوئی بھی مراد حاصل نہ کر سکے، اور اللہ مومنوں کی طرف سے قتال کے لیے کافی ہو گیا، اور اللہ بڑی قوت والا، زبردست ہے، اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان کی تائید کی تھی، اللہ نے انہیں ان کے قلعوں سے نیچے اتار لیا، اور ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا، تم لوگ ان میں سے ایک جماعت کو قتل کرنے لگے، اور دوسری جماعت کو قید کرنے لگے، اور اللہ نے تمھیں ان کی زمین، ان کے مکانات اور ان کے مال کا مالک بنا دیا، اور اس زمین کا بھی جس پر تم نے ابھی قدم نہیں رکھا ہے، اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔"

بنی غطفان کے ساتھ معاہدۂ صلح کی کوشش:

جب رسول اللہ ﷺ کی پریشانی بہت زیادہ بڑھ گئی تو آپؐ نے بنی غطفان کے دونوں لیڈروں، عیینہ بن حصن، اور حارث بن عوف کو پیغام بھیجا کہ وہ دونوں مدینہ کے ایک تہائی پھل کے بدلے آپؐ سے معاہدۂ صلح کر لیں، اور اپنی قوم کو لے کر واپس چلے جائیں جب ان دونوں نے اپنی رضامندی ظاہر کی تو آپؐ نے سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، سعد بن مسعود، اور سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہم کو بلایا، اور فرمایا: میں جانتا ہوں کہ سارے عرب نے تم اہل مدینہ پر بیک وقت حملہ کر دیا ہے، اور حارث بن عوف غطفانی نے تم سے مدینہ کی ایک تہائی کھجور کے بدلے صلح کر لینی چاہی ہے، اگر تم چاہو تو اس سال اس سے یہ معاہدہ کر لو، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! کیا آپ کو آسمان سے اس بات کی وحی آئی ہے تو پھر ہم اللہ کے حکم کے سامنے سرِتسلیم خم کرتے ہیں، یا یہ آپؐ کی رائے ہے؟ تا کہ ہم غور کر کے آپ کی رائے کو قبول کر لیں۔ اگر آپ ہماری حفاظت کے لیے ایسا کرنا چاہتے ہیں، تو اللہ کی قسم! آپ نے ہمیں اور ان کو ایک جیسا دیکھا ہے، انہوں نے کبھی بھی ہماری طرف سے ایک کھجور بھی بغیر خریدے یا بغیر میزبانی کے نہیں حاصل کی ہے، تو کیا اب جبکہ اللہ نے ہمیں اسلام کے ذریعہ عزت دی ہے، ہم انہیں اپنے اموال یوں ہی دے دیں، اللہ کی قسم! ہمیں ایسے معاہدۂ صلح کی ضرورت نہیں، اللہ کی قسم! ہمارے پاس ان کے لیے ننگی تلوار کے سوا کچھ بھی نہیں، یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو پھر ایسا ہی کرو۔

لشکرِ کفار اور بنو قریظہ کے درمیان اختلاف:

ان مشکل حالات میں نعیم بن مسعود اشجعیؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور بتایا کہ وہ اسی وقت اسلام میں داخل

ہوئے ہیں، اور ان کی قوم کے لوگ ان کے اسلام کے بارے میں نہیں جانتے، اور وہ کوئی ایسا کام کرنے کے لیے تیار ہیں جو رسول اللہ ﷺ ان سے لینا چاہیں۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کو یہود بنی قریظہ اور مشرکین مکہ وغطفان کے درمیان اختلاف ڈالنے کی ذمہ داری سونپی، اس لیے کہ جنگ نام ہے دھوکا دہی کا، نعیمؓ فوراً بنو قریظہ کے پاس گئے، جن کے وہ دور جاہلیت میں حلیف تھے، اور کہا کہ تم لوگ اپنے آپ سے میری محبت اور میرے اور تمہارے درمیان خوشگوار تعلقات کو خوب جانتے ہو، انہوں نے کہا: تم سچ کہتے ہو، نعیمؓ نے کہا کہ قریش تمہارے جیسے نہیں، یہ شہر تمہارا شہر ہے، یہاں تمہارے اموال، تمہاری اولاد اور تمہاری عورتیں رہتی ہیں، تم یہاں سے کسی دوسری جگہ نہیں جاسکتے۔ قریش وغطفان کے لوگ محمد (ﷺ) اور اس کے اصحاب سے جنگ کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں، اور تم نے محمد (ﷺ) کے خلاف ان کی مدد کرنے کا وعدہ کر دیا ہے، ان کا شہر اور ان کے اموال اور ان کی عورتیں یہاں نہیں ہیں، اس لیے وہ تمہاری طرح نہیں ہیں، اگر انہیں کوئی فائدہ نظر آیا تو اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، اور اگر کوئی نقصان والی بات انہیں نظر آئی تو وہ اپنے اپنے شہروں اور بستیوں میں چلے جائیں گے، اور تم لوگوں کو تنہا اس آدمی (یعنی محمد) کے ساتھ نمٹنے کے لیے چھوڑ دیں گے، اور تم لوگ تنہا محمد (ﷺ) سے نمٹنے کی طاقت نہیں رکھتے، اس لیے ان کے ساتھ مل کر محمد (ﷺ) کے خلاف جنگ نہ کرو، یہاں تک کہ تم ان کے بعض سرداروں کو اپنے پاس رہن کے طور پر رکھو، اس بات کا یقین کرنے کے لیے کہ وہ تمہارے ساتھ مل کر محمد (ﷺ) سے فیصلہ کن جنگ کریں گے، اور تم لوگ ایک نتیجہ پر پہنچ جاؤ گے۔ اس کے بعد نعیمؓ قریش کے پاس گئے اور ان سے کہا: تم لوگ اپنے آپ سے میری دوستی اور اپنے لیے میری خیر خواہی کا خوب علم رکھتے ہو، انہوں نے کہا: ہاں، نعیمؓ نے کہا: یہود محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ بدعہدی پر سخت نادم ہیں، اور محمد کو اپنے کیے پر نادم ہونے کی خبر بھیج دی ہے، اور انہوں نے یہ بات طے کی ہے کہ وہ تم سے تمہارے کچھ لوگوں کو رہن کے طور پر لے کر محمد (ﷺ) کے حوالے کر دیں گے، پھر تمہارے خلاف اس کے ساتھ مل جائیں گے، اس لیے اگر وہ تم سے رہن مانگیں تو انہیں نہ دو۔

پھر نعیمؓ غطفان کے پاس گئے اور ان سے بھی ایسی ہی بات کہی، چنانچہ شوال سن ۵ ہجری سنیچر کی رات میں کفار مکہ نے یہود کو خبر بھیجی کہ ہم لوگ اپنے شہر میں نہیں ہیں، اور ہمارا مال ومتاع اور ہمارے جانور ہلاک ہو گئے، اس لیے اب بغیر کسی تاخیر کے ہمارے ساتھ اٹھ کھڑے ہو، تاکہ ہم ایک ساتھ مل کر محمد (ﷺ) سے جنگ کریں، تو یہود نے انہیں خبر بھیج دی کہ آج سنیچر کا دن ہے اور ہم سنیچر کے دن جنگ نہیں کر سکتے، دوسری بات یہ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ مل کر اس وقت تک جنگ نہیں کریں گے جب تک ہمارے پاس اپنے کچھ لوگوں کو رہن کے طور پر نہ بھیج دو، جب ان کا قاصد یہ خبر لے کر قریشیوں اور قبیلۂ غطفان کے پاس پہنچا، تو انہوں نے کہا: نعیم نے سچ کہا تھا، اور یہود کو خبر بھیج دی کہ ہم تمہارے پاس اپنا کوئی آدمی نہیں بھیجیں گے، تم لوگ جلد از جلد محمد سے جنگ کرنے کے لیے ہمارے ساتھ نکلو، قریظہ نے کہا: نعیم نے سچ کہا تھا۔ اس طرح دونوں جماعتوں میں اختلاف پیدا ہو گیا، ان کے ارادے پست ہو گئے اور متحد ہو کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ (1)

---

(1) السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: ۲/ ۴۳۱، الحیاۃ العسکریۃ: ص/ ۱۷۱، ۱۷۲، سرایا وغزوات الرسول ﷺ: ص/ ۱۵۷، ۱۵۸۔

رسول اللہ ﷺ کی دعا:

ابن ابی اوفی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی، اور کہا: ((اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ ، سَرِيعَ الْحِسَابِ ، اهْزِمِ الْاَحْزَابَ ، اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ .)) ''اے اللہ! قرآن کے نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے، ان کافروں کی جماعتوں کو تو شکست دے دے، اے اللہ! تو انہیں شکست دے اور ان کے عزم وثبات کو متزلزل کر دے۔'' ❶

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کہا کرتے تھے: ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ ، اَعَزَّ جُنْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ ، وَغَلَبَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهُ ، فَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ .)) ......''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنے لشکر کو عزت دی، اور اپنے بندے (محمد) کی مدد کی، اور اکیلا کافروں کی تمام جماعتوں پر غالب آ گیا، اس کی ذات سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔'' ❷

ہوا بھی اللہ کی ایک فوج ہے:

جب کافروں میں اختلاف پیدا ہو گیا اور ان کے ارادے پست ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کو اپنی ایک فوج کی حیثیت سے سخت سردی کی راتوں میں بھیج دیا، جس نے ان کی ہانڈیوں کو الٹ دیا، ان کی رہائش گاہوں اور خیموں کو زمین بوس کر دیا، اور ان کے اندر ہر طرح کی بے قراری پیدا کر دی، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی فوج کے طور پر فرشتوں کی ایک جماعت بھیج دی جس نے ان کے ارادوں کو متزلزل کر دیا، اور ان کے دلوں میں خوف ورعب ڈال دیا۔

کافروں کی ایک ناکام کوشش:

ان تمام مشکل حالات کے باوجود جن سے مشرکین گزر رہے تھے، اپنی ضلالت وگمراہی میں آگے ہی بڑھتے گئے جس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسلمان عورتوں اور بچوں کو بنی حارثہ کے قلعہ میں جمع کر دیا تھا، جو ایک مضبوط ترین قلعہ مانا جاتا تھا، اور ان سے کہہ دیا تھا کہ اگر تم اپنے آس پاس کسی دشمن کی آمد کا احساس کرو تو اپنی تلوار کی چمک کے ذریعہ ہماری طرف اشارہ کرو، چنانچہ بنی ثعلبہ کا نجدان نامی ایک شخص ان کے قریب پہنچا اور عورتوں سے کہنے لگا، تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ نیچے اتر کر میرے پاس آ ؤ، تو مسلمان عورتوں نے اپنی تلوار کو حرکت دی جس کی چمک کو اصحاب رسول ﷺ نے دیکھ لیا، اور کچھ مسلمان فوراً قلعہ کے پاس پہنچ گئے، جن میں بنی حارثہ کا ظہیر بن رافع نامی ایک مسلمان تھا، اس نے کہا: اے نجدان! سامنے آ ؤ، وہ سامنے نکل کر آیا، اور ظہیر نے اس کے گھوڑے پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اور اس کا سر لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ ❸

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو گئے:

ابن اسحاق اور ابن سعد نے روایت کی ہے کہ اس غزوہ میں آٹھ مسلمان شہید ہوئے، انہی میں سے قبیلۂ اوس کے سردار سعد بن معاذؓ تھے۔ امام احمدؒ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ میں خندق کے دن لوگوں کے نقش قدم کا پیچھا کرتی ہوئی چل پڑی، تو میں نے اپنے پیچھے کسی آدمی کی آہٹ محسوس کی، مڑ کر دیکھا تو وہ سعد بن معاذؓ اور ان کے ساتھ ان کے بھتیجے حارث

❶ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (٤١١٥)، صحیح مسلم، الجهاد، حدیث: (١٧٤٢).
❷ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (٤١١٤)، صحیح مسلم، الذکر، حدیث: (٢٧٢٤).
❸ مجمع الزوائد الهیثمی: ٦/ ١٣٣، ہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کے رجال ثقات ہیں۔

بن اوس تھے جو ایک ڈھال اٹھائے ہوئے تھے، میں فوراً زمین پر بیٹھ گئی اور سعدؓ گزر گئے، وہ لوہے کی ایک زرہ پہنے ہوئے تھے جس سے ان کے جسم کے بعض حصے نکلے ہوئے تھے، میں سعدؓ کے جسم کے ان حصوں کے بارے میں ڈرنے لگی، سعدؓ ایک بھاری بھرکم اور لمبے آدمی تھے، عائشہؓ نے پوری حدیث روایت کرنے کے بعد کہا: قریش کے ابن العرقہ نامی ایک مشرک نے سعد پر تیر چلایا اور کہا: یہ لو، میں ہوں ابن العرقہ، وہ تیر سعدؓ کے بازو میں جا کر لگا اور اسے کاٹ ڈالا، سعدؓ نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے اس وقت تک موت نہ دے جب تک میری آنکھیں بنو قریظہ کی طرف سے ٹھنڈی نہ ہو جائیں (بنو قریظہ کے لوگ جاہلیت میں سعد بن معاذؓ کے حلیف تھے) چنانچہ آپ کا زخم بھر گیا اور اللہ عزوجل نے مشرکوں پر ایک تیز ہوا بھیج دی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی طرف سے میدان کارزار میں کافی ثابت ہوا، اور اللہ تو بہرحال بڑی قوت اور بڑی عزت والا ہے، چنانچہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی تہامہ کی طرف جا پہنچے، اور عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھی نجد سے جا لگے۔ ❶

نبی کریم ﷺ نے سعدؓ کے لیے مسجد نبوی میں ایک خیمہ ڈال دیا، تاکہ آپ ہر کچھ دیر کے بعد ان کی عیادت کرتے رہیں، سعدؓ غزوۂ بنو قریظہ کے بعد اسی زخم کے خراب ہونے اور دوبارہ کھل جانے کے سبب وفات پا گئے۔ وہ نبی کریم ﷺ کے بہترین صحابہ کرام میں سے تھے، ان کے فضائل و مناقب بہت ہیں اور اسلام کی خاطر ان کی قربانیاں عظیم ہیں۔ ❷

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی مخبری:

اسی سخت برفیلی رات میں رسول اللہ ﷺ نے حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو مشرکوں کی خبریں لانے کے لیے بھیجا۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات نماز پڑھی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کون ہے جو جا کر کافروں کی خبریں جمع کر کے لائے، اور میں اللہ تعالیٰ سے سوال کروں گا کہ وہ آدمی جنت میں میرا ساتھی ہو، تو بھوک اور ٹھنڈک کی شدت کے سبب کوئی آدمی بھی کھڑا نہیں ہوا، تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا، اور میرے لیے آپؐ کے پکارنے کے بعد کوئی چارۂ کار نہ رہا، آپؐ نے فرمایا: اے حذیفہ! جاؤ، کافروں کے اندر گھس جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں؟ اور جب تک تم ہمارے پاس نہ آ جاؤ، اپنی طرف سے کوئی کام نہ کرنا۔ حذیفہؓ کہتے ہیں: میں گیا اور کافروں کے بیچ داخل ہو گیا، اور ہوا اور اللہ کے دوسرے لشکر اپنا کام کر رہے تھے، اور کافروں کو کسی طرح قرار حاصل نہیں تھا، نہ ان کی آگ روشن ہوئی، اور نہ کوئی مکان و خیمہ اپنی جگہ محفوظ رہا۔

میں نے ابوسفیان کو کہتے سنا: اے اہل قریش! تم لوگ اپنے شہر میں نہیں ہو، اور ہمارے اونٹ اور دیگر جانور ہلاک ہو گئے، اور بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا، اور ہمیں ان کے بارے میں بُری خبریں مل چکی ہیں، اور اس ہوا نے ہمارا حال بُرا بنا دیا ہے، نہ ہماری ہانڈی چولہے پر رہتی ہے اور نہ آگ جلتی ہے اور نہ ہمارا کوئی خیمہ اپنی جگہ پر قائم ہے، اس لیے تم لوگ جلد از جلد یہاں سے کوچ کر جاؤ، میں بھی یہاں سے کوچ کر رہا ہوں۔ پھر اپنے اونٹ کے پاس گیا، جو رسی سے بندھا ہوا تھا، اور اس پر بیٹھ کر اسے چابک سے مارنے لگا، جس کے سبب اونٹ نے تین پاؤں پر چھلانگ لگا دی، اگر رسول اللہ ﷺ نے مجھے پابند نہ کیا ہوتا کہ میں ان کے پاس آنے سے پہلے اپنی طرف سے کوئی حرکت نہ کروں تو میں اسے قتل کر دیتا۔

---

❶ مسند احمد: ۶/ ۱۴۱، ۱۴۲، ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اس کی سند جید ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۱۱/ ۵۱۳) میں لکھا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔

❷ دیکھئے صحیح البخاری اور صحیح مسلم، باب مناقب الأنصار، مناقب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ۔

میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور آپ ؐ کو تمام حالات سے باخبر کیا، تو آپ نے مجھ پر اس شال کا ایک حصہ ڈال دیا جسے آپ اوڑھ کر نماز پڑھ رہے تھے، اس کے بعد میں صبح تک سوتا رہا، صبح کو جب بیدار ہوا تو آپ ؐ نے کہا: اُٹھو، اے بہت سونے والے۔ ❶

لشکرِ کفار کی واپسی:

اس طرح کافروں کی صفوں میں یاس و نا امیدی پھیل گئی، اور تیز و تند ہوا کے سبب ان کی حالت اتنی ناگفتہ بہ ہوگئی کہ صحرا کی تاریکی میں سر چھپاتے پھرتے تھے، اور بالآخر خائب و خاسر ہو کر مدینہ سے پیٹھ پھیر کر اپنے اپنے شہروں اور بستیوں کی طرف واپس چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اسی حالت کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴾ [الأحزاب: ۲۵]

''اور اللہ نے کافروں کو غیظ و غضب بھرے دلوں کے ساتھ واپس کر دیا، انہیں کوئی بھی مراد حاصل نہ کر سکے، اور اللہ مومنوں کی طرف سے قتال کے لیے کافی ہو گیا، اور اللہ بڑی قوت والا، زبردست ہے۔''

جب صبح ہوئی اور مسلمانوں نے خندق کی دوسری طرف نظر ڈالی تو چند بکھرے خالی خیموں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آیا، رسول اللہ ﷺ اور مسلمان اپنے گھروں کو کامیاب و بامراد واپس آ گئے۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کافروں کی فوج کا پیچھا کرنے کے بعد واپس لوٹے تو اپنی زرہ اُتار دی، غسل فرمایا اور خوشبو لگائی۔ ❷

معرکۂ خندق نے طاقت کا توازن بدل دیا:

اس غزوہ کی تفصیلات سے ہمیں اس بات کا بخوبی علم ہو گیا کہ یہ معرکہ اُس دور میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سب سے خطرناک معرکہ تھا، اور دشمنانِ اسلام تھک ہار کر اور نہایت خائب و خاسر ہو کر واپس چلے گئے، اور انہیں اس بات کا پورا یقین ہو گیا کہ یہ چھوٹی سی اسلامی طاقت جو بڑی تیزی کے ساتھ مدینہ میں نشو و نما پا رہی ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اس لیے نہیں پیدا کیا ہے کہ کافر طاقتیں جمع ہو کر اس کا خاتمہ کر دیں۔

یہ معرکہ ایسا فیصلہ کن تھا جس نے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان طاقت کے توازن کو یکسر بدل دیا، چنانچہ کفر و شرک کی طاقت اس معرکہ کے بعد زوال پذیر ہو گئی، اور اسلام کی طاقت روز افزوں ترقی کرتی گئی۔

سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے لشکرانِ کفار کی واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: اب ہم آگے بڑھ کر ان پر حملہ کریں گے، وہ ہم پر حملہ نہیں کریں گے، جنگ کرنے کے لیے ہم ان کی طرف چل کر جائیں گے۔ ❸

---

❶ مسند احمد: ۵/ ۳۹۲، ۳۹۳، صحیح مسلم، الجهاد، حدیث: (۱۷۸۸)، مستدرک حاکم: ۳/ ۳۱، اور حاکم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے۔

❷ مجمع الزوائد، هیثمی: ۶/ ۱۴۰، ہیثمی کہتے ہیں، اسے طبرانی نے المعجم الأوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقات ہیں۔

❸ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۱۰۹، ۴۱۱۰)، مسند احمد: ۴/ ۲۶۲.

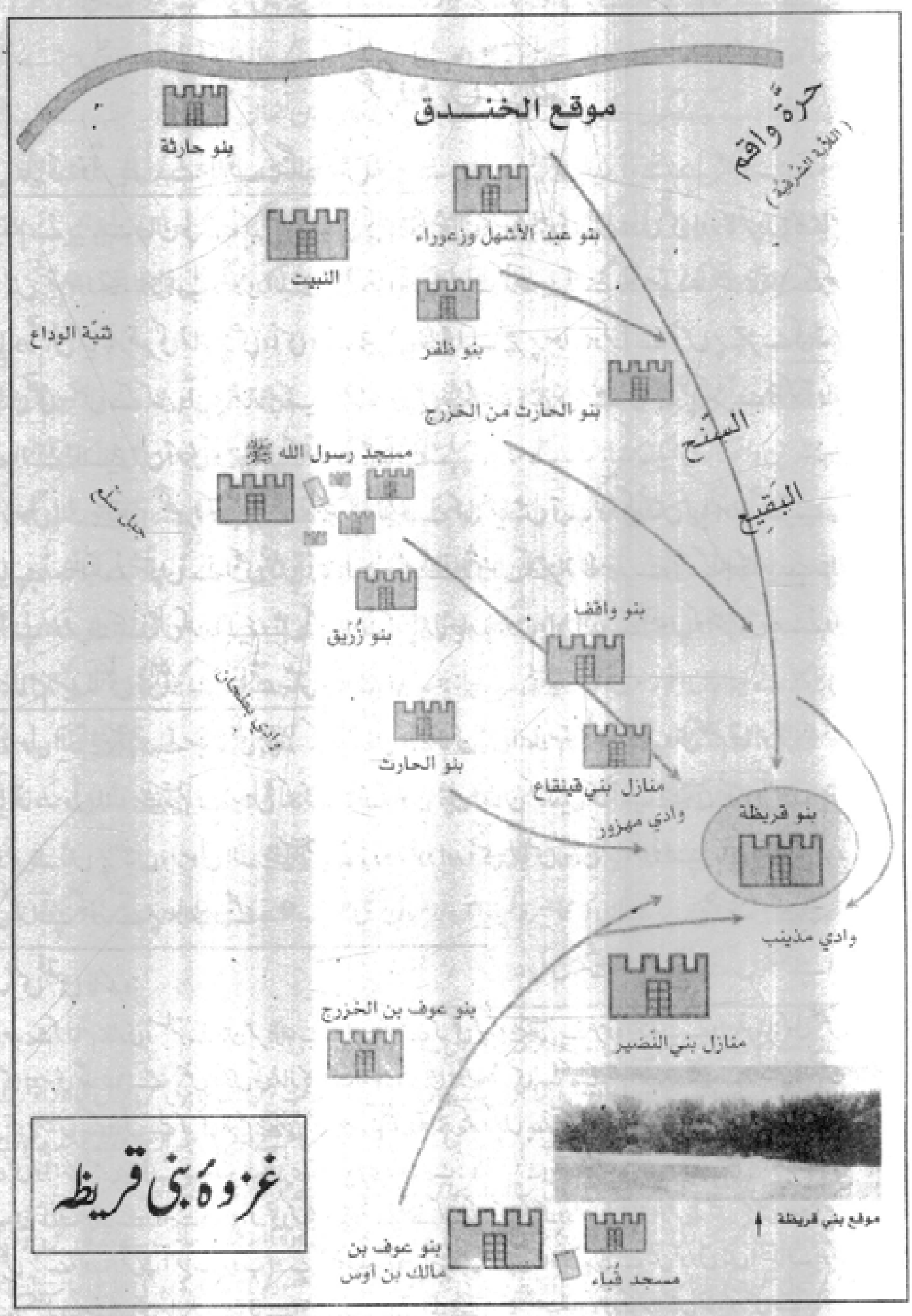
موقع الخنـدق
بنو حارثة
حرّة واقم
(الحرّة الشرقية)
بنو عبد الأشهل وزعوراء
النبيت
ثنيّة الوداع
بنو ظفر
بنو الحارث من الخزرج
السّنح
البقيع
مسجد رسول الله ﷺ
جبل سلع
بنو واقف
بنو زُرَيق
وادي بطحان
بنو الحارث
منازل بني قينقاع
وادي مهزور
بنو قريظة
وادي مذينب
منازل بني النّضير
بنو عوف بن الخزرج
غزوهٔ بنی قریظه
موقع بني قريظة
بنو عوف بن مالك بن أوس
مسجد قُباء

غزوۂ بنی قریظہ

جبریل علیہ السلام بنو قریظہ کے خلاف جنگ میں:

ہم نے یہ بات جان لی ہے کہ غزوۂ خندق کی ابتدا شوال سن ۵ ہجری میں ہوئی تھی اور کافروں کا محاصرہ ابتدائے ذی القعدہ میں ختم ہوا تھا، اور جب رسول اللہ ﷺ غزوہ سے لوٹ کر مدینہ آئے، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر داخل ہو کر، اپنا سر دھویا اور غسل کیا پھر ظہر کی نماز پڑھی، اُسی وقت جبریل علیہ السلام ایک خچر پر سوار ہو کر آئے جس پر چمڑے کی زین اور اس پر ایک چادر پڑی تھی، جس کے کناروں پر غبار چمک رہا تھا۔ جبریل علیہ السلام نے جنازہ پڑھنے کی جگہ پر کھڑے ہو کر آواز لگائی، اے جہاد کرنے والے! لائیے اس آدمی کو جو آپ کو معذور سمجھتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ گھبرا کر باہر نکلے تو جبریل علیہ السلام نے کہا: کیا میں آپ کو دیکھ نہیں رہا ہوں کہ آپ نے جنگ کا لباس اُتار دیا ہے، حالانکہ فرشتوں نے ابھی نہیں اُتارا ہے، ہم نے دشمنوں کو حمراء الاسد سے آگے بھگا دیا ہے۔ اللہ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ بنو قریظہ تک چل کر جائیے، میں بھی ان کے پاس جا رہا ہوں، اور ان کے قلعوں کو متزلزل کرنے والا ہوں۔

علم اسلام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں:

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کے ہاتھ میں اسلام کا علم دیا، یہ وہی علم تھا جو غزوۂ خندق کے لیے بلند کیا گیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ آپ ﷺ انہیں حکم دیتے ہیں کہ وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھیں، رسول اللہ ﷺ نے زرہ، خود اور جنگی لباس پہن لیا، اور اپنے ہاتھ میں نیزہ لے لیا اور ڈھال سنبھال کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ ❶

● ایک علمی فقہی فائدہ:

اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ احزاب کے دن فرمایا: کوئی شخص عصر کی نماز بنو قریظہ کے سوا کسی دوسری جگہ نہ پڑھے، بعض لوگوں کی نماز کا وقت راستہ میں ہی ہو گیا، تو کسی نے کہا کہ ہم بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز نہیں پڑھیں گے، اور کسی نے کہا: ہم پڑھیں گے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا مقصد یہ نہیں تھا جو کچھ لوگوں نے سمجھا ہے، یہ بات نبی کریم ﷺ کو بتائی گئی تو آپ نے ان میں سے کسی کو ڈانٹ نہیں پلائی۔ (صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (٤١١٩)، صحیح مسلم، الجهاد، حدیث: (١٧٧٠).) اور طبرانی نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو تاکید کی کہ وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھیں، چنانچہ وہ جنگی ہتھیار و لباس پہن کر نکل پڑے، اور بنو قریظہ آفتاب غروب ہونے کے بعد پہنچے، راستہ میں عصر کی نماز کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہو گیا، کسی نے کہا: وقت آ گیا ہے تو ہمیں راستہ میں ہی نماز پڑھ لینا چاہیے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا مقصد نماز فوت کرنا نہیں تھا، اور کسی نے کہا آپ نے ہمیں تاکید کی تھی کہ ہم بنو قریظہ میں ہی نماز پڑھیں، اس لیے اگر ہم رسول اللہ کی عزیمت پر عمل کریں گے تو ہمیں کوئی گناہ نہیں ہوگا، چنانچہ ایک گروہ نے راستہ میں ہی عصر کی نماز پڑھ لی، اور دوسرے گروہ نے غروب آفتاب کے بعد بنو قریظہ پہنچ کر نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں گروہوں میں سے کسی کو نہیں ڈانٹا۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۴۰/۶) میں لکھا کہ اسے طبرانی نے (۷۹/۱۹، ۸۰) حدیث: (۱۶۰) کے تحت روایت کیا ہے اور اس ⇦⇦⇦

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ایسا ہی کیا، اپنے ہتھیار اور جنگی لباس پہن کر گھوڑوں پر سوار ہو گئے، جن کی تعداد چھتیس تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھ دو گھوڑے لیے اور ایک پر سوار ہو گئے۔ اور مدینہ میں اپنا نائب عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو بنایا اور صحابہ کرام کے ساتھ چل پڑے، گھوڑ سوار اور پیدل چلنے والے آپ ﷺ کے چاروں طرف سے چل پڑے، راستہ میں رسول اللہ ﷺ بنو نجار کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے، ان میں حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بھی تھے، یہ سب کے سب ہتھیاروں سے لیس ہو کر صف بنائے کھڑے تھے، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: کیا تمہارے پاس سے کوئی گزرا ہے، انہوں نے کہا: ہاں، دحیہ کلبی ایک خچر پر سوار یہاں سے گزرے ہیں، اور ہمیں جنگی لباس پہننے کا حکم دیا ہے، اس لیے ہم نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے ہیں اور صف بنا کر کھڑے ہو گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتایا کہ وہ جبریل علیہ السلام تھے۔ ❶

بنو قریظہ کا حصار:

رسول اللہ ﷺ بنو قریظہ پہنچ کر "انا" نامی کنویں کے پاس فروکش ہوئے جو حرۂ بنی قریظہ کے دامن میں واقع ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ مہاجرین وانصار کی ایک جماعت کے ساتھ پہلے پہنچ چکے تھے، جنہیں دیکھ کر یہود رسول اللہ ﷺ اور آپ کی بیویوں کو گالیاں دینے لگے، لیکن مسلمان خاموش رہے، بس صرف اتنا کہا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اب تلوار ہی فیصلہ کرے گی، اور جب رسول اللہ ﷺ کی ملاقات علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو انہوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ یہود کے قلعوں کے قریب نہ جائیں، آپ ﷺ نے پوچھا: کیوں، شاید تم نے میرے بارے میں ان کی زبان سے کوئی تکلیف دہ بات سنی ہے، علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، تو رسول اللہ ﷺ نے کہا: جب وہ مجھے دیکھ لیں گے تو ایسی کوئی بات نہیں کہیں گے۔

رسول اللہ ﷺ ان کے قلعہ کے پاس اترے، (اس وقت وہ سب قلعہ کے بالائی حصہ میں تھے) تو آپ ﷺ نے بلند آواز سے ان کے سرداروں میں سے کچھ کے نام لے کر پکارا، اور کہا: اے جماعتِ یہود! اے بندروں کے بھائی! میری بات کا جواب دو، اللہ عزوجل کی رسوائی تم پر نازل ہو چکی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے پچیس رات ان کا محاصرہ کیا، اس درمیان کسی طرف سے نہ تیر چلا اور نہ پتھر، اور بنو قریظہ نے اس پوری مدت میں اپنے قلعوں سے نکلنے کی ہمت نہیں کی۔

⇐ دے دے کے رجال صحیح کے رجال ہیں، ابن ابی ہذیل کے سوا جو ثقہ راوی ہیں۔

یہ دلیل ہے اس بات کی کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں جماعتوں کے عمل کی تائید کی، وہ جماعت جس نے ظاہری نص پر عمل کیا اور بنو قریظہ پہنچنے کے بعد ہی نماز پڑھی، اور وہ جماعت جس نے نبی کریم ﷺ کے حکم سے یہ سمجھا کہ آپ نے صحابہ کرام کے بنو قریظہ جلد از جلد پہنچنے کا شدید اہتمام کیا، تاکہ ان پر اچانک حملہ کر دیں، اور آپ ﷺ کا مقصود نماز کو ضائع کرنا اور اسے اس کے وقتِ مقرر سے مؤخر کرنا ہرگز نہیں تھا۔

اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو شخص ظاہر نص پر عمل کرے گا، اس کا عمل صحیح ہوگا، اور اللہ کی جانب سے اجر کا مستحق ہوگا، اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کے حکم کی حکمت کو جاننا چاہے گا اور قرآن وسنت کی روشنی میں اس کے غایت ومقصود کو پانا چاہے گا وہ بھی اللہ کی جانب سے اجر کا مستحق ہوگا، اگرچہ اس نے ظاہر کی مخالفت کی جو علم انسانی کے زیادہ قریب اور واضح ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

❶ مسند احمد: ٦/ ١٤١، ١٤٢، ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث کی سند جید ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (١١/ ٥٣) میں لکھا ہے کہ اس کی سند حسن ہے، اور ابن حبان نے اپنی کتاب الصحیح میں حدیث (٦٩٨٩) کے تحت روایت کیا ہے۔

انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بات کرنی چاہی، تو آپ نے ان کو اجازت دے دی، انہوں نے نباش بن قیس کو بھیج کر آپ ﷺ کے پاس جانے کے لیے کہا، وہ شخص آپ ﷺ سے ایک گھڑی بات کرتا رہا، اور کہا کہ ان کے ساتھ بھی بنو نضیر جیسا معاملہ کیا جائے، تو آپ ﷺ نے انکار کر دیا، اس نے پھر کہا: ہماری جان بخشی کر دی جائے اور ہماری عورتیں اور بچے ہمیں دے دیے جائیں، ہمیں اونٹوں پر لادے گئے مال واسباب کی ضرورت نہیں، تو آپ ﷺ نے پھر انکار کر دیا، اور کہا کہ اب تو انہیں میرا فیصلہ ماننا ہی پڑے گا۔

ان کے سردار کعب بن اسد نے کہا: اے جماعتِ بنی قریظہ! اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے نبی ہیں، اور ہمیں صرف حسد نے اس کے دین میں داخل ہونے سے روک رکھا ہے، اور میں بد عہدی کا مخالف تھا، لیکن ہمیں اس بدبخت کی نحوست لگ گئی ہے جو ہمارے پاس بیٹھا ہوا ہے (یعنی حُیَیّ بن اخطب) اس لیے آؤ ہم اس کی اتباع کریں، اس کی بات مان لیں، اور اس پر ایمان لے آئیں، تاکہ ہم اپنی جانوں، اپنے بچوں، اپنی عورتوں اور اپنے مال واسباب کو بچا لیں، لیکن ان یہود نے اس کی بات نہیں مانی، تب کعب نے کہا: پھر آؤ، پہلے ہم اپنے بچوں اور عورتوں کو قتل کر دیں، پھر تلوار لے کر محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کے سامنے نکل پڑیں، اگر ہم قتل کر دیے جائیں گے تو ہمارے پیچھے کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہے گی جس کی ہمیں فکر ہوگی، اور اگر ہم کامیاب ہو گئے تو دوبارہ عورتیں اور بچے حاصل کر لیں گے، لیکن یہود نے اس کی یہ بات بھی رد کر دی، تب اس نے کہا: اب صرف ایک رائے رہ گئی ہے، اگر تم نے اُسے بھی قبول نہیں کیا تو تم جانو۔ انہوں نے کہا: وہ کیا ہے؟ کہا آج کی رات سنیچر ہے، اور محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی ہماری طرف سے مطمئن ہیں کہ آج کی رات ہم ان سے قتال نہیں کریں گے، اس لیے ہم نکل پڑیں، شاید انہیں دھوکا دے کر شکست دے سکیں۔

اسی رات سَعیہ کے دونوں بیٹے ثعلبہ اور اُسید اور ان کے چچا اسد بن عبید قلعہ سے نیچے اتر آئے اور اسلام قبول کر لیا، جس کے نتیجے میں ان کی جانیں، ان کے بال بچے اور ان کے مال واسباب محفوظ ہو گئے۔

اسی رات سعیہ کے بیٹوں کے ساتھ عمرو بن سعدیٰ نکلا اور مسجد نبوی میں آیا اور وہیں صبح تک سویا رہا پھر پتہ نہیں چلا کہ اس کا کیا ہوا، رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے وفائے عہد کے سبب نجات دے دی (اس لیے کہ وہ بد عہدی کرنے والوں کے ساتھ نہیں تھا۔) ●

بنو قریظہ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ مانگا:

جب محاصرہ ان پر شدید تنگ ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر بھیجی کہ وہ ہمارے پاس ابولبابہ بن عبدالمنذر کو بھیج دیں، تاکہ ہم ان سے اپنے بارے میں مشورہ کریں۔ ابولبابہؓ بنی عمرو بن عوف میں سے تھے جو بنو قریظہ کے حلیف اور ان کے بہت ہی خیر خواہ تھے، اور ان کا مال وعیال انہی کے علاقے میں تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ تم اپنے حلیفوں کے پاس جاؤ، اس لیے کہ انہوں نے قبیلۂ اوس میں سے تم ہی کو بلایا ہے، جب وہ ان کے پاس پہنچے، تو تمام مرد ان کے ارد گرد کھڑے ہو گئے، اور عورتیں اور بچے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، یہ کیفیت دیکھ کر ابولبابہؓ متاثر ہو گئے، بنو قریظہ انہیں چاروں

● دیکھیے: دلائل البیهقی: ۴/ ۱۵، اور اس کے بعد، الحیاة العسکریة: ص/ ۱۷۹، ۱۸۰.

طرف سے گھیر کر پوچھنے لگے، اے ابولبابہ! آپ کا کیا خیال ہے؟ محمد (ﷺ) نے تو کوئی بات اس کے سوا ماننے سے انکار کر دیا کہ ہم اس کا فیصلہ قبول کر لیں۔

ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ:

ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تم لوگ قلعہ سے نیچے اترو گے تو ذبح کر دیے جاؤ گے، اس کے فوراً بعد ہی ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو احساس ہو گیا کہ انہوں نے اس اشارہ کے ذریعہ مسلمانوں کا ایک راز فاش کر دیا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس دوبارہ جانے کی انہیں جرأت نہیں ہوئی، بلکہ سیدھے مسجد نبوی میں گئے اور ایک بھاری زنجیر کے ذریعہ اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا، اور قسم کھائی کہ وہ مر جائیں گے لیکن نہ کھانا کھائیں گے اور نہ پانی پییں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر لے، اور اللہ سے عہد کیا کہ اب وہ زندگی میں کبھی بھی بنو قریظہ کے علاقے میں نہیں جائیں گے، اور اس بستی میں نہیں دیکھے جائیں گے جس میں انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر ہوئی تو فرمایا: اگر وہ میرے پاس آتا تو میں اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتا، لیکن اب جبکہ اس نے اپنی سمجھ کے مطابق ایسا کیا ہے تو میں اس کی زنجیر نہیں کھولوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے۔

اللہ تعالیٰ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَخُونُواْ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ وَتَخُونُوٓاْ أَمَٰنَٰتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝٢٧﴾ [الأنفال: ۲۷]

"اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو، اور جانتے ہوئے اپنے پاس موجود امانتوں میں خیانت نہ کرو۔"

ابولبابہ رضی اللہ عنہ چھ رات اسی طرح زنجیر میں بندھے ہوئے رہے، نہ کھانا کھاتے تھے اور نہ پانی پیتے تھے اور ان کی بیوی ہر نماز کے وقت آ کر انہیں کھول دیتی تھیں، تا کہ وہ نماز پڑھ لیں، پھر وہ ستون کے پاس آ جاتے اور ان کی بیوی انہیں اس ستون سے باندھ دیتی۔

ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اسی طرح بندھا رہوں گا، یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو جاؤں، یا اللہ میری توبہ قبول کر لے، وہ اسی طرح رہے یہاں تک کہ سخت کمزوری کے سبب ان کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی، اور رسول اللہ ﷺ صبح و شام انہیں دیکھتے رہتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ نازل فرمائی:

﴿وَءَاخَرُونَ ٱعْتَرَفُواْ بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُواْ عَمَلًا صَٰلِحًا وَءَاخَرَ سَيِّئًا عَسَى ٱللَّهُ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝١٠٢﴾ [التوبہ: ۱۰۲]

"اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا، انہوں نے نیک اور برے کام ملا دیے، امید ہے کہ اللہ ان پر توجہ فرمائے گا، بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔"

یہ آیت نازل ہوتے ہی منادی کرا دی گئی کہ اللہ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول کر لی، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو خبر

بھیج دی کہ وہ اپنے آپ کو ستون سے کھول لیں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا، اور کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی نہیں کھولے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ان کی زنجیر کھول دی۔

بنو قریظہ نے شکست قبول کرلی:

جب بنو قریظہ کے گرد مسلمانوں کا حصار سخت تنگ ہو گیا، اور ان کی مصیبت ان کے لیے جان بلائے جان ہو گئی تو بالآخر شکست کا اعلان کر کے رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو ماننے کا اعلان کر دیا، تب رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کو رسیوں سے باندھنے کا حکم دیا، اور اس کی ذمہ داری محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو سونپی، تمام مرد ایک طرف کر دیے گئے اور عورتیں اور بچے قلعوں سے نکال کر ایک طرف کر دیے گئے، اور ان سب کی نگرانی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی، اور آپ ﷺ کے حکم سے ان کے مال واسباب، ہتھیار اور کپڑے وغیرہ اور جو کچھ ان کے قلعوں میں ملا، سب ایک جگہ جمع کر دیے گئے۔

اس دوران قبیلۂ اوس کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! یہ لوگ ہمارے حلفاء ہیں، اور آپ نے گزشتہ کل ہمارے بھائی اہل خزرج کے ساتھ اچھا معاملہ کیا ہے جو سب کو معلوم ہے، آپ نے ان کے حلیف یہودیوں کو عبداللہ بن اُبَی کو دے دیا تھا، آپ نے اسے تین سو ننگے سر مقاتل اور چار سو زرہ پہنے ہوئے مقاتل دے دیے تھے، اور ہمارے حلفاء اپنے نقضِ عہد پر بہت نادم ہیں، اس لیے آپ انہیں ہمیں عطا کر دیجیے، رسول اللہ ﷺ خاموش ان کی باتیں سنتے رہے، جب ان کا الحاح واصرار بہت بڑھ گیا اور قبیلۂ اوس کے تمام لوگ بولنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ ان کا معاملہ تم میں سے ایک آدمی کے حوالے کر دیا جائے، انہوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں یہ معاملہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حوالے کرتا ہوں، سعد رضی اللہ عنہ اس دن مسجد نبوی میں کعیبہ بنت سعد بن عتبہ کے خیمہ میں زیرِ علاج تھے، یہ کعیبہ زخمیوں کا علاج اور ان کی دیکھ بھال کرتی تھیں، اور گم شدہ چیزوں کی نگرانی بھی کرتی تھیں، اسی لیے مسجد نبوی میں ان کا ایک خیمہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ کو اسی خیمے میں علاج کے لیے رکھا تھا۔

جب آپ ﷺ نے بنو قریظہ کے معاملے میں فیصلہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا، تو اُن کے پاس ان کے قبیلۂ اوس کے لوگ آئے، انہیں ایک گدھے پر بٹھایا اور ان کے لیے چمڑے کا ایک تکیہ رکھ دیا، اس لیے کہ سعد ایک جسیم وضخیم اور خوبصورت آدمی تھے، پھر سب مل کر ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، وہ سب کہہ رہے تھے، اے ابو عمرو! آپ اپنے حلیفوں پر احسان کیجیے۔ اور انہوں نے جب بہت ہی الحاح سے کام لیا، تو سعدؓ نے کہا: سعد کے لیے وہ گھڑی آ گئی ہے کہ اللہ کے معاملے میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی فکر نہ کرے، یہ سن کر ضحاک بن خلیفہ نے کہا: ہائے میری قوم کے لوگ! پھر ضحاک اوس والوں کے پاس گیا اور ان کو بنو قریظہ کی ہلاکت وبربادی کی خبر سنا دی۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ:

سعدؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو لوگ آپ کے گرد بیٹھے تھے، سعدؓ قریب پہنچے تو آپ نے صحابہ کرام سے کہا: تم لوگ اپنے سردار کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاؤ، چنانچہ سب لوگوں نے ان کا استقبال کیا، جب انہیں گدھے سے اُتارا گیا تو لوگوں نے کہا: اے سعد! ان لوگوں نے آپ کا فیصلہ ماننے کی رضامندی دے دی ہے۔

سعدؓ نے کہا: کیا تم سب بنو قریظہ کے معاملے میں میرے فیصلے پر متفق ہو، انہوں نے کہا: ہاں، اس امید کے ساتھ کہ آپ ہم پر احسان کیجیے گا، جیسا کہ خزرج کے لوگوں نے اپنے حلیف بنو قینقاع پر احسان کیا تھا، سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم اللہ سے عہد و پیمان کرتے ہو کہ ان کے بارے میں میں جو فیصلہ کروں گا اسے تم لوگ مان لوگے، انہوں نے کہا: ہاں، پھر سعد رضی اللہ عنہ نے اس جانب اشارہ کر کے جدھر رسول اللہ ﷺ تھے کہا: اور کیا جو لوگ اس طرف ہیں انہیں بھی میرا فیصلہ منظور ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ نے کہا: ہاں۔

سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ان کے بارے میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان تمام کو قتل کر دیا جائے، جن کے زیر ناف بال اُگ چکے ہیں، اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے، اور مال و اسباب مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیے جائیں رسول اللہ ﷺ نے کہا: اے سعد! تمہارا فیصلہ وہی ہے جو اللہ عز وجل کا فیصلہ سات آسمان کے اوپر ہوا ہے۔ ❶

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے وہ تمام مقاتلین بنو قریظہ اسامہ بن زیدؓ کے گھر میں لے جائے گئے، اور عورتیں اور بچے حارث کی بیٹی کے گھر میں، اور آپ ﷺ کے حکم سے ان قیدیوں کے ساتھ کھجوریں بکھیر دی گئیں جنہیں وہ رات بھر گدھوں کی طرح کھاتے رہے، اور تورات پڑھتے رہے۔

رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اُن کے ہتھیار، مال و اسباب اور کپڑے وغیرہ حارث کی بیٹی کے گھر میں جمع کر دیے گئے، اور اونٹ اور بکریاں درختوں کے درمیان چرنے کے لیے چھوڑ دی گئیں۔

بالغ یہودیوں کا قتل:

رسول اللہ ﷺ صبح سویرے بازار مدینہ میں گئے، اور آپؐ کے حکم سے وہاں ابوجہم عدوی کے گھر اور تیل کی دکانوں کے درمیان گہری خندق کھودی گئی، پھر قیدیوں کو لا کر ان کی گردنیں ماری گئیں، انہیں وہاں یکے بعد دیگرے لایا جاتا تھا، انہی میں اللہ کے دشمن حُیَیّ بن اخطب اور کعب بن اسد بھی تھے، یہودیوں نے کعب بن اسد سے پوچھا جب اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جایا جا رہا تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے، محمد (ﷺ) ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ کعب نے کہا: کیا ہر جگہ تمہاری عقل ماری جاتی ہے، تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ بلانے والا یکے بعد دیگرے بلا رہا ہے، اور تم میں سے جو جاتا ہے وہ واپس نہیں آتا۔ اللہ کی قسم! تمہارا انجام تلوار ہے۔ چنانچہ یہ تمام قیدی رسول اللہ ﷺ کے سامنے قتل کر دیے گئے، اور انہیں قتل کرنے والے علی اور زبیر رضی اللہ عنہما تھے۔

پھر حُیَیّ بن اخطب کو لایا گیا، جس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے، اور اس نے ایک سرخ رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا، اس نے اسے قتل کیے جانے کے لیے پہن لیا تھا، جب وہ سامنے آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا: اے اللہ کے دشمن! کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے قبضے میں نہیں پہنچا دیا؟ اس نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! میں نے تم سے عداوت کر کے کبھی اپنے آپ کو ملامت نہیں کی، اور میں نے عزت تلاش کی، لیکن اللہ نے اس کے سوا ہر بات کا انکار کر دیا کہ

---

❶ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤١٢١، ٤١٢٢، ٣٠٤٣، ٣٨٠٤، ٦٢٦٢)، صحيح مسلم، الجهاد، حديث: (١٧٦٨)، سنن أبي داؤد، الأدب، حديث: (٥٢١٥)، مسند أحمد: ٣/ ٢٢٧١، دلائل البيهقي: ١٤/ ١٨، سيرة ابن هشام: ٢/ ٣٥-٢٤٠.

اس نے مجھے تمہارے قبضے میں کر دیا، اور میں تمہاری دشمنی میں ہر جگہ پہنچا، لیکن اللہ جس کو رسوا کرنا چاہے وہ رسوا ہو کر رہتا ہے۔ پھر اس کی گردن مار دی گئی۔

پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس کعب بن اسد کو لایا گیا جس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے، یہ خوبصورت آدمی تھا، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: تم کعب بن اسد ہو؟ اس نے کہا: ہاں، اے ابوالقاسم! اگر مجھے یہودیوں نے تلوار سے خوف کھا جانے کا عار نہ دلایا ہوتا تو میں تمہاری اتباع کر لیتا، میں اب بھی یہود کے دین پر ہوں، آپ ﷺ نے کہا: اسے آگے لے جاؤ، اور اس کی گردن مار دو، چنانچہ اس کی گردن مار دی گئی۔ ❶

جانہ نضیریہ (عورت) کو قتل کیا گیا، اس لیے کہ اس نے خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ پر کسی مکان کے اوپر سے چکی گرا کر ان کا سر کچل دیا تھا، جس کے سبب وہ شہید ہو گئے تھے۔

بالغ و نابالغ کے درمیان تمیز:

نبی کریم ﷺ نے نابالغوں اور بالغوں کے درمیان تمیز کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ دیکھیں، جس کے زیر ناف بال اُگ آئے ہیں اسے قتل کر دیا جائے، اور جس کے بال نہیں اُگے ہیں اسے نہ قتل کیا جائے۔ عطیہ قرظی کہتے ہیں: میرے بال نہیں اُگے تھے (اس لیے مجھے قتل نہیں کیا گیا)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ لوگوں نے میرا زیر ناف کھول کر دیکھا تو انہیں کوئی بال اُگا ہوا نہیں ملا اس لیے مجھے قیدیوں میں شمار کر لیا گیا۔ ❷

مقتولین کی تعداد:

بنو قریظہ کے مقتولین کی تعداد میں اختلاف ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان کی تعداد چار سو تھی، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابن اسحاق کے نزدیک ان کی تعداد چھ سو تھی، اور ابن عائذ نے قتادہ رحمہ اللہ کی ایک مرسل روایت نقل کی ہے کہ ان کی تعداد سات سو تھی۔

سہیلی نے لکھا ہے: سب سے زیادہ ان کی تعداد بتانے والے کہتے ہیں کہ وہ آٹھ سو اور نو سو کے درمیان تھے، اور ترمذی، نسائی اور ابن حبان کے نزدیک سیدنا جابر بن عبداللہ سے سند صحیح کے ساتھ مروی حدیث کے مطابق اُن مقتولین کی تعداد چار سو تھی۔ ان تمام اقوال کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے مقاتلین کی تعداد چار سو تھی اور باقی مقتولین اُن کے دوسرے لوگ تھے، اور ابن اسحاق نے ایک قول نقل کیا ہے کہ تمام مقتولین نو سو تھے۔ ❸

زبیر بن باطا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دیا گیا:

زبیر بن باطا نے جنگ بُعاث کے دن ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ پر احسان کیا تھا، اس لیے ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے

---

❶ الحیاۃ العسکریۃ: ص/ ۱۸۲، ۱۸۳، غزوات النبی ﷺ للیہود: ص/ ۴۷- ۴۹، صحیح السیرۃ النبویۃ، ابراھیم: ص/ ۳۷۳، ۳۷۵.

❷ سنن ابو داؤد، الحدود، حدیث: (۴۴۰۴، ۴۴۰۵)، سنن الترمذی، الجہاد، حدیث: (۱۵۸۴)، اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور اسے نسائی اور ابن ماجہ نے اور امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے۔

❸ فتح الباری: ۷/ ۴۱۴.

پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! زبیر نے بعاث کے دن مجھ پر احسان کیا تھا، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس موقع سے اس کے اس احسان کا بدلہ چکا دوں، آپ اسے میرے لیے ہبہ کر دیجیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ تمہارے لیے ہے، زبیر نے کہا: میں ایک بوڑھا آدمی ہوں، یثرب میں نہ میرے اہل وعیال ہیں اور نہ مال واسباب، میں زندہ رہ کر کیا کروں گا، یہ سن کر ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے اس کا لڑکا بھی دے دیجیے، چنانچہ آپ نے اس کا لڑکا ان کے حوالے کر دیا، ثابت رضی اللہ عنہ نے پھر کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اس کے بال بچے اور اس کا مال بھی دے دیجیے، آپ نے انہیں اس کا مال اور اس کے بال بچے بھی دے دیے۔ ثابت رضی اللہ عنہ زبیر کے پاس گئے، اور اس کو ان تمام باتوں کی اطلاع دی، زبیر نے ثابت سے کعب بن اسد، حُیَی بن اخطب، عزال بن سموأل، نباش بن قیس، وہب بن زید، عقبہ بن زید اور دونوں عمرو کے بارے میں پوچھا جو ایک ساتھ بیٹھ کر تورات پڑھا کرتے تھے۔ ثابت نے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں اسے بتایا کہ وہ قتل کر دیا گیا، زبیر نے کہا: اے ثابت! ان تمام کے قتل کر دیے جانے کے بعد اب زندہ رہنے میں کوئی خیر نہیں، کیا میں اکیلا اُس گھر میں واپس جاؤں جس میں یہ لوگ رہا کرتے تھے، اور کیا مجھے ان سب کے بعد اس گھر میں ہمیشہ کی زندگی مل جائے گی؟ مجھے ایسی زندگی کی ضرورت نہیں۔ یہ سن کر ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا دیا، اور انہوں نے اس کی گردن ماردی، رسول اللہ ﷺ نے زبیر کا مال اور اس کے بال بچے اس کے لڑکے کے حوالے کر دیا، اور اس کی بیوی کو آزاد کر دیا، اور ہتھیار کے سوا ان کے تمام مال واسباب یعنی کھجور کا باغ اور اونٹ وغیرہ بھی ان کو لوٹا دیے، اور یہ سب لوگ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے خاندان والوں کے ساتھ رہنے لگے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

بعض معاصر مؤلفین نے امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ اور دیگر محدثین کی روایت کردہ ان صحیح احادیث کا انکار کیا ہے جن میں بنو قریظہ کے بالغ مردوں کے قتل کا ذکر آیا ہے، اور وہ اس خام خیالی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ انہوں نے اپنے اس انداز فکر کے ذریعہ اسلام کا دفاع کیا ہے، ان کے زعم باطل کے مطابق ان یہود کے قتل کا اعتراف انسانی احساسات کو مجروح کرنے کے مترادف ہے اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف صیہونی طاقتوں کی تائید کرتی ہے۔

سنت نبوی کے بارے میں اس قسم کی تحریریں اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ مؤلفین ذہنی طور پر شکست خوردہ ہیں اور اسلام میں سنت نبوی کی اہمیت سے ناواقف ہیں، نیز اللہ تعالیٰ پر عدم اعتماد اور فہم قرآن وسنت میں ان کی سطحیت کی دلیل ہے۔

بنو قریظہ کے بالغ مرد اس خیانت عظمیٰ کے سبب قتل کیے گئے جس کا انہوں نے ارتکاب کیا تھا، اگر اللہ تعالیٰ کا فضل خاص اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام اور ان کے اہل وعیال پر اللہ کی نظر کرم نہ رہی ہوتی تو دشمنان اسلام نے یہود بنی قریظہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے وجود کو ہی ختم کر دیا ہوتا، اور انہیں انہی جیسی خندقوں میں ذبح کر دیا جاتا جو خندق یہود کے لیے کھودی گئی تھی، اور دنیا سے اسلام کا وجود ہمیشہ کے لیے مٹ جاتا۔ اور ان تمام مہلک اور خطرناک نتائج کا بنیادی سبب بنو قریظہ کی غداری اور ان کی خیانت ہوتی، اس لیے کہ مسلمانوں نے خندق اس لیے کھودی تھی کہ دشمنان اسلام مدینہ میں نہ داخل ہو سکیں، اور بنو قریظہ کی طرف سے انہیں کلی طور پر اطمینان تھا، چونکہ مسلمانوں کے ساتھ اُن کا دفاعی معاہدہ تھا، لیکن جب انہوں نے

معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو مدینہ مجاہدینِ اسلام کے پیچھے سے بالکل کھل گیا، اور مدینہ میں رہنے والے بوڑھوں، عورتوں، اور بال بچوں کو ایسا خطرہ لاحق ہوگیا جس کے بارے میں مسلمانوں نے سوچا بھی نہ تھا، اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضلِ خاص نہ ہوتا تو تمام مسلمان ختم کر دیے جاتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسول اور مسلمانوں کو غلبہ عطا کیا، اور تمام دشمنانِ اسلام کو شکست دی، اور یہود کے دلوں میں خوف و دہشت ڈال دی، اور سب دشمن شکست خوردہ ہو کر بکھر گئے تو اللہ تعالیٰ نے انھی کو اپنے رسول اور مسلمانوں کے ذریعہ ان کے بُرے کرتوت کے بُرے انجام تک پہنچا دیا، اور بنوقریظہ کے تمام مقاتلین قتل کر دیے گئے، اس لیے کہ سانپ کو قتل اس کے کہ وہ ڈنک مارے قتل کر دیا جاتا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی وحی کے مطابق اس محکم فیصلہ کے ذریعہ مدینہ میں موجود یہودیوں کا آخری قلع قمع کر دیا، اور مدینہ کو ان کے وجود سے پاک کر دیا، اور آئندہ کے لیے یہ خوف جاتا رہا کہ کوئی مسلمانوں پر ان کی پیٹھ کی طرف سے حملہ کرے گا، جیسا کہ بنوقریظہ نے چاہا تھا۔

اس محکم فیصلے کے بعد منافقین کی آواز بھی پست ہوگئی، اور وہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی کھلی مخالفت سے باز آگئے، اور انسان نما سانپ اپنے سوراخوں میں گھس گئے، اور مسلمانوں کو راحت و سکون مل گیا۔

ریحانہ بنت زید رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے گھر میں:

ریحانہ بنت زید بنونضیر کی تھیں، اور بنوقریظہ میں بیاہی گئی تھیں، جب قیدی رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیے گئے تو آپ نے ریحانہؓ کو اپنے لیے پسند کر لیا، اور انہیں امّ منذر بنت قیس کے گھر بھیج دیا، کچھ دیر بعد آپؐ ان کے پاس گئے اور کہا: اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کر لوگی تو اللہ کا رسول تمہیں اپنے لیے اختیار کر لے گا، انہوں نے کہا: میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ جب انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا اور بارہ اوقیہ اور ایک نش مہر کے بدلے ان سے شادی کر لی اور امّ المنذرؓ کے گھر میں آپ نے ریحانہؓ سے ملاقات کی، اور آپ نے ان کے لیے اپنی دیگر بیویوں کی طرح باری مقرر کر دی، اور ان کے لیے پردہ ضروری کر دیا، آپ نے ان سے محرم سن ٦ ہجری میں شادی کی تھی۔ اس کے بعد ریحانہ آپؐ ہی کے پاس رہیں یہاں تک کہ سن ١٠ ہجری میں حجۃ الوداع سے آپ ﷺ کی واپسی کے بعد وفات پا گئیں، اور آپ ﷺ نے انہیں بقیع میں دفن کر دیا۔ ●

بہت سے مورخین نے لکھا ہے کہ ریحانہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس بحیثیت لونڈی تھیں، اور آپؐ ان سے بحیثیت لونڈی ہی ملتے رہے، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا بھی یہی خیال ہے، لیکن ابن ابی ذئب کا قول ہے کہ میں نے زہری رحمہ اللہ سے ریحانہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ ابتدا میں رسول اللہ ﷺ کی لونڈی تھیں، پھر آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی، یہی راجح قول ہے۔ ●

اموالِ غنیمت اور قیدی:

دیارِ بنی قریظہ میں جتنے ہتھیار اور مال و اسباب موجود تھے وہ سب مسلمانوں کے لیے اموالِ غنیمت ہوگئے، وہاں

● عیون الأثر: ٢/ ٣٠٦.

● دیکھئے الاستیعاب: ٤/ ١٨٤٧، طبقات ابن سعد: ٨/ ١٢٩، ١٣٠، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ٣/ ٢٤٢، ٢٤٣.

مسلمانوں کو ایک ہزار پانچ سو ہتھیار، تین سو زرہیں، دو ہزار نیزے اور پانچ سو ڈھالیں ملیں، اور بہت سے اونٹ اور چوپائے بھی ہاتھ آئے، نیز ان کی اراضی اور ان کے گھر اور باغات بھی اموالِ غنیمت میں شامل کر دیے گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے تمام اموال، عورتوں اور بچوں کا پانچواں حصہ نکالنے کے بعد باقی مسلمانوں پر تقسیم کر دیا، اور آپ ﷺ نے سعد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں بنوقریظہ کے قیدیوں کو بازارِ نجد وشام میں بیچ دینے کے لیے بھیج دیا، چنانچہ انہوں نے ان سب کو بیچ کر ان کی قیمتوں کے ذریعہ اسلامی فوج کے لیے ہتھیار اور گھوڑے خریدے۔ اور یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے تقسیم کرتے اور بیچتے وقت عورتوں اور ان کے بچوں کے درمیان جدائی ڈالنے سے منع فرمایا، اور کہا: ماں اور بچے کے درمیان جدائی نہیں ڈالی جائے گی یہاں تک کہ وہ بچے بالغ ہو جائیں۔ ❶

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات سے اللہ کا عرش ہلنے لگا:

عائشہ رضی اللہ عنہا ایک طویل حدیث کے ضمن میں روایت کرتی ہیں کہ سعد بن معاذ جب مسجدِ نبوی میں واقع کعیبہ بنت سعد کے خیمے میں واپس آئے تو آپ ﷺ نے ان کے اس زخم کو داغا جو انہیں غزوۂ خندق میں تیر سے لگا تھا، تو ان کا ہاتھ سُوج گیا، آپ نے پھر اسے دوبارہ داغا، لیکن ان کا ہاتھ پھر سوج گیا، تو سعدؓ نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! اگر تو نے کفارِ قریش کے خلاف اپنے نبی پر کوئی جنگ باقی رکھی ہے تو مجھے اس میں شرکت کے لیے باقی رکھ، اور اگر اپنے نبی اور ان کے درمیان جنگ کا سلسلہ تو نے ختم کر دیا تو مجھے اپنے پاس بلا لے۔ اس دعا کے بعد ان کا زخم کھل گیا، حالانکہ اس سے پہلے وہ زخم تقریباً مندمل ہو گیا تھا، تو رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ان کے پاس فوراً مسجد میں آئے، مسجدِ نبوی میں بنی غفار کا بھی ایک خیمہ تھا، جب سعدؓ کے زخم سے خون بہہ کر ان تک پہنچا تو وہ پکار اُٹھے: اے اہلِ خیمہ! تمہاری طرف سے ہمارے پاس یہ کیسا خون بہہ کر آ رہا ہے؟ سعدؓ کے زخم سے خون بہتا رہا یہاں تک کہ وفات پا گئے۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، میں اپنے حجرہ میں بیٹھی عمر اور ابوبکر رضی اللہ عنہما کے رونے کی آواز سُن رہی۔ ❷

بخاری ومسلم اور دیگر محدثین نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سعد بن معاذ کی وفات سے اللہ کا عرش ہلنے لگا تھا۔

بزار نے دو سندوں کے ذریعہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے جن میں سے ایک کی سند کے رجال حدیثِ صحیح کے رجال ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سعد بن معاذ کی وفات پر ستر ہزار فرشتے زمین پر اُترے، اُن فرشتوں نے اس سے پہلے کبھی زمین پر قدم نہیں رکھا تھا۔

بخاری ومسلم وغیرہم نے براء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دیباج (ریشم) کا ایک کپڑا دیکھ کر کہا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، جنت میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے رومال اس سے زیادہ اچھے ہیں، اور ابن سعد نے سعد بن ابراہیم سے بروایتِ مرسل روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تمام رونے والی عورتیں جھوٹی

---

❶ الاكتفاء: ٢/ ١٣٨، ١٣٩.

❷ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٣٠)، مسند احمد: ٦/ ١٤١، ١٤٢، صحيح ابن حبان، حديث: (٦٩٨٩).

ہیں سوائے امِ سعد کے۔ ❶

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور پوچھا: یہ کون اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ ہے، جس کے مرنے کے بعد اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے ہیں، اور اللہ کا عرش ہلنے لگا ہے؟ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نکل کر دیکھا تو سعد بن معاذؓ وفات پا چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ دفن کے وقت ان کی قبر کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک آپ ﷺ نے دوبار سبحان اللہ کہا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی سبحان اللہ کہا۔ پھر آپؐ نے اللہ اکبر کہا تو صحابہ نے بھی تکبیر کہی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ کے اس نیک بندے کی حالت پر تعجب ہوا کہ پہلے ان کی قبر ان پر تنگ ہوئی پھر کشادہ کر دی گئی۔ ❷

اور معاذ بن رفاعہ بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مجھے میری قوم کے کچھ لوگوں نے بتایا کہ جبریل علیہ السلام آدھی رات کو نبی کریم ﷺ کے پاس استبرق کا عمامہ باندھے آئے اور پوچھا: اے محمد (ﷺ)! یہ کون وفات پا گیا ہے جس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے ہیں، اور اللہ کا عرش ہلنے لگا ہے؟ یہ سنتے ہی رسول اللہ ﷺ اپنا کپڑا گھسیٹتے ہوئے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کی روح پرواز کر چکی تھی۔ ❸

محمد بن لبید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس جگہ تشریف لائے جہاں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا علاج ہو رہا تھا، تو آپ سے کہا گیا کہ انہیں بنو عبدالاشہل میں لے جایا جائے، چنانچہ آپ ﷺ اور آپ کے ساتھ ہم سب تیز رفتاری کے ساتھ چلنے لگے، یہاں تک کہ ہمارے جوتوں کے تسمے ٹوٹ گئے اور ہماری چادریں گر گئیں۔ اور صحابہ کرام نے جب آپ ﷺ کو یہ بات بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے ڈر ہوا کہ کہیں فرشتے ہم سے سبقت نہ لے جائیں اور سعد کو غسل کرا دیں جیسا کہ فرشتوں نے حنظلہ کو غسل کرایا تھا، جب آپؐ ان کے گھر پہنچے تو انہیں غسل دیا جا رہا تھا، اور ان کی ماں رو رہی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ہر رونے والی عورت جھوٹی ہے سوائے امِ سعد کے۔ پھر آپؐ ان کا جنازہ لے کر نکلے تو صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے کبھی بھی ان کے جنازہ سے ہلکا اپنے کندھوں پر نہیں ڈھویا، تو آپ ﷺ نے فرمایا، اس میں تعجب کی کیا بات ہے، تمہارے ساتھ مل کر ان کا جنازہ اٹھانے کے لیے اتنے اور اتنے فرشتے آسمان سے اُترے ہیں، جو آج سے پہلے کبھی نہیں اُترے تھے۔ ❹

اور عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سعدؓ کے پاس پہنچے تو وہ جان کنی کی حالت میں تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے قوم کے سردار! اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین بدلہ عطا فرمائے، تم نے اللہ سے جو وعدہ کیا اسے پورا کیا، اور یقیناً اللہ بھی تم سے کیے گئے وعدے پورے کرے گا۔ ❺

---

❶ دیکھئے: الصحابۃ فی مناقب القرابۃ والصحابۃ: ص/ ۳۸۲، ۳۸۳۔ ❷ مسند احمد: ۳/ ۳۲۷۔ ❸ سیرۃ ابن ھشام: ۲/ ۲۵۱۔

❹ طبقات ابن سعد: ۳/ ۷-۸، سنن ترمذی، مناقب سعد، حدیث: (۳۹۳۸) اور ترمذی نے اسے صحیح غریب کہا ہے، مستدرک حاکم: ۳/ ۲۰۶ اور کہا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور ذہبی رحمہ اللہ نے اس پر خاموشی اختیار کی ہے، اس لیے یہ حدیث صحیح ہے۔

❺ ابن سعد نے طبقات (۳/۲/۹) میں اسے روایت کیا ہے، اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کا قتل:

ابو رافع سلام بن ابی الحقیق رسول اللہ ﷺ کا بڑا دشمن تھا، اور ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے آپ ﷺ کے خلاف قبائل عرب کو جنگ کے لیے آمادہ کیا تھا، اسی شخص نے غطفان اور دیگر مشرکین عرب سے مل کر انہیں رسول اللہ ﷺ سے جنگ پر اُبھارا تھا، اور انہیں بہت بڑا لالچ دیا تھا۔

قبیلۂ اوس کے انصار نے جنگ اُحد سے پہلے کعب بن اشرف کو رسول اللہ ﷺ سے اس کی دشمنی اور لوگوں کو آپ کے خلاف اُبھارنے کے سبب قتل کر دیا تھا۔ اس لیے انصار خزرج نے رسول اللہ ﷺ سے سلام بن ابی الحقیق کو قتل کر دینے کی اجازت مانگی، جو خیبر میں رہتا تھا، تو آپ ﷺ نے انہیں اس کی اجازت دے دی، اور اس کے لیے عبداللہ بن عتیک بن قیس بن اسود، عبداللہ بن انیس، مسعود بن سنان الاسود، اسعد بن حرام، ابوقتادہ ابن ربعی اور اسود خزاعی رضی اللہ عنہم کو بھیجا، اور ان کا امیر عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو بنادیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ کرم بھی کیا تھا کہ اوس وخزرج کے انصار ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے تھے، ان دونوں قبیلوں میں سے کوئی اگر کچھ کرتا تو دوسرا بھی ویسا ہی کرتا، اسی لیے جب قبیلۂ اوس والوں نے کعب بن اشرف کو قتل کر دیا تو خزرج والوں نے رسول اللہ ﷺ کے ایک دوسرے بڑے دشمن کو تلاش کیا، لوگوں نے خیبر میں رہنے والے ابن ابی الحقیق کا نام بتایا، چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے اسے قتل کر دینے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔ ❶

امام بخاری رحمہ اللہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو رافع یہودی کو قتل کرنے کے لیے چند انصار کو بھیجا اور ان کا امیر عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، ابو رافع رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچاتا تھا، اور آپ کے دشمنوں کی مدد کرتا تھا، وہ خیبر میں اپنے ایک قلعہ میں رہتا تھا، جب یہ صحابہ کرام اس کے قریب پہنچے تو آفتاب غروب ہو چکا تھا، اور لوگ اپنے گھروں میں چلے گئے تھے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم لوگ اسی جگہ بیٹھو، میں آگے بڑھ کر دربان سے نرمی کے ساتھ کہتا ہوں، شاید کہ وہ دروازہ کھول دے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ دروازہ کے قریب ہوئے تو اپنا کپڑا اپنے چہرہ پر اس طرح ڈال لیا کہ جیسے قضائے حاجت کر رہے ہیں، لوگ اندر داخل ہو گئے، تب دربان نے پکارا اے اللہ کے بندے! اگر تم داخل ہونا چاہتے ہو تو داخل ہو جاؤ، میں دروازہ بند کرنا چاہتا ہوں۔ میں داخل ہو کر گھات لگا کر بیٹھ گیا، جب لوگ داخل ہو گئے تو دربان نے دروازہ بند کر لیا، اور چابیاں ایک لکڑی پر لٹکا دیں، میں نے وہ چابیاں لے لیں، اور دروازہ کھول دیا، اس وقت ابو رافع کے پاس محفلِ سرود وغنا منعقد تھی، جب لوگ اس کے پاس سے چلے گئے تو میں اس کے پاس پہنچنے کے لیے سیڑھی چڑھنے لگا اور جب میں ایک دروازہ کھولتا تو اسے اندر سے بند کر دیتا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اگر لوگوں کو میرا پتہ چل بھی گیا تب بھی ان کے میرے پاس پہنچنے سے پہلے میں اسے قتل کر دوں گا۔ میں اس کے پاس پہنچ گیا، وہ ایک تاریک کمرہ میں اپنے بچوں کے بیچ میں تھا، پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کہاں ہے؟

❶ سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۲۷۴، اور اس کے بعد، دلائل البیہقی: ۴/ ۳۳، ۳۴.

میں نے پکارا اے ابورافع! اس نے پوچھا: کون ہے؟ میں فوراً آواز کی سمت میں دوڑا اور پریشانی کے عالم میں اس پر تلوار چلا دی، لیکن اسے کاری ضرب نہیں لگی، وہ چیخنے لگا اور میں کمرہ سے نکل کر قریب ہی ایک جگہ رُک گیا، میں پھر داخل ہوا اور پوچھا: اے ابورافع! یہ کیسی آواز تھی؟ اس نے کہا: تمہاری ماں ہلاک ہو، ایک آدمی نے ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھ پر تلوار سے حملہ کیا ہے، میں نے دوبارہ اس پر وار کیا اور اسے کاری ضرب لگائی، لیکن اسے قتل نہیں کر سکا، اس لیے میں نے تلوار کو اس کے پیٹ میں داخل کر دیا، جو اس کی پیٹھ سے نکل گئی، تب مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے اسے قتل کر دیا، پھر میں ایک ایک دروازہ کھولتا ہوا ایک سیڑھی کے پاس پہنچا، اور اپنا پاؤں یہ سمجھ کر رکھا کہ اب زمین آ گئی ہے، لیکن چاندنی رات میں گر پڑا، اور میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ میں نے اسے اپنے عمامہ سے باندھ دیا، اور چل پڑا، لیکن دروازہ کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور سوچا کہ جب تک مجھے یقین نہ ہو جائے کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے یہاں سے آگے نہیں جاؤں گا۔

جب مرغ نے بانگ لگائی تو ایک شخص نے محل کی دیوار کے اوپر سے پکار کر کہا: لوگو! میں تمہیں ابورافع کی موت کی خبر دیتا ہوں۔ میں وہاں سے چل کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور کہا یہاں سے جلد نکل چلو، اللہ تعالیٰ نے ابورافع کو قتل کر دیا۔ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے اور اُن کو سارا قصہ سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا پاؤں پھیلاؤ، میں نے اسے پھیلا دیا، آپ ﷺ نے اس پر اپنا ہاتھ پھیرا تو وہ ایسا درست ہو گیا جیسے اسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ ●

ابن القیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ اُس نے ابورافع کو قتل کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے تم سب اپنی تلواریں دکھاؤ، جب انہوں نے آپ کو اپنی تلواریں دکھائیں تو آپ نے عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کی تلوار دیکھ کر کہا: اسی نے اسے قتل کیا ہے، اس میں خون کا اثر دیکھ رہا ہوں۔ ●

سریہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ:

محرم سن ٦ ہجری کے دس ایام گزر جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو تیس گھوڑسواروں کے ساتھ قبیلۂ بنی بکر پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا، جو بصرہ کے راستے میں مدینہ سے سات دن کی دوری پر نجد کے علاقے ضریہ میں رہتا تھا۔ یہ صحابہ کرام رات میں چلتے اور دن میں سخت گرمی سے بچنے کے لیے کہیں چھپ جاتے تھے، تاکہ دشمن کے پاس اچانک پہنچ جائیں۔ وہاں پہنچ کر ان پر اچانک حملہ کر دیا اور ان میں سے دس کو قتل کر دیا اور باقی اپنے گھر چھوڑ کر بھاگ پڑے، اس لیے کوئی جنگ نہیں ہوئی، اور مسلمانوں نے ان کے اونٹوں اور بکریوں پر قبضہ کر لیا، اور انیس راتوں کے بعد مدینہ واپس پہنچ گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان اونٹوں اور بکریوں کے پانچ حصے لگائے، پانچواں حصہ اپنے پاس رکھا، اور باقی ان مجاہدین پر تقسیم کر دیا، اور ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر مانا گیا، اور اونٹوں کی تعداد ایک سو پچاس اور بکریوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ ●

● البخاری، المغازی، حدیث: (٤٠٣٨، ٤٠٣٩).

● طبقات ابن سعد: ٢/ ٩١، سیرۃ ابن ھشام: ٢/ ٢٧٥.

● مغازی الواقدی: ٢/ ٥٣٤، ٥٣٥، طبقات ابن سعد: ٢/ ٧٨، سرایا وغزوات الرسول ﷺ: ص/ ٤٧، ٤٨.

ثمامہ بن اُثال کی گرفتاری اور رہائی:

مذکور بالا مجاہدین نے مدینہ واپس آتے ہوئے بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اُثال کو قید کرلیا، جو مسیلمہ کذاب کے حکم سے بھیس بدل کر نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کے لیے نکلا تھا، مجاہدین اسے نہیں پہچانتے تھے، جب اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آئے تو آپ ﷺ نے اسے پہچان لیا، اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا، رسول اللہ ﷺ اس کے پاس آئے اور پوچھا: اے ثمامہ، تمہارا کیا ماجرا ہے، اس نے کہا: اے محمد (ﷺ)! میرے پاس بھلائی ہے، اگر تم مجھے قتل کروگے تو تم سے میرے خون کا انتقام لیا جائے گا، اور اگر مجھ پر احسان کر کے چھوڑ دوگے تو ایک شکرگزار انسان پر احسان کروگے، اور اگر تمہیں مال چاہیے تو مانگو، جو مانگوگے تمہیں دیا جائے گا۔

آپ ﷺ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا، دوسرے دن آپؐ نے پھر اس سے پوچھا: اے ثمامہ! تمہارا کیا ماجرا ہے؟ اس نے پہلے جیسا جواب دیا، آپ تیسری بار اس کے پاس سے گزرے اور ثمامہ نے اپنی پہلی بات دہرائی، تو آپؐ نے صحابہ کرام سے کہا: ثمامہ کو چھوڑ دو، صحابہ نے اسے آزاد کردیا۔ وہ مسجد نبوی کے قریب ایک نخلستان میں گیا، وہاں نہایا اور مسجد میں واپس آ گیا، اور کہا: ((أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ .))

نیز کہا: اے محمد (ﷺ)! اللہ کی قسم، سرزمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرہ سے زیادہ میرے نزدیک مبغوض نہیں تھا، اب آپ کا چہرہ دنیا کے سارے چہروں سے زیادہ میرے نزدیک محبوب ہوگیا ہے۔ اللہ کی قسم! کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ میرے نزدیک مبغوض نہیں تھا، اب آپ کا شہر دنیا کے سارے شہروں سے زیادہ میرے نزدیک محبوب ہوگیا ہے۔ اور آپ کے گھوڑ سواروں نے مجھے اس وقت گرفتار کرلیا جب میں عمرہ کے لیے جا رہا تھا، اب آپ کا کیا خیال ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اسے خوشخبری دی، اور اسے عمرہ کرنے کی اجازت دے دی، جب ثمامہ رضی اللہ عنہ مکہ پہنچے تو کسی نے ان سے پوچھا: کیا تم بے دین ہوگئے؟ انہوں نے کہا: نہیں، بلکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دائرۂ اسلام میں داخل ہوگیا ہوں، اللہ کی قسم! اب تمہارے پاس یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچے گا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اس کی ہمیں اجازت دے دیں۔ ❶

غزوۂ بنی لحیان:

ماہ ربیع الاول یا جمادی الاولیٰ سن ٦ ہجری میں رسول اللہ ﷺ بنی لحیان کی سرکوبی کے لیے نکلے، جنہوں نے مقامِ رجیع پر چھ اصحاب رسول کے ساتھ غداری وخیانت کی تھی، ان میں سے چار کو قتل کردیا تھا، اور دو کو قید کردیا تھا، یہ دونوں خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما تھے، دشمنوں نے ان دونوں کو قریش کے ہاتھوں بیچ دیا، اور انہیں پھانسی دے دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کو ان صحابہ کرام کے قتل کی خبر سے بہت زیادہ تکلیف ہوئی تھی، اس لیے آپ ﷺ اپنے دو سو صحابہ کرام کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے نکل پڑے، اور مدینہ میں ابن ام مکتوم کو اپنا نائب بنا دیا۔ ان مجاہدین کے پاس بیس گھوڑے تھے۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر ظاہر کیا کہ آپ شام کی طرف جا رہے ہیں، پھر تیز چل کر بطن غران تک پہنچ گئے جو عسفان اور امج کے درمیان دشمنوں کی وادیوں میں سے وہ وادی تھی جہاں مذکورہ بالا صحابہ کرام قتل کیے گئے تھے، آپؐ نے وہاں ان کے لیے دعا کی۔

---

❶ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۷۲)؛ صحیح مسلم، الجهاد، حدیث: (۱۷۶۴).

بنولحیان کو مجاہدین کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ بھاگ پڑے، اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا کر پناہ لے لی، اس لیے اُن میں سے کوئی گرفتار نہ ہوسکا، آپ ﷺ وہاں ایک یا دو دن قیام پذیر رہے، اور ہر طرف اپنے فوجی دستے بھیجے، پھر وہاں سے چل کر عسفان پہنچ گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: قریش کو میرے مدینہ سے چلنے کی خبر پہنچ گئی ہے، اور اب میں مقامِ عسفان تک آ گیا ہوں، اور اہلِ قریش کو ڈر ہے کہ میں اُن تک آ پہنچوں گا، اس لیے آپ دس گھوڑ سواروں کے ساتھ نکلیے، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ نکلے، اور مقام غمیم تک آ کر لوٹ گئے، انہیں کوئی آدمی نہ ملا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریش کو یہ خبر ضرور پہنچے گی، اور وہ خوف زدہ ہو جائیں گے کہ ہم ان پر حملہ کرنے کے ارادے سے آئے ہیں، خبیب بن عدی اُن دنوں اُن کے پاس قیدی تھے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ یہ کہتے ہوئے مدینہ لوٹ گئے۔ ((آیِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ)) اس سفر میں آپ چودہ دن مدینہ سے باہر رہے۔ ❶

عسفان میں پہلی بار صلاۃ الخوف:

ابو عیاش زرقی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ مقامِ عسفان میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، دشمن ہمارے سامنے آ گئے اور ان کا قائد خالد بن ولید تھا، دشمنوں کی فوج ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھی، رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی تو دشمنوں نے کہا: مسلمان ایسی حالت میں تھے کہ ہم ان پر اچانک حملہ کر سکتے تھے، پھر کہا: ابھی ان کی ایک ایسی نماز کا وقت آئے گا جو ان کے نزدیک ان کی اولاد اور ان کی جان سے زیادہ محبوب ہے۔

تب جبریل علیہ السلام ظہر اور عصر کے درمیان مندرجہ ذیل آیتیں لے کر نازل ہوئے:

﴿ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَن تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴾ [النساء: ١٠٢]

"اور جب آپ اُن کے ساتھ ہوں، اور اُن کے لیے نماز کھڑی کریں، تو اُن میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو، اور اپنے ہتھیار لیے رہیں، پس جب وہ سجدہ کر لیں تو آپ کے پیچھے ہو جائیں، اور دوسرا گروہ آ جائے جس نے نماز نہیں پڑھی ہے، وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھے، اور اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لیے رہیں، کفار تو چاہتے ہیں کہ تم لوگ اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے ذرا غافل ہو جاؤ تاکہ وہ تم پر یکبارگی چڑھ آئیں، اور اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو، یا تم مریض ہو، تو تمہارے لیے کوئی حرج کی بات نہیں کہ اپنے ہتھیار اُتار دو، اور اپنے بچاؤ کا سامان لیے رہو، بے شک اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

❶ مغازی الواقدی: ۲/ ۵۳۵ - ۵۳۶؛ زاد المعاد: ۳/ ۲۱۷ - سرایا و غزوات الرسول ﷺ: ۱۶۶ - ۱۶۷۔

اس کے بعد عصر کی نماز کا وقت آ گیا، صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے حکم سے ہتھیار لے لیے، اور دو صفوں میں کھڑے ہو گئے۔ پھر راوی نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ کس طرح صلاۃ الخوف پڑھی، پھر واپس آ گئے، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صلاۃ الخوف دو بار پڑھی، ایک بار عسفان میں اور دوسری بار بنی سلیم کے علاقے میں۔ ❶

غزوۂ ذی القرد (غزوۂ غابہ):

اس غزوہ کا نام غزوۂ ذی القرد اس کنویں کی نسبت سے پڑ گیا جو غطفان کے علاقے سے قریب مدینہ سے چند میل کی دوری پر ہے۔ اور اسے غزوۂ غابہ اس جگہ کی نسبت سے کہا جاتا ہے جو مدینہ کے قریب شام کے راستے میں ہے۔

یہ غزوہ ماہ ربیع الثانی سن ۶ ہجری میں واقع ہوا تھا، اور اس کا سبب یہ تھا کہ قبیلۂ غطفان کے سردار عُیینہ بن حصن فزاری نے رسول اللہ ﷺ کی دودھ دینے والی اونٹنیوں پر حملہ کر دیا تھا، جو بنی غفار کے ایک آدمی کی نگرانی میں مقامِ غابہ میں چرتی تھیں اور ان کی تعداد بیس تھی، اور اس چرواہے کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی، عُیینہ اور اس کے ساتھیوں نے اس چرواہے کو قتل کر دیا، اس کی بیوی کو قید کر لیا، اور اونٹنیوں کو ہانک کر لے گئے۔

اور پہلا آدمی جسے عُیینہ اور اس کے ساتھیوں کی خبر ہوئی وہ سلمہ بن عمرو بن اکوع اسلمی تھے، جو اپنا تیر کمان لیے غابہ کی طرف جا رہے تھے، جب ثنیۃ الوداع کے اوپر پہنچے تو ان کی نظر دشمنوں کے بعض گھوڑوں پر پڑ گئی، تو انھوں نے ایک کنارے پر جا کر زور سے آواز لگائی، واصباحاہ! (یعنی دشمن آ گئے ہیں) پھر دشمنوں کے پیچھے تیز دوڑنے لگے، یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچ گئے اور ان پر تیر چلانے لگے، جب گھوڑ سوار ان کی طرف رخ کرتے تو وہ بھاگ پڑتے، اور پھر دوبارہ ان کا پیچھا کرتے اور ان پر تیر چلاتے، اسی طرح انھیں مشغول رکھا، یہاں تک کہ ان کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ہو گئی تو آپ نے صحابہ کرام کو نکلنے کے لیے کہا چنانچہ آپؐ کے صحابہ کرام اور گھوڑ سوار جمع ہو گئے، آپ ﷺ نے ان کا امیر سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو بنایا، اور ان سے کہا: تم لوگ دشمنوں کی تلاش میں فوراً نکل جاؤ، اور میں بعد میں مزید مجاہدین کے ساتھ تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا، سعید بن زید رضی اللہ عنہ گھوڑ سواروں کے ساتھ فوراً نکل گئے، اور حملہ آوروں کو جا لیا، اور انھیں شکست دے کر اونٹنیوں کو حاصل کر لیا، نیز ان کے تیس کمبل ان کے ہاتھ لگے، اور مسلمانوں کا صرف ایک آدمی شہید ہوا، اور حملہ آوروں نے بھاگ کر بنی غطفان کے پاس پناہ لے لی۔

رسول اللہ ﷺ نکلنے کے لیے فوراً تیار ہو گئے اور مدینہ میں اپنا نائب ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر کر کے چل پڑے، یہاں تک کہ خیبر کی سمت میں مقام قرد تک پہنچ گئے، آپ ﷺ اس سفر میں پندرہ دن مدینہ منورہ سے باہر رہے۔

کہا جاتا ہے کہ غفاری چرواہے کی بیوی موقع پا کر ایک اونٹنی پر سوار ہوئی اور تیزی کے ساتھ ان کے پاس سے بھاگ نکلی، دشمنوں نے اس کا پیچھا کیا، لیکن اسے نہیں پکڑ سکے، اور اس نے ان سے نجات پا لی۔ ❷

---

❶ مسند احمد: ۴/ ۵۹، ۶۰، سنن ابی داؤد، حدیث: (۱۲۳۶)، سنن النسائی، صلاۃ الخوف: ۳/ ۱۷۶-۱۷۸۔

❷ صحیح البخاری، حدیث: (۴۱، ۳۰، ۴۱۹۴)، صحیح مسلم، حدیث: (۱۸۰۷)، ابن سید الناس: ۲/ ۱۲۵، مغازی الواقدی: ۲/ ۵۳۷-۵۴۹۔

سریہ عکاشہ بن محصنؓ (الغمر):

"غمر" "مرزوق بن اسد کا ایک کنواں تھا جو مدینہ کے راستے میں مقام "فید" سے دو دن کی مسافت پر واقع تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے سن ۴ ہجری کی ابتدا میں ابوسلمہ بن عبداللہ اسدی رضی اللہ عنہ کو ان کی تادیب کے لیے بھیجا تھا، لیکن مسلمان جب دوبارہ ان کے علاقے سے گزرے تو انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا، اس لیے ماہ ربیع الاول سن ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے عکاشہ بن محصن اسدیؓ کو چالیس گھوڑ سواروں کے ساتھ ان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔

یہ مجاہدین بڑی تیزی سے نکلے، لیکن دشمنوں کو ان کے آنے کی خبر ہوگئی، اس لیے وہ اپنے کنویں کے پاس سے بھاگ کر اپنے علاقے کے بالائی حصوں میں چلے گئے، عکاشہؓ جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ کنویں کے پاس پہنچے تو وہاں انہیں کوئی آدمی نہیں ملا، انہوں نے چند لوگوں کو ان کی تلاش میں بھیجا، ان میں سے شجاع بن وہب نے آ کر خبر دی کہ انہوں نے قریب ہی جانوروں کے نشانات دیکھے ہیں، چنانچہ مجاہدین نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کے دو سو اونٹوں پر قبضہ کر لیا، جنہیں لے کر وہ مدینہ منورہ واپس آ گئے، اور مجاہدین میں سے کوئی قتل نہیں ہوا، اور نہ وہاں کوئی جنگ ہوئی۔ [1]

سریہ محمد بن مسلمہ (ذی القصہ):

نبی کریم ﷺ نے محمد بن مسلمہؓ کو دس مجاہدین کے ساتھ مقام ذی قصہ میں رہائش پذیر بنو ثعلبہ پر حملہ کرنے کے لیے ماہ ربیع الآخر میں بھیجا، یہ سریہ ان کے پاس رات کے وقت پہنچا، اور مجاہدین دشمنوں کے گھات میں بیٹھ گئے، لیکن محمد بن مسلمہؓ اور ان کے ساتھیوں کو جب نیند آ گئی تو دشمنوں نے جن کی تعداد سو (۱۰۰) تھی، مسلمانوں کو گھیر لیا، اور ان پر تیر چلانا شروع کیا، تب محمد بن مسلمہؓ کی آنکھ کھلی اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے چیخ پڑے، اپنے ہتھیار سنبھالو، یہ سنتے ہی سب کے سب یکبارگی اٹھ کھڑے ہوئے اور کافی دیر تک دونوں طرف سے تیر اندازی ہوتی رہی، پھر دیہات سے آنے والے مشرکوں نے نیزے سنبھال لیے اور مسلمانوں میں سے تین کو قتل کر دیا، یہ دیکھ کر محمد بن مسلمہؓ کے ساتھیوں نے ان پر ایک زبردست حملہ کیا اور ان میں سے ایک آدمی قتل کر دیا، اس کے بعد پھر دشمنوں نے حملہ کیا اور محمد بن مسلمہؓ کے باقی ساتھیوں کو بھی قتل کر دیا، جب کہ وہ خود بُری طرح زخمی ہو گئے، اس واقعہ کے کچھ دیر بعد ایک مسلمان مقتولین کے پاس سے گزرا تو اس نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، محمد بن مسلمہؓ نے جب یہ آواز سنی تو حرکت کرنے لگے، تو وہ مسلمان آدمی انہیں دیکھ کر ان کے قریب گیا اور انہیں کھانا اور پانی دیا، اور اٹھا کر مدینہ منورہ لے آیا۔

سریہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ (ذی القصہ):

رسول اللہ ﷺ کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے قتل کیے جانے کی خبر ہوئی تو آپ نے ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو چالیس مجاہدین کے ساتھ ماہ ربیع الثانی میں بھیجا، یہ لوگ رات بھر سفر کرتے رہے، اور صبح کے وقت بنی ثعلبہ کی جگہ پر پہنچے، اور ان پر اچانک حملہ کر دیا، لیکن وہ سب کے سب بھاگ کر پہاڑوں میں پھیل گئے، ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک آدمی کو گرفتار کیا، اور ان کے جانور ہاتھ آئے، جنہیں وہ ہانک کر مدینہ منورہ لے آئے، اور کچھ پرانے اسباب و سامان بھی ہاتھ

---

[1] مغازی الواقدی: ۲/ ۵۵۰، زاد المعاد: ۳/ ۲۲۰، سرایا و غزوات الرسول ﷺ: ص/ ۴۹۔

آئے، مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد وہ آدمی مسلمان ہوگیا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا اور باقی مال واسباب کے پانچ حصے کر کے ایک حصہ اپنے پاس رکھا اور باقی کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا۔ ❶

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (جمجوم):

بنی سلیم کا "جموم" نامی ایک کنواں مدینہ سے چار میل کی دوری پر مرالظہران کے مقام پر پایا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو چند مسلمانوں کے ساتھ بنی سلیم کے پاس بھیجا، یہ واقعہ ماہ ربیع الثانی سن ۶ ہجری کا ہے، اس لیے کہ یہ لوگ غزوۂ خندق میں دشمنانِ اسلام کے ساتھ تھے، اور اُس علاقے میں مسلمانوں کی نقل وحرکت پر نظر رکھتے تھے، اور انہیں پریشان کرتے تھے، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے علاقے میں پہنچے تو وہ فوراً منتشر ہو گئے۔ صحابہ کو وہاں قبیلۂ مزینہ کی حلیمہ نامی ایک عورت ملی، جس نے انہیں بنی سلیم کے مکانات کا پتہ دیا، انہوں نے ان پر حملہ کر دیا، اور بہت سے اموالِ غنیمت، اور اونٹ اور بکریوں پر قبضہ کر لیا، اور ان کے کچھ لوگوں کو قید کر لیا، انہی قیدیوں میں اس عورت کا شوہر بھی تھا، جب صحابہ مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے اس عورت اور اس کے شوہر کو آزاد کر دیا۔ ❷

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (العیص):

ماہ جمادی الاولیٰ سن ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ قریشیوں کا ایک تجارتی قافلہ شام سے مکہ واپس جا رہا ہے، مسلمانوں کے لیے ایک بہت ہی اچھا موقع تھا کہ وہ اس قافلے کے مال واسباب پر قبضہ کر لیں، اور مشرکوں کے دلوں میں ہمیشہ کے لیے خوف ودہشت بٹھا دیں، اس تجارتی قافلہ کے پاس صفوان بن امیہ کا بہت سارا مال چاندی کی شکل میں تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس قافلہ کا پیچھا کرنے کے لیے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک سو ستر (۱۷۰) گھوڑ سواروں کو روانہ کیا، زید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی تیز چل کر مقام عیص پر پہنچ گئے، جو سمندر کے قریب مدینہ سے چار میل کی دوری پر واقع تھا۔ مجاہدین نے قافلہ کے پاس موجود مال اور چاندی پر قبضہ کر لیا، اور اکثر لوگوں کو گرفتار کر لیا، انہی میں سیدہ زینب بنت الرسول ﷺ کے شوہر ابوالعاص بن الربیع بھی تھے۔

زید بن حارثہ جب مدینہ پہنچے تو ابوالعاص نے اپنی بیوی زینبؓ سے پناہ مانگی، انہوں نے ان کو پناہ دے دی، اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ اس قافلہ کے تمام مال واسباب واپس کر دیں، آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اس کا مشورہ دیا اور ان میں سے کسی کو اس پر مجبور نہیں کیا، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس قافلہ کا سب کچھ واپس کر دیا۔

ابوالعاص مکہ گئے اور ہر مال والے کو اس کا مال واپس کر دیا، پھر پوچھا، کیا تم میں سے کسی کا کچھ مال میرے پاس باقی رہ گیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، تو ابوالعاص نے کہا: کیا میں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی؟ لوگوں نے کہا: ہاں، آپ کو اللہ تعالیٰ اچھا بدلہ دے، ہم نے آپ کو ہمیشہ ہی وفادار اور کریم النفس پایا ہے۔

تب ابوالعاص نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندہ اور رسول ہیں،

---

❶ مغازی الواقدی: ۲/ ۵۵۲، زاد المعاد: ۳/ ۲۲۰، الحیاۃ العسکریۃ: ص/ ۱۹۳۔

❷ زاد المعاد: ۳/ ۲۲۱، الحیاۃ العسکریۃ: ص/ ۱۹۲۔

اللہ کی قسم! جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا، تو اسلام لانے سے مجھے اس ڈر کے سوا کسی چیز نے نہیں روکا کہ کہیں تم لوگ یہ گمان نہ کرنے لگو کہ میں نے تمہارے اموال کو ہڑپ جانا چاہا تھا، اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مال تمہیں واپس کردیے ہیں اور میں فارغ ہوگیا ہوں تو اپنے اسلام کا اعلان کرتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی زینبؓ سے کہا تھا جب انہوں نے اپنے شوہر کو پناہ دی تھی: اے بیٹی! ان کا خیال کرو، لیکن یہ تمہارے ساتھ خلوت نہ اختیار کرے، اس لیے کہ تم اس کے لیے حلال نہیں ہو، ابو العاصؓ جب مسلمان ہوکر مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے تین سال اور کچھ دنوں کے بعد نکاح اول کے بموجب ہی ان کی بیوی ان کے حوالے کردی۔ ❶

زید بن ہارون نے عمرو بن شعیب سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابو العاصؓ کو اپنی بیٹی مہر جدید اور نکاح جدید کے بعد لوٹائی لیکن یہ حدیث سند اور متن دونوں ہی اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ ❷

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (الطرف):

جمادی الثانیہ سن ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہؓ کو پندرہ مجاہدین کے ساتھ مقام "طرف" کی طرف بھیجا جو مدینہ منورہ سے چھتیس میل کی دوری پر ایک کنویں کے نام سے مشہور تھا، اور انہیں بنو ثعلبہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا، جنہوں نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو قتل کردیا تھا، اور ان دنوں مقام "طرف" میں رہائش پذیر تھے۔

دشمنانِ اسلام نے جب مجاہدین کو دیکھا تو فوراً بھاگ پڑے اور یہ سمجھا کہ یہ دستہ رسول اللہ ﷺ کی بڑی فوج کا پیش خیمہ ہے، اور بھاگتے ہوئے اپنے بیس اونٹ چھوڑ گئے جنہیں مجاہدین مدینہ منورہ ہانک کرلے آئے، اور کوئی جنگ نہیں ہوئی، یہ فوجی دستہ مدینے سے چار دن باہر رہا۔

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (الحِسمی):

جمادی الثانیہ سن ۶ ہجری میں ہی دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ قیصر شاہ روم کے پاس سے واپس آرہے تھے، ان کو قیصر نے بہت سارا مال اور کپڑے دیے تھے، جب مقام حسمی پر پہنچے تو قبیلۂ جذام کے کچھ لوگوں نے انہیں گھیر لیا اور ان کا سب کچھ چھین لیا، دحیہ خالی ہاتھ مدینہ منورہ واپس آئے اور اپنے گھر جانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ہرقل کی مجلس میں جو کچھ ہوا تھا، اس سے آپ ﷺ کو مطلع کیا، پھر قبیلۂ جذام والوں نے ان کے ساتھ جو بُرا برتاؤ کیا، اس کی تفصیل بتائی۔

انہی دنوں رفاعہ بن زید جذامی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر مشرف بہ اسلام ہوگئے تھے، اور مدینہ میں ہی قیام پذیر تھے، رسول اللہ ﷺ نے ایک خط لکھ کر انہیں ان کی قوم کے پاس روانہ کیا اور بالخصوص ان لوگوں کو مخاطب کیا جو مسلمان ہوچکے تھے، اور لکھا کہ اُن میں سے جو مسلمان ہوگئے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کی جماعت میں داخل ہوگئے، اور جو مرتد ہوگیا ہے انہیں دو ماہ کا امان دیا جاتا ہے، اس خط کو سننے کے بعد رفاعہ رضی اللہ عنہ کی قوم نے فوراً اپنے اسلام کا اعلان کردیا، اور اُس جگہ پہنچے جہاں دحیہ رضی اللہ عنہ کا مال واسباب لُٹ گیا تھا، لیکن قبیلۂ جذام کے لوگ وہاں سے منتشر ہوچکے تھے۔

---

❶ سنن ابی داؤد، الطلاق، حدیث: (۲۲۳۲)۔

❷ تحفۃ الأحوذی: ۲/ ۱۹۵، ۱۹۶۔

رسول اللہ ﷺ نے دحیہ کلبی ؓ کی بات سن کر زید بن حارثہؓ کو پانچ سو مجاہدین کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ دحیہ کلبی بھی گئے، زیدؓ اور ان کے ساتھیوں نے قبیلۂ جذام پر صبح کے وقت حملہ کر دیا، اور اُن میں سے اکثر کو قتل کر دیا، اور ان کے بہت سے چوپایوں، جانوروں اور عورتوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اُن میں اونٹوں کی تعداد ایک ہزار، بکریوں کی تعداد پانچ ہزار، اور قیدی عورتوں اور بچوں کی تعداد ایک سو تھی۔ اس واقعہ کے بعد رفاعہ جذامی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس فوراً واپس گئے، اور زید بن حارثہؓ نے جو کچھ کیا تھا، اس سے آپ ﷺ کو باخبر کیا۔ زید رضی اللہ عنہ کو رفاعہ کے اسلام لانے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اُن کو آپ ﷺ کے خط کے ساتھ قبیلۂ جذام کے پاس بھیجے کی کوئی اطلاع نہیں تھی۔

اس لیے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنی تلوار کے ساتھ زیدؓ کے پاس بھیجا، اور انہیں حکم دیا کہ مجاہدین کے ہاتھوں میں ان کا جو بھی مال واسباب ہے، اسے واپس کر دیں، علی رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کی تلوار لے کر زیدؓ کے پاس پہنچے، اور زیدؓ نے تلوار پہچان لی تو لوگوں میں فوراً منادی کرائی، سب جمع ہوئے تو زید رضی اللہ عنہ نے کہا: جس کسی کے پاس بھی کوئی قیدی یا مال ہے اسے فوراً واپس کر دے، رسول اللہ ﷺ کے قاصد یہ حکم لے کر آئے ہیں، چنانچہ مجاہدین کے پاس جو کچھ تھا انہوں نے فوراً واپس کر دیا۔ ❶

سریۂ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (وادی قُریٰ):

ماہ رجب سن ۶ ہجری میں زید بن حارثہؓ نے شام کی سرزمین وادی قُریٰ میں رہائش پذیر بنی فزارہ پر حملہ کیا، یہ علاقہ مدینہ منورہ سے پندرہ دن کی مسافت پر واقع ہے، اس جنگ میں ورد بن مرداس صحابی کام آ گئے، اور زید بن حارثہؓ مقتولین کے درمیان چھپ کر اپنی جان بچا سکے، اور ایک قول یہ ہے کہ زیدؓ تجارت کے لیے شام جا رہے تھے کہ انہیں بنی فزارہ نے گھیر لیا تھا۔

زیدؓ جب واپس آئے تو انہوں نے قسم کھائی کہ جب تک بنی فزارہ پر حملہ نہیں کریں گے، اپنا سر نہیں دھوئیں گے، جب ان کا زخم اچھا ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک فوج کا امیر بنا کر بنی فزارہ پر حملہ کے لیے بھیجا، زیدؓ نے انہیں وادی قُریٰ میں پالیا، ان میں سے اکثر کو قتل کیا، اور ام قرفہ نامی ایک بوڑھی عورت کو بھی قتل کر دیا، اور اس کی بیٹی جاریہ بنت مالک بن حذیفہ بن بدر کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے، جو سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی، رسول اللہ ﷺ نے اسے سلمہؓ سے مانگ کر حزن بن ابو وہب کو ہبہ کر دیا، جس سے عبدالرحمن بن حزن پیدا ہوئے۔ ❷

سریۂ الخبط:

ماہ رجب سن ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراحؓ کی قیادت میں اس سریہ کو مقام سیف البحر کی طرف بھیجا جو مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر واقع تھا، تاکہ قریشیوں کے ایک قافلے پر حملہ کریں، اس فوج کو سفر میں سخت بھوک کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ سلم نامی درخت کے پتے کھانے کی نوبت آئی۔ امام بخاریؒ اور مسلمؒ نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس دستہ میں بھیجا اور ہمارا امیر ابوعبیدہؓ کو بنایا تاکہ ہم قریش کے ایک قافلہ پر حملہ کریں، اور

---

❶ مغازی الواقدی: ۲/ ۵۵۵- ۵۶۰، زاد المعاد: ۳/ ۲۲۳، طبقات ابن سعد: ۲/ ۸۸.

❷ عیون الأثر: ۲/ ۱۵۵، ۱۵٦، طبقات ابن سعد: ۲/ ۸۹.

آپ ﷺ نے ہمیں کھجور کی ایک تھیلی دی، آپ کے پاس ہمارے لیے اس کے سوا کچھ بھی نہ تھا، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہمیں ایک کھجور دیا کرتے تھے، ہم اسے اس طرح چوستے تھے جیسے بچہ چوستا ہے۔ اور اس کے بعد پانی پی لیتے جو ہمیں ایک دن کے لیے کافی ہوتا تھا، ہم اپنی لاٹھیوں کے ذریعہ سلم کے پتے توڑ کر اسے پانی میں بھگو دیتے پھر اسے کھاتے تھے، ہم سمندر کے کنارے پہنچے تو ایک اونچے ٹیلے کی مانند ایک چیز اللہ کی طرف سے ہمارے سامنے ڈال دی گئی، جب اس کے قریب پہنچے تو وہ عنبر نامی ایک بحری جانور تھا، جسے ہم ایک مہینہ تک کھاتے رہے، ہماری تعداد تین سو تھی، یہاں تک کہ ہم سب موٹے ہو گئے، ہم اس کی آنکھ کے گڑھے سے پیالوں کے ذریعہ تیل نکالا کرتے تھے، اور اس گڑھے کی ہانڈیاں بنایا کرتے تھے، اور اس کے ٹکڑے کرتے تھے، اور بیل کے گوشت کے ٹکڑوں کے مانند اس کے ٹکڑے بناتے تھے، ایک بار ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ہم میں سے تیرہ آدمیوں کو اس کی دونوں آنکھوں کے گڑھے میں بٹھا دیا، اور اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی لے کر اسے گڑھے میں کھڑا کردیا، اور ہمارے سب سے بڑے اونٹ کو اس کے نیچے سے گزارا تو وہ گزر گیا، ہم نے اس کے گوشت کے ٹکڑے بنا کر خشک کر لیے اور جب مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کو سب کچھ بتایا، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ روزی تھی جسے اللہ نے تمہارے لیے بھیج دی تھی، کیا تمہارے پاس اس کا کچھ گوشت ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ، تو ہم نے آپ ﷺ کے پاس اس کا کچھ گوشت بھیج دیا جسے آپ ﷺ نے کھایا۔ ❶

سریّہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ (دُومۃ الجندل):

شعبان سن ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا، انھیں اپنے سامنے بٹھایا، اور اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور فرمایا: اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو، اور کافروں کو قتل کرو، اور خیانت نہ کرو، اور دھوکہ نہ دو، اور کسی بچے کو قتل نہ کرو۔ چنانچہ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سات سو مجاہدین کے ساتھ نکلے اور مقام دُومۃ الجندل (بادیہ شام اور بادیہ عراق کے درمیان ایک شہر) میں مقیم بنی کلب کے پاس پہنچ گئے، اور وہاں تین دن تک لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے رہے، تیسرے دن اصبغ بن عمرو کلبی اسلام لے آیا جو نصرانی اور بنو کلب کا سردار تھا، اور اس کے ساتھ اس کی قوم کے بہت سے لوگ بھی اسلام لے آئے، اور باقی لوگ اپنے دین پر باقی رہتے ہوئے جزیہ دینے کے لیے تیار ہو گئے۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اصبغ کی بیٹی تماضر سے شادی کرلی، اور اسے مدینہ لے آئے، جس سے سلمہ بن عبدالرحمن پیدا ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے انھی کے پاس سن ۶ ہجری کی ابتدا میں محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک فوجی دستہ بھیجا تھا، اس لیے کہ وہ لوگ اپنے علاقے سے گزرنے والے مسلمانوں پر زیادتی کرتے تھے، اور مدینہ پر حملہ کرنے کی سازش بھی کر رہے تھے، انھیں جب مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ہوئی تو فوراً تتر بتر ہو گئے، انھی لوگوں کی طرف اس بار عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سات سو مجاہدین کو بھیجا، تاکہ ان کا محاصرہ کر کے انھیں اسلام کی دعوت دیں، چنانچہ وہ کچھ ہوا جس کا ذکر ابھی گزرا۔ ❷

---

❶ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤٣٦٠ - ٤٣٦٢)، صحيح مسلم، حديث: (١٩٣٥).

❷ مغازي الواقدي: ٢/ ٥٦٠ - ٥٦٢، طبقات ابن سعد: ٢/ ٨٩، عيون الأثر: ٢/ ١٤٩، زاد المعاد: ٣/ ٢٢٣.

سریہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (سعد بن بکر):

ماہ شعبان سن ٦ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ایک سو مجاہدین کے ساتھ مقام فدک (مدینہ سے چھ دن کی مسافت پر) میں مقیم بنی سعد بن بکر کی طرف بھیجا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی تھی کہ ان کے پاس مقاتلین کی ایک جماعت ہے جنھیں بھیج کر وہ یہود خیبر کی مدد کرنا چاہتے ہیں، یہ فوجی دستہ رات میں سفر کرتا تھا، اور دن میں کہیں چھپ جاتا تھا، یہاں تک کہ خیبر اور فدک کے درمیان واقع ہمج نامی کنویں کے پاس پہنچے، وہاں انہیں ایک جاسوس مل گیا، جسے بنو سعد نے خیبر بھیجا تھا، تاکہ یہود خیبر سے وہ اس بارے میں گفت وشنید کرے کہ بنو سعد کے لوگ ان کی مدد کے لیے اس شرط پر تیار ہیں کہ اہل خیبر انہیں کھجوروں کا ایک حصہ دیا کریں جیسا کہ انہوں نے ان کے علاوہ دوسروں کے ساتھ کیا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس جاسوس کو اس شرط پر امن دینے کا وعدہ کیا کہ وہ بنی سعد کے گھروں اور ان کے جانوروں اور چوپایوں کی جگہ بتا دے، اس نے مجاہدین کی اس شرط کے مطابق رہنمائی کی اور انہوں نے ان پر اچانک حملہ کر دیا، اور ان کے پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریوں پر قبضہ کر لیا، اور بنی سعد کے لوگ اپنی عورتوں کو لے کر بھاگ پڑے، ان کا سردار وبر بن علیم تھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے پہلے تو رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک اونٹنی الگ کر لی، جس نے کچھ ہی دنوں قبل ایک بچہ جنم دیا تھا، پھر انہوں نے پانچواں حصہ الگ کیا، اور باقی اموال غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ ❶

سریہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ:

ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کے قتل کیے جانے کے بعد یہود خیبر نے اپنا سردار اُسیر بن زرام کو بنالیا، یہ شخص غطفان اور دیگر قبائل کے پاس گیا اور انہیں رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے ابھارا اور جمع کیا، رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو تین دیگر مجاہدین کے ساتھ ماہ رمضان میں خفیہ طور پر بھیجا، انہوں نے وہاں پہنچ کر اس کے بارے میں دریافت کیا، تو انہیں پتہ چلا کہ اس نے اپنی قوم سے کہا ہے: میں محمد (ﷺ) کے ساتھ وہ کروں گا جو مجھ سے پہلے کسی نے اس کے ساتھ نہیں کیا۔ میں قبیلۂ غطفان کے پاس جاؤں گا، اور انہیں محمد (ﷺ) سے جنگ کرنے کے لیے جمع کروں گا، چنانچہ اس نے اس کے لیے کوشش بھی کی۔

تب رسول اللہ ﷺ نے تیس انصار مجاہدین کو اس پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا، اور ان کا قائد عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بنایا، یہ مجاہدین اُسیر کے پاس گئے، اور کہا: ہم امن میں ہوں گے جب تک تمہارے سامنے اس بات کو نہ پیش کر دیں جس کے لیے ہم آئے ہیں، اس نے کہا: ہاں، اور یہی شرط میری بھی ہے، تو مجاہدین نے اس کی شرط کو منظور کر لیا، اور اس سے کہا کہ اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کے ارادے سے باز آجائے، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس چل کر وہ یہ بات کر لے تاکہ آپ ﷺ اسے خیبر کے لیے اپنا عامل مقرر کر دیں، اور اس کے ساتھ اچھا معاملہ کریں، تاکہ اہل خیبر سلامتی کے ساتھ زندگی گزارتے رہیں، اُسیر کو یہ بات اچھی لگی اور وہ تیس دیگر یہود کے ساتھ مدینہ کی طرف چل پڑا، اور ان میں سے

---

❶ مغازی الواقدی: ٢/ ٥٦٢، ٥٦٣، طبقات ابن سعد: ٢/ ٨٩، ٩٠، عیون الأثر: ٢/ ١٥٠.

ہر یہودی کے پیچھے ایک مسلمان کو اس کی اونٹنی پر سوار کر دیا گیا، لیکن راستہ میں اُسیر کی نیت بدل گئی، اور اپنے کیے گئے وعدے پر نادم ہوا، اور اس کی ندامت کا اثر اس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگا۔

عبداللہ بن انیس جہنی رضی اللہ عنہ جو اس فوجی دستہ میں موجود تھے، کہتے ہیں کہ اس نے اپنا ہاتھ میری تلوار کی طرف بڑھانا چاہا، میں نے یہ سمجھ لیا اور اپنی اونٹنی کو مہمیز لگائی اور کہا: اے اللہ کے دشمن! تم دھوکا دینا چاہتے ہو، پھر میں نے ظاہر کیا کہ مجھے نیند آرہی ہے، اور اس کے قریب ہوا، تاکہ دیکھوں کہ وہ کیا کرتا ہے؟ اس نے میری تلوار لے لی، تو میں نے اپنی اونٹنی کو مہمیز لگائی اور کہا: کیا کوئی شخص ہے جو اُتر کر ہماری اونٹنیوں کو آگے بڑھائے، تو کوئی نہیں اُترا، تب میں خود ہی اپنی اونٹنی سے اتر کر لوگوں کی سواریوں کو ہانکنے لگا، یہاں تک کہ اُسیر تنہا رہ گیا، تو میں نے اس پر اپنی تلوار چلا دی، اور اس کے پاؤں کا پچھلا حصہ کاٹ ڈالا، جس سے زخمی ہو کر وہ اپنی اونٹنی سے گر پڑا اور اس کے ہاتھ میں ایک پہاڑی درخت سے بنی لاٹھی تھی، جس کا سرا ٹیڑھا تھا، اس نے مجھے اس سے مارا، اور میرے سر کو زخمی کر دیا، اور اس کے بعد ہم تمام مجاہدین اس کے ساتھیوں پر چل پڑے اور ان تمام کو قتل کر دیا سوائے ایک آدمی کے جو تیز دوڑتا ہوا بھاگ گیا، اور مسلمانوں میں سے کوئی قتل نہیں ہوا، پھر ہم سب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم سب کو ظالم قوم سے نجات دی ہے۔ ❶

سریہ کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ:

اس فوجی دستہ کو اللہ کے رسول نے قبیلۂ عرینہ والوں کے پاس شوال سن ۶ ہجری میں بھیجا تھا، اور اس کا سبب یہ تھا کہ قبیلۂ عکل اور قبیلۂ عرینہ کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ آئے اور اسلام کی بات کی، اور کہا: اے اللہ کے نبی! ہم لوگ جانور پالنے والے لوگ تھے، شہر میں کبھی نہیں رہے، اس لیے ہمیں مدینہ کی آب وہوا راس نہیں آئی، رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات سُن کر اُن کے لیے کچھ اونٹنیوں اور ایک چرواہے کا حکم دیا، اور ان سے کہا کہ اس چرواہے کے ساتھ وہ شہر سے باہر جا کر رہیں، اور اونٹنی کا دودھ اور پیشاب پئیں، وہ لوگ وہاں سے نکل کر جب حرہ کے کنارے پہنچے تو اپنے کفر کا اعلان کر دیا، چرواہے کو قتل کر دیا، اور اونٹنیوں کو ہانک کر لے گئے، نبی کریم ﷺ کو جب خبر ہوئی تو ان کو پکڑنے کے لیے کچھ لوگوں کو بھیجا، وہ سب پکڑ لیے گئے، ان کی آنکھوں میں گرم لوہا پھیر دیا گیا، اور ان کے ہاتھ کاٹ دیے گئے اور حرہ کے ایک کنارے چھوڑ دیے گئے، اور اسی حال میں وہ سب مر گئے۔ ❷

ابن سعد نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں پکڑنے کے لیے بیس گھوڑ سواروں کو کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بھیجا، انہوں نے ان سب کو گھیر کر قید کر لیا، اور باندھ کر اپنے گھوڑوں پر بٹھا کر مدینہ لے آئے۔ ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے گئے، اور ان کی آنکھوں میں گرم سلاخ پھیر دی گئی، اور پھر انہیں لٹکا دیا گیا، انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ

❶ مغازی الواقدی: ۲/ ۵۶۷، ۵۶۸، طبقات ابن سعد: ۲/ ۹۲، ۹۳، عیون الأثر: ۲/ ۱۵۱، ۱۵۲۔

❷ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۱۹۲)، صحیح مسلم، القسامہ، حدیث: (۱۶۷۱)۔

أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾ [المائدہ: ۳۳]

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں، اور زمین میں فساد پھیلانے میں لگے رہتے ہیں، ان کا بدلہ یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا انہیں سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں، یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔ یہ رسوائی ان کے لیے دنیا میں ہے، اور آخرت میں انہیں عذاب عظیم دیا جائے گا۔"

اس آیت کے نزول کے بعد پھر کسی کی آنکھ میں گرم سلاخ نہیں پھیری گئی۔ ❶

سریہ عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ:

شوال سن ۶ ہجری میں ابوسفیان بن حرب ایک دن اپنی قوم کی مجلس میں بیٹھ کر یہ کہتا سنا گیا کہ کیا کوئی ایسا نہیں جو محمد (ﷺ) کو قتل کر دے، وہ تو بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، یہ سن کر ایک دیہاتی آگے بڑھا اور کہا: تمہیں ایک ایسا آدمی مل گیا ہے جو بڑے دل گردے والا اور زبردست طاقت والا اور سب سے تیز دوڑنے والا ہے۔ اگر تم مجھے تقویت پہنچاؤ گے تو میں اس کے پاس جا کر اسے قتل کر سکتا ہوں، اور میرے پاس چیل کے پر کے مانند باریک خنجر ہے جسے میں کنگن بنا کر پہن لوں گا، اور میں تیز دوڑ کر لوگوں سے آگے بڑھ جاؤں گا، اس لیے کہ میں راستے کا زبردست ماہر ہوں۔

ابوسفیان نے کہا: تم ہی ہمارے مطلوب شخص ہو، پھر اسے ایک اونٹنی اور زاد راہ دیا اور کہا: اپنی بات کو سب سے پوشیدہ رکھو، وہ شخص رات کو نکلا، اور اپنی سواری پر سفر کرتا ہوا چھٹے دن صبح کے وقت مدینہ پہنچا، اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں دریافت کیا، اس وقت آپ بنی عبدالاشہل کی مسجد میں تھے، جب آپ ﷺ نے اس آدمی کو دیکھا تو فوراً کہا کہ یہ آدمی دھوکا دے کر مجھے قتل کرنا چاہتا ہے، اور اللہ اس سے میری حفاظت کریں گے، اس آدمی نے آگے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف جھکنا چاہا تو اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس کا کپڑا پکڑ کر پیچھے کھینچا اور اس کا خنجر اچانک ظاہر ہو گیا، اور وہ آدمی حیران وششدر رہ گیا اور کہنے لگا: میرا خون، میرا خون۔ اُسید رضی اللہ عنہ نے اسے دبوچ کر اس پر قابو پالیا، وہ آدمی اپنے کیے پر سخت نادم ہوا جب اسے یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی اللہ کی طرف سے حفاظت کی جاتی ہے، آپ ﷺ کو کوئی آدمی دھوکا دے کر نہیں قتل کر سکتا، تو وہ شخص مسلمان ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری اور مسلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہما کو ابوسفیان بن حرب کو قتل کرنے کے لیے بھیجا، اور کہا: اگر تم دونوں اس پر اچانک حملہ کر کے اسے قتل کر سکتے ہو تو قتل کر دو۔

یہ دونوں مکہ میں داخل ہوئے، عمرو بن امیہ رات کے وقت خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے لیے گئے، وہاں انہیں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا اور انہیں پہچان لیا، اور قریش کو خبر کر دی، وہ سب سن کر فکر مند ہوئے اور انہیں طلب کیا، اور کہنے لگے کہ عمرو کسی اچھی نیت سے نہیں آیا ہے، تمام اہل مکہ یہ بات سن کر جمع ہو گئے، اور عمرو اور سلمہ رضی اللہ عنہما بھاگ پڑے، عمرو کی ملاقات

❶ طبقات ابن سعد: ۲/ ۹۳، مغازی الواقدی: ۲/ ۵۶۸ - ۵۷۱۔

عبداللہ بن مالک سے ہوئی جسے انہوں نے قتل کر دیا اور بنی الدیل کے ایک آدمی کو بھی قتل کر دیا جو یہ شعر پڑھ رہا تھا:

وَلَسْتُ بِمُسْلِمٍ مَا دُمْتُ حَيًّا

وَلَسْتُ أَدِينُ دِينَ الْمُسْلِمِينَا

''میں جب تک زندہ رہوں گا، اسلام کو قبول نہیں کروں گا، اور میں مسلمانوں کے دین کو اپنا دین بنانا پسند نہیں کروں گا۔''

عمرو رضی اللہ عنہ کی قریش کے دو قاصدوں سے بھی ملاقات ہوئی جنہیں ان دونوں سے متعلق خبریں جمع کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، عمرو رضی اللہ عنہ نے ان دونوں میں سے ایک کو قتل کر دیا، اور دوسرے کو قیدی بنالیا، اور مدینہ واپس آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ عمرو رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کی تفصیلات سن کر ہنستے تھے۔ [1]

❁❁❁❁

[1] طبقات ابن سعد: ۲/ ۹۳، ۹۴، عیون الأثر: ۲/ ۱۵۲، ۲۵۳.

فوجی دستے اور مشہور غزوات
خندق اور حدیبیہ کے درمیان

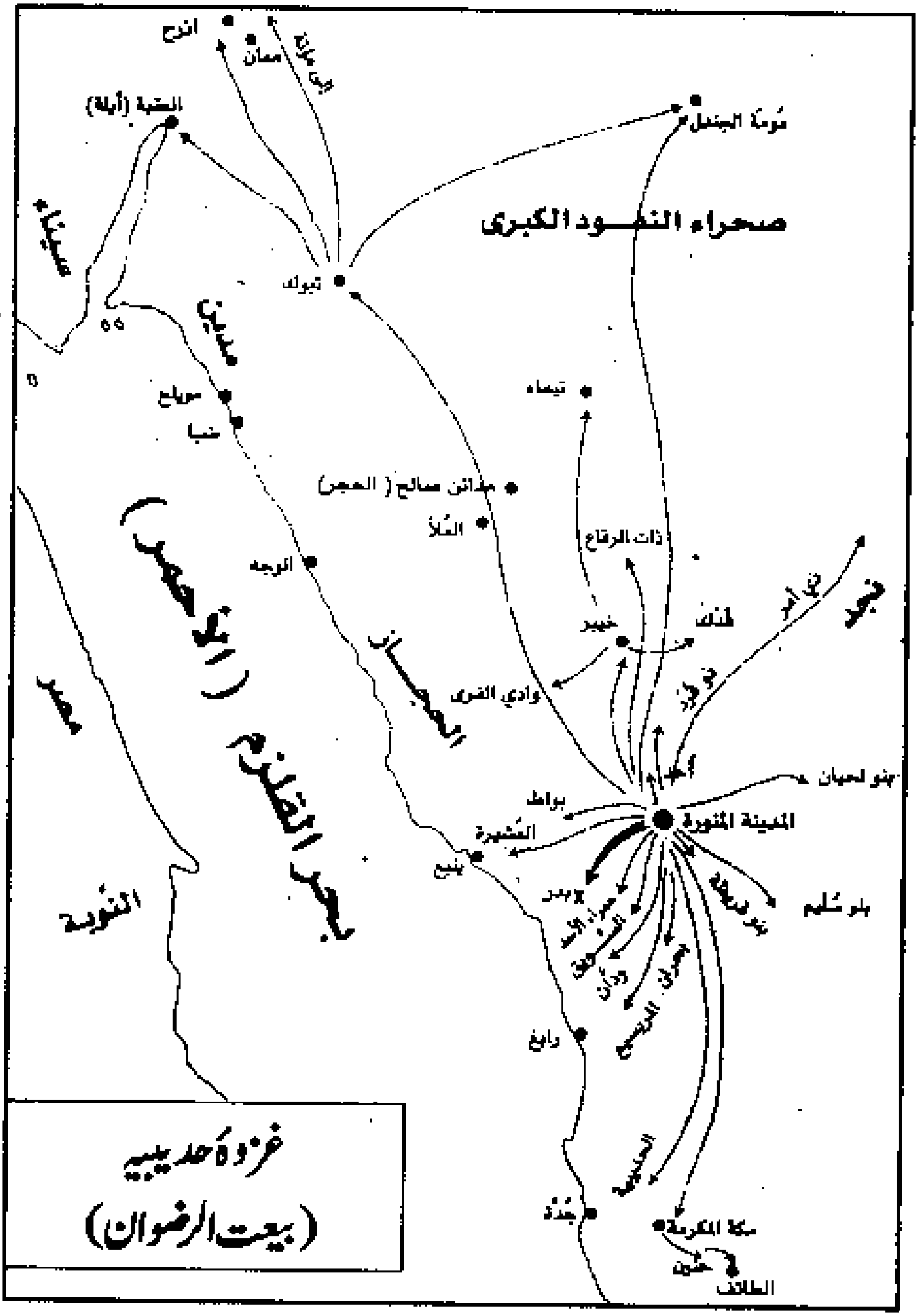
اذرح
معان
العقبة (أيلة)
دومة الجندل
صحراء النفــود الكبرى
سيناء
تبوك
مدين
تيماء
مدائن صالح (الحجر)
العُلا
الوجه
ذات الرقاع
خيبر
فدك
نجد
وادي القرى
الحجاز
بنو لحيان
المدينة المنورة
بواط
العُشيرة
ينبع
بحر القلزم (الأحمر)
مصر
النوبة
بدر
ودان
بنو سُليم
رابغ
الحديبية
جدة
مكة المكرمة
حنين
الطائف
غزوة حديبيه
(بيعت الرضوان)

غزوۂ حدیبیہ

حدیبیہ:

ایک کنویں کا نام ہے جو مکہ کے شمال مغرب میں بائیس (۲۲) کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، ان دنوں اس جگہ کا نام "شمیسی" ہے، اور یہاں حدیبیہ کے باغات اور مسجد الرضوان پائی جاتی ہے۔

اس کے کنارے حدودِ حرم میں داخل ہیں، اور اس کا اکثر و بیشتر حصہ حدودِ حرم سے باہر ہے۔ اس غزوہ کا نام غزوۂ حدیبیہ اس لیے پڑ گیا کہ مشرکین قریش نے اسی جگہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا، اور یہیں پر "بیعۃ الرضوان" ہوئی تھی۔

تاریخ و سبب:

صحیح قول کے مطابق یہ غزوہ ماہ ذی القعدہ سن ۶ ہجری میں ہوا تھا۔ سیدنا انس، عائشہ، اور براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے مروی حدیث میں اس کی تصریح آ گئی ہے، اور امام زہری، نافع، قتادہ، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ کا یہی قول ہے، اور جمہور کی بھی یہی رائے ہے۔ ❶

امام بخاری، امام مسلم اور دیگر محدثین رحمہم اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کیے، سب کے سب ماہ ذی القعدہ میں کیے، سوائے اس عمرہ کے جو آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں کیا تھا، پہلا عمرہ ماہ ذی القعدہ میں حدیبیہ سے کیا، دوسرا عمرہ ماہ ذی القعدہ میں دوسرے سال کیا، تیسرا عمرہ جعرانہ سے کیا جہاں آپ ﷺ نے ماہ ذی القعدہ میں غزوۂ حنین کے اموالِ غنیمت تقسیم کیے تھے، اور چوتھا حجۃ الوداع کے ساتھ کیا۔ ❷

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے اس غزوہ کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سن ۶ ہجری میں مدینہ میں خواب دیکھا کہ آپ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ امن و سلامتی کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں، اور عنقریب ایسا ہوگا، اور صحابہ کرام اپنے سر منڈائیں گے، اور ان میں سے کچھ اپنے بال کٹائیں گے، اور کسی ایسے دشمن کا انہیں ڈر نہیں ہوگا جو انہیں اس کام سے روک دے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس خواب کے بعد مسلمانوں کو اطلاع دی کہ آپ عمرہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اور اس کا اعلان تمام بادیہ نشینوں اور دیہات میں رہنے والے مسلمانوں میں کروا دیا، تاکہ مسلمانوں کی بڑی تعداد آپ کے ساتھ عمرہ کرے، اس لیے کہ آپ کو قریش کی طرف سے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں وہ جنگ پر نہ آمادہ ہو جائیں اور آپ کو اور صحابہ کرام کو بیت اللہ

---

❶ زاد المعاد: ۳/ ۲۲٤، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۳/ ۳۱۲.

❷ صحیح البخاری، الحج، حدیث: (۱۷۸۰)، المغازی، حدیث: (٤١٤٨)، صحیح مسلم، الحج، حدیث: (۱۲۵۳).

سے روک نہ دیں۔ اس لیے آپ نے ماہِ ذی القعدہ کو پسند کیا جو ماہِ حرام ہے، تاکہ قریش والے خوفزدہ نہ ہوں، اور بہانہ نہ بنائیں کہ محمدؐ ماہِ حلال میں قریشیوں سے جنگ کرنا چاہتا ہے، اور اس بہانے مسلمانوں کو بیت الحرام تک پہنچنے سے روک نہ دیں۔

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو خواب کی اطلاع اُس وقت دی جب آپ مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوگئے، اس سے مسلمانوں کو بہت زیادہ خوشی ہوئی اور انہیں یقین ہوگیا کہ وہ عنقریب طویل غیر حاضری کے بعد مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے، بیت اللہ کی زیارت کریں گے، عمرہ کریں گے اور اپنے محبوب وطن اور خویش واقارب کو دیکھیں گے۔ لیکن جب صلح نامہ کی شرط کے مطابق مکہ میں داخل ہوئے بغیر مدینہ واپس ہوگئے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کے خواب کی تعبیر پوچھی۔ منافقین کہنے لگے: یہ کیسا عمرہ ہے جس میں نہ ہم نے اپنے بال منڈائے یا کٹائے اور نہ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ اس وقت پوری سورۃ الفتح نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبر دی کہ اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا ہے، اور وہ عنقریب پورا ہوگا، لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے، اور اللہ اس تاخیر کی مصلحت خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿٢٧﴾﴾ [الفتح: ۲۷]

"اللہ نے اپنے رسول کا برحق خواب سچ کر دکھایا، اگر اللہ نے چاہا تو تم یقیناً مسجد حرام میں داخل ہوگے، درآنحالیکہ تم امن میں ہوگے، اپنے سروں کے بال منڈائے یا کٹائے ہوگے، تم خوف زدہ نہیں ہوگے، پس اُسے وہ معلوم تھا جو تم نہیں جانتے تھے، چنانچہ اُس نے اِس سے پہلے تمہیں ایک قریب کی فتح عطا کی۔"

نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلنے والوں کی تعداد:

نبی کریم ﷺ کے اعلان پر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے لبیک کہا، اور کچھ لوگوں نے اس بدگمانی کے سبب آپ ﷺ کے ساتھ سفر نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو کفارِ قریش کی طرف سے ایسی شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا جس کا اندازہ مسلمانوں کو نہیں ہے۔ انہی بدگمانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں نازل فرمایا:

﴿سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْــًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١١﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿١٢﴾﴾ [الفتح: ۱۱، ۱۲]

"آپ سے پیچھے رہ جانے والے دیہاتی کہیں گے کہ ہمارے مال و دولت اور ہمارے بال بچوں نے ہمیں مشغول کر دیا، اس لیے آپ ہمارے لیے مغفرت کی دعا کر دیجیے، وہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہے، آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کے مقابلے میں کون تمہارے لیے کسی چیز کا مالک ہے، اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے، یا تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہے، بلکہ اللہ تمہارے کاموں کی پوری خبر رکھتا ہے، بلکہ تم نے گمان کر لیا تھا کہ رسول اور مومنین اپنے اہل و عیال کے پاس کبھی بھی واپس نہ آسکیں گے، اور یہ بات

تمہارے دلوں کے لیے خوبصورت بنادی گئی، اور تم نے نہایت بُرا گمان کرلیا (کہ اللہ اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا) اور تم تھے ہی ہلاک ہونے والے لوگ۔''

نبی کریم ﷺ سن ۶ ہجری یکم ذی القعدہ بروز سوموار سفر پر روانہ ہوئے، اور مدینہ میں اپنا نائب ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر کردیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ جانے والے مسلمانوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، کسی نے لکھا ہے کہ اُن کی تعداد تیرہ سو (۱۳۰۰) تھی، اور کسی نے چودہ سو (۱۴۰۰) کہا ہے، اور کسی نے پندرہ سو (۱۵۰۰)، اور یہ سب روایتیں صحیحین میں ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سب پر غور کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اُن کی تعداد چودہ سو سے زائد تھی، اور امام نووی رحمہ اللہ نے اس رائے کی تائید کی ہے۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے چودہ سو کی تعداد کو ترجیح دی ہے جو براء ابن عازب، معقل بن یسار اور سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہم کی رائے ہے، سعید بن المسیب نے اپنے والد مسیب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ درخت کے نیچے ہماری تعداد چودہ سو (۱۴۰۰) تھی، ❶ سفر سے پہلے آپ ﷺ نے کچھ ایسے کام کیے جن سے مقصود لوگوں کو یہ باور کرانا تھا کہ اس سفر کا مقصد عمرہ ادا کرنا اور مسجد حرام کی زیارت ہے، چنانچہ آپ نے اپنی قصواء نامی اونٹنی پر سوار ہوکر اپنے دروازہ کے پاس سے ماہ ذی القعدہ میں سفر کا آغاز کیا، اور اپنے ساتھ ہدی کے جانور لے لیے جنھیں قلادے پہنا دیے، اور میانوں میں بند تلواروں کے سوا کوئی دوسرا سامان جنگ نہیں لیا۔

ذوالحلیفہ سے عمرہ کا احرام:

جب آپ ﷺ ذوالحلیفہ پہنچے جو مدینہ سے چھ میل کی دوری پر ہے، تو ظہر کی نماز پڑھی، اور عمرہ کا احرام باندھا، اور مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ احرام باندھا، اور اپنے ساتھ ہدی کے جانور لے لیے، انہوں نے بھی آپ ﷺ ہی کی طرح عمل کیا، اور سب کے سب مکہ کی طرف حالتِ احرام میں لبیک کہتے ہوئے روانہ ہوگئے۔

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی ساحلِ سمندر کی طرف خبرگیری کے لیے روانگی:

جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام مقام ''روحاء'' پر پہنچے جو مدینہ سے تہتر (۷۳) کلومیٹر کی دوری پر ہے، تو آپ ﷺ نے ابوقتادہ انصاری کو (جنہوں نے عمرہ کا احرام نہیں باندھا تھا) صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ساحل بحر احمر پر واقع غیقہ نامی مقام کی طرف روانہ کیا، آپ کو خبر ملی تھی کہ وہاں کچھ مشرکین ہیں جن کی طرف سے ڈر ہے کہ کہیں وہ اچانک مسلمانوں پر حملہ نہ کردیں۔ اس سفر میں ابوقتادہ نے اپنے محرم ساتھیوں کے لیے ایک جنگلی گدھے کا شکار کیا، جس کا گوشت سب نے کھایا، لیکن پھر انہیں اس کے حلال ہونے میں شبہ ہوگیا، اس لیے جب اُن کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے مقام سُقیا پر ہوئی جو مدینہ سے ایک سو اسی (۱۸۰) کلومیٹر کی دوری پر ہے، تو آپ ﷺ سے پوچھا، اور آپ نے محرم صحابہ کو اس کا گوشت کھانے کی اجازت دے دی، اس لیے کہ انہوں نے اس کا شکار کرنے میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی مدد نہیں کی تھی۔ ❷

---

❶ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۱۵۲، ۴۱۵۵)، صحیح مسلم، الإمارۃ، حدیث: (۱۸۵۶، ۱۸۵۷، ۷۱، ۷۲ اور ۷۳)، زاد المعاد: (۳/ ۲۲۵).

❷ صحیح البخاری، کتاب جزاء الصید، حدیث: (۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳)، صحیح مسلم، حدیث: (۱۱۹۶).

بشر خزاعی جاسوس رسول اللہ ﷺ مکہ میں:

رسول اللہ ﷺ نے بشر بن سفیان بن عویمر خزاعی کو اپنے جاسوس کے طور پر پہلے ہی مکہ روانہ کردیا تھا، جب آپ ﷺ عُسفان کے قریب مقام غدیر الاشطاط پر پہنچے تو آپ ﷺ کا خزاعی جاسوس آیا اور خبر دی کہ کعب بن لوی اور عامر بن لوی نے مختلف الانواع لشکر کو آپ سے جنگ کرنے اور خانہ کعبہ کی زیارت سے روک دینے کے لیے جمع کرلیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ مانگا اور پوچھا کہ کیا جو لوگ وہاں جمع ہیں، ہم اُن کے اہل وعیال پر حملہ کرکے اُن کا صفایا کردیں، تاکہ وہ اپنی جگہ پر خائب وخاسر اور محزون ومغموم بن کر پڑے رہیں، یا جنگ کے لیے حرکت کریں تو اُن کی مثال کٹی ہوئی گردنوں کی ہو یا تم لوگ یہ مناسب سمجھتے ہو کہ ہم بیت اللہ کا قصد کرکے آگے بڑھیں، اور کوئی ہماری راہ روکے تو ہم اُس سے جنگ کریں؟

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے نبی! اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، ہم لوگ عمرہ کے لیے آئے ہیں، ہمارا مقصد کسی سے جنگ کرنا نہیں ہے، لیکن اگر کوئی ہمیں بیت اللہ کی زیارت سے روکے گا تو ہم اس سے جنگ کریں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر تم لوگ آرام سے رہو“۔ ❶ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ آپ ﷺ صحابہ کرام سے بہت زیادہ مشورے فرمایا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا دخول مکہ سے روک دیا جانا:

قریشیوں کو جب رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مکہ کے لیے روانگی کا علم ہوا تو وہ نہایت خوفزدہ ہوئے اور معاملہ پر بہ تمام وجوہ غور کرنے کے بعد اس بات پر متفق ہوئے کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا جائے، چاہے جیسے بھی حالات کا سامنا کرنا پڑے، چنانچہ وہ اپنی پوری فوجی طاقت کے ساتھ مسلمانوں سے نمٹنے کے لیے تیار ہوگئے۔

نبی کریم ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ اہل قریش نے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دینے اور جنگ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہائے قریش کی بدنصیبی کہ جنگ انہیں کھا گئی۔ اگر یہ میرے اور لوگوں کے درمیان رکاوٹ نہ بنتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا۔ اگر لوگ میرا قصہ تمام کردیتے تو ان کا مقصد پورا ہوجاتا، اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے لوگوں پر غلبہ اور برتری عطا کرتا تو یہ لوگ فوراً دائرۂ اسلام میں داخل ہوجاتے۔ اور اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، اور اپنی رہی سہی طاقت کے غرور میں مبتلا رہے، تو قریش والے کیا سمجھتے ہیں؟ میں اُس کلمہ کو غالب کرنے کے لیے جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے، اُن سے جہاد کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ اللہ کا دین مکہ میں غالب ہوجائے، یا اسی راہ میں میری موت آجائے۔

خالد بن ولید کا دستہ مسلمانوں کی راہ میں رُکاوٹ ❷:

رسول کریم ﷺ جب عُسفان پہنچے جو مکہ کے شمال میں اسی (۸۰) کلومیٹر کی دوری پر ہے، تو آپ ﷺ کو خبر ملی کہ

---

❶ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۱۷۸، ۴۱۷۹، ۴۱۸۰، ۴۱۸۱)، ابوداؤد، الجهاد: (۲۷۶۵)، سنن البيهقی: (۵/۲۱۵، ۷/۱۷۰، ۹/۱۴۴، ۲۱۸، ۲۲۱، ۱۰/۱۰۹)، مسند احمد: (۴/ ۳۲۸- ۳۳۱، ۳۳۴)۔

❷ دیکھئے: مسند احمد: ۴/ ۳۲۳، اس کی سند حسن ہے، سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۳۰۹۔

قریش نے خالد بن ولید کی قیادت میں گھوڑ سواروں کا ایک دستہ مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے بھیجا ہے، آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: خالد بن ولید قریشی گھوڑ سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ مقام غمیم میں موجود ہے (جو مکہ کے قریب رابغ اور جحفہ کے درمیان ہے) اس لیے تم لوگ یہاں سے دائیں طرف چلو، آپ ﷺ عام راستہ چھوڑ کر غیر ہموار راہ پر چل پڑے جس کے سبب آپ اور صحابہ کرام کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، یہ اس لیے تھا تاکہ مشرکین مکہ کے ساتھ فوجی مڈبھیڑ کی نوبت نہ آجائے، اور اس کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خالد کو آپ ﷺ اور صحابہ کی آمد کی اطلاع مسلمان فوجیوں کے گرد وغبار سے ہوئی، اور مشرکین گھبرا کر مکہ کی طرف دوڑ پڑے تاکہ قریشیوں کو خبر کریں۔

نبی کریم ﷺ آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ جب آپ اُس ثنیہ پر پہنچے جس سے نیچے اتر کر مکہ والوں کے پاس پہنچ جانا تھا تو آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے اُسے اٹھانا چاہا، لیکن وہ نہیں اٹھی، لوگوں نے کہا: قصواء اَڑ کر بیٹھ گئی ہے۔ آپ ﷺ نے کہا: قصواء اَڑی نہیں ہے، اور نہ یہ اس کی عادت ہے، بلکہ جس نے ہاتھی والوں کو روک دیا تھا اس نے اسے بھی روک دیا ہے۔ ❶

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اُس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر اہلِ قریش کوئی بھی ایسا سمجھوتہ پیش کریں جس میں اللہ کے حرام کردہ شعائر کی تعظیم ہوگی، تو میں اُسے منظور کرلوں گا، پھر آپ ﷺ نے اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی، اور آپ ﷺ نے اپنی راہ بدل دی، اور حدیبیہ کے بعید ترین مقام "ثمد" نامی کنویں کے پاس پڑاؤ ڈال دیا جس میں پانی کم پایا جاتا تھا۔

خشک کنویں سے پانی اُبلنا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی پیاس بجھانے کے لیے اس کنویں کا پانی بمشکل جمع کرتے اور اپنی ضرورت پوری کرتے، یہاں تک کہ کنواں بالکل خشک ہوگیا، لوگوں نے رسول کریم ﷺ سے پیاس کی شدت کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ایک تیر لیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اسے کنویں میں ڈال دیں۔ راوی کہتے ہیں: اللہ کی قسم! کنویں میں پانی اُبلتا رہا یہاں تک کہ سارے لوگ سیراب ہوگئے۔ ❷

مذکور بالا کنویں سے پانی کا اُبلنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ثابت ہے جسے بخاری نے کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیہ میں روایت کی ہے، براءؓ کہتے ہیں: تم لوگ فتح مکہ کو "فتح" کہتے ہو، اور بلاشبہ فتح مکہ تو "فتح" تھی ہی، لیکن ہم لوگ حدیبیہ کے دن بیعۃ الرضوان کو "فتح" شمار کرتے ہیں۔ ہماری تعداد نبی کریم ﷺ کے ساتھ چودہ سو (۱۴۰۰) تھی، اور حدیبیہ کے کنویں کا پانی ایک ایک قطرہ ختم ہوگیا، جب رسول کریم ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ کنویں کے پاس آئے، اور اُس کی منڈیر پر بیٹھ گئے، پھر آپؐ نے اسی کنویں سے ایک بالٹی پانی منگایا، اس سے وضو کیا، کلی کی، اور دعا کی، اور اسے اسی کنویں میں انڈیل دیا، کچھ ہی دیر کے بعد اس کا پانی اس طرح اُبلنے لگا کہ ہم تمام لوگوں نے اور ہمارے سواری کے

---

❶ صحیح البخاری، کتاب الشروط، حدیث: (۲۷۳۱، ۲۷۳۲)، مسند احمد: ٤/ ۳۲۸- ۳۳۱۔

❷ اس حدیث کی تخریج (خالد بن ولید کا دستہ) کے ضمن میں ہوچکی ہے۔

جانوروں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ ❶

کثرتِ طعام:

سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ہم لوگ رسول کریم ﷺ کے ساتھ غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر نکلے، ہم سب کو شدید بھوک اور پیاس کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ ہم لوگوں نے سواری کے جانوروں کو ذبح کرنے کا ارادہ کرلیا، نبی کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سب اپنے کھانے کے برتن جمع کریں، ہم نے ایک چادر بچھا کر اُس پر اپنی تھیلیوں میں موجود کھانے کی چیزوں کو ڈال دیا، میں نے آگے بڑھ کر اندازہ لگایا تو وہ ایک بیٹھی ہوئی بکری کے مانند اونچا ڈھیر تھا، اور ہماری تعداد چودہ سو (۱۴۰۰) تھی، ہم سب کھانے لگے، یہاں تک کہ آسودہ ہوگئے اور اپنی تھیلیوں کو بھی اچھی طرح بھرلیا۔ ❷

بدیل بن ورقاء خزاعی کا مشورہ:

رسول کریم ﷺ جب مقام حدیبیہ میں خیمہ زن ہوگئے تو بدیل بن ورقاء خزاعی اور اس کے ساتھ خزاعہ کے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے، یہ لوگ آپ ﷺ کے لیے مخلص تھے، بدیل نے آپ ﷺ سے کہا کہ ہم آپ کی قوم کعب بن لوی اور عامر بن لوی کے پاس سے آرہے ہیں، انہوں نے آپ سے جنگ کرنے کے لیے مختلف الانواع جنگجوؤں اور اپنے دیگر تابع فرمان لوگوں کو جمع کرلیا ہے، اور اُن کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی ہیں، انہوں نے قسم کھائی ہے کہ آپ خانہ کعبہ تک اسی حال میں پہنچ سکتے ہیں کہ آپ انہیں یکسر ختم کردیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہم کسی سے جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے ہیں، ہم تو صرف بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے آئے ہیں، اور اگر کوئی ہمیں روکے گا تو ہم اس سے جنگ کریں گے، قریشیوں کو جنگ نے بہت ہی نقصان پہنچایا ہے، اور انہیں نڈھال کردیا ہے، اگر وہ چاہیں گے تو میں صلح کی مدت بڑھا دوں گا، بشرطیکہ وہ میرے اور لوگوں کے درمیان رُکاوٹ نہیں بنیں گے، اور جب میں لوگوں پر غالب آجاؤں گا، تو انہیں اختیار ہوگا، چاہیں گے تو دینِ اسلام میں داخل ہوجائیں گے، اور اگر جنگ کرنا چاہیں گے تو انہیں ایک گونہ راحت پانے کا موقع مل چکا ہوگا۔ اللہ کی قسم! میں اپنے اس مشن کی تکمیل میں پوری قوت صرف کردوں گا، یہاں تک کہ اللہ اپنے دین کو غالب کردے گا، یا اسی راہ میں میری موت آجائے گی۔

بدیل نے کہا: میں اہلِ قریش تک آپ کی یہ بات پہنچا دیتا ہوں، پھر وہ وہاں سے چل کر قریش کے پاس آیا اور ان سے کہا: ہم تمہارے پاس اُس آدمی سے بات کرکے آئے ہیں، اگر تم چاہو تو ہم وہ بات تمہارے سامنے پیش کریں، اُن کے نادانوں نے کہا: ہم اُس کی کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہیں، اور اُن کے ہوشمندوں نے کہا، اچھا، بتاؤ، تم سے اس نے کیا کہا ہے، بدیل نے کہا: میں نے اسے ایسا اور ایسا کہتے سنا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی پوری بات اُن کو سنائی۔

عُروہ بن مسعود ثقفی، قریش کا ایلچی:

بدیل کی پوری بات سننے کے بعد عُروہ بن مسعود ثقفی نے کہا کہ بدیل مفاہمت کی بڑی اچھی شکل لے کر آیا ہے، جو شخص

---

❶ صحيح البخاري، حديث: (٤١٥٠، ٤١٥١).

❷ صحيح البخاري، حديث: (٢٤٨٤، ٢٩٨٢)، صحيح مسلم، اللقطة، حديث: (١٧٢٩).

بھی اسے نہیں مانے گا وہ اس سے کوئی زیادہ بُری شکل پیش کرے گا، اس لیے اے اہلِ قریش! تم اسے مان لو، اور مجھے اپنا جاسوس بنا کر محمد (ﷺ) کے پاس بھیجو تاکہ میں اس کی تصدیق کر کے آؤں۔

قریشیوں نے اُس سے کہا: تم جاؤ، وہ آیا، اور کہا: اے محمد (ﷺ)! میں تمہاری قوم کو حدیبیہ کنویں کی لکڑیوں کے پاس چھوڑ کر آیا ہوں، وہ سب تم سے جنگ کے لیے بالکل تیار ہیں، اور قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تمہیں خانہ کعبہ تک نہیں جانے دیں گے، یہاں تک کہ تم ان کا خاتمہ کر دو، اور اُن سے جنگ کرنے کی صورت میں، یا تو تم اپنی قوم کو ختم کر دو گے، اور ہم نے سنا نہیں ہے کہ تم سے پہلے کسی نے اپنی قوم کو ختم کر دیا ہو، یا یہ لوگ جنھیں میں تمہارے ساتھ دیکھ رہا ہوں، تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے، اس لیے کہ میں ان مختلف الانواع لوگوں کے نہ چہروں کو پہچانتا ہوں نہ ہی ان کے حسب ونسب کو۔ کوئی بعید نہیں کہ یہ لوگ تمہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: تم لات بُت کی شرمگاہ چوسو، کیا ہم لوگ نبی کریم ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ عُروہ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: ابوبکر۔ عُروہ نے کہا: اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم نے مجھ پر ایک احسان نہ کیا ہوتا جس کا میں نے تمہیں کوئی بدلہ نہیں دیا ہے، تو میں تمہیں جواب دیتا۔ راوی کہتے ہیں: پھر نبی کریم ﷺ اُس سے وہی باتیں کہنے لگے جو آپ ﷺ نے بُدیل بن ورقاء سے کہی تھیں، اور آپ ﷺ جب بھی کوئی لفظ اپنی زبان سے ادا کرتے تو عُروہ آپ ﷺ کی داڑھی پکڑ لیتا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تلوار لیے آپ ﷺ کے سر پر کھڑے تھے، اور سر پر خود پہنے ہوئے تھے۔ جب بھی عُروہ اپنا ہاتھ نبی کریم ﷺ کی داڑھی کی طرف بڑھاتا مغیرہ رضی اللہ عنہ اس کے ہاتھ پر تلوار کے دستہ سے مارتے اور کہتے: اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی سے الگ رکھو۔

ایک روایت میں ہے، مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے: اپنا ہاتھ الگ رکھو، ورنہ تمہارا ہاتھ دوبارہ تمہاری طرف واپس نہیں جائے گا، اور مغیرہ اپنی تلوار اپنی گردن میں لٹکائے ہوئے تھے، عُروہ نے اپنا سر اٹھایا اور پوچھا: یہ کون ہے؟ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مغیرہ بن شعبہ۔ عُروہ نے کہا: اے دھوکہ باز، کیا میں تمہاری دھوکہ دہی کے نتیجہ سے تمہیں بچانے کی کوشش نہیں کرتا رہا ہوں؟ مغیرہ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگوں کے ساتھ سفر میں تھے۔ انہوں نے ان سب کو قتل کر دیا، اور اُن کے مال واسباب لے کر بھاگ آئے، اور اسلام قبول کر لیا، نبی کریم ﷺ نے اُن سے کہا: تمہارا اسلام قبول کرتا ہوں۔ البتہ اس مال سے مجھے کوئی مطلب نہیں۔

عُروہ صحابہ رسول کو بغور دیکھتا رہا، اُس نے دیکھا کہ اگر رسول کریم ﷺ اپنے منہ کا بلغم پھینکتے ہیں تو وہ کسی صحابی کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اور صحابی اسے اپنے چہرہ اور اپنے بدن پر مل لیتے ہیں، اور رسول کریم ﷺ اگر انہیں کوئی حکم دیتے ہیں تو سب اسے بجالانے کے لیے دوڑ پڑتے ہیں، اور آپ ﷺ وضو کرتے ہیں تو اس پانی کو حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی انتہائی کوشش کرتے ہیں، اور آپ ﷺ کے نزدیک پست آواز میں بات کرتے ہیں، اور غایت تعظیم میں آپ ﷺ کو نظر بھر کر نہیں دیکھتے ہیں۔

عُروہ قریش کے پاس واپس آیا اور اُن سے کہا: لوگو! میں بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں، میں نے قیصر وکسریٰ اور نجاشی سے ملاقات کی ہے اللہ کی قسم! میں نے آج تک کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کے ماننے والے اس سے ایسی محبت

کرتے ہوں جیسی محمد (ﷺ) کے ساتھی محمد (ﷺ) سے کرتے ہیں، اللہ کی قسم! وہ منہ کا بلغم بھی پھینکتا ہے تو وہ اُن میں سے ایک کے ہاتھ میں گرتا ہے جسے وہ اپنے چہرہ اور بدن پر مل لیتا ہے۔ اور وہ انھیں کوئی حکم دیتا ہے تو سب یک بارگی اس کی تعمیل کے لیے دوڑ پڑتے ہیں، اور وہ وضو کرتا ہے تو اس پانی کو حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت کرنے کی انتہائی کوشش کرتے ہیں، اور وہ بات کرتا ہے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں، اور اس کی تعظیم میں اسے نظر بھر کر نہیں دیکھتے، اس لیے اُس نے مفاہمت کی جو اچھی شکل پیش کی ہے اسے تم لوگ قبول کر لو۔ ❶

مِکرز بن حفص نمائندۂ قریش:

اہلِ قریش کو بُدیل اور عُروہ کی بات سے اطمینان نہیں ہوا تو انہوں نے مِکرز بن حفص بن الأخیف کو بھیجا، اس آدمی پر جب رسول اللہ ﷺ کی نظر پڑی تو فرمایا کہ یہ شخص دھوکہ باز ہے، اور اس سے بھی آپ ﷺ نے وہی بات کہی جو بُدیل وعُروہ سے کہی تھی۔ پھر وہ قریش کے پاس واپس چلا گیا۔

حُلیس بن علقمہ نمائندۂ قریش:

تب قریش نے ایک تیسرا نمائندہ بھیجا جس کا نام حُلیس بن علقمہ تھا، اور جو احابیش (قریش، کنانہ اور خزاعہ کے وہ لوگ جنھوں نے مکہ کے حُبشی نامی پہاڑ کے پاس جمع ہو کر آپس میں اور قریش کے ساتھ تحالف وتعاون کا معاہدہ کیا تھا) کا سردار تھا۔ جب رسول کریم ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا: یہ شخص ایک ایسی قوم کا فرد ہے جو ہدی کے جانور کی تعظیم کرتی ہے، اس لیے تم لوگ اس کے سامنے ہدی کا جانور پیش کر دو تا کہ وہ دیکھ لے، صحابہؓ نے ایسا ہی کیا اور اسے دیکھ کر تلبیہ پکارنے لگے۔

صحابہ کرام ﷺ چونکہ پندرہ دن سے اسی حال میں تھے، اُن کے جسموں کی بو بدل گئی تھی، اور اُن کے بال غبار آلود اور آپس میں چپک گئے تھے، حُلیس نے اُن کا یہ حال دیکھ کر نبی کریم ﷺ سے ملنے کی ضرورت نہیں محسوس کی، اور یہ کہتا ہوا لوٹ گیا: اِن لوگوں کو خانۂ کعبہ کے طواف سے روکنا کسی طرح مناسب نہیں ہے، کیا یہ مناسب ہے کہ قبائل لخم وجذام اور حمیر تو حج کریں، اور ابن عبدالمطلب خانۂ کعبہ سے روک دیے جائیں؟! کعبہ کے رب کی قسم! قریش کے لوگ ہلاک ہو گئے، یہ مسلمان عمرہ کے لیے آئے ہیں۔

اُس نے قریش والوں سے جا کر کہا: میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ جنھیں روکنا کسی طرح جائز نہیں، میں نے ہدی (قربانی) کے جانوروں کی گردنوں میں پٹے دیکھے ہیں جو اپنے ذبح ہونے کی جگہ پر پہنچنے سے روک دیے جانے کے سبب اپنے بالوں کو کھا چکے ہیں، اور اُن لوگوں کے جسموں کی بُو بدل چکی ہے، اور اُن کے بالوں اور کپڑوں میں جوئیں پڑ چکی ہیں، اور وہ صرف خانۂ کعبہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم نے تمہارے ساتھ اس پر معاہدہ نہیں کیا تھا کہ تم اُن لوگوں کو خانۂ کعبہ تک آنے سے روک دو جو اس کی تعظیم کرتے ہیں، اور اس کا حق ادا کرنا چاہتے ہیں، اور ہدی کے جانوروں کو ان کے ذبح ہونے کی جگہ پہنچنے سے روک دو، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم ان کا راستہ چھوڑ دو ورنہ

❶ اسے بزار نے روایت کیا ہے، دیکھیے: کشف الأستار: (۱۸۱۲)، ہیثمی نے مجمع (۶/۱۴۳) میں کہا ہے: اسے بزار نے روایت کیا ہے، اور اس کے رجال ثقات ہیں۔

میں تمام احابیش (مختلف لا تواح فوجی) کے ساتھ تم لوگوں سے الگ ہو جاؤں گا۔

قریش نے جب حلیس کی یہ بات سنی تو اس سے کہا: بیٹھ جاؤ، تم دیہاتی ہو، تمھیں معلوم نہیں کہ سازشیں کس طرح رچی جاتی ہیں۔ جو کچھ تم دیکھ کر آئے ہو وہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کی سازش ہے۔ تم خاموش بیٹھے رہو تا کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق کوئی کارروائی کر سکیں۔

<u>خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ نمائندہ رسول اللہ ﷺ:</u>

رسول کریم ﷺ نے قریش کے پاس اپنے مبعوث خاص خراش بن امیہ خزاعیؓ کو معاہدۂ صلح کی بات مکمل کرنے کے لیے پہلے ہی بھیج دیا تھا تا کہ حالات نبی کریم ﷺ کی خواہش کے خلاف رُخ نہ اختیار کر لیں، اس کام کے لیے آپ ﷺ نے خراش کو ثعلب نامی اونٹنی پر سوار کیا تا کہ وہ زعمائے قریش کو یہ پیغام پہنچائیں کہ رسول کریم ﷺ صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں۔ خراش رضی اللہ عنہ جب مکہ پہنچے تو عکرمہ بن ابو جہل نے ان کی اونٹنی کا پاؤں کاٹ دیا، اور قریش نے خراش رضی اللہ عنہ کو بھی قتل کرنا چاہا، لیکن احابیش نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا، اور خراش رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آ گئے۔

<u>عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نمائندہ رسول کریم ﷺ:</u>

خراشؓ جب واپس آ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجنا چاہا، عمرؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے بارے میں قریش سے ڈرتا ہوں، وہاں بنی عدی کا کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو مجھے اُن سے بچا سکے اور قریش کو میری اُن سے شدید عداوت کی پوری خبر ہے۔ میں آپ کو ایک ایسا آدمی بتاتا ہوں جو قریشیوں کے نزدیک مجھ سے زیادہ معزز ہے، وہ ہیں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔

چنانچہ آپ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا، اور انہیں قریش کے پاس بھیجا اور فرمایا: آپ اُن سے کہیے کہ ہم جنگ کے لیے نہیں آئے ہیں ہم تو صرف عمرہ کی نیت سے آئے ہیں، اور آپ انہیں اسلام کی دعوت دیجیے۔ رسول کریم ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ مکہ میں موجود مسلمان مردوں اور عورتوں سے ملیں اور انہیں فتح مکہ کی خوشخبری دیں اور بتائیں کہ اللہ عزوجل عنقریب ہی مکہ میں اپنے دین کو غالب کرنے والا ہے تا کہ وہاں کسی مومن مرد یا عورت کو اپنا ایمان چھپانے کی ضرورت باقی نہ رہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے، اور مقام بلدح میں قریش کے پاس سے گزرے، انہوں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے تا کہ تمھیں اللہ اور دین اسلام کی طرف بلاؤں، اور تمھیں خبر دوں کہ ہم جنگ کے لیے نہیں آئے ہیں، ہم تو عمرہ کی نیت سے آئے ہیں۔

قریش نے کہا: ہم نے تمہاری بات سُن لی، اب تم اپنا کام کرو، اور ابان بن سعید بن العاص نے اُٹھ کر عثمانؓ کا استقبال کیا، اپنے گھوڑے کی زین درست کی، اور عثمان رضی اللہ عنہ کو اس پر سوار کیا، انہیں پناہ دی، اور اپنے پیچھے بیٹھا کر مکہ لے آیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ وہاں ابو سفیان اور دیگر عظمائے قریش سے ملے، اور انہیں رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے عثمانؓ سے کہا: اگر تم چاہو تو خانہ کعبہ کا طواف کر لو۔ عثمانؓ نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ سے پہلے طواف نہیں کر سکتا۔ عثمانؓ اور قریش کے

درمیان دیر تک گفت وشنید ہوتی رہی، اور عثمان رضی اللہ عنہ اس دوران میں اُن لوگوں سے رابطہ کرتے رہے جن کے گھروں میں خفیہ طور پر اسلام پھیل چکا تھا، قریش نے کہا کہ عثمان کا یہ رویہ حد سے تجاوز ہے، اور عثمان کو آئندہ ایسا کرنے سے روک دیا، بلکہ انہیں محبوس کرنے کا حکم دے دیا، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس جانے سے روک دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ قریش نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے۔ ❶

بیعت رضوان:

اس خبر کے ملتے ہی آپ ﷺ نے فرمایا: ہم اس جگہ سے واپس نہیں جائیں گے جب تک قریش سے نہ نمٹ لیں، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مشرکین مکہ سے جنگ کرنے کے لیے بیعت کی دعوت دی، جس کا نام "بیعۃ الرضوان" پڑ گیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ [الفتح: ۱۸]

"یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا، جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، پس وہ جان گیا اس اخلاص کو جو اُن کے دلوں میں تھا، اس لیے اُن پر سکون و اطمینان نازل کیا، اور بطور جزا ایک قریبی فتح سے نوازا۔"

صحابہ رضوان اللہ علیہم نے اس کی تفصیلات اُن سے مروی احادیث میں بیان فرمائی ہیں۔

معقل بن یسار رضی اللہ عنہ اور درخت کی ڈالیاں:

امام احمد اور امام مسلم نے معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ جب لوگوں سے بیعت لے رہے تھے تو میں اُس درخت کی ایک ڈالی آپ کے سر سے اوپر اُٹھائے ہوئے تھا جس کے سایہ تلے آپ بیعت لے رہے تھے، اور ہماری تعداد چودہ سو (۱۴۰۰) تھی، ہم نے آپ سے بیعت موت پر نہیں کی، بلکہ اس پر کی کہ ہم بھاگیں گے نہیں۔ ❷

جس نے سب سے پہلے بیعت کی:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الاصابہ" میں بحوالہ مستدرک حاکم شعبی رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے ابوسنان عبداللہ بن وہب اسدی نے بیعت کی، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اپنا ہاتھ دیجیے تا کہ میں بیعت کروں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کس بات پر؟ انہوں نے کہا: اس بات پر جو میرے دل میں ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا فتح وشہادت پر؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ تو آپ نے اُن سے بیعت لے لی۔ پھر سب لوگ ابوسنان رضی اللہ عنہ کی بیعت کے مطابق آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ ❸

---

❶ مسند احمد: (٤/ ٣٢٣- ٣٢٦)، طبقات ابن سعد: ٢/ ٩٦، ٩٧، ابن هشام: ٢/ ٣٠٨- ٣١٥، زاد المعاد: ٣/ ٢٢٤-٢٢٧.

❷ صحيح مسلم، الإمارة، حديث: (٧٦)، مسند احمد بحواله الفتح الرباني: ٢١/ ١٠٦.

❸ الإصابة: ٤/ ١٩٥، رقم ترجمه: ٥٧١، دلائل البيهقي: ٤/ ١٣٧.

سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے تین بار بیعت کی:

امام بخاری و مسلم اور دیگر محدثین رحمہم اللہ نے سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں درخت کی جڑ کے نزدیک بیعت کے لیے بلایا، تو میں نے سب سے پہلے بیعت کی، پھر لوگ مسلسل بیعت کرتے رہے، یہاں تک کہ جب تقریباً آدھے لوگوں نے بیعت کر لی، تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے سلمہ! بیعت کرو، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے تو سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر کرلو، اور رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے، تو آپ ﷺ نے مجھے ڈھال کا ایک چمڑا دیا، اور مجھ سے بیعت کر لی۔ پھر لوگوں کی بیعت لیتے رہے، یہاں تک کہ جب چند افراد باقی رہ گئے تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے سلمہ! کیا تم بیعت نہیں کرو گے؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے تو آپ سے دوبار بیعت کر لی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر کرلو، چنانچہ میں نے تیسری بار بیعت کی، آپؐ نے پوچھا: ڈھال کا وہ چمڑا کہاں ہے جو میں نے تمہیں دیا تھا؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے عامر کو دیکھا کہ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا تو اسے دے دیا، رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے اور فرمایا: تمہاری مثال اس آدمی کی ہے جس نے کہا: اے اللہ! مجھے ایک ایسا دوست اور حبیب عطا فرما جو مجھے میری ذات سے زیادہ محبوب ہو۔ ❶

جد بن قیس نے بیعت نہیں کی:

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن ہماری تعداد چودہ سو (۱۴۰۰) تھی، تمام صحابہ نے بیعت کی، اور عمر رضی اللہ عنہ درخت کے نیچے آپ ﷺ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے، اور وہ ببول کا درخت تھا، جد بن قیس کے سوا سب نے بیعت کی، وہ اپنی اونٹنی کے پیٹ کے نیچے چھپ گیا تھا۔ ❷

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیعت کی:

نافع ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ حدیبیہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ درخت کے سایہ میں تھے۔ صحابہ آپ ﷺ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ عمرؓ نے کہا: اے عبداللہ! دیکھو تو سہی، کیا بات ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو گھیرے ہوئے ہیں، عبداللہؓ نے دیکھا کہ لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں، انہوں نے بیعت کی، پھر اپنے والد عمرؓ کے پاس آئے اور بتایا کہ لوگ بیعت کر رہے ہیں، تو عمرؓ نکلے اور جا کر بیعت کی۔ ❸

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ درخت کے نیچے لوگوں سے بیعت لے رہے تھے اور عمرؓ کو خبر نہیں تھی، عبداللہ بن عمرؓ نے بیعت کی، پھر جا کر عمرؓ کو خبر کی کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں۔ عمرؓ تیزی میں آپ ﷺ کے پاس گئے اور بیعت کی۔ اور صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ کی روایت سے ثابت ہے کہ عمرؓ بیعت کے وقت

---

❶ صحيح البخاري، الشركة، حديث: (٢٤٨٤، ٢٩٨٢)، صحيح مسلم، اللقطة، حديث: (١٧٢٩).

❷ صحيح مسلم، الإمارة، حديث: (١٨٥٦).

❸ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤١٨٦).

درخت کے نیچے آپ ﷺ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔ یعنی جب انہیں بیعت کا علم ہوا تو فوراً آ کر بیعت کی اور رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ تھام لیا تاکہ بیعت کے وقت آپ ﷺ کی مدد کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے لیے خود بیعت کی:

عثمان رضی اللہ عنہ چونکہ قریش کے پاس محبوس تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اُن کی طرف سے خود بیعت کی اور فرمایا: عثمان اللہ اور اس کے رسول کے کام سے گئے ہیں، اس لیے اُن کی طرف سے میں بیعت کرتا ہوں، اور اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر مار کر فرمایا: یہ عثمان کی بیعت ہے۔

عثمان بن وہب نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: بیعت الرضوان سے عثمانؓ کی غیر حاضری کے بارے میں عرض ہے کہ اگر وادیٔ مکہ میں عثمان بن عفانؓ سے کوئی آدمی زیادہ معزز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اسی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجتے، آپ ﷺ نے عثمانؓ کو جب مکہ روانہ کردیا تب بیعت الرضوان واقع ہوئی، اسی لیے آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کے بارے میں فرمایا: یہ عثمان کا ہاتھ ہے، اور اسے اپنے دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا: یہ عثمان کی بیعت ہے۔ [1]

عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کس بات کی تھی؟

حدیبیہ کے دن صحابہ کرام کی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کس بات کے لیے تھی، اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے سلمہ بن الاکوعؓ سے روایت کی ہے کہ صحابہ نے موت پر بیعت کی تھی، اور امام مسلمؒ اور ترمذیؒ نے جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے کہ سب نے اس بات پر بیعت کی تھی کہ وہ میدانِ جنگ سے فرار نہیں اختیار کریں گے، موت پر بیعت نہیں کی تھی۔ اور بخاری نے نافع کے ذریعہ ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے صبر کرنے کی بیعت کی تھی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ان اقوال کے درمیان توافق پیدا کرنے کی یوں کوشش کی ہے کہ بیعت مطلق اور عام تھی، اور موت پر اور عدمِ فرار پر بیعت کے درمیان کوئی تعارض نہیں پایا جاتا، اس لیے کہ موت پر بیعت سے مراد یہی تو ہے کہ وہ میدانِ جنگ سے ہرگز فرار نہیں اختیار کریں گے چاہے اُن کی موت آجائے، یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ مر جانا ضروری ہے، اور نافع نے اسی کا انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ صحابہ نے صبر کرنے کی بیعت کی تھی۔ یعنی ثابت قدمی، استقامت اور نہ بھاگنے کی، چاہے یہ عمل انہیں موت تک پہنچا دے۔ واللہ اعلم۔ [2]

اصحابِ بیعت رضوان اہلِ زمین میں سب سے اچھے تھے:

صحابۂ رسول کریم ﷺ پوری قوت اور جذبۂ کامل کے ساتھ بیعت کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے رہے، اور برضا و رغبت انہوں نے اپنی جانوں کو اللہ کے ہاتھ بیچ دیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوگیا، اور اُن کے بارے میں قرآن میں نازل فرمایا:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ

---

[1] صحیح البخاري، المغازي، حديث: (٤٠٦٦)، الترمذي، حديث: (٣٧٠٦)، مسند احمد: ١/ ٥٩.

[2] فتح الباري: ٦/ ١١٨، كتاب الجهاد، باب البيعة في الحرب على أن لا يفروا.

عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝﴾

[الفتح:۱۸-۱۹]

''یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا، جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، پس وہ جان گیا اس اخلاص کو جو اُن کے دلوں میں تھا، اس لیے اُن پر سکون واطمینان نازل کیا، اور بطور جزا ایک قریبی فتح سے نوازا، اور بہت سے اموالِ غنیمت جنہیں وہ حاصل کریں گے، اور اللہ زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے اُن کے اس تاریخی موقف وکردار اور بیعت کرنے میں تیزی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: تم لوگ اہلِ زمین میں سب سے اچھے ہو۔ ❶ اور فرمایا: جن لوگوں نے درخت کے نیچے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے، ان شاء اللہ اُن میں سے کوئی آگ میں داخل نہیں ہوگا۔ ❷

قریش کا نمائندہ سہیل بن عمرو نبی کریم ﷺ کے پاس:

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیعت مکمل ہونے کے بعد واپس آئے، اور آپ ﷺ کو خبر دی کہ قریش کے دل میں اب کوئی شک و شبہ نہیں کہ رسول کریم ﷺ اور اُن کے صحابہ کرام مکہ مکرمہ صرف بیت اللہ کی تعظیم کے لیے آئے ہیں، لیکن اس سال وہ انہیں مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے، تاکہ عرب کے لوگ یہ نہ کہیں کہ قریش مسلمانوں کی دھمکی سے شکست کھا گئے ہیں، لیکن انہوں نے اس پر بھی خوب غور کرلیا ہے کہ انہیں اپنے کبر وغرور پر اصرار نہیں کرنا چاہیے، اور اپنی بعض اُن شروط سے تنازل اختیار کرلینا چاہیے جو جنگ کا باعث بن سکتی ہیں، جس کی اب فی الواقع اہلِ مکہ میں طاقت نہیں ہے۔ اور خاص طور پر اس خبر کے پھیل جانے کے بعد کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر موت یا شہادت کی بیعت کرلی ہے، ان کے اندر رعب داخل ہوگیا ہے اور ڈر گئے ہیں۔ اسی لیے قریش نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ بنی عامر بن لوی کے سہیل بن عمرو کو اپنا قاصد بنا کر بھیجیں۔ قریشیوں نے اس سے کہا کہ تم محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ، اور اس سے صلح کی بات کرو، اور اس میں یہ شرط رکھو کہ وہ اس سال واپس چلا جائے، ورنہ اللہ کی قسم! عرب کے لوگ ہمیشہ یہ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) مکہ میں طاقت کے بل پر داخل ہوگیا تھا۔ سہیل کے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے قریش کے نمائندہ کی حیثیت سے مکرز بن حفص آیا تھا جو ابھی بات کر ہی رہا تھا کہ سہیل پہنچ گیا۔ رسول کریم ﷺ نے اسے دیکھتے ہی صحابہ کرام سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارا معاملہ آسان کردیا، سہیل نے کہا: تم اپنے اور ہمارے درمیان ایک معاہدہ نامہ لکھ دو، تو نبی کریم ﷺ نے کاتب کو بلایا۔ ❸

مشرکین کا مسلمانوں پر اچانک حملہ کا ارادہ:

رسول اللہ ﷺ جب سہیل بن عمرو کے ساتھ صلح کی بات مکمل کر رہے تھے، تو مشرک جوانوں کے ایک گروپ نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی مشغولیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں پر اچانک حملہ کرنا چاہا، انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت

---

❶ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤١٥٤).

❷ صحيح مسلم، فضائل الصحابة، حديث: (٢٤٩٦).

❸ صحيح البخاري، المغازي، احاديث: (٤١٧٨، ٤١٧٩، ٤١٨٠، ٤١٨١)، ابوداؤد، الجهاد، حديث: (٢٧٦٥).

کرتے ہیں کہ مکہ کے اسّی (۸۰) جوانوں نے ہتھیاروں سے لیس ہو کر جبل تنعیم کی طرف سے اچانک رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ جانا چاہا تا کہ دھوکہ دے کر رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام پر حملہ کر دیں، لیکن وہ پکڑ لیے گئے، تو آپ ﷺ نے انہیں قتل نہیں کیا، اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴾ [الفتح: ۲٤]

''اور اسی اللہ نے وادیٔ مکہ میں اُن کے ہاتھ تم سے روک دیے، اور تمہارے ہاتھ اُن سے روک دیے، اِس کے بعد کہ اُس نے تمہیں اُن پر غالب بنا دیا تھا۔''

مسند احمد میں مروی عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ یہ واقعہ اس وقت رونما ہوا جب رسول اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو کے درمیان صلح نامہ لکھا جا رہا تھا۔ اور اللہ کے رسول ﷺ نے حملہ کرنے والوں پر بددعا کر دی تو اللہ نے ان کی آنکھوں کی بصارت چھین لی، اور مسلمانوں نے ان پر قبضہ کر لیا، اور وہ قریش کے تیس جوان تھے، پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا۔

عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مقامِ حدیبیہ پر اس درخت کے نیچے تھے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے، اور اس درخت کی شاخیں رسول اللہ ﷺ کی پیٹھ سے لگ رہی تھیں، اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور سہیل بن عمرو آپ ﷺ کے سامنے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لکھو، یہ وہ عہد نامہ ہے جس کے مطابق محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے صلح کی ہے، اور میں اللہ کا رسول ہوں، علی رضی اللہ عنہ نے لکھ لیا، اور ہم ابھی اسی حال میں تھے کہ اچانک قریش کے تیس (۳۰) جوان ہتھیاروں کے ساتھ ہمارے سامنے آ گئے، اور ہم پر حملہ کرنا چاہا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان پر بددعا کر دی، اور اللہ نے ان کی بصارت چھین لی، تو ہم نے انہیں قید کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: کیا تم کسی کے عہد اور ذمہ میں یہاں آئے ہو؟ اور کیا کسی نے تمہیں امان دی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، تو آپ ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا، اور اللہ نے آیت: ﴿ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ ...... الخ ﴾ نازل فرمائی۔

حملہ آور قریشیوں کی تعداد میں اختلاف کسی راوی کی غلطی ہو سکتی ہے، ان کی صحیح تعداد اسّی (۸۰) تھی، لیکن چونکہ وہ مسلمانوں کے پڑاؤ کی جگہ پر بکھر گئے تھے، اس لیے جس نے ان کی تعداد تیس (۳۰) بتائی ہے، انہوں نے باقی حملہ آوروں کو نہیں دیکھا تھا، اور غالب گمان یہی ہے کہ یہ کسی راوی کی غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔

قیدیوں کا تبادلہ:

جب سہیل نے دیکھا کہ قریشی جوانوں کی ایک بڑی تعداد مسلمانوں کے ہاتھوں میں قیدی بن گئی ہے (جو یقیناً اللہ کی حکمت و مصلحت تھی تا کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور دس مہاجرین کو آزاد کرایا جا سکے) تو اس نے کہا: اے محمد (ﷺ)! جن جوانوں کو تمہارے ساتھیوں نے قیدی بنا لیا ہے، وہ کسی جنگ کا نتیجہ نہیں تھا، اور نہ اُن کی یہ حرکت ہمارے اصحابِ عقل و خرد کی رائے تھی، بلکہ ہم نے اُن کے اس کرتوت کو بُرا جانا ہے، ہمیں اس کی خبر پہلے سے نہیں تھی، ہمارے نادانوں کی حرکت تھی، اس

لیے ہمارے ان تمام لوگوں کو ہمارے پاس پہنچا دو جنہیں پہلی اور دوسری بار قید کر لیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں انہیں نہیں چھوڑ سکتا جب تک تم لوگ میرے ساتھیوں کو نہ چھوڑ دو گے، سہیل بن عمرو نے کہا: تم نے ہمارے ساتھ انصاف کیا ہے۔

سہیل بن عمرو اور اس کے قریشی ساتھیوں نے شتیم بن عبد مناف تیمی کو اپنا نمائندہ بنا کر مکہ بھیجا جس کی بات سُن کر قریش نے عثمان بن عفانؓ اور دس مہاجرین کو چھوڑ دیا، اور رسول اللہ ﷺ نے قریشی قیدیوں کو چھوڑ دیا۔

صلح کی شرطیں:

سہیل نے صلح کی وہ شرطیں پیش کیں جو وہ قریش کی جانب سے لے کر آیا تھا۔ وہ شرطیں مسند احمد میں مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما کی احادیث میں اسی طرح ابن اسحاق کی روایت سے سیرت ابن ہشام میں بھی مذکور ہیں، اور دیگر متعدد صحیح احادیث میں بھی متفرق طور پر موجود ہیں۔ وہ شرطیں مندرجہ ذیل تھیں:

۱: دس سال کے لیے جنگ بندی، تا کہ اس مدت میں لوگ امن کی زندگی گزاریں، اور کوئی کسی پر حملہ نہ کرے۔

۲: رسول اللہ ﷺ کے پاس کافروں میں سے جو کوئی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر آئے گا، رسول اللہ ﷺ اسے واپس کر دیں گے، اور قریش کے پاس مسلمانوں میں سے جو کوئی چلا جائے گا اسے قریش واپس نہیں کریں گے۔ اور جانبین کے دل اور سینے کینہ اور دھوکہ دہی سے پاک رہیں گے، اور صلح نامہ کی پابندی کریں گے، اور طرفین کے درمیان نہ کوئی خفیہ سازش ہوگی، نہ ہی بغض و کینہ۔

۳: جو کوئی محمد (ﷺ) کے ساتھ عہد نامہ میں شامل ہونا چاہے گا، شامل ہوگا، اور جو کوئی قریش کے ساتھ شامل ہونا چاہے گا، شامل ہوگا۔

۴: رسول اللہ ﷺ اس سال واپس چلے جائیں گے، مکہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ آئندہ سال قریش کے لوگ مکہ سے نکل جائیں گے، تب رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے، وہاں تین دن قیام کریں گے، اور اُن کے ساتھ سواروں کا ہتھیار ہوگا، اور اپنی تلواروں کو میانوں میں رکھے بغیر مکہ میں داخل نہیں ہوں گے۔

سہیل نے یہ شرطیں پیش کیں، اور مسلمان رسول اللہ ﷺ کے چاروں طرف سے انہیں سُن رہے تھے۔ بعض صحابہ انہیں سن کر کبیدہ خاطر ہوئے، رسول اللہ ﷺ قریشیوں کے لیے نرمی کا اظہار کر رہے تھے، اور ان شرطوں کی منظوری دیئے جا رہے تھے، اور صحابہ سراپا وحشت و حیرت بنے ہوئے تھے، اور اگر انہیں رسول کریم ﷺ پر مکمل اعتماد اور بھروسہ نہ ہوتا تو ان شرطوں کا انکار کر دیتے، اور مکہ میں داخل ہونے کے لیے قریش سے جنگ کرتے۔

شرطوں سے متعلق بعض صحابہ کی رائے:

صلح کی شرطوں کے بارے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی رائے سخت تھی، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم حق پر اور قریش باطل پر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے کہا: کیا ہمارے مقتولین جنت میں، اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، انہوں نے کہا: پھر ہم اپنے دین کے معاملے میں کم تر پر کیوں راضی ہو جائیں، اور واپس چلے جائیں؟ حالانکہ اللہ نے ابھی ہمارے اور اُن کے درمیان فیصلہ نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے

ابن خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں، اور اللہ تعالیٰ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے غصہ کی حالت میں چل پڑے، اور ابوبکرؓ کے پاس آئے، اور اُن سے کہا: اے ابوبکر! کیا ہم حق پر اور کفارِ قریش باطل پر نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ پھر کہا: کیا ہمارے مقتولین جنت میں، اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہوں گے؟ انہوں نے کہا: ہاں، پھر کہا: پھر ہم اپنے دین کے معاملہ میں کم تر پر کیوں راضی ہو جائیں اور واپس چلے جائیں، اور ابھی تک اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور اُن کے درمیان کوئی فیصلہ بھی نہیں کیا ہے؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابن خطاب! وہ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ انہیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ پر فتح کے بارے میں قرآن نازل ہوا۔ تو آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، آپ ﷺ نے انہیں وہ آیت سنائی۔ عمرؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ فتح ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ یہ سن کر عمرؓ کا دل مطمئن ہو گیا اور اپنی جگہ پر لوٹ گئے۔ صلح کی سب سے سخت شرط یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ اُن مسلمانوں کو قریش کے پاس لوٹا دیں گے جو اس صلح کے بعد مسلمان ہو کر آئیں گے، ❶ اور قریش اُن لوگوں کو نہیں لوٹائیں گے جو مرتد ہو کر ان کے پاس چلے جائیں گے۔ اس ظالمانہ شرط سے مسلمانوں کے دلوں کو بڑی چوٹ لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئے گا، ہم انہیں قریش کے پاس لوٹا دیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کے لیے عنقریب آسانی پیدا کرے گا اور راستہ نکال دے گا، اور ہم میں سے جو مرتد ہو کر اُن کے پاس چلا جائے گا، اُسے اللہ ہم سے دور کر دے گا۔

سیدنا عمر نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں استفسار کیا کہ کافروں نے مسلمانوں کو خانہ کعبہ کے طواف سے روک دیا ہے، حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو اپنا خواب سنایا تھا کہ وہ عنقریب ہی پورے امن و سکون کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کریں گے، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ ایسا اسی سال ہو گا؟ یہ سن کر مسلمانوں کے دل مطمئن ہو گئے، اور اُن پر راحت و سکونت غالب آ گئی۔

صلح نامہ کی کتابت:

جب دونوں فریق صلح کی شرطوں پر متفق ہو گئے، تو نبی کریم ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سہیل نے کہا: میں ''رحمان'' کو نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے۔ اس لیے لکھو: ((بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ)) جیسا کہ تم پہلے لکھا کرتے تھے، مسلمانوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی لکھیں گے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لکھو: ((بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ)) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر ''محمد رسول اللہ'' (ﷺ) نے اتفاق کیا ہے۔ تو سہیل نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم جانتے کہ تم اللہ کے رسول ہو تو تمہیں اللہ کے گھر سے نہیں روکتے اور نہ تم سے جنگ کرتے۔ اس لیے ''محمد بن عبداللہ'' لکھو۔ نبی کریم ﷺ نے علیؓ سے فرمایا: ''رسول اللہ'' کو مٹا دو۔ علیؓ نے کہا: میں اپنے ہاتھ سے ان کلمات کو نہیں مٹاؤں گا۔ تو نبی کریم ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ زہریؒ کہتے ہیں: آپ ﷺ نے ایسا اپنے اس سابقہ قول کے مطابق کیا کہ وہ مجھ سے ایسی کسی بات کا بھی مطالبہ کریں گے جس میں اللہ

❶ صحيح البخاري، كتاب الجزية، حديث: (٣١٨٢)؛ صحيح مسلم، الجهاد، حديث: (١٧٨٥)؛ مسند احمد: ٣/ ٤٨٦.

کی حرمتوں کی تعظیم ہوگی، اسے میں قبول کروں گا۔

نبی کریم ﷺ نے سہیل سے کہا: میری شرط یہ ہے کہ تم لوگ ہمارے اور خانہ کعبہ کے درمیان رُکاوٹ نہ بنو تا کہ ہم اس کا طواف کریں۔ سہیل نے کہا: ہم نہیں چاہتے کہ عرب کے لوگ کہیں کہ ہم پر دباؤ ڈال کر یہ شرط منظور کرائی گئی ہے۔ اس لیے تم لوگ آئندہ سال خانہ کعبہ کا طواف کرو گے۔ علیؓ نے اسے لکھ لیا۔ سہیل نے کہا: اگر تمہارے پاس ہمارا کوئی آدمی چلا جائے گا تو اُسے تم واپس کردو گے، چاہے وہ تم لوگوں کے دین پر ہوگا۔ مسلمانوں نے کہا: سبحان اللہ! مسلمان ہوگا تو اُسے کیسے واپس کردیا جائے گا، سہیل نے کہا: اور جو کوئی چاہے گا محمد کے ساتھ عہد نامہ میں داخل ہوگا، اور جو کوئی چاہے گا قریش کے ساتھ عہد نامہ میں داخل ہوگا۔ یہ سنتے ہی خزاعہ والوں نے کہا: ہم اس عہد نامہ میں محمد کے ساتھ رہیں گے، اور بنو بکر والوں نے کہا: ہم لوگ قریش کے ساتھ رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے صلح نامہ کی اصل کاپی لے لی۔ پھر اس کی ایک دوسری کاپی تیار کی گئی جسے سہیل بن عمرو نے لے لیا۔

ابو جندل بن سہیل بن عمروؓ مسلمان ہوگئے:

ابو جندلؓ مکہ سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئے، اُس وقت رسول اللہ ﷺ سہیل کے ساتھ صلح نامہ تیار کر رہے تھے۔ مسلمان انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ سہیل نے جب سر اٹھا کر دیکھا تو اس کے سامنے ابو جندلؓ کھڑے تھے۔ وہ کھڑا ہوا اور اُن کے چہرہ پر ایک خاردار ڈالی سے مارا، اور انہیں ان کے گریبان سے پکڑ لیا۔ ابو جندلؓ اونچی آواز سے چیخنے لگے کہ اے مسلمانو! کیا مجھے مشرکوں کے پاس بھیج دیا جائے گا تا کہ وہ میرے دین اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے مجھے قتل کردیں؟ مسلمان ابو جندلؓ کی بات سن کر رونے لگے۔ سہیل نے کہا: اے محمد! یہ تو میری پہلی شرط ہے تمہارے ساتھ، اس لیے اسے لوٹا دو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابھی تک ہم نے عہد نامہ پر دستخط نہیں کیے ہیں۔ سہیل نے کہا: اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ کسی بات پر معاہدہ نہیں کرسکتا جب تک تم اسے واپس نہ کردو گے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ابو جندلؓ کو واپس کردیا اور اُن سے کہا: ابو جندل صبر سے کام لو، اور اللہ سے اجر کی نیت کرلو۔ یقیناً اللہ تمہارے لیے اور تمہارے دیگر مسلمان ساتھیوں کے لیے وسعت پیدا کرے گا، اور کوئی راہ نکالے گا۔ ہم نے مشرکوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرلیا ہے، اور ہم لوگ کسی کو دھوکہ نہیں دیتے۔ ❶

رسول اللہ ﷺ نے قربانی کی، بال منڈایا اور حلال ہوگئے:

رسول اللہ ﷺ جب صلح نامہ کی کتابت و دستخط سے فارغ ہوگئے، تو صحابہ کرام سے فرمایا: مسلمانو! اُٹھو، قربانی کرو، اور بال منڈاؤ۔ راوی کہتے ہیں: اللہ کی قسم! ایک آدمی بھی نہیں اُٹھا، حالانکہ آپ ﷺ نے اپنی بات تین بار دُہرائی۔ جب کوئی نہ اُٹھا، تو آپ ﷺ ام سلمہ ؓ کے پاس گئے اور اُن کو سارا ماجرا سنایا۔ ام سلمہؓ نے کہا: اے اللہ کے نبی! اگر آپ چاہتے ہیں کہ صحابہ آپ کی اس بات پر عمل کریں تو آپ کسی سے بات نہ کریں، بلکہ باہر نکل کر جائیے، اپنی قربانی کیجیے، اور نائی کو بلا کر بال منڈا لیجیے۔ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ جب صحابہ نے آپ کا عمل دیکھا، تو سب لوگ قربانی کرنے لگے، اور ایک

---

❶ صحیح البخاري، کتاب الجزیة، حدیث: (۳۱۸۲)، صحیح مسلم، الجهاد، حدیث: (۱۷۸۵)، مسند احمد: ۳/ ۴۸۶، تفسیر ابن جریر: ۲۶/ ۷۰.

دوسرے کے بال مونڈنے لگے، اور غم کے مارے اُن کا حال یہ تھا کہ قریب تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگتے۔

کچھ مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں نہیں لوٹایا:

صلح نامہ کے لکھے جانے کے بعد وفائے عہد کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے ہر اُس مسلمان مرد کو واپس کر دیا جو آپ ﷺ کے پاس مکہ سے بھاگ کر آیا۔ البتہ مومن عورتوں کو آپ ﷺ نے واپس نہیں کیا۔ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا اُس دن رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں، اُس وقت وہ سن بلوغت کو پہنچ چکی تھیں۔ اُن کے پیچھے اُن کے گھر والے آئے اور رسول اللہ ﷺ سے انہیں لوٹا دینے کو کہا تو آپ ﷺ نے انہیں نہیں لوٹایا، اس لیے کہ اُس وقت مندرجہ ذیل آیت نازل ہو چکی تھی:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَآتُوهُمْ مَا أَنْفَقُوا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْأَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنْفَقُوا ۚ ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ ﴾

[الممتحنہ: ۱۰]

"اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں، تو تم انہیں آزما لیا کرو، اللہ ان کے ایمان خوب جانتا ہے، پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں، تو انہیں کافروں کے پاس واپس نہ بھیجو، وہ مسلمان عورتیں کافروں کے لیے حلال نہیں ہیں، اور نہ وہ کفار مرد اُن مسلمان عورتوں کے لیے حلال ہیں، اور اُن کافروں نے (شادی میں) جو خرچ کیا ہے، انہیں واپس کر دو، اور تمہارے لیے کوئی حرج کی بات نہیں کہ ان عورتوں کو ان کا مہر دے کر ان سے نکاح کر لو، اور تم لوگ اپنی کافر بیویاں اپنے پاس نہ رکھو، اور تم نے (نکاح پر) جو خرچ کیا تھا، اس کا مطالبہ کرو، اور کافروں نے جو خرچ کیا تھا، اس کا وہ مطالبہ کریں، یہ اللہ کا حکم ہے، وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے، اور اللہ بڑا جاننے والا ہے، بڑی حکمتوں والا ہے۔"

چنانچہ اس آیتِ کریمہ کے نازل ہونے کے بعد کوئی بھی ہجرت کی نیت سے آنے والی مسلمان عورت اپنے ولی کے پاس نہیں لوٹائی گئی، اسی لیے کہا اس آیت کے بموجب صلح نامہ کی شرطوں کی تخصیص کے طور پر مسلمان عورتیں مشرکوں پر ہمیشہ کے لیے حرام کر دی گئیں۔ اسلام کا یہ حکم بلاشبہ مسلمان عورتوں کی قدر و منزلت کی قطعی اور واضح دلیل ہے۔

ابو بصیر اور ابو جندل رضی اللہ عنہما کی جماعت:

رسول کریم ﷺ حدیبیہ میں بیس دن قیام کرنے کے بعد جب مدینہ منورہ واپس آ گئے تو ابو بصیر نامی ایک قریشی مسلمان بھاگ کر مدینہ آ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے پیچھے اخنس بن شریق نے بنی عامر بن لؤی کے ایک کافر شخص کو ایک دوسرے آدمی کے ساتھ ایک خط دے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا جس میں وفائے عہد کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے خط پڑھنے کے بعد ابو بصیر کو اُن دونوں کے حوالے کر دیا۔ وہ دونوں انہیں لے کر جب ذوالحلیفہ پہنچے تو اپنی سواری سے اُتر کر

کھجور کھانے لگے۔ ابو بصیرؓ نے اُن میں سے ایک سے کہا: اے فلاں! تمہاری تلوار تو بہت عمدہ قسم کی لگ رہی ہے۔ یہ سُن کر اُس نے اپنی وہ تلوار میان سے نکال کر کہا: ہاں، اللہ کی قسم! یہ بہت ہی عمدہ تلوار ہے۔ میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا ہے۔ ابو بصیر نے کہا: ذرا مجھے دکھلاؤ تو سہی۔ اُس نے وہ تلوار اُن کے ہاتھ میں دے دی۔ انہوں نے فوراً اُس پر وار کر کے اُسے قتل کر دیا۔ یہ دیکھ کر دوسرا شخص بھاگ کھڑا ہوا، اور دوڑتا ہوا مدینہ آیا اور مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا: یہ آدمی نہایت خوفزدہ معلوم ہو رہا ہے۔

اُس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ کر کہا: میرا ساتھی قتل کر دیا گیا، اور اب میں بھی قتل کر دیا جاؤں گا۔ اس کے بعد ابو بصیرؓ آئے اور کہا: اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذمہ داری پوری کر دی ہے، آپ نے مجھے اُن کے پاس لوٹا دیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اُن سے نجات دے دی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ تو جنگ کی آگ بھڑکانے والا ہے۔ ابو بصیرؓ نے جب یہ بات سُنی تو سمجھ گئے کہ رسول اللہ ﷺ دوبارہ انہیں مشرکوں کے پاس لوٹا دیں گے۔ اس لیے فوراً وہاں سے چل پڑے، اور ساحل سمندر پر واقع سیف البحر نامی مقام پر آ گئے جو شام جانے کے لیے قریشیوں کا راستہ تھا۔ اُدھر ابو جندل بن سہیل اپنے رشتہ داروں کے پاس سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے، اور ابو بصیرؓ سے آ ملے۔ اُس کے بعد ایسا ہوا کہ جو کوئی قریشی مسلمان ہوتا، ابو بصیرؓ کے پاس آ جاتا، یہاں تک کہ اُن کی ایک جماعت بن گئی، اور جو بھی قریشی تجارتی قافلہ اس راستہ سے شام جاتا ہوا ملتا، اُس کو روک کر سب کو قتل کر دیتے اور اُن کا مال و اسباب چھین لیتے۔

قریش نے رسول اللہ ﷺ کو اللہ اور رشتہ کا واسطہ دے کر پیغام بھیجا کہ وہ آئندہ اپنے مظلوموں کو واپس نہ کریں، بلکہ ان میں سے جو کوئی آپ ﷺ کے پاس آئے گا وہ امن میں ہوگا۔ آپ ﷺ نے یہ خبر ابو بصیرؓ اور اُن کے ساتھیوں کو بھیج دی۔ اُس وقت اللہ عزوجل نے مندرجہ ذیل آیتیں نازل فرمائیں:

﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٢٤﴾ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَن يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۚ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ لِّيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٢٥﴾ إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ [الفتح: ۲۴-۲۶]

"اور اسی اللہ نے وادیٔ مکہ میں اُن کے ہاتھ تم سے روک دیے، اور تمہارے ہاتھ اُن سے روک دیے، اس کے بعد کہ اُس نے تمہیں اُن پر غالب بنا دیا تھا، اور اللہ تمہارے کام اچھی طرح دیکھ رہا ہے، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا، اور تمہیں مسجد حرام سے روکا، اور قربانی کے جانور اس کی جگہ پر پہنچنے سے روکے، اور اگر (مکہ میں) چند مومن مرد اور چند مومن عورتیں نہ ہوتیں جن کی تمہیں خبر نہ ہونے کی وجہ سے تم انہیں لاعلمی میں روند ڈالتے، تو تمہیں اُن کے بارے میں رنج ہوتا (تو تمہیں لڑائی سے نہ روکا جاتا، اور جنگ اس لیے بھی نہیں ہوئی) تاکہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت (دینِ اسلام) میں داخل کر دے، اگر وہ مسلمان الگ ہوتے تو ہم مکہ کے کافروں کو دردناک عذاب

دیے، جب کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلیت کا تعصب جگایا۔"

مشرکین مکہ کی عصبیت یہ تھی کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کے نبی ہونے کا اقرار نہیں کیا، بسم اللہ الرحمن الرحیم کا اقرار نہیں کیا، اور مسلمانوں اور طواف بیت اللہ کے درمیان رکاوٹ بنے۔ ●

صلح حدیبیہ مسلمانوں کی فتح:

براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: تم لوگ فتح مکہ کو "فتح" کہتے ہو، اور بلاشبہ فتح مکہ اسلام کی "فتح" تھی، اور ہم (صحابہ) حدیبیہ کے دن بیعۃ الرضوان کو "فتح" مانتے ہیں۔ ●

مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم لوگ حدیبیہ کے دن موجود تھے، جب وہاں سے لوٹے تو رسول اللہ ﷺ کو مقام کراع الغمیم کے پاس دیکھا کہ لوگ آپ ﷺ کے گرد جمع تھے، اور آپ ﷺ نے ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝﴾ [سورۃ الفتح: ١] کی تلاوت فرمائی۔ ایک صحابی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کیا یہ فتح ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اللہ کی قسم! یہ فتح ہے۔ ●

اور قتادہ نے روایت کی ہے کہ انس بن مالک نے اُن سے حدیث بیان کی جب حدیبیہ سے واپسی پر آیات کریمات:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ ۗ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ۝﴾ [الفتح: ١-٥]

"اے میرے نبی! ہم نے بے شک آپ کو کھلی اور صریح فتح دی ہے، تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف کر دے، اور اپنی نعمت آپ پر تمام کر دے، اور آپ کو صراط مستقیم پر ڈال دے، اور تاکہ آپ کی زبردست نصرت فرمائے، اسی نے مومنوں کے دلوں میں سکون واطمینان اُتار دیا تھا تاکہ اُن کے ایمان سابق میں مزید ایمان کا اضافہ ہو جائے، اور آسمانوں اور زمین کی فوجیں اللہ ہی کی ہیں، اور اللہ بڑا جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے، تاکہ وہ مومن مردوں اور عورتوں کو اُن جنتوں میں داخل کر دے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہاں وہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے، اور تاکہ وہ ان کے گناہوں کو معاف کر دے، اور یہ اللہ کے نزدیک عظیم کامیابی ہے۔"

نازل ہوئیں، اُس وقت صحابہ کے دل حزن وملال سے بھرے ہوئے تھے، اس لیے رسول کریم ﷺ اور صحابہ نے حدیبیہ میں

● یہ تفصیلات مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کا ایک حصہ ہے جس کی تخریج پہلے ہو چکی ہے۔

● صحیح البخاری، المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ، حدیث: (٤١٥٠، ٤١٥١).

● ابو داؤد، الجهاد، حدیث: (٢٧٣٦)، مستدرك حاکم: ٢/ ٤٥٩، اور کہا ہے: یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ مسند احمد: ٣/ ٤٢٠.

ہی قربانی کردی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو میرے نزدیک دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے زیادہ محبوب ہے۔ ❶

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں براء بن عازبؓ کی مذکور بالا حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ①﴾ میں فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے، اس لیے کہ یہ فتح مبین کی ابتدا تھی، اُن بہتر نتائج کے سبب جو صلح پر مرتب ہوئے، یعنی حصولِ امن، جنگ کا ٹل جانا، اور جو لوگ اسلام میں داخل ہونے اور مدینہ آنے سے ڈرتے تھے، اُن کے لیے حالات کا سازگار ہونا، جیسا کہ خالد بن الولید اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما اور ان جیسے دیگر لوگوں کے ساتھ ہوا۔ پھر فتح مبین کے اسباب یکے بعد دیگرے مہیا ہوتے گئے یہاں تک کہ فتح مکہ کا مرحلہ مکمل ہوگیا۔ ❷

اور ابن اسحاق نے اپنی کتاب المغازی میں زہریؒ سے روایت کی ہے کہ اسلام میں فتح حدیبیہ سے قبل اُس سے بڑی کوئی فتح نہیں تھی، کفر تھا اور اُس سے جنگ تھی، اور اب جب تمام لوگ امن میں آگئے تو لوگ ایک دوسرے کے ساتھ بات کرنے لگے، اور آپس کے مسائل واختلافات سے متعلق کھل کر گفت وشنید کرنے لگے۔ اور جن لوگوں نے اسلام سے متعلق کچھ بھی علم حاصل کرلیا تھا وہ تیزی کے ساتھ اسلام میں داخل ہونے لگے، اور دو سال میں اتنے لوگ مسلمان ہوئے جتنے اب تک ہوئے تھے، یا غالباً اس سے بھی زیادہ۔ ابن ہشام کہتے ہیں: اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیبیہ کے لیے رسول کریم ﷺ کے ساتھ چودہ سو صحابہ گئے تھے، اور صرف دو سال کے بعد فتح مکہ کے لیے آپ ﷺ دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ گئے۔ ❸

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ جنگ بندی عظیم ترین فتوحات میں سے تھی، اس کے نتیجہ میں لوگ اپنے آپ کو امن میں محسوس کرنے لگے، مسلمان کافروں کے ساتھ گھل مل گئے، انہیں اسلام لانے کی دعوت دینے لگے، قرآن کریم پڑھ کر انہیں سنانے لگے، اور علی الاعلان پورے اطمینان کے ساتھ ان سے اسلام کے عقائد واعمال پر بحث ومناظرہ کرنے لگے، اور جو لوگ اب تک اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے، ظاہر ہوگئے، اور اللہ تعالیٰ نے جن کے لیے خیر کا فیصلہ کیا تھا وہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے، اسی لیے اللہ نے اسے فتح مبین سے تعبیر کیا ہے۔ ❹

خلاصۂ کلام:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کی حیثیت اسلام اور مسلمانوں کے لیے فتح مبین کی تھی۔ قریش کے لوگ اپنی مذہبی سیادت اور دنیوی ریاست کے سبب مسلمانوں کے وجود کا اعتراف کرنے کے لیے ذہنی طور پر ہرگز تیار نہیں تھے، اور اس معاہدہ سے پہلے تک اُن کی پوری کوشش رہی کہ وہ اسلام کے وجود کو ختم کردیں، اور اب حال یہ تھا کہ وہ اپنی سیادت وقیادت کو یکسر بھول گئے، اور انہیں اپنی جان بچانے کی فکر دامن گیر ہوگئی، اور حتی المقدور اُن کی کوشش ہونے لگی کہ کفارِ عرب مسلمانوں سے جنگ میں نہ اُلجھیں۔ اس لیے یہ معاہدہ مسلمانوں کے لیے "فتحِ مبین" تھا۔ مسلمانوں نے قریش کے کبر وغرور کا خاتمہ کردیا تھا،

---

❶ صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: (٤١٧٢)، صحيح مسلم، الجهاد، الحديبية: ١٧٨٦.

❷ فتح الباري: ٧/ ٤٤٦.

❸ سيرة ابن هشام: ٢/ ٣٢٢.

❹ زاد المعاد: ٣/ ٦٤٢.

اور دس سال کے لیے انہیں معاہدۂ صلح پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ تمام باتیں اس بات کی قطعی دلیل تھیں کہ قریشوں کا غرور ٹوٹ چکا تھا، اندر سے نہایت کمزور ہو گئے تھے، اور مسلمانوں کے خلاف خونریز جنگوں کی اُن کے اندر طاقت باقی نہیں رہی تھی، اور صلح کی یہ شرط کہ جو کوئی مسلمان ہو کر رسول کریم ﷺ کے پاس آ جائے گا اُسے لوٹا دیا جائے گا، اور اسلام سے برگشتہ ہونے والوں کو مسلمانوں کے پاس نہیں لوٹایا جائے گا، مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہیں، اور جس کے دل میں اسلام کی محبت جاگزیں ہو جائے گی، اس کے بارے میں کوئی اندیشہ نہیں، اللہ اس کا حامی و ناصر ہوگا۔ اور اس کی تصدیق ابو بصیر اور ابو جندل رضی اللہ عنہما کی جماعت اور ان کے حالات سے ہوتی ہے کہ انہوں نے مشرکینِ قریش کا ناطقہ بند کر دیا، اور ان کی زندگی اجیرن بنا دی، یہاں تک کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ اور صلہ رحمی کا واسطہ دے کر رحم کی بھیک مانگنی شروع کر دی، تاکہ رسول اللہ ﷺ اُن مسلمانوں کو واپس نہ کریں جو مکہ سے نکل کر آپ ﷺ کے پاس مدینہ آ جاتے ہیں، تاکہ ابو بصیرؓ کی جماعت دن بہ دن طاقت ور نہ ہوتی جائے، اور قریشیوں کے خلاف ایک دوسرا محاذ نہ کھول دیں۔

واقعۂ حدیبیہ سے مستفاد بعض فقہی فوائد اور حکمتیں:

۱: رسول اللہ ﷺ نے کعب بن عُجرہؓ کو اجازت دے دی، (حالانکہ وہ حالتِ احرام میں تھے) کہ وہ اپنے سر کے بال منڈا لیں، اُس تکلیف کے سبب جو انہیں جوئیں ہونے کے سبب لاحق ہو گئی تھی۔ اور بطور فدیہ ایک بکری ذبح کریں، یا تین دن روزے رکھیں، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں، اسی بارے میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر (۱۹۶) نازل ہوئی:

﴿فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾

[البقرة: ۱۹۶]

''اگر تم میں سے کوئی مریض ہو، یا اُس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (تو بال منڈا لے اور) فدیہ دے، چاہے تو روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔'' (متفق علیہ)

۲: رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں کے مانند پانی اُبلنا۔ جابرؓ کہتے ہیں: حدیبیہ کے دن لوگوں کو شدید پیاس لگی۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پانی کا ایک پیالہ تھا جس سے آپؐ وضو کر رہے تھے کہ لوگ تیزی میں آپؐ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس پینے کے لیے پانی نہیں ہے، اور نہ وضو کے لیے پانی ہے، سوائے اس پانی کے جو آپ کے سامنے ہے۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس میں ڈالا، اور آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں کے مانند پانی اُبلنے لگا۔ تمام صحابہ نے پانی پیا اور وضو کیا۔

۳: قربانی میں گائے اور اونٹ سات سات آدمی کی طرف سے کافی ہوتے ہیں، اور جن اونٹوں کی قربانی رسول اللہ ﷺ نے کی، اُن میں ابوجہل کا بھی وہ اونٹ تھا جس کی ناک میں چاندی کا چھلّہ پڑا تھا، تاکہ اس سے مشرکوں کو تکلیف ہو۔

۴: حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ہے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ سے ماہ ذی القعدہ میں نکلے تھے۔ اور حج اور عمرہ کا احرام میقات سے افضل ہے، اور صرف عمرہ میں ہدی کا جانور لے جانا مسنون ہے، اور ہدی کے جانور پر نشان لگا دینا مسنون ہے۔

۵: نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو بارش کے وقت گھروں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ (سنن ابن ماجہ بسند صحیح)

۶: رسول کریم ﷺ نے عقیدہ کے ایک مسئلہ کی وضاحت فرماتے ہوئے اُس شخص کے کفر کو واضح کیا ہے جو کہتا ہے کہ فلاں اور فلاں ستارے کے سبب ہماری زمین پر بارش ہوئی ہے (البخاری، کتاب الأذان)۔ اور نیک فال نکالنے کو مستحب بتایا ہے۔ آپ ﷺ نے جب سہیل بن عمرو کو آتے دیکھا تو صحابہ کرام سے فرمایا، تمہارا معاملہ آسان ہوگیا۔

۷: نبی کریم ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے، جیسے آپ ﷺ کے وضو کے پانی سے وضو کرنا۔ اور یہ جواز آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، آپ ﷺ کی امت کے صالح لوگ اس میں داخل نہیں ہیں۔ (دیکھئے الاعتصام للشاطبی: ص ۲/ ۸)۔

۸: مسلمان صبح کی نماز کے لیے بیدار نہ ہو سکے، دھوپ کی گرمی سے اُن کی آنکھ کھلی، اور رات میں قافلہ والوں کی نگرانی اور صبح کی نماز کے لیے جگانا بلال رضی اللہ عنہ کے ذمہ لگایا گیا تھا، لیکن اُن پر نیند غالب آگئی۔ اس لیے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے طلوع آفتاب کے بعد نماز پڑھی، اور ہر اس مسلمان کے لیے جو نماز سے سو یا رہ جائے یا بھول جائے، سنت ہوگئی کہ نیند سے بیدار ہونے اور یاد آجانے کے بعد نماز پڑھ لے۔ (ابو داؤد و نسائی)

۹: مسلمانوں کا امام اگر دشمن کے ساتھ صلح کر لینے میں مصلحت سمجھتا ہے، تو اس میں بعض قباحتوں کے باوجود اُس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔

۱۰: جس مُحرِم کو مکہ جانے سے روک دیا جائے، وہ اپنے ہدی کا جانور اسی جگہ ذبح کردے گا جہاں اسے روک دیا جائے، چاہے وہ حدودِ حرم سے باہر ہو یا اندر۔

۱۱: منہ کا بلغم اور استعمال شدہ پانی طاہر ہے۔

۱۲: اصل یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی امت کے لوگ آپ ﷺ کے ساتھ احکام میں شریک ہیں، سوائے اُن احکام کے جو دلائل کے ذریعے آپؐ کے ساتھ خاص ہوں۔ اس کی دلیل امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے کہ "آپ باہر نکلیے اور کسی سے بات نہ کیجیے، یہاں تک کہ آپ اپنے بال منڈا لیجیے اور اپنی قربانی کر لیجیے۔" امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم تھا کہ لوگ آپ ﷺ کی اتباع ضرور کریں گے۔

۱۳: اگر مسلمانوں کا امام کافروں کے ساتھ معاہدۂ صلح کرلے، اس کے بعد مسلمانوں کا ایک گروہ نکل کر اُن کافروں سے جنگ کرے، ان کے اموال پر بطورِ غنیمت قابض ہو جائے، اور امام کے پاس نہ جائے، تو اُس امام پر واجب نہیں کہ ان معاہدہ کرنے والے کافروں کا دفاع کرے اور اُس مسلمان جماعت کو اُن پر حملہ کرنے سے روکے۔ ❶

فرضیتِ حج:

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اسی سن چھ ہجری میں زمانۂ حدیبیہ میں حج کی فرضیت نازل ہوئی، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کی

---

❶ مزید احکام اور حکمتوں کو جاننے کے لیے دیکھئے: زاد المعاد: ۳/ ۲۳۳- ۲۴۳ اور السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، ڈاکٹر عمری: ۲/ ۴۴۷۔

تحقیق ہے، اور سورۃ البقرۃ کی آیتِ کریمہ (۱۹۶): ﴿وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ ...... ''اور حج و عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو'' نازل ہوئی، امام شافعی رحمہ اللہ کی یہی تحقیق ہے اور اسی لیے ان کا خیال ہے کہ حج کی فرضیت کے شروط پائے جانے کے بعد اسے فوراً ہی ادا کرنا ضروری نہیں، بلکہ تاخیر کرنا جائز ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حج کی فرضیت سن نو یا دس ہجری میں ہوئی، اور حج فرض ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فوراً بلا تاخیر حج کیا۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اسی رائے کو راجح قرار دیا ہے، اور لکھا ہے کہ باری تعالیٰ کا قول: ﴿وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ اگرچہ سن چھ ہجری حدیبیہ کے سال نازل ہوا، لیکن اُس میں حج کی فرضیت کی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ اس میں صرف اتمامِ حج کا حکم دیا گیا ہے کہ ان دونوں کو شروع کرنے کے بعد انہیں پورا کیا جائے، اور یہ بات اُن کی ابتدا کے وجوب کا تقاضا نہیں کرتی۔

بہت سے علمائے امت نے امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے کو ترجیح دی ہے، یعنی حج کی فرضیت اللہ کی طرف سے سن چھ ہجری میں نازل ہوئی، اور حج اسلام کا ایک رکن ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی ادائیگی کو صاحبِ استطاعت پر فوراً ہی واجب نہیں کیا ہے، بلکہ تاخیر کرنا جائز ہے، اور امتِ اسلامیہ کے لیے اسی میں آسانی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فتح مکہ کے سال حج نہیں کیا، بلکہ عمرہ کر کے مدینہ واپس چلے گئے، اور مسلمانوں نے سن آٹھ ہجری میں مشرکوں کے ساتھ حج کیا اور سن نو ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ وہ ماہ ذی الحجہ میں مکہ کی طرف روانہ ہوئے، جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں اور ابن اسحاق نے اپنی کتاب السیرۃ میں بیان کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے سن دس ہجری میں حج کا ارادہ کیا، اور ذی القعدہ کی پچیس تاریخ کو مدینہ سے نکلے، اور عرفہ میں وقوف کیا، اور مسلمانوں کے ایک جم غفیر کے ساتھ اپنا حج پورا کیا، اور عرفہ کے میدان میں الوداعی خطبہ دیا، اور صحابہ کرام سے فرمایا: مجھ سے تم لوگ اپنے حج کے اعمال سیکھ لو۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کا مبارک حج بہت سارے شرعی اَحکام، نصائح و وصایا اور دینِ اسلامی کے بے شمار احکام کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تمام ہوا۔

بادشاہوں اور امراء کے نام رسول اللہ ﷺ کے خطوط:

صلح حدیبیہ کے مثبت نتائج کا ذکر کرتے ہوئے میں نے پہلے لکھا ہے کہ اس معاہدۂ صلح نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسلام کی نشر و اشاعت کا زریں موقع عطا کیا، اور دعوتِ اسلامیہ کا دائرہ جزیرہ عربیہ کے داخل اور خارج میں پھیلتا چلا گیا۔

اسی ضمن میں رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد بہت سے شاہانِ عالم کو خطوط لکھے، اُن کے پاس اپنے قاصد بھیجے، اور انہیں اللہ کا دینِ برحق دینِ اسلام قبول کر لینے کی دعوت دی جسے اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے نازل کیا ہے۔ رسول کریم ﷺ کا یہ اقدام یقیناً پیغامِ اسلام کی عالم گیریت کی عملی تعبیر تھا، جس کی وضاحت باری تعالیٰ نے سورۃ الأنبیاء کی آیت (۱۰۷) ﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ ...... ''اور ہم نے آپ کو سارے جہان والوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے'' اور قرآن کریم کی دیگر آیتوں میں فرما دی ہے۔

رسول کریم ﷺ نے ذی الحجہ سن چھ ہجری یا محرم سن سات ہجری میں ایک ہی دن مندرجہ ذیل صحابہ کرام کو اپنے خطوط کے ساتھ مختلف بادشاہوں اور امراء کے پاس بھیجا: (۱) دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ کو قیصر روم کے پاس، (۲) عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کو کسریٰ فارس کے پاس، (۳) عمرو بن امیہ ضمریؓ کو حبشہ کے نجاشی کے پاس، (۴) حاطب بن ابو بلتعہ لخمیؓ کو حاکم مصر مقوقس کے پاس، (۵) سلیط بن عمر عامری رضی اللہ عنہ کو یمامہ کے ہوذہ بن علی حنفی کے پاس اور (۶) شجاع بن وہب اسدیؓ کو بلقاء کے شاہ حارث بن ابو شمر غسانی کے پاس۔ ❶

ذی القعدہ سن آٹھ ہجری میں (۷) عمرو بن العاصؓ کو جلندی کے دونوں بیٹوں جیفر اور عباد کے پاس بھیجا، چنانچہ دونوں نے اسلام کو قبول کر لیا۔

(۸) علاء بن حضرمیؓ کو جعرانہ سے واپسی سے قبل شاہ بحرین منذر بن ساوی عبدی کے پاس بھیجا۔ ایک رائے ہے کہ انہیں بحرین کے لیے فتح مکہ سے قبل روانہ کیا تھا، تو وہاں کے بادشاہ نے اسلام کو قبول کر لیا۔

رسول کریم ﷺ نے (۹) مہاجر بن ابو امیہ مخزومیؓ کو یمن کے حارث بن عبد کلال حمیری کے پاس بھیجا، تو اُس نے کہا: میں اس بارے میں غور کروں گا۔ اور تبوک سے واپسی کے وقت آپ ﷺ نے (۱۰) ابو موسیٰ اشعریؓ اور (۱۱) معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا۔ اور ایک قول ہے کہ یہ دونوں ربیع الاول سن دس ہجری میں یمن گئے، اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، تو ان لوگوں نے اپنی خوشی سے اسلام کو قبول کر لیا۔ اِن دونوں کے بعد آپ ﷺ نے (۱۲) علی بن ابی طالبؓ کو یمن بھیجا، جو وہاں اپنا کام کر کے مکہ کے لیے روانہ ہو گئے، اور حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے۔

آپ ﷺ نے (۱۳) جریر بن عبداللہ بجلیؓ اور (۱۴) ذی عمرو رضی اللہ عنہ کو ذی الکلاع حمیری کے پاس دعوتِ اسلام دینے کے لیے بھیجا، اس نے ان کی دعوت قبول کر لی، اور اسلام میں داخل ہو گیا۔ اور جریرؓ ابھی اُسی کے پاس تھے کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔ آپ ﷺ نے (۱۵) عمرو بن امیہ ضمریؓ کو مسیلمہ کذاب کے پاس ایک خط دے کر بھیجا، اور دوسرے خط کے ساتھ اس کے پاس زبیر بن عوام کے بھائی (۱۶) سائب بن عوام رضی اللہ عنہ کو بھیجا، لیکن وہ بدقسمت اسلام نہیں لایا۔

آپ ﷺ نے (۱۷) ایک آدمی کو فروہ بن عمرو جذامی کے پاس بھیجا تا کہ اسے اسلام کی دعوت دی جائے۔ بعض مورخین سیرت کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے پاس کسی کو نہیں بھیجا۔ یہ فروہ عمان میں قیصر کا گورنر تھا۔ جس نے اسلام کو قبول کر لیا، اور اس کی خبر رسول کریم ﷺ کو دی، اور آپ ﷺ کے لیے تحائف بھیجے۔ اور آپ ﷺ نے (۱۸) عیاش بن ابی ربیعہ مخزومیؓ کو ایک خط کے ساتھ عبد کلال حمیری کے بیٹوں حارث، مسروح اور نعیم کے پاس بھیجا۔ ❷

رسول اللہ ﷺ کا مکتوب قیصر شاہِ روم کے نام:

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الصحیح میں رسول اللہ ﷺ کے اُس خط کی عبارت روایت کی ہے جسے دے کر آپ ﷺ نے دحیہ کلبیؓ کو بُصریٰ کے گورنر کے پاس بھیجا اور اُس نے وہ خط ہرقل کے پاس پہنچا دیا۔ رسول کریم ﷺ نے جب شاہِ روم

❶ طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۵۸، زاد المعاد: ۱/ ۸۲-۸۵.

❷ زاد المعاد: ۱/ ۸٤-۸۵.

کو خط لکھنا چاہا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے عرض کیا کہ وہ لوگ غیر مہر کردہ خط کو نہیں پڑھتے، تو آپ ﷺ نے چاندی کی مہر بنوائی جس پر اس طرح ''محمد رسول اللہ'' لکھا تھا۔ ہرقل کو بھیجے گئے خط کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے ہرقل عظیمِ روم کے نام۔ اللہ کی سلامتی ہو اُس پر جس نے ہدایت قبول کرلی۔ میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تم مسلمان ہو جاؤ تو سلامتی پالو گے اور اللہ تمہیں دوہرا اجر دیں گے۔ اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو تم پر اریسیوں ❶ کا گناہ بھی لاد دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

﴿يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُولُوا۟ ٱشْهَدُوا۟ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾﴾ [آلِ عمران: ٦٤]

''اے اہلِ کتاب! آؤ ایک کلمہ پر جمع ہو جائیں، جس میں ہم اور تم برابر ہیں، وہ یہ کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا معبود نہ بنائے، پس اگر وہ اِعراض کریں تو (مسلمانو!) تم کہہ دو، گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔'' ❷

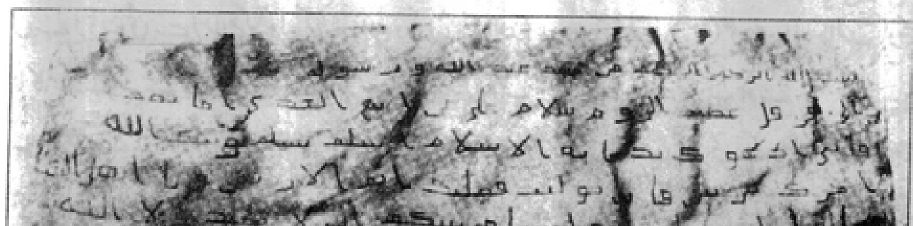

نبی کریم ﷺ کا مکتوب ہرقل کے نام

اور امام بخاریؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب قیصر کو رسول اللہ ﷺ کا خط ملا، تو اُس نے اُسے پڑھا، اور

---

❶ یہ لوگ اَریوس مصری مسیحی کے ماننے والے تھے جس نے توحیدِ باری تعالیٰ اور خالق ومخلوق اور (مسیحیوں کی اصطلاح کے مطابق) باپ اور بیٹے کے درمیان تمیز کی دعوت دی تھی، اور یہ کہ صرف اللہ ازلی وابدی ہے، اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

❷ صحيح البخاري، الجهاد، حديث: (٢٩٤١)، صحيح مسلم، الجهاد، حديث: (١٧٧٣).

رسول اللہ ﷺ کی قوم کے کسی آدمی کو تلاش کر کے لانے کا حکم دیا تاکہ اس سے آپ ﷺ کے بارے میں دریافت کرے۔ اُن دنوں ابوسفیان بکھ دیگر تجار قریش کے ساتھ بلادِ شام میں ہی تھا۔ قیصر کے آدمی کو ان لوگوں کی خبر ہوئی تو وہ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو لے کر ایلیاء گیا جہاں اُن دنوں قیصر تھا۔ اور اُنھیں اُس کے پاس لے گیا۔ اُس وقت وہ تاج پہنے ہوئے تھا، اور اُس کے گرد علمائے روم جمع تھے۔

قیصر نے اُن قریشیوں سے ترجمان کے واسطہ سے پوچھا: تم لوگوں میں نسب کے اعتبار سے اُس آدمی سے سب سے زیادہ کون قریب ہے، جو نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: میں اس کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں۔ وہ میرا چچازاد ہے (اُس قافلہ میں ابوسفیان کے سوا بنی عبد مناف کا کوئی آدمی نہیں تھا)۔

قیصر نے اپنے لوگوں سے کہا: اسے میرے قریب کرو، اور اس کے ساتھیوں کو اُس کی پیٹھ کے پیچھے رکھو، پھر اپنے ترجمان سے کہا: اس کے ساتھیوں سے کہو کہ میں اس سے اُس آدمی کے بارے میں پوچھوں گا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اگر یہ جھوٹ بولے تو تم لوگ اس کی تکذیب کرو۔ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! اگر مجھے اس بات سے حیا نہ آتی کہ میرے ساتھی مجھے جھوٹا کہیں گے، تو میں محمد (ﷺ) کے بارے میں اس سے جھوٹ کہتا، اسی لیے میں نے اس سے سچ کہا۔

قیصر نے پھر اپنے ترجمان سے کہا: اس سے پوچھو کہ وہ آدمی نسب کے اعتبار سے تم میں کیسا ہے؟ میں نے کہا: وہ ہم میں حسب ونسب والا ہے۔ اس نے پوچھا: اس سے قبل تم میں سے کسی نے یہ بات کہی تھی؟ میں نے کہا: نہیں۔ اُس نے پوچھا: کیا اس کے دعوائے نبوت سے پہلے تم لوگ اسے جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس نے پوچھا: کیا اس کے آباء واجداد میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اُس نے پوچھا: اُس کی پیروی شرفاء لوگ کرتے ہیں یا کمزور لوگ؟ میں نے کہا: کمزور لوگ۔ اُس نے پوچھا: اُن کی تعداد بڑھتی ہے یا گھٹتی ہے؟ میں نے کہا: ان کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ اُس نے پوچھا: کیا اُن میں سے کوئی اپنے دین سے بیزار ہو کر اس سے نکل جاتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اُس نے پوچھا: کیا وہ کسی کو دھوکہ دیتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، لیکن اِن دنوں ہم ایک ایسے زمانہ میں ہیں کہ ہمیں اس سے غداری کا خوف لاحق رہتا ہے۔ اس کلمہ کے سوا اور کوئی کلمہ میری زبان سے نہ نکلا جس کے ذریعہ میں محمد (ﷺ) کی عیب جوئی کرسکوں، اور میری طرف جھوٹ نہ منسوب کیا جائے۔

قیصر نے پوچھا: کیا تم لوگوں نے اُس سے جنگ کی ہے، یا اُس نے تم لوگوں سے جنگ کی ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے پوچھا: تمہاری اور اس کی جنگ کی کیا کیفیت تھی؟ میں نے کہا: کبھی وہ غالب آتا تھا، اور کبھی ہم۔ اُس نے پوچھا: وہ تمھیں کس بات کا حکم دیتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: وہ حکم دیتا ہے کہ ہم صرف ایک اللہ کی بندگی کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، اور وہ ہمیں اُن معبودوں کی پرستش سے منع کرتا ہے جس کی پرستش ہمارے آباء کرتے تھے، اور ہمیں نماز، صدقہ، پاکدامنی، پابندیٔ عہد اور ادائیگیٔ امانت کا حکم دیتا ہے۔

قیصر نے اپنے ترجمان سے کہا: اِس سے کہو: میں نے تم سے اُس آدمی کے نسب کے بارے میں پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ خاندانی آدمی ہے۔ اسی طرح انبیائے کرام ہمیشہ اپنی قوم میں اصحابِ نسب ہوا کرتے ہیں۔ اور میں نے پوچھا

کہ اُس سے پہلے تم میں سے کسی نے یہ بات کہی تھی، تو تم نے کہا: نہیں۔ اگر کسی نے اِس جیسی بات کہی ہوتی، تو میں کہتا: وہ وہی بات کہہ رہا ہے جو اس سے پہلے کہی گئی ہے۔ اور میں نے تم سے پوچھا: کیا دعویٰ نبوت سے پہلے تم لوگ اسے جھوٹا کہتے رہے ہو، تو تم نے کہا: نہیں۔ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ جو آدمی لوگوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا وہ اللہ کے بارے میں کیسے جھوٹ بول سکتا ہے؟ اور میں نے تم سے پوچھا: کیا اُس کے آباء میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہے، تم نے کہا: نہیں۔ میں نے سوچا اگر اس کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ ہوا ہوتا، تو کہتا کہ وہ اپنے باپ دادوں کی بادشاہت کو واپس لینا چاہتا ہے۔

میں نے تم سے پوچھا: اس کی اتباع شرفائے قوم کرتے ہیں یا کمزور لوگ۔ تو تم نے کہا: کمزور لوگ اس کی اتباع کرتے ہیں، اور رسولوں کے پیروکار کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں، اور میں نے پوچھا: وہ زیادہ ہو رہے ہیں یا کم، تو تم نے کہا: ان کی تعداد بڑھ رہی ہے، اور ایمان کا حال ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ پورا ہو جاتا ہے۔ اور میں نے تم سے پوچھا: کیا اُن میں کا کوئی اپنے دین سے بیزار ہو کر اسے چھوڑ بھی دیتا ہے۔ تو تم نے کہا: نہیں۔ اور ایمان کا حال ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے، جب اُس کی بشاشت وفرحت دلوں میں سرایت کر جاتی ہے تو ایسا آدمی کبھی اُس سے بیزار نہیں ہوتا۔ اور میں نے تم سے پوچھا: کیا وہ دھوکہ دیتا ہے۔ تو تم نے کہا: نہیں۔ اور اسی طرح اللہ کے رسول دھوکہ نہیں دیتے۔

میں نے تم سے پوچھا: کیا تم لوگوں نے اس سے قتال کیا، اور اس نے تم لوگوں سے قتال کیا، تو تم نے کہا: ہاں، ایسا ہوا ہے، اور کبھی تم غالب آتے ہو اور کبھی وہ۔ اور انبیائے کرام اسی طرح آزمائے جاتے ہیں، اور انجام کار غلبہ انہی کو حاصل ہوتا ہے۔ اور میں نے تم سے پوچھا: وہ تمہیں کس بات کا حکم دیتا ہے۔ تو تم نے کہا: وہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اور تمہیں ان معبودوں سے روکتا ہے جن کی تمہارے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔ اور وہ تمہیں نماز، صدقہ، پاکدامنی، ایفائے عہد اور ادائے امانت کا حکم دیتا ہے۔ قیصر نے کہا: اور نبی کی یہی صفت ہوتی ہے۔ اور میں جانتا تھا کہ وہ نبی ظاہر ہونے والا ہے، لیکن یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اور تم نے جو کچھ کہا ہے اگر صحیح ہے، تو عنقریب وہ میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کا مالک بن جائے گا۔ اور اگر مجھے امید ہوتی کہ میں اس کے پاس پہنچ جاؤں گا تو اس سے ملنے کی ہر ممکن کوشش کرتا، اور اگر میں اُس کے پاس ہوتا تو اُس کے دونوں پاؤں دھوتا۔

ابوسفیان کا بیان ہے: قیصر نے پھر رسول اللہ ﷺ کا خط منگوایا، جو اسے پڑھ کر سنایا گیا، جب قیصر نے اپنی بات ختم کی تو عظمائے روم جو اس کے گرد جمع تھے اونچی آوازوں میں باتیں کرنے لگے اور شور وشغب ہونے لگا، اور کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہے تھے، اور ہم وہاں سے نکال دیے گئے۔ ابوسفیان کہتے ہیں: جب میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکل کر باہر آیا تو میں نے اُن سے کہا: ابن ابی کبشہ (یعنی محمد ﷺ) کا معاملہ تو بہت آگے جا چکا ہے۔ دیکھو، بنی اصفر (یعنی اہل روم) کا بادشاہ اس سے خوف کھا رہا ہے۔ ابوسفیانؓ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اس کے بعد میں ذلیل وخوار ہو کر اس یقین کے ساتھ زندگی گزارتا رہا کہ محمد (ﷺ) غالب ہو کر رہیں گے، یہاں تک کہ اللہ نے میرے دل میں، نہ چاہتے ہوئے

بھی اسلام کو داخل کر دیا۔ ❶

ابن القیم رحمہ اللہ نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قیصر شاہ روم کا نام ہرقل تھا، اور اس نے اسلام لانے کا ارادہ کیا تھا، اور عنقریب تھا کہ قبول کر لیتا، لیکن ایسا نہیں کیا، بعض کا خیال ہے کہ وہ اسلام لے آیا تھا، لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ ❷

رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی کسریٰ شاہِ فارس کے نام:

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن شہاب زہری کے ذریعہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا خط کسی صحابی کو دے کر بھیجا اور قاصد کو حکم دیا کہ وہ اسے بحرین کے گورنر کو پہنچائے تا کہ وہ اسے کسریٰ تک پہنچا دے۔ کسریٰ نے جب اسے پڑھا تو اُسے جلا دیا۔ زہری کہتے ہیں، غالباً سعید بن المسیب رحمہ اللہ کا قول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بد دعا کر دی کہ اللہ فارس والوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ ❸

امام مسلم رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہر جابر حکمراں کو لکھا اور انہیں دینِ اسلام کی دعوت دی، اور اُن میں، کسریٰ، قیصر اور نجاشی کے نام خصوصی طور پر لیے۔ ❹

ابن سید الناس نے کسریٰ کو بھیجے گئے خط کی عبارت شفاء بنت عبداللہ کی روایت سے واقدی کی سند کے ذریعہ نقل کی ہے۔ اُس میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو ایک خط دے کر کسریٰ کے پاس بھیجا، پھر اُس خط کی عبارت نقل کی ہے۔

ابن اسحاق نے یزید بن حبیب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کو ایک خط لکھا، اور اسے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو دے کر اس کے پاس بھیجا۔ خط کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

www.KitaboSunnat.com

اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے کسریٰ شاہِ فارس کے نام۔ اللہ کی سلامتی ہو اُس آدمی پر جس نے اللہ کی طرف سے بھیجی گئی ہدایت کی پیروی کی، اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، اور گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کا کوئی ساجھی نہیں، اور گواہی دی کہ محمد اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔ میں تمہیں اللہ کے دین کی طرف بلاتا ہوں، اس لیے کہ میں تمام بنی نوع انسان کے لیے اللہ کا رسول ہوں، تا کہ اللہ تعالیٰ اس کو ڈرائے جس کا دل زندہ ہے، اور کافروں کے لیے اس کا عذاب ثابت ہو جائے۔ اسلام لے آؤ تو سلامتی پاؤ گے، اور اگر تم نے انکار کر دیا تو تم پر سارے مجوسیوں کا گناہ لاد دیا جائے گا۔

---

❶ صحيح البخاري، كتاب الجهاد، حديث: (٢٩٤٠، ٢٩٤١)، صحيح مسلم، حديث: (١٧٧٣).

❷ زاد المعاد: ١/ ٨٣.

❸ صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب دعوة اليهود والنصارى، حديث: (٢٩٣٩).

❹ صحيح مسلم، كتاب الجهاد، حديث: (١٧٧٤).

نبی کریم ﷺ کا مکتوب کسریٰ کے نام

راوی کا بیان ہے کہ کسریٰ نے خط پڑھنے کے بعد اسے پھاڑ ڈالا اور کہا: میرا غلام ہوکر مجھے ایسا خط لکھتا ہے، پھر یمن میں اپنے نائب باذان کو خط لکھا کہ حجاز میں رہنے والے اس آدمی کے پاس تم اپنے دو قوی آدمیوں کو بھیجو تا کہ اسے پکڑ کر میرے پاس لے آئیں۔

چنانچہ باذان نے اپنے خصوصی قاصد کو جو ایک مشہور فارسی کاتب ومحاسب تھا، ایک دوسرے فارسی شخص کے ساتھ مدینہ بھیجا، اور انہیں ایک خط لکھ کر دیا، جس میں اس نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ وہ خط پڑھتے ہی دونوں کے ساتھ، کسریٰ کے پاس چلے جائیں۔ دونوں مدینہ آئے، اور باذان کا خط رسول اللہ ﷺ کو دیا۔ آپ ﷺ مسکرانے لگے، اور دونوں کو اسلام کی دعوت دی، مارے ڈر کے اُن کا برا حال تھا۔ آپ ﷺ نے اُن سے کہا: تم دونوں آج واپس جاؤ، اور کل آؤ تا کہ میں تم سے جو کہنا چاہتا ہوں وہ کہوں۔ دونوں کل آئے، تو آپ ﷺ نے ان سے کہا: تم باذان کو بتا دینا کہ میرے رب نے اُس کے رب، کسریٰ کو آج کی رات کے سات گھنٹے گزرنے کے بعد قتل کر دیا ہے، وہ منگل کی رات سن سات ہجری جمادی الاولیٰ کی دس تاریخ تھی، اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کے بیٹے شیرویہ کو اُس پر مسلط کر دیا جس نے اسے قتل کر دیا۔ دونوں اس خبر کے ساتھ باذان کے پاس واپس چلے گئے۔ یہ خبر سن کر باذان اور یمن میں موجود اس کے بیٹے اسلام لے آئے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی نجاشی شاہِ حبشہ کے نام:

امام مسلم رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے، کسریٰ، قیصر، نجاشی، اور ہر جابر حکمران کو خط لکھا، اور سب کو اللہ کے دین کی دعوت دی۔ ابن سعد نے طبقات (۱/۱۵۸) میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد ایک ہی دن اپنے چھ قاصد روانہ کیے۔ اُن میں سے پہلے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ تھے جو نجاشی کے پاس بھیجے گئے۔ یہ نجاشی اسلام لے آیا، اور ثابت قدم رہا یہاں تک کہ سن سات ہجری میں وفات پائی، تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اُس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

---

[1] طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۵۹، ۲۶۰، ابن سید الناس: ۲/۳۲۸، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۳/ ۵۰۷،

صحیح مسلم کی انس رضی اللہ عنہ سے مروی وہ روایت راجح نہیں ہے جس میں آیا ہے کہ وہ نجاشی جس کے نام رسول اللہ ﷺ نے خط بھیجا تھا، یہ وہ نجاشی نہیں تھا جس کی نماز جنازہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھی تھی، اور اس کی دلیل اسی حدیث کی دوسری اور تیسری روایت ہے، جن میں یہ بات نہیں کہی گئی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عبدالأعلیٰ نامی راوی کا وہم ہے جس نے یہ حدیث سعید کے ذریعہ قتادہ سے روایت کی ہے۔ ابن سعد کے نزدیک یہی راجح ہے، وہ لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اسے (یعنی نجاشی اصحمہ بن ابجر کو) دو خطوط لکھے، ایک میں اسے اسلام کی دعوت دی، اور اسے قرآن سنایا، اور دوسرے میں اسے حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ کی شادی ام حبیبہ بنت ابی سفیان بن حرب رضی اللہ عنہا سے کردے۔

ابن سید الناس نے واقدی کے حوالہ سے اس خط کی عبارت لکھی ہے جس کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے نجاشی شاہ حبشہ کے نام، تم اسلام لے آؤ، میں تمہارے سامنے اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو بادشاہ ہے، پاک ہے، سراپا سلامتی ہے، ایمان والا ہے، ہر چیز پر غالب ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کی روح اور اس کے کلمہ تھے جسے اُس نے مریم بتول و پاکدامن کے بطن میں ڈال دیا، جس سے ان کو عیسیٰ کا حمل قرار پا گیا، اس طرح اللہ نے انہیں اپنی روح سے پیدا کیا، اور اس میں اپنی روح ڈال دی۔ جیسا کہ اللہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔ اور میں تمہیں ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں تمہیں اللہ کی بندگی کی بنیاد پر دوستی کی دعوت دیتا ہوں، اور یہ کہ تم میری اتباع کرو، اور جو دین مجھ پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان لے آؤ۔ اس لیے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور میں تمہیں اور تمہارے لاؤ لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں، اور میں نے تمہیں پیغام پہنچا دیا، اور تمہارے لیے خیر خواہی کردی، تم میری نصیحت کو قبول کرلو۔ اللہ کی سلامتی ہو اس آدمی پر جس نے راہ حق کی اتباع کی۔'' [1]

نبی کریم ﷺ کا مکتوب نجاشی کے نام

[1] عیون الأثر: ۲/ ۳۳۰، طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۵۸.

ابن سعد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اپنی روایت میں ذکر کیا ہے کہ نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کا خط لے کر اپنی آنکھوں سے لگایا، اور تخت سے اُتر کر غایتِ تواضع میں زمین پر بیٹھ گیا، اور اسلام کا اعلان کر دیا اور کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور کہا: اگر میں اُن کے پاس پہنچ سکتا تو ضرور جاتا۔ اور پھر اُس نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے قبولِ اسلام سے متعلق خط لکھا اور جعفر بن ابی طالبؓ کے ذریعہ آپ ﷺ کو بھیجا۔ جعفر رضی اللہ عنہ پہلے سے ہی حبشہ میں موجود تھے۔

اس خط کی عبارت سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے اور اس کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ کے رسول محمدؐ کے نام نجاشی اصحمہ کی طرف سے۔ اے اللہ کے نبی! آپ پر اللہ کی سلامتی ہو، اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اما بعد! اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کا وہ خط مل گیا ہے جس میں آپ نے عیسیٰ سے متعلق لکھا ہے، آسمان و زمین کے رب کی قسم! بے شک عیسیٰ بن مریم ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں جو آپ نے ذکر کیا ہے، وہ ویسے ہی ہیں جیسا آپ نے ذکر کیا ہے، اور آپ نے ہمارے پاس جو پیغام بھیجا ہے اسے سمجھ لیا ہے، اور ہم نے آپ کے چچازاد بھائی اور اُن کے ساتھیوں کو اپنے آپ سے قریب کیا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں، سچے ہیں، اور سچ مانے گئے ہیں۔ نیز لکھا: میں نے آپ سے بیعت کر لی ہے، اور آپ کے چچازاد بھائی سے بھی بیعت کر لی ہے، اور ان کے ہاتھ پر رب العالمین کی رضا کے لیے اسلام لے آیا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ کی شادی امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے:

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دوسرے خط میں نجاشی کو حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ کی شادی امّ حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا سے کر دے، اور انہیں آپ ﷺ کے پاس جانے والے صحابہ کے ساتھ بھیج دے، اور انہیں زادِ سفر دے دے۔ نجاشی نے ایسا ہی کیا۔ آپ ﷺ کی شادی امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے کر دی، اور آپ ﷺ کی طرف سے اُن کو چار سو دینار مہر دیا، اور دیگر مسلمانوں کو زادِ سفر اور دوسری چیزیں دیں، اور اُن سب کو دو کشتیوں میں سوار کر کے عمرو بن امیہ ضمریؓ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔ اور نجاشی نے ہاتھی کے دانت کے بنے ایک ورق دان میں رسول اللہ ﷺ کے دونوں خطوط رکھ دیے اور کہا: جب تک یہ دونوں خطوط ہمارے پاس رہیں گے حبشہ کی سرزمین خیریت کے ساتھ رہے گی۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی مصر کے قبطی حاکم مقوقس کے نام:

میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد صحابہ کرام کو چھ شاہانِ سرزمین کے پاس بھیجا، انہی میں سے اسکندریہ کا بادشاہ مقوقس بھی تھا۔ اُس کے پاس آپ ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا: اس کا نام جریج بن مینا تھا، جیسا کہ ابن سید الناس نے دارقطنی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ اور اس مکتوب گرامی کی عبارت ابن سید الناس اور حافظ ابن القیم نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کی ہے۔ اور ریسرچ اسکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بھی الوثائق السیاسیہ میں ذکر کیا ہے، اور قزوینی، مقریزی، سہیلی، زیلعی، زرقانی اور حلبی وغیرہم کے حوالے دیے ہیں۔ اس مکتوب کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

---

❶ عیون الأثر: ۲/ ۳۲۰، ۳۲۱، زاد المعاد: ۳/ ۵۵۹، ۵۶۰، طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۵۸، ۲۵۹، مجموعة الوثائق السياسية: ص/ ۷۶ - ۸۰.

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کے رسول محمد بن عبداللہ کی طرف سے مقوقس عظیمِ قبط کے نام۔ اللہ کی سلامتی ہو اس پر جس نے راہِ حق کی اتباع کی، امابعد: میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام لے آؤ، سلامتی پالوگے، اور اللہ تمہیں دوگنا اجر دے گا۔ اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو تم پر قبطیوں کا گناہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾﴾ [آلِ عمران: ٦٤]

''اے اہلِ کتاب! آؤ ایک کلمہ پر جمع ہو جائیں، جس میں ہم اور تم برابر ہیں، وہ یہ کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا معبود نہ بنائے، پس اگر وہ اِعراض کریں تو (مسلمانو!) تم کہہ دو، گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔'' ❶

نبی کریم ﷺ کا مکتوب مقوقس کے نام

بیہقی نے اپنی سند کے ذریعہ عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ سے روایت کی ہے کہ مقوقس نے مکتوب کو چوما، حاطب رضی اللہ عنہ کی تکریم کی اور ان کی خاطر تواضع کی، اور پھر انہیں نبی کریم ﷺ کے پاس واپس بھیج دیا، اور آپ ﷺ کے لیے کپڑے، ایک خچر اُس کی زین کے ساتھ اور دو لونڈیاں بطور ہدیہ روانہ کیں، انہی لونڈیوں میں سے ایک ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی ماں تھیں۔ دوسری لونڈی رسول اللہ ﷺ نے جہم بن قیس عبدی کو دے دی جس کے بطن سے زکریا بن جہم پیدا ہوئے جو بڑے ہو کر مصر میں عمرو بن العاصؓ کے نائب مقرر ہوئے۔

بیہقی نے اپنی سند کے ذریعہ حاطب بن ابی بلتعہؓ سے روایت کی ہے کہ مقوقس نے آپ ﷺ کا خط پڑھنے کے بعد اپنے پادریوں کو بلایا، اور حاطبؓ سے کہا: میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اُسے اچھی طرح سمجھ لوں۔ پھر کہا:

❶ عيون الأثر: ٢/ ٣٣٢، زاد المعاد: ٣/ ٥٦١، والوثائق السياسية: ص/ ١٠٦.

کیا تم کہتے ہو کہ محمد نبی ہیں؟ میں نے کہا: ہاں، وہ یقیناً نبی ہیں۔ اس نے کہا: جب بات ایسی ہے تو اس نے اپنی قوم پر بددعا کیوں نہیں کر دی جنہوں نے اسے اس کے شہر سے نکال دیا؟ میں نے کہا: کیا تم عیسیٰ بن مریم کے بارے میں اعتقاد نہیں رکھتے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں؟ پھر جب اُن کی قوم نے انہیں پکڑ لیا، اور انہیں قتل کرنا چاہا، تو انہوں نے ان لوگوں پر کیوں نہ بددعا کر دی کہ اے اللہ اِن لوگوں کو ہلاک کر دے، اس کے بجائے اللہ نے انہیں آسمان دنیا پر اُٹھا لیا؟ مقوقس نے کہا: تم حکیم ہو اور حکیم کے قاصد بن کر آئے ہو۔ یہ چند تحفے ہیں جنہیں میں تمہارے ساتھ محمد کے لیے بھیج رہا ہوں، اور تمہارے ساتھ ایک نگران کو بھیج رہا ہوں جو تمہیں محفوظ مقام تک پہنچا دے گا۔ چنانچہ اُس نے رسول اللہ ﷺ کے لیے تین لونڈیاں روانہ کیں۔ انہی میں سے ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی ماں تھیں۔ اور ایک لونڈی آپ ﷺ نے ابوجہم بن حذیفہ عدوی رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دی، اور تیسری حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو ہبہ کی۔ ❶

ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اور تحفوں میں ایک خصی شدہ کالا غلام بھی تھا جس کا نام مابور تھا، اور دو سادہ کالے موزے اور دُلدل نامی ایک سفید خچر تھا۔ ❷

اور ابن سعد نے طبقات میں اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے زُرقانی، قَلقَشندی اور زیلعی وغیرہم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ مقوقس نے نبی کریم ﷺ کو لکھا: ''میں جانتا تھا کہ ایک نبی کا آنا باقی ہے، اور میرا خیال تھا وہ نبی شام میں ظاہر ہوگا۔ اور میں نے آپ کے قاصد کی تکریم کی ہے، اور آپ کے لیے دو لونڈیاں بھیج رہا ہوں جن کی یہاں قبطیوں میں بڑی حیثیت ہے اور کپڑوں کا ایک جوڑا اور سواری کے لیے ایک خچر بھی ہدیہ بھیج رہا ہوں۔''

اس سے زیادہ اس نے کچھ نہیں لکھا، اور نہ اسلام لایا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہدیہ قبول کر لیا، اور دونوں لونڈیاں بھی، ابراہیم بن رسول اللہ کی ماں ماریہ، اور ان کی بہن سیرین، اور سفید خچر جس کا نام دُلدُل تھا، جس کے سوا بلادِ عرب میں ان دنوں کوئی خچر نہیں تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبیث نے اپنی بادشاہت کو بچانا چاہا ہے، حالانکہ اس کی بادشاہت اب باقی نہیں رہے گی۔ ❸

رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی حارث بن اَبی شمر غسانی کے نام:

رسول اللہ ﷺ نے جن بادشاہوں کے نام خطوط لکھے، ان میں ایک حارث بن ابی شمر غسانی بھی تھا۔ اس کے نام کا خط لے کر اس کے پاس شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ گئے تھے۔ اس خط کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ کے رسول محمد کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام۔ اللہ کی سلامتی ہو اس پر جس نے دینِ حق کی اتباع کی، اور اللہ پر ایمان لایا، اور تصدیق کی۔ اور میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ ایک اللہ پر ایمان لے آؤ جس کا کوئی شریک نہیں، تو تمہاری بادشاہت باقی رہے گی۔''

---

❶ دلائل البیہقی: ۴/ ۳۹۵، ۳۹۶۔

❷ السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۳/ ۵۱۰۔

❸ طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۶۰، الوثائق السیاسیۃ: ص/ ۵۰۔

شجاع یہ خط لے کر حارث بن ابی شمر کے پاس گئے، جو اُن دنوں دمشق میں تھا، اور حمص سے چل کر ایلیاء آیا تھا تاکہ وہاں قیصر کا استقبال کرے۔ شجاع اس کے دروازہ پر دو یا تین دن ٹھہرے رہے۔ بالآخر اس کے دربان سے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں۔ اُس نے کہا: تمہاری رسائی اُس تک نہیں ہو سکتی یہاں تک کہ وہ فلاں اور فلاں دن باہر نکلے گا۔ وہ رومی دربان شجاع سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مختلف باتیں پوچھتا رہا، اور وہ آپ ﷺ کی صفات اور آپ ﷺ کی دعوت کے بارے میں اُسے بتاتے رہے، جس سے وہ متاثر ہو کر رونے لگتا، اور کہتا: میں نے انجیل پڑھی ہے، اُس میں اس نبی کی صفات مذکور ہیں، اور میں اُن پر ایمان لاتا ہوں، اور اُن کی تصدیق کرتا ہوں، لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں حارث مجھے قتل نہ کر دے۔ شجاع کہتے ہیں: وہ دربان میری بہت عزت کرتا، اور میری مہربانی کرتا۔

دربان کے کہنے کے مطابق حارث ایک دن نکلا، اور اپنے سر پر تاج رکھ کر لوگوں کے لیے بیٹھا، مجھے اس سے ملنے کی اجازت ملی۔ میں نے اُسے رسول اللہ ﷺ کا مکتوب دیا۔ اُس نے اُسے پڑھ کر ایک طرف پھینک دیا اور کہنے لگا: یہ کون ہے جو مجھ سے میری بادشاہت چھین لینا چاہتا ہے۔ میں چل کر اسے دیکھتا ہوں۔

ابن سعد نے یہ اضافہ کیا ہے: اگر وہ یمن میں ہوتا، تو میں اس کے پاس جاتا، میرے سامنے لوگوں کو پیش کرو، چنانچہ اس کے لاؤ لشکر کے لوگ اس کے سامنے پیش کیے جاتے رہے، یہاں تک کہ وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے گھوڑوں کو تیار کرنے کا حکم دیا۔ پھر شجاع سے کہا: جا کر اپنے آدمی کو جو کچھ دیکھا ہے بتا دینا۔

حارث نے قیصر کو سب کچھ لکھ بھیجا، اور اُسے اپنے ارادہ سے مطلع کر دیا، قیصر نے اسے فوراً لکھا کہ وہ مدینہ کی طرف جانے کا ارادہ ترک کر دے۔ اور ایلیاء میں اس سے آ کر ملے۔ شجاع کہتے ہیں: میں ابھی دمشق میں ہی تھا کہ قیصر کی طرف سے اس کے خط کا جواب آ گیا۔ اُس نے اُسے پڑھنے کے بعد مجھے فوراً بلایا، اور پوچھا: تم کب اپنے آدمی کے پاس جانا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: کل۔ اُس نے میرے لیے سو مثقال سونے کا حکم دیا، اور اس کے دربان نے مجھے زادِ سفر اور کپڑے دیے، اور کہا: رسول اللہ ﷺ کو میرا سلام کہہ دینا۔

میں جب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا، تو آپ ﷺ کو سارا ماجرا کہہ سنایا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی بادشاہت ختم ہو گئی۔ اور میں نے رسول کریم ﷺ کو دربان کا سلام سنایا اور وہ بات سنائی جو اس نے کہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے سچ کہا ہے۔ حارث بن ابی شمر فتح مکہ کے سال مر گیا۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی یمامہ کے ہوذہ بن علی کے نام:

حدیبیہ سے واپسی کے بعد آپ ﷺ نے جن بادشاہوں کے نام خطوط لکھے، اُن میں یمامہ کا ہوذہ بن علی تھا، آپ ﷺ نے اپنا خط دے کر اس کے پاس سلیط بن عامر عامری رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ آپ ﷺ کے مکتوب گرامی کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ کے رسول محمد کی طرف سے ہوذہ بن علی کے نام۔ اللہ کی سلامتی ہو اس پر جس نے راہِ حق کی

❶ المصباح المضیء ۲/ ۳۱۴-۳۱۶، عیون الاثر ۲/ ۳۳۹، ۳۴۰، طبقات ابن سعد ۱/ ۲۶۱.

اتباع کی۔ اور جان لو کہ میرا دین وہاں تک پہنچے گا جہاں تک کوئی جاندار پایا جاتا ہے۔ اس لیے تم اسلام لے آؤ، سلامتی پاؤ گے اور جو کچھ تمہارے پاس ہے اُس کا تمہیں مالک بنادوں گا۔ سلیطؓ جب رسول اللہ ﷺ کا سربمہر خط لے کر ہوذہ کے پاس پہنچے، تو اس نے انہیں اپنا مہمان بنایا، انہیں مرحبا کہا اور جب آپ ﷺ کا خط اسے پڑھ کر سنایا گیا، تو اُس نے اس کا ایک موہوم سا جواب دیا، اور رسول اللہ ﷺ کو لکھا: کیا ہی اچھی ہے وہ بات جس کی طرف تم لوگوں کو بلاتے ہو اور عرب لوگ مجھ سے بہت ہی خائف رہتے ہیں۔ اس لیے اپنی حکومت کا کچھ حصہ مجھے دے دو تو میں تمہاری اتباع کرنے کے لیے تیار ہوں اُس نے سلیطؓ کو قیمتی ہدیہ، اور بلادِ ہجر میں تیار شدہ کپڑوں کے جوڑے دیے۔

سلیطؓ یہ سب چیزیں لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور ساری باتیں بتائیں، جب رسول اللہ ﷺ نے اس کا خط سُن لیا تو فرمایا: اگر وہ زمین کا ایک ٹکڑا بھی مانگے گا تو اُسے نہیں دوں گا، وہ ہلاک ہوگیا، اور اُس کے پاس جو کچھ ہے وہ سب ہلاک ہوگئے۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے واپس آئے تو جبریلؑ نے آکر آپ ﷺ کو خبر دی کہ ہوذہ مرگیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یمامہ سے ایک جھوٹا شخص ظاہر ہوگا جو نبوت کا دعویٰ کرے گا، اور میرے بعد قتل کردیا جائے گا۔ ایک صحابی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اُسے کون قتل کرے گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اور تمہارے ساتھی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

واقدی نے لکھا ہے کہ دمشق کا جاگیردار جو نصرانیوں کا ایک عظیم آدمی تھا، ہوذہ کے پاس اُس وقت موجود تھا، اُس نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اُس سے دریافت کیا تو کہا کہ اُس کا میرے پاس خط آیا ہے، جس میں اس نے مجھے اسلام کی دعوت دی ہے، لیکن میں نے اسے قبول نہیں کیا ہے۔ جاگیردار نے کہا: تم اس کی دعوت کیوں نہیں قبول کرلیتے ہو؟ اُس نے کہا: میں نے اپنے دین کی حفاظت کی ہے، اور میں اپنی قوم کا بادشاہ ہوں، اور اگر میں اس کی اتباع کرلوں گا تو میری بادشاہت جاتی رہے گی۔ جاگیردار نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! اگر تم اُس پر ایمان لے آؤ گے، تو وہ تمہارا بادشاہ بن جائے گا، لیکن تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم اس کی پیروی کرلو، اور وہ وہی نبی عربی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ بن مریمؑ نے دی ہے، اور اُن کے بارے میں ہماری انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ "محمد اللہ کے رسول ہیں"۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی شاہِ بحرین منذر بن ساوی عبدی کے نام:

رسول اللہ ﷺ نے علاء بن حضرمیؓ کو شاہِ بحرین منذر بن ساوی عبدی کے پاس اپنا خط دے کر بھیجا جس میں آپ ﷺ نے اُسے اسلام کی دعوت دی۔ الوثائق السیاسیہ میں اُس خط کی پوری عبارت مختلف کتابوں کے حوالے سے مذکور ہے، جس کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ کے رسول محمد کی طرف سے منذر بن ساوی کے نام، سلامتی ہو اس پر جس نے حق کی اتباع کی، اما بعد: میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، تم اسلام لے آؤ، سلامتی پا جاؤ گے، اور جو کچھ تمہارے پاس ہے، اللہ تمہیں اس کا مالک بنادے گا۔ اور یہ جان لو کہ میرا دین وہاں تک پہنچے گا جہاں تک کوئی جاندار رہتا ہے۔"

وثائق سیاسیہ کے مؤلف نے زرقانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ سے واپسی کے بعد علاء

---

❶ عیون الأثر: ۲/ ۳۳۸، طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۶۲، اور المصباح المضیئ: ۲/ ۳۵٤، ۳۵۵، الوثائق السیاسیۃ: ص/ ۱۲۳۔

حضرمیؓ کو بحرین کے بادشاہ منذر کے پاس بھیجا۔ منذر نے آپ ﷺ کو جواب لکھا:

''امابعد! اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کا خط اہلِ بحرین کو سنا دیا ہے۔ اُن میں کچھ نے اسلام کو پسند کیا ہے اور اس میں داخل ہو گئے ہیں، اور کچھ نے اسے ناپسند کیا ہے۔ اور میری سرزمین پر مجوس و یہود بھی رہتے ہیں۔ اُن کے بارے میں آپ اپنے حکم سے مجھے مطلع فرمایئے۔''

رسول اللہ ﷺ نے اُسے لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کے رسول محمد کی طرف سے منذر بن ساوی کے نام۔ تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ میں اس اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں، امابعد: میں تم کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں، جو خیرخواہی کرے گا وہ خود اپنے لیے خیرخواہی کرے گا، اور جو میرے قاصدوں کی بات مانے گا، اور میرے حکم کی پیروی کرے گا وہ میری پیروی کرے گا، اور جو میرے قاصدوں کے ساتھ خیرخواہی کرے گا وہ میرے ساتھ خیرخواہی کرے گا۔ اور میرے قاصدوں نے تمہاری تعریف کی ہے اور میں نے تمہاری سفارش تمہاری قوم کے حق میں قبول کر لی ہے۔ جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان کے املاک ان کے لیے چھوڑ دو، اور میں نے گناہگاروں کو معاف کر دیا ہے، اس لیے تم بھی ان کو درگزر کردو، اور تم جب تک خیر پر قائم رہو گے، تمہیں معزول نہیں کروں گا، اور جو اپنی یہودیت یا مجوسیت پر باقی رہے گا اسے جزیہ دینا ہوگا۔''❶

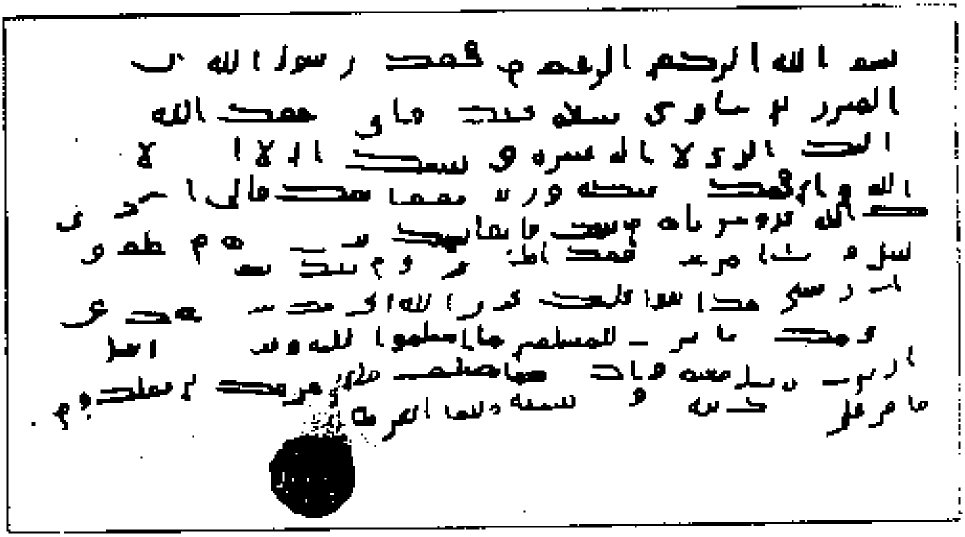

نبی کریم ﷺ کا مکتوب منذر بن ساوی کے نام

❶ الوثائق السیاسیة: ص/ ۱۲۸، طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۶۲، ۲۶۳، عیون الأثر: ۲/ ۳۳۵، ۳۳۶۔

رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی عمان کے دونوں بادشاہ جیفر وعبد کے نام:

رسول کریم ﷺ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنے خط کے ساتھ عمان کے دونوں بادشاہ جلندی کے بیٹوں جیفر اور عبد کے پاس بھیجا۔ اس خط کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کے رسول محمد کی طرف سے جلندی کے دونوں بیٹوں جیفر وعبد کے نام۔ اللہ کی سلامتی ہو اس پر جس نے حق کی اتباع کی، امابعد: میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تم دونوں اسلام لے آؤ سلامتی پاؤ گے، میں تمام لوگوں کے لیے اللہ کا رسول ہوں، تاکہ جس میں زندگی ہو اُسے میں ڈراؤں، اور کافروں پر اللہ کا عذاب ثابت ہوجائے۔ اگر تم دونوں اسلام کا اقرار کرلو گے تو میں تم دونوں کو وہاں کا حاکم بنادوں گا، اور اگر تم نے انکار کردیا تو تمہاری بادشاہت ختم ہوجائے گی، اور میرے گھوڑے تمہارے پاس پہنچ جائیں گے، اور میری نبوت تمہاری بادشاہت پر غالب آجائے گی۔

رسول کریم ﷺ کا یہ خط ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے لکھا، اور آپ ﷺ نے اُس پر مہر لگائی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب میں عمان پہنچا، تو (عبد) سے ملنے کا قصد کیا، اس لیے کہ وہ اپنے بھائی سے زیادہ بردبار اور اچھے اخلاق کا تھا۔ میں نے اس کو بتایا کہ میں اللہ کے رسول کا قاصد ہوں۔ اُس نے کہا: میرا بھائی مجھ سے عمر میں بڑا ہے اور حق بادشاہت میں بھی مجھ پر مقدم ہے، اور میں تمہیں اُس کے پاس پہنچا دیتا ہوں تاکہ تمہارا خط پڑھے، میں اُس کے دروازہ پر کئی دن تک رُکا رہا، تب اُس نے مجھے بلایا۔ میں اس کے پاس پہنچا اور اُسے سر بمہر خط دیا۔ اُس نے اُسے کھول کر پڑھا، اور پھر اسے اپنے بھائی کو دے دیا، اُس نے بھی اسے پڑھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس کا بھائی اس سے زیادہ نرم دل ہے۔ اُس نے مجھ سے کہا: آج تم یہاں سے مت جاؤ، اور کل میرے پاس آؤ، دوسرے دن میں اُس کے پاس واپس گیا۔

اُس نے کہا: میں نے اس بات پر بہت غور کیا ہے جس کی تم نے دعوت دی ہے، اگر میں نے اپنی چیزوں کا مالک کسی اور کو بنادیا تو میں عربوں میں سب سے کمزور مانا جاؤں گا، میں نے کہا: پھر میں کل واپس چلا جاتا ہوں۔ جب اُس کو واپسی کا یقین ہوگیا، تو صبح کے وقت مجھے بلا بھیجا۔ میں اُس کے پاس گیا، تو اُس نے اور اُس کے بھائی نے اسلام قبول کرلیا، اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی، اور مجھے زکاۃ جمع کرنے اور وہاں کے مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرنے کی اجازت دے دی، اور دونوں میری مخالفت کرنے والوں کے مقابلہ میں میری مدد کرنے لگے۔ چنانچہ میں نے اُن کے مالداروں سے زکاۃ وصول کرکے ان کے غریبوں میں تقسیم کرنا شروع کردی، اور میں انہی کاموں میں مشغول اُن کے درمیان قیام پذیر رہا یہاں تک کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر ملی۔ ❶

مذکورہ بالا خطوط اور انہی جیسے دیگر خطوط بھیج کر اللہ کے نبی ﷺ نے عرب وعجم کے بیشتر بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دی، اُن میں سے بعض ایمان لے آئے، اور دینِ اسلام میں داخل ہوگئے، اور بعض نے کفر وعناد کی راہ اختیار کی، اور اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کبر وغرور سے کام لیا، تو اُن کے خلاف حجت قائم ہوگئی، اُن کی حکومتیں ختم ہوگئیں، اور اُن ممالک میں نبی کریم ﷺ کی مبارک دعوت بڑی تیزی کے ساتھ پھیل گئی، اور اللہ کی یہی مرضی تھی۔ اور ساری کائنات پر حقیقی حکومت تو ہر دور میں اللہ کی رہی ہے، اور رہے گی، یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔

❶ الوثائق السیاسیة: ص/ ١٢٨، طبقات ابن سعد: ١/ ٢٦٢، ٢٦٣، عیون الأثر: ٢/ ٣٣٥، ٣٣٦.

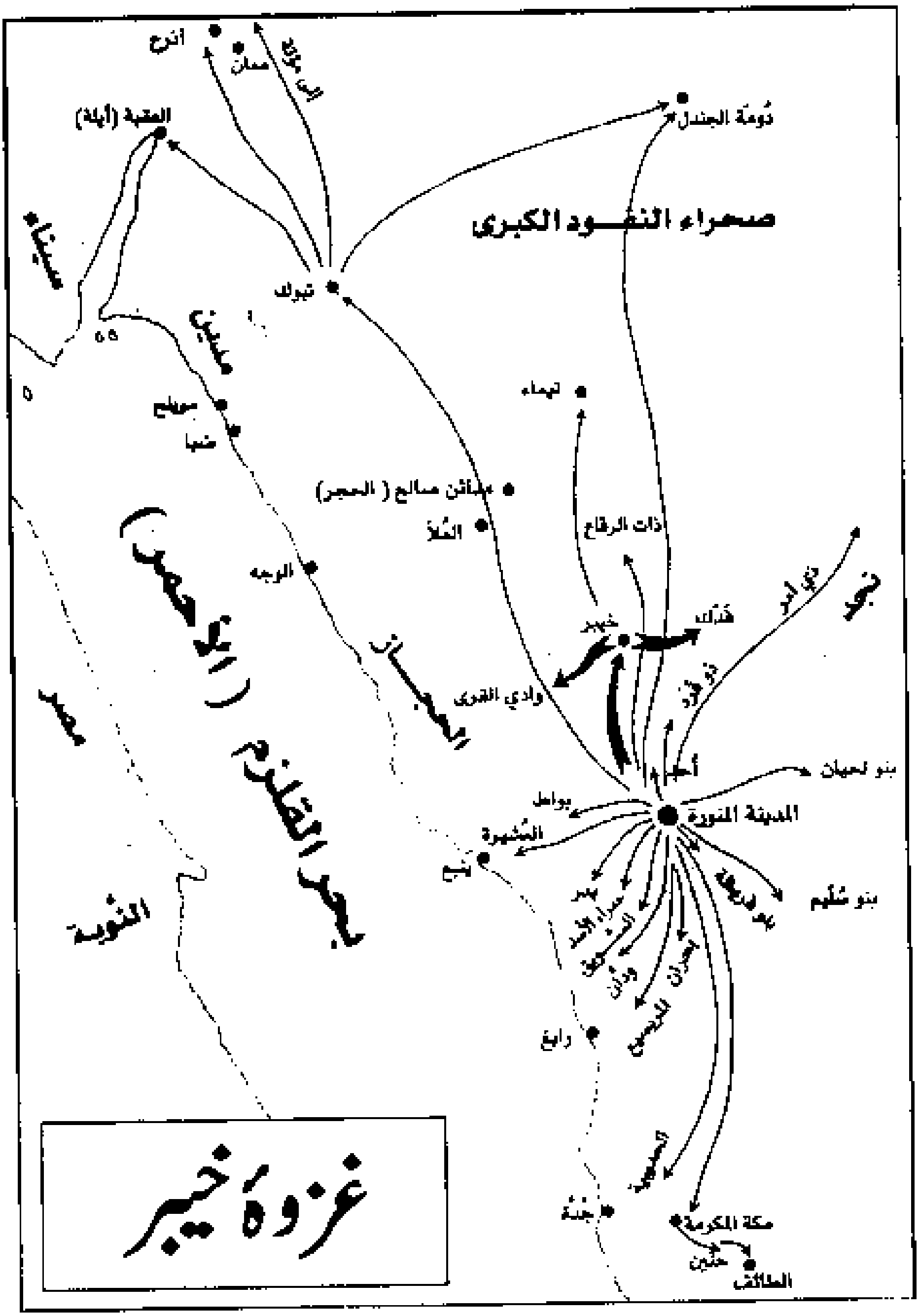
غزوة خيبر
أذرح
العقبة (أيلة)
دومة الجندل
صحراء النفود الكبرى
تبوك
تيماء
مدائن صالح (الحجر)
العُلا
الوجه
ذات الرقاع
خيبر
فدك
وادي القرى
نجد
أحد
بنو لحيان
المدينة المنورة
بواط
العُشيرة
ينبع
بدر
حمراء الأسد
ودان
بنو سُليم
رابغ
مكة المكرمة
حنين
الطائف
بحر القلزم (الأحمر)
النوبة
مصر
سيناء

غزوۂ خیبر

محل وقوع اور باشندے:

خیبر کا علاقہ مدینۃ الرسول ﷺ کے شمال میں ۱۶۵ کلو میٹر کی دوری پر واقع ہے، اور اپنی زرخیزی، پانی کی فراوانی اور کھجور کے درختوں نیز دیگر پھلوں اور کاشتوں کے سبب مشہور ہے۔ اور عہد نبوی میں اس علاقہ میں یہودیوں کے بڑے بڑے قلعے پائے جاتے تھے۔

فتح خیبر سے قبل وہاں عربوں اور یہودیوں کی مخلوط آبادی تھی، اور مدینہ سے بنی نضیر کے یہودیوں کی جلاوطنی اور خیبر میں اُن کے سکونت پذیر ہو جانے کے بعد وہاں یہود کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی۔

غزوۂ خیبر کے اسباب:

غزوۂ احزاب کی تفصیلات سے ہمیں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ یہود خیبر نے ہی اقوام عرب کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف اُبھارا تھا، اور قریش، بنی سلیم، اور قبائل غطفان کو مسلمانوں سے جنگ کرنے اور انہیں ختم کر دینے کے لیے اکسایا تھا، اور انہی یہود خیبر نے ہی بنوقریظہ کو غدر وخیانت پر آمادہ کیا تھا، اور رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی تھی۔

مدینہ سے بنی نضیر کی جلاوطنی کے بعد اُن کی عداوت کی آگ زیادہ بھڑک گئی تھی، اور بنی نضیر کی بڑی تعداد اور ان کے خاص لوگ خیبر میں جمع ہو گئے تھے۔ اس طرح تمام ہی فتنے خیبر میں جمع ہو گئے تھے، اور سب مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں گھڑنے لگے، شرانگیزی کی تدبیریں سوچنے لگے، اور پوری فضا کو زہر آلود کرنے لگے، چنانچہ خیبر کا پورا علاقہ بد عہدی اور خباثت وخیانت کے سبب مسموم ہو گیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ اور کفار قریش کے درمیان صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کے خلاف اُن یہود کی عداوت اور اُن کا بغض کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ اور یہود خیبر کا لیڈر سلام بن مشکم ہمیشہ یہودیوں کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے اتحاد بنانے کی دعوت دیتا تھا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد اس نے تمام زعمائے یہود کو اکٹھا کیا، اور اُن سے کہا کہ پورے حجاز میں رہنے والے یہودیوں کے وجود کے خلاف خطرہ کی گھنٹی بجنے لگی ہے، اس لیے خیبر، وادی قُریٰ اور تیماء کے یہودیوں کو متحد ہو کر یثرب پر چڑھ دوڑنے کی انتہائی شدید ضرورت پیش آ گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو یہودیوں کی اس سازش کا علم ہو گیا، اور قبل اس کے کہ وہ حرکت میں آتے، آپ ﷺ نے خیبر پر حملہ کرنے اور یہود کو اچانک جالینے کی تیاری شروع کر دی۔ منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی بن سلول کو ان باتوں کی اطلاع ہو گئی، اُس نے یہود کو خبر کر دی کہ محمدؐ عنقریب تم پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اس لیے تم لوگ اپنے بچاؤ کی تدبیر کرلو۔

جب یہود خیبر کو رسول اللہ ﷺ کے ارادہ کی اطلاع ہوئی، تو وہ مقابلہ کی تیاری کرنے لگے، اور اپنی جنگی قوتوں کا

جائزہ لینے لگے، اور ہر روز دس ہزار مقاتلین کے ساتھ گھر سے باہر نکل کر صف آرا ہوتے اور کہتے: محمد ہم سے جنگ کرے گا؟ یہ تو بڑی دور کی بات ہے، اور اپنے اموال واولاد کو کتیبہ کے قلعوں میں داخل کرنے لگے، اور مقاتلین کو نطاۃ کے قلعوں میں۔

ان حالات کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ کے لیے ضروری ہوگیا کہ وہ جلد از جلد ان سے نمٹنے کی تدبیر کرتے، اور اس شر اور فتنہ کو ختم کرنے کی سوچتے۔

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں جو حدیبیہ سے واپسی کے وقت نازل ہوئی تھی، مسلمانوں سے فتح خیبر کا وعدہ کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿١٨﴾ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٩﴾ وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢٠﴾ وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿٢١﴾﴾ [الفتح: ١٨-٢١]

''یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا، جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، پس وہ جان گیا اس اخلاص کو جو اُن کے دلوں میں تھا، اس لیے اُن پر سکون واطمینان نازل کیا، اور بطور جزا انھیں ایک قریبی فتح سے نوازا، اور بہت سے اموال غنیمت جنھیں وہ حاصل کریں گے، اور اللہ زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے۔ اللہ نے تم سے بہت سے اموال غنیمت کا وعدہ کیا ہے جنھیں تم حاصل کروگے، پس اُس نے تمھیں یہ (صلح حدیبیہ یا فتح خیبر) جلدی دے دی، اور لوگوں کے ہاتھوں کو تمہاری طرف بڑھنے سے روک دیا، اور تاکہ یہ کامیابی مومنوں کے لیے ایک نشانی بن جائے، اور تمھیں سیدھی راہ پر ڈال دے۔ اور وہ تمھیں ایک دوسرا مال غنیمت بھی دے گا، جس پر ابھی تم نے قدرت نہیں پائی ہے، اللہ نے اسے گھیر رکھا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

انہی اسباب کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ یہود خیبر کو جلد از جلد جالیا جائے، اور ان کے خلاف مناسب کارروائی کی جائے، رسول کریم ﷺ کو یقین تھا کہ اُن کا رب اپنا وعدہ پورا کرے گا، اُن کے لیے کافی ہوگا، اور اُن کی مدد فرمائے گا۔

موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد تقریباً بیس دن مدینہ میں قیام کیا، پھر غزوۂ خیبر کی نیت سے نکل پڑے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے خیبر کی فتح کا وعدہ حدیبیہ میں ہی کردیا تھا۔ ❶

عروہ نے مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ سے روانہ ہوئے تو مکہ اور مدینہ کے درمیان سورۃ الفتح نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خیبر عطا فرمایا۔ ❷

---

❶ دلائل البیهقی: ٤/ ١٩٤.

❷ دلائل البیهقی: ٤/ ١٩٧.

آپ ﷺ ماہِ ذی الحجہ میں مدینہ پہنچے، اور وہاں ذی الحجہ کے باقی ایام اور ماہِ محرم کے کچھ دن قیام فرمایا، پھر خیبر کے لیے روانہ ہو گئے۔ اور آپ ﷺ نے اپنا فوجی پروگرام بالکل صیغۂ راز میں رکھا، اسی لیے یہودیوں کو مسلمانوں کی آمد کی اطلاع اُس وقت ہوئی جب وہ اپنے قلعوں میں ہر چہار جانب سے مسلمانوں کے ذریعہ محصور تھے۔

سباع بن عُرفطہؓ مدینہ میں خلیفۃ الرسول ﷺ:

امام ابن خزیمہ، امام بخاری اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں جب مدینہ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ خیبر میں تھے، اور مدینہ میں آپ ﷺ کے خلیفہ سباع بن عرفطہؓ تھے جن کے پیچھے ہم نے صبح کی نماز پڑھی، انہوں نے ہمیں زادِ سفر دیا، اور ہم وہاں سے روانہ ہو کر آپ ﷺ کے پاس خیبر آ گئے۔ اور بیہقی نے اپنی سند کے ذریعہ بنی غِفار کے چند اشخاص کا قول نقل کیا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ خیبر کے لیے روانہ ہو چکے تھے، اور مدینہ میں اپنا خلیفہ بنی غِفار کے ایک آدمی کو مقرر کر دیا تھا جس کا نام سباع بن عُرفطہؓ تھا۔ ابو ہریرہؓ نے اُن کے پیچھے نمازِ صبح ادا کی جس کی پہلی رکعت میں انہوں نے "کھیعص" اور دوسری میں "ویل للمطففین" کی تلاوت کی۔ ❶

لشکرِ اسلام میدانِ خیبر میں:

رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص آپ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں شریک نہیں ہوا وہ آپ ﷺ کے ساتھ لشکرِ خیبر میں نہ جائے، چنانچہ آپ ﷺ کے ساتھ وہی صحابہ کرام گئے جو عمرۂ حدیبیہ کے لیے گئے تھے، اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ﴾ [الفتح: ۱۵]

"عنقریب جہاد سے پیچھے رہ جانے والے کہیں گے جب تم لوگ اموالِ غنیمت لینے کے لیے چلو گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ جانے دو"

گویا رسول اللہ ﷺ کو حکم ملا کہ وہ لشکرِ خیبر میں اپنے ساتھ ایسے لوگوں کو نکلنے کی اجازت نہ دیں جو سفرِ حدیبیہ میں آپ ﷺ کے ساتھ نہیں تھے، اس لیے کہ غنائمِ خیبر کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے صرف اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کیا تھا جو حدیبیہ میں گئے تھے، اور اُن کی تعداد ایک ہزار چار سو تھی، اُن میں سے دو سو گھوڑ سوار تھے۔

رسول کریم ﷺ انہی مجاہدینِ حدیبیہ کے ساتھ روانہ ہوئے، اور اپنے ساتھ دو ماہرین راہ لے لیے، اور سفر کر کے خیبر و غطفان کے درمیان وادیٔ رجیع میں فروکش ہوئے۔ آپ ﷺ کو ڈر تھا کہ قبیلۂ غطفان کے لوگ کہیں یہود کی مدد کے لیے نہ اُٹھ کھڑے ہوں۔ آپ ﷺ نے اُسی وادی میں رات گزاری، اور صبح کے وقت خیبر کی طرف چل پڑے۔

رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت منزل کی طرف چلتے ہوئے عامر بن سنان سے کہا: اے ابن الاکوع ہمیں کوئی ترانہ سناؤ، تو انہوں نے مندرجہ ذیل اشعار سنائے:

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا　　وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

❶ دلائل البیہقی: ۴/ ۱۹۸.

www.KitaboSunnat.com

فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
إِنَّا إِذَا صِيحَ بِنَا أَتَيْنَا وَبِالصِّيَاحِ عَوَّلُوا عَلَيْنَا

''اے اللہ! اگر تو نہ چاہتا تو ہمیں ہدایت نہ ملتی، نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔ اے اللہ! تو ہم پر سکون واطمینان نازل فرما، اور جب دشمن سے ہماری مڈبھیڑ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ، اور جب ہمیں پکارا جاتا ہے تو ہم آ پہنچتے ہیں، اور جب لوگ ہمیں پکارتے ہیں تو ہم پر بھروسہ کرتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تم پر رحم کرے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! واجب ہوگیا، چنانچہ عامرؓ معرکۂ خیبر میں شہید ہوگئے۔

اور رسول اللہ ﷺ جب خیبر کے بالکل قریب پہنچ گئے تو صحابہ کرام سے فرمایا: ٹھہر جاؤ۔ پھر دعا کی:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظْلَلْنَ، وَرَبَّ الْأَرْضِينَ السَّبْعِ وَمَا أَقْلَلْنَ، وَرَبَّ الشَّيَاطِينِ وَمَا أَضْلَلْنَ، وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا أَذْرَيْنَ، فَإِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ أَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا، وَنَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا۔))

''اے ساتوں آسمانوں کے رب اور جن پر وہ سایہ فگن ہیں، اور ساتوں زمینوں کے رب اور جنہیں وہ اٹھائے ہوئے ہیں، اور شیاطین کے رب اور جنہیں وہ گمراہ کرتے ہیں، اور ہواؤں کے رب اور جنہیں وہ بکھیرتی ہیں، ہم تجھ سے اِس بستی کی اور اس میں جو کچھ ہے اس کی اور اس کے رہنے والوں کی بھلائی مانگتے ہیں، اور ہم تیرے ذریعہ اس کی برائی سے، اس کے رہنے والوں کی برائی اور اس میں جو کچھ ہے، اس کی برائی سے پناہ مانگتے ہیں۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔ رسول کریم ﷺ ہمیشہ یہ دعا کسی بستی میں داخل ہوتے وقت پڑھا کرتے تھے۔ ❶

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے رات گزاری یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور اذان کی آواز نہیں سنی تو آپ ﷺ سوار ہوئے اور ہم لوگ بھی سوار ہوئے، میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار ہوا، اور میرا قدم رسول اللہ ﷺ کے قدم کو چھو رہا تھا، اور ہم نے خیبر کے مزدوروں کو کدالوں اور پھاوڑوں کے ساتھ گھروں سے نکلتے دیکھا۔ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور فوج کو دیکھا تو پکار اُٹھے: یہ تو محمد (ﷺ) ہے، اور اس کے ساتھ فوج ہے۔ اور پھر پیچھے مڑ کر بھاگ پڑے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! آج خیبر کی بربادی ہے، ہم جب کسی قوم کی زمین پر پہنچ جاتے ہیں تو اُن ڈرائے جانے والوں کی صبح بہت بُری ہوتی ہے۔ ❷

قبائل غطفان نے جب رسول اللہ ﷺ کے سرزمین خیبر پر آ دھمکنے کی خبر سُنی تو فوراً جمع ہو کر آپ ﷺ کے خلاف اپنے یہودی حلیفوں کی مدد کے لیے نکل پڑے، اور یہودیوں نے اُن سے وعدہ کیا کہ اگر وہ مسلمانوں پر غالب آگئے تو وہ خیبر کا

❶ دلائل البیهقی: ٤/ ٢٠٣، ٢٠٤.

❷ صحیح البخاری، كتاب المغازی، حدیث: (٤١٩٧).

آدھا پھل اُن کو دے دیں گے۔ غطفانی جب کچھ دور گئے تو اپنے پیچھے اپنے اموال واہل میں کچھ آواز سنی جس سے اُن کو شبہ ہوا کہ لوگوں نے شاید ان کے آل ودیار پر حملہ کر دیا ہے، اسی لیے فوراً ہی واپس ہو گئے، اور اپنے اہلِ وعیال اور مال ومتاع کے پاس پہنچ گئے، اور رسول اللہ ﷺ اور اہلِ خیبر کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک جگہ اُتر کر مسجد بنائی، اور آخری پہر رات میں اس میں نفل نماز ادا کرنے لگے، اُس وقت آپ کی اونٹنی چھوٹ کر ایک طرف چل پڑی، بعض صحابہ نے اُس کا پیچھا کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اُسے چھوڑ دو، وہ اللہ کی طرف سے مامور ہے، وہ ایک چٹان پر پہنچ گئی، تب رسول اللہ ﷺ اور تمام صحابہ کرام وہیں پہنچ گئے۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ کے پاس حباب بن المنذرؓ آئے، اور کہا: اے اللہ کے رسول! اس جگہ قیام کا حکم آپ کو اللہ سے ملا ہے یا آپ کی ذاتی رائے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ میری ذاتی رائے ہے۔ حبابؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ قلعہ، قلعۂ نطاۃ سے بہت ہی قریب ہے، اور خیبر کے تمام فوجی اسی میں ہیں، اور وہ ہمارے حال سے واقف ہیں، اور ہم اُن کے حال سے بالکل ناواقف ہیں، اور اُن کے تیر ہم تک بآسانی پہنچیں گے اور ہمارے تیر اُن تک نہیں پہنچیں گے، اور ہم اُن کے شبخون مارنے سے محفوظ و مامون نہیں رہیں گے۔ نیز یہ کہ یہ جگہ کھجور کے درختوں کے درمیان ہے، اور نشیبی زمین ہے، اور خوشگوار نہیں ہے۔ اس لیے کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ ایسی جگہ پڑاؤ ڈالنے کا ہمیں حکم دیتے جو ان خرابیوں سے پاک ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری رائے بہتر ہے، پھر آپ ﷺ دوسری جگہ منتقل ہو گئے۔

خیبر میں جنگی مقامات:

یہودیوں نے خیبر کے جنگی مقامات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا: علاقۂ نطاۃ، علاقۂ شق، اور علاقۂ کتیبہ، اور ہر علاقے میں کئی کئی قلعے تھے۔ علاقۂ نطاۃ میں تین قلعے تھے: قلعۂ ناعم، قلعۂ صعب بن معاذ اور قلعۂ زبیر جسے قلعۂ قُلّہ بھی کہا جاتا تھا۔ اور علاقۂ شق میں دو قلعے تھے: قلعۂ ابی اور قلعۂ نزار۔ اور علاقۂ کتیبہ میں تین قلعے تھے: قلعۂ وطیح، قلعۂ سلالم اور قلعۂ قموص۔ اہلِ خیبر صبح سویرے جب اپنے کھیتوں کی طرف نکلے تو ان کا سامنا رسول اللہ ﷺ کی فوج سے ہوا، دیکھتے ہی وہ مارے ڈر کے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور اپنے قلعوں میں داخل ہو گئے۔ بزدلی اور شدتِ خوف کی وجہ سے اُن میں اسلامی فوج کے مقابلہ کی جرأت نہیں تھی، رسولِ کریم ﷺ نے اُن پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔

سب سے پہلے آپ ﷺ نے قلعۂ ناعم پر حملہ کیا جو مرحب نامی یہودی پہلوان کا قلعہ تھا جسے ایک ہزار فوجیوں کے برابر مانا جاتا تھا، قلعہ کا محاصرہ کئی دن تک جاری رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر صدیقؓ کو بھیجا تاکہ اس کے کھولنے کی کوئی جنگی تدبیر کریں، انہوں نے زبردست جنگ کی لیکن قلعہ کو نہ کھول سکے، دوسری صبح آپ ﷺ نے عمر بن خطابؓ کو بھیجا لیکن وہ بھی قلعہ کا دروازہ نہ کھول سکے۔

سلمہ بن اکوعؓ کہتے ہیں کہ علی بن ابی طالبؓ اپنی آنکھ میں تکلیف کے سبب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر نہیں جا سکے تھے، ایک دن اُن کو شدید احساس ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر کیوں نہیں گئے، چنانچہ فوراً روانہ ہوئے، اور آپ ﷺ سے جا ملے۔ جب وہ رات آئی جس کی صبح کو خیبر فتح کیا گیا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کل میں جھنڈا ایک

ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ ❶

سہیل بن سعدؓ کی روایت کے مطابق، جب صحابہ کرام صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، تو ہر صحابی کی تمنا تھی کہ کاش جھنڈا انھیں دیا جاتا، نبی کریم ﷺ نے پوچھا: علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ آپ ؐ کو بتایا گیا کہ اے اللہ کے رسول! ان کی دونوں آنکھوں میں تکلیف ہے۔ آپ ﷺ نے ان کو بلا بھیجا، اور ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا دیا، اور دعا کی، جس کی برکت سے اُن کی آنکھیں فوراً ٹھیک ہو گئیں جیسے پہلے سے اُن میں کوئی تکلیف ہی نہیں تھی، پھر آپ ﷺ نے جھنڈا اُن کو دے دیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا میں اُن سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ ہم جیسے ہو جائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اطمینان کے ساتھ آگے بڑھو یہاں تک کہ اُن کے پاس پہنچ جاؤ، پھر انھیں اسلام کی دعوت دو، اور ان پر واجب اللہ کے حق کی یاد دلاؤ، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک آدمی کو ہدایت دے دے، اللہ کی قسم! یہ کام تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تمہارے پاس بہت سے سرخ اونٹ ہوں۔ ❷

علی بن ابی طالبؓ اس آرڈر کے ساتھ یہودیوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے نکلے، لیکن انہوں نے اس دعوت کا انکار کر دیا، اور جنگ کے لیے آمادہ ہو گئے، اور اُن کے بادشاہ مرحب نے مقابلہ کرنے کے لیے چیلنج کر دیا، تو عامر بن اکوعؓ آگے بڑھے، ان کی تلوار چھوٹی تھی، انہوں نے مرحب کی پنڈلی پر ضرب لگانی چاہی، لیکن وہ پلٹ کر اُن کے گھٹنے پر جا لگی جس کے اثر سے ان کی وفات ہو گئی۔ جب صحابہ کرام مدینہ واپس آئے تو عامر رضی اللہ عنہ کے بھتیجے سلمہ کو رسول اللہ ﷺ نے کچھ ملول خاطر دیکھ کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر سبب پوچھا، تو انہوں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، لوگوں کا خیال ہے کہ عامر کے اعمال صالحہ ضائع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جھوٹا ہے وہ آدمی جس نے یہ بات کہی ہے، اُن کے لیے تو دوگنا اجر ہے، اور آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کو اکٹھا کر کے اشارہ کیا، نیز فرمایا: وہ تو اللہ کی راہ میں انتہائی محنت کرنے والے مجاہد تھے، بہت کم عرب اُن کی طرح تلوار لے کر چلے ہوں گے۔ ❸

موسیٰ بن عقبہ نے جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے کہ مرحب قلعۂ خیبر سے ہتھیاروں سے لیس ہو کر رجزیہ اشعار پڑھتا ہوا نکلا اور کہنے لگا: کون مجھ سے مقابلہ کرے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون اس کا مقابلہ کرے گا؟ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں، اے اللہ کے رسول! میں اللہ کی قسم، بپھرا ہوا اور جذبۂ انتقام سے پھٹا پڑ رہا ہوں۔ کل ہی ان لوگوں نے میرے بھائی محمود بن سلمہ کو قتل کر دیا ہے (ان پر قلعہ کے اوپر سے مرحب نے چکی کا پتھر گرا دیا تھا، جب وہ اہل نطاۃ سے جنگ کے پہلے دن ہی قلعۂ ناعم کے نیچے آرام کر رہے تھے، اور اُن کا خیال تھا کہ قلعہ کے اندر کوئی یہودی مقاتل موجود نہیں ہے) رسول اللہ ﷺ نے اُن سے کہا: اٹھو، اس کا مقابلہ کرو۔ اے اللہ! تو اس کی مدد فرما۔ دونوں ایک دوسرے کے خلاف

---

❶ صحیح البخاری، فضائل الصحابہ، مناقب علی، حدیث: (۳۰۷۱).

❷ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۱۰)، صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، حدیث: (۳۲).

❸ صحیح البخاری، المغازی، غزوہ خیبر، حدیث: (۴۱۹۵)، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، حدیث: (۱۲۳).

پینترا بدلتے رہے یہاں تک کہ محمد بن مسلمہؓ نے اس پر ضرب لگائی، اور اس کے دونوں پاؤں کاٹ کر چھوڑ دیا، اور کہا: اب موت کا مزا چکھو، جس طرح میرے بھائی محمود نے چکھا ہے۔ تب اس کے پاس سے علی رضی اللہ عنہ گزرے اور اس کی گردن الگ کردی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہؓ کو اس کی تلوار، اس کا نیزہ اور اس کی خود دے دی۔ ●

مرحب کے بعد اس کا بھائی یاسر نکلا، تو اس کے مقابلہ کے لیے زبیرؓ آگے بڑھے، اُن کی ماں صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میرا بیٹا قتل ہو جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ آپ کا بیٹا ان شاء اللہ اُسے قتل کر دے گا۔ چنانچہ زبیرؓ نے اسے قتل کر دیا۔ امام مسلمؒ نے سلمہ بن اکوعؓ سے روایت کی ہے کہ مرحب کو علی بن ابی طالبؓ نے قتل کیا تھا، محمد بن مسلمہؓ نے نہیں۔ روایت میں یوں آیا ہے کہ مرحب نے نکل کر کہا: سارا خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، جب جنگ کی آگ بھڑکتی ہے تو میں ہتھیاروں سے لیس تجربہ کار پہلوان ثابت ہوتا ہوں، تو علیؓ نے کہا: میرا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے، میں جنگل کا وحشی شیر ہوں، میں دشمن کو اس کا پورا حساب چکاتا ہوں۔ سلمہ کہتے ہیں: پھر انہوں نے مرحب کے سر پر کاری ضرب لگا کر اسے قتل کر دیا۔ چنانچہ انہی کے ہاتھوں قلعہ فتح ہوا۔ ●

امام حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ بہت سی اسانید کے ذریعہ متواتر خبروں سے ثابت ہے کہ مرحب کو امیر المومنین علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، اور حافظ ذہبیؒ نے ان کے قول کی تائید کی ہے۔ ●

اور محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ خیبر میں مرحب یہودی کو محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا۔ اور امام شافعیؒ نے اپنی کتاب المختصر میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر کے دن مرحب کا سلاح و متاع محمد بن مسلمہؓ کو دیا تھا، انہوں نے یہ بات جامع السیر کے پہلے باب میں بیان کی ہے۔ گویا یہ ان کی تصریح ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا، اور اس سلسلہ کی حدیث ثابت اور صحیح ہے جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی تخریج میں ذکر کیا گیا ہے۔

حدیثِ جابر اور حدیثِ سلمہ بن الاکوع کے درمیان توفیق امام واقدی کے قول کے مطابق اس طرح ممکن ہے کہ پہلے محمد بن مسلمہؓ نے مرحب کی دونوں پنڈلیوں کو کاٹ کر چھوڑ دیا تاکہ وہ انتہائی اذیت ناک موت مرے۔ اس لیے کہ اُن کا مرحب سے مقابلہ کرنا اور اس سے اپنے بھائی محمود کا انتقام لینے کا شدید ترین جذبہ ثابت ہے، جنہیں مرحب نے اسی طرح کاری ضرب لگا کر مرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا، پھر اس کے پاس سے علیؓ بن ابو طالب گزرے اور اس کا سر الگ کر دیا۔ اور چونکہ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی صحیح ہے، اس لیے دونوں حدیثوں میں توفیق پیدا کرنا ہی صحیح ہے۔

واقدی نے لکھا ہے کہ قلعۂ ناعم کے گرد دس دن تک سخت جنگ ہوتی رہی، اور مجاہدین اسلام نے جہادِ اسلامی کا حق ادا کر دیا، اور سرداران یہود کی ایک جماعت کا صفایا کر دیا، بالآخر یہودیوں کی طاقت کمزور پڑ گئی، اور اس قلعہ کے پاس مسلمانوں

● مسند احمد: ۳/ ۳۸۴، مستدرك حاكم: ۳/ ٤۳٦، ابن هشام: ۲/ ۳۳۳، ۳۳٤۔ اس کی سند صحیح ہے۔ ہیثمی نے لکھا ہے: مسند احمد کی روایت کے رواۃ ثقات ہیں۔ زاد المعاد: ۳/ ۲۵۲، ۲۵۳.

● صحیح مسلم، الجهاد، حدیث: (۱۸۰۷).

● مستدرك حاكم: ۳/ ٤۳۷.

کا حملہ روکنے سے کلی طور پر عاجز ہوگئے، اس لیے وہ اس قلعہ سے نکل کر "صعب" نامی قلعہ میں چلے گئے، اور مسلمان "ناعم" نامی قلعہ میں داخل ہوگئے اور اس پر قبضہ کرلیا، اور یہودیوں کی شکست کی ابتدا ہوگئی۔

قلعۂ صعب کی فتح:

اس قلعہ میں انواع واقسام کے کھانے، گھی، چوپائے اور دیگر اسباب ومتاع اور پانچ سو جنگی فوجی تھے، نیز قلعۂ ناعم میں موجود جنگی فوجی بھی اسی میں کھسک آئے تھے۔ مسلمانوں نے اس قلعہ کا محاصرہ اپنے قائد حباب بن منذر انصاریؓ کی قیادت میں کیا، جو تین دن تک رہا۔ مسلمان مجاہدین ان ایام میں بہت پریشان ہوئے، اُن کے پاس کھانے پینے کو کچھ بھی نہ رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور کہا: اے اللہ! مسلمان مجاہدین کی حالت سے تو خوب واقف ہے کہ وہ نہایت کمزور ہوچکے ہیں، اور میرے پاس انہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، اس لیے خیبر کے اس سب سے بڑے اور مال ومتاع کے اعتبار سے سب سے مالدار قلعہ کو اُن کے لیے کھول دے۔

دوسری صبح یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف زبردست جنگ کی اور ان پر خطرناک حملہ کیا، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی صفیں بکھر گئیں اور پسپا ہوکر رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے جو اپنے گھوڑے سے اُتر کر ایک طرف کھڑے تھے اور حباب بن منذر رضی اللہ عنہ علمِ جہاد لیے اپنے گھوڑے پر سوار دشمنوں کی طرف تیر چلا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آواز بلند پکارا اور جہاد پر اُبھارا، اور انہیں خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے خیبر اور اس کے اموالِ غنیمت کا وعدہ کیا ہے۔ مجاہدین آپ کی آواز سن کر، اپنے علمِ جہاد کے اردگرد جمع ہوگئے اور حباب رضی اللہ عنہ انہیں ساتھ لیے آگے بڑھنے لگے اور یہود پیٹھ پیچھے مُڑ کر بھاگے، اور قلعہ بند ہوکر مسلمانوں پر دیوار کے اوپر سے زبردست سنگ باری کرنے لگے، اس لیے مسلمان دوبارہ پیچھے ہٹ گئے۔

یہودیوں نے مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کرنے کا فیصلہ کرلیا، اور اپنی جان ہتھیلی پر لے کر باہر نکل پڑے اور قلعہ کے دروازے پر گھمسان کی جنگ ہونے لگی، لیکن مسلمان ثابت قدم رہے، اور یہود دوبارہ پیٹھ پھیر کر قلعہ کے اندر چلے گئے۔ اس بار مسلمان بھی ان کے پیچھے قلعہ میں داخل ہوگئے اور یہودیوں کو قتل اور قید وبند کرنے لگے، یہاں تک کہ انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور یہودیوں کے لیے راہِ فرار کو آسان کردیا، اور اس کی دیوار پر چڑھ کر آوازِ بلند تکبیر کہنے لگے، اور مالِ غنیمت جمع کرنے لگے جس کی رسول اللہ ﷺ نے انہیں بشارت دی تھی۔

یہ سب دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کو خدشہ ہوا کہ کہیں مسلمان مالِ غنیمت کو دیکھ کر جہاد سے غافل نہ ہوجائیں، اس لیے فوراً ایک منادی کو بھیجا کہ مجاہدین جو چاہیں کھائیں اور اپنے جانوروں کو کھلائیں، لیکن کوئی چیز اُٹھا کر اپنے شہر لے جانے کی کوشش نہ کریں۔

اُس دن اس قلعہ کے پاس جنگ میں عامر بن سنانؓ شہید ہوگئے جن کا ذکر اُوپر آچکا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے جن کے لیے بھلائی کی بشارت دی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ عامر کے لیے دو اجر ہیں۔ قلعہ کے دروازے کے پاس تین دیگر مجاہدین بھی جاں بحق ہوئے۔ ابوسیاح، جو بدری صحابی تھے، اور عدی بن مرہ بن سراقہ اور حارث بن حاطب رضی اللہ عنہم جو

بدری صحابی تھے۔

گھریلو گدھوں کی حرمت:

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، اس قلعہ کے فتح کرنے سے پہلے مسلمان سخت بھوک سے دوچار ہوئے، اس لیے کچھ فوجی گھریلو گدھوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت پکانے لگے، جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فوراً گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ صحیحین میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ نکاح متعہ اور گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا۔ ❶

بخاری ومسلم کی انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری حدیث ہے کہ اُس دن ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ گھریلو گدھوں کا گوشت کھایا جارہا ہے، تو آپ ﷺ خاموش رہے، پھر ایک دوسرا آدمی آیا اور کہا: گدھوں کا گوشت کھایا جارہا ہے، تو آپ ﷺ خاموش رہے۔ پھر ایک تیسرا آدمی آیا اور کہا کہ گدھے ختم کردیے گئے، تو آپ ﷺ نے ایک منادی کو بھیجا، جس نے لوگوں میں اعلان کیا کہ اللہ اور اس کے رسول تم لوگوں کو گھریلو گدھوں کے گوشت کھانے سے روکتے ہیں۔ اس اعلان کے بعد ہانڈیاں اُلٹ دی گئیں جن میں گوشت پک رہے تھے۔ ❷

قلعۂ زبیر کی فتح:

قلعۂ ناعم، قلعۂ صعب اور قلعہ ہائے نطاۃ میں موجود یہودی بھاگ کر قلعۂ زبیر میں جمع ہوگئے تھے، اس لیے کہ یہ قلعہ ایک بلند چوٹی پر واقع تھا، جہاں تک گھوڑ سواروں اور لشکرِ مجاہدین کا پہنچنا مشکل تھا۔ رسول اللہ ﷺ اُس قلعہ تک پہنچے اور اس کا محاصرہ کرلیا، اور یہودیوں نے قلعہ کا دروازہ بند کرلیا، مسلمان تین دن تک اس کا محاصرہ کیے رہے، چوتھے دن ایک یہودی آپ ﷺ کے پاس آیا، اور کہا: اے ابوالقاسم! آپ مجھے امان دیجیے، اس شرط پر کہ میں آپ کو اس قلعہ والوں کے بارے میں ایک راز بتاتا ہوں، اور آپ قلعۂ شق والوں کی طرف نکل جائیے جو آپ کے رعب ودہشت سے ہلاک ہوگئے۔ آپ نے اُسے اس کے بال بچوں اور مال وجائداد کی امان دی، تو یہودی نے کہا کہ اگر آپ ایک ماہ بھی یہاں ٹھہرے رہے تو اس قلعہ کے مکین پروا نہیں کریں گے، اس لیے کہ ان کے لیے زمین کے نیچے نہریں جاری ہیں، یہ لوگ رات کو نکل کر وہاں سے پانی پی کر آجاتے ہیں، اگر آپ نے ان کے پانی کے سوتے کو کاٹ دیا تو یہ پریشان ہوکر نکل پڑیں گے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ ان نہروں تک پہنچے اور ان کے سوتے بند کردیے، تو یہود پیاس کی تاب نہ لاکر باہر نکل پڑے، اور شدید جنگ کی، اس دن کئی مسلمان شہید ہوئے، اور تقریباً دس یہودی زخمی ہوئے، اور بالآخر رسول اللہ ﷺ نے اسے فتح کرلیا، جو نطاۃ کا آخری قلعہ تھا۔ اس قلعہ کے سقوط کے بعد نطاۃ کا پورا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگین آگیا اور یہود وہاں سے بھاگ کر شق کے علاقے میں چلے گئے، اور وہاں کے پہلے قلعہ قلعۂ اُبَیّ میں بند ہوگئے۔

رسول اللہ ﷺ نے مسلمان فوجیوں کو ان کے پہلے پڑاؤ کی طرف چلے جانے کا حکم دیا، جہاں خیبر میں آنے کے بعد

---

❶ البخاري، المغازي، حديث: (٤٢١٦)، صحيح مسلم، النكاح، حديث: (١٤٠٥) وغيرهما.

❷ البخاري، المغازي، حديث: (٤١٩٩)، صحيح مسلم، حديث: (٢١٣٦٥) اور (١٩٤٠).

سب سے پہلے پڑاؤ ڈالا تھا، اور اس میں ایک مسجد بنا کر رات کے آخری پہر میں تہجد کی نماز پڑھی تھی، اس طرح دشمنوں کے شب خوں مارنے اور دیگر تمام قسم کے خوف و ہراس سے محفوظ ہو گئے، اس لیے کہ نطاۃ میں رہنے والے یہودی سب سے زیادہ قوی اور مضبوط تھے۔ ❶

قلعۂ اُبی کی فتح:

میں نے ابھی اوپر لکھا ہے کہ تمام یہود بھاگ کر قلعۂ اُبی میں جمع ہو گئے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ شق کے علاقے کی طرف متوجہ ہوئے جس میں کئی قلعے پائے جاتے تھے، اور وہاں کے سب سے پہلے قلعہ قلعۂ اُبی کا محاصرہ کر لیا، نیز مسلمانوں نے سمران نامی ایک قلعہ کا بھی محاصرہ کیا، جس میں رہنے والے یہودیوں نے زبردست جنگ کی، اور ایک یہودی نے اس سے نکل کر جنگ کرنے کا چیلنج کیا، اس کے چیلنج کا جواب حُباب بن منذرؓ نے دیا، اور نصف بازو سے اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا، جس کی تاب نہ لا کر قلعہ کی طرف بھاگ گیا، حُبابؓ نے اس کا پیچھا کر کے اس کی پنڈلی کاٹ ڈالی، اور اس کا قصہ تمام کر دیا، ایک دوسرا یہودی چیلنج کرتا ہوا باہر نکلا، جس سے جنگ کرنے کے لیے آل جحش کا ایک آدمی سامنے آیا جو شہید کر دیا گیا، اور وہ یہودی اپنی جگہ کھڑا دوبارہ مسلمانوں کو چیلنج کرنے لگا چنانچہ ابو دجانہؓ اس کے سامنے آئے اور اس پر حملہ کر کے اس کی دونوں ٹانگیں کاٹ ڈالیں، اور اسے قتل کر دیا، اور اس کی تلوار اور ڈھال لے لی، نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں وہ دونوں چیزیں دے دیں۔

مسلمانوں نے بلند آواز میں تکبیر کہی اور قلعہ پر زبردست حملہ کر کے اس میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے، مجاہدین میں سب سے آگے ابو دجانہؓ تھے، اس قلعہ میں مسلمانوں کو بہت سارا مال و متاع، بکریاں اور کھانے کی چیزیں ملیں، اور وہاں سے جنگ کرنے والے یہودی نکل کر بھاگ پڑے، اور قلعہ نزار میں جا کر بند ہو گئے۔

قلعۂ نزار کی فتح:

یہ قلعہ علاقہ شق کا سب سے مضبوط قلعہ تھا، اس میں تمام یہود جمع ہو گئے، ان کا گمان ہوا کہ مسلمان کسی بھی حال میں اس میں داخل نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ یہ ایک بلند پہاڑ پر واقع مضبوط ترین قلعہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ اس کی طرف پیش قدمی کی اور وہاں پہنچ کر ان سے جنگ کرنے لگے۔ یہود تیر اندازی اور سنگ باری کے ذریعہ سخت مقابلہ کرنے لگے۔ یہاں تک کہ بعض تیر رسول اللہ ﷺ کے کپڑے کو چھو گئے، اور بعض اس میں لٹک گئے، تب رسول اللہ ﷺ نے منجنیق نصب کرنے کا حکم دیا اور اس کی مسلسل ضربوں سے قلعہ کی دیواروں میں شگاف ڈال دیا، اور اس میں داخل ہو گئے، اور قلعہ کے اندر شدید جنگ ہونے لگی، لیکن یہود اسلامی فوج کے زبردست حملہ کے زیر اثر بالآخر شکست خوردہ ہو کر بھاگ پڑے اور اپنی عورتوں اور اپنی اولاد کو مسلمانوں کے لیے چھوڑ گئے۔ انہیں میں صفیہ بنت حُیَیّ اور اُن کی چچا زاد بہن تھیں۔

یہود بھاگ کر خیبر کے جنوب مغربی علاقے میں واقع قلعۂ قموص میں جا کر بند ہو گئے اور ان میں سے بعض وطیح اور سلالم نامی دو قلعوں میں بند ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے قلعہ نزار کو دیکھ کر فرمایا کہ خیبر کا یہ آخری قلعہ ہے جہاں جنگ ہوئی ہے، محمد

---

❶ دلائل البیہقی بروایت واقدی: ٤/ ٢٢٥، ٢٢٦.

بن مسلمہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد جنگ نہیں ہوئی، یہاں تک کہ آپ ﷺ خیبر سے واپس چلے گئے۔

کتیبہ، وطیح اور سلالم نامی قلعوں کی فتح:

رسول اللہ ﷺ نے کتیبہ، وطیح اور سلالم نام کے قلعوں کا رُخ کیا، سلالم، ابن ابی الحقیق کا قلعہ تھا، اور کچھ یہود جیسا کہ اوپر ذکر ہوا قموص نام کے قلعہ میں بند ہو گئے جو ایک مضبوط قلعہ تھا، اور کچھ یہود وطیح اور سلالم نام کے قلعوں میں بند ہو گئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان پر منجنیق کے ذریعہ سنگ باری کرنی چاہی، لیکن جب یہودیوں کو چودہ دن تک محصور رہنے کے بعد اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے صلح کی بھیک مانگنے لگے۔

چنانچہ کنانہ بن ابی الحقیق نے شماخ نامی ایک یہودی کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا، جس نے کنانہ کی طرف سے صلح کی درخواست پیش کی، تو رسول اللہ ﷺ موافق ہو گئے۔ کنانہ چند یہودیوں کے ساتھ قلعہ سے نکل کر آیا، اور آپ ﷺ سے اس شرط پر صلح کر لی کہ قلعہ میں باقی ماندہ مقاتلین کو قتل نہ کیا جائے، اور ان کے بال بچوں کو ان کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ وہ لوگ خیبر سے اپنے بال بچوں کے ساتھ نکل جائیں گے، اور اپنے تمام اموال اور اراضی اور سونے اور چاندی، اور ہتھیار رسول اللہ ﷺ کے لیے چھوڑ دیں گے، اُن کا ہر آدمی اپنے بدن پر موجود کپڑے کے ساتھ چلا جائے گا۔ اور اگر انہوں نے کوئی چیز رسول اللہ ﷺ سے چھپائی تو اللہ اور اس کے رسول ان سے اپنی براءت کا اعلان کرتے ہیں، اِن تمام شروط کو یہودیوں نے منظور کر لیا، اور اِن کے مطابق اُن کے ساتھ صلح ہو گئی، اور تمام قلعے مسلمانوں کے حوالے کر دیے گئے اور خیبر کی فتح تمام ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے کچھ صحابہ کو بھیجا جنھوں نے فوراً ہی ان کے اموال، اسباب و متاع اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ ایک سو زرہیں، چار سو تلواریں، ایک ہزار نیزے اور پانچ سو عربی تیر و کمان ہاتھ آئے۔ ❶

لیکن ان لوگوں نے ایک بڑی تجوری چھپالی جس میں حُیَیّ بن اخطب کا مال اور زیورات موجود تھے جسے وہ اپنے ساتھ بنو نضیر کی جلاوطنی کے بعد خیبر لے گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حُیَیّ کے چچا سعیہ سے پوچھا کہ حُیَیّ کی وہ تجوری کیا ہوئی جسے وہ اپنے ساتھ یہاں لایا تھا؟ اس نے کہا: اخراجات اور جنگی ضرورتوں میں خرچ ہو گئی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابھی کچھ دنوں پہلے کی بات ہے اور مال اس سے زیادہ تھا، جس کا تم صرفہ بتا رہے ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے اسے زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا، جنھوں نے اس کی پٹائی کی، تو اس نے بتایا کہ حُیَیّ کچھ دن پہلے ایک ویران جگہ میں جاتا تھا، مسلمان وہاں گئے اور تلاش کیا تو ایک جھاڑی میں وہ تجوری مل گئی۔

ابو الحقیق کے خاندان والوں کا خزانہ مشہور تھا، وہ لوگ اپنے زیورات عربوں کو کرایہ پر دیتے تھے، اور چونکہ کنانہ نے رسول اللہ ﷺ سے صلح کر لی تھی، اس لیے آپ ﷺ نے اس سے اُس خزانہ کے بارے میں پوچھا جو صلح کے شروط کے مطابق مسلمانوں کی چیز ہو گئی تھی، کنانہ اور اس کے بھائی ربیع نے جواب دیا کہ وہ خزانہ جنگی اخراجات پورے کرنے کے لیے بیچ دیا گیا، اور اس بات پر دونوں نے قسم کھالی، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ اگر وہ خزانہ تمہارے پاس پایا گیا تو اللہ اور اس کے رسول تم دونوں سے بری ہوں گے۔ انہوں نے کہا: ہاں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور میں تم دونوں کا جو مال

❶ دلائل البیهقي: ۴/۲۲۵، ۲۲۶.

بھی لوں اور تمہارے خاندان کے جن لوگوں کا خون بہاؤں وہ میرے لیے حلال ہوگا اور تم دونوں میرے عہد و ذمہ سے خارج ہو جاؤ گے؟ دونوں نے کہا: ہاں، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی ان تمام باتوں پر ابوبکر، عمر، علی، زبیر رضی اللہ عنہم اور دس یہودیوں کو گواہ بنایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ثعلبہ بن سلام بن ابی الحقیق سے کنانہ اور ربیع کے خزانہ کے بارے میں پوچھا: یہ شخص ایک کمزور آدمی تھا، اس نے کہا: مجھے کوئی خبر نہیں، بس اتنی بات جانتا ہوں کہ میں ہر صبح کنانہ کو اس ویران جگہ میں چلتے پھرتے دیکھتا تھا، اور ایک ویران جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ اگر اس نے کوئی چیز زمین میں گاڑی ہے تو اسے اس جگہ ہونا چاہیے، چنانچہ آپ ﷺ نے ثعلبہ کے ساتھ زبیر بن عوام اور کچھ دیگر مسلمانوں کو اس ویرانے کی طرف بھیجا۔ انہوں نے ثعلبہ کی رائے کے مطابق ایک جگہ کھودی اور وہاں سے وہ خزانہ نکال لیا۔

کنانہ اور ربیع کا قتل:

جب خزانہ نکال لیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کنانہ بن ابی الحقیق کو سزا دے تاکہ اس نے جو چھپا رکھا ہے اُسے نکالے۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے اُسے سزا دینی شروع کی، اور اس کے سینے سے چقماق کی چنگاری لگائی، پھر آپ ﷺ نے اسے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کرنے کا حکم دیا، تاکہ وہ اُسے اپنے بھائی کے بدلے قتل کردیں یہ کنانہ صفیہ بنت حُیَیْ رضی اللہ عنہا کا شوہر تھا۔ اور ربیع ابن ابی الحقیق کو بھی سزا دینے کا آپ ﷺ نے حکم دیا، اور اُسے بشر بن براء کے وارثوں کے حوالے کردیا گیا، جنھوں نے اُسے بشر رضی اللہ عنہ کے بدلے قتل کردیا، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی بدعہدیوں کے سبب ان کے مال واسباب کو مسلمانوں کے لیے حلال کردیا، اور ان کے بال بچے قیدی بنالیے گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہود کی بدعہدی کے سبب ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا، اور ان کے مال و اسباب کو مسلمانوں میں تقسیم کردیا، اور انہیں خیبر سے جلاوطن کرنا چاہا تو وہ کہنے لگے: اے محمد (ﷺ)! ہمیں اسی سرزمین پر رہنے دیجیے، ہم اس کی دیکھ بھال کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس ایسے غلام نہیں تھے جو زمینوں کی کاشت کا کام کرتے اور خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس اس کے لیے وقت نہیں تھا۔ اس لیے انہیں خیبر میں اس شرط پر رہنے دیا کہ انہیں کاشت اور دیکھ بھال کے بدلے کھجور اور دیگر زرعی اشیاء کا ایک حصہ ملے گا۔ ❶

خیبر کے غنائم:

رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے غنائم کی نگرانی کے لیے فروہ بن عمرو بیاضی رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، انہوں نے قلعۂ نطاۃ، قلعۂ شق اور قلعۂ کتیبہ سے حاصل کردہ غنائم کو بھی جمع کیا، اور بہت سے اثاثے، کپڑے، چادریں، ہتھیار، گائے اور بکرے اور بہت سی کھانے کی چیزیں اکٹھی کیں، جب یہ ساری چیزیں جمع ہوگئیں، تو آپ ﷺ نے ان کے پانچ حصے کرنے کا حکم دیا۔ اور ایک حصہ پر اللہ کا نام لکھ دیا گیا، اور باقی چار حصوں کو بیچ دینے کا حکم دیا، چنانچہ فروہ انہیں بیچنے لگے، اور نبی کریم ﷺ ہر خریدار کے لیے برکت کی دعا کرنے لگے۔ فروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ انہیں خریدنے کے لیے ایک دوسرے سے

---

❶ دلائل البیهقی: ٤/ ٢٢٩، ٢٣١، ابو داود، کتاب الخراج، حدیث: (٣٠٠٦)، موارد الظمآن، حدیث: (١٦٩٧)، اسے امام بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

سبقت کرنے لگے، یہاں تک کہ دو دن میں وہ ساری چیزیں بک گئیں جبکہ میں پہلے سمجھتا تھا کہ اُن اشیاء کی کثرت کے سبب ان سے ہم چھٹکارا حاصل نہیں کر سکیں گے۔

اور وہ پانچواں حصہ جو رسول اللہ ﷺ کے لیے مختص ہوا، اس میں سے آپ ﷺ ہتھیار اور کپڑے اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کرتے رہے، اور اپنے اہل بیت کو بھی کپڑے اور دیگر اثاثے دیے، اور بنو عبدالمطلب کے کچھ مردوں، عورتوں اور دیگر یتیموں اور مانگنے والوں کو بھی دیا۔ ❶

خیبر کی زمینیں:

خیبر کی زمینوں کو رسول اللہ ﷺ نے ۳۶ حصوں میں تقسیم کیا، اور ہر حصے کو سو حصوں میں، اس طرح کل تین ہزار چھ سو حصے بن گئے۔ ان میں سے آدھا رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے لیے مختص کر دیا گیا، اور رسول اللہ ﷺ کو دیگر مسلمانوں کی طرح صرف ایک حصہ ملا، اور باقی کو جن کی تعداد ایک ہزار آٹھ سو حصے تھی مسلمانوں کی ناگہانی اور عام ضرورتوں کے لیے مختص کر دیا گیا۔

یہ زمینیں ایک ہزار آٹھ سو حصوں میں اس لیے تقسیم کی گئیں کہ یہ اللہ کی طرف سے اہل حدیبیہ کے لیے عطیہ تھیں، چاہے وہ سب خیبر میں حاضر ہوئے ہوں یا نہیں، اور ان کی تعداد ایک ہزار چودہ تھی، اور ان کے پاس دو گھوڑے تھے، اور ہر گھوڑے کے لیے دو حصے تھے، اسی لیے ایک ہزار آٹھ سو حصوں میں زمینیں تقسیم ہوئیں، اس طرح ہر گھوڑ سوار کو تین حصے اور پیدل مجاہد کو ایک حصہ ملا۔ ❷

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر کی زمین یہود کو اس شرط پر دی کہ وہ اس میں کاشت کریں گے اور اس کے بدلے انہیں اُس کا ایک حصہ ملے گا۔ ❸

ابوداود کی روایت ہے کہ یہود نے کہا کہ اے محمد (ﷺ)! ہمیں اس زمین میں کام کرنے دیجیے اور اس کے بدلے ہمیں آپ اپنی صوابدید کے مطابق ایک حصہ دیجیے گا۔ رسول اللہ ﷺ اپنی بیگمات میں سے ہر ایک کو اسی (۸۰) وسق کھجور اور بیس (۲۰) وسق جَو دیا کرتے تھے۔ ❹

چنانچہ آپ ﷺ نے خیبر کی زمینیں ایک حصہ کھجور اور کاشت کے بدلے انہی یہودیوں کو دے دی، وہاں کھجور کے درختوں کے نیچے کاشت کی جاتی تھی، آپ ﷺ نے اُن سے کہا: میں تمہیں اس شرط کے مطابق یہاں رہنے دیتا ہوں جو شرط اللہ نے تمہارے لیے رکھی ہے، آپ ﷺ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو کھجوروں کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجتے تھے، انہوں نے چالیس ہزار وسق کا اندازہ لگایا تو یہودیوں نے ان کے لیے اپنی عورتوں کے زیورات جمع کیے اور کہا کہ یہ آپ کے لیے ہے،

---

❶ غزوات النبي ﷺ لليهود: ص/ ٨١– ٨٢.

❷ زاد المعاد: ٣/ ٢٥٨، ٢٥٩، دلائل البيهقي: ٤/ ٢٢٥، ٢٢٩، ٢٤٠، سنن ابي داؤد، حديث: (٣٠١٠، ٣٠١٢، ٣٠١٠، ٢٦٠١، ٢٦٠٣).

❸ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤٢٤٨)، صحيح مسلم، كتاب المساقاة، حديث: (٣).

❹ سنن أبي داؤد، الخراج، حديث: (٢٩٩٠).

آپ ذرا تقسیم کرتے وقت ہمارا خیال کیجیے گا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے یہود کی جماعت! اللہ کی قسم! تم لوگ میرے نزدیک اللہ کی مبغوض ترین مخلوق ہو، لیکن یہ بات مجھے ہرگز تمہارے ساتھ زیادتی کرنے پر نہیں اُبھارے گی۔ یہود نے کہا: آسمانوں اور زمین کا قیام اسی عدل وانصاف پر ہے۔

انہی دنوں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے، رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اپنا نائب سباع بن عرفطہؓ کو بنایا تھا، ابوہریرہؓ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی، انہوں نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو کچھ زادِ راہ دے کر خیبر کے لیے روانہ کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین سے بات کی اور ان حضرات کو اموالِ غنیمت میں شریک کر لیا گیا۔ ❶

اُمّ المؤمنین صفیہ بنت حُیَیّ رضی اللہ عنہا:

سیدہ صفیہ بنت حُیَیّ بن اَخطب ان قیدی عورتوں میں سے تھیں جنہیں مسلمانوں نے خیبر کے ایک قلعہ میں گرفتار کیا تھا، صفیہؓ اپنے اسلام اور نبی کریم ﷺ سے شادی کا واقعہ یوں بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مدینہ سے جلاوطن کیا، تو خیبر میں جاکر رہنے لگے اور کنانہ بن ابی الحقیق نے مجھ سے شادی کر لی، اور رسول اللہ ﷺ کے خیبر آنے سے چند دن قبل میری رخصتی ہوگئی، کنانہ نے اونٹ ذبح کیے اور یہودیوں کو ولیمہ کی دعوت دی، اور مجھے سلالم میں واقع اپنے قلعہ میں پہنچا دیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک چاند یثرب سے چلتا ہوا آکر میری گود میں پڑ گیا، میں نے اپنے شوہر کنانہ سے اس بات کا ذکر کیا، تو اس نے میری آنکھ پر ایسا طمانچہ رسید کیا کہ میری آنکھ سوج گئی، میں جب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی تو انہوں نے میری آنکھ دیکھ کر مجھ سے پوچھا اور میں نے انہیں واقعہ بتایا۔

صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ یہود نے اپنے بال بچوں کو کتیبہ کے علاقے میں پہنچا دیا، اور نطاۃ نامی قلعہ کو مقاتلین کے لیے خالی کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ خیبر پہنچے اور نطاۃ کے قلعوں کو فتح کر لیا تو کنانہ میرے پاس آیا اور کہا کہ محمد (ﷺ) نطاۃ کے قلعوں پر قابض ہوگیا ہے اور یہاں اب کوئی اس سے جنگ کرنے والا نہیں رہا۔ یہاں بہت سے یہود قتل کر دیے گئے، عربوں نے ہمارے ساتھ جھوٹا وعدہ کیا تھا۔ پھر اس نے مجھے شق کے علاقے میں واقع قلعۂ نزار میں پہنچا دیا، یہ قلعہ زیادہ مضبوط تھا۔ رسول اللہ ﷺ قلعۂ نزار کی طرف بڑھے، اور آپ ﷺ کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی میں دیگر مجاہدین کے ذریعہ قید کر لی گئی اور آپ کے خیمے میں بھیج دی گئی۔

آپ ﷺ شام کے وقت آئے اور مجھے بلایا، میں ان کے پاس چہرے پر نقاب ڈالے شرماتی ہوئی آئی اور سامنے بیٹھ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اپنے دین پر باقی رہنا چاہو گی تو میں تمہیں مجبور نہیں کرتا، اور اگر اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرو گی تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ صفیہؓ نے کہا: میں اللہ اور اس کے رسول اور دینِ اسلام کو اختیار کرتی ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے آزاد کر دیا، اور مجھ سے شادی کر لی، اور میری آزادی کو میرا مہر قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ کے لیے روانہ ہونا چاہا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپس میں کہا: ہم آج جان لیں گے کہ صفیہ بیوی ہے یا لونڈی،

---

❶ مسند احمد: ۲/ ۳۴۵، ۳۴۶، سند جید کے ساتھ، دلائل البیہقی: ۴/ ۱۹۸، مستدرک حاکم: ۳/ ۳۶-۳۷۔ حاکم نے صحیح کہا، اور ذہبی رحمہ اللہ نے تائید کی ہے۔

اگر وہ آپ ﷺ کی بیوی ہوگی تو اسے پردے میں رکھیں گے ورنہ وہ لونڈی ہوگی۔ چنانچہ جب آپ چلے تو پردہ کے انتظام کا حکم دیا، اور میں پردہ میں بٹھا دی گئی، اور سمجھ لیا گیا کہ میں بیوی ہوں، پھر آپ ﷺ نے اونٹ کو میرے قریب کیا اور اپنی ران کو آگے بڑھایا، تاکہ میں اس پر اپنا پاؤں رکھ کر سوار ہو جاؤں، میں نے ایسا کرنا بڑی بات سمجھی اور اپنی ران اُن کی ران پر رکھ کر سوار ہوگئی۔

رسول اللہ ﷺ کی بیویاں میرے خلاف بطور فخر کہا کرتی تھیں کہ یہ تو یہودی کی بیٹی ہے، اور میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتی کہ وہ میرے ساتھ لطف و مہربانی کا معاملہ کرتے۔ ایک دن آپ ﷺ میرے پاس آئے تو میں رو رہی تھی، آپ ﷺ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا: آپ کی بیویاں میرے سامنے بطور فخر کہا کرتی ہیں: اے یہودی کی بیٹی! صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ناراض ہو گئے، پھر کہا: اگر وہ سب دوبارہ تم سے ایسا کہیں، یا تمہارے خلاف فخر کریں تو کہو: میرے باپ ہارونؑ اور میرے چچا موسیٰؑ تھے۔ ❶

وہ مسلمان عورتیں جو غزوۂ خیبر میں شریک ہوئیں:

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ خیبر میں کچھ مسلمان عورتیں بھی شریک ہوئیں جنہیں آپ ﷺ نے مال فی میں سے حصہ دیا۔ ابو صلت کی بیٹی نے ایک غفاری عورت سے روایت کی ہے کہ میں بنی غفار کی کچھ عورتوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، آپ خیبر کے لیے روانہ ہو رہے تھے، عورتوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم بھی آپ کے ساتھ چلنا چاہتے ہیں، ہم زخمیوں کا علاج کریں گی اور حسب استطاعت مجاہدین کی مدد کریں گی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اللہ کا نام لے کر نکل پڑو، غفاریہ کا بیان ہے کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ خیبر گئیں، اور ہمیں مال فی میں سے ایک حصہ ملا، اور یہ ہار جو میرے گلے میں لٹک رہا ہے وہ مجھے آپ ﷺ نے دیا، اور اپنے ہاتھ سے میرے گلے میں ڈال دیا، اللہ کی قسم! یہ ہار کبھی بھی مجھ سے جدا نہیں ہوگا، چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو وہ ان کے گلے میں تھا، اور انہوں نے وصیت کی کہ اسے ان کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے۔ ❷

زہر آلود بکری کا واقعہ:

رسول اللہ ﷺ نے جب خیبر کو فتح کر لیا، اور مطمئن ہو گئے تو سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے صحابہ سے پوچھا: محمد (ﷺ) کو بکری کا کون سا گوشت پسند ہے، انہوں نے کہا: بازو اور شانہ، وہ اپنے گھر گئی، ایک بکری ذبح کی، اور اس میں ایک خاص قسم کا زہر ملایا، پھر اس نے یہودیوں سے انواع واقسام کے زہر کے بارے میں مشورہ کیا، تو سب نے اس کو اسی زہر کا مشورہ دیا جو اس نے بکری کے گوشت میں ملایا تھا، اور دونوں بازوؤں اور شانوں میں زیادہ زہر ملایا۔

جب آفتاب غروب ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ مغرب کی نماز ادا کر کے اپنی اقامت کی جگہ لوٹ گئے، وہاں آپؐ نے

---

❶ مغازي الواقدي: ص/ ٦٧٥، ٦٧٤، صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤٢١١، ٤٢١٣، ٤٢٠١)، صحيح مسلم، النكاح، حديث: (١٣٦٥).

❷ الاكتفاء: (٢/ ١٩٤).

خیمے کے پاس اسی زینب کو بیٹھے دیکھا تو اس سے آنے کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا: ابوالقاسم میں آپ کے لیے ایک ہدیہ لائی ہوں، رسول اللہ ﷺ ہدیہ کھاتے تھے، اور صدقہ نہیں کھاتے تھے، آپ ﷺ نے اس عورت سے ہدیہ لے لینے کو کہا جو اس کے سامنے رکھا تھا۔

پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے کہا: قریب آؤ اور رات کا کھانا کھاؤ۔ سب قریب ہوئے اور اپنے ہاتھ بڑھا دیے، آپ نے بازو لیا اور بشر بن براءؓ نے ایک ہڈی لی، آپ نے ایک بار دانت سے نوچا اور بشرؓ نے بھی نوچا، اور جب آپ نے چبایا تو بشرؓ نے بھی چبایا، آپ ﷺ نے فوراً کہا: تم لوگ رُک جاؤ، یہ بازو مجھے بتا رہا ہے کہ یہ زہر آلود ہے۔

بشرؓ نے کہا: یا رسول اللہ، اللہ کی قسم! میں نے بھی اپنے لقمے میں آپ ہی جیسا ذائقہ پایا ہے، لیکن میں نے اسے اس لیے نہیں اُگلا کہ میں آپ کے کھانے کو بدمزہ نہیں کرنا چاہتا تھا، اور جب آپ نے اپنے ہاتھ میں موجود گوشت کو کھانا شروع کیا تو میں نے بھی ویسا ہی کیا، بشرؓ اپنی جگہ سے ابھی کھڑے بھی نہیں ہوئے تھے کہ ان کا رنگ بدل گیا اور اس زہر کا درد ایک سال تک انہیں پریشان کرتا رہا جس کے زیر اثر وہ اپنی جگہ سے بذات خود ہل بھی نہیں سکتے تھے، پھر اسی کے زیر اثر ان کی وفات ہوگئی، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ بھی نہیں سکے یہاں تک کہ وفات پا گئے، اور رسول اللہ ﷺ اس کے بعد تین سال تک زندہ رہے۔

رسول اللہ ﷺ نے زینب کو بلا کر پوچھا: کیا تم نے بکری کے بازو میں زہر ملا دیا تھا، اس نے کہا: آپ کو کس نے خبر دی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بازو نے۔ اس عورت نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں کس بات نے ایسا کرنے پر اُبھارا؟ اس نے کہا: تم نے میرے باپ، میرے چچا، اور میرے شوہر کو قتل کر دیا (اس کا باپ حارث، چچا یاسر اور شوہر سلام بن مشکم تھا) اور میری قوم کو اتنا زبردست نقصان پہنچایا، اس لیے میں نے سوچا، اگر وہ نبی ہوگا، تو بکری اُسے زہر کے بارے میں بتا دے گی، اور اگر بادشاہ ہوگا تو ہمیں اس سے راحت مل جائے گی۔

اس عورت کے بارے میں صحابہ کی مختلف رائے ہوئی، کسی نے کہا: اسے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قتل کر دیا گیا، پھر سولی پر لٹکا دی گئی، کسی نے کہا: آپ ﷺ نے اُسے معاف کر دیا۔ اور آپ کے ساتھ تین صحابہ نے کھانے میں ہاتھ ڈالا تھا، اور اسے بدذائقہ پایا تھا، آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے سروں میں پچھنی لگا لیں، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے بائیں مونڈھے کے نیچے پچھنی لگوائی، ایک خیال یہ بھی ہے کہ ہند نے آپ کی گردن کے قریب مونڈھے کے اوپر پچھنی لگائی تھی۔

محدثین نے ان مختلف روایتوں کے درمیان مطابقت پیدا کرتے ہوئے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ پہلے تو اس عورت کے بارے میں خاموش رہے، پھر بشر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اسے بحق قصاص قتل کر دیا، ابوداؤد کی ایک روایت میں جابرؓ کا قول ہے کہ نبی کریم ﷺ کے حکم سے اُسے قتل کر دیا گیا، یعنی بشر بن براءؓ کی وفات کے بعد، جیسا کہ ابوہریرہؓ سے مروی ایک متصل روایت میں آیا ہے۔ [1]

---

[1] دلائل البیهقی: ٤/٢٦١، ٢٦٢، مغازی الواقدی: ٢٧٧، ٢٧٨، ابو داؤد، حدیث: (٤٥١١، ٣٧٨٣، ٣٧٨٤).

جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی حبشہ سے آمد اور انہیں مال غنیمت سے حصہ دیا جانا:

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم جب یمن میں تھے تو رسول اللہ ﷺ کے مدینہ کے لیے نکلنے کی خبر ہوئی، چنانچہ ہم لوگ ہجرت کی نیت سے نکل پڑے، ہم تین بھائی تھے، میں دونوں سے چھوٹا تھا، ایک ابو بُردہ اور دوسرے ابو رُہم تھا، اور ہمارے ساتھ ہماری قوم کے دیگر باون یا ترپن آدمی تھے، ہم تمام ایک کشتی میں سوار ہوئے، جس نے ہمیں حبشہ کے نجاشی کے پاس پہنچا دیا، وہاں ہماری ملاقات جعفر اور ان کے ساتھیوں سے ہوئی۔

جعفرؓ نے کہا: ہمیں یہاں رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے اور یہیں اقامت پذیر ہونے کا حکم دیا ہے، اس لیے تم لوگ بھی ہمارے ساتھ رہ جاؤ۔ چنانچہ ہم سب ان کے ساتھ رہنے لگے اور انہی کے ساتھ مدینہ آئے، اُس وقت رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو فتح کر لیا تھا، آپؐ نے ہمیں بھی وہاں کے مالِ غنیمت سے حصہ دیا۔ جو لوگ فتح خیبر سے غیر حاضر رہے ان میں سے کسی کو آپؐ نے کوئی حصہ نہیں دیا، سوائے جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کے، اور اُن کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والے ہمارے ساتھیوں کے، ان تمام لوگوں کو آپؐ نے حصہ دیا۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کچھ لوگ ہم اہلِ سفینہ سے کہتے تھے کہ ہم لوگ ہجرت کرنے میں تم سے سبقت لے گئے ہیں، چنانچہ ایک دن اسماء بنت عمیسؓ نبی کریم ﷺ کی بیوی حفصہؓ کے پاس گئیں، یہ اسماءؓ بھی مکہ سے ہجرت کر کے نجاشی کے پاس گئی تھیں، عمرؓ اپنی بیٹی حفصہؓ کے پاس آئے تو اسماءؓ کو ان کے پاس بیٹھے دیکھا، عمرؓ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ حفصہؓ نے کہا: اسماء بنت عمیسؓ، عمرؓ نے کہا: کیا یہی ہے حبشہ والی؟ کیا یہی ہے سمندر میں سفر کرنے والی؟ اسماءؓ نے کہا: ہاں۔ عمرؓ نے کہا: ہم لوگ ہجرت میں تم لوگوں سے سبقت کر گئے، اس لیے ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے تم سے زیادہ حقدار ہیں، اس بات پر اسماءؓ ناراض ہو گئیں اور کہا: اے عمر! آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہے، آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، وہ آپ میں سے بھوکے کو کھانا کھلاتے تھے، اور جاہل کو نصیحت کرتے تھے، اور ہم تو دور دراز سرزمین حبشہ میں تھے، اور صرف اللہ اور اس کے رسول کے لیے یہ سب برداشت کرتے رہے، اللہ کی قسم! میں نہ کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوں گی یہاں تک کہ میں رسول اللہ ﷺ کو آپ کی بات بتاؤں، اور ہم تو وہاں ستائے جاتے تھے، اور ہر وقت خوف و ہراس دامن گیر رہتا تھا، میں رسول اللہ ﷺ کو یہ سب باتیں بتاؤں گی اور آپ سے پوچھوں گی۔ اللہ کی قسم! نہ میں جھوٹ بولوں گی اور نہ میں انحراف کروں گی اور نہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ کروں گی۔ ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو اسماء نے کہا: اے اللہ کے نبی! عمر نے ایسا اور ایسا کہا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ تم لوگوں سے زیادہ میرے حقدار نہیں ہو سکتے، اُن کو اور اُن کے ساتھیوں کو تو ایک ہجرت کا ثواب ملے گا۔ اور تم اہلِ سفینہ نے تو دو بار ہجرت کی ہے۔ [1]

مہاجرین نے انصار کو ان کے عطیات واپس کر دیے:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب مہاجرین مکہ سے مدینہ آئے تو اُن کے پاس کچھ بھی نہ تھا، اور انصار مدینہ کے پاس زمین اور جائدادیں تھیں، انہوں نے مہاجرین کو اپنی زمینیں اس شرط پر دیں کہ وہ انہیں آباد کریں گے اور پھلوں اور

---

[1] صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۳۰، ۴۲۳۱) صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، حدیث: (۲۵۰۲، ۲۵۰۳) وغیرھما.

اناجوں کا نصف حصہ لے لیں گے۔ انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ نے رسول اللہ ﷺ کو کھجور کا ایک درخت عطیہ کیا تھا، آپ ﷺ نے وہ درخت اپنی آزاد کردہ باندی اُمِ ایمن کو دے دیا جو اُسامہ بن زید کی بھی ماں تھیں۔ رسول ﷺ جب غزوۂ خیبر سے مدینہ واپس تشریف لائے، اور مہاجرین نے انصار کو اُن کے عطیات واپس کر دیے تو آپ ﷺ نے بھی اُمِ انس رضی اللہ عنہا کو اُن کا درخت واپس کر دیا، اور اُمِ ایمن کو اُس کے عوض اپنے باغ کا ایک درخت عطا کیا۔ ❶

اور امام بخاریؒ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ جب خیبر فتح ہوا تو ہم کہنے لگے: اب ہم پیٹ بھر کر کھجوریں کھائیں گے۔ ❷

معرکۂ خیبر میں شہدائے اسلام:

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق مسلمان شہداء کی تعداد بیس تھی، چار مہاجرین اور سولہ انصار۔ اور واقدی نے لکھا ہے کہ ان کی تعداد پندرہ تھی، اور ان کے نام اور اُن جگہوں کے نام لکھے ہیں جہاں یہ صحابہ کرام شہید ہوئے تھے۔

واقدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہود مقتولین کی تعداد ترانوے تھی، اور اُن کی عورتیں اور بچے قیدی بنا لیے گئے، اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو ذلیل ورُسوا کیا کہ وہ اپنے مضبوط قلعوں سے دفاع کرتے ہوئے مسلمان شہداء سے کہیں زیادہ تعداد میں قتل ہوئے جبکہ مسلمان کھلے میدانوں میں تھے اور وہ لوگ بند قلعوں میں۔

یہودِ فَدَک:

رسول کریم ﷺ جب خیبر کے لیے روانہ ہوئے تو مُحَیصہ بن مسعود کو "فَدَک" بھیجا جو خیبر کے شمال میں مدینہ سے دو دن کی مسافت پر واقع تھا، تاکہ وہ انہیں اسلام کی دعوت دیں اور جنگ کے نتائج سے ڈرائیں۔ مُحَیصہ وہاں دو دن رہے، اور یہود آپ ﷺ کی فوج کا انتظار کرنے لگے اور کہنے لگے: "ہم نہیں سمجھتے کہ محمد (ﷺ) ہمارے علاقہ میں پہنچ سکے گا، خیبر میں دس ہزار یہودی فوجی موجود ہیں۔"

وہ اسی گومگو میں رہے یہاں تک کہ ان کو قلعۂ ناعم میں پناہ گزینوں کے قتل کیے جانے کی خبر ملی تو ان کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے، اور بالآخر رسول اللہ ﷺ سے اس شرط پر مصالحت کر لی کہ آپ ﷺ انہیں قتل نہیں کریں گے بلکہ انہیں صرف جلا وطن کرنے پر اکتفا کریں گے، اور اُن کی جائدادیں رسول اللہ ﷺ کے زیرِ تصرف ہو جائیں گی، شروطِ صلح کے مطابق یہ بات طے پائی کہ آدھی زمینیں اُن کی ہوں گی، اور آدھی رسول اللہ ﷺ کی۔ فدک کی یہ زمینیں رسول اللہ ﷺ کے پاس رہیں، اس لیے کہ یہ بغیر کسی جنگی کارروائی کے حاصل ہوئی تھیں۔

یہودِ وادیٔ قُریٰ:

رسول اللہ ﷺ نے خیبر سے واپسی کے وقت وادیٔ قریٰ کا ارادہ کیا جو خیبر اور تیماء کے درمیان چند بستیاں تھیں۔ آپ ﷺ جب صہباء پہنچے تو وہاں سے مضافاتِ مدینہ میں واقع "برمہ" کی طرف چل پڑے (جو خیبر اور وادیٔ قریٰ کے

---

❶ صحیح مسلم، الجهاد، حدیث: (۱۷۷۱)، صحیح البخاري، كتاب الهبة، حدیث: (۲۶۳۰).

❷ صحیح البخاري، المغازي، حدیث: (۴۲٤۲، ٤٢٤٣).

درمیان واقع ہے، اور جہاں چشمے اور کھجور کے باغات ہیں) وہاں سے آپ ﷺ وادیٔ قریٰ پہنچے جہاں یہود کی آبادی تھی، اور کچھ عرب بھی رہائش پذیر تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو جنگ کے لیے تیار کیا اور ان کی صف بندی کر دی، پھر یہود کو اسلام کی دعوت دی اور انہیں بتایا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں گے تو ان کے اموال اور ان کی جانیں محفوظ ہو جائیں گی، اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے حوالے ہوگا۔ انہوں نے انکار کر دیا اور جنگ کے لیے آمادہ ہو گئے۔ اُس دن شام تک جنگ ہوتی رہی، دوسرے دن صبح کے وقت سورج چڑھنے کے بعد یہود نے شکست قبول کر لی۔ جنگ میں گیارہ یہود قتل کیے گئے، اِس طرح رسول اللہ ﷺ نے وادیٔ قریٰ کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا۔ اسی لیے ان یہود کے اموال کو مسلمان مجاہدین کے لیے اموال غنیمت قرار دیا۔ مسلمانوں کو وہاں بہت سے اموال ومتاع ہاتھ آئے۔

آپ ﷺ نے وہاں چار دن قیام کیا، اموال غنیمت کو صحابہ کرام کے درمیان تقسیم کر دیا، اور زراعتی زمینوں اور کھجوروں کی کاشت کا کام یہود کے ذمہ لگا دیا جس طرح آپ ﷺ نے اہل خیبر اور ان کی زمینوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا۔

یہودِ تیماء:

یہودِ تیماء کو جب رسول کریم ﷺ کے خیبر، فدک اور وادیٔ قریٰ کے یہود کے ساتھ حسن معاملہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے فوراً ہی ادائیگی جزیہ کی شرط پر مصالحت کر لی، اور اپنے شہر میں ہی رہنے لگے، اور ان کی زمینیں انہی کے زیر تصرف رہیں۔ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے خیبر وفدک کے یہود کو تو وہاں سے نکال دیا، اور تیماء اور وادیٔ قریٰ والوں کو ان کے علاقوں سے نہیں نکالا اس لیے کہ یہ دونوں علاقے سرزمینِ شام میں داخل ہیں، اُن کا خیال تھا کہ مدینہ سے وادیٔ قریٰ تک کا علاقہ حجاز ہے، اور اس کے بعد شام کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ایک روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اہل فدک وتیماء اور اہل خیبر کو جلا وطن کر دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ اواخر صفر یا اوائل ربیع الاول سن سات ہجری میں مدینہ واپس آ گئے۔ ❶

فجر کی نماز کے لیے عدمِ بیداری:

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام مدینہ واپس آتے ہوئے رات کے وقت ایک جگہ نیند سے مغلوب ہو کر سو گئے، اور آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو مکلف کیا کہ وہ فجر کی نماز کے لیے سب کو بیدار کریں، لیکن اُن کو نیند آ گئی اور رسول اللہ ﷺ کو بھی نیند آ گئی، نہ آپ ﷺ کی آنکھ کھلی، نہ بلال رضی اللہ عنہ کی، اور نہ کسی دوسرے صحابی کی، یہاں تک کہ آفتاب نکل آیا، اور فجر کی نماز کا وقت جاتا رہا۔

امام مسلم رحمہ اللہ اور دیگر محدثین نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ خیبر سے واپس لوٹے تو رات کے وقت آپ کو نیند آنے لگی، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا، اور بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ پہرہ دیں۔ بلال رضی اللہ عنہ سے جب تک ہو سکا نماز پڑھتے رہے، اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سو گئے، صبح جب قریب ہوئی تو بلال رضی اللہ عنہ فجر کے مطلع کی

---

❶ زاد المعاد: ۳/ ۲۸۰، عیون الأثر: ۲/ ۱۸۸، المغازی: ۲/ ۷۱۱.

طرف رُخ کرکے اپنی سواری سے ٹیک لگا کر آرام کرنے لگے، لیکن ان کو نیند آ گئی، اور رسول اللہ ﷺ بیدار نہ ہو سکے، نہ بلال رضی اللہ عنہ اور نہ کوئی دیگر صحابی، یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے بیدار ہوئے، تو گھبرا کر اُٹھے، اور فرمایا: اے بلال یہ تم نے کیا کیا؟ بلال نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، مجھے بھی نیند آ گئی، جس طرح آپ کو آ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہاں سے چلو، چنانچہ سب اپنی اپنی سواریوں کے ساتھ کچھ آگے بڑھ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے وضو کیا اور بلال کو اقامت کہنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی، اور نماز کے بعد فرمایا: جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے، جب اسے یاد آئے تو پڑھ لے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي ﴾ [طٰه: ١٤]

''مجھے یاد کرنے کے لیے نماز کو قائم کرو۔''

تمام یہودی مراکز پر قبضہ، اور فتح خیبر کے نتائج:

تمام یہودی قلعے اپنی بے حد مضبوطی اور مقاتلین و اسلحہ اور دیگر جنگی اسباب کی فراوانی کے باوجود مسلمانوں کی ایمانی طاقت کے سامنے دھڑام سے گر گئے، اور فتح خیبر کی بازگشت تمام قبائل عرب میں تیزی کے ساتھ پھیل گئی، سب کو اس خبر نے حیرت میں ڈال دیا اور سبھی مرعوب ہو گئے، اور رسول اللہ ﷺ سے دشمنی کرنے سے باز آ گئے، سب آپ ﷺ سے صلح و آشتی کی بھیک مانگنے لگے، اور دعوتِ اسلامیہ کے لیے نئی راہیں ہموار ہو گئیں۔

فتح خیبر کا مسلمانوں کے اقتصادی احوال کو درست کرنے میں بڑا کردار رہا۔ چنانچہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اب ہم پیٹ بھر کر کھجوریں کھائیں گے۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم فتح خیبر کے بعد ہی سیر ہو کر کھا سکے۔

بلا شبہ رسول اللہ ﷺ کا ان جنگی کارروائیوں سے مقصود شر و فساد کی جڑ کو کاٹ دینا، اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہود کی سازشوں کا خاتمہ کرنا تھا، جیسا کہ غزوۂ خیبر کے اسباب کے بیان میں گزر چکا ہے۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ نے بہر حال حصولِ اموالِ غنیمت پر یہود کے اسلام لانے کو ترجیح دی، اسی لیے کسی بھی جنگی کارروائی سے قبل آپ ﷺ یہود کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، لیکن اللہ نے ان کے دل کی طرف جانے والے اسلام کے تمام راستوں کو بند کر دیا تھا۔ اسی لیے انہوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا، اور قتل کیے جانے، ذلت و رسوائی اور در بدر کی ٹھوکریں کھانے کو قبول کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴾ [التکویر: ٢٩]

''اور تم کچھ چاہ نہیں سکتے جب تک کہ اللہ نہ چاہے جو سارے جہان کا رب ہے۔''

اس طرح یہود کی جنگی سازشوں نے دم توڑ دیا اور زمانہ بعید سے حجاز میں عربوں کے خلاف اُن کی ظالمانہ اقتصادی کارروائیوں کا خاتمہ ہو گیا، مسلمان یہودی مکر و فریب سے نجات پا کر جزیرۂ عرب کو اسلام کے جھنڈے تلے یکجا کرنے میں لگ گئے، اور اللہ کی توفیق سے جلد ہی یہ کام ہو گیا، اور علمِ اسلام جزیرۂ عرب میں ہر جگہ لہرانے لگا۔ سچ ہے کہ بہر حال اللہ کا حکم ہی

غالب ہوتا ہے۔

غزوۂ خیبر سے مستفاد فقہی اَحکام:

غزوۂ خیبر کی تفصیلات سے بہت سارے فقہی اَحکام مأخوذ ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر واقعات کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ مزید کچھ دیگر اہم اَحکام یہاں بیان کیے جاتے ہیں۔

(۱) کافروں سے حرام مہینوں میں بھی جنگ کرنی جائز ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ یہودِ خیبر سے نمٹنے کے لیے ماہِ محرم میں روانہ ہوئے تھے۔

(۲) جس قوم کو پہلے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو، اس پر بغیر کوئی اطلاع دیے حملہ کیا جا سکتا ہے۔

(۳) اموالِ غنیمت کی تقسیم بایں طور ہوگی کہ گھوڑ سوار کو تین حصے اور پیدل مجاہد کو ایک حصہ ملے گا۔

(۴) بعض افرادِ فوج کو اگر دشمنوں کی سرزمین پر کوئی کھانے کی چیز ملے تو اس کے لیے اس کا کھانا جائز ہے۔

(۵) اگر جنگ ختم ہونے کے بعد کوئی فوجی دستہ میدانِ جنگ میں پہنچے تو اس کے لیے فوج کی اجازت کے بغیر مالِ غنیمت میں کوئی حصہ نہیں۔

(۶) پالتو گدھے کا گوشت حرام ہے، اس لیے کہ وہ ناجائز و ناپاک ہے۔

(۷) نکاحِ متعہ حرام ہے، جیسا کہ بخاری ومسلم میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(۸) کاشت کے لیے کسی کو زمین دینی اس کے بعض پھل یا اناج کے عوض جائز ہے۔

(۹) معاہدۂ صلح وامن کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کرنا جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودِ خیبر کے ساتھ معاہدۂ صلح کو اس شرط کا پابند کیا تھا کہ وہ لوگ کسی چیز کو نہ چھپائیں، اور یہ کہ اُن میں سے جو کوئی اس شرط کی مخالفت کرے گا اس کا معاہدہ ٹوٹ جائے گا، اور اس کا قتل کرنا جائز ہو جائے گا۔

(۱۰) فقہی اَحکام میں علامات وقرائن کا اعتبار ہوتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے کنانہ بن ابی الحقیق سے کہا تھا: مال زیادہ تھا، اور زمانہ بالکل قریب ہے۔ آپ ﷺ نے اس قرینہ سے اس کی کذب بیانی پر استدلال کیا کہ جنگوں اور دیگر مصارف میں مال ختم ہو گیا۔

(۱۱) جو علاقہ فوج کشی کر کے فتح کیا گیا ہو، اس میں امام کو اختیار ہے، چاہے تو اسے مجاہدین کے درمیان تقسیم کرے، اور چاہے تو ایسا نہ کرے، یا کچھ کو تقسیم کرے، اور کچھ کو نہیں۔

(۱۲) مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے اس کی آزادی کے عوض شادی کر لے۔ اور ایسا کرنے کے لیے نہ اس لونڈی کی اجازت کی ضرورت ہے، نہ ہی اس کے سوا کسی دوسرے ولی کی، اور نہ زواج ونکاح کا لفظ استعمال کرنے کی، جیسا کہ آپ ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا۔

(۱۳) اہلِ کتاب کا ذبیحہ اور ان کا کھانا جائز ہے۔

(۱۴) کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔

سریہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تربہ کے قبیلہ ہوازن کی طرف:

شعبان سن سات ہجری میں رسول کریم ﷺ کو خبر ملی کہ ہوازن کی ایک جماعت جو مکہ سے دو دن کی مسافت پر واقع مقام تربہ میں رہائش پذیر تھی، مسلمانوں سے اظہار عداوت کرتی ہے، آپ ﷺ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تیس آدمیوں کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ بنی ہلال کے ایک رہنما کے ساتھ نکلے، رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے۔ لیکن ہوازن والوں کو خبر ہو گئی اور وہ بھاگ پڑے، عمر رضی اللہ عنہ ان کے مقام رہائش پر پہنچے تو وہاں کسی کو نہ پایا، اور مدینہ واپس آ گئے۔ ❶

سریہ ابوبکر رضی اللہ عنہ دیار نجد کے قبیلہ بنی کلاب کی طرف:

رسول اللہ ﷺ نے اُسی سال ماہ شعبان میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فزارہ کی طرف بھیجا۔ سلمہ بن الاکوع کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکرؓ کو فزارہ کی طرف بھیجا، ہم جب ان کے پانی کے قریب پہنچے، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑاؤ ڈال دیا، جب ہم نے فجر کی نماز پڑھ لی تو انہوں نے اُن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جب ان کے پانی کے پاس پہنچے تو ابوبکرؓ اور ہم نے دشمنوں میں سے کچھ کو قتل کیا۔ سلمہؓ کہتے ہیں: ہماری نظر کچھ گردنوں پر پڑی تو میں ڈرا کہ یہ لوگ کہیں سبقت کر کے ہم سے پہلے پہاڑ تک نہ پہنچ جائیں، چنانچہ میں نے اُن کے اور پہاڑ کے درمیان ایک تیر پھینکا، انہوں نے جب تیر دیکھا تو کھڑے ہو گئے، اور میں اُن سب کو ہانک کر ابوبکرؓ کے پاس لے آیا۔ ❷

سریہ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ فدک کے بنی مُرّہ کی طرف:

اسی ماہ شعبان میں ہی رسول اللہ ﷺ نے بشیر بن سعد انصاریؓ کو تیس آدمیوں کے ساتھ فدک میں مقیم بنی مُرّہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ جب وہاں پہنچے تو کوئی نہیں ملا، صرف ان کے اونٹ اور بکریاں ملیں جنہیں وہ ہانک کر مدینہ کی طرف چل پڑے، لیکن ابھی بشیرؓ وادی میں ہی تھے کہ بنی مُرّہ کے ایک آدمی نے چیخ کر اپنی قوم کو آواز دی، اور انہوں نے بشیرؓ کو آ لیا، اور دونوں طرف سے تیر اندازی شروع ہو گئی یہاں تک کہ بشیرؓ اور ان کے ساتھیوں کے تیر ختم ہو گئے، اور صبح ہو گئی، صبح کے وقت دونوں جماعتوں کے درمیان سخت لڑائی ہوئی جس میں اکثر مسلمان شہید ہو گئے، اور بشیرؓ بُری طرح زخمی ہو کر مسلمان مقتولین کے درمیان پڑے رہے جب شام ہوئی تو بڑی مشکل سے چل کر فدک پہنچے، اور ایک یہودی کے پاس چند دن رُکے رہے یہاں تک کہ اُن کا زخم کچھ مندمل ہو گیا تب کسی طرح مدینہ پہنچے۔ پھر آپ ﷺ نے غالب بن عبداللہؓ کو دو سو آدمیوں کی معیت میں بھیجا، اُن کے ساتھ اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی تھے، جب یہ لوگ بشیرؓ اور ان کے ساتھیوں کی جگہ پر پہنچے، تو بنی مُرّہ کے آدمی برسر پیکار ہو گئے، ایک گھنٹہ تک جنگ ہوتی رہی، اس کے بعد مسلمان مجاہدین نے اپنے دشمنوں کو اپنی تلواروں کی اَنی پر لے لیا، انہیں قتل کیا، اور اُن کی عورتوں اور جانوروں پر قبضہ کر لیا۔ اس جنگ کے غنائم سے ہر ایک مجاہد کو دس دس اونٹ یا اسی کے مساوی بکریاں ملیں۔ ❸

---

❶ مغازی الواقدی: ۲/ ۷۲۲، عیون الأثر: ۲/ ۱۸۸۔ ❷ صحیح مسلم، الجهاد، حدیث: (۱۷۵۵)، ابو داؤد، الجهاد، حدیث: (۲۶۹۷)، مسند احمد: ٤/ ٤٦، مغازی الواقدی: ۲/ ۷۲۲۔ ❸ مغازی الواقدی: ۲/ ۷۲۳-۷۲۵۔

سریہ غالب بن عبداللہ لیثی مقام مَیفعہ کی طرف:

رمضان سن سات ہجری میں اللہ کے رسول ﷺ نے غالب بن عبداللہؓ کو مَیفعہ والوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا جو بطنِ نخل کے بعد نجد کے علاقے میں واقع تھا، اُن کے ساتھ ایک سو تیس سوار تھے، اور اُن کے رہنما نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام یسار تھے۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے کافروں پر حملہ کر دیا، اُن میں سے کچھ کو قتل کیا اور کچھ کو قیدی بنا لیا۔ اور جب معرکہ جاری تھا تو اُسامہ بن زیدؓ نے ایک مشرک کا پیچھا کیا، جب اس آدمی نے موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رقص کرتے دیکھا تو پکار اٹھا: لا إلٰه إلا اللّٰه، لیکن اُسامہؓ نے یہ سمجھ کر اسے قتل کر دیا کہ اس نے محض اپنی موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا ہے۔ یہ خبر جب رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو فرمایا: اے اسامہ! تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا کہ وہ صادق تھا یا کاذب۔ اُسامہؓ نے کہا: میں اب کسی ایسے آدمی کو ہرگز قتل نہیں کروں گا جو اس بات کی گواہی دے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اسامہ! کیا تم نے اس کی زبان سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ سننے کے بعد اسے قتل کر دیا؟ اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس نے اپنی جان بچانے کی کوشش کی تھی، اُسامہؓ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اس بات کو بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔ ●

سریہ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ یمن وجُبار کی طرف:

یہ سریہ ماہ شوال سن سات ہجری میں بھیجا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ مقام جناب میں رہائش پذیر قبیلہ غطفان کے کچھ لوگوں سے عیینہ بن حصن الفزاری نے وعدہ کیا ہے کہ سب اکٹھے ہو کر رسول اللہ ﷺ پر مدینہ میں حملہ کریں گے۔ آپ ﷺ نے بشیر بن سعدؓ کو بلا کر ایک جھنڈا دیا، اور تین سو آدمیوں کی معیت میں اُن کو روانہ کیا، یہ لوگ رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپ جاتے، یہاں تک کہ یمن وجُبار پہنچے، پھر دشمنوں کے قریب پہنچے، اور اُن کے بہت سارے جانوروں پر قابض ہو گئے، چرواہے بھاگ پڑے، اور جا کر سب کو خبر کر دی، پھر سبھی بھاگ پڑے اور علاقہ کی بالائی جگہوں پر جا کر پناہ گزیں ہو گئے۔ بشیرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کی جگہ پہنچے تو وہاں کوئی نہ تھا اس لیے جانوروں کو لے کر واپس چل پڑے، جب مقام "سلاح" پر پہنچے تو عیینہ کا ایک جاسوس ملا، انھوں نے اُسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ پھر عیینہ کو اچانک جالیا اور ان کے ساتھ جھڑپیں ہونے لگیں، اور آخر میں عیینہ کی جماعت بھاگ پڑی، صحابہ کرامؓ نے ان کا پیچھا کیا، اور ایک دو آدمی کو قیدی بنا کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر کیا، وہاں وہ مسلمان ہو گئے، تو آپ ﷺ نے انھیں چھوڑ دیا۔ ●

عُمرۃ القضاء:

سن سات ہجری میں جب ماہ ذی القعدہ کا چاند طلوع ہوا، یعنی خیبر سے واپسی کے تقریباً چار ماہ بعد، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو عمرہ کرنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ جو لوگ صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہے، سوائے ان کے جو معرکۂ خیبر میں شہید ہو گئے، یا وہ لوگ جو وفات پا گئے، اور ان حضرات کے ساتھ کچھ دیگر مسلمان بھی ہو لیے

● صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (٤٢٦٩)، عیون الأثر: (٢/ ١٩٠).

● مغازی الواقدی: ٢/ ٧٢٧، ٧٢٨، عیون الأثر: (٢/ ١٩١).

جو صلح حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے تھے، اس طرح عورتوں اور بچوں کے علاوہ اُن کی تعداد دو ہزار ہوگی۔

رسول کریم ﷺ نے گزشتہ سال کے قریشیوں کے ساتھ معاہدۂ صلح کے مطابق عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ کا قصد کیا، اور مدینہ میں اپنا خلیفہ ابورُہم غفاریؓ کو مقرر کر دیا۔ ایک دوسرے قول کے مطابق ابوذر غفاریؓ کو، اور تیسرے قول کے مطابق عویف بن اضبط دیلی رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔

آپ ﷺ اپنے ساتھ ساٹھ اونٹ لے گئے، اور ان کا نگراں ناجیہ بن جندب اسلمیؓ کو بنا دیا، جو ان کو ہانکتے اور ان کے چرنے کے لیے درختوں کی تلاش کرتے۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھ ہتھیار، زرہیں، تلوار اور نیزے وغیرہ بھی لے لیے، اور سو گھوڑے بھی ساتھ لے گئے، اور جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے ساتھ ہتھیار بھی لے جا رہے ہیں حالانکہ انہوں نے یہ شرط لگائی تھی کہ ہم اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہیں لیں گے، سوائے اس ہتھیار کے جو ایک مسافر کے پاس ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہم انہیں لے کر حرم میں داخل نہیں ہوں گے۔ اگر راہ میں کافروں کی کوئی جماعت ہمارے خلاف اُٹھے گی تو ہمارے ہتھیار ہمارے قریب ہوں گے۔

جب آپ ﷺ بطن یاجج پہنچے تو وہاں سارا اسلحہ چھوڑ دیا اور اوس بن خولی انصاریؓ کو دو سو مجاہدین کے ساتھ اسی مقام پر رہنے دیا، اور مسافر کے ہتھیار کے ساتھ حدودِ حرم میں داخل ہوئے۔ جب قریشیوں کو خبر ملی تو وہ مکہ سے نکل کر پہاڑ کی چوٹیوں پر چلے گئے اور کہنے لگے کہ ہم نہ محمد (ﷺ) کو دیکھیں گے اور نہ اس کے ساتھیوں کو۔ اور رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہدی کے جانور مقام ذی طویٰ میں ہی روک دیے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر صحابہ کرام کے ساتھ تلبیہ کہتے ہوئے آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ بیت اللہ کے پاس پہنچ گئے۔ اس وقت عبداللہ بن رواحہؓ آپ کی اونٹنی کی باگ ڈور پکڑے ہوئے تھے۔ جب آپ ﷺ حجر اسود کے پاس پہنچے تو اپنی چھڑی کے ذریعہ اسے چھوا درآنحالیکہ آپ اپنی سواری پر سوار تھے اور اپنی چادر کو دائیں بغل سے گزار کر اس کے دونوں کناروں کو بائیں کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ بعض مشرکین مقام قعیقعان میں بیٹھ کر مسلمانوں کو طواف کرتے دیکھتے رہے۔

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو دورانِ طواف جھک کر چلنے کا حکم دیا تاکہ مشرکین دیکھیں کہ مسلمانوں میں قوت ہے، اس لیے کہ مہاجرین کے بارے میں مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ یثرب کے بخار نے اُن کو توڑ دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے خود دوڑ لگائی اور صحابہ نے بھی لگائی، اور آپ ﷺ جب رکن یمانی کے پاس پہنچے، اور قریشیوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو آپ ﷺ اور صحابہ کرام نے عام رفتار اختیار کر لی یہاں تک کہ آپ ﷺ نے حجر اسود کا استلام کیا، اسی طرح آپؐ نے تین چکر لگائے۔ اب یہ فعل مسلمانوں کے لیے آپؐ کی سنت بن گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ اور صحابہ کرام نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی، آپ ﷺ سعی کے دوران اپنی سواری پر تھے، اور ہدی کے جانوروں کو آپ ﷺ نے مروہ کے پاس ٹھہرا رکھا تھا، اور فرمایا: یہ ذبح کرنے کی جگہ ہے، اور مکہ کی تمام گلیاں اور راستے قربانی کی جگہیں ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے مروہ کے پاس ہدی کا جانور ذبح کیا اور سر کے بال منڈوائے، اور مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اللہ نے آپ ﷺ کا وہ عمرہ پورا کرا دیا جس کا ذکر سورۃ الفتح کی آیت (۲۷) میں یوں آیا ہے:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ [الفتح: ۲۷]

"اللہ نے اپنے رسول کا برحق خواب سچ کر دکھایا، اگر اللہ نے چاہا تو تم یقیناً مسجد حرام میں داخل ہوگے، دراں حالیکہ تم امن میں ہوگے، اپنے سروں کے بال منڈائے یا کٹائے ہوگے، تم خوف زدہ نہیں ہوگے، پس اُسے وہ معلوم تھا جو تم نہیں جانتے تھے، چنانچہ اُس نے اس سے پہلے تمہیں ایک قریب کی فتح عطا کی۔"

پھر آپ ﷺ نے کچھ صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ بطن یا جج جائیں اور ہتھیاروں کی نگرانی کریں، اور وہ صحابہ کرام آجائیں جنہوں نے اب تک عمرہ نہیں کیا تھا تاکہ عمرہ ادا کرلیں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں تین رات قیام فرمایا، چوتھے دن ظہر کے وقت سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ آئے اور کہنے لگے کہ آپ کو دی گئی مہلت ختم ہوگئی ہے، اس لیے آپ یہاں سے نکل جایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے یہاں ایک عورت سے شادی کرلی ہے، اگر میں یہاں رُک کر اس سے ملاقات کرلوں اور تم لوگ اور ہم لوگ اس مناسبت سے ایک ساتھ کھانا کھالیں تو تمہارا کوئی نقصان تو نہیں ہوگا۔ (آپ ﷺ نے مکہ پہنچ کر میمونہ بنت حارث ؓ سے نکاح کر لیا تھا، اور اُن سے آپ کی شادی عباس بن عبدالمطلب ؓ نے کرائی تھی اس لیے کہ میمونہ ؓ کی بہن اُمّ الفضل عباس ؓ کی بیوی تھیں) دونوں قاصدوں نے کہا: ہم اللہ کا اور عہد کا واسطہ دیتے ہیں کہ تم لوگ یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ آپ ﷺ نے ابورافع ؓ کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں میں رختِ سفر باندھنے کا اعلان کردیں، اور کہا: اب یہاں کوئی مسلمان شام تک نہ رُکے، اور آپ ﷺ نے ابورافع ؓ کو حکم دیا کہ وہ چلتے وقت میمونہ (ؓ) کو اونٹنی پر سوار کر کے لے آئیں۔

رسول اکرم ﷺ نے مقام سَرِف میں قیام فرمایا، یہاں تک کہ میمونہ ؓ آپ کے پاس وہاں آگئیں، آپ ﷺ نے اُن سے اُسی جگہ پہلی بار ملاقات کی۔ مکہ سے چلتے وقت نادان مشرکوں اور ان کے بچوں نے میمونہ ؓ اور ان کے ساتھ رہ جانے والے صحابہ کرام کو اذیت پہنچائی تھی۔ پھر سَرِف سے روانہ ہو کر رسول اللہ ﷺ مدینہ آگئے۔

عمرۃ القضاء کے مفید نتائج میں سے یہ بھی تھا کہ مکہ کے بہت سے کفار آپ ﷺ اور مسلمانوں کے خوشگوار احوال سے بہت متاثر ہوئے اور اسلام کی دعوت کو قبول کرنے کے لیے سنجیدگی سے سوچنے لگے۔ انہوں نے دیکھا کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ جو کل مکہ میں ذلیل کیے جاتے تھے، آج اسی مکہ میں سر اُٹھا کر بے خوف وخطر چل رہے ہیں، تو بڑے متاثر ہوئے۔ سچ ہے کہ عزت صرف اللہ، اُس کے رسول اور مؤمنوں کے لیے ہے۔

سیّدہ میمونہ ؓ کی رسول اللہ ﷺ سے شادی:

قتادہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں عمرہ کے وقت میمونہ بنت الحارث ؓ سے نکاح کیا تھا، انہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ہبہ کر دیا تھا، انہی کے بارے میں آیت نازل ہوئی تھی:

﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الأحزاب: ۵۰]

''اور اس مسلمان عورت کو بھی جو اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ کر دے، اگر نبی اس سے شادی کرنا چاہیں، یہ حکم آپ کے لیے خاص ہے، عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔''

میمونہؓ پھر آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ چلی آئیں۔ آپ ﷺ سے پہلے اُن کی شادی فروۃ بن عبدالعزیٰ سے ہوئی تھی۔ ❶

ابو عبیدہ معمر بن المثنی کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ خیبر سے فارغ ہوئے، تو سن سات ہجری میں عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، انہی دنوں جعفر بن ابی طالبؓ حبشہ سے آئے تھے، آپ ﷺ نے میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے کے لیے ان کو پیغام دیا، چونکہ ماں کی طرف سے ان کی بہن اسماء بنت عمیسؓ جعفر کے نکاح میں تھیں۔ میمونہؓ نے جعفرؓ کو اپنی منظوری کی خبر کر دی، اور اپنی شادی کا معاملہ عباس بن عبدالمطلبؓ کے حوالے کر دیا، چنانچہ عباسؓ نے ان کا نکاح نبی کریم ﷺ سے کر دیا، آپ ﷺ اس وقت حالتِ احرام میں تھے، اور جب آپ ﷺ مدینہ کے لیے لوٹنے تو مقامِ سرف میں میمونہؓ سے پہلی بار ملے، اس وقت میمونہؓ چھبیس سال کی بیوہ تھیں۔ ❷

راجح یہی ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے حلال ہونے کے بعد شادی کی تھی، جیسا کہ ابو داود نے میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، ❸ اور ترمذی نے ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے نکاح حلال ہونے کے بعد کیا تھا، اور رخصتی بھی حالتِ حلال میں کی تھی، اور دونوں کے درمیان واسطہ خیر میں بنا تھا۔ ❹ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ رسول اللہ ﷺ نے میمونہؓ سے جب شادی کی تو آپ ﷺ حالتِ احرام میں تھے، اور جب وہ رخصت ہو کر آپ ﷺ کے پاس گئیں تو آپؐ حلال ہو چکے تھے، یہ صحیح نہیں ہے، اُن کو وہم ہوا ہے۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ سے وہم ہوا ہے، اگرچہ میمونہؓ اُن کی خالہ تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے نکاح عمرہ سے حلال ہونے کے بعد کیا تھا، سعید کا یہ قول بخاری نے روایت کیا ہے۔ ❺

میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات قولِ راجح کے مطابق سن ۵۱ ہجری میں ہوئی، اور ان کی وصیت کے مطابق مقامِ سرف میں اسی جگہ دفن کی گئیں جسے رسول اللہ ﷺ نے رخصتی کی رات اُن کے لیے تیار کروایا تھا۔ وفات کے وقت اُن کی عمر اسی سال تھی، رحمہا اللہ ورضی عنہا۔

سریہ ابن ابی العوجاء رضی اللہ عنہ ذی الحجہ سن ۷ ہجری میں:

رسول اللہ ﷺ سن سات ہجری میں عُمرۃ القضاء کی ادائیگی کے بعد واپس آئے، تو ابن ابی العوجاء کو پچاس مجاہدین کے ساتھ بنی سلیم کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا جو خیبر کے قریب نجد کے بالائی علاقہ میں ایک عرب قبیلہ تھا، اس لیے کہ وہ لوگ

❶ الاستیعاب: ٤/ ١٩١٧، اسد الغابۃ: ٧/ ٢٧٤، الإصابۃ: ٨/ ١٩٧.

❷ ابو عبیدہ فی تسمیۃ أزواج النبی ﷺ: ص/ ٦٧، الاستیعاب: ٤/ ١٩١٦.

❸ صحیح مسلم، حدیث: (١٤١١)، سنن ابی داؤد، حدیث: (١٨٤٣)، الترمذی، حدیث: (٨٤٥)، ابن ماجہ، حدیث: (١٩٦٤).

❹ الترمذی: ١/ ٨٤١، التمہید: ٣/ ١٥٢.

❺ زاد المعاد: ٣/ ٢٩٤.

مسلمانوں کو ایذاء پہنچاتے تھے، اور غیر مسلموں کو ان کے خلاف اُبھارتے تھے، لیکن مجاہدین سے پہلے اُن کے پاس اُن کا ایک جاسوس پہنچ گیا اور انہیں مجاہدین کی آمد کی اطلاع دے دی، اس لیے انہوں نے علاقہ کے بہت سے مشرکوں کو اکٹھا کر لیا، چنانچہ ابن ابی العوجاء ان کے پاس پہنچے تو وہ ان کا مقابلہ کرنے کی زور شور سے تیاری کر رہے تھے، صحابہ کرام نے جب ان کو دیکھا تو انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، انہوں نے تیر اندازی شروع کر دی، اور ان کی دعوت کو قبول نہیں کیا، اور کہنے لگے کہ ہمیں تمہاری دعوت کی ضرورت نہیں۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک تیر چلاتے رہے، اور ہر طرف سے ان کے امدادی دستے آتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے مسلمان مجاہدین کے گرد ہر چہار جانب سے گھیرا تنگ کر دیا۔ مسلمانوں نے زبردست جنگ کی یہاں تک کہ ان کے اکثر لوگ شہید ہو گئے، اور ابن ابی العوجاء بُری طرح زخمی ہو گئے، اور بڑی مشکل سے مدینہ واپس آ سکے، اور رسول اللہ ﷺ کو سارا ماجرا سنایا، آپ ﷺ نے سن کر بہت زیادہ اثر لیا، ابن ابی العوجاء ماہ صفر سن ۸ ہجری کی پہلی تاریخ کو مدینہ واپس پہنچے تھے۔ ❶

سریہ غالب بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ مقام کدید کے بنی الملوح کی طرف:

ماہ صفر سن ۸ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے غالب بن عبداللہ لیثی کو دس سے زیادہ مجاہدین کے ساتھ بنی الملوح کی طرف روانہ کیا جو مسلمانوں کو اذیت دیتے تھے اور دیگر غیر مسلموں کو اُن کے خلاف اُبھارتے تھے۔ غالب رضی اللہ عنہ جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ مقام کدید پر پہنچے تو ان کو حارث بن مالک لیثی مل گیا جو ابن البرصاء کے نام سے مشہور تھا، اور مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا، انہوں نے اس کو قید کر لیا، اس نے کہا کہ میں تو اسلام قبول کرنے کے لیے ہی آیا ہوں، اور رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے قصد سے نکلا ہوں، مجاہدین نے اس سے کہا: اگر تم مسلمان ہو تو ایک رات کی قید تمہیں نقصان نہیں دے گی، اور اگر تم جھوٹ بول رہے ہو تو ہمیں اندازہ ہو جائے گا، چنانچہ اسے اچھی طرح باندھ دیا، اور اس کی نگرانی کے لیے ایک آدمی کو اس کے پاس چھوڑ دیا، اور باقی لوگ بنی الملوح کے علاقہ میں پہنچ گئے اور صبح ہوتے ہی اُن پر حملہ کر دیا، اور اُن میں سے کچھ لوگوں کو قتل کر دیا، اور ان کے اونٹوں اور بکریوں کو ہانک کر مدینہ واپس آنے لگے، لیکن دشمنوں کا ایک آدمی جلدی ہی علاقہ کے دیگر کافروں کے پاس پہنچ گیا اور انہیں چیخ چیخ کر حالت سے باخبر کیا، چنانچہ اُن کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی اور مجاہدین پر حملہ کرنے کے لیے دوڑ پڑے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر رحم کیا اور اچانک ایک سیلاب امڈ پڑا جو ان کے اور کافروں کے درمیان حائل ہو گیا، اور مسلمان مجاہدین کافروں کے جانوروں کو ہانکتے ہوئے مدینہ آ گئے۔ ❷

خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم کا اسلام:

صفر سن ۸ ہجری میں ہی تین عظمائے قریش اسلام میں داخل ہوئے جنہوں نے جیش اسلامیہ کی تاریخ ساز قیادت کی۔ یہ تینوں خالد بن الولید، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم تھے۔ ان حضرات کے اسلام لانے سے رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے۔ ان کے اسلام لانے کے واقعہ کو بیہقی، واقدی اور احمد و حاکم وغیرہم نے بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب اللہ عزوجل نے میرے لیے بھلائی کا ارادہ کیا تو میرے دل میں اسلام کی محبت

❶ عیون الأثر: ۲/ ۱۹۳، مغازی الواقدی: ۲/ ۷۴۱. ❷ عیون الأثر: ۲/ ۱۹۳- ۱۹۴، طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۲۴- ۱۲۵.

ڈال دی، اور مجھے رُشد وہدایت کی بات سمجھ آنے لگی، اور سوچا کہ میں محمد (ﷺ) کے خلاف جتنی جنگوں میں حصہ لیتا رہا ہوں، جب بھی ان میں سے کسی جنگ سے واپس آیا تو دل نے گواہی دی کہ میری سعی لا حاصل ہے، اور محمد (ﷺ) عنقریب غالب ہو کر رہیں گے۔

جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے لیے روانہ ہوئے تو میں مشرکوں کے گھوڑ سواروں کے ساتھ نکلا، اور رسول اللہ ﷺ سے ان کے صحابہ کرام کے ساتھ مقام عسفان میں ملاقات ہوگئی، اور میں آپ ﷺ کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا، اور جب آپ ﷺ عمرۃ القضاء کے لیے مکہ تشریف لائے، تو میں غائب ہوگیا، اور مکہ میں ان کے داخلہ کا مشاہدہ نہ کرسکا۔ اور میرے بھائی ولید نے بحیثیت مسلمان نبی کریم ﷺ کے ساتھ عمرہ کیا، اور مجھے تلاش کیا، میں انہیں نہیں ملا، تو مجھے ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ''مجھے اسلام کے سلسلہ میں تمہاری بے عقلی سے زیادہ کسی بات سے تعجب نہیں، حالانکہ تمہاری عقل تو بڑی ہے، اور اب اسلام سے تو کوئی آدمی ناواقف نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھا ہے کہ خالد کہاں ہے؟ میں نے کہا ہے کہ عنقریب اللہ اسے لے آئے گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''خالد جیسا آدمی اب اسلام سے ناواقف نہیں ہے، اور اگر وہ اپنی کوششوں کو مسلمانوں کے لیے مشرکوں کے خلاف استعمال کرتا تو اس کے لیے بہتر تھا، اور ہم اسے دوسروں پر ترجیح دیتے۔'' اس لیے اے بھائی! اب بھی تلافی مافات کرلو، بہت سے مفید مواقع سے تم محروم ہوگئے ہو۔''

خط ملنے کے بعد میں نے نکلنے میں جلدی کی، اور دخولِ اسلام کی رغبت بڑھ گئی، اور رسول اللہ ﷺ کے میرے بارے میں سوال سے میں خوش ہوا، اور میں نے خواب دیکھا کہ ''میں ایک خشک اور تنگ سرزمین میں ہوں، اور وہاں سے نکل کر ایک کشادہ اور سرسبز وشاداب علاقہ میں آگیا ہوں۔'' میں نے سوچا: یقیناً یہ ایک اہم خواب ہے، ہم جب مدینہ آئے تو سوچا کہ میں اس کا ذکر ابوبکرؓ سے ضرور کروں گا، چنانچہ میں نے اُن سے بیان کیا، تو انہوں نے کہا کہ اس میں تمہارے مکہ سے نکلنے کی طرف اشارہ ہے جس کے بعد تم کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ہدایت دی ہے، اور اس تنگی سے مراد جس میں تم تھے شرک ہے۔

خالد بن ولیدؓ نے جب مکہ سے روانگی کا ارادہ کیا تو وہ صفوان بن امیہ کے پاس گئے، اور اس سے کہا کہ وہ بھی ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے، لیکن اس نے پوری شدت کے ساتھ انکار کردیا، پھر وہ عکرمہ بن ابی جہل کے پاس گئے، اور صفوان کی طرح اس سے بھی ساتھ چلنے کو کہا، لیکن اس نے بھی صفوان کی طرح انکار کردیا۔

پھر وہ عثمان بن طلحہؓ کے پاس گئے، اور اُن سے صفوان وعکرمہ کی طرح چلنے کو کہا، وہ فوراً تیار ہوگئے، دونوں الگ الگ رات کے وقت نکلے اور مقام یاجج پر جا ملے، اور وہاں سے ایک ساتھ چلے، دونوں کی مقام ''الهدۃ'' میں عمرو بن العاصؓ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے بتایا کہ وہ بھی اسلام قبول کرنے کی نیت سے نکلے ہیں، وہاں سے تینوں ایک ساتھ چلے اور ماہ صفر میں مدینہ پہنچے، اور جب رسول اللہ ﷺ کو اُن کی آمد کی خبر ہوئی تو بہت خوش ہوئے۔ خالدؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے مسکراتے چہرہ کے ساتھ اُن کے سلام کا جواب دیا، خالدؓ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے تم کو ہدایت دی۔ میں سمجھتا تھا کہ تم عقلمند انسان ہو، اور امید تھی کہ تمہاری عقل تمہیں خیر پہنچائے گی۔ ان کے بعد عمرو اور

عثمان رضی اللہ عنہ بھی آگے بڑھے اور سب نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اس دن کے بعد رسول اللہ ﷺ مہماتی امور میں میرے برابر کسی دوسرے صحابی کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ❶

سریہ شجاع بن وہب اَسدی رضی اللہ عنہ بنی عامر کی طرف:

سن ۸ ہجری ماہ ربیع الاوّل میں رسول اللہ ﷺ نے شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو چوبیس مجاہدین صحابہ کے ساتھ ہوازن کی ایک جماعت بنی عامر پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ لوگ مدینہ سے پانچ رات کی مسافت پر مقام رکبہ کی جہت میں "سی" نامی جگہ میں رہتے تھے، اور مسلمانوں کو نقصان اور اذیت پہنچاتے تھے۔

شجاع رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکلے، رات کو چلتے اور دن کے وقت چھپ جاتے، یہاں تک کہ صبح کے وقت اُن کے پاس پہنچے جبکہ وہ مجاہدین کی آمد سے بالکل غافل تھے، اور اُن پر حملہ کر دیا، اور اُن کے بہت سارے اونٹوں اور بکریوں پر قبضہ کر لیا، اور انہیں ہانک کر مدینہ لے آئے جنھیں بطور مال غنیمت مجاہدین نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ یہ لوگ مدینہ سے پندرہ دن تک باہر رہے تھے۔ ❷

سریہ کعب بن عمیر انصاری رضی اللہ عنہ ذات اَطلاح کی طرف:

سن ۸ ہجری میں ہی رسول اللہ ﷺ نے کعب بن عمیر غفاری رضی اللہ عنہ کو پندرہ مجاہدین کے ساتھ شام کے علاقہ میں "ذات اَطلاح" نامی مقام کی طرف روانہ کیا، جو وادیٔ قُریٰ کے بعد واقع ہے، یہ لوگ جب وہاں پہنچے تو دشمنوں کے ایک آدمی نے اُن کو دیکھ لیا، اور فوراً اپنی قوم کے پاس جا کر ان کو مجاہدین کی آمد کی اطلاع دی اور ان کو بتایا کہ اُن کی تعداد تھوڑی ہے، جب مسلمان اُن کے قریب پہنچے تو اُن کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا بلکہ برسرِ پیکار ہو گئے اور زبردست جنگ کرنے لگے، چنانچہ سب کے سب مسلمان شہید ہو گئے صرف ان کے امیر کعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کسی طرح نجات پا گئے اور مدینہ واپس آنے میں کامیاب ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس المناک خبر سے بڑی تکلیف ہوئی اور ان سے بدلہ لینے کے لیے ایک دوسری جماعت کو بھیجنا چاہا، لیکن آپ ﷺ کو خبر ملی کہ وہ سب اپنی جگہ سے بھاگ گئے، اس لیے ان کی سرکوبی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ ❸

❀❀❀❀

---

❶ مغازی الواقدی: ۲/ ۷۴۶- ۷۴۸، دلائل البیہقی: ۲/ ۳۴۹- ۳۵۲، مسند احمد: ۴/ ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۴، ۲۰۵، مستدرک حاکم: ۳/ ۴۵۴، صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: (۱۲۱).

❷ طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۲۷، وعیون الأثر: ۲/ ۱۹۵.

❸ مغازی الواقدی: ۲/ ۷۵۲، دلائل البیہقی: ۴/ ۳۵۷، ۳۵۸، طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۲۷، ۱۲۸.

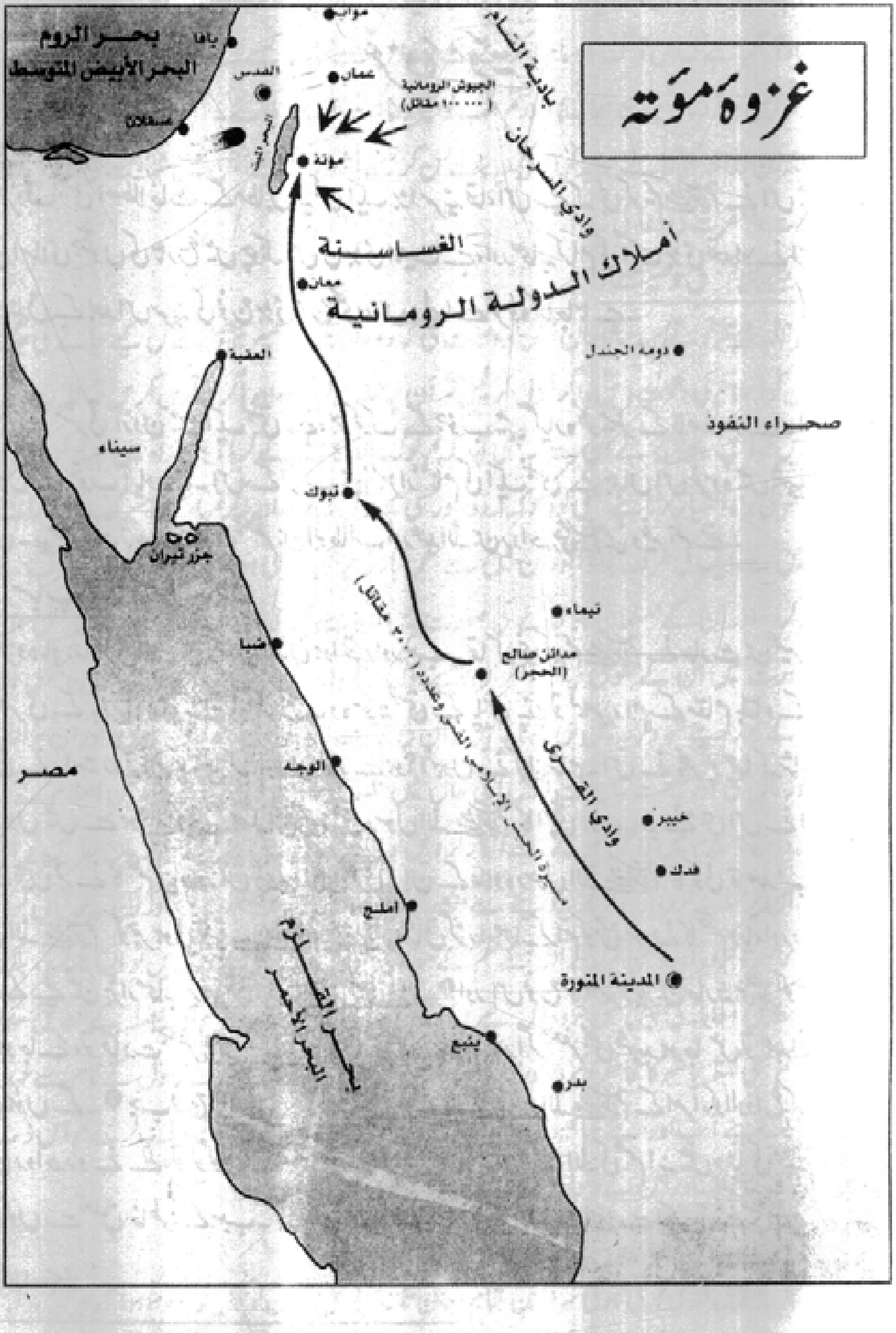
غزوة مؤتة
بحر الروم
البحر الأبيض المتوسط
يافا
القدس
عسقلان
مؤاب
عمان
الجيوش الرومانية
مؤتة
بادية الشام
وادي السرحان
الغساسنة
أملاك الدولة الرومانية
معان
العقبة
دومة الجندل
صحراء النفود
سيناء
تبوك
جزر تيران
تيماء
مدائن صالح
(الحجر)
ضبا
مصر
الوجه
وادي القرى
خيبر
فدك
أملج
البحر الأحمر
المدينة المنورة
ينبع
بدر

غزوۂ موتہ

وجہ تسمیہ:

معروف جنگی اصطلاحات کے مطابق یہ بھی ایک بڑا سریہ تھا، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے اس میں شرکت نہیں کی تھی، لیکن اسلامی جنگوں کی تاریخ میں چونکہ اس کی بڑی اہمیت ہے، اور صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد نے اس میں شرکت کی، اور غزوۂ خندق کے بعد اس سریہ کی فوج بڑی فوج تھی، اس لیے اسے غزوہ کہا جاتا ہے۔

مقام:

''موتہ'' مشرقی اُردن میں ایک بستی ہے، جو کرک کے جنوب میں گیارہ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ اور آج کل یہ بستی رہنے والوں سے خوب آباد ہے۔ اس کے قریب ہی ''مزار'' نام کی ایک بستی ہے جہاں اس غزوہ میں شہید ہونے والوں کی قبریں ہیں۔ یہ حضرات زید بن حارثہ، جعفر بن ابو طالب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم وغیرہم تھے۔

تاریخ واسباب:

یہ غزوہ ماہِ جمادی الاولیٰ سن ۸ ہجری میں ہوا تھا، اور سبب یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ نے حارث بن عمیر اَزدی رضی اللہ عنہ کو ایک خط دے کر بُصریٰ کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ جب وہ موتہ بستی کے پاس پہنچے تو قیصر روم کے مقام بلقاء کے حاکم شرحبیل بن عمرو غسانی نے راستہ روک کر پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا: شام۔ اس نے پھر پوچھا کہ شاید تم محمد (ﷺ) کے قاصدوں میں سے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں، میں رسول اللہ ﷺ کا ایلچی ہوں۔ یہ سنتے ہی اس نے ان کو باندھ کر اس کے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا، اور اُن کی گردن ماردی۔ اِن کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی قاصد اب تک مارا نہیں گیا تھا، رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ پر بڑا ہی شاق گزرا، صحابہ کرام کو جمع ہونے کا حکم دیا، اور رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے تین ہزار صحابہ پر مشتمل ایک فوج تشکیل دی۔ ❶ اور اِس فوج کا امیر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بنایا، اور فرمایا: اگر زید شہید ہو جائے، تو قیادت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں چلی جائے گی، اور اگر جعفر بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ قائد جیش ہوں گے۔ ❷ جب فوج کی روانگی کا وقت آیا تو لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے امراء کو الوداع کہا، انہیں سلام کیا۔ عبداللہ بن رواحہ رونے لگے، تو لوگوں نے سبب دریافت کیا، انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! نہ میں دنیا کی محبت میں رویا ہوں، نہ ہی تم لوگوں سے تعلقِ خاطر کے سبب۔ بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے ایک آیت سنی ہے جس میں جہنم کی آگ کا بیان ہے:

---

❶ مغازی الواقدی: ۲/ ۷۵۵-۷۵۶.

❷ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۶۱)، مسند احمد: ۱/ ۲۵۶، ۳۰۰، حاکم: ۳/ ۲۱۲.

﴿وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ [مریم: ۷۱]

''اور تم میں سے ہر شخص اُس پر سے ضرور گزرے گا یہ آپ کے رب کا حتمی فیصلہ ہے۔''

مجھے یاد آ گیا ہے کہ اس آگ کا سامنا کرنے کے بعد اس سے نجات کیسے ملے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ تم سب کے ساتھ ہو، تمھیں ہر آزمائش سے بچائے، اور تم سب کو بخیر وعافیت ہم سے ملائے۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی یہ بات سن کر تین اشعار پڑھے، جن میں شہادت کی تمنا کی، اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے رحمت ومغفرت کی دعا کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سپہ سالارانِ جیش کو وصیت کی کہ وہ حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کے قتل کیے جانے کی جگہ پہنچیں اور وہاں موجود مشرکین کو اسلام کی دعوت دیں، اگر قبول کرلیں تو اُن پر حملہ نہ کریں، اور اگر نہ قبول کریں تو اللہ سے مدد مانگیں اور اُن سے قتال کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بھی کہا کہ تم لوگ اللہ کا نام لے کر اس کی راہ میں جہاد کرو اور ہر اس شخص سے قتال کرو جو کفر کی راہ اختیار کرتا ہے، کسی کو دھوکہ نہ دو، اور کسی بچے کو قتل نہ کرو، اور اگر تمہارے مشرک دشمن سامنے آئیں تو انھیں تین باتوں میں سے ایک کی طرف بلاؤ، اور ان میں سے جس بات پر بھی راضی ہو جائیں اسے اُن کی طرف سے قبول کرلو، اور ان پر حملہ نہ کرو، اور ان کے مسلمان ہو جانے کی صورت میں ان سے کہو کہ وہ دار المہاجرین مدینہ منتقل ہو جائیں، اور ایسا کرنے کی صورت میں اُن کے حقوق دیگر مہاجرین جیسے ہوں گے، اور اُن کی ذمہ داریاں مہاجرین جیسی ہوں گی۔ اور اگر اسلام لانے کے بعد اپنے شہر وقریہ میں ہی رہنا چاہیں تو ان کی حیثیت دیہاتی مسلمانوں کی ہوگی، اور ان پر اللہ کے احکام نافذ ہوں گے، اور مالِ فئی اور غنیمت میں سے انھیں اسی حال میں حصہ ملے گا کہ وہ بھی دیگر مجاہدینِ اسلام کے ساتھ جہاد کریں گے۔ اور اگر دائرۂ اسلام میں داخل ہونے سے انکار کردیں تو ان سے جزیہ دینے کو کہو، اگر مان جائیں تو اُن سے جزیہ لینا قبول کرلو اور ان پر حملہ نہ کرو، اور اگر جزیہ دینے سے انکار کردیں تو اللہ سے مدد طلب کرو اور اُن سے قتال کرو۔ اور اگر تم کسی قلعہ یا شہر کا محاصرہ کرو، اور دشمن تم سے اللہ کے حکم کے مطابق معاملہ کرنے کی بات کریں تو ایسا نہ کرو، بلکہ اپنے فیصلہ اور صوابدید کے مطابق معاملہ کی پیش کش کرو، اس لیے کہ تم نہیں جانتے کہ تم اللہ کے حکم اور فیصلہ کے مطابق معاملہ کرسکو گے یا نہیں۔ اور اگر تم کسی قلعہ یا شہر کا محاصرہ کرو، اور مشرکین چاہیں کہ تم انھیں اللہ اور اس کے رسول کے نام سے عہد وپیمان دے دو تو ایسا نہ کرو، بلکہ اپنے آپ اور اپنے ساتھیوں کے نام سے عہد دو تو نہ دو، اس لیے کہ اگر اللہ نہ کرے تم اس ذمہ کو نباہ نہ سکو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کے نام کا ذمہ نہ نباہ سکو۔ ❶

اسلامی فوج معان میں:

اسلامی فوج پیش قدمی کرتی ہوئی سرزمینِ شام معان تک پہنچ گئی، وہاں لوگوں کو معلوم ہوا کہ ہرقل علاقۂ بلقاء کے مقام مآب میں ایک لاکھ فوجیوں کے ساتھ فروکش ہے، اور قبائلِ عرب لخم وجذام اور قین وبہراء کے ایک لاکھ جنگجو اُن کے ساتھ

❶ مغازی الواقدی: ۲/ ۷۵۷-۷۵۸.

آ کر مل گئے ہیں۔

مسلمانوں کو جب یہ خبر ہوئی تو وہ مقام معان پر دو رات ٹھہرے رہے، اور حالات پر سر جوڑ کر غور کرتے رہے، لوگوں نے کہا: ہمیں رسول اللہ ﷺ کو لکھ کر حالات سے آگاہ کرنا چاہیے اور دشمنوں کی بڑی تعداد کی خبر دینی چاہیے، تاکہ یا تو آپ ﷺ ہماری مدد کے لیے مزید فوج بھیجیں گے، یا ہمیں جیسا حکم دیں گے ویسا کریں گے۔ لیکن عبداللہ بن رواحہؓ نے مجاہدین کی ہمت بڑھاتے ہوئے کہا: لوگو! تم جس چیز کو ناپسند کر رہے ہو، وہ تو وہی ہے جس کی خاطر تم نکلے ہو یعنی اللہ کی راہ میں شہادت۔ اور ہم مسلمان اسبابِ جنگ اور قوت و کثرت کے بل بوتے پر مشرکوں سے جنگ نہیں کرتے ہیں، بلکہ ہم اپنی طاقت تو اس دین سے حاصل کرتے ہیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت بخشی ہے۔ اس لیے ہمیں پیش قدمی کرنی چاہیے اس امید کے ساتھ کہ ہمیں دو نعمتوں میں سے ایک ضرور ملے گی، یا تو ہم غالب ہوں گے یا شہید ہو جائیں گے۔ لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم! ابن رواحہ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔

جنگ شروع ہوتی ہے:

اور بالآخر مقام مؤتہ پر جو جزیرۂ عرب کے شمالی علاقہ میں واقع ہے، اور جو شمالی افریقہ اور ایشیائے کوچک اور یورپ کے لیے اسلام کا دروازہ ہے، جنگ شروع ہو جاتی ہے، مومنوں اور حق پرستوں (جو اسلام کی بالادستی کے لیے اپنی جانیں اپنی ہتھیلیوں پر لیے پھرتے تھے) اور باطل و طاغوت کی فوج کے درمیان جن کی تعداد دو لاکھ تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کے وجود و بقا کی جنگ تھی۔

مسلمانوں کے قائد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی فوج کے میمنہ (دائیں حصہ) کا قائد قطبہ بن قتادہؓ کو مقرر کیا جو بنی عذرہ کا ایک فرد تھا، اور میسرہ (بائیں حصہ) کا کمانڈر عبادہ بن مالک انصاریؓ کو مقرر کیا۔

واقدی نے اپنی سند کے ذریعہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں غزوۂ مؤتہ میں شریک تھا، جب ہم نے مشرکوں کو دیکھا تو اُن کے پاس اتنے سارے اسباب و اسلحہ اور دیباج و حریر اور سونے کی چیزیں دیکھیں کہ میری آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ ثابت بن اقرمؓ نے میری حالت دیکھ کر مجھ سے کہا: اے ابو ہریرہ! کیا بات ہے، کیا آپ دشمنوں کی بڑی تعداد سے گھبرا گئے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ ثابتؓ نے کہا: آپ میرے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے، ہم کثرت کے ذریعہ فتحیاب نہیں ہوئے تھے۔ ❶

اور ابن اسحاق نے اپنی سند کے ذریعہ عروہ سے روایت کی ہے کہ مسلمانوں نے زبردست جنگ کی، یہاں تک کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، پھر جھنڈا جعفرؓ نے لے لیا، اور قتال کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ ❷ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں اس جنگ میں شریک تھا۔ ہم نے جب جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو تلاش کیا تو وہ ہمیں مقتولین میں ملے، اور ان کے جسم پر نیزوں اور تیروں کے نوے سے زیادہ زخم ملے۔ ❸

---

❶ الواقدي: ۲/ ۷٦۰، دلائل البيهقي: ٤/ ۳٦۲. ❷ دلائل البيهقي: ٤/ ۳٦۳.

❸ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤۲٦۱).

ابن اسحاق نے بنی مرّہ بن عوف کے ایک آدمی سے روایت کی ہے کہ ایسا لگتا ہے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو موتہ کے دن ابھی بھی دیکھ رہا ہوں، جب انہوں نے اپنے گھوڑے کا کوچ کاٹ کر اسے چھوڑ دیا، پھر آگے بڑھ کر قتال کرتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں: وہ پہلے مسلمان گھوڑ سوار تھے جنہوں نے اپنے گھوڑے کا کوچ کاٹ کر جنگ کی، اور عربی کے دو اشعار پڑھے جس کا مفہوم یہ تھا کہ "جنت کی قربت کتنی اچھی بات ہے، اور اس کا پانی کتنا ٹھنڈا اور میٹھا ہے، اور رومیوں کو اُن کی بدبختی میرے قریب لائی ہے، جب میں اُن کے قریب ہو کر اُن پر حملے کروں گا۔"

جعفرؓ جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ اُن کا دایاں ہاتھ کٹ گیا، تو انہوں نے بائیں ہاتھ سے جھنڈا پکڑ لیا اور جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا، تو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کے باقی ماندہ حصے سے جھنڈا سنبھال لیا، اور اسے بلند رکھا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اُس وقت اُن کی عمر تینتیس سال تھی۔ اور اپنے دونوں بازوؤں کے بدلے جنت میں دو پروں کے ذریعہ اُڑنے لگے۔ امام بخاریؒ نے عامر سے روایت کی ہے کہ ابن عمرؓ جب جعفرؓ کے بیٹے سے مخاطب ہوتے تو کہتے: اے دو پروں والے جنتی کے بیٹے، السلام علیکم۔ ❶ اور حاکم نے مستدرک اور طبرانی نے معجم کبیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے جعفر کو جنت میں ایک فرشتہ کی شکل میں دیکھا ہے۔ ان کے پاؤں خون میں آلودہ تھے اور وہ جنت میں اُڑ رہے تھے۔ ❷

جعفرؓ کے شہید ہو جانے کے بعد جھنڈا عبداللہ بن رواحہؓ نے سنبھال لیا، اور گھوڑے پر سوار آگے بڑھے، اور اپنے آپ کو قتال کے لیے آمادہ کرنے لگے اور کہنے لگے: اے میری جان! یا تو تو میدان کارزار میں برضا اُترے گی یا پھر اس پر میں تجھے مجبور کر دوں گا۔ جب لوگ ہر چہار طرف سے جمع ہو گئے ہیں اور جنگ کی چیخ پکار شروع ہو گئی ہے تو پھر تو جنت سے کیوں اعراض کر رہی ہے۔ تو بہت دن اطمینان سے رہ چکی، اور تو پانی کے ایک پُرانے تھیلے میں ایک قطرہ کے سوا کیا ہے۔ نیز کہا: اے میری جان! اگر تو قتل نہیں کی جائے گی تو بھی ایک دن ضرور مرے گی، اور اب تو وہ گھڑی آ پہنچی ہے جس کی تو تمنا کرتی تھی، اور اگر تو بھی اپنے سابق دونوں شہیدوں کے نقش قدم پر چلے گی تو ہدایت پا جائے گی۔

پھر میدان میں اُتر گئے، تو اُن کے ایک چچازاد اُن کے لیے ہڈی کا ایک ٹکڑا لے کر آئے اور انہیں پیش کیا اور کہا: آپ ذرا اسے کھا لیجیے، آج آپ نے سارا دن اپنی جان جوکھم میں ڈال رکھی تھی۔ انہوں نے اس ہڈی کو لے کر جوں ہی ایک بار گوشت نوچا، انہوں نے ایک طرف لوگوں کا اژدحام دیکھا۔ اپنی جان سے مخاطب ہو کر کہا: تو اب تک دنیا میں ہے، پھر ہڈی کو پھینک کر تلوار سے جنگ کرنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ❸

---

❶ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (٤٢٦٤، ٣٧٠٩).

❷ المستدرك: (٣/ ٢٠٩)، طبرانی، حدیث: (١٤٦٦)، اس حدیث کی سند جید ہے، اور سنن ترمذی میں، مناقب جعفر میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔

❸ سیرۃ ابن ھشام: (٢/ ٣٧٨)، اور اس کی سند کے تمام راوی ثقات ہیں۔ ابو داؤد، کتاب الجهاد، حدیث: (٢٥٧٣)، بدون اشعار، احمد شاکر رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ دلائل البیهقی: ٤/ ٣٦٣.

اُن کے بعد جھنڈا ثابت بن اَقرم رضی اللہ عنہ نے سنبھال لیا اور کہا: اے مسلمانو! ہم لوگ اپنے درمیان سے ایک آدمی پر اتفاق کرلیں۔ لوگوں نے کہا: ہم لوگ تمہیں اپنا قائد مانتے ہیں۔ انہوں نے کہا: یہ کام مجھ سے نہیں ہوگا۔ پھر تمام مسلمان خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر متفق ہوگئے۔ جب انہوں نے جھنڈا لیا تو مسلمان تتر بتر ہوچکے تھے اور اُن کی معنوی قوت کمزور ہوچکی تھی۔ خالد رضی اللہ عنہ ماہر و تجربہ کار قائد تھے، انہوں نے فوراً مسلمانوں کی صفوں کو ایک دوسرے سے ملایا، اور سارا دن شدید جنگ کرتے رہے۔ دوسرے دن انہوں نے ایک زبردست منضبط جنگی پلان نافذ کیا، اور اسلامی فوج کی ایک بڑی تعداد کو ایک طویل لائن کی شکل میں فوج کے آخری حصہ میں لے جاکر منظم کیا، اور انہیں حکم دیا کہ صبح کے وقت پوری قوت کے ساتھ شور و شغب مچائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، اور نتیجہ کے طور پر دشمنوں کے دل مارے خوف کے کانپنے لگے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کیا کہ فوج کی جگہ بدل دی، دشمنوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کے لیے مدینہ سے امدادی فوج آگئی ہے۔ ایک گھنٹہ تک دشمنوں کے ساتھ مڈبھیڑ کے بعد خالد رضی اللہ عنہ نہایت ہوشیاری اور نظام کی پابندی کے ساتھ فوج کو پیچھے لے جانے لگے، اور رومیوں نے اُن کا پیچھا نہیں کیا، وہ سمجھتے رہے کہ مسلمان کوئی چال چل رہے ہیں اور ان کو صحرا میں دھکیل دینے کی کوشش کررہے ہیں، اسی لیے مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا، بلکہ مارے رُعب و خوف کے خوش ہوئے کہ مسلمانوں نے اُن پر حملہ نہیں کیا اور واپس مدینہ چلے گئے۔ اس جنگی مہارت و تجربہ کے ذریعہ خالد رضی اللہ عنہ نے اسلامی فوج کو ایک المناک انجام سے بچالیا، اور واپس مدینہ منورہ چلے آئے، اور اُن کے صرف بارہ آدمیوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں صحابہ کرام کو زید، جعفر اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر فوج کی واپسی سے پہلے سناتے ہوئے فرمایا: پہلے جھنڈا زید نے لیا، اور کام آگئے، پھر جعفر نے لیا اور کام آگئے، پھر ابن رواحہ نے لیا اور وہ بھی شہید ہوگئے۔ خبر سناتے وقت آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، پھر فرمایا: تینوں کے بعد جھنڈا اللہ کی ایک تلوار نے سنبھالا، اور اللہ نے اُن کے ہاتھوں پر مسلمانوں کو فتح عطا کی۔ ●

اور قیس بن اَبی حازمؒ نے روایت کی ہے کہ میں نے خالد بن ولیدؓ کو کہتے ہوئے سنا: غزوۂ موتہ میں نو تلواریں میرے ہاتھ میں ٹوٹ گئیں، میرے ہاتھ میں صرف یمن کی لوہے کی بنی ہوئی ایک چادر رہ گئی۔ ●

معرکہ میں مسلمان ہی فتح یاب ہوئے:

معرکہ موتہ کے بارے میں مؤرخین مغازی و سیر تین قسموں میں بٹے ہوئے نظر آتے ہیں، بعض نے کہا ہے کہ مسلمانوں کو اس معرکہ میں شکستِ فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ رائے بالکل غلط ہے۔ ابن سعد نے اپنی کتاب ''الطبقات'' میں اس قول کا ذکر کیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ دونوں ہی فوجیں ایک دوسرے سے الگ ہوگئیں۔ معرکہ کی ظاہری تفصیلات کے پیش نظر یہ رائے صائب معلوم ہوتی ہے۔

اور راجح قول یہ ہے کہ رومیوں کو شکست ہوئی اور مسلمانوں کو فتح و کامرانی۔ واقدی، زہری، بیہقی اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہم

● صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤٢٦٢).

● صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤٢٦٥).

کی یہی رائے ہے اور قوی دلیل سے اسی رائے کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی امام بخاری کی روایت سے ثابت ہوتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جھنڈے کو زید نے سنبھالا اور وہ کام آ گئے، پھر اسے جعفر نے سنبھالا اور وہ بھی کام آ گئے، پھر اسے ابن رواحہ نے سنبھالا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے، پھر جھنڈے کو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے سنبھالا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو رومیوں پر غلبہ نصیب کیا۔ ❶

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے معرکہ خالد کو رومیوں پر مسلمانوں کے غلبہ سے تعبیر کیا ہے، اور دوسری دلیل خالد رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ غزوۂ مؤتہ کے دن میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹ گئیں۔ ❷ یہ قول دلیل صریح ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ نے اس دن رومیوں کی بڑی تعداد کو قتل کیا بلکہ رومی قتل کیے جا رہے تھے، اور بھاگتے ہوئے ان کے پیچھے سے مسلمان انہیں قتل کر رہے تھے۔ اور تیسری دلیل یہ ہے کہ مسلمان اس معرکہ میں بہت سے اموال غنیمت پر قابض ہوئے اور کوئی فوج دشمن کے مال پر اسی وقت قابض ہو سکتی ہے جب وہ غالب ہو۔ ❸

معرکہ کے مثبت نتائج:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس معرکہ میں اسلامی فوج نے رومیوں اور یہود و نصاریٰ کے دلوں میں رعب و دہشت اور خوف پیدا کر دیا اس لیے کہ اسلام کے صرف تین ہزار شیر ایک ایسی فوج کے سامنے ڈٹے رہے جن کی تعداد دو لاکھ رومی اور عرب مشرکین پر مشتمل تھی اور مسلمان کسی بڑے جانی خسارہ کے بغیر مدینہ منورہ بحیثیت فاتح واپس آئے۔

مؤرخین سیرت نے لکھا ہے کہ اس معرکہ میں مسلمان شہداء کی تعداد صرف بارہ تھی جبکہ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ رومی مقتولین کی تعداد بہت بڑی تھی۔ صرف خالد بن ولید کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹ گئیں، اور اس بہادرانہ مقابلہ کا اثر یہ ہوا کہ رومی مسلمانوں کے قتال سے بھاگنے لگے۔ حالانکہ اس وقت روئے زمین پر ان کی فوجی طاقت سب سے بڑی تھی۔ اس جنگ کے بعد رومیوں کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کو ان کے رب کی غیبی تائید حاصل ہے، اور یہ کہ ان کے قائد محمد ﷺ اللہ کے برحق رسول اور نبی ہیں، اور اب دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہیں جو اسلامی فوج کی پیش رفت کو روک سکے۔

یہ بات صرف رومیوں کے ساتھ خاص نہیں رہی بلکہ وہ کافر قبائل عرب جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے، اور مدینہ جا کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے عربوں کی بھیڑ جمع کر رہے تھے ان کی طاقت نے بھی جواب دے دیا، ان کے اعصاب معطل ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اگر وہ اسلام میں داخل نہ ہوئے تو عنقریب پکڑ لیے جائیں گے اور قتل کر دیے جائیں گے، اس لیے انہوں نے اپنے اسلام کے اعلان میں تیزی دکھائی۔ وہ مشہور قبائل بنو سلیم، اشجع، غطفان، ذبیان وغیرہم تھے جو اسلامی فوج کے ساتھ ہمیشہ جھڑپوں میں مشغول رہتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اس عظیم تاریخی معرکہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام شام اور عراق سے متصل نجدی قبائل میں تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا، اور ہزاروں لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔

---

❶ اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔ ❷ اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

❸ صحیح مسلم، الجهاد، حدیث: (۱۷۵۳)، ابو داؤد، الجهاد، حدیث: (۲۷۱۹)، مسند احمد: ۶/۲۶، ۲۷، ۲۸.

سریہ ذاتِ سلاسل:

یہ سریہ غزوہ موتہ کے بعد ماہِ جمادی الثانیہ سن ۸ ہجری میں بھیجا گیا، اور اس کا نام ذات السلاسل تبوک کے علاقہ میں جذام نامی سرزمین پر واقع ایک کنویں کے نام پر رکھا گیا جسے وہاں السلسل کہا جاتا تھا۔ ایک دوسرا قول ہے کہ سلاسل وادی قریٰ سے ماوراء ایک زمینی ٹکڑا تھا جو مدینہ سے دس دن کی مسافت پر واقع تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ قضاعہ کے کچھ لوگ اپنے علاقہ میں جمع ہو رہے ہیں تاکہ مسلمانوں پر حملہ کریں، اور وہ لوگ مدینہ کے قریب آ جانا چاہتے ہیں، آپ ﷺ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بلایا، ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھمایا اور سادات مہاجرین وانصار پر مشتمل تین سو مجاہدین کے ساتھ ان کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ جاتے ہوئے جن قبائل عرب کو اپنے ساتھ کر سکیں کر لیں۔ عاص بن وائل کی ماں قضاعہ کے قبیلہ بَلِـیّ کی تھی۔ آپ ﷺ نے مجاہدین سے طلب کیا کہ وہ شام کی سرحدوں پر پہنچ کر بنی قضاعہ اور ان قبائل کے خلاف تادیبی کارروائی کریں جنہوں نے معرکۂ موتہ میں مسلمانوں کے خلاف رومیوں کا ساتھ دیا تھا۔ ❶

یہ لوگ رات میں چلتے تھے اور دن میں چھپ جاتے تھے، جب دشمن کے قریب پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ ان کی تعداد بڑی ہے، اس لیے عمرو رضی اللہ عنہ نے رافع بن مکیث الجہنی رضی اللہ عنہ کو مزید فوجی امداد طلب کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو دو سو صحابہ کرام کے ساتھ بھیجا ان میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی تھے اور انہیں ایک جھنڈا بھی دیا اور حکم دیا کہ وہ عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جائیں اور یہ کہ باہمی اتفاق سے کام لیں اور اختلاف نہ کریں۔ اس طرح وہاں مسلمان مجاہدین کی تعداد پانچ سو ہوگئی۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی، یہاں تک کہ بلادِ قضاعہ اور بلادِ عذرہ اور بالقین کی آخری سرحد تک پہنچ گئے۔ لیکن دشمنانِ اسلام بھاگ گئے اور تتر بتر ہوگئے۔ چنانچہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مدینہ واپس آ گئے، عوف بن مالک اشجعی نے خط بھیج کر رسول اللہ ﷺ کو پہلے ہی سے صحابہ کرام کے محفوظ اور کامیاب لوٹنے کی خبر دے دی تھی۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو جب سریہ ذات السلاسل کے امیر کی حیثیت سے بھیجا تو ان کے ساتھیوں نے ان سے آگ جلانے کی اجازت مانگی انہوں نے ان کو روک دیا، سب نے اس بارے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بات کی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے بات کی لیکن انہوں نے کہا: جو شخص آگ جلائے گا میں اس کو اسی میں ڈال دوں گا۔ اور جب دشمن سے مسلمانوں کی مڈبھیڑ ہوئی تو انہوں نے دشمنوں کو شکست دے دی، اور جب مجاہدین نے ان کا پیچھا کرنا چاہا تو عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کو روک دیا۔ ❷

عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ بھی روایت کی ہے کہ غزوۂ ذات السلاسل کی ایک سخت سرد رات میں مجھے احتلام ہوگیا، اور خوف ہوا کہ اگر نہاؤں گا تو ہلاک ہو جاؤں گا، اس لیے میں نے اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز تیمم کرکے پڑھائی۔

---

❶ مغازی الواقدی: ۲/ ۷۷۰، ۷۷۱.

❷ الترمذی، المناقب، حدیث: (۳۸۸٦)، ابن حبان بحوالہ الإحسان: ۷/ ۳٦، حدیث: (٤٥۲۳)، بخاری اختصار کے ساتھ، فضائل صحابہ، حدیث: (۳٦٦۲)، صحیح مسلم، فضائل صحابہ، حدیث: (۲۳۸٤)، مسند احمد: ٤/ ۲۰۳.

مدینہ واپس آنے کے بعد صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کو تینوں باتیں بتائیں۔ آپ ﷺ نے عمروؓ سے پوچھا تو انہوں نے آگ جلانے سے ممانعت کی وجہ یہ بتائی کہ میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ آگ کی روشنی میں دشمنوں کو ہماری قلت عدد کا اندازہ ہو جائے، اور دشمنوں کا پیچھا کرنے سے اس لیے روکا کہ شاید ان کے لیے فوجی کمک آجائے، اور مسلمانوں کا نقصان ہو جائے۔ آپ ﷺ نے ان کے فیصلوں کو سراہا، اور غسل نہ کرنے کا اُن سے سبب دریافت کیا، تو انہوں نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول سنا ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ [النساء: ۲۹]

''اور تم اپنے آپ کو (یا ایک دوسرے کو) قتل نہ کرو، اللہ تم پر بڑا رحم کرنے والا ہے۔''

یہ سن کر نبی کریم ﷺ ہنس پڑے، اور کچھ نہ کہا۔ ❶

سریہ ابو قتادہ بن ربعی انصاری رضی اللہ عنہ خُضرہ کی طرف:

یہ سریہ سن ۸ ہجری میں خُضرہ کی طرف بھیجا گیا تھا، جو نجد کے علاقہ میں ہے، آپ ﷺ نے ابو قتادہ بن ربعی انصاریؓ کو پندرہ مجاہدین کے ساتھ بھیجا، اور اُن کو بنی غطفان پر حملہ کرنے کا حکم دیا، اس لیے کہ وہ لوگ اُس مقام پر مسلمانوں کے خلاف جمع ہو رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اُن سے کہا تھا کہ وہ رات میں سفر کریں اور دن میں چھپ جایا کریں، اور جب حملہ کریں تو عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کریں۔ چنانچہ ابو قتادہؓ اور ان کے ساتھی رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپ جاتے، اور وہاں پہنچ کر اُن کی ایک بڑی آبادی پر حملہ کیا، اکثر کو قتل کیا، اور مالِ غنیمت حاصل کیا۔ جس میں اونٹوں کی تعداد دو سو اور بکریاں دو ہزار تھیں۔ اور اُن کے بہت سے لوگوں کو قیدی بنالیا، اور دیگر بہت سے اموالِ غنیمت پر قبضہ کر لیا۔ اور تمام اَموال کا پانچواں حصہ الگ کر کے باقی مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا۔ چنانچہ ہر آدمی کو بارہ بارہ اونٹ ملے۔ یہ فوجی دستہ مدینہ سے باہر پندرہ دن رہا۔ ❷

سریہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بطنِ اِضَم کی طرف:

سن ۸ ہجری ماہِ رمضان میں رسول کریم ﷺ نے جب غزوۂ مکہ کا ارادہ کیا، تو ابو قتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ کو آٹھ مجاہدین کے ساتھ بطنِ اِضم کی طرف بھیجا (جو مکہ اور یمامہ کے درمیان مقام سمیہ کے پاس پانی کی ایک جگہ ہے) تاکہ عام لوگ یہ سمجھیں کہ رسول اللہ ﷺ کی توجہ اسی علاقہ کی طرف ہے، اور یہ خبر لوگوں میں پھیل جائے۔

اس فوجی دستہ میں مُحلّم بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ نام کے ایک صحابی تھے، انہوں نے اُس علاقہ کے عامر بن اَضبط اشجعی نامی ایک شخص کو اس کے سلام کرنے کے باوجود قتل کر دیا، اور اس کا مال ومتاع چھین لیا۔ جب یہ مجاہدین واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

---

❶ ابو داؤد، الطهارة، حديث: (۳۳٤، ۳۳٥)، صحيح البخاري (تعليقاً): ۱/ ۳۸۰، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو قوی کہا ہے، اور حاکم نے صحیح کہا ہے، اور ذہبی رحمہ اللہ نے اُن کی موافقت کی ہے۔ اور دیکھئے: مسند احمد: ٤/ ۲۰۳، ۲۰٤.

❷ عيون الأثر: ۲/ ۲۰٦، ۲۰۷، مغازي الواقدي: ۲/ ۷۷۸.

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ﴾ [النساء: ۹۴]

"اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کر رہے ہو، تو تحقیق کر لیا کرو، اور اگر کوئی تمہیں سلام کرے، تو اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے، تمہارا مقصد دنیاوی زندگی کا سامان حاصل کرنا ہوتا ہے، جبکہ اللہ کے پاس بہت ساری غنیمتیں ہیں۔"

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ قبیلۂ غطفان کے سردار عیینہ بن حصن نے رسول اللہ ﷺ سے عامر کی دیت طلب کی۔ اس وقت آپ ﷺ ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما تھے، اور اقرع بن حابس محلم کا دفاع کر رہا تھا۔ بالآخر عامر کے خاندان والے دیت دینے پر راضی ہو گئے۔ ●

● عیون الأثر: ۲/ ۲۰۷، ۲۰۸، طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۳۳، وسرایا وغزوات الرسول ﷺ: ص/ ۷۰.

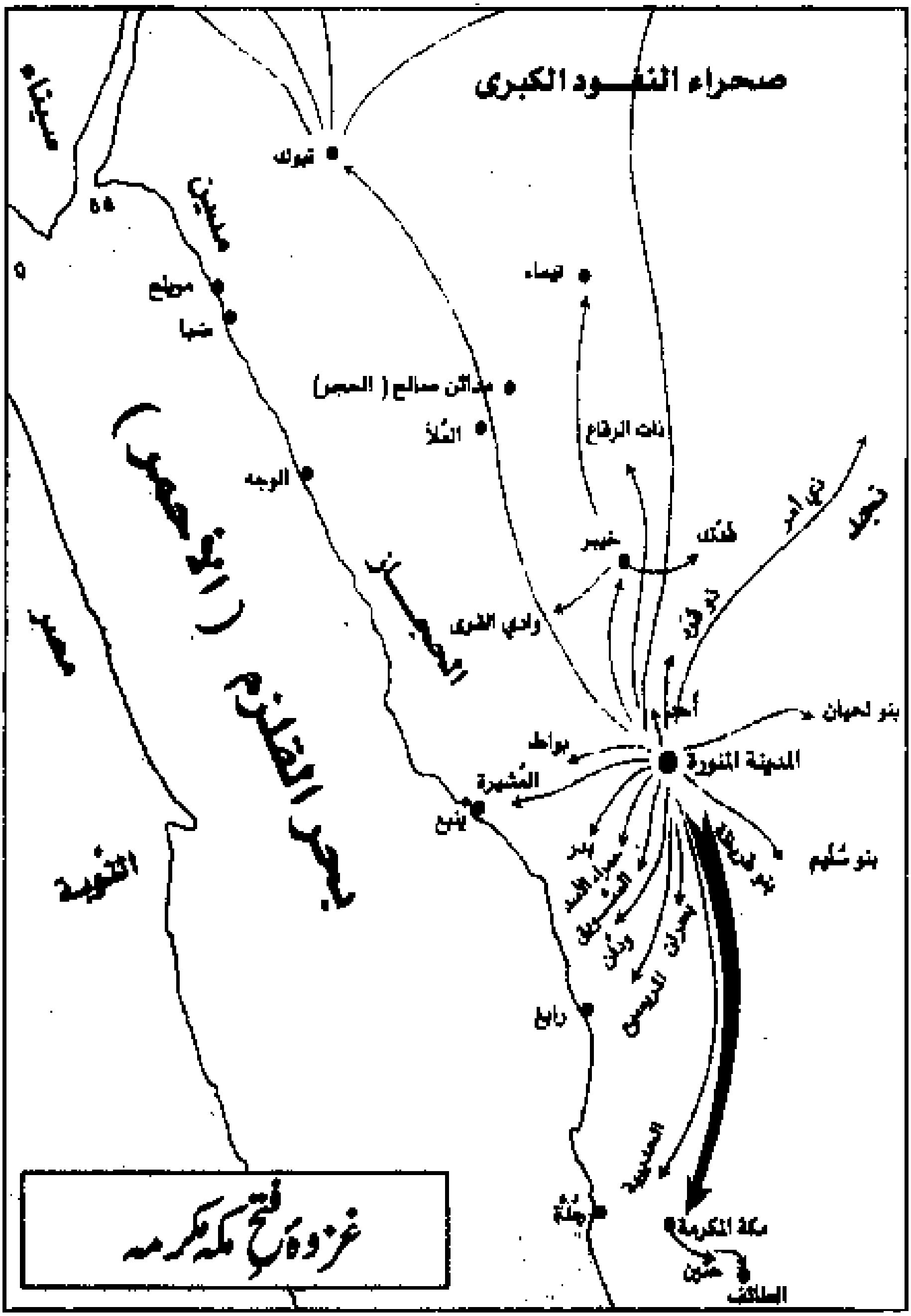
صحراء النفـــود الكبرى
تبوك
تيماء
مدائن صالح (الحجر)
العُلا
الوجه
ذات الرقاع
خيبر
فدك
وادي القرى
نجد
المدينة المنورة
بنو لحيان
بواط
العُشيرة
ينبع
بدر
بنو سُليم
رابغ
مكة المكرمة
حنين
الطائف
غزوة فتح مكة مكرمه

غزوۂ فتحِ مکہ (فتحِ اعظم)

مکہ کو بتوں سے پاک کرنے کی گھڑی آگئی:

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم سے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تاکہ وہ اللہ کا گھر ہو، اور لوگ دنیا کے گوشہ گوشہ سے اس کی زیارت کے لیے آئیں، اُس کا طواف کریں اور حج کریں، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس دور کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق ان باتوں کی تعلیم دی۔ اس لیے بعثتِ نبوی کے بعد اس گھر کو اُن بتوں سے پاک کرنا غایت درجہ ضروری تھا جنہیں قریشیوں نے اُس کے گرد رکھ دیا تھا، اور اس کام کے لیے رسول کریم ﷺ کا مکہ لوٹ کر آنا ضروری تھا، تاکہ وہ سرزمینِ مکہ پر توحید کی بنیادوں کو راسخ کریں۔

چنانچہ جب نبی کریم ﷺ بُت پرستی اور اس کے اثرات، اور یہودیت اور اس کی سازشوں سے مدینہ اور اس کے گرد و نواح کو پاک کرنے سے فارغ ہو چکے، اور مکہ سے باہر کے علاقوں میں آپ ﷺ نے توحید کی بنیادوں کو مضبوط کر دیا، تو اب وقت آچکا تھا کہ آپ ﷺ اپنے رب کے حکم سے مکہ پر توجہ دیتے تاکہ اسے بتوں سے یکسر پاک کر دیتے، اور اُس کی قدیم طہارت و پاکیزگی عود کر آتی، اور اللہ کا گھر موحد مسلمانوں کی زیارت کے لیے تیار ہو جاتا جو مدت سے وہاں آنے اور بیت اللہ کا طواف کرنے کی تمنا دل میں لیے زندگی گزار رہے تھے۔ اور چونکہ قریش کے باقی ماندہ لوگ اب تک انکارِ حق اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کے لیے اصرار کر رہے تھے، اس لیے ضروری تھا کہ نبی کریم ﷺ اپنے مہاجرین و انصار صحابہ کرام کے ساتھ بحیثیت فاتح مکہ مکرمہ میں داخل ہوں۔

فتح مکہ فتحِ اعظم تھا:

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے فتح مکہ کو فتحِ اعظم قرار دیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہی وہ فتح تھی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین و رسول اور لشکرِ اسلام کو عزت بخشی، اور اپنے بلدِ حرام کو کفار و مشرکین کے قبضہ سے نجات دی۔ یہی وہ فتح تھی جس کی خوشی آسمان والوں نے بھی منائی، اور جس کے بعد لوگ جُوق در جُوق اللہ کے دین میں داخل ہوئے، اور اللہ کی سرزمین نور و ضیاء اور فرحت و شادمانی سے بھر گئی۔ اسی فتح مبین کے حصول کے لیے اللہ کے رسول ﷺ لشکرِ اسلام لے کر نکلے، اور دیکھتے ہی دیکھتے سرزمین مکہ کی کایا پلٹ گئی۔ ●

فتح کے لیے تائیدِ غیبی:

صلح حدیبیہ کی تفصیلات میں یہ بات آچکی ہے کہ صلح کی ایک اہم شرط یہ تھی کہ دس سال تک جنگ قطعی طور پر بند رہے گی، تاکہ لوگ اس مدت میں امن و چین کی زندگی گزار سکیں، اور ایک بات اس عہد نامہ میں یہ تھی کہ جو کوئی محمد (ﷺ) کے

● دیکھئے: زاد المعاد: ۲/ ۳۱۲، ۳۱۳.

ساتھ اِس عہد نامہ میں شریک ہونا چاہے گا، ہوگا، اور جو کوئی قریشیوں کے ساتھ ہونا چاہے گا، اسے اختیار ہوگا۔ چنانچہ قبیلۂ خزاعہ کے لوگ رسول کریم ﷺ کے ساتھ ہوگئے، اور بنی بکر کے لوگ قریش کے ساتھ۔ خزاعہ اور بنی بکر کے درمیان قبل از اسلام قدیم انتقاموں کے جذبے کارفرما تھے۔ لیکن اسلام آنے کے بعد مسلمان اور کفار سبھی لوگ اسی قضیہ کبریٰ میں مشغول ہوگئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد حالات کافی حد تک پُرسکون ہوگئے، اور مذکورہ بالا دونوں قبیلے دونوں فریقوں (مسلمان اور قریش) کی طرف مائل ہوگئے، اور اس طرح عہد نامۂ صلح کے بعد تمام لوگ تقریباً سترہ یا اٹھارہ ماہ تک پُرسکون رہے۔

البتہ قبیلۂ بنی بکر کی شاخ (الدیل) کے لڑکوں نے صلح سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا بعض قدیم انتقام لینا چاہا، اور رات کے وقت خزاعہ والوں پر حملہ کرکے ان کے بعض افراد کو قتل کر دیا۔ قریشیوں نے سوچا کہ محمد (ﷺ) کو اس کی خبر نہیں ہوگی، اور رات کا وقت ہے، اور ہمیں کوئی نہیں دیکھ رہا ہے، اس لیے انہوں نے بنی بکر کی ہتھیاروں اور دیگر اسباب جنگ کے ذریعہ مدد کی، اور اُن کے ساتھ مل کر خزاعہ کے خلاف جنگ کی۔ خزاعہ کے لوگ گھبرا کر مکہ کی طرف بھاگے اور حرم کے حدود میں واقع بُدَیل بن ورقاء کے گھر میں داخل ہوگئے، اور اس سے قریش اور بنی بکر کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدعہدی کی شکایت کی۔ اُدھر عمرو بن سالم خزاعی چالیس سواروں کے ساتھ فوراً ہی مدینہ کے لیے روانہ ہوگیا، اور مسجد نبوی میں داخل ہوکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے پہنچ گیا، اُس وقت آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ عمرو نے تمام حالات بتا کر آپ ﷺ سے مدد کی درخواست کی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی تمام باتیں سن کر فرمایا: اے عمرو! تمہاری مدد یقیناً کی جائے گی۔ اُسی وقت بادل کا ایک ٹکڑا رسول اللہ ﷺ کے سر کے اوپر سے گزرا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بادل بنی کعب کی نُصرت و تائید کی خبر دے رہا ہے۔ ❶

ابوسفیان مدینہ میں:

چونکہ یہ حادثہ قریشیوں کی جانب سے صلح کی خلاف ورزی تھی، اسی لیے بعد میں وہ ڈرے اور اس بدعہدی کے بُرے نتائج کے بارے میں سوچنے لگے، اور انہیں یقین ہوگیا کہ کسی بڑے خطرہ کی گھنٹی بجنے لگی ہے، اس لیے کہ محمد بن عبداللہ اُن سے خزاعہ والوں کا انتقام ضرور لے گا، اسی لیے زعمائے مکہ نے فیصلہ کیا کہ ابوسفیان کی نگرانی میں ایک وفد مدینہ بھیجیں تاکہ صلح نامہ کی تجدید کرلیں، اور اس کی مدت بھی بڑھوا لیں۔ ابوسفیان اس کام کے لیے نکلا تو راستہ میں اس کی ملاقات مقام عسفان پر بُدیل بن ورقاء سے ہوگئی جو مدینہ سے مکہ واپس جا رہا تھا۔ ابوسفیان نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آ رہا ہے؟ (اور اسے پہلے سے گمان تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے آ رہا ہے) اس نے کہا کہ میں ساحل کے کنارے وادی میں رہنے والے خزاعہ کے لوگوں کے پاس گیا تھا۔ اس نے دوبارہ پوچھا: کیا تم محمد (ﷺ) کے پاس نہیں گئے تھے؟ اس نے کہا: نہیں۔

بُدیل جب مکہ کی طرف چل پڑا تو ابوسفیان نے کہا: اگر یہ شخص مدینہ گیا تھا تو اس کی سواری نے کھجور کی گٹھلی ضرور کھائی ہوگی۔ چنانچہ وہ اس جگہ آیا جہاں اس کی سواری بیٹھی تھی، اور اس کے گوبر کو کریدا، تو اس میں اُسے گٹھلی ملی۔ اس نے قسم کھا کر اپنے ساتھیوں سے کہا: یہ آدمی محمد (ﷺ) کے پاس ضرور گیا تھا۔

---

❶ مغازی ابن اسحاق، اور اس کی سند صحیح ہے۔ الاصابۃ: ۲/ ۵۲۹، ترجمہ عمرو بن سالم: (۵۸۳۷)، دلائل البیہقی: ۵/ ۷-۵.

ابوسفیان جب مدینہ پہنچا تو سیدھا نبی کریم ﷺ کے پاس گیا، اور کہا: اے محمد (ﷺ)! میں صلح حدیبیہ کے موقع پر غیر حاضر تھا، اس لیے تم اب عہد نامہ کو مزید پختہ کر دو اور مدت بھی بڑھا دو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوسفیان، کیا تم اسی لیے آئے ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا تمہاری طرف کوئی نیا حادثہ وقوع پذیر ہوا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: اللہ ہمیں ایسے کاموں سے پناہ میں رکھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم حدیبیہ کے دن کے عہد نامہ صلح اور اس کی مدت کے پابند ہیں، اُس میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے۔

ابوسفیان یہ جواب سُن کر اپنی بیٹی اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، اور نبی کریم ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا، تو اُمّ حبیبہؓ نے اُسے لپیٹ دیا، ابوسفیان نے کہا: اے بیٹی! کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا، یا مجھے اس لائق نہیں سمجھا کہ اس پر بیٹھوں؟ انہوں نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے، اور تم مشرک و نجس ہو۔ ابوسفیان نے کہا: اے بیٹی! مجھ سے جدا ہونے کے بعد تم بُری ہوگئی ہو۔ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام لانے کی توفیق دی ہے، اور تم اے میرے ابا! سردار قریش ہونے کے باوجود کیسے اسلام لانے سے چوک گئے؟ کس عقل سے تم پتھر کو پوجتے ہو، جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے۔ ابو سفیان نے کہا: حیرت ہے کہ تم مجھے ایسی بات کہہ رہی ہے، کیا میں اُن معبودوں کو چھوڑ دوں جنہیں میرے آباء واجداد پوجتے تھے، اور دینِ محمد کی پیروی کر لوں؟ پھر ناراض ہو کر وہاں سے نکلا، اور دوبارہ رسول کریم ﷺ سے عہد نامہ کے بارے میں بات کی، لیکن آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ابوسفیان ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، اور اُن سے استدعا کی کہ وہ آپ ﷺ سے بات کریں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ وہاں سے اُٹھ کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، اُن کا جواب زیادہ سخت تھا، کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تم لوگوں کے لیے سفارش کروں گا؟ اگر مجھے ذرّوں کے سوا کچھ بھی نہ ملتا تو میں اسی کے ذریعہ تم لوگوں سے جہاد کرتا۔ پھر وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا: یہاں کے لوگوں میں تم سے زیادہ کوئی مجھ سے قریب نہیں ہے۔ کوشش کرو کہ صلح کی مدت بڑھا دی جائے، تمہارا ساتھی (محمد) تمہاری بات کا ضرور خیال رکھے گا، عثمانؓ نے کہا: میرا معاہدہ رسول اللہ ﷺ کے معاہدہ کا ایک حصہ ہے۔ تب ابوسفیان علی بن ابو طالبؓ کے پاس آیا، اُس وقت اُن کے پاس فاطمہؓ بیٹھی تھیں، اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما دونوں کے سامنے کھیل رہے تھے، ابوسفیان نے اپنی آمد کا منشا بیان کیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس سفارش طلب کی۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوسفیان! رسول اللہ ﷺ نے جب ایک فیصلہ کر لیا ہے تو ہم لوگ آپ ﷺ سے اس بارے میں دوبارہ کوئی بات نہیں کر سکتے۔ ابوسفیان فاطمہؓ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا: کیا تم اپنے اس بیٹے کو کہو گی کہ وہ لوگوں کے درمیان صلح وامن کے لیے واسطہ بنے، تاکہ وہ آگے چل کر عربوں کا سردار بن جائے؟ فاطمہؓ نے کہا: میرا بیٹا ابھی اس عمر کو نہیں پہنچا ہے کہ وہ یہ کام کر سکے۔

ابوسفیان پر یہ حالات بہت سخت گزرے، چنانچہ اس نے علی بن ابو طالبؓ سے کہا: اے ابوالحسن! میں ابھی بڑی مشکل گھڑی سے گزر رہا ہوں، اس لیے تم مجھے کوئی مشورہ دو۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میرے پاس تمہارے لیے کوئی مفید رائے نہیں ہے، لیکن تم تو بنی کنانہ کے سردار ہو، آگے بڑھو، اور لوگوں کے درمیان صلح وآشتی کی بات کرو، پھر اپنے شہر چلے جاؤ۔

ابوسفیان نے کہا: کیا تم سمجھتے ہو کہ ایسا کرنا مفید رہے گا؟ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں سمجھتا ہوں، لیکن میرے پاس تمہارے لیے اور کوئی رائے نہیں ہے۔

ابوسفیان مسجد نبوی میں گیا، اور لوگوں سے مخاطب ہو کر گویا ہوا: میں لوگوں کے درمیان امن وصلح کا اعلان کرتا ہوں۔ پھر اپنے اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ جب مکہ پہنچا تو قریشیوں نے اس سے احوال پوچھا۔ اس نے کہا: میں نے محمد (ﷺ) سے بات کی تو اس نے کوئی جواب نہیں دیا، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، تو اس کے پاس بھی کوئی بھلائی نہیں ملی، پھر عمر بن خطاب کے پاس آیا تو اسے سب سے بڑا دشمن پایا، پھر علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو اسے دوسروں سے نرم پایا، اور اس کے مشورہ سے ایک کام کیا، لیکن مجھے نہیں معلوم کہ اس کا کوئی فائدہ ہوگا یا نہیں۔

قریشیوں نے پوچھا: اس نے تمہیں کیا مشورہ دیا؟ کہا: اس نے مجھے لوگوں کے درمیان امن وصلح کے اعلان کرنے کا مشورہ دیا تھا، تو میں نے ویسا ہی کیا۔ لوگوں نے پوچھا: کیا محمد (ﷺ) نے اس کی توثیق کر دی تھی؟ اس نے کہا: نہیں۔ قریشیوں نے کہا: اللہ کی قسم! اس نے تمہارے ساتھ کھیل کھیلا ہے۔ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! اس کے سوا وہاں سے مجھے کچھ بھی ہاتھ نہیں آیا۔ یہ سن کر اس کی قوم کے لوگوں نے سمجھ لیا کہ جس مقصد کی خاطر وہ مدینہ گیا تھا، اس میں اسے کوئی کامیابی نہیں ملی ہے، چنانچہ سب اس سے ناراض ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب جنگ یقینی ہو گئی ہے۔

ابوسفیان کے مدینہ سے واپس ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ہمارے لیے اسباب سفر تیار کرو اور دیکھو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو، اور فرمایا: اے اللہ! قریشیوں کو خبر نہ ہو یہاں تک کہ ہم انہیں اچانک جالیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی عائشہ کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے بعض سامان سفر تیار کر رہی ہیں۔ انہوں نے پوچھا: اے بیٹی! کیا رسول اللہ ﷺ نے اسے تیار کرنے کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، آپ بھی تیار ہو جائیے۔ انہوں نے پوچھا: تمہارے خیال میں رسول اللہ ﷺ کدھر کا ارادہ رکھتے ہیں؟ عائشہ نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے کچھ معلوم نہیں۔ ❶

ابن اسحاق نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ابوبکر جب عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے تو وہ گیہوں صاف کر رہی تھی۔ انہوں نے پوچھا: یہ کیا کر رہی ہو، کیا رسول اللہ ﷺ نے کسی سفر کی تیاری کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، آپ بھی تیار ہو جائیے۔ ابوبکر نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ عائشہ نے کہا: آپ ﷺ نے مجھے کوئی بات نہیں بتائی ہے؟ صرف سفر کی تیاری کا حکم دیا ہے۔ ❷

نبی کریم ﷺ اندر تشریف لائے تو ابوبکر عائشہ کے پاس تھے، ابوبکر نے آپ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے سفر کا ارادہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ پوچھا: کیا میں بھی تیاری کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ ابوبکر نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قریش کا ارادہ ہے، لیکن آپ اس بات کو راز میں ہی رکھئے۔ ابوبکر

---

❶ مغازی الواقدی: ۲/ ۷۹۰ - ۷۹۶، دلائل البیهقی: ۵/ ۹ - ۱۲.

❷ مغازی ابن اسحاق بسند صحیح، طبرانی، المعجم الصغیر بسند ضعیف.

نے پوچھا: کیا ہمارے اور اُن کے درمیان مدت مقرر نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے غداری اور بدعہدی کی ہے، اس لیے اُن پر حملہ کرنے والا ہوں۔ لیکن آپ اس بات کو مخفی رکھیے، تاکہ کوئی شام کا گمان کرے، کوئی ثقیف کا، اور کوئی ہوازن کا۔

ابھی کچھ ہی پہلے بتا چکا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ سے قبل ابو قتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ کو آٹھ مجاہدین کے ساتھ بطن اضم کی طرف اسی خیال سے بھیجا تھا تاکہ لوگ سمجھیں کہ رسول اللہ ﷺ اُسی جہت کا ارادہ رکھتے ہیں، اور یہ خبر لوگوں میں پھیل جائے۔

حاطب رضی اللہ عنہ کا خط اہل مکہ کے نام:

جب رسول اللہ ﷺ نے قریش پر حملہ کا پختہ ارادہ کر لیا، اور مدینہ میں لوگوں کو یہ بات بتا دی، اور صحابہ کرام کو پوری طرح تیار ہو جانے کا حکم دے دیا، تو حاطب بن ابو بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریشیوں کو لکھ بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، یہ بات انہوں نے تین اشخاص کو لکھ بھیجی۔ صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابو جہل کو۔ اور وہ خط انہوں نے ایک مزنی عورت کو دیا، اور کہا کہ اگر وہ اسے قریش تک پہنچا دے گی تو اس کو وہ ایک اچھا معاوضہ دیں گے اور اس کو تاکید کر دی کہ وہ خط کی خبر کسی کو نہ ہونے دے، اور عام رہ گزر سے نہ جائے اس لیے کہ اس راہ کی نگرانی ہو رہی ہے۔ چنانچہ اس عورت نے وہ خط اپنے بال کے جوڑے میں رکھ لیا، اور مدینہ سے ایسے راستہ پر چلی جس کے لوگ عادی نہیں تھے۔

اُدھر رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی حاطبؓ کے کیے کی خبر دے دی گئی، آپ ﷺ نے فوراً علی اور زبیر رضی اللہ عنہما کو روانہ کیا، اور ان سے کہا کہ اُس مزنی عورت تک جلد پہنچ جاؤ جسے حاطب نے اہل مکہ کے نام خط دے کر بھیجا ہے، اور قریشیوں کو جنگ کی خبر سے آگاہ کیا ہے۔ ان کو وہ عورت "خلیقہ" نام کے مقام پر مل گئی، انہوں نے اسے سواری سے اُتارا، تو اُس کے پاس کچھ بھی نہ ملا۔ انہوں نے اس سے کہا: ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جھوٹے نہیں ہیں، اور ہم بھی جھوٹ نہیں بول رہے ہیں، اس لیے تم وہ خط نکالو، ورنہ ہم تمہارے کپڑے اُتروا دیں گے۔ عورت نے جب ان دونوں کا اصرار دیکھا تو کہنے لگی: تم دونوں مجھ سے الگ ہٹ جاؤ، وہ دونوں الگ ہو گئے تو اس نے اپنا جوڑا کھول کر اس میں سے خط نکالا، اور اُن کے حوالے کر دیا۔ دونوں اُسے لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آ گئے۔

آپ ﷺ نے حاطب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پوچھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ اور اس کے رسول پر کامل ایمان رکھتا ہوں، میں نے اپنے ایمان میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کی ہے، لیکن میں ایک ایسا آدمی ہوں جس کی مکہ میں کوئی اصل اور خاندان نہیں ہے، اور وہاں میرے بال بچے ہیں، اس لیے میں نے اہل مکہ کے ساتھ بھلائی کرنی چاہی تھی۔ (تاکہ وہ میرے اہل وعیال کا خیال رکھیں۔)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تم سے سمجھے، دیکھ رہے ہو کہ رسول اللہ ﷺ مکمل رازداری سے کام لے رہے ہیں، اور تم قریش کو لکھ کر انہیں آگاہ کر رہے ہو؟ اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے کہ اس کی گردن مار دوں، یہ تو منافق ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! کیا تمہیں خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ بدر کے دن اہل بدر کی حقیقت پر پوری طرح مطلع ہو گیا

تھا، اسی لیے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: ''اب تم جو چاہو کرو، میں نے تمہیں معاف کر دیا۔'' اس کے بعد اللہ عز وجل نے حاطب رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ①﴾ [الممتحنه: ۱]

''اے ایمان والو! تم لوگ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو، حالانکہ وہ دینِ برحق کا انکار کرتے ہیں جو تمہیں ملا ہے، انہوں نے رسول اللہ کو اور تمہیں صرف اس وجہ سے (مکہ سے) نکال دیا ہے کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لے آئے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے شہر سے نکلے ہو، تو پھر ان سے چپکے چپکے دوستی کیوں کرتے ہو، میں تو وہ سب جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو، اور جو ظاہر کرتے ہو، اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرتا ہے، وہ (اللہ کی) سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے۔'' ❶

مسلمانوں کی فوج رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں دس ہزار مہاجرین وانصار پر مشتمل سن ۸ ہجری دس رمضان المبارک بروز بدھ مکہ کی طرف روانہ ہوئی، اور آپ ﷺ نے مدینہ میں اپنا خلیفہ ابورہم کلثوم بن الحصین الغفاری رضی اللہ عنہ کو متعین کر دیا، اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منادی نے اعلان کر دیا کہ جو روزہ رکھنا چاہے رکھے اور جو افطار کرنا چاہے افطار کرے۔ اور خود آپ ﷺ نے روزہ رکھا، اور جب مقام ''عرج'' پر پہنچے تو پیاس کی شدت کم کرنے کے لیے اپنے سر اور چہرہ پر پانی ڈالا، اور جب آپ ظہر اور عصر کے مابین عسفان وقدید کے درمیان ''الکدید'' نام کے مقام پر پہنچے تو پانی سے بھرا ایک پیالہ اپنے ہاتھ میں لیا جسے تمام مسلمانوں نے دیکھا، پھر روزہ توڑ دیا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے عصر کے بعد افطار کیا تھا، اور جب آپ کو کچھ لوگوں کے بارے میں خبر ملی کہ انہوں نے روزہ نہیں توڑا ہے، تو فرمایا: وہ لوگ نافرمان ہیں۔ ❷

نبی کریم ﷺ مر الظہران میں:

آپ ﷺ آگے بڑھے یہاں تک کہ مر الظہران (وادیٔ فاطمہ) پہنچ گئے، اور آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرام تھے، آپ کے ساتھ تمام ہی مہاجرین وانصار نکلے تھے، کوئی پیچھے نہیں رہا تھا۔ اور ان کے ساتھ قبائل سُلیم ومُزینہ اور غطفان اور دیگر قبائل بھی تھے۔ اور یہ ساری خبر قریش سے بالکل مخفی رہی، رسول اللہ ﷺ کی کوئی خبر ان کو نہیں مل رہی تھی، انہیں پتہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ کا کیا ارادہ ہے، اسی لیے قریش والے ہر وقت خوف وہراس میں تھے۔

---

❶ دیکھئے: صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۳۹۸۳)، (۴۲۷۴)، صحیح مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: (۲۴۹۴) ابو داؤد، حدیث: (۲۶۵۰، ۲۶۵۱)، ترمذی، حدیث: (۳۳۰۵) وغیرهم.

❷ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۷۶)، صحیح مسلم، حدیث: (۲۲۲۴)، ترمذی، الصوم، حدیث: (۷۱۰).

عباس بن عبدالمطلبؓ کی آمد:

عباس بن عبدالمطلبؓ اپنے اہل وعیال کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے سفر شروع کرنے سے پہلے ہی ہجرت کی نیت سے مکہ سے نکل چکے تھے، اسی لیے مقامِ جحفہ پر آپ سے اُن کی ملاقات ہوگئی۔

ابوسفیان بن الحارث اور عبداللہ بن ابی امیہ کا اسلام:

مکہ پہنچنے سے پہلے راستہ میں آپؐ سے آپ کے چچازاد ابوسفیان بن الحارث اور عبداللہ بن ابی امیہ مقامِ ابواء پر آملے، یہ دونوں آپ کے چچازاد اور پھوپھی زاد تھے۔ آپؐ نے دونوں کی طرف سے اپنا چہرۂ مبارک پھیرلیا، اُس اذیت واستہزاء کو یاد کرکے جو آپ کو یہ دونوں کی زندگی میں پہنچاتے تھے۔ آپؐ سے اُمِّ سلمہؓ نے دونوں کے لیے بات کی اور کہا: اے اللہ کے رسول! دونوں آپ کے چچازاد اور پھوپھی زاد ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اِن کی ضرورت نہیں۔ میرا چچازاد میری بے عزتی کرتا تھا، اور میرے پھوپھی زاد نے مکہ میں مجھے بڑی تلخ بات کہی۔

دونوں کو یہ بات معلوم ہوئی، اُس وقت ابوسفیانؓ کے ساتھ اُن کا ایک لڑکا بھی تھا تو ابوسفیانؓ نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ مجھے ملنے کی اجازت نہیں دیں گے، تو میں اپنے اس بیٹے کے ساتھ کہیں نکل جاؤں گا، یہاں تک کہ ہم دونوں پیاس اور بھوک کی شدت سے مرجائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہے اور اُسی وقت علی بن ابوطالبؓ نے ابوسفیانؓ سے کہا: تم رسول اللہ ﷺ کے پاس اُن کے سامنے سے آؤ، اور وہی بات کہو جو یوسفؑ کے بھائیوں نے یوسفؑ سے کہی تھی: ﴿تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَخَاطِئِينَ ۞﴾ [یوسف: ۹۱]

''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فوقیت دی، اور ہم لوگ بے شک گناہگار تھے۔''

رسول اللہ ﷺ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی اُن سے بہتر بات کہے۔ ابوسفیانؓ نے ایسا ہی کیا، تو آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا:

﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۞﴾ [یوسف: ۹۲]

''آج تمہارا کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، اللہ تمہیں معاف کردے، وہ سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔''

اس کے بعد ابوسفیان بن حارثؓ نے رسول اللہ ﷺ کو چند اشعار سنائے جن میں انہوں نے اپنی خطاؤں کا اعتراف کیا، اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور اپنی پریشانی اور دربدر کی ٹھوکریں کھانے کا اظہار کیا۔ اُن اشعار کو سُن کر رسول اللہ ﷺ نے اُن کے سینہ پر ایک ٹھوکر لگائی، اور فرمایا: تم نے مجھے دَردَر کی ٹھوکر کھلائی ہے۔

ابوسفیانؓ اس کے بعد صدقِ دل سے مسلمان ہوگئے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے شرمندگی کے سبب کبھی آپؐ کے سامنے اپنا سر نہیں اٹھایا۔ رسول اللہ ﷺ اُن سے محبت کرتے تھے، اور اُن کے لیے جنت کی گواہی دی، اور فرمایا: مجھے امید ہے کہ یہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی جگہ لے گا۔ اور جب ان کی وفات کا وقت آیا تو کہنے لگے: میری موت پر تم لوگ آنسو نہ بہاؤ۔ اللہ کی قسم! جب سے مسلمان ہوا ہوں زبان سے کوئی غلط بات نہیں کہی ہے۔ ●

● مستدرک حاکم: ۳/ ۴۳، ۴۴، اور کہا ہے کہ یہ مسلم کے شرط کے مطابق صحیح ہے اور ذہبی نے تائید کی ہے دلائل البیہقی: ۵/ ۲۷، ۲۸۔

اسلامی فوج نے دس ہزار آگ جلائی:

رسول کریم ﷺ جب مر الظہران میں فروکش ہوئے، تو عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے کہا: اب قریش کی خیر نہیں۔ اگر رسول اللہ ﷺ مکہ میں بزور طاقت داخل ہوگئے تو قریشی یکسر ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر مقام "اَراک" تک آئے، اور دل میں سوچا کہ شاید کوئی آدمی مل جائے جو مکہ والوں کو رسول اللہ ﷺ کی آمد کی اطلاع دے اور اُن سے کہے کہ وہ آکر آپؐ سے امن کی درخواست کریں قبل اس کے کہ آپؐ بزور طاقت مکہ میں داخل ہوں۔ وہ ابھی یہ بات سوچ ہی رہے تھے کہ انہوں نے ابوسفیان بن حرب اور بدیل بن ورقاء کی آواز سنی۔ ابوسفیان کہہ رہا تھا: میں نے آج کی طرح کبھی نہ کوئی آگ دیکھی اور نہ فوج۔ اور بدیل کہہ رہا تھا: اللہ کی قسم! یہ خزاعہ والوں کی آگ ہے، جنگ کی خواہش نے ان کے جذبات کو برانگیختہ کر دیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! خزاعہ والے ایسے ذلیل وقلیل ہیں کہ یہ اُن کی آگ اور فوج نہیں ہو سکتی۔ ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کے ساتھ خبروں کی ٹوہ میں نکلا تھا۔ ❶

ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کا اسلام:

عباسؓ کہتے ہیں: میں نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی، اور کہا: اے ابوحنظلہ! کیا تم نے میری آواز پہچان لی؟ اس نے پوچھا: کیا یہ ابوالفضل ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے پوچھا: کیا بات ہے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! یہ رسول اللہ ﷺ ہیں اپنے اصحاب کے ساتھ، قریشیوں کے لیے یہ صبح بُری ہے، ابوسفیان نے پوچھا: پھر کیا کرنا چاہیے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں؟ عباسؓ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر رسول اللہ ﷺ نے تم کو پالیا تو تمہاری گردن اُڑا دی جائے گی، آؤ، اس خچر پر میرے پیچھے سوار ہو جاؤ۔ ابوسفیان سوار ہو گیا، اور اُس کے دونوں ساتھی (بدیل اور حکیم) واپس چلے گئے۔ عباسؓ کہتے ہیں: میں انہیں لے کر چلا، اور جب جب کسی آگ کے پاس سے گزرتا، لوگ پوچھتے: یہ کیا ہے؟ پھر رسول اللہ ﷺ کے خچر پر آپ کے چچا عباسؓ کو دیکھ کر کہتے: یہ رسول اللہ ﷺ کا خچر ہے جس پر آپ کے چچا جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم عمر بن خطابؓ کی آگ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ اور میرے پاس آگئے، اور ابوسفیان کو پہچان کر کہنے لگے: یہ تو اللہ کا دشمن ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آج تمہیں ہمارے پاس پہنچا دیا، اور تیزی کے ساتھ دوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے، اور میں نے بھی خچر کو چابک لگایا، اور تیزی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا، اُسی وقت عمرؓ بھی پہنچ گئے اور کہنے لگے: اللہ کا دشمن ابوسفیان ہمارے پاس بغیر کسی معاہدۂ امن وصلح کے پہنچ گیا ہے، مجھے اجازت دیجیے کہ اس کی گردن مار دوں۔ میں نے فوراً کہا: یا رسول اللہ! میں نے اسے پناہ دے دی ہے۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ گیا، آپ کا سر پکڑ لیا، اور بلند آواز سے کہا: اللہ کی قسم! آج کی رات میرے سوا کوئی آپؐ سے سرگوشی نہیں کرے گا۔ اور جب عمرؓ کا اصرار بڑھ گیا، تو میں نے کہا: اے عمر! اب بس کرو، اگر بنی عدی کا کوئی آدمی ہوتا تو آپ

---

❶ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے، اور سند صحیح ہے المطالب العالیہ، ابن حجر، حدیث: (۴۳۶۲)، اور لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، دلائل البیہقی: ۵/ ۳۲- ۳۵.

یہ بات نہ کہتے، لیکن ابوسفیان بنی عبد مناف کا ہے (اسی لیے آپ اتنا اصرار کر رہے ہیں) عمرؓ نے کہا: اے عباس! بلکہ آپ بس کیجیے، اور ایسا نہ کہیے، اللہ کی قسم! جب آپ اسلام لائے تو آپ کا اسلام میرے لیے خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب تھا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کو آپ کا اسلام لانا خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسند تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عباس! آپ اسے اپنے خیمہ میں لے جائیے، اور صبح ہونے کے بعد اسے ہمارے پاس لے آئیے۔ عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اُسے اپنے خیمہ میں لے گیا، اور صبح ہوتے ہی اسے آپ ﷺ کے پاس لے آیا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے اُسے دیکھا تو کہا: اے ابوسفیان! کیا اب بھی وہ گھڑی نہیں آئی کہ تمہیں یقین ہو جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اُس نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ کتنے بُردبار، کتنے کریم النفس، کیسی صلہ رحمی کرنے والے اور کیسے عظیم درگزر کرنے والے ہیں، عنقریب ہے میرے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ اگر اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود ہوتا تو اب تک کبھی تو کام آیا ہوتا۔ آپ ﷺ نے پھر کہا: اے ابوسفیان! کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں آیا کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اُس نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ کتنے بُردبار، کتنے کریم النفس، کیسی صلہ رحمی کرنے والے اور کیسے عظیم درگزر کرنے والے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ اب تک اِس بارے میں میرا ذہن صاف نہیں ہوا ہے۔

عباس رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: تمہارا بھلا ہو، جلدی سے اسلام لاؤ اور کلمۂ شہادت پڑھو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، قبل اس کے کہ تمہاری گردن ماردی جائے۔ ابوسفیان نے فوراً کلمہ پڑھ لیا۔ تب عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان فخر ومباہات کو پسند کرتا ہے، آپ اس کے لیے ایسی ہی بات کا اعلان کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ مامون ہوگا، اور جو کوئی اپنا دروازہ بند کرلے گا، وہ مامون ہوگا۔ عباس رضی اللہ عنہ جب اسے لے کر مکہ کی طرف جانے لگے، تاکہ لوگوں کو اس بات کی خبر دیں تو آپ ﷺ نے عباسؓ سے فرمایا: اِسے وادی کی کسی تنگ جگہ پر روک رکھئے تاکہ اسلام کا لشکر اس کے سامنے سے گزرے۔

عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے کہنے کے مطابق اسے روک رکھا، اور قبائل مسلمین ایک ایک کر کے گزرتے رہے، جب ایک قبیلہ گزرا تو ابوسفیان نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ میں نے کہا: بنی سلیم۔ ابوسفیان نے کہا: میرا بنی سلیم سے کیا واسطہ۔ پھر دوسرا قبیلہ گزرا۔ اس نے پوچھا: یہ کون سا قبیلہ ہے؟ میں نے کہا: قبیلہ مُزینہ، اُس نے کہا: قبیلۂ مزینہ سے میرا کیا واسطہ۔ ابوسفیان اسی طرح بولتا رہا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا عظیم فوجی دستہ گزرا جو مہاجرین وانصار سے اُمڈ رہا تھا، تو اس نے کہا: اِن کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا۔ اللہ کی قسم! تمہارے بھتیجے کی بادشاہت اب بڑی عظیم ہو چکی ہے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوسفیان! اللہ تمہیں سمجھ دے، یہ نبوت ہے۔ اُس نے کہا: ہاں، تب بات دوسری ہے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: جلدی کرو اور اپنی قوم کی نجات کا سوچو۔

عُروہ بن زبیر کی ایک مُرسل روایت میں آیا ہے: یہاں تک کہ ایک بے مثال فوجی دستہ گزرا، تو ابوسفیان نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ عباس نے کہا: یہ انصار مدینہ ہیں جن کی قیادت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کر رہے ہیں۔ سعد بن عبادہؓ نے کہا: اے ابوسفیان! آج معرکہ کا دن ہے، آج کعبہ کو حلال کر دیا جائے گا۔ ابوسفیان نے کہا: اے عباس! آج اپنے خاندان والوں اور

اپنی عزت وناموس کی حفاظت کا دن ہے۔

اس کے بعد ایک اور فوجی دستہ آیا جو دیگر دستوں سے چھوٹا تھا، اُسی میں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام تھے، اور نبی کریم ﷺ کا جھنڈا زبیر بن عوامؓ کے ہاتھ میں تھا۔ رسول کریم ﷺ جب ابوسفیان کے پاس سے گزرے، تو اُس نے کہا: آپ نے سنا نہیں، سعد بن عبادہ نے کیا کہا ہے؟ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا کہا ہے؟ اس نے بتایا: ایسا اور ایسا کہا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سعد نے جھوٹ بولا ہے۔ آج کے دن اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت کو دوبالا کرے گا، اور کعبہ کو لباس پہنایا جائے گا۔ ❶

ابوسفیان وہاں سے چل کر مکہ آیا، اور پوری طاقت کے ساتھ چیخ کر اعلان کرنے لگا: اے قریشیو! محمد ایک ایسا لشکر جرار لے کر آیا ہے جس کی مانند تم لوگوں نے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ اُس وقت اس کی بیوی ہند بنت عتبہ کھڑی ہوئی اور اس کی مونچھ پکڑ کر کہنے لگی: لوگو! اس کمینے کالے گھڑے کو قتل کردو، یہ اپنی قوم کا بڑا ہی بُرا پیش رو ہے۔ تو ابوسفیان نے کہا: یہ عورت تم لوگوں کو دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ مامون ہوگا۔ لوگوں نے کہا: تمہارا بُرا ہو، تمہارا گھر کتنوں کے کام آئے گا؟ ابوسفیان نے کہا: اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے گا وہ مامون ہوگا، اور جو کوئی مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا وہ بھی مامون ہوگا۔ چنانچہ لوگ فوراً اپنے گھروں اور مسجد کی طرف دوڑ گئے۔ ❷

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں:

رسول کریم ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ سترہ رمضان المبارک کو مقامِ ذی طویٰ پر پہنچ گئے، یہاں آپ نے اپنی فوج کو تقسیم کیا، خالد بن الولیدؓ کو دائیں حصہ پر مقرر کیا، اور زبیر بن عوامؓ کو بائیں پر، انہی کے پاس رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا تھا۔ اور خالدؓ اور اُن کے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ مکہ میں اس کے بائیں طرف سے داخل ہوں۔ اور ان سے کہا کہ اگر کوئی قریشی تمہارے سامنے آئے تو اسے گھیر لو، یہاں تک کہ تم سب مجھ سے جبلِ صفا کے پاس ملو، چنانچہ جو کوئی اُن کے آڑے آیا اسے اس دستہ والوں نے سُلا دیا۔ اور آپ ﷺ نے زبیرؓ کو حکم دیا کہ وہ مکہ کے بالائی علاقہ کداء کی طرف سے داخل ہوں، اور حجون میں جا کر رُک جائیں، اور وہاں رُکے رہیں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اُن کے پاس پہنچ جائیں۔ اور ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ پیدل چلنے والوں کی قیادت پر متعین تھے، جن کے پاس اسلحہ نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے اُن کو حکم دیا کہ وہ بطنِ وادی کے راستہ سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے مکہ پہنچیں۔

رسول اللہ ﷺ آگے بڑھتے رہے، آپ ﷺ نے احرام نہیں باندھا تھا، بلکہ ایک سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے، اور مکہ کے بالائی علاقہ کداء سے سورۃ الفتح پڑھتے ہوئے داخل ہوئے۔

---

❶ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤٢٨٠).

❷ اس کی تخریج گزر چکی ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب "المطالب العالیۃ" میں روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

بعض مشرکوں کا خون حلال کر دیا گیا:

انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر خود تھا۔ آپ نے جب اسے اپنے سر سے اتارا تو آپ کو بتایا گیا کہ ابن خطل کعبہ کے پردے سے لٹکا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے قتل کر دو۔ ❶ اور مصعب بن سعد نے سعد بن ابی وقاص کے لڑکے سے روایت کی ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے تمام لوگوں کے لیے امن کا اعلان کر دیا سوائے چار مردوں اور دو عورتوں کے، ان کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں قتل کر دو چاہے کعبہ کے پردے سے لٹکے ہوئے پائے جائیں: عکرمہ بن ابی جہل، عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن سعد بن أبی السرح۔

عبداللہ بن خطل کعبہ کے پردے کے ساتھ لٹکا ہوا پایا گیا، تو سعید بن حریث اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما دونوں اس کی طرف لپکے، سعید عمار سے سبقت کر کے اس کے پاس پہنچ گئے اور اسے قتل کر دیا۔ مقیس بن صبابہ کو لوگوں نے بازار میں قتل کر دیا۔ عکرمہ کشتی پر سوار ہو کر بھاگ نکلا۔ کشتی آندھی کی زد میں آ گئی تو کشتی والوں نے کہا: تم سب اس وقت صرف اللہ کو پکارو، تمہارے معبود اس وقت کام نہیں آئیں گے۔ عکرمہ نے کہا: اگر ہمیں کشتی میں اللہ کے سوا کوئی چیز نجات نہیں دلا سکتی، تو کشتی کے باہر بھی اس کے سوا کوئی چیز نجات نہیں دلا سکتی۔ اے اللہ! میرا تجھ سے یہ عہد ہے کہ اگر تو نے مجھے اس مصیبت سے نجات دے دی تو میں محمد (ﷺ) کے پاس پہنچ کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں گا، مجھے یقین ہے کہ وہ میرے ساتھ عفو و کرم کا معاملہ کریں گے۔ چنانچہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اور عبداللہ بن سعد بن ابی السرح عثمان بن عفان کے پاس جا کر چھپ گیا، اور جب رسول اللہ ﷺ نے عام بیعت کا اعلان کیا، تو عثمان نے اسے لا کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا کر دیا، اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! اس کی بیعت لے لیجیے۔ آپ ﷺ نے سر اٹھا کر اس کی طرف تین بار دیکھا، اور ہر بار اس کی بیعت سے اعراض کیا، بالآخر تین بار کے بعد اس کی بیعت لے لی، اور صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کیا تم میں کوئی ایسا سمجھدار نہیں تھا جو دیکھتا کہ میں نے اس کی بیعت سے اعراض کیا ہے، اس لیے اسے قتل کر دیتا؟ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ کے دل کی بات کیسے جان سکتے تھے، آپ نے اپنی آنکھوں سے اشارہ کیوں نہیں کر دیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنی آنکھوں سے اشارہ کرے۔ ❷

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ کا قبول اسلام:

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر جب مکہ کے قریب مقام طویٰ میں ٹھہرے ہوئے تھے، تو ابو قحافہ نے اپنی سب سے چھوٹی بیٹی سے کہا: بیٹی مجھے جبل ابو قبیس پر لے چلو، اس لیے کہ وہ نابینا تھے۔ جب وہ اس کے اوپر پہنچ گئے تو کہا: بیٹی، کیا دیکھ رہی ہو؟ اس نے کہا: میں لوگوں کی ایک بھیڑ دیکھ رہی ہوں۔ ابو قحافہ نے کہا: یہ گھوڑ سوار

---

❶ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤٢٨٦)، صحيح مسلم، الحج، حديث: (١٣٥٧) وغيرهم.

❷ النسائي، تحريم الدم، باب حكم المرتد: (٧/ ١٠٥، ١٠٦)، ابو داؤد، الجهاد، باب قتل الأسير، حديث: (٢٦٨٣)، الحاكم في المستدرك: ٣/ ٤٥، وصححه ووافقه الذهبي، وغيرهم.

ہیں۔ لڑکی نے کہا: ایک آدمی اُس بھیڑ کے آگے آگے آتے جاتے دوڑ رہا ہے۔ ابو قحافہ نے کہا: بچی، وہ گھوڑ سواروں کا قائد ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد لڑکی نے کہا: سارے گھوڑ سوار بکھر گئے۔ انہوں نے کہا: جب گھوڑ سوار آگے بڑھنے لگیں تو مجھے فوراً گھر لے چلو۔ لڑکی ان کو لے کر واپس چل پڑی، اور گھوڑ سواروں نے ابو قحافہ کو گھر پہنچنے سے پہلے آلیا، لڑکی کے گلے میں چاندی کا ایک طوق تھا جسے ایک آدمی نے نکال لیا۔

رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے، اور مسجد حرام میں آئے، تو ابو بکرؓ اپنے والد کو آپ ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ ﷺ نے جب اُن کو دیکھا تو کہا: اِن کو گھر میں ہی کیوں نہیں رہنے دیا، میں خود اِن کے پاس آتا۔ ابو بکرؓ نے کہا: یا رسول اللہ! اِن کے لیے آپ کے پاس چل کر آنا زیادہ مناسب تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کو اپنے سامنے بٹھایا، ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا، پھر فرمایا: اسلام لے آئیے، تو وہ اسلام لے آئے۔ اور ابو بکرؓ جب اپنے والد کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، تو اُن کے سر کے بال بالکل سفید تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِن کے بال میں خضاب لگا دیجیے۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کا مکہ میں داخل ہونا:

مکہ کے کچھ گنوار اور کم اندیش افراد نے عکرمہ بن ابو جہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو کے ساتھ خندمہ محلّہ میں بیٹھ کر مسلمانوں سے قتال کرنے کی بات کی، اور جب مسلمانوں سے مڈبھیڑ ہوئی تو کچھ دیر تک ڈٹے رہے، پھر پسپا ہو گئے۔ اُسی درمیان مسلمانوں میں سے کرز بن جابر فہری اور خنیس بن خالد بن ربیعہ رضی اللہ عنہما شہید کر دیے گئے، یہ دونوں خالد بن ولیدؓ کے گھوڑ سواروں میں شامل تھے، لیکن راستہ بھٹک گئے اور کسی دوسری طرف نکل گئے، اور قتل کر دیے گئے۔ مشرکوں میں سے تقریباً بارہ اشخاص مارے گئے، باقی شکست کھا کر بھاگ پڑے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے، تو دیکھا کہ قریش نے اپنے کچھ اوباشوں کو آگے کر رکھا ہے، اُن کا خیال تھا کہ ہم اِنہیں آگے رکھتے ہیں، اگر قریش کو ان کے ذریعہ کچھ کامیابی ملی تو ہم ان کے ساتھ ہو جائیں گے، اور اگر یہ مارے گئے تو محمد (ﷺ) ہم سے جو مانگے گا اسے پورا کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! ابو ہریرہؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ذرا انصار کو آواز دو، اور دیکھو انصار کے سوا کوئی نہ آئے۔ چنانچہ انصار آپ ﷺ کے گرد جمع ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ قریش کے اوباشوں اور اُن کے پیچھے چلنے والوں کو دیکھ رہے ہو۔ پھر اپنے دونوں طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ان کا صفایا کر کے تم سب مجھ سے صفا پہاڑی پر ملو۔ پھر تو جس نے بھی کسی کو قتل کرنا چاہا، اسے قتل کر دیا، اُن کی طرف سے ہمارے خلاف کوئی مزاحمت نہیں ہوئی۔ ❷

---

❶ السیرۃ، ابن حبان، حدیث: (۱۷۰۰)، المغازی، ابن اسحاق، بسند صحیح، المستدرك للحاکم، حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور ذہبی رحمہ اللہ نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔

❷ صحیح مسلم، الجهاد، باب فتح مکة، حدیث: (۱۷۸۰)، ابو داؤد، باب خبر مکة، حدیث: (۳۰۲٤)، مسند احمد: ۲/۵۳۸ وغیرهم.

رسول اللہ ﷺ کا علمِ جہاد مسجدِ فتح کے قریب مقامِ حجون میں گاڑ دیا گیا، جیسا کہ عروہ بن زبیرؒ سے امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

بُتانِ کعبہ منہ کے بل گرنے لگے:

پھر رسول اللہ ﷺ اُٹھ کھڑے ہوئے، مہاجرین وانصار آپ ﷺ کے چاروں طرف چل رہے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ مسجدِ حرام میں داخل ہوئے، حجرِ اسود کو بوسہ دیا، پھر بیت اللہ کا طواف کیا، اُس وقت آپؐ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، اور کعبہ کے گرد اور اُس کے اوپر تین سو ساٹھ بت تھے، آپؐ اُن میں سے ہر ایک کو اُس لکڑی سے ٹوکتے اور کہتے:
اب حق آ گیا، اور باطل سرنگوں ہو گیا، اب حق آ گیا اور باطل اب سر نہیں اٹھائے گا اور نہ واپس آئے گا۔ ❶

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ طواف کرتے ہوئے کعبہ کے بغل میں ایک بُت کے پاس سے گزرے جس کی مشرکین عبادت کرتے تھے، آپ ﷺ لکڑی اس کی آنکھ میں گھونپتے ہوئے کہنے لگے: اب حق آ گیا، اور باطل سرنگوں ہو گیا۔ آپ ﷺ طواف سے فارغ ہونے کے بعد صفا پہاڑی کے پاس آئے، اس کے اوپر چڑھ گئے، یہاں تک کہ کعبہ کو دیکھنے لگے، پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور دعا کرنے لگے۔ ❷

جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے، اس وقت بیت اللہ کے اندر اور اس کے گرد تین سو ساٹھ بُت تھے، جن کی عبادت کی جاتی تھی۔ آپ ﷺ کے حکم سے ان سب کو اوندھے منہ گرا دیا گیا۔
پھر آپ ﷺ نے پڑھا:

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ [الإسراء: ٨١]

''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل تو مٹنے کی چیز ہوتی ہی ہے۔''

پھر آپ ﷺ بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ آپؐ نے اس میں ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کے مجسمے دیکھے۔ مشرکوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ میں قسمت کا حال معلوم کرنے والی لکڑیاں دے رکھی تھیں۔
آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ انہیں ہلاک کرے، ابراہیمؑ کبھی لکڑیوں کے ذریعہ قسمت کا حال معلوم نہیں کرتے تھے۔ ❸

آپ ﷺ حالتِ طواف میں اپنی سواری پر تھے۔ طواف پورا کرنے کے بعد آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہؓ کو بلایا، اُن سے کعبہ کی کنجی لی، دروازہ کھولا، اور اندر داخل ہو گئے، وہاں آپ ﷺ کو لکڑی سے بنی ایک کبوتری ملی، آپ ﷺ نے اسے توڑ کر پھینک دیا، صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب تک کعبہ کے اندر موجود مجسمے اور تصویریں توڑ نہیں دی گئیں آپ ﷺ اندر نہیں گئے۔ ❹

---

❶ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤٢٨٧)، صحيح مسلم، الجهاد، حديث: (١٧٨١)، ترمذي، تفسير، حديث: (٣١٣٨).

❷ صحيح مسلم، الجهاد، باب فتح مكة، حديث: (١٧٨٠)، ابو داؤد، باب خبر مكة، حديث: (٣٠٢٤)، مسند احمد: ٢/ ٥٣٨.

❸ مصنف ابن ابي شيبة، حديث: (١٨٧٥١).

❹ سيرة ابن هشام: ٢/ ٤١١، ٤١٢، اس کی سند قوی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری: (۱۵؍۸) میں اسے حسن کہا ہے اور حافظ عراقیؒ نے بھی۔

آپ ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی:

ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے ساتھ اسامہ بن زید، بلال حبشی اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم تھے، آپؐ بہت دیر تک اندر رہے، پھر نکلے تو دیگر صحابہ کرام داخل ہونے کے لیے دوڑ پڑے۔
عبداللہ بن عمرؓ پہلے آدمی تھے جو داخل ہوئے، دروازہ کے پیچھے اُن کو بلالؓ ملے، اُن سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کہاں نماز پڑھی ہے، انہوں نے اس جگہ کی طرف اشارہ کر دیا جہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں: میں یہ پوچھنا بھول گیا کہ آپ ﷺ نے کتنی رکعت پڑھی تھی۔ بخاری و مسلم کی روایت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اندرونِ کعبہ دو رکعت دونوں اگلے ستونوں کے درمیان پڑھی تھی (کعبہ چھ متوازی ستونوں پر بنا ہوا تھا) اور کعبہ کا دروازہ آپ ﷺ کی پیٹھ کی طرف تھا۔ ❶

نماز کے بعد آپ ﷺ کعبہ کے اندر تکبیر اور اللہ کی توحید کا اعلان کرتے رہے۔ پھر آپ ﷺ نے دروازہ کھول دیا، اُس وقت قریش کے لوگ مسجد حرام میں جمع ہو کر انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ آگے کیا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ دروازہ کے دونوں پٹ پکڑ کر کھڑے ہو گئے، اور لوگ نیچے کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ.)) ..... ''یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی مدد کی، اور دشمنوں کے گروہوں کو اکیلے شکست دی۔''
پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! آگاہ رہو کہ ہر خاندانی اعزاز یا مال یا خون کا انتقام میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے، سوائے بیت اللہ کی نگہداشت اور حجاج کو پانی پلانے کے۔ لوگو! جان لو کہ قتلِ خطاء شبہ عمد (یعنی کسی کی موت ڈنڈے یا کوڑے کی مار سے ہو جائے) کی دیت سو اونٹ ہے، اُن میں چالیس اونٹنیاں حاملہ ہوں۔
اے قریش کے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے دورِ جاہلیت کے غرور اور آباء و اجداد پر فخر کو پاش پاش کر دیا ہے، تمام انسان آدم سے پیدا ہوئے ہیں، اور آدمؑ مٹی سے۔'' پھر آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل آیت پڑھی:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴾ [الحجرات: ۱۳]

''لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت کے ملاپ سے پیدا کیا ہے، اور ہم نے تمہیں قوموں اور قبیلوں میں اس لیے بانٹ دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہیں جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہیں، بے شک اللہ بڑا جاننے والا، ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔''

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: اے قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے، میں تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ کروں گا؟ انہوں نے کہا: آپ کرم فرما بھائی اور کرم فرما بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو

---

❶ صحیح البخاری، الجهاد، حدیث: (۲۹۸۸)، صحیح مسلم، الحج، حدیث: (۱۳۲۹) وغیرهما.

یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی: آج تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی، جاؤ، تم سب آزاد ہو۔ ❶

باب کعبہ کی کنجی اور کعبہ پر اذانِ بلالی:

رسول اللہ ﷺ کعبہ سے نکلنے کے بعد مسجد حرام میں بیٹھ گئے۔ آپ کے پاس علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کعبہ کی کنجی لیے آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری کے ساتھ ہمیں کعبہ کی دربانی بھی دے دیجیے، آپ پر اللہ کا درود ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: عثمان بن طلحہ کہاں ہے؟ انھیں بلایا گیا، آپ ﷺ نے اُن سے کہا: عثمان! یہ لو کنجی، آج بھلائی اور محبت و وفاداری کا دن ہے۔ ❷

کعبہ کی دربانی کا شرف زمانۂ جاہلیت سے بنی شیبہ کو حاصل تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے انھی کے لیے رہنے دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان دیں۔ اُس وقت ابوسفیان بن حرب، عتاب بن اُسید، حارث بن ہشام اور دیگر اشرافِ قریش صحن کعبہ میں بیٹھے تھے، عتاب نے کہا: اللہ نے اُسید کو عزت بخشی کہ اُس نے یہ اذان نہیں سنی، ورنہ وہ بہت رنجیدہ ہوتے۔ حارث نے کہا: اللہ کی قسم! اگر مجھے یقین ہو جاتا کہ یہ دین حق ہے، تو اسے قبول کر لیتا۔ ابوسفیان نے کہا: میں کچھ بھی نہیں کہنا چاہتا۔ اگر میں کچھ بولوں گا تو یہ کنکریاں میرے بارے میں محمد (ﷺ) کو بتا دیں گی۔ نبی کریم ﷺ اُن کے قریب آئے اور کہا کہ تم لوگوں نے جو کچھ کہا ہے، مجھے اس کی خبر ہوگئی ہے، پھر آپ ﷺ نے وہ سب باتیں اُن کو بتا دیں۔ تو عتاب اور حارث نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ کی قسم! ہماری باتیں کسی دوسرے نے نہیں سنی تھی تاکہ ہم کہہ سکیں کہ اس نے آپ کو بتا دیا ہے۔ ❸

فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کی نماز:

امام بخاری رحمہ اللہ و امام مسلم رحمہ اللہ نے اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن اُن کے گھر میں داخل ہوئے، غسل فرمایا، اور آٹھ رکعت نماز پڑھی، میں نے کبھی اس سے ہلکی نماز نہیں دیکھی تھی، لیکن رکوع اور سجدہ اچھی طرح کرتے تھے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن چاشت کے وقت آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ ❹

قاضی عیاض نے کچھ لوگوں سے نقل کیا ہے کہ وہ نماز فتح کا شکرانہ تھی، چاشت کی نماز نہیں تھی۔ اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا نے تو صرف نبی کریم ﷺ کی نماز کا وقت بتایا ہے۔ حافظ ابن القیم نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے اور لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے اُمّ ہانی کے گھر میں چاشت کے وقت آٹھ رکعت نماز پڑھی، جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا ہے، جسے بعض لوگوں نے چاشت کی نماز سمجھ لی۔ حالانکہ وہ تو فتح مکہ کا شکرانہ تھی۔

---

❶ سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۴۱۱۔ اسے ابن اسحاق نے بعض اہل علم سے روایت کی ہے، حافظ عراقی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ زاد المعاد، ابن القیم: ۳/ ۴۲۱، بہر حال اسے حافظ ابن کثیر، حافظ ذہبی اور ابن القیم رحمۃ اللہ علیہم جیسے ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، اس لیے تاریخ فتح مکہ کے ضمن میں اسے بیان کرنا مناسب معلوم ہوا۔

❷ مصدر سابق: (۲/ ۴۱۲)۔ ❸ مصدر سابق: (۲/ ۴۱۳)۔

❹ صحیح البخاری، التطوع، حدیث: (۱۱۷۶)، صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، حدیث: (۳۳۶) وغیرھما۔

ابتدائے اسلام میں جب امرائے اسلام کوئی قلعہ یا شہر فتح کرتے تو فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کرتے ہوئے یہ نماز ادا کرتے تھے۔ ❶

فتح مکہ کے دن کا خطبہ:

فتح مکہ کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا، اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا: مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم ہے، لوگوں نے اسے حرم نہیں بنایا ہے، کوئی آدمی جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے حلال نہیں کہ یہاں کسی کا خون بہائے، یا کسی درخت کو کاٹے۔ اگر کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ کے قتال کو اپنے لیے حجت بنائے تو اس سے تم لوگ کہو کہ اللہ نے صرف اپنے رسول کو اجازت دی تھی، تم کو اجازت نہیں دی ہے، اور اپنے رسول کو بھی صرف چند ساعت کے لیے اجازت دی تھی، اور آج اس کی حرمت کل کی طرح عود کر آئی ہے۔ ہر حاضر وشاہد غائب کو خبر کر دے۔

اس خطبہ کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن بنی خزاعہ کو بنی بکر سے قتال کی اجازت دی تھی، چنانچہ انہوں نے بنی بکر والوں سے اپنا انتقام لے لیا، آپ اُس وقت مکہ میں تھے، پھر آپ ﷺ نے تلوار چلانا منع فرما دیا۔

اس کے بعد ایسا ہوا کہ بنی خزاعہ والوں کو حرم میں ہذیل کا ایک آدمی مل گیا جو رسول اللہ ﷺ کو سلام کرنے کے لیے جا رہا تھا، اس آدمی نے خزاعہ والوں کو دور جاہلیت میں نقصان پہنچایا تھا، اور خزاعہ کے لوگ اس کی تلاش میں تھے، خزاعہ نے اسے قتل کر دیا، اور جلدی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھے تا کہ آپ انہیں اس کی اجازت دے دیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو شدید ناراضی کا اظہار کیا، صحابہ نے آپ ﷺ کو ایسا ناراض ہوتے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ خزاعہ کے لوگ دوڑ کر ابوبکر وعلی رضی اللہ عنہما کے پاس گئے، اور اُن سے سفارش کرنے کی درخواست کی، انہیں ڈر ہوا کہ وہ ہلاک ہو گئے، اور رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کرنے کے بعد مندرجہ بالا خطبہ دیا۔

اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں آیا ہے: ”اللہ کے نزدیک سب سے سرکش تین قسم کے لوگ ہیں: ایک وہ آدمی جو حرم میں قتل کر دیا گیا، دوسرا وہ جس نے اپنے قاتل کے سوا کسی اور کو قتل کر دیا، اور تیسرا وہ جس نے دور جاہلیت کا انتقام اسلام کے بعد طلب کیا۔ اللہ کی قسم! میں اس آدمی کی دیت دوں گا جسے تم لوگوں نے ابھی قتل کیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی دیت ادا کی۔“ ❷

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مکہ میں داخل ہونے سے ہاتھی کو روک دیا، اور اپنے رسول اور مومنوں کو اس پر مسلط کر دیا۔ مکہ مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا، اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا، اس کا شکار بھگایا نہیں جائے گا، نہ اس کا کوئی کانٹا توڑا جائے گا، اور نہ ہی اس میں کوئی گم شدہ چیز کسی کے لیے حلال ہوگی، البتہ وہ آدمی اسے اُٹھا سکتا ہے جو اس کے مالک کی تلاش کا ارادہ رکھتا ہو۔ اور جس کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے اسے اختیار ہے کہ یا تو اس کی دیت لے لے، یا قاتل کے قتل کیے جانے کا مطالبہ کرے۔“ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ

---

❶ زاد المعاد: (۳/ ۳۲۵، ۳۲۶).

❷ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۲۹۵)، صحیح مسلم، الحج، حدیث: (۱۳۵۴) وغیرهما.

کے رسول! اذخر گھاس کو مستثنیٰ کر دیجیے، اس لیے کہ ہم لوگ اسے اپنی قبروں میں بچھاتے ہیں، اور اپنے گھروں میں استعمال کرتے ہیں۔ ❶

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن مکہ میں خطبہ دیا تو آپ ﷺ نے تین بار اللہ اکبر کہا پھر فرمایا: ((لَا إِلٰـهَ إِلَّا وَحْـدَهُ ، صَـدَقَ وَعْـدَهُ ، وَنَـصَـرَ عَبْدَهُ ، وَهَزَمَ الْأَحْـزَابَ وَحْـدَهُ .)) ...... ''یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اور اپنے بندہ کی مدد کی، اور دشمن کے گروہوں کو اکیلے شکست دی۔'' ❷

اے انصار کے لوگو! ہمارا تمہارا زندگی اور موت کا ساتھ ہے:

اللہ تعالیٰ نے جب رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ سے نوازا، جو آپ ﷺ کا پیدائشی اور آبائی وطن تھا، تو آپ ﷺ نے جبل صفا کے اوپر چڑھ کر کعبہ کی طرف دیکھا، اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر اللہ کو خوب یاد فرمایا اور دعا کی، انصار اس وقت پہاڑی کے نیچے جمع تھے، ان میں سے کچھ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ شاید اپنے شہر اور خاندان والوں کی محبت سے مغلوب ہو گئے ہیں۔ اُسی وقت آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے انصار کے لوگو! کیا تم لوگوں نے آپس میں کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے شہر اور خاندان والوں کی محبت سے مغلوب ہو گئے ہیں؟ انصار نے کہا: ہاں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے کہا: پھر میرا نام کیا ہے؟ بے شک میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نے اللہ اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے، میرا جینا اور مرنا تمہارے ساتھ ہوگا۔ انصار یہ سن کر آپ ﷺ کی طرف بڑھ کر رونے لگے، اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم نے جو بھی کہا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول سے شدید لگاؤ اور محبت کی وجہ سے کہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور تمہیں معذور جانتے ہیں۔ ❸

فتح مکہ کے دن کی بیعت:

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرنے لگے۔ اسی دن معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ ایک آدمی مارے ڈر کے کانپتا ہوا آیا تو آپ ﷺ نے اس سے کہا: ڈرو نہیں، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔ ❹

اسود بن خلف رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فتح مکہ کے دن لوگوں کو آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتے دیکھا، آپ ﷺ سمرہ کے گھر کے قریب تشریف فرما تھے، چھوٹے بڑے اور عورتیں آتی تھیں اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرتی تھیں، اور کلمۂ شہادت کا اعلان کرتی تھیں، اسود کہتے ہیں: میں نے پوچھا: اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ صحیح البخاري، اللقطة، حدیث: (۲٤۳٤)، صحیح مسلم، الحج، حدیث: (۱۳۵۵).

❷ ابو داؤد، الدیات، حدیث: (٤۵٤۷)، ابن ماجه، الدیات، حدیث: (۲٦۲۷)، مسند احمد: ۲/ ۱٦۲، ۱٦٦، وغیرھم اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

❸ صحیح مسلم، الجهاد، حدیث: (۱۷۸۰)، ابو داؤد، الخراج والإمارة، حدیث: (۳۰۲٤)، مسند احمد: ۲/ ۵۳۸، وغیرھم.

❹ ابن ماجه، الأطعمة، حدیث: (۳۳۱۲).

اللہ پر ایمان لانا، میں نے پھر پوچھا: کلمۂ شہادت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: گواہی دینی کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، اور محمد اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ ❶

عائشہ بنت قدامہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میں اپنی ماں رائطہ بنت سفیان خزاعیہ کے ساتھ تھی، جب رسول اللہ ﷺ عورتوں سے بیعت لے رہے تھے، آپ ﷺ فرمارہے تھے: ''میں تم سے اس پر بیعت کرتا ہوں کہ تم سب اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بناؤ گی، چوری نہیں کروگی، زنا نہیں کروگی، اپنے بچوں کو قتل نہیں کروگی، کسی پر بہتان نہیں دھروگی، کسی نیک کام کے کرنے میں نافرمانی نہیں کروگی۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: سب عورتوں نے اپنے سر جھکائے، تو نبی کریم ﷺ نے اُن سے کہا: تم سب کہو: ہاں، ہم اپنی استطاعت بھر ایسا ہی کریں گے۔ تو ساری عورتوں نے یہ بات اپنی زبان سے دہرائی اور میں نے بھی کہی۔ میری ماں نے مجھ سے کہا: بیٹی کہو، اپنی استطاعت بھر ایسا ہی کروں گی۔ ❷

ہند بنت عتبہ نے بیعت کے وقت رسول اللہ ﷺ سے کہا: اب تک سرزمین پر کوئی گھرانہ ایسا نہیں تھا جس کی تذلیل و اہانت آپ کے گھرانے سے زیادہ میرے نزدیک مرغوب ہوتی، اور اب سرزمین پر کوئی گھرانہ ایسا نہیں جس کی عزت میرے نزدیک آپ کے گھرانے سے زیادہ میرے نزدیک محبوب ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ (یہ بات سچ ہے) ❸

مکہ میں آپ ﷺ کے قیام کی مدت:

امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں اُنیس دن ٹھہرے، اس پوری مدت میں آپ دو رکعت نماز پڑھتے رہے۔ ❹ آپ ﷺ نے تمیم بن اسید خزاعی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ حدودِ حرم کی علامات کی تجدید کا کام کریں، تو انہوں نے یہ کام کیا، آپ ﷺ نے چھوٹے چھوٹے فوجی دستے اُن بتوں کو توڑنے کے لیے بھیجے جو کعبہ کے گرد موجود تھے، چنانچہ لات وعزیٰ اور منات سمیت سبھی بت توڑ دیے گئے۔ اور آپ ﷺ کے منادی نے پورے مکہ میں اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے گھر میں کوئی بت نہ رہنے دے، اسے توڑ دے۔ ❺

❀❀❀❀

---

❶ مسند احمد: (۳/ ۴۱۰، ۴/ ۱۶۸)، اس کی سند حسن ہے۔ مستدرک حاکم: (۳/ ۲۹۶)، حافظ ذہبی نے سکوت اختیار کیا ہے۔ اس کے رجال ثقات ہیں۔

❷ مسند احمد: (۶/ ۳۶۵)، اس کی سند حسن ہے، الإصابة: (۴/ ۳۵۱).

❸ صحيح البخاري، الإيمان والنذور، حديث: (۶۶۴۱)، صحيح مسلم، الأقضية، حديث: (۱۷۱۴) وغيرهما.

❹ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (۴۲۹۸، ۴۲۹۹).

❺ زاد المعاد: ۳/ ۳۲۸.

مکہ سے بھیجے گئے دستے

سریہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ:

رسول اللہ ﷺ نے ۲۵ ررمضان المبارک سن ۸ ہجری کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ "عُزّیٰ" نامی صنم توڑ کر آئیں، چنانچہ وہ تیس گھوڑ سواروں کے ساتھ وہاں پہنچے، اور اسے توڑ دیا۔ قریشیوں کا یہ سب سے بڑا بت تھا جو بطن نخلہ میں تھا۔ خالدؓ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آئے اور آپ ﷺ کو اس کے توڑ دینے کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے اُن سے پوچھا: کیا تم نے کوئی چیز دیکھی؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تب تم نے اسے نہیں توڑا ہے، واپس جاؤ اور اسے اچھی طرح توڑ کر آؤ۔ خالدؓ غصہ کی حالت میں دوبارہ وہاں پہنچے، اور تلوار نیام سے کھینچ لی، اچانک ایک کالی ننگی عورت اپنے سر کے بال بکھیرے باہر نکلی۔ مندر کا پجاری اسے دیکھ کر چیخنے لگا، خالدؓ نے اپنی تلوار کی ضرب سے اس کے دو ٹکڑے کر دیے، اور واپس آکر رسول اللہ ﷺ کو اس واقع کی اطلاع دی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہی "عُـزّیٰ" تھی، اور ناامید ہو گئی تھی کہ اب کبھی بھی تمہارے اس دیار میں اس کی عبادت کی جائے گی۔ ●

سریہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:

رسول کریم ﷺ نے ماہ رمضان میں ہی عمرو بن العاصؓ کو بھیجا کہ وہ جا کر قبیلہ ہذیل کے صنم "سُواع" کو توڑ دیں۔ وہ جب وہاں پہنچے، تو اس کا پجاری وہاں موجود تھا۔ اس نے پوچھا: تم کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے اسے توڑنے کے لیے بھیجا ہے۔ اُس نے کہا: تم اس کی قدرت نہیں رکھتے ہو۔ عمروؓ نے پوچھا: کیوں؟ اُس نے کہا: تمہیں ایسا کرنے سے روک دیا جائے گا۔ عمروؓ نے کہا: تم اب تک اپنی باطل پرستی پر مصر ہو، تمہارا بُرا ہو، کیا وہ سُنتا اور دیکھتا ہے؟ پھر اس کے قریب گئے اور اسے پاش پاش کر دیا، اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ اس صنم کے خزانے کے گھر کو منہدم کر دیں، اُن کو اُس میں کچھ بھی نہیں ملا۔ عمروؓ نے پجاری سے پوچھا: تم نے کیا دیکھا؟ پھر وہ پجاری مسلمان ہو گیا۔ ●

سریہ سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ:

اسی رمضان کے مہینہ میں آپ ﷺ نے سعد بن زید اشہلیؓ کو دس گھوڑ سواروں کی معیت میں "مناۃ" نامی صنم کو توڑنے کے لیے بھیجا۔ یہ بت قدید کے قریب مقام مشلل میں اوس وخزرج اور غسان وغیرہم کا بت تھا۔ یہ دستہ جب وہاں پہنچا تو اس کے پاس ایک پجاری کو پایا۔ اُس نے پوچھا: تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ سعدؓ نے کہا: ہم "مناۃ" کو توڑنے کے لیے آئے ہیں۔ اُس نے کہا: تم لوگ جو چاہو کرو۔ چنانچہ سعدؓ چلتے ہوئے اس کے قریب پہنچے تو ایک ننگی کالی عورت سر کے بال

● زاد المعاد: ۳/ ۳۲۸، ۳۲۹؛ طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۴۵، ۱۴۶.

● طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۴۶.

بکھیرے اُن کے سامنے آ گئی جو واویلا کر رہی تھی اور اپنا سینہ پیٹ رہی تھی۔ سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کی ایک ہی ضرب سے اس کا قصہ تمام کر دیا، پھر صنم کی طرف اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ بڑھے اور اسے منہدم کر کے پاش پاش کر دیا۔ اس کے خزانہ میں کچھ بھی نہ ملا۔ ●

سریّہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (بنی جذیمہ کی طرف):

سالم نے اپنے والد (عبداللہ بن عمر) سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شوال سن ۸ ہجری میں خالد ابن ولید کو بنی جذیمہ کی طرف بھیجا، انہوں نے اُن کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، تو "أَسْلَمْنَا" یعنی ہم اسلام لے آئے کے بجائے "صَبَأْنَا صَبَأْنَا" "ہم نے اپنا دین بدل دیا" کہنے لگے۔ یہ اُن کی تعبیر کی غلطی تھی جسے خالد رضی اللہ عنہ نے نہیں سمجھا، اور انہیں قتل اور پابند سلاسل کرنے لگے۔ اور ہم میں سے ہر ایک نے اپنے قیدی کو اپنے ساتھ رکھا۔ دوسرے دن خالدؓ نے حکم دیا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے قیدی کو قتل کر دے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا، اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے گا۔ جب ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی، آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا: اے اللہ! میں خالد کے اس فعل سے تیری جناب میں اپنی براءت کا اعلان کرتا ہوں۔ ●

اس فوجی دستہ کے دورانِ سفر خالد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان تھوڑی سی ناراضی ہو گئی، خالدؓ نے عبدالرحمٰنؓ کو گالی دے دی۔ آپ ﷺ کو جب اطلاع ہوئی تو فرمایا: تم لوگ میرے کسی صحابی کو گالی نہ دو، تم میں سے کوئی اگر احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے گا تو اُن میں سے کسی کے مُد یا نصف مُد کے برابر بھی نہیں ہو گا۔ ●

قبائل عرب جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے:

اسلام و کفر اور توحید و شرک کی اس فیصلہ کن جنگ کے بعد جزیرۂ عرب میں بُت پرستی نے دم توڑ دیا اور اس کا خاتمہ ہو گیا، اور جو چند قبائل اب تک بُت پرستی پر قائم تھے، انہوں نے فوراً اپنے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا، گویا انہیں مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگی محاذ آرائیوں کے خاتمہ کا انتظار تھا۔

اسی لیے فتح مکہ کے بعد باقی تمام مشرک قبائل نے فوراً اسلام کا اعلان کر دیا۔ عمر بن سلمہ جرمیؓ کہتے ہیں: عرب کے لوگ فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے۔ کہتے تھے: اگر محمد (ﷺ) مکہ والوں پر غالب آ گیا تو ثابت ہو جائے گا کہ وہ سچا نبی ہے۔ چنانچہ جوں ہی مکہ فتح ہوا، سب نے اسلام قبول کرنے میں تیزی دکھائی۔ اس لیے کہ قریش ہی تو لوگوں کے امام و ہادی اور بیت حرام کے پاسبان تھے۔ عربوں کا عقیدہ تھا کہ حرم پر اسی کا قبضہ ہو گا جو حق پر ہو گا، اور یہ بات اصحاب فیل کی ہلاکت سے تو پایۂ یقین کو پہنچ چکی تھی۔ اسی لیے جب مکہ فتح ہو گیا، اور قریش کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جھک گئے، تو دیگر قبائل عرب جوق در جوق ہر چہار جانب سے آ کر اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔ اسی بات کی خبر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النصر میں دی ہے:

---

❶ مصدر سابق: (۲/۱۴۶-۱۴۷). ❷ صحیح البخاری، حدیث: (۴۳۳۹-۷۱۸۹).

❸ صحیح البخاری، حدیث: (۳۶۷۳)، صحیح مسلم، حدیث: (۲۵۴۰-۲۵۴۱).

﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝﴾

''اے میرے نبی! جب اللہ کی مدد آ گئی ہے، اور مکہ فتح ہو گیا ہے، اور آپ لوگوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں، تو آپ اپنے رب کی پاکی بیان کیجیے، اس کی حمد وثنا کیجیے اور اس سے مغفرت طلب کیجیے، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

اس فتح اعظم کے فطری نتائج میں سے یہ تھا کہ پورے جزیرۂ عرب میں سیاسی اور دینی دونوں محاذوں پر مسلمانوں کا پوری طرح کنٹرول ہو گیا، اور عربوں کے لیے دائرۂ اسلام میں داخل ہو جانے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ رہا، اور فتح کے بعد آنے والے دو سالوں میں یہ کام مکمل ہو گیا، اور امتِ اسلامیہ اسلام کا پیغام لے کر پورے عالم میں پھیل جانے کے قابل ہو گئی، اور اللہ کے جس فیصلہ کو پورا ہونا تھا وہ ہو کر رہا، اس راہ میں کون روڑا اٹکا سکتا تھا۔

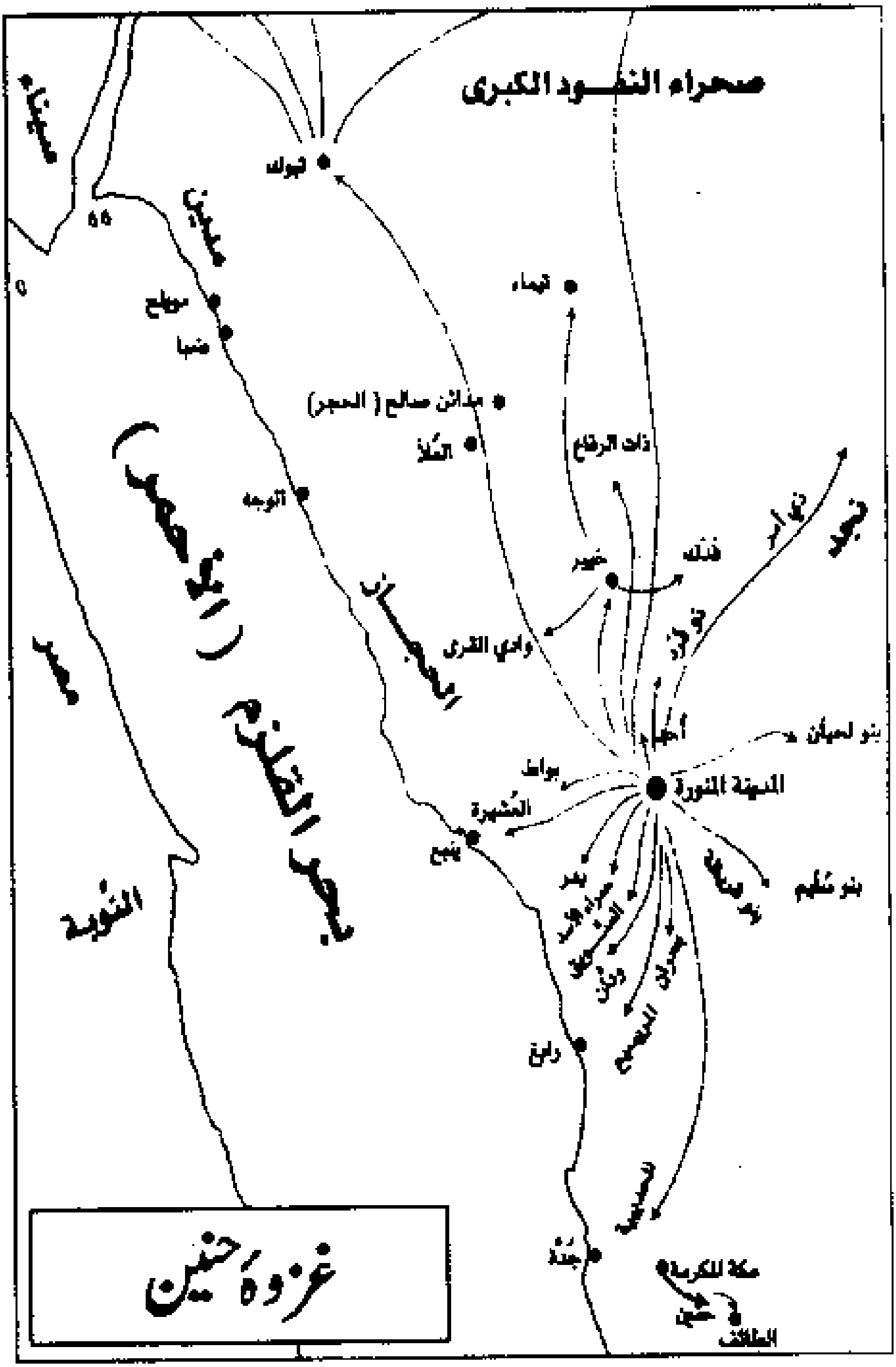
صحراء النفود الكبرى
تبوك
تيماء
مدائن صالح (الحجر)
العُلا
الوجه
ضبا
مويلح
ذات الرقاع
خيبر
فدك
نجد
وادي القرى
المدينة المنورة
بنو لحيان
بواط
العُشيرة
ينبع
بدر
بنو سُليم
رابغ
جدة
مكة المكرمة
حنين
الطائف
مصر
النوبة
غزوة حنين

غزوۂ حنین

تاریخ وموقع:

یہ معرکہ ۲ رشوال سن ۸ ہجری کو وادیٔ حنین میں ہوا تھا۔ یہ جگہ وادیٔ طائف کے قریب ہے، اس کے اور مکہ کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔ اس کا یہ نام قبیلۂ جرہم کے حُنین بن قانیہ بن مہلائیل کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے۔ اس غزوہ کو غزوۂ اَوطاس بھی کہتے ہیں، اُس وادیٔ اَوطاس کی طرف نسبت کے سبب جہاں یہ جنگ ہوئی تھی، جو ہوازن کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے۔

معرکہ کا سبب:

اس کا سبب یہ تھا کہ قبیلۂ ہوازن اور اس کی شاخیں بالخصوص قبیلۂ ثقیف والے اسلامی فوج کی نقل وحرکت پر پوری پابندی کے ساتھ نظر رکھتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بحیثیت فاتح مکہ میں داخل کردیا اور اہلِ شرک کی قریشی لیڈر شپ ختم ہوگئی، تو ہوازن والوں نے شرک کا جھنڈا سنبھال لینا چاہا، اور حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیزی کے ساتھ حرکت میں آگئے، تاکہ کہیں اسلامی فوج اُن کی طرف پیش قدمی کرکے ان کے علاقہ پر قابض نہ ہوجائے۔

ہوازن وثقیف مسلمانوں سے جنگ کے لیے آمادہ:

رسول کریم ﷺ کو مکہ مکرمہ میں یہ خبر ملی کہ ہوازن وثقیف والے ایک دوسرے سے مل رہے ہیں، اوران کے سردار مالک بن عوف نصری نے (جو ابھی تیس سال کا جوان تھا) بنونصر، بنوجشم، بنوسعد بن بکر اور بنو ہلال کے کچھ افراد، بنوعمرو بن عامر کے کچھ افراد اور عوف بن عامر وغیرہم کو جمع کیا ہے، اور قبیلۂ ثقیف نے اپنے تمام حلیفوں کو بھی جنگ کرنے کے لیے آمادہ کرلیا ہے، اور سب کے سب وادیٔ اَوطاس میں جمع ہوگئے ہیں، اور اپنے ساتھ اپنے مال واسباب، اپنی عورتوں اور اہل وعیال کو بھی ساتھ لے آئے ہیں۔

اُن کے ساتھ دُرید بن الصِّمَّہ بھی آیا جو ایک سو ساٹھ سال کا ایک بوڑھا تھا، تاکہ اس کی حکمت ودانائی اور تجربات سے وہ فائدہ اٹھائیں۔ اس نے وادی میں اونٹوں، گدھوں اور بکریوں کی آوازیں اور بچوں کے رونے کی آوازیں سنی تو پوچھا کہ تم لوگ کس وادی میں ہو؟ لوگوں نے اسے بتایا: وادیٔ اَوطاس میں۔ دُرید نے کہا: یہ جگہ گھوڑوں کے لیے مناسب ہے۔ نہ زیادہ سخت زمین ہے اور نہ ہی ایسی کہ اس میں گھوڑوں کے کھر دھنسیں گے۔ اس نے پھر پوچھا: کیا بات ہے کہ میں اونٹوں، گدھوں اور بکریوں کی آوازیں سن رہا ہوں؟ لوگوں نے اس سے کہا: مالک لوگوں کے ساتھ ان کے مال واسباب، بال بچے اور عورتیں بھی لایا ہے۔ اس نے پوچھا: مالک کہاں ہے؟ مالک کو بلایا گیا۔ دُرید نے اس سے کہا: تم اپنی قوم کے سردار بن گئے ہو اور اس دن کے بعد دیگر ایام کا بھی سامنا کرنا ہے، تو تم لوگوں کے ساتھ اُن کے مال واسباب، بال بچوں اور عورتوں کو کیوں

لائے ہو؟ اس نے کہا: میں نے چاہا کہ ہر شخص کے پیچھے اس کے اہل و اموال رہیں تا کہ اُن کی طرف سے دفاع میں جنگ کرے۔ یہ سن کر دُرید اُس پر ٹوٹ پڑا اور کہنے لگا: اے بکری کے چرواہے! کیا کسی شکست خوردہ کو کوئی چیز روک سکتی ہے؟ اگر میدان تمہارے ہاتھ رہا تو لوگوں کی تلواریں اور اُن کے نیزے ہی تمہارے کام آئیں گے۔ اور اگر شکست کا منہ دیکھنا پڑا تو تمہیں اپنے اہل وعیال اور مال و اسباب کے سلسلہ میں ذلت و رسوائی اٹھانی پڑے گی۔ اس لیے مال و اسباب اور عورتوں اور بچوں کو مامون و محفوظ جگہ پر پہنچادو۔

دُرید نے پھر پوچھا: کعب وکلاب کی کیا خبر ہے؟ لوگوں نے کہا: اُن میں سے کوئی بھی یہاں نہیں آیا ہے۔ دُرید نے کہا: خوش قسمتی اور بہادری دونوں ہی موجود نہیں ہے۔ اگر رفعت و بلندی کا دن ہوتا تو کعب وکلاب کے لوگ ضرور آتے۔ کاش! تم لوگ بھی کعب وکلاب کی طرح نہ آتے۔ اُس نے پوچھا: پھر کون لوگ آئے ہیں؟ لوگوں نے اسے بتایا: عمرو بن عامر اور عوف بن عامر۔ اُس نے کہا: یہ دونوں کمزور قبیلے ہیں، یہ لوگ نہ نقصان پہنچائیں گے نہ ہی نفع۔

یہ تمام باتیں سن کر مالک نے بُرا سا منہ بنالیا، اور کہا: تم بوڑھے ہوگئے ہو اور تمہارا علم بھی بوسیدہ ہوگیا ہے۔ پھر ہوازن والوں سے گویا ہوا: اے اہل ہوازن! اگر تم میری اطاعت نہیں کرو گے تو میں اس تلوار پر اپنا وزن ڈال دوں گا یہاں تک کہ وہ میری پیٹھ سے نکل جائے۔ انھوں نے یہ سن کر کہا: ہم تمہاری بات مانیں گے۔ مالک نے لوگوں سے کہا: جب تم لوگ مسلمانوں کو دیکھو تو اپنی تلواروں کے نیام توڑ ڈالو اور یک بارگی اُن پر حملہ کردو۔ ❶

مالک نے اپنے جاسوسوں کو مسلمانوں کی خبر لانے کے لیے بھیجا، وہ آئے تو کانپ رہے تھے۔ مالک نے پوچھا: تمہارا بُرا ہو، کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا: ہم نے سفید پوشوں کو چتکبرے رنگ کے گھوڑوں پر دیکھا ہے۔ اُن کو دیکھ کر ہماری یہ حالت ہوگئی ہے۔ یہ سب سننے کے باوجود مالک اپنے فیصلۂ جنگ پر قائم رہا۔ ❷

عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے اخبار رساں:

رسول اللہ ﷺ جب اُن کے قریب ہوئے تو اُن کے پاس عبداللہ بن حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو یہ سکھا کر بھیجا کہ تم اُن کے درمیان گھس جاؤ، تاکہ اُن کی صحیح خبریں جان سکو۔ چنانچہ وہ اُن کے درمیان گھس گئے، اور وہاں ایک یا دو دن رہے، پھر واپس آکر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ انھوں نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کی ٹھان لی ہے، نیز مالک اور ہوازن والوں سے متعلق تمام تفصیلات بتائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے بالآخر اُن کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ کرلیا۔ آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ صفوان بن امیہ کے پاس ڈھالیں اور دیگر اسلحہ ہیں، آپ ﷺ نے اس کے پاس آدمی بھیج کر اس سے سو ڈھالیں مانگیں تو اس نے کہا: اے محمد (ﷺ)! کیا آپ زبردستی لینا چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بطور عاریت اور باضمانت چاہیے یہاں تک کہ

---

❶ دلائل النبوۃ، بیہقی: ۵/ ۱۲۰-۱۲۳؛ مسند احمد: ۳/ ۳۷۶؛ مستدرک حاکم: ۳/ ۴۸، ۴۹، اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

❷ دلائل البیهقی: (۵/ ۱۲۳-۱۹۱).

ہم تمہیں وہ واپس کر دیں۔ صفوان نے کہا: پھر کوئی حرج نہیں۔ ❶

اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب نے تین ہزار نیزوں سے آپ ﷺ کی مدد کی۔ آپ ﷺ نے اس سے کہا: اے ابوالحارث! تمہارے نیزے مشرکوں کی پشتیں توڑ رہے ہیں۔ ❷

نبی کریم ﷺ نے اس غزوہ میں انہی صحابہ کے ساتھ شرکت کی جو فتح مکہ میں شریک تھے، مکہ کے مسلمانوں میں سے صرف دو ہزار افراد شریک ہوئے، اس طرح اُن کی کل تعداد بارہ ہزار تھی۔ آپ ﷺ نے اُس وقت مکہ کا امیر سیّدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا تھا۔ ❸

ایک مشرک جاسوس کا قتل:

سیّدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ ہوازن میں شریک ہوئے، اور ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ناشتہ کر رہے تھے کہ ایک آدمی ایک سُرخ اونٹ پر سوار ہو کر آیا، اونٹ سے اُتر کر اسے ایک رسّی سے باندھ دیا، اور ہمارے ساتھ کھانے لگا، اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ہمارے پاس سواریاں کم تھیں۔ بعض مجاہدین پیدل چل کر آئے تھے۔ اچانک وہ آدمی تیز دوڑتا ہوا اپنے اونٹ کے پاس آیا، اسے کھولا، بٹھا کر سوار ہوا اور اسے مہمیز لگائی تو وہ دوڑنے لگا۔ میں اُس کے پیچھے دوڑنے لگا، یہاں تک کہ اونٹ کے پہلو کے قریب پہنچ گیا، پھر آگے بڑھا، اور آگے بڑھا، یہاں تک کہ میں نے اونٹ کی لگام تھام لی، اور اسے بٹھا دیا، جب اُس نے اپنا گھٹنا زمین پر رکھا، میں نے اپنی تلوار سونت لی، اور اُس آدمی کے سر پر ضرب لگائی وہ آدمی گر گیا، اور میں اونٹ کو ہانکتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا، آپ ﷺ کے پاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اُس آدمی کو کس نے قتل کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: ابن اکوع نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اُس کا سب کچھ ابن اکوع کا ہے۔ ❹

رسول اللہ ﷺ کی وادیٔ حنین کی طرف روانگی:

۶ شوال سن ۸ ہجری ہفتہ کے دن رسول اللہ ﷺ ہوازن کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ شام کے وقت ایک مسلمان گھوڑ سوار آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ لوگوں سے پہلے نکل گیا تھا، اور مختلف پہاڑیوں کے اوپر سے گزرتا رہا کہ اچانک میں ہوازن والوں کے سامنے آ گیا تو دیکھا کہ وہ لوگ اپنے تمام مال و اسباب اور جانوروں کے ساتھ وادیٔ حنین میں جمع ہیں۔ اللہ کے رسولؐ نے پھر فرمایا: آج کی رات کون ہماری نگرانی کرے گا؟ انس بن ابی مرثد غنویؓ نے کہا: میں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے کہا: تو سوار ہو جاؤ۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے اُن سے کہا: اس گھاٹی کی چوٹی پر پہنچ جاؤ، اور دیکھو آج کی رات تمہاری جانب سے کوئی دھوکہ دے کر ہم پر حملہ نہ کر دے۔

---

❶ ابو داؤد، البیوع، حدیث: (٣٥٦٢)، مسند احمد: (٣/ ٤٠١، ٦/ ٤٦٥).

❷ اتحاف الوریٰ: ١/ ٥٢٧ بحوالہ سیرۃ الحلبیۃ: ٣/ ٦٠٧، شرح المواھب: ٣/ ٦،٧.

❸ دلائل البیھقی: ٥/ ١٢١، زاد المعاد: ٣/ ٣٧٢.

❹ صحیح مسلم، الجھاد، حدیث: (١٧٥٤)، ابو داؤد، الجھاد، حدیث: (٢٦٥٤).

صبح کے وقت جب آپ ﷺ نماز کے لیے باہر نکلے، تو دو رکعت ادا کرنے کے بعد صحابہ سے پوچھا: کیا تم لوگوں نے اپنے گھوڑ سوار کو دیکھا ہے؟ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم لوگوں نے اسے اب تک نہیں دیکھا ہے۔ یہ سن کر آپ سیدھے ہو گئے اور نماز پڑھنے لگے، اور بار بار گھاٹی کی طرف دیکھتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے نماز پوری کر لی اور سلام پھیر دیا۔ پھر فرمایا: لوگو! خوش ہو جاؤ، تمہارا گھوڑ سوار آ گیا۔ ہم لوگ گھاٹی میں درختوں کی طرف دیکھنے لگے، اتنے میں اچانک وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گئے اور آپ ﷺ کو سلام کیا۔

انہوں نے بتایا کہ میں چلتا رہا یہاں تک کہ اس گھاٹی کی بلندی پر پہنچ گیا جہاں رسول اللہ ﷺ نے مجھے پہنچنے کا حکم دیا تھا۔ جب صبح ہوئی تو دونوں گھاٹیوں پر گیا، چاروں طرف نظر دوڑائی، لیکن کوئی نظر نہیں آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے پوچھا: کیا تم رات کے وقت نیچے اُترے تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں یا رسول اللہ! یا تو نماز پڑھتا رہا، یا قضائے حاجت کی۔ آپ ﷺ نے اُن سے کہا: تمہارے لیے جنت واجب ہو گئی۔ اب اس کے بعد چاہے تم جو عمل کرو۔ ❶

اہلِ مکہ کے جاہلی عادات واَطوار:

فتح مکہ کے بعد وہاں کے آزاد کردہ لوگوں میں موجود جاہلی عادات واَطوار کے منفی اثرات وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے تھے، شاید اُن میں سے بہتوں کے دلوں میں ایمان نے ابھی گھر نہیں کیا تھا، انہوں نے اپنے ذہنوں میں موجود جاہلی عادات واَطوار سے اب تک پورے طور سے چھٹکارا نہیں حاصل کیا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مکہ کے آزاد کردہ نومسلموں نے راستہ میں بیری کا ہرا بھرا ایک عظیم درخت دیکھا جسے لوگ ''ذاتِ اَنواط'' کہتے تھے، عرب کے لوگ اُس پر اپنے اَسلحے لٹکایا کرتے تھے، وہاں جانور ذبح کیا کرتے تھے اور اُس کے گرد بیٹھتے تھے۔ بعض افرادِ فوج نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمارے لیے بھی آپ ایک ''ذاتِ اَنواط'' بنا دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ، یہ تو وہی بات ہے جو قوم موسیٰ نے کہی تھی کہ اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دو جیسے اُن کے بہت سارے معبود ہیں۔ اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم یقیناً گزشتہ قوموں کے عادات واَطوار کو اپناؤ گے۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ حسن صحیح ہے۔ ❷

ثابت قدم رہنے والے صحابہ کرام:

رسول اللہ ﷺ دس شوال سوموار کی شام کو حنین پہنچے۔ اُدھر مالک بن عوف نے اپنے ساتھیوں کو پوری طرح جنگ کے لیے تیار کر دیا تھا، اور انہیں یکبارگی حملہ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ مشرکوں نے اپنی دو صفیں بنائی تھیں تا کہ بڑی تعداد میں نظر آئیں۔

---

❶ ابو داؤد، الجہاد، حدیث: (۲۵۰۱)، دلائل البیہقی: (۱۲۶/۵)، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری: (۲۷/۸) میں اسے حسن کہا ہے۔

❷ الترمذی، کتاب الفتن، حدیث: (۲۱۸۰)، مسند احمد: ۲۱۸/۵، سنن کبریٰ النسائی بحوالہ تحفۃ الأشراف، حدیث: (۱۵۵۱۶).

رسول اللہ ﷺ نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صبح کے وقت جنگ کے لیے پورے طور سے تیار کر دیا، ان کی صفیں درست کیں، مہاجرین وانصار اور قبائلِ عرب کو اُن کے جھنڈے دے دیے۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے نکلتے وقت بنی سلیم کو آگے کیا تھا، اور اُن کا قائد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا، یہاں تک کہ آپؐ جعرانہ پہنچ گئے۔

رسول اللہ ﷺ پوری تیاری کے ساتھ وادیٔ حنین میں آگے بڑھتے رہے، آپؐ کے ہاتھوں میں دو زرہیں تھیں اور خود پہن رکھا تھا، اور دُلدل نامی خچر پر سوار تھے۔

بعض صحابہ نے اپنی تعدادِ کثیر کو دیکھ کر کہا: آج ہم لوگ قلتِ عدد کے سبب شکست نہیں کھائیں گے۔ علاوہ ازیں یہ بات رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوئی، اور اللہ عزوجل نے نازل فرمایا: ﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾ [التوبہ: ۲۵] ......''غزوۂ حنین کے دن مدد کی جب تمہاری کثرت نے تمہارے اندر عُجب پیدا کر دیا تھا۔'' صبح کے وقت نبی کریم ﷺ نے جنگ شروع کی۔ ابتداء میں ہوازن کے پیش قدمی کرنے والے مقاتلین مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹے، جس کے بعد اسلامی فوج کے افراد اموالِ غنیمت جمع کرنے لگے، انہیں گمان ہوا کہ ہوازن شکست کھا کر بھاگ پڑے ہیں، اب واپس نہیں آئیں گے۔ لیکن دشمنوں نے وادی کی گھاٹیوں اور تنگنائیوں میں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے فوجی دستے چھپا رکھے تھے، اُن دستوں نے مسلمانوں پر یکبارگی حملہ کر دیا، اور پھر فجر سے عشاء تک بلکہ ساری رات جنگ ہوتی رہی، بالآخر مسلمان بکھر گئے، پہلے بنی سلیم کے گھوڑ سوار بھاگے، ان کے پیچھے اہلِ مکہ اور دیگر لوگ شکست کھا کر بھاگ پڑے۔ لیکن نبی کریم ﷺ مسلسل اپنی سواری کو کافروں کی طرف بڑھاتے رہے، اور عباس رضی اللہ عنہ اس خچر کی لگام پکڑ کر کھینچتے رہے تاکہ وہ تیزی نہ کرے۔ اور ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی رکاب تھامے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ اُس وقت کہہ رہے تھے: میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ دائیں طرف مڑے اور فرمایا: لوگو! میرے پاس آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں۔ اور اونٹوں نے آپس میں ایک دوسرے کو دھکا دیا، تو لوگ بھاگنے لگے، لیکن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مہاجرین وانصار اور اہلِ بیت کی ایک جماعت ڈٹی رہ گئی، جن کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ اُن میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اور اہلِ بیت میں سے علی بن ابی طالب، عباس بن عبدالمطلب، ان کے بیٹے فضل بن عباس، ابوسفیان بن حارث، ربیعہ بن حارث، ایمن بن عبید (ام ایمن کے بیٹے) اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم تھے۔

گھمسان کی لڑائی:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عباس! حدیبیہ کے دن بیعۃ الرضوان والوں کو آواز دیجیے؟ عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بلند تھی۔ انہوں نے اونچی آواز میں پکارا: اے بیعۃ الرضوان والو! یہ آواز سنتے ہی وہ سب رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسا مڑے جس طرح گائے اپنے بچھڑوں کی طرف مڑتی ہے، اور کہنے لگے: ہم آ گئے اے اللہ کے رسول! ہم آ گئے۔ پھر وہ سب کافروں پر پل پڑے، اور انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگے، اور رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر سوار گردن اُٹھا کر جنگ کا جائزہ لیتے رہے، اور فرمایا: جب لڑائی گھمسان کی ہوتی ہے تو ایسا ہی منظر ہوتا ہے۔

پھر ایسا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ کنکریاں اٹھائیں، اور اُن سے کافروں کے چہروں کو نشانہ بنایا، اور فرمایا: ربِّ محمد کی قسم! شکست کھا کر بھاگو۔ عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! آپ نے جوں ہی کنکریاں اُن کی طرف پھینکیں، اُن کا زور ماند پڑ گیا، اور پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے خچر سے اتر کر ایک مٹھی مٹی لی اور اسے کافروں کے چہروں کی طرف اُچھال دیا اور کہا: یہ چہرے پامال ہوں، یہ کہتے ہی دشمنوں میں سے ہر ایک کی دونوں آنکھیں مٹی سے بھر گئیں، اور سب پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑے۔ ❶

حاکم نے مستدرک میں بسندِ صحیح انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنگِ حُنین کے دن اہلِ مکہ اور اہلِ مدینہ جمع ہوئے، اور جنگ نے شدت اختیار کی تو سب بھاگنے لگے۔ اُس وقت رسول اللہ ﷺ نے انصارِ مدینہ کو آواز دی اور کہا: اے مسلمانو! میں اللہ کا رسول ہوں۔ انصار نے کہا: اللہ کی قسم! ہم آپ کے پاس آ گئے، پھر انہوں نے اپنے سر جھکا کر جو جنگ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں مسلمانوں کو فتح و نصرت عطا کی۔ ❷

معرکہ میں ہوازن کے آگے ایک بھاری بھرکم آدمی سرخ اونٹ پر سوار تھا، اس کے ہاتھ میں ایک کالا جھنڈا تھا، جب اپنے دشمن پر قابو پالیتا تو اسے بھونک دیتا، ورنہ اپنے پیچھے والوں کے لیے اسے اٹھائے رکھتا۔ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری اس کی تاک میں لگ گئے۔ علی رضی اللہ عنہ نے اس کے اونٹ کے کوچ پر ضرب لگائی، وہ آدمی چوتڑ کے بل گر پڑا، اور انصاری نے اس کی پنڈلی پر ضرب لگائی، اور اس کا قدم نصف پنڈلی سے الگ ہو گیا، اور وہ گر گیا۔ ❸

مشرکوں کی شکست فاش:

دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی، بالآخر مشرکین شکست کھا کر بھاگے، نبی کریم ﷺ نے اپنے خچر پر سوار اُن کا پیچھا کیا، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں رُعب ڈال دیا۔ ابو السائب رضی اللہ عنہ اس موقف پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ یزید بن عامر سوائی مشرکوں کی طرف سے معرکۂ حنین میں شریک ہوئے تھے، پھر اسلام لے آئے۔ ہم نے اُن سے اس خوف و دہشت سے متعلق دریافت کیا جو اللہ نے معرکۂ حنین میں اُن کے دلوں میں ڈال دیا تھا، تو انہوں نے ایک کنکری طشت میں پھینکی جس سے ''ٹن'' کی آواز نکلی۔ انہوں نے کہا: ہم لوگ مارے دہشت کے اپنے پیٹ میں ایسی ہی آواز سنتے تھے۔ ❹

اس کے بعد مشرکین ایسا بھاگے کہ وہ مُڑ کر دیکھتے ہی نہ تھے، اور ہر طرف بکھر گئے، اور نبی کریم ﷺ نے حکم دے دیا کہ اُن میں سے جو لوگ بھی قابو میں آ جائیں انہیں قتل کر دیا جائے۔ بزار نے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ

---

❶ صحیح مسلم، الجهاد، حدیث: (۱۷۷۵، ۱۷۷۷)، مسند احمد: ۱/ ۲۰۷، مصنف عبدالرزاق، حدیث: (۹۷۴۱) وغیرھم۔

❷ مستدرك حاكم: ۳/ ۴۸.

❸ دلائل البیهقی: ۵/ ۱۲۰- ۱۲۳، مسند احمد: ۳/ ۳۷٦، اوراس کے رجال ثقات ہیں، حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی موافقت کی ہے۔

❹ معجم کبیر، طبرانی: ۲۲/ ۲۳۷، ۲۳۸، ٦۲۳، ہیثمی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس روایت کے رجال ثقات ہیں۔

نے غزوۂ حنین کے دن کہا: اِن کافروں کا صفایا کرو، اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ ❶
پھر تو مسلمانوں کو کافروں پر طیش آ گیا، انہیں گھیر گھیر کر قتل کرنے لگے یہاں تک کہ ان کی اولاد کو بھی قتل کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی خبر ملی تو اس سے منع فرمایا، اور کہا: جو کسی کافر کو قتل کرے گا اس سے چھینا ہوا مال اسی کا ہوگا۔ مسلمانوں نے اس دن بانوے (۹۲) کافروں کو قتل کیا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے تنہا اُس دن میں کافروں کو قتل کیا، اور اُن کا مال واسباب لے لیا۔ ❷

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ایک مشرک کے کندھے پر ضرب لگائی جو ایک مسلمان کے اوپر بیٹھا ہوا تھا، وہ مشرک مرگیا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد جب مسلمان اپنی جگہ پر واپس آ گئے، اور رسول اللہ ﷺ آرام کر رہے تھے تو فرمایا: جس نے کسی مشرک کو قتل کیا، اور اس کے پاس اس کی دلیل ہے تو اس کا چھینا ہوا مال اسی مسلمان کا ہوگا۔ یہ سن کر ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: کون میرے لیے گواہی دے گا؟ پھر بیٹھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر اپنی بات دُہرائی۔ تو ابوقتادہ رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے اور کہا: کون گواہی دے گا؟ پھر بیٹھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب تیسری بار کہا، تو ابوقتادہؓ پھر کھڑے ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا: اے ابوقتادہ! کیا بات ہے؟ تو انہوں نے پورا واقعہ بیان کیا۔ تب ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا: اے اللہ کے رسول! یہ سچ کہتے ہیں، ان کے مقتول کا مال مسلوب میرے پاس ہے۔ آپ انہیں اپنے حق سے دست بردار ہونے پر راضی کر دیجیے۔ ابوبکرؓ نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! رسول اللہؐ ایسا نہیں کریں گے کہ اللہ کے ایک شیر کا حق تم کو دے دیں گے جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے قتال کرتا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سچ ہے، تم اِس کا مال اسے دے دو۔ چنانچہ اُس نے اُن کا حق واپس کر دیا۔ لیث کی حدیث میں ہے: ہرگز نہیں، رسول اللہ ﷺ ایسا نہیں کریں گے کہ وہ قریش کے ایک معمولی انسان کو دیں گے، اور اللہ کے ایک شیر کو محروم کر دیں گے۔ ❸

أمّ سُلیم رضی اللہ عنہا کی ثابت قدمی:

اُمّ سُلیم (امّ انس) رضی اللہ عنہا اُن صحابہ کرام کے ساتھ تھیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ غزوۂ حنین میں وہ ایک خنجر لیے ہوئی تھیں۔ ابوطلحہؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ دیکھیے، اُمّ سُلیم کے پاس خنجر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: یہ خنجر کس لیے ہے؟، اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: اگر کوئی مشرک میرے قریب آئے گا تو اُس کا پیٹ پھاڑ دوں گی۔ رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے۔ اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم ان لوگوں کو قتل نہ کر دیں جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے ہیں، اور آپ نے اُن پر احسان کر کے انہیں چھوڑ دیا تھا، اور آج وہ سب آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ نکلے ہیں، کیا وہ لوگ منافق ہیں اور قتل کیے جانے کے مستحق ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اُمّ سُلیم، اللہ ہمارے لیے کافی ہوا، اور ہم پر احسان کیا ہے۔ ❹

---

❶ كشف الأستار، حديث: (۱۸۳۰).
❷ ابو داؤد، الجهاد، حديث: (۲۷۱۸)، الدارمي: (۲/ ۲۲۹)، مسند احمد: (۳/ ۱۱٤، ۱۲۳، ۱۹۰، ۲۷۹) وغيرهم.
❸ صحيح البخاري، غزوة حنين، حديث: (٤۳۲۱)، صحيح مسلم، الجهاد، حديث: (۱۷۵۱)، ابو داؤد، الجهاد، حديث: (۲۷۱۷)، ترمذي، السير: (۱۵٦۲).
❹ صحيح مسلم، الجهاد، حديث: (۱۸۰۹)، مسند احمد: ۳/ ۱۹۰۔

www.KitaboSunnat.com

مختصر یہ کہ مشرکین وادیٔ حنین سے اپنے پیچھے بہت سے مقتولین اور بہت سارے مال واسباب چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، اور بھاگتے ہوئے ان کا جانی نقصان میدانِ کارزار میں نقصان سے زیادہ ہوا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی فوج کو حکم دیا تھا کہ وہ دشمنوں کا پیچھا کریں اور جو بھی ملے اسے قتل کر دیں، اور اُن کی قوت ومعنویت کو کاری ضرب لگائی جائے، تا کہ وہ دوبارہ جمع ہو کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کی نہ سوچیں۔

میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ میدانِ معرکہ میں ان میں سے بانوے (۹۲) قتل کیے گئے، اور بھاگتے ہوئے صرف بنو مالک کے تین سو (۳۰۰) آدمی قتل کیے گئے۔ اِن لوگوں کو مسلمان مجاہدین نے وادیٔ اَوطاس میں زبیر بن عوام کی قیادت میں قتل کیا تھا۔ اِن کے علاوہ بھی وادیٔ اَوطاس میں دیگر مشرکین قتل ہوئے، بنو نصر بن معاویہ اور بنو رِئاب کے سیکڑوں لوگ قتل کر دیے گئے، یہ لوگ ہوازن کی بڑی اہم شاخوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ❶

اس طرح ہوازن وثقیف کا بہت بڑا جانی نقصان ہوا، اور بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ اور سعید بن میسبؒ کی روایت کے مطابق قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔ عروہؒ کہتے ہیں کہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ اُن کی تعداد چھ ہزار تھی۔ ابن اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ زہریؒ کہتے ہیں کہ مکہ میں لکڑیوں کے بنے مکانات اُن قیدیوں سے بھر گئے۔ اموالِ غنیمت میں چار ہزار اوقیہ چاندی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں، نیز گھوڑے، گائیں اور گدھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ تمام اموالِ غنیمت مقامِ جعرانہ میں جمع کیے جائیں، یہاں تک کہ آپ ﷺ حصارِ طائف سے فارغ ہونے کے بعد واپس آ جائیں۔

مسلمان مقتولین صرف چار تھے جن کے نام ابن اسحاق رحمہ اللہ نے ذکر کیے ہیں۔ کچھ صحابہ کرام کو زخم بھی لگے، اُن میں ابو بکر، عمر، عثمان، علی، عبداللہ بن اَبی اَوفی اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہم تھے۔ ❷

مشرکوں کی بھگدڑ:

مشرکین شکست کھا کر پہاڑوں اور وادیوں کی طرف بھاگ پڑے۔ مالک بن عوف نصری مشرکین کے ایک جتھہ کے ساتھ طائف بھاگا، اور ثقیف کے قلعہ میں بند ہو گیا، بعض مشرکین نے وادیٔ اَوطاس میں پہنچ کر مورچہ بندی کر لی، یہ وادیٔ طائف اور حنین کے درمیان ہے۔ اور ثقیف کے بنو غیرہ نے وادیٔ نخلہ میں پناہ لی۔

نبی کریم ﷺ نے ابو عامر کی قیادت میں ایک فوجی دستہ اَوطاس کی طرف روانہ کیا، وہاں انہیں دُرید بن صمہ مل گیا، اسے انہوں نے قتل کر دیا، اور اس کے دیگر ساتھی شکست کھا کر وہاں سے بھی بھاگ پڑے۔ وہاں ابو عامرؓ کے گھٹنے میں دشمن کا ایک تیر آ کر لگا، ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس کافر کا پیچھا کر کے اسے قتل کر دیا، اور واپس آ کر ابو عامرؓ کو اطلاع دی کہ انہوں نے اس تیر انداز کو قتل کر دیا۔ پھر انہوں نے وہ تیر ان کے گھٹنے سے نکالا۔ ابو عامرؓ نے اُن سے کہا: بھتیجے، تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ، انہیں میرا اسلام پہنچاؤ اور کہو کہ وہ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ اس کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

---

❶ مغازي الواقدي: ۳/ ۹۱۳، طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۵۲.

❷ السيرة النبوية الصحيحة، ڈاکٹر عمری: ص / ۵۰۳، ۵۰۴.

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جب واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو ان کی بات بتائی تو آپؐ نے وضو کیا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور کہا: اے اللہ! تو اپنے بندے ابوعامر کی مغفرت فرما دے، اے اللہ! قیامت کے دن تو اسے اپنے بہت سے بندوں سے اعلیٰ مقام عطا فرما۔ ابوموسیٰؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے لیے بھی مغفرت کی دعا کر دیجیے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! تو عبداللہ بن قیس کے گناہ معاف کر دے، اور قیامت کے دن اسے بہترین مقام عطا فرما۔ ●

رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن شیماء کا اسلام:

فتح ہوازن کے دن جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اپنے اسلام کا اعلان کیا، اُن میں آپ ﷺ کی رضاعی بہن شیماء بھی تھیں، جیسا کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ابن اسحاق وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے آ کر کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تمہارے پاس اس کی کوئی نشانی ہے؟ شیماء نے کہا: ہاں، آپ نے میری پیٹھ میں ایک بار دانت سے کاٹ لیا تھا، جب میں آپ کو اپنی پیٹھ پر بٹھائے ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس نشانی کو پہچان لیا، اور اپنی چادر اُن کے لیے بچھا دی، اس پر انہیں بٹھایا اور انہیں اختیار دیا۔ ابوعمر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا، اور رسول اللہ ﷺ نے اُن کو تین غلام، ایک لونڈی اور اونٹ اور بکریاں دیں، اور اُن کا نام حذافہ رکھا۔ ابوعمر کہتے ہیں کہ ''شیماء'' اُن کا لقب رہا۔ ●

امام بیہقی نے قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ فتح ہوازن کے دن ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کی بہن شیماء بنت الحارث ہوں۔ آپ ﷺ نے اُن سے کہا: اگر تم سچی ہو گی تو تمہارے پاس کوئی نشانی ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے اپنا بازو کھول دیا، پھر کہا: ہاں، یا رسول اللہ! میں آپ کو گود میں اٹھائے تھی تو آپ نے مجھے یہاں پر دانت سے کاٹ لیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے اپنی چادر بچھا دی اور کہا: مانگو تم کو ملے گا، اور سفارش کرو قبول کی جائے گی۔ ●

معرکۂ حنین کا دُور رس نتیجہ:

اسلام کے حق میں اس معرکہ کے دور رس نتائج میں سے ایک اہم نتیجہ یہ تھا کہ دیہاتوں میں رہنے والے عرب اور وہ قبائل عرب جو اس معرکہ کے آخری انجام کا انتظار کر رہے تھے تاکہ اسلام سے متعلق اپنے آخری موقف کا اعلان کریں، اُن سب نے ہوازن کی اس بدترین شکست کے بعد اپنے دخول اسلام کا اعلان کر دیا، اور طائف اور اس کے مضافات میں اسلام نہایت تیزی سے پھیلنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا علاقہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

●●●●

● البخاري، المغازي، حديث: (۴۳۲۳)، صحيح مسلم، فضائل الصحابة، حديث: (۲۴۹۸) وغيرهما.

● سيرة ابن هشام: ۲/ ۴۵۸.

● دلائل البيهقي: (۵/ ۱۹۹، ۲۰۰)، اس روایت کو یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے۔

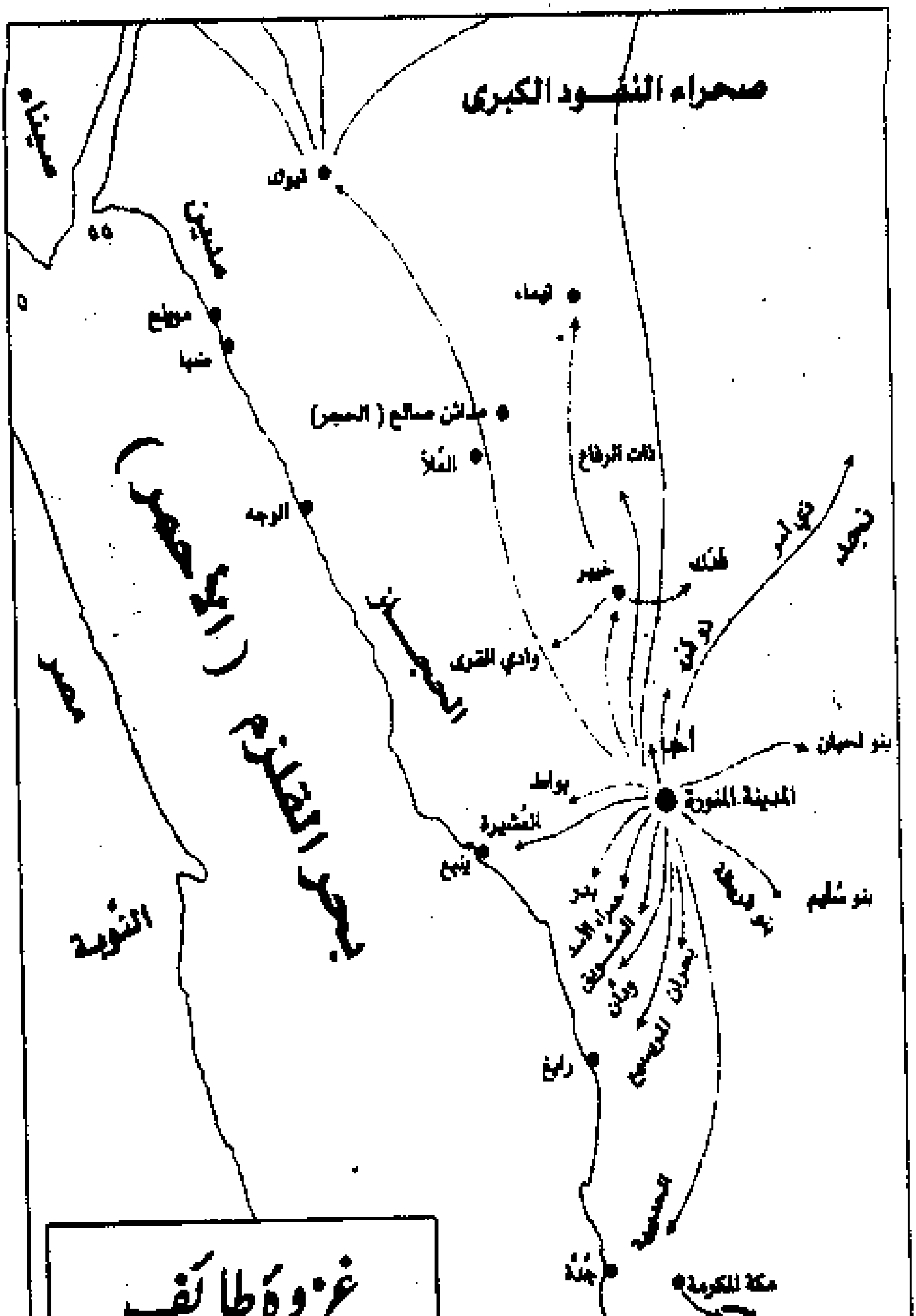
صحراء النفود الكبرى
سيناء
فلسطين
تبوك
تيماء
مويلح
ضبا
مدائن صالح (الحجر)
العُلا
الوجه
ذات الرقاع
خيبر
فدك
نجد
وادي القرى
الحجاز
بحر القلزم (الأحمر)
مصر
أحد
بنو لحيان
بواط
المدينة المنورة
العُشيرة
ينبع
بدر
حمراء الأسد
بنو سُليم
النوبة
رابغ
جدة
مكة المكرمة
حنين
الطائف
غزوهٔ طائف

غزوۂ طائف

ماہِ شوال سن ۸ ہجری میں رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ طائف کی طرف روانہ ہوئے جہاں غزوۂ حنین کے بعد شکست خوردہ مشرکین نے پناہ لے لی تھی۔ انہی کے ساتھ ہوازن کا قائد مالک بن عوف بھی تھا، اُس زمانہ میں طائف شہر ایک قلعہ کے مانند تھا جس کے کئی دروازے تھے۔ مشرکوں نے ایک سال کا غلہ وہاں جمع کرلیا اور تمام دروازے بند کرلیے۔

رسول اللہ ﷺ نے طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ کو ذوالکفین نامی صنم کو منہدم کرنے کے لیے بھیجا جو عمرو بن حُممہ کا صنم تھا اور لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کے لوگوں سے مدد لیں، اور یہ کام کرنے کے بعد طائف میں آکر ملیں۔ طفیل رضی اللہ عنہ فوراً روانہ ہوئے، اپنی قوم کے پاس آگئے، وہاں سے انہوں نے چار سو افراد لیے، اور جا کر ذوالکفین نامی بُت کو توڑ دیا، پھر انہوں نے اُس کے چہرہ میں آگ لگا کر اُسے جلا دیا۔

طائف کی ناکہ بندی:

رسول اللہ ﷺ نے مقدمۃ الجیش کا قائد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ وہ نخلہ یمانیہ، قرن، مُلیح ہوتے ہوئے وادی لیہ میں مقام بُحرۃ الرغاء پہنچے۔ وہاں ایک مسجد بنائی، اس میں نماز پڑھی، پھر اُن کے حکم سے مالک بن عوف کا قلعہ منہدم کیا گیا، پھر آگے بڑھے اور طائف کے قریب وادیٔ عقیق میں فوج کو منظم کیا، پھر ثقیف کے قلعہ کا محاصرہ کیا جس کی نظیر بلادِ عرب میں نہیں تھی۔ مشرکوں نے اندر سے تیراندازی شروع کردی جس کے نتیجہ میں کئی مسلمان زخمی ہوگئے، اس لیے وہاں سے ہٹ کر اس مقام پر مورچہ بندی کی جہاں اب مسجد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی ازواج میں سے سیدہ اُمّ سلمہ اور زینب رضی اللہ عنہما تھیں۔ آپ ﷺ نے دونوں کے لیے الگ الگ دو خیمے لگائے، اور جب تک ناکہ بندی رہی، آپ اُن دونوں کے درمیان نماز پڑھتے رہے۔ عروۃ بن زبیر اور موسیٰ بن عقبہ رحمہما اللہ کے بیان کے مطابق آپ ﷺ نے دس دن سے زیادہ محاصرہ جاری رکھا۔

طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ اپنی قوم والوں کے ساتھ اُس زمانہ کا ٹینک اور منجنیق لے کر آئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کے ذریعہ طائف کے قلعہ پر گولے برسانا شروع کیا، کچھ صحابہ کرام ٹینک کے نیچے گھس گئے اور قلعہ کی طرف رینگنے لگے تاکہ اس میں آگ لگا دیں۔ لیکن اہلِ طائف نے ان پر پگھلا ہوا لوہا انڈیل دیا، اس لیے وہ گھبرا کر باہر نکل آئے۔ پھر مسلمانوں نے بھی ان پر تیر چلانا شروع کیے، اور دشمنوں کی ایک جماعت کو زخمی کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس معرکہ میں بذاتِ خود حصہ لیا۔ مسلمانوں میں سے بھی کئی آدمی زخمی ہوئے، اور بارہ آدمی شہید ہوگئے، جبکہ مشرکین میں سے صرف تین آدمی قتل کیے گئے اس لیے کہ وہ لوگ قلعہ بند ہوگئے تھے۔ بالآخر رسول اللہ ﷺ نے ان کے انگور کی کھیتیوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دے

دیا اور مسلمان تیزی کے ساتھ اس پر عمل کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر طائف والے اللہ اور رشتہ داریوں کی دُہائی دینے لگے، تو مسلمان ایسا کرنے سے رُک گئے، اِن جنگی کارروائیوں نے کافروں کی نفسیات پر گہرا اثر ڈالا۔

رسول اللہ ﷺ نے اِن کارروائیوں کے دوران طائف کے غلاموں کے لیے اعلان کروایا کہ اُن میں سے جو بھی قلعہ سے نکل کر مسلمانوں کے پاس آجائے گا وہ آزاد ہو جائے گا، چنانچہ تیئیس (۲۳) غلام باہر آ گئے، انہی میں سے ابو بکرہ ثقفی تھے، اور سب مسلمان ہو گئے، تو اللہ کے رسول نے اُن سب کو آزاد کر دیا، اور انہیں ثقیف والوں کو نہیں لوٹایا۔ ❶

حصار طویل ہو گیا، اور رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے، اس لیے آپ نے نوفل بن معاویہ دیلی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا: لومڑی بل میں گھس گئی ہے۔ اگر آپ قیام کریں گے تو اسے پکڑ لیں گے، اور اگر اُسے چھوڑ دیں گے تو وہ آپ کو نقصان نہیں پہنچائے گی۔ آپ ﷺ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہاں سے کوچ کرنے کا اعلان کر دیں۔ چنانچہ مسلمان کوچ کرنے لگے، آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا: تم لوگ کہو: ((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ ، صَدَقَ وَعْدَهُ ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ ، وَأَعَزَّ جُنْدَهُ ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ .)) ...... یعنی ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی مدد کی، اپنے لشکر کو عزت بخشی، اور دشمن کے تمام گروہوں کو تنہا شکست دی۔''

جب مسلمان روانہ ہو گئے اور راستہ پر لگ گئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم لوگ کہو: ہم لوگ اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں، اس کی طرف رجوع کرنے والے ہیں، اپنے رب کی عبادت کرنے والے ہیں، اور اس کی تعریف بیان کرنے والے ہیں۔ کسی نے آپ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! ثقیف والوں پر بددعا کر دیجیے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! ثقیف والوں کو ہدایت دے، اور انہیں میرے پاس بھیج دے۔ ❷

جعرانہ میں تقسیم غنائم:

پانچ ذی القعدہ کو رسول اللہ ﷺ جعرانہ پہنچے جہاں اموالِ غنائم جمع کیے گئے تھے۔ سب سے پہلے اس میں سے نئے مسلمانوں کو دیا۔ ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ دیے۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے بیٹے معاویہ کو بھی دیجیے۔ آپ ﷺ نے انہیں چالیس اوقیہ اور سو اونٹ دیا۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دیے تو انہوں نے دوبارہ مانگا، انہیں آپ ﷺ نے دوبارہ دیا۔ نضر بن حارث بن کلدہ کو بھی سو اونٹ دیے۔ اور علاء بن حارثہ ثقفی کو پچاس اونٹ دیے، اِن کے علاوہ دوسروں کو ایک سو پچاس اونٹ کے حساب سے دیا۔ اور عباس بن مرداس کو چالیس اونٹ دیے۔

اس داد و دہش نے اِن عرب لیڈروں اور ان کے ماننے والوں کے دل موہ لیے، اسلام سے اِن کی دلچسپی بڑھ گئی، چنانچہ آئندہ زندگی میں اِن لوگوں نے اسلام کے لیے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے اور اپنی جانوں اور مالوں کے ذریعہ اسلام کی خدمت کی، سوائے چند ایک کے، مثال کے طور پر عُیینہ بن حصن فزاری جس کے بارے میں امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب جوامع السیرۃ میں لکھا ہے کہ یہ شخص ہمیشہ ہی اپنے ایمان و عقیدہ کے سلسلہ میں مشکوک رہا۔

---

❶ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۲۶، ۴۳۲۷)، اتحاف الورئ: ۱/ ۵۴۶ – ۵۴۹.

❷ مغازی الواقدی: ۳/ ۹۳۷، طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۵۹، عیون الأثر: (۲/ ۲۰۱، ۲۰۲).

غیر مقرب لوگوں کو دینے میں حکمت:

رسول اللہ ﷺ نے اس داد و دہش کی حکمت بیان فرمائی تاکہ بعض نہایت مقرب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل پر کوئی برا اثر نہ پڑے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ایک کو دیتا ہوں اور ایک کو چھوڑ دیتا ہوں، اور جسے چھوڑ دیتا ہوں وہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا ہے اس سے جس کو میں دیتا ہوں۔ میں کچھ لوگوں کو اس لیے دیتا ہوں کہ اُن کے دل اموالِ غنیمت دیکھ کر حرص و طمع سے بھرے ہوتے ہیں اور کچھ دوسروں کو نظر انداز کر دیتا ہوں اُس دولتِ بےنیازی وخیر کے سبب جس سے اللہ نے انہیں نوازا ہے۔ ❶

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں ایک شخص کو دیتا ہوں، حالانکہ کوئی دوسرا شخص میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے، اس ڈر سے کہ کہیں اللہ اسے اوندھے منہ آگ میں نہ ڈال دے۔ ❷

تقسیم غنائم کے وقت انصار کی گفتگو:

رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ انصار چاہتے ہیں دوسروں کی طرح انہیں بھی غنائم میں سے حصہ ملے۔ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ انصار نے کہا: اللہ اپنے رسول ﷺ کی مغفرت فرمائے، آپ قریش کو دیتے ہیں، اور ہمیں نظر انداز کرتے ہیں، حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریشیوں کا خون ٹپک رہا ہے۔ ❸

رسول اللہ ﷺ نے یہ باتیں سن کر خطبہ دیا، اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا: اے انصار کے لوگو! کیا تم لوگ گمراہ نہیں تھے تو اللہ نے تمھیں میرے ذریعے ہدایت دی، کیا تم محتاج و تنگ حال نہیں تھے تو اللہ نے تمھیں میرے ذریعے مالدار بنا دیا، اور کیا تم متفرق اور بکھرے ہوئے نہیں تھے تو اللہ نے تمھیں میرے ذریعے جمع اور متحد کر دیا؟ انصار کہتے تھے: اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر سب سے بڑا احسان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ میری بات کا جواب نہیں دو گے؟ تو انصار کہتے: اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر سب سے زیادہ احسان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو: ایسا اور ایسا۔ اور معاملہ اس طرح اور اس طرح تھا۔ آپ نے انصار کے بہت سے تاریخی واقعات کو گنا دیا۔ عمرو راوی حدیث کہتے ہیں کہ وہ ساری باتیں مجھے یاد نہیں رہیں۔ اس حدیث کو احمد اور عبدالرزاق نے الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ روایت کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ لوگ تو اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں، اور تم اپنے گھروں کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ واپس جاؤ؟ انصار کی حیثیت میرے نزدیک رازداروں، خاص لوگوں اور مجھ سے سب سے قریب لوگوں کی ہے۔ اور دوسرے لوگوں کی حیثیت عام سی ہے۔ اگر اللہ نے میرے لیے ہجرت کرنے کا شرف نہ مقدر کیا ہوتا تو میں انصار میں پیدا ہوتا۔ اگر لوگ ایک وادی اور گھاٹی میں چلیں گے تو میں انصار کی گھاٹی اور وادی میں چلوں گا۔ اے انصار کے لوگو! تم میرے بعد دیکھو گے کہ لوگ اپنے آپ کو تم پر ترجیح دیں گے، ایسے وقت میں صبر کرنا یہاں تک کہ تم حوض پر مجھ سے ملو۔ ❹

---

❶ صحیح البخاری، الجمعة، حدیث: (۹۲۳، ۳۱۴۵، ۷۵۳۵)، مسند احمد: ۵/ ۶۹.

❷ صحیح البخاری، الإیمان، حدیث: (۲۷)، الزکاة، حدیث: (۱۴۷۸)، صحیح مسلم، حدیث: (۱۵۰)، الزکاة، حدیث: (۱۳۱).

❸ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۳۰، ۴۳۳۱)، صحیح مسلم، الزکاة، حدیث: (۱۰۵۹، ۱۰۶۱) وغیرهما.

❹ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۳۰)، صحیح مسلم، الزکاة، حدیث: (۱۰۶۱)، مسند احمد: ۴/ ۴۲.

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام انصار کو بلا بھیجا، سب کو چمڑے کے ایک خیمہ میں جمع کیا۔ جب جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: مجھے تمہارے بارے میں کیا بات معلوم ہوئی ہے؟ تو فقہائے انصار نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ہوشمند لوگوں نے کوئی بات نہیں کہی ہے۔ البتہ کچھ نوجوانوں نے کہا ہے: ''اللہ اپنے رسول کو معاف کردے، قریش کو دیتے ہیں اور ہم کو نظر انداز کرتے ہیں، حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک ان کا خون ٹپک رہا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں کچھ نومسلموں کو ان کے تالیف قلب کے لیے دیتا ہوں۔ کیا تم لوگ یہ پسند نہیں کرو گے کہ لوگ مال واسباب لے کر جائیں، اور تم اپنے گھروں کو اللہ کے رسول کو لے کر جاؤ۔ اللہ کی قسم! تم جو لے کر جاؤ گے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو دوسرے لوگ لے کر جائیں گے۔

انصار نے کہا: ہاں، یا رسول اللہ! ہمیں یہ منظور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم دیکھو گے کہ لوگ اپنے آپ کو ناحق تم پر ترجیح دیں گے، تو صبر کرنا، یہاں تک کہ تمہاری ملاقات اللہ اور اس کے رسول سے ہو، میں حوض پر ملوں گا۔ انصار نے کہا: ہم صبر کریں گے۔ ❶

پھر آپ ﷺ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ غنائم اور لوگوں کا شمار کریں، جیسا کہ ابن القیم نے لکھا ہے، پھر وہ غنائم لوگوں میں تقسیم کردیے گئے۔ ہر آدمی کو چار اونٹ اور چالیس بکریاں ملیں، اور گھوڑ سوار کو بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں۔ ❷

ایک منافق کی گستاخی:

جیسا کہ معلوم ہوا، رسول اللہ ﷺ نے دعوتی مصلحت کے مطابق کچھ لوگوں کو تقسیم غنائم کے وقت ترجیح دی۔ اَقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دیے، اور اتنا ہی عُیینہ بن حِصن کو۔ اسی طرح کچھ اشراف عرب کو بھی زیادہ دیا۔ تو ایک آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! اس تقسیم میں انصاف نہیں برتا گیا ہے، اور اللہ کی خوشنودی مقصود نہیں تھی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی حدیث کہتے ہیں: میں نے دل میں سوچا کہ اس بات کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ضرور دوں گا۔ چنانچہ میں نے آپ ﷺ کو یہ بات بتائی تو آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک بدل گیا، اور فرمایا: اگر اللہ اور اس کے رسول انصاف نہیں کریں گے تو پھر کون کرے گا۔ اللہ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے، انہیں مجھ سے زیادہ تکلیف پہنچائی گئی تو انہوں نے صبر سے کام لیا۔ ❸

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس دیہاتی کی بات سے بہت ناراض ہوئے، اور رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی تاکہ اسے قتل کردیں، لیکن آپ ﷺ نے ان کو اجازت نہیں دی اور فرمایا: اللہ کی پناہ، لوگ کہیں گے کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہوں۔ ❹

تقسیم غنائم کے وقت دیہاتیوں کا سوءِ ادب:

ایک دیہاتی جعرانہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: آپ نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا کیا اس کو پورا نہیں کریں گے؟

---

❶ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (٤٣٣٤)، صحیح مسلم، الزکاة، حدیث: (١٠٥٩، ١٣٣)، مسند احمد: ٣/ ١٦٥.

❷ زاد المعاد: ٣/ ٤٧٦.

❸ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (٤٣٣٦)، صحیح مسلم، الزکاة، حدیث: (١٠٦٢)، مسند احمد: ١/ ٣٨٠ وغیرهم.

❹ صحیح مسلم، باب ذکر الخوارج، حدیث: (١٠٦٣)، صحیح البخاری مختصراً: (٣١٣٨).

آپ ﷺ نے فرمایا: "أَبْشِر" "یعنی خوش ہو جاؤ! میں ضرور پورا کروں گا۔" دیہاتی نے کہا: آپ بہت بار مجھ سے یہ جملہ کہہ چکے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ (راویٔ حدیث) اور بلال رضی اللہ عنہ کی طرف ناراضی کی حالت میں متوجہ ہوئے اور فرمایا: اس شخص نے خوشخبری قبول نہیں کی، تو تم دونوں قبول کر لو۔ دونوں نے کہا: ہم نے قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے پھر پانی کا ایک پیالہ منگایا، اس میں اپنے دونوں ہاتھ اور چہرہ دھویا، اور اسی میں کلی کی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے دونوں سے کہا: تم دونوں اس میں سے پیو، اور اپنے چہروں اور گردنوں پر بہاؤ، اور خوشخبری قبول کرو۔ چنانچہ دونوں نے پیالہ لیا اور ویسا ہی کیا۔ ❶

تقسیم غنائم کے وقت رسول اللہ ﷺ کے گرد لوگوں کی بھیڑ لگ گئی یہاں تک کہ آپ ﷺ کی چادر ایک درخت کی ڈالی میں لٹک گئی۔ آپ ﷺ نے کہا: تم لوگ میری چادر دو۔ اگر میرے پاس ببول کے ان درختوں کی تعداد کے برابر جانور ہوتے تو ان سب کو تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا (اُس جگہ ببول کے بے شمار درخت تھے) اور تم مجھے بخیل، جھوٹا اور بزدل نہ پاتے۔ آپ ﷺ نے پھر اونٹ کے کوہان کا ایک بال لیا اور کہا: اللہ کی قسم! تمہارے ان اموالِ غنیمت میں سے پانچویں حصے کے سوا اس بال کے برابر بھی میرے لیے نہیں ہے، اور وہ پانچواں حصہ بھی تم پر ہی خرچ ہوگا۔ پھر آپ ﷺ نے تقسیم غنائم سے پہلے اس میں سے کچھ لینے کی حرمت کو بیان فرمایا۔ یہ سن کر ایک انصاری بال سے بٹے کچھ دھاگے لے کر آئے، جنہیں انہوں نے تقسیم سے پہلے لے لیا تھا، اور اموالِ غنیمت میں ڈال دیا۔ ❷

وفدِ ہوازن:

مقامِ جعرانہ میں چودہ اشخاص پر مشتمل ہوازن کا ایک وفد ابو جرول زُہیر بن صُرَد کی قیادت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، انہی میں رسول اللہ ﷺ کے رضاعی چچا ابو بُرقان بھی تھے، ان سب نے اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور کہا: اے اللہ کے رسول! ہم اہل وعیال اور خاندان والے لوگ ہیں، اور ہم پر جو مصیبت آئی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں ہے۔ ہم پر احسان کیجیے اللہ آپ پر احسان کریں گے۔ اس کے بعد اُن کا خطیب زُہیر بن صُرَد کھڑا ہوا اور کہا: باڑوں میں بہت سی قیدی عورتیں آپ کی خالائیں، پھوپھیاں اور آپ کی دایا ئیں ہیں جو آپ ﷺ کی کفالت کرتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اُن سے پوچھا: تمہاری عورتیں تمہیں زیادہ عزیز ہیں یا مال و اسباب؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے ہمیں اختیار دیا ہے، تو ہمارے بچے اور ہماری عورتیں ہمارے نزدیک زیادہ عزیز ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو میرے اور بنی عبدالمطلب کے پاس ہیں وہ تمہارے لیے ہیں۔ اور جب میں لوگوں کے ساتھ نماز سے فارغ ہو جاؤں تو تم لوگ اٹھ کر کہو: "ہم اپنے بچوں اور عورتوں کے لیے اللہ کے رسول کو مسلمانوں کے نزدیک سفارشی بناتے ہیں، اور مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک۔" تب میں تم لوگوں کی مدد کروں گا، اور لوگوں سے تمہارے لیے طلب کروں گا۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھ لی تو ہوازن والے کھڑے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی سکھائی

---

❶ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (٤٣٢٨)، صحیح مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: (٢٤٩٧)۔

❷ مسند احمد، حدیث: (٦٧٢٩)، دلائل البیهقی: (٣٣٦، ٣٣٧)، صحیح البخاری: ٦/ ١٩٣، ١٩٤، مستدرك الحاكم: ٣/ ٤٩، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ دیکھیے: تعلیق الشیخ علی فقه السیرة للغزالی: ص/ ٤٢٦۔

...کی بات لوگوں سے کہی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو میرے اور بنی عبدالمطلب کے پاس ہے، انہیں اللہ کو اور تمہیں دیتا ہوں، یہ سن کر قریش نے کہا: اور جو ہمارے پاس ہے وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے۔ اور انصار نے کہا: اور جو ہمارے پاس ہے وہ سب بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہیں۔

اَقرع بن حابس نے کہا: لیکن میں اور بنی تمیم اس کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اسی طرح عباس بن مرداس نے کہا: میں اور بنو سلیم بھی اس کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بنو سلیم نے کہا: نہیں، بلکہ جو ہمارا حصہ ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ عُیینہ بن حصن نے کہا: میں اور بنو فزارہ بھی اپنا حصہ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ سب کچھ سُن کر کہا: یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے ہیں، اور مجھے اِن لوگوں کا انتظار تھا۔ میں نے انہیں ان کی عورتوں، بچوں اور مال واَسباب کے درمیان اختیار دیا تھا، تو انہوں نے اپنے اہل وعیال کے مقابلہ میں کسی چیز کو کوئی حیثیت نہیں دی ہے۔ اس لیے جن لوگوں کے پاس اِن کے اہل وعیال میں سے کوئی ہو، اور وہ بطیب خاطر انہیں واپس کر دینا چاہیں، تو یہ اچھی بات ہوگی، اور جو کوئی انکار کرتا ہے، وہ بھی ان کو واپس کر دے، اور یہ ہم پر قرض ہوگا۔ ہم پہلی فرصت میں اس کا قرض چکا دیں گے۔ سب نے کہا: ہم اس پر راضی ہیں، چنانچہ سب نے واپس کر دیا، سوائے عُیینہ بن حصن کے، اس نے اس کے پاس موجود ایک بوڑھی عورت کو واپس کرنے سے پہلے انکار کر دیا، پھر اس نے بھی اُسے واپس کر دیا۔ ❶

رسول اللہ ﷺ ہوازن والوں کے اسلام لانے سے خوش ہوئے، اور ان کے قائد مالک بن عوف نصری کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے آپ ﷺ کو بتایا کہ وہ ثقیف والوں کے ساتھ طائف میں ہے۔ آپ ﷺ نے اُن سے وعدہ کیا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے گا تو آپ اس کے بال بچے اور اموال اسے واپس کر دیں گے، اور مزید سو اونٹ دے کر اس کا اکرام کریں گے۔ یہ سن کر وہ جلدی مسلمان ہو گیا اور جعرانہ میں آپ ﷺ سے آ کر ملا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے کیا گیا اپنا وعدہ وفا کیا، اور وہ مخلص مسلمان ہو گیا۔ بعد میں آپ ﷺ نے اسے اس کی قوم اور مضافات کے بعض دیگر قبائل کا ذمہ دار بنا دیا۔ ❷

جعرانہ میں قیام اور ادائیگی عمرہ:

رسول کریم ﷺ نے جعرانہ میں تیرہ دن قیام فرمایا، اور ۱۸ ذوالقعدہ بدھ کی رات میں چند صحابہ کرامؓ کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ گئے۔ اضطباع (دائیں کندھے کو کھول کر چادر کو بغل کے نیچے سے نکالنا) کے ساتھ طواف کیا، تین ابتدائی اَشواط میں رَمل کیا (تیز دوڑے) اور باقی چار اَشواط میں چلتے رہے، پھر صفا مروہ کے درمیان سعی کی، اور بال منڈوائے، معاویہؓ نے آپؐ کے بال مونڈے، پھر رات میں ہی جعرانہ واپس آ گئے، اور وہاں باقی رات گزار کر صبح کی۔

اسی لیے آپؐ کا یہ عمرہ بہت سے لوگوں سے مخفی رہا، انہی میں سے ابن عمرؓ تھے جیسا کہ اُن کے آزاد کردہ غلام نافع نے ان سے روایت کی ہے۔ امام بخاری نے نافع رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ سے عمرہ نہیں کیا۔ اگر

❶ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤٣١٨، ٤٣١٩)، مسند احمد: ٤/ ٤٢٦، ٤٢٧، ابو داؤد، حديث: (٢٦٩٣).

❷ اتحاف الورى: ١/ ٥٥٨، مغازي الواقدي: ٣/ ٩٥٥، الاكتفاء: ٢/ ٢٥٧.

آپ ﷺ نے عمرہ کیا ہوتا تو یہ بات عبداللہ بن عمرؓ سے مخفی نہیں رہی ہوتی۔ اسی طرح امام مسلم نے نافع سے روایت کی ہے کہ ابن عمرؓ کے نزدیک رسول اللہؐ کے جعرانہ سے عمرہ کرنے کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا: آپ ﷺ نے وہاں سے عمرہ نہیں کیا۔

لیکن جس بات کی ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نفی کی ہے، دوسروں نے اس کا اثبات کیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ان کی لاعلمی پر محمول ہوگا، اس لیے کہ یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جعرانہ سے عمرہ کیا تھا، اور اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے، اس لیے کہ اثبات میں زائد علم ہوتا ہے۔

امام احمد، شیخین، ابوداؤد اور ترمذی رحمہم اللہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حنین کے سال نبی کریم ﷺ نے مقام جعرانہ سے عمرہ کیا تھا۔ انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کیے، سبھی ذوالقعدہ میں کیے، سوائے اس عمرہ کے جو حج کے ساتھ کیا تھا۔ پہلا عمرہ حدیبیہ سے ذوالقعدہ میں، دوسرا اس کے بعد والے سال کے ذوالقعدہ میں، تیسرا جعرانہ سے ذی القعدہ میں جب آپ ﷺ نے حنین کے غنائم تقسیم کیے، اور چوتھا حجۃ الوداع کے ساتھ ذوالحجہ میں۔ ❶

مدینہ واپسی:

جمعرات کے دن جب آفتاب ڈھل گیا تو رسول اللہ ﷺ جعرانہ سے روانہ ہوئے، اور سَرِف پہنچے، وہاں سے مَرّ الظہران کے راستہ پر چل پڑے، اور مدینہ جمعہ کے دن ستائیس ذوالقعدہ کو پہنچے، آپ ﷺ نے مکہ میں اپنا خلیفہ عتاب بن اَسید رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا تھا، اور اُن کے ساتھ معاذ بن جبل اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو رہنے دیا تاکہ یہ دونوں مکہ والوں کو قرآن پڑھنا سکھائیں اور قرآن وسنت کی تعلیم دیں۔

عُروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام:

نبی کریم ﷺ کی جعرانہ سے روانگی کے بعد عُروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ آپؐ سے ملنے کے لیے نکلے، اور مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے راستہ میں آپؐ سے جا ملے اور اپنے اسلام کا اعلان کر دیا، اور آپ ﷺ سے اپنی قوم کے پاس لوٹ جانے کی اجازت مانگی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ تمہیں قتل کر دیں گے۔ بہرکیف وہ واپس اپنی قوم کے پاس گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دینی شروع کی۔ لیکن ان لوگوں نے انہیں اپنے تیروں کا نشانہ بنایا اور انہیں قتل کر دیا۔ مرنے سے پہلے انہوں نے وصیت کی کہ انہیں طائف سے باہر اُن مسلمانوں کے ساتھ دفن کیا جائے جو طائف کی ناکہ بندی کے وقت شہید ہوئے تھے، چنانچہ وہ شہداء کے ساتھ دفن کر دیے گئے۔ ❷

عرب جنگوں کا خاتمہ:

سیرتِ نبوی کے مؤرخین تقریباً اس بات پر متفق ہیں کہ غزوۂ حنین کے ساتھ ہی جزیرۂ عرب میں جنگوں کا خاتمہ ہوگیا، اللہ نے اس کے بعد مشرکین کے جتھوں کو بکھیر دیا، اُن کی طاقت کو توڑ دیا، اور اسلام کے دشمنوں کو ذلیل ورسوا کر کے مسلمانوں

---

❶ صحیح البخاری، الحج، حدیث: (۱۷۸۰)، المغازی، حدیث: (٤١٤٨)، صحیح مسلم، الحج، حدیث: (۱۲۵۳)، ابوداؤد، المناسک، حدیث: (۱۹۹٤)، ترمذی، الحج، حدیث: (۸۱۵)، مسند احمد: ۳/ ۱۳٤، ۲۵٦.

❷ اتحاف الوری: ۱/ ۵٦٠، مغازی الواقدی: ۹٦٠ - ۹٦۲، عیون الأثر: ۲/ ۲۲۸.

کو عزت بخشی۔ اب جزیرۂ عرب میں کوئی ایسا نہ رہا جو شرک کا دفاع کرتا سوائے بعض گروہوں کے جن کا طیش و غضب انہیں اسلامی فوج یا داعیانِ اسلام کے سامنے ہتھیار اٹھانے پر اُبھارتا تھا۔ لیکن جوں ہی حق کی قوت اُن کے سامنے آتی تھی وہ اپنی تلواریں میانوں میں ڈال کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ اس طرح اسلام بڑی تیزی سے طائف اور اس کے قریبی علاقوں میں پھیلنے لگا، اور اُن علاقوں میں رہنے والے قبائل رسول اللہ ﷺ کے پاس برضا و رغبت آ کر اللہ اور اس کے رسول کے لیے اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا اعلان کرنے لگے۔

کعب بن زہیر ● حضورِ نبوی میں:

بیہقی کی روایت ہے کہ زہیر بن ابی سلمیٰ (مشہور زمانہ شاعر) کے دونوں بیٹے کعب و بُجیر (رسول اللہ ﷺ کی طائف سے واپسی کے بعد) جب مقامِ اَبرق العزاف پر پہنچے تو بُجیر نے کعب سے کہا: تم یہاں رُکے رہو، اور میں اس آدمی (یعنی رسول اللہ ﷺ) کے پاس جاتا ہوں اور سنتا ہوں کہ وہ کیا کہتا ہے۔ بُجیر جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپؐ نے اسے اسلام کی دعوت دی، وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔ کعب کو جب یہ خبر ملی تو اس نے چند اشعار کہے جن میں اُس نے بُجیر کی کم عقلی کا رونا رویا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ کا مذاق اُڑایا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب وہ اشعار سنے تو اُس کے خون کو حلال کر دیا اور فرمایا: جسے کعب مل جائے وہ اسے قتل کر دے۔ بُجیر نے اپنے بھائی کعب کو خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا خون حلال کر دیا ہے، اور اسے نصیحت کی کہ کسی طرح نجات پانے کی کوشش کرے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ تم بچ سکو گے۔ اس کے بعد دوسرا خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی شخص آ کر اعلان کرتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اللہ کے رسول ہیں تو اس کی شہادت کو قبول کر لیتے ہیں، اور اس سے پہلے کی خطاؤں کو درگزر کر دیتے ہیں۔ اس لیے جب تمہیں میرا یہ خط ملے تو فوراً مسلمان ہو جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آ جاؤ۔

چنانچہ کعب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا، اور وہ قصیدہ کہا جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تعریف کی، پھر مدینہ آئے، مسجد میں داخل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر بیٹھ گئے، اور اسلام کا اعلان کر کے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: میں کعب بن زہیر ہوں۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ نے لکھا ہے: کعب رضی اللہ عنہ نے پھر اپنا وہ قصیدہ سنایا جس کا پہلا شعر مندرجہ ذیل ہے:

بانت سعاد فقلبي اليوم متبول
مُتَيَّمٌ إثرَها لم يُفدَ مكبول

قسطلانی نے اپنی کتاب "المواہب" میں ابو بکر ابن الانباری کے حوالے سے کعبؓ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے جب

● کعب بن زہیر دیارِ نجد کا ایک عالی مقام شاعر تھا، وہ جاہلیت میں ہی مشہور ہو چکا تھا۔ اس نے ظہورِ اسلام کے بعد نبی کریم ﷺ کی ہجو کی، اور مسلمان عورتوں کے بارے میں عشقیہ اشعار کہے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے اس کا خون حلال کر دیا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ اسلام لے آیا تو نبی کریم ﷺ نے اسے معاف کر دیا، اور اس کا مشہور نعتیہ قصیدہ "بانت سعاد" سن کر اسے اپنی چادرِ مبارک عطا کر دی۔

مندرجہ ذیل شعر پڑھا:

إن الرسول لنور يستضاء به
مهند من سيوف الله مسلول

"بے شک رسول اللہ ﷺ اللہ کا نور ہیں جس سے دنیا روشنی حاصل کرتی ہے، بے شک آپ ﷺ اللہ کی تلواروں میں سے ایک ہندی تلوار ہیں جو باطل کا سر قلم کرنے کے لیے ہردم نیام سے باہر رہتی ہے۔"

تو نبی کریم ﷺ نے اپنی چادر مبارک میرے بدن پر ڈال دی، کعب رضی اللہ عنہ کو اس چادر کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نے دس ہزار دینار کی پیش کش کی، تو انہوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی چادر مبارک کسی آدمی کو کسی بھی قیمت میں نہیں دوں گا۔

کعب رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہو گیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے خاندان والوں کو بیس ہزار کی پیش کش کر کے وہ چادر حاصل کرلی۔ اور پھر وہ چادر سلاطینِ بنی امیہ کے پاس یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہی۔ ❶

امراء وعُمّال کی تعیین:

سن ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے وصولی زکاۃ کے لیے امراء اور عمال کو مختلف علاقوں میں روانہ فرمایا۔ بُریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ کو قبائل اسلم وغفار کے پاس، عباد بن بشر اشہلی رضی اللہ عنہ کو قبائل سُلیم اور مُزینہ کے پاس، رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ کو جُہینہ کے پاس، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو فزارہ کے پاس، ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کو کلاب کے پاس، بُسر بن سفیان کعبی رضی اللہ عنہ کو بنو کعب کے پاس، اور ابن اللُتبیہ ازدی رضی اللہ عنہ کو ذُبیان کے پاس بھیجا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان تمام عمال کو حکم دیا کہ وہ زکاۃ لوگوں کے عام اموال میں سے لیں، اُن کے سب سے اچھے اموال لینے سے بچیں۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو صنعاء بھیجا، وہ وہیں تھے کہ عنسی ظاہر ہوا۔ اور آپ ﷺ نے زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ کو حضرموت، عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو طئی اور بنو اسد کی طرف اور مالک بن نویرہ کو بنو حنظلہ کے پاس بھیجا۔ اور بنو سعد کے صدقات کا معاملہ دو شخصوں کے سپرد کیا، ایک علاقہ میں زبرقان بن بدر کو، اور دوسرے علاقہ میں قیس بن عاصم کو بھیجا۔ اور علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین، اور علی رضی اللہ عنہ کو نجران کے علاقہ میں بھیجا، تاکہ یہ سب اُن علاقوں کے صدقات، اور جو اسلام نہ لائیں اُن کا جزیہ وصول کر کے آپ ﷺ کے پاس لے آئیں۔ ❷

جمع زکاۃ کے سلسلہ میں ابن اللتبیہ کا ایک واقعہ ہے جس میں دلیل ہے کہ عمال کا محاسبہ کیا جائے گا، اور کسی کی خیانت ظاہر ہونے کی صورت میں اُسے برطرف کر دیا جائے گا، اور اُس کی جگہ کسی امانت دار کو بھیجا جائے گا۔

واقعہ یوں ہے کہ یہ شخص جب صدقہ کا مال لے کر مدینہ آیا تو آپ ﷺ سے کہا: یہ مال آپ لوگوں کے لیے ہے، اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا: کیا بات ہے کہ میں کسی کو عامل بنا

---

❶ دیکھئے: دلائل البیهقي: ٥/ ٢٠٧- ٢٠٩، زاد المعاد: ٣/ ٤١٤- ٤١٨، سیرة ابن کثیر: ٣/ ٦٩٩- ٧٠٩، حاشیہ ابوالعیم العلی بر "السیرة النبویة" تالیف ابوالحسن علی الندوی۔

❷ زاد المعاد: ٣/ ٦٠٦/ ٤٠٧، طبقات ابن سعد: ٢/ ١٦٠، سیرة ابن هشام: ٢/ ٦٠٠، مغازي الواقدي: ٣/ ٩٧٣- ٩٧٥۔

کر بھیجتا ہوں تو واپس آ کر وہ کہتا ہے: یہ تم لوگوں کے لیے ہے، اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے۔ ایسا شخص اپنے باپ یا ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا، اور دیکھتا کہ اُسے ہدیہ پیش کیا جاتا ہے یا نہیں۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے جو کوئی صدقہ کے مال میں سے کچھ لے لے گا تو وہ قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے آئے گا، اگر اونٹ ہوگا تو وہ آواز نکال رہا ہوگا، یا گائے ہوگی تو وہ آواز نکال رہی ہوگی، آپ ﷺ نے پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دو بار فرمایا: اے اللہ! کیا میں نے بات پہنچا دی؟ [1]

❁❁❁❁

---

[1] صحيح البخاري، الجمعة، حديث: (٩٢٥)، ٢٥٩٧، ٦٦٣٦، ٦٩٧٩، ٧١٧٤، ٧١٩٧)، صحيح مسلم، الإمارة، حديث: (١٨٣٢) وغيرهما.

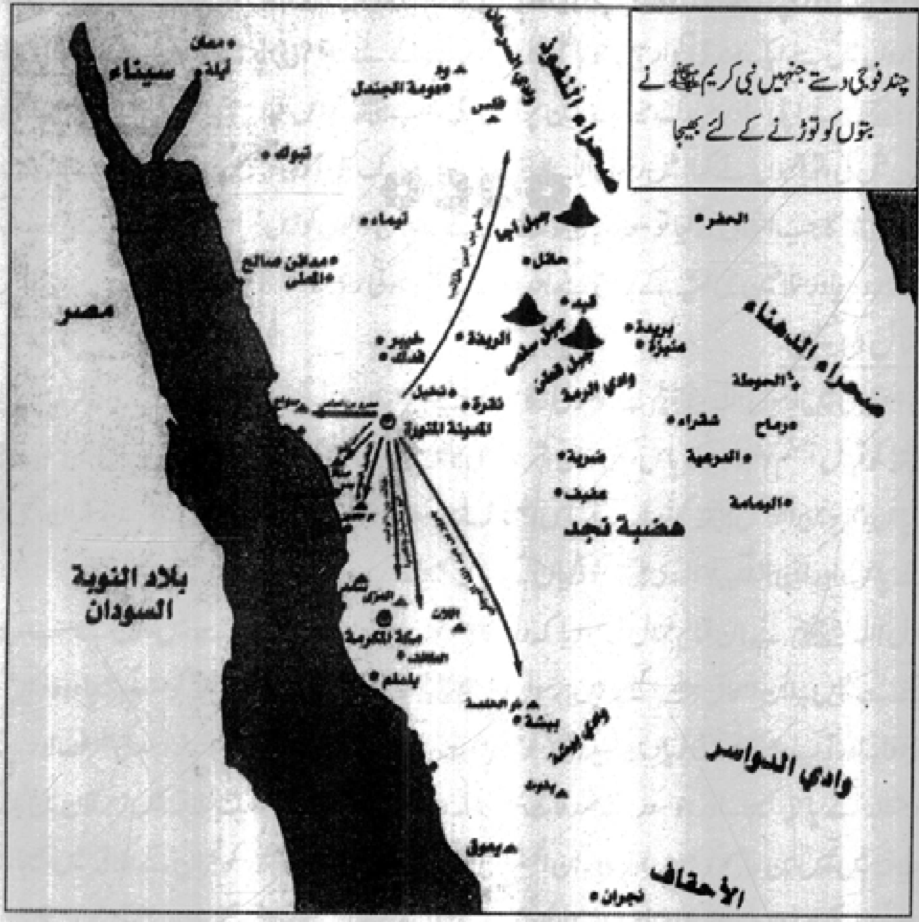

چند فوجی دستے جنہیں نبی کریم ﷺ نے بتوں کو توڑنے کے لئے بھیجا

سن ۹ ہجری میں فوجی دستے

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح عُمّال واُمراء چاروں طرف روانہ کیے، اُسی زمانہ میں کئی فوجی دستے بھی روانہ کیے۔ ذیل میں اُن کا ذکر اختصار کے ساتھ کرتا ہوں:

سریہ عُیینہ بن حِصن رضی اللہ عنہ:

ماہِ محرم سن ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے عُیینہ بن حِصن فزاری کو بنی تمیم کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ بنوتمیم جو بنوکعب کے پڑوسی تھے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عامل بشر بن سفیان کلبی رضی اللہ عنہ کو بنوکعب کی زکاۃ جمع کرنے سے منع کر دیا، اس لیے آپؐ نے عُیینہ بن حِصن فزاری کو پچاس دیہاتی گھوڑ سواروں کے ساتھ بھیجا، اُن میں کوئی مہاجر یا انصاری صحابی نہیں تھے۔ یہ لوگ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے، یہاں تک کہ اچانک اُن کے پاس پہنچ گئے، اور اُن سے جنگ کر کے اُن کے گیارہ مردوں، بیس عورتوں اور تیس بچوں کو قید کر لیا، اور انہیں مدینہ لے کر آ گئے۔ اِس واقعہ کے بعد بنوتمیم کے سرداروں کا ایک وفد مدینہ آیا، اور رسول اللہ ﷺ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر پکارا: اے محمد! باہر آئیے، آپ ﷺ باہر آئے، اور بلالؓ نے نماز کے لیے اذان دی۔ وفد کے لوگ رسول اللہؐ سے چپک گئے اور سب آپؐ سے بات کرنے لگے۔ آپؐ تھوڑی دیر اُن کے پاس کھڑے رہے، پھر چلے گئے، پھر آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی، اور صحنِ مسجد میں بیٹھ گئے، وفد نے عطارد بن حاجب کو آگے کیا، اُس نے اُن کی طرف سے بات کی تو رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس بن شماس ؓ کو حکم دیا کہ وہ ان کی بات کا جواب دیں، انہوں نے ان کے جواب میں اُن کے خطیب سے زیادہ فصاحت وبلاغت کے ساتھ بات کی۔

اسی وفد بنوتمیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝﴾ [الحجرات: ٤-٥]

"بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں، اُن میں اکثر لوگ بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے، یہاں تک کہ آپ اُن کے پاس نکل کر آتے، تو اُن کے لیے بہتر ہوتا، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے۔"

بہر کیف وفد کے افراد نے اسلام قبول کر لیا، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے قیدی واپس کر دیے، اور انہیں اکرام و عطیات سے نوازا۔ یہ لوگ مدینہ میں کچھ دن رہے، قرآن پڑھنا سیکھا، اور قرآن وسنت کا علم وفہم حاصل کر کے واپس چلے گئے۔

سریہ قُطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ:

ماہِ صفر سن ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے قُطبہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بیس اشخاص کو تبالہ کے علاقے میں خثعم کے ایک محلہ

والوں کی طرف بھیجا، آپ ﷺ نے اُن کو اُن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ لوگ دس اونٹوں پر باری باری سوار ہوتے ہوئے چلے۔ پہلے انہوں نے ایک آدمی کو پکڑا جس نے کوئی معلومات دینے سے انکار کر دیا، بلکہ چیخ چیخ کر اہل قریہ کو آگاہ کرنے لگا، تو مجاہدین نے اسے قتل کر دیا۔ پھر وہیں ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ اہل قریہ سو گئے، تو اُن پر حملہ کر دیا، اور بڑی شدید جنگ ہوئی، اور دونوں فریقوں کے کافی لوگ زخمی ہوئے۔

قُطبہ رضی اللہ عنہ نے اکثر کو قتل کیا، اور ان کے اونٹ، بکریوں اور عورتوں کو ہانک کر مدینہ منورہ لے آئے۔ ہر مجاہد کے حصہ میں چار اونٹ آئے۔ اس سریہ کی تفصیل میں آتا ہے کہ اس علاقہ کے مشرکین نے جمع ہو کر مسلمانوں کا پیچھا کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے اور مسلمانوں کے درمیان ایک سیلِ عظیم کی رُکاوٹ کھڑی کر دی، اور مسلمان انہیں دیکھتے رہے، اور بحفاظت مدینہ منورہ پہنچ گئے، اور کفار اس سیلاب کو عبور نہ کر سکے، یہاں تک کہ مسلمان اُن کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ ❶

سریہ ضحاک کلبی رضی اللہ عنہ:

ماہ ربیع الاول سن ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے ایک فوجی دستہ ضحاک بن سفیان بن عوف طائی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بنی کلاب کی طرف بھیجا۔ مسلمانوں کی فوج میں اُصید بن سلمہ بھی تھے جو بنی کلاب کے تھے۔ انہوں نے اپنے باپ سلمہ کا پیچھا کیا اور اسے اسلام کی دعوت دی، اور اس کے لیے امان کا اعلان کیا، لیکن سلمہ نے اپنے بیٹے اُصید اور اس کے دین کو گالی دی، اُصید نے اس کے گھوڑے کے دونوں کوچ کاٹ دیے، جب گھوڑا گر پڑا تو سلمہ پانی میں اپنے نیزہ پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا، اور اسے ایک دوسرے مسلمان فوجی نے قتل کر دیا، اسے اُس کے بیٹے نے قتل نہیں کیا۔ ❷

سریہ علقمہ مدلجی رضی اللہ عنہ:

ماہ ربیع الثانی سن ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ جدہ والوں نے دیکھا ہے کہ حبشہ کے لوگ ساحل کے قریب جمع ہو کر اہل مکہ کے خلاف کوئی بحری قزاقی کا کام کرنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کی سرکوبی کے لیے علقمہ بن مُجزز رضی اللہ عنہ کو تین سو سپاہیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ لوگ پہلے سمندر میں ایک جزیرہ پر پہنچے، پھر وہاں سے ان قزاقوں کی طرف روانہ ہوئے، لیکن جب انہیں مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ملی تو بھاگ پڑے۔ ❸

سریہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

ماہ ربیع الثانی ہی میں رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ایک سو پچاس انصاریوں کی معیت میں سو اونٹوں اور پچاس گھوڑوں کے ساتھ قبیلۂ طیٔ کے فُلس نامی صنم کو گرانے کے لیے بھیجا، اور اُن کو ایک سیاہ رنگ کا علم اور دوسرا سفید رنگ کا دیا۔ ان مجاہدین نے فجر طلوع ہوتے ہی آلِ حاتم کے محلہ پر حملہ کر دیا، اور اس بُت کو توڑ دیا۔ بہت سارے قیدی، اونٹ اور بکریاں بھی ہاتھ آئیں۔ قیدیوں میں عدی بن حاتم کی بہن سفانہ بھی تھی۔ عدی پہلے ہی بھاگ کر شام کی طرف چلا گیا تھا۔

---

❶ طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۶۲، عیون الأثر: ۲/ ۲۵۶، زاد المعاد: ۳/ ۴۱۰.

❷ طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۶۲، عیون الأثر: ۲/ ۲۵۶، زاد المعاد: ۳/ ۴۱۱.

❸ مغازی الواقدی: ۳/ ۹۸۳، عیون الأثر: ۲/ ۲۵۷.

مجاہدین کو صنم کے خزانہ میں تین تلواریں اور تین زرہیں ملیں، اور قیدیوں اور غنائم کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔ رسول کریم ﷺ جب سفانہ کے پاس سے گزرے، تو اُس نے کہا: والد مر گئے، اور بھائی غائب ہو گیا۔ آپ چاہیں تو مجھے آزاد کر دیجیے، اور میرے دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیجیے، میرے والد بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے، اور سلام کو رواج دیتے تھے، کوئی صاحب حاجت بھی اُن کے پاس سے محروم نہیں لوٹا۔

رسول اللہ ﷺ اُس کے انداز گفتگو سے بہت ہی متاثر ہوئے، اور اسے آزاد کر دینے کا حکم دے دیا، آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ کریموں اور عزت داروں کی تکریم کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے کہا: اسے چھوڑ دیا جائے، اس لیے کہ اس کا باپ اعلیٰ اخلاقی قدروں کا مالک تھا۔

یہ سنتے ہی سفانہ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا: اے محمد (ﷺ)! اللہ تعالیٰ آپ کی بھلائی قبول کرے، کسی کمینہ کا آپ کو محتاج نہ بنائے، اور اگر کسی کریم النفس آدمی کی کوئی نعمت چھن جائے تو آپ کے ذریعہ اللہ وہ نعمت اُس کو لوٹا دے۔

اس کریمانہ معاملۂ نبوی کا اثر یہ ہوا کہ سفانہ فوراً اسلام لے آئی، آپ ﷺ نے اسے جوڑا پہنایا، اخراجات سفر دیے، اور اسے بلادِ شام کے سفر کی اجازت دی تاکہ وہ اپنے بھائی عدی بن حاتم کے پاس جائے جو اسلامی فوجوں کو اپنے گھروں کی طرف آتا دیکھ کر بلادِ شام کی طرف بھاگ گیا تھا۔

جب اُس نے اپنے بھائی سے رسول کریم ﷺ کے معاملۂ کریمانہ کا ذکر کیا تو اُس نے پوچھا: تمہارا اُس آدمی سے میرے ملنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ سفانہ نے کہا: میری رائے ہے کہ تم جلد از جلد جا کر اُن سے ملو۔

عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے دل میں سوچا: میں ضرور اس سے ملوں گا، اگر سچا ہوگا تو اُس کی بات ضرور سنوں گا، اور اگر جھوٹا ہوگا تو مجھے وہ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں آپ ﷺ کے پاس آیا تو لوگ مجھے گردن اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے اور کہنے لگے: یہ تو عدی بن حاتم ہے۔ www.KitaboSunnat.com

عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عدی! اسلام قبول کر لو، سلامتی مل جائے گی۔ میں نے کہا: میں تو ایک دین کو مانتا ہوں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: اے عدی! اسلام قبول کر لو، سلامتی مل جائے گی۔ میں نے دوبارہ کہا: میں تو ایک دین کو مانتا ہوں۔ میں نے جب یہ بات تیسری بار کہی تو آپ ﷺ نے کہا: میں تمہارے دین کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔ میں نے پوچھا: آپ میرے دین کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اور اس بات کو تین بار آپ ﷺ نے دُہرایا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا: کیا تم "رَکوسی" ❶ نہیں ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ فرمایا: کیا تم اپنی قوم کے سردار نہیں ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ فرمایا: کیا تم مالِ غنیمت کا چوتھا حصہ نہیں لیتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے مذہب میں ایسا کرنا تمہارے لیے حلال نہیں ہے۔ عدیؓ کہتے ہیں: میں نے اس بات میں اپنی عیب جوئی اور ذلت سمجھی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ اسلام لانے سے جو بات تمہیں روک رہی ہے، وہ میرے گرد موجود

---

❶ رکوسی ایک فرقہ ہے، جس کا دین ومذہب نصرانیت اور صابئیت (بت پرستی) سے ماخوذ ہے۔

مسلمانوں کی خستہ حالی ہے، نیز تم دیکھ رہے ہو کہ عرب کے تمام لوگ میری عداوت پر اکٹھے ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے حیرہ کا نام سنا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں، سنا ہے لیکن وہاں گیا نہیں ہوں۔ آپ ﷺ فرمایا: عنقریب وہاں سے عورت بغیر کسی مددگار کے نکلے گی اور کعبہ کا طواف کرے گی۔ اور عنقریب کسریٰ بن ہُرمُز کے خزانے ہمارے لیے کھول دیے جائیں گے۔ میں نے پوچھا: کسریٰ بن ہُرمز کے خزانے؟ آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: ہاں، کسریٰ بن ہُرمز کے خزانے۔ اور عنقریب آدمی چاہے گا کہ کوئی اس کا صدقہ اس سے قبول کرلے، لیکن اسے ایسا کوئی آدمی نہیں ملے گا۔

عدی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی روایت کے وقت کہا: میں نے دو چیزیں دیکھ لی ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ مسلمان عورت حیرہ سے بغیر کسی مددگار کو ساتھ لیے نکلتی ہے، اور کعبہ کا طواف کرتی ہے۔ اور میں خود ان گھوڑسواروں میں تھا جنہوں نے مدائن پر حملہ کیا تھا۔ اللہ کی قسم! تیسری چیز بھی ضرور دیکھوں گا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے جسے میں نے آپ ﷺ سے سنا تھا۔ ●

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ میں عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے اس حصہ کی روایت کی ہے جس کا تعلق شہر حیرہ، خزائنِ کسریٰ اور فیضانِ مال سے ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اسے یہاں نقل کروں، اس لیے کہ اس میں کئی فوائد ہیں، نیز اس کا عدی رضی اللہ عنہ کے قصہ سے قوی تعلق ہے۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کی مجلس میں حاضر تھا کہ ایک آدمی آیا اور آپ ﷺ سے اپنی فاقہ کشی کی شکایت کی، پھر ایک دوسرا آدمی آیا اور اس نے اپنے علاقہ میں رہزنی کی شکایت کی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عدی! کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ میں نے کہا: دیکھا نہیں ہے، اس کے بارے میں سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہاری حیات لمبی ہوئی تو دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ سے چل کر مکہ مکرمہ آئے گی، کعبہ کا طواف کرے گی، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گی۔ اگر تمہاری زندگی لمبی ہوگی تو دیکھو گے کہ کسریٰ کے خزانے مسلمانوں کے لیے کھول دیے جائیں گے، اور اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک آدمی اپنی ہتھیلی بھر سونا یا چاندی صدقہ کرنا چاہے گا، اور کسی ایسے کو تلاش کرے گا جو اسے قبول کرلے لیکن اسے کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا۔

عدی رضی اللہ عنہ نے حدیث کے آخر میں کہا: میں نے دیکھا کہ ایک عورت حیرہ سے سفر کر کے خانہ کعبہ کا طواف کرتی تھی، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی تھی۔ اور میں اُن میں سے ایک تھا جنہوں نے خزانۂ کسریٰ کا دروازہ کھولا۔ اور اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم لوگ نبی کریم ابوالقاسم ﷺ کے قول کے مطابق یہ بھی دیکھ لوگے کہ ایک شخص اپنی ہتھیلی بھر سونا یا چاندی صدقہ کرنا چاہے گا، اور کوئی اسے قبول کرنے والا نہ ملے گا۔

●●●●

● مسند احمد: ۴/ ۳۷۷، ۳۷۸، اس کی اسناد حسن ہے۔ دلائل البیہقی: ۵/ ۳۴۳، اسد الغابۃ: ۴/ ۸، امام ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع: ۶/ ۲۰۸، میں لکھا ہے: اس حدیث کو احمد وطبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کے رجال حدیثِ صحیح کے رجال ہیں۔

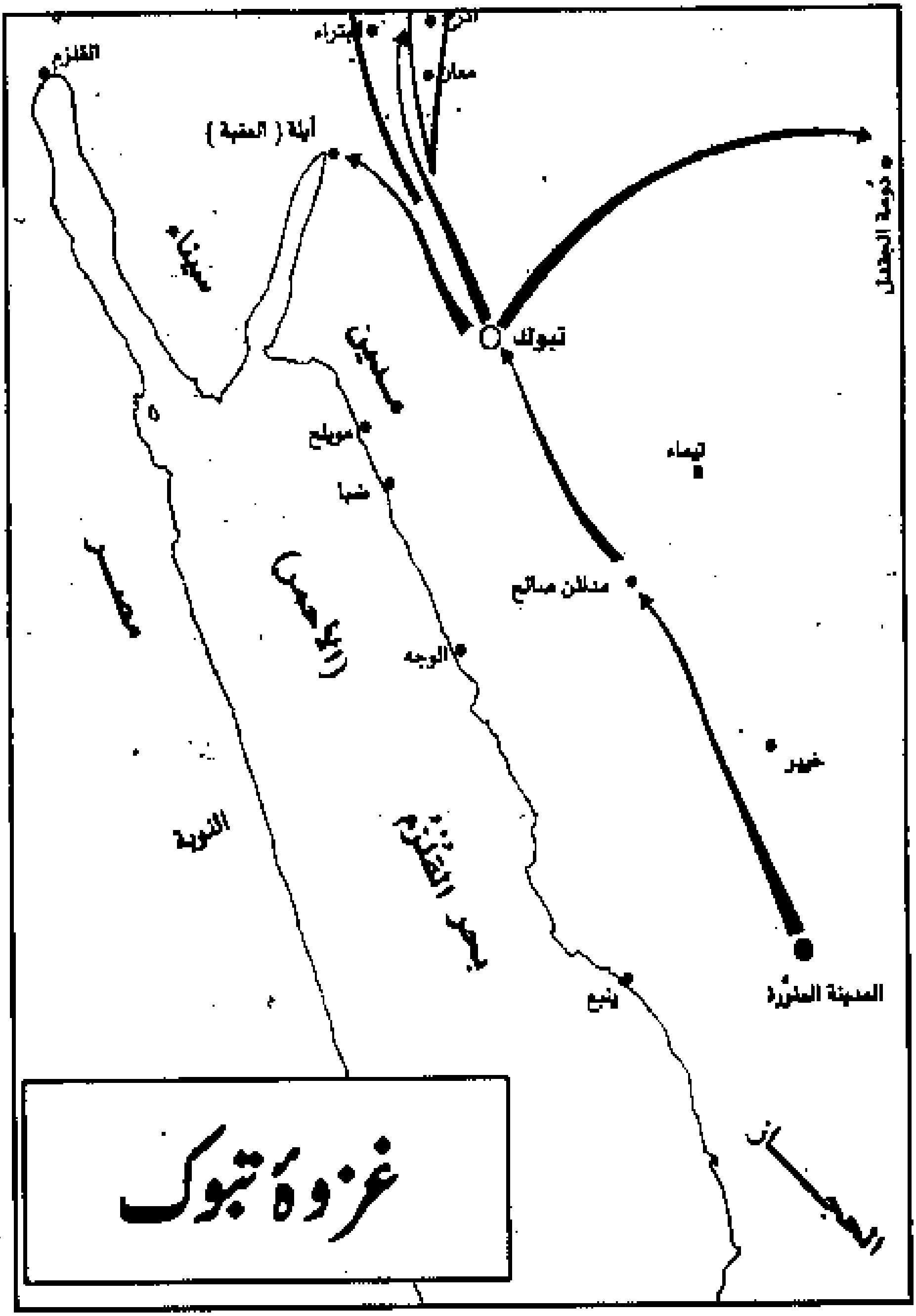
القلزم
البتراء
معان
أيلة (العقبة)
دومة الجندل
سيناء
تبوك
مدين
مويلح
ضبا
تيماء
مدائن صالح
الوجه
خيبر
النوبة
بحر القلزم
ينبع
المدينة المنورة
الحجاز
غزوة تبوك

غزوۂ تبوک

''تبوک'' شمالی حجاز میں وادئ قُریٰ اور شام کے درمیان ایک علاقہ کا نام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ''تبوک'' سعد بن عذرہ کے بیٹوں کے ایک کنویں کا نام ہے۔ ان دنوں مدینہ منورہ سے اس کی دوری تقریباً ۷۷۸ کلومیٹر ہے۔ ماضی میں یہ علاقہ قبیلۂ قُضاعہ کا مسکن تھا، اور شاہِ روم کے تابع تھا۔ یہ غزوہ سن ۹ ہجری ماہِ رجب میں حجۃ الوداع سے پہلے اور غزوۂ طائف کے چھ ماہ بعد واقع ہوا۔

غزوۂ تبوک کے اسباب

فتح مکہ سے قبل جو واقعات رونما ہوئے اُن کا تاریخی جائزہ لینے نیز دعوتِ اسلام کی عالمیت پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس غزوہ کے دو اہم اسباب تھے:

پہلا سبب:

دعوتِ اسلامی کی عالم گیریت اور مسیحی قوموں تک اس کے ابلاغ کا وجوب تھا، اس لیے کہ اب عرب قوموں اور قبیلوں نیز مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں رہنے والے یہودیوں تک اسلام کی دعوت تقریباً پہنچ چکی تھی، اور اس سلسلہ کی تمام جنگوں اور غزوات کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

اس لیے جہادِ اسلامی کی فرضیت اور دعوتِ اسلامیہ کی عالمی تبلیغ کا تقاضا تھا کہ اب نبی کریم ﷺ اپنی دعوتی کوششوں کا رُخ ان رومیوں کی طرف کرتے جو بلادِ عربیہ کے پڑوسی تھے اور اس دعوتِ حقہ سے مستفید ہونے کے زیادہ حقدار تھے۔ مسیحیت ایک مُردہ جسم ہو کر رہ گئی تھی، اور مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئی تھی، اُن کا عقیدۂ توحید مسخ ہو چکا تھا، اُن میں اور مشرکوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہا تھا، اور ظلم و فساد اور استبداد و انارکی اُن کی زندگی کے ہر گوشہ میں سرایت کر چکی تھی۔

دوسرا سبب:

میں نے گزشتہ صفحات میں بیان کیا ہے کہ شرحبیل بن عمرو غسانی جو رومیوں کا آلۂ کار تھا، اُس نے حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا جو رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک لے کر بُصریٰ کے حاکم کے پاس جا رہے تھے۔ اور اس حادثہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک فوجی دستہ مؤتہ بھیجا تھا جو رومیوں کی بڑی طاقت سے ٹکرا گیا تھا، اور یہ دستہ اگرچہ کبر و غرور کے پیکر رومیوں سے انتقام نہ لے سکا، لیکن اِس معرکۂ مؤتہ کا عربوں کی نفسیات پر بہت گہرا اثر پڑا، اور بہت سے عرب قبائل نے سنجیدگی کے ساتھ سوچنا شروع کر دیا کہ وہ کسی طرح رومیوں کی بالادستی سے نجات حاصل کر لیں اور مسلمانوں سے اپنا تعلق جوڑ لیں۔

یہ خبریں قیصر روم کو تواتر کے ساتھ پہنچنے لگیں، اور اس نے دیکھا کہ خطرے کی گھنٹی بجنے لگی ہے، اور مسلمان قدم بہ قدم اس کی ملکی حدود کے قریب ہو رہے ہیں، اور شامی حدود جو عربوں کی سرزمین سے بالکل متصل تھیں وہ تو بالخصوص اب اُن کے نشانہ پر ہیں۔ اس لیے قیصر نے ضروری سمجھا کہ اس جدید عسکری طاقت پر بروقت کاری ضرب لگا دی جائے جن کا ابھی کچھ ہی دنوں پہلے کوئی وجود نہیں تھا۔

قیصر جنگی تیاری کرنے لگا، اور روم و عرب کے سپاہیوں پر مشتمل ایک ایسی بڑی فوج تیار کرنے لگا جو دشمن اسلام کی جدید طاقت سے ایک ایسی فیصلہ کن جنگ کرے جس کے بعد وہ طاقت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے اور دوبارہ رومیوں کی ہیبت عربوں کے دلوں میں بیٹھ جائے۔

ایک اور اہم بات جس نے رومیوں کو اہلِ مدینہ سے جنگ کرنے پر ابھارا وہ اُن کا ایران کی طاقتور فوج پر زبردست غلبہ حاصل کر لینا تھا، جس کا کسی کو سان و گمان بھی نہیں تھا۔ سن ۷ ہجری میں رومی فوج نے ہرقل کی قیادت میں ایرانی فوج کے چھکے چھڑا دیے، رومی ایران کی سرزمین میں داخل ہو گئے، اور اُن سے اپنی وہ صلیب واپس لینے میں کامیاب ہو گئے جس پر ایران والے ماضی میں قابض ہو گئے تھے۔

یہ خبریں مسلمانوں کو مدینہ میں پہنچتی تھیں تو ڈرتے تھے کہ کہیں رومی اچانک آ کر اُن پر حملہ نہ کر دیں۔ اسی لیے اس زمانہ میں جب کوئی خطرہ کی گھنٹی بجتی یا کوئی ناگہانی واقعہ پیش آ جاتا تو مسلمانوں کے ذہنوں میں فوراً یہ بات آتی کہ شاید غسانیوں نے اُن پر حملہ کر دیا ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ذہن و فکر اُن کی جرأت و شجاعت اور علوہمتی کے باوجود غسانی بادشاہ کے فوجی حملہ کے خوف سے ہر وقت مشغول رہتا تھا۔ صحیحین میں سورۃ التحریم کی تفسیر میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے ایک انصاری ساتھی تھے، جب میں نبی کریم ﷺ کی مجلس سے غائب رہتا تو وہ میرے لیے آپ ﷺ کی خبریں لایا کرتے تھے، اور جب وہ غائب ہوتے تو میں اُن کے لیے خبریں لایا کرتا۔ اُس زمانہ میں ہم لوگ ایک غسانی بادشاہ سے بہت خائف تھے جس کے بارے میں ہمیں خبر ملی تھی کہ وہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ ہمارے سینے اس کے حملہ کے خطرہ سے کانپتے رہتے تھے۔ ایک دن میرے ساتھی نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور کہنے لگے کھولیے کھولیے۔ میں نے پوچھا: کیا غسانی آ گئے؟ انہوں نے کہا: اس سے بھی بڑی مشکل پیش آ گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ ❶

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے آپس میں بات کی تھی کہ غسانی ہم پر حملہ کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔ میرا ساتھی اپنی باری کے دن عشاء کے وقت واپس آیا اور آتے ہی زور سے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور پوچھا: کیا آپ سو رہے ہیں؟ میں گھبرایا ہوا اُس کے پاس نکل کر آیا۔ اس نے کہا: ایک بڑا حادثہ ہو گیا ہے۔ میں نے پوچھا: کیا ہوا، کیا غسانی آ گئے؟ اس نے کہا: نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑا حادثہ ہو گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق

---

❶ صحيح البخاري، تفسير سورة التحريم، حديث: (٤٩١٣)، صحيح مسلم، كتاب الطلاق، حديث: (١٤٧٩).

دے دی ہے۔ ❶

واقدی نے ذکر کیا ہے کہ نبطی لوگ بکثرت جاہلیت کے زمانہ سے آٹا اور تیل فروخت کرنے کے لیے مدینہ منورہ آیا کرتے تھے، اُن کے ذریعہ مسلمانوں کو ہر روز ملکِ شام کی خبریں ملتی تھیں۔ انہی کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوئی کہ رومی لوگ شام کے علاقہ میں بہت بڑی فوج جمع کر رہے ہیں، اور ہرقل نے اپنے لوگوں کو ایک سال کا غلّہ فراہم کر دیا ہے، اور اپنے ساتھ لخم وجذام اور غسان وعاملہ کو ملا لیا ہے، اور مدینہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا ہے، اور اپنا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچا دیا ہے، اور وہاں اپنی فوجی چھاؤنی بنالی ہے، اس لیے مسلمان اس دشمن سے بہت ہی خائف تھے۔ ❷

رومیوں کے خلاف فوج کشی:

مذکورہ بالا حالات اور رومیوں کی فوجی نقل وحرکت کے سبب نبی کریم ﷺ کے لیے نہایت ضروری ہوگیا کہ آپ ﷺ اس بارے میں ایک فیصلہ کن قدم اٹھائیں، اور رومیوں پر ان کے علاقہ میں پہنچ کر حملہ کریں قبل اس کے کہ وہ مدینہ پہنچ جائیں، اور ان علاقوں میں اپنا اثر ورسوخ بڑھالیں جو اب اسلام کے زیرِ نگیں ہیں، حالانکہ مسلمان اُن دنوں مشکل حالات سے گزر رہے تھے، تنگدستی، خشک سالی اور شدید گرمی کا زمانہ تھا، اور طویل سفر کے لیے سامانِ سفر اور سواریاں نہیں تھیں۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رومیوں کے خلاف جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا، جبکہ لوگ شدید تنگدستی، سخت گرمی اور خشک سالی سے دوچار تھے، اور پھلوں کے پکنے کا زمانہ تھا، لوگ چاہتے تھے کہ وہ اپنے پھلدار درختوں کے سایہ تلے پھلوں اور سایہ سے مستفید ہوں، اور فی الحال نہیں چاہتے تھے کہ وہ دور کا سفر کریں۔

رسول کریم ﷺ جب بھی کسی غزوہ کا ارادہ کرتے تو اشارہ وکنایہ میں کچھ بتاتے اور جدھر کا ارادہ ہوتا اس کے سوا کسی دوسری جہت کی بات کرتے، لیکن غزوۂ تبوک کے بارے میں آپ ﷺ نے صراحت کر دی، اس لیے کہ راستہ طویل تھا، مدت لمبی مطلوب تھی، اور دشمن کی تعداد کثیر تھی، تاکہ لوگ اچھی طرح تیار ہو کر نکلیں۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ہر ممکن تیاری کریں، آپ ﷺ نے اعلان کر دیا کہ وہ رومیوں سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ❸

مالی امداد کے لیے دعوتِ عام:

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو حسبِ قدرت واِمکان صدقہ اور مالی امداد جمع کرنے کی رغبت عام دلائی، تاکہ عظیم اسلامی فوج جس کی تعداد تیس ہزار تھی، اسے دشمن کے مقابلہ کے لیے تیار کر سکیں۔ مالدار صحابہ کرام نے جیسے ہی آپ ﷺ کا یہ اعلان سنا، سب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اللہ کی طرف سے اجر وثواب کے حصول کے لیے صدقہ کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت ہی قلیل مدت میں بڑی رقم اور بہت سارے اموال واَسباب جمع ہوگئے۔

نبی کریم ﷺ نے ان اموال کے ذریعہ اس عظیم فوج کو پوری طرح تیار کر لیا، فوج کے لیے وسائلِ سفر، اسلحہ اور کھانے

---

❶ صحیح البخاري، كتاب المظالم، باب الغرفة والعُلية المشرفة، حديث: (٢٤٦٨).

❷ مغازي الواقدي: ٣/٩٨٩، ٩٩٠.

❸ سيرة ابن هشام: ٢/ ٥١٦.

پینے کے ضروری اسباب مہیا کر لیے، جنہیں فوج کے بہت سے افراد اپنے مال خاص سے مہیا نہیں کر سکتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ جود و سخاوت کا عملی ثبوت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے دیا، انہوں نے مجاہدین کے لیے اتنے مال کثیر کا عطیہ دیا کہ اس قسم کے داد ودہش کے گزشتہ سارے ریکارڈ توڑ دیے، رسول اللہ ﷺ نہایت خوش ہوئے، اُن سے غایت درجہ رضامندی کا اظہار فرمایا، اور اُن کے لیے خوب دعائیں کیں۔

عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے میں ایک ہزار دینار لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور اسے آپ ﷺ کی گود میں ڈال دیا۔ آپ ﷺ اسے اپنے ہاتھ سے اُلٹ پلٹ کرنے لگے اور فرمایا: آج کے بعد عثمان جو چاہیں کریں، ان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے یہ بات بار بار دُہرائی۔ ❶

ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال لے کر آئے جو چار ہزار درہم تھا، اور اسے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈال دیا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنا نصف مال لے کر آئے۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ایک سو اوقیہ سونا لے کر آئے۔ عباس بن عبدالمطلب، طلحہ بن عبیداللہ اور عاصم بن عدی رضی اللہ عنہم بہت سارے اموال لے کر آئے۔

مسلمان عورتوں نے اپنے زیورات وجواہر صدقہ کر دیے، اور آپ ﷺ سے اِس غزوہ میں شرکت کی اجازت مانگی۔ غریب و نادار مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس غزوہ میں شرکت کے لیے سواریاں مانگیں، تو آپ ﷺ نے اُن سے کہا: میرے پاس تمہارے لیے سواریاں نہیں ہیں، تو وہ واپس چلے گئے۔ در آنحالیکہ اُن کی آنکھوں سے شدتِ غم سے آنسو جاری تھے، اسی لیے اِن کا نام "رونے والے" پڑ گیا، اس لیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے روتے ہوئے واپس ہوئے تھے، اس محرومی پر کہ وہ اللہ کی راہ میں نہ خرچ کر سکے، نہ ہی اپنی جان سے جہاد کر سکے۔

مؤرخینِ سیرت نے اُن رونے والوں کی تعداد سات بتائی ہے، اور اُن کے بارے میں سورۃ التوبہ کی مندرجہ ذیل دو آیتیں نازل ہوئیں:

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩١﴾ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ ﴿٩٢﴾﴾

[التوبہ: ۹۱-۹۲]

"کمزوروں کے لیے گناہ کی بات نہیں، اور نہ مریضوں کے لیے، اور نہ اُن کے لیے جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں، اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے مخلص اور خیر خواہ ہوں۔ نیک لوگوں پر الزام لگانے کی کوئی وجہ نہیں، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور نہ اُن کے لیے کوئی گناہ کی بات ہے جو آپ کے پاس آئے تاکہ آپ ان کے لیے سواری کا انتظام کر دیں، تو آپ نے کہا کہ میرے پاس تمہارے

---

❶ ترمذی، کتاب المناقب، حدیث: (۳۷۰۱)، ترمذی نے اسے حسن غریب کہا ہے۔ مسند احمد: ۵/ ۶۳، اس کی سند حسن ہے۔ مستدرک حاکم: ۳/ ۱۰۲۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے، اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے۔

لیے کوئی سواری نہیں ہے، تو وہ واپس ہو گئے درآنحالیکہ اُن کی آنکھوں سے غم کے مارے آنسو جاری تھے کہ اُن کے پاس خرچ کرنے کے لیے مال نہیں ہے۔''

اُنہی رونے والوں میں علبہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے، جو رات کے وقت نکلے، اور اللہ نے جتنا چاہا انہوں نے نماز پڑھی، پھر رونے لگے، اور اللہ سے ملتجی ہوئے کہ اے اللہ! تو نے جہاد کا حکم دیا ہے، اس کی رغبت دلائی ہے، لیکن مجھے مال نہیں عطا کیا جس کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلنے کے لیے تیاری کرتا، اور نہ رسول اللہ ﷺ کو سواری دی ہے کہ وہ مجھے دیتے۔ اے اللہ! میں ہر اُس مسلمان کو معاف کرتا ہوں جس نے میرے مال یا جسم یا عزت پر زیادتی کی ہوگی۔

صبح کے وقت جب رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا: آج کی رات صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ کوئی کھڑا نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے پھر وہی بات دُہرائی اور کہا کہ وہ شخص کھڑا ہو جائے تو علبہ بن زید رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اپنی بات بتائی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خوش ہو جاؤ، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تمہاری اس زکاۃ کو اللہ کے نزدیک قبولیت حاصل ہوگئی ہے۔ ❶

قبیلہ اشعر کے لوگ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے اونٹوں کی درخواست کی تاکہ اُن پر جہاد کے لیے جائیں، آپ کے پاس ان لوگوں کے لیے اونٹ نہیں تھے، تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ کو ان کے لیے تین اونٹ ملے۔ ❷

پیچھے رہ جانے والے معذور لوگ:

کچھ کمزور اور جسمانی طور پر عاجز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد کے لیے نہ نکل سکے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا عذر قبول فرمایا، اور ان کے بارے میں مندرجہ ذیل دو آیتیں نازل ہوئیں:

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩١﴾ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ ﴿٩٢﴾﴾

[التوبہ: ۹۱-۹۲]

''کمزوروں کے لیے گناہ کی بات نہیں، اور نہ مریضوں کے لیے، اور نہ اُن کے لیے جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں، اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے مخلص اور خیر خواہ ہوں۔ نیک لوگوں پر الزام لگانے کی کوئی وجہ نہیں، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور نہ اُن کے لیے کوئی گناہ کی بات ہے جو آپ کے پاس آئے تاکہ آپ ان کے لیے سواری کا انتظام کر دیں، تو آپ نے کہا کہ میرے پاس تمہارے لیے کوئی سواری نہیں ہے، تو وہ واپس ہو گئے درآنحالیکہ اُن کی آنکھوں سے غم کے مارے آنسو جاری تھے کہ اُن

---

❶ حدیث حسن ہے، دیکھئے: حافظ ابن حجر کی الاصابۃ: ۱/ ۶۴۶-۵۴۸.

❷ صحیح البخاری، التفسیر، حدیث: (۴۶۶۸)، صحیح مسلم، الزکاۃ، حدیث: (۱۰۱۸) وغیرھما.

کے پاس خرچ کرنے کے لیے مال نہیں ہے۔"

رسول کریم ﷺ نے ان معذور حضرات کو غزوۂ تبوک سے واپس آتے ہوئے مدینہ کے قریب آنے کے بعد یاد فرمایا اور کہا: بے شک مدینہ میں کچھ ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو تمہارے ساتھ ہر گام پر اور ہر وادی میں رہے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یا رسول اللہ حالانکہ وہ مدینہ میں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، وہ مدینہ میں ہیں، انہیں عذرِ شرعی نے شرکتِ جہاد سے روک دیا ہے۔ ❶

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے واقعہ میں بیان کیا ہے کہ جب میں گھر سے نکل کر لوگوں کے پاس جاتا تو مجھے یہ بات غمگین کر دیتی کہ میں اپنے لیے نمونہ کسی ایسے آدمی کو پاتا جو نفاق کے ساتھ متہم ہوتا، یا کسی ایسے آدمی کو جو کمزور وضعیف ہوتا۔ ❷

اکثر منافقین تبوک نہیں گئے:

اس غزوہ کی ایک خاص بات یہ رہی کہ اکثر منافقین نے تبوک کا سفر نہیں کیا، اور سفر سے پہلے انہوں نے ان غریب ونادار مسلمانوں کا مذاق اڑایا جنھوں نے مالِ قلیل کا صدقہ کیا، اور کہا کہ اللہ کو ایسے حقیر صدقہ کی ضرورت نہیں ہے، اور یہ کہ انہوں نے یہ صدقہ صرف دکھاوے کے لیے کیا ہے، تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ ﴾

[التوبہ: ۷۹]

"جو لوگ اُن مومنین کی عیب جوئی کرتے ہیں جو اپنی خوشی سے صدقہ وخیرات کرتے ہیں، اور ان مومنوں کے صدقے کا بھی مذاق اُڑاتے ہیں جن کے پاس اپنی محنت کی کمائی کے علاوہ صدقہ کرنے کے لیے اور کچھ نہیں ہوتا۔" ❸

ان منافقوں نے مجاہدین کے سفر سے پہلے ایک نفسیاتی جنگ یہ شروع کی کہ انہوں نے مجاہدین کی ہمت پست کرنے کے لیے انہیں یہ کہنا شروع کیا کہ لوگو اتنی شدید گرمی میں سفر کرنے کا کیا تک ہے، لوگ تو ان دنوں گھنے درختوں کے سایہ میں آرام کیا کرتے ہیں۔

بعض منافقین نے جھوٹے عذر پیش کر کے رسول اللہ ﷺ سے تبوک کا سفر نہ کرنے کی اجازت مانگی، اور آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عتاب کیا اور وحی نازل کی:

﴿ عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ﴾ [التوبہ: ٤٣]

---

❶ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤٤٢٣)، الجهاد، حديث: (٢٨٣٩)، ابو داؤد، الجهاد، حديث: (٢٥٠٨)، ابن ماجه، الجهاد، حديث: (٢٧٦٤) وغيرهم.

❷ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤٤١٨)، صحيح مسلم، التوبة، حديث: (٢٧٦٩) وغيرهما۔ معلوم ہوا کہ مدینہ میں صرف منافقین رہ گئے تھے، یا عذرِ شرعی والے معذور وضعیف اشخاص۔

❸ صحيح البخاري، تفسير سورة التوبة، حديث: (٤٦٦٨)، صحيح مسلم، الزكاة، حديث: (١٠١٨).

"اللہ آپ کو معاف کرے، آپ نے انہیں (گھروں میں رہ جانے کی) اجازت کیوں دے دی، تاکہ سچے لوگ آپ کے سامنے ظاہر ہو جاتے، اور جھوٹوں کو بھی آپ جان جاتے۔"

اس طرح اکثر منافقین غزوہ میں شریک نہیں ہوئے، اور اُن میں سے جن چند افراد نے شرکت کی تو ان کا مقصد مجاہدین کی ہمت پست کرنا اور فتنہ انگیزی تھی، اور یہ تمنا کہ جب مسلمانوں کو رومیوں کی جانب سے ہلاکت کا سامنا کرنا پڑے گا تو وہ اُن کی ہنسی اُڑائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کی ان ناپاک امیدوں پر پانی پھیر دیا، اور اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوا کہ اللہ نے اُن کی امیدوں پر پانی ہی پھیرا لیکن انہوں نے کبھی بھی عبرت حاصل نہیں کی۔

عبداللہ بن اُبَی اور اس کا جتھہ:

اس مبارک غزوہ میں شرکت سے اللہ نے جن منافقوں کو محروم رکھا، اُن میں عبداللہ بن ابی اور اس کا مخصوص ٹولہ بھی تھا۔ نبی کریم ﷺ جب تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو عبداللہ بن اُبَی، اس کا مخصوص ٹولہ اور یہود و منافقین میں سے اس کے حلفاء پیچھے رہ گئے۔ ابن اُبَی لوگوں سے کہتا پھرتا تھا کہ محمد (ﷺ) بنو اصفر (اہل روم) سے تنگدستی، شدید گرمی اور بُعد مسافت کے باوجود جنگ کرنا چاہتا ہے، رومیوں سے جنگ کرنے کو ایک کھیل سمجھتا ہے۔ یہی حال اس کے دیگر منافق ساتھیوں کا تھا، بھی مجاہدین کی ہمت پست کرنے اور مدینہ میں جھوٹی باتیں پھیلانے میں لگے رہتے تھے۔ ایک دن ابن ابی یہ کہتے ہوئے سنا گیا: اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ کل جب جنگ ہوگی تو اصحابِ محمد رسیوں سے باندھ کر کھینچے جائیں گے۔ ●

لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن منافقین کی ساری بدخواہیوں کو نیست و نابود کر دیا، اور نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابِ کرام سربلند اور فاتح کی حیثیت سے مدینہ واپس لوٹے۔ سچ ہے اللہ کا قول:

﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٨﴾﴾ [المنافقون: ۸]

"عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے، اور اس کے رسول کے لیے ہے، اور مومنوں کے لیے ہے، لیکن منافقین یہ بات نہیں جانتے۔"

سفرِ تبوک:

رسول اللہ ﷺ جب عازمِ سفر ہوئے تو ثنیۃ الوداع پہاڑ کے پاس اپنی فوج کو اکٹھا کیا جس کی تعداد تیس ہزار تھی، اور مدینہ میں اپنا نائب محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو مقرر کیا، اور اپنے اہل و عیال کی دیکھ بھال کے لیے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو رہنے دیا۔ منافقین نے اپنے خبثِ باطن کے سبب اس کا بھی غلط فائدہ اٹھانا چاہا اور لوگوں میں پھیلانا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) نے علی (رضی اللہ عنہ) کو سوچ سمجھ کر اس سے نجات پانے کے لیے مدینہ میں چھوڑ دینا چاہا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اپنا ہتھیار لے کر نکل پڑے، اور آپ ﷺ کو مقام جُرف پر جا لیا جو مدینہ سے تین میل کی دوری پر ہے، اور آپ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! منافقین کا خیال ہے کہ آپ نے مجھے سوچ سمجھ کر اپنے ساتھ جانے سے روک دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہیں اپنے اہل و عیال کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ میں رہنے دیا ہے۔ اس لیے تم واپس

● المغازی: ۳/ ۹۹۵۔

جاؤ اور میرے اور اپنے بال بچوں کی نگرانی کرو۔ ❶

چنانچہ علی رضی اللہ عنہ مدینہ واپس چلے آئے، اور رسول کریم ﷺ سفر پر روانہ ہو گئے۔ راستہ میں جب مقام حِجر سے گزرے تو اپنا کپڑا اپنے چہرہ پر ڈال لیا، اور لوگوں سے تیز چلنے کو کہا اور فرمایا: تم لوگ ایسے لوگوں کی بستی سے گزر رہے ہو جنھوں نے ظلم کیا تھا تم اُن کے گھروں میں روتے ہوئے داخل ہو، اس خوف سے کہ کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ آ جائے جو قوم صالح پر آیا تھا۔

آپ ﷺ وہاں سے آگے بڑھ گئے، اور کچھ لوگ ایک ایک کرکے پیچھے رہنے لگے۔ اور جب صحابہ آپ ﷺ کو بتاتے کہ فلاں آدمی پیچھے رہ گیا، تو آپ فرماتے: اُسے چھوڑ دو، اگر اُس میں خیر ہوگی تو اللہ تعالیٰ اُسے تمہارے پاس پہنچا دے گا، ورنہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے وجود سے تم لوگوں کو راحت دے دی ہے۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی آمد:

تبوک کے لیے نکلنے میں جن لوگوں نے دیر کی، اُن میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ اپنا قصہ خود بیان کرتے ہیں کہ مجھے غزوۂ تبوک کے لیے نکلنے میں اونٹنی کے سبب دیر ہو گئی۔ وہ نہایت لاغر اور سوکھی سا کھی تھی۔ میں نے سوچا کہ اسے چند دن اچھی طرح کھلا لیتا ہوں، پھر رسول اللہ ﷺ سے جا ملوں گا۔ چنانچہ اسے چند دن چارہ کھلانے کے بعد نکلا، اور جب مقام ذی المروہ پر پہنچا تو اونٹنی تھک کر بیٹھ گئی۔ میں نے ایک دن انتظار کیا لیکن اُس میں کوئی قوت نہیں دیکھی، تو میں نے اپنا سامان اپنی پیٹھ پر لاد لیا اور شدید گرمی کے باوجود رسول اللہ ﷺ سے جا ملنے کے لیے پیدل چل پڑا۔ مدینہ کی طرف سے دیگر لوگوں کا آنا بھی بند ہو گیا تھا، میں چلتا رہا یہاں تک کہ دوپہر کے وقت میں آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا، اس وقت مجھے شدید پیاس لگی تھی، مجھ پر ایک آدمی کی نظر پڑی تو اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: یارسول اللہ! یا رسول اللہ! وہ دیکھیے، ایک آدمی آ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے کہا: اللہ کرے یہ ابوذر ہو۔ لوگوں نے جب غور سے دیکھا تو مجھے پہچان کر آپ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ ابوذر ہی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ ابوذر پر رحم کرے، اکیلا چل رہا ہے، اکیلا مرے گا، اور اکیلا اٹھایا جائے گا۔

ابوذر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے پیچھے رہ جانے کا سبب رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم میرے عزیز ترین اہل میں سے تھے جو پیچھے رہ گئے تھے۔ اے ابوذر! اللہ نے تمہارے ہر قدم کے بدلے تمہارا ایک گناہ معاف کر دیا ہے یہاں تک کہ تم میرے پاس پہنچ گئے ہو۔ ❷

ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کی آمد:

تبوک کے لیے نکلنے میں دیر کرنے والوں میں ابوخیثمہ عبداللہ بن خیثمہ سالمی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ وہ صحابی ہیں جنھوں نے اپنے نفس سے جہاد کیا، زندگی کی خوشگوار خواہشات سے مغلوب نہیں ہوئے، اُن کی دو خوبصورت بیویاں دو خوبصورت اور

---

❶ مسند احمد: ۱/ ۱۷۰، اس حدیث کی سند بخاری کی شرط کے مطابق ہے۔ صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (۴۴۱۶)؛ صحیح مسلم، فضائل الصحابۃ، حدیث: (۲۴۰۴) وغیرہم۔

❷ مغازی الواقدی: ۳/ ۱۰۰۰۔

سایہ دار مکانوں میں شدید گرمی میں اُن کی آمد کا انتظار کرتی رہیں، اور وہ زادِ سفر تیار کر کے فوراً روانہ ہو گئے، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس دسویں دن پہنچ گئے۔ اِن کی ملاقات عُمیر رضی اللہ عنہ بن وہب جمحی سے جاتے ہوئے وادیٔ قریٰ میں ہو گئی، وہاں دونوں ایک ساتھ آگے بڑھے۔ جب تبوک کے قریب پہنچ گئے تو ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عُمیر! میرے گناہ بہت ہیں، اور تمہارا کوئی گناہ نہیں ہے، اس لیے کوئی حرج نہیں کہ تم میرے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچو۔ عُمیر نے اُن کی بات مان لی۔ ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے کہا: اللہ کرے یہ ابو خیثمہ ہو۔ لوگوں نے کہا: ہاں، یا رسول اللہ! یہ ابو خیثمہ ہی ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو خیثمہ! تم نے اپنے حق میں بہت اچھا کیا کہ آگئے، آپ ﷺ نے اُن کے لیے دوسرے کلماتِ خیر بھی کہے اور دعا کی۔ ❶

بارش کے لیے دعائے نبوی:

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ شدید گرمی میں تبوک کے لیے روانہ ہوئے، راہ میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، وہاں ہم سب نے ایسی سخت پیاس محسوس کی کہ ایسا لگا جیسے ہماری گردنیں اب ٹوٹ جائیں گی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہی آپ کو دعا کی قبولیت سے سرفراز کیا ہے، آپ ہمارے لیے دعا کیجیے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم ایسا ابھی چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھا دیے، اور دعا کرتے رہے یہاں تک کہ آسمان بادلوں سے بھر گیا، اور خوب برسا۔ لوگوں نے اپنے برتن بھر لیے۔ پھر جو نظر اٹھا کر دیکھا تو وہاں سے بادل آگے بڑھ چکا تھا۔ ❷

ابن اللُّصَیت منافق:

تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے کہیں پڑاؤ ڈالا، تو آپ ﷺ کی اونٹنی کھو گئی۔ ابن اللُّصَیت جو ایک منافق تھا کہنے لگا: محمد (ﷺ) دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نبی ہے، اور آسمان کی خبریں لوگوں کو سناتا ہے۔ اور اسے پتہ نہیں کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں فرمایا: ایک آدمی ایسی بات کرتا ہے۔ اللہ کی قسم! میں صرف وہی کچھ جانتا ہوں جس کی خبر اللہ تعالیٰ مجھے دیتے ہیں۔ اور ابھی ابھی اللہ نے مجھے بتا دیا ہے کہ وہ اونٹنی فلاں گھاٹی کی وادی میں ہے، ایک درخت سے اس کی لگام الجھ گئی ہے، تم لوگ جا کر اسے میرے پاس لے آؤ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گئے اور وہاں سے اونٹنی کو ہانک کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے۔ ❸

منافقین کا گھناؤنا کردار:

تبوک جاتے ہوئے ودیعہ بن ثابت، جُلاس بن سوید بن صامت، مَخشی بن حُمیر اور ثعلبہ بن حاطب آپس میں رومیوں کی

---

❶ مصدر سابق: ٢/ ٩٩٩، تاریخ الإسلام للذهبي، المغازي: ص/ ٦٢٣، دلائل البیهقي: ٥/ ٢٢٢.

❷ دلائل البیهقي: ٥/ ٢٣١، مستدرك الحاكم: ١/ ١٥٩، حاکم نے صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے تائید کی ہے، المجمع الهیثمي: ٦/ ١٩٤، ١٩٥.

❸ ابن اسحاق سیرة ابن هشام: ٢/ ٥٢٣، والبیهقي في الدلائل: ٥/ ٢٣٢، من طریق ابن اسحاق، وقد صرّح ابن اسحاق بالتحدیث، ورجال اسناده ثقات غیر جهالة الصحابة، وهذا لا یضر، فالحدیث صحیح.

مہارتِ جنگ اور میدانِ معرکہ میں اُن کے صبر وثبات کی باتیں کر رہے تھے۔ ایک نے کہا: تم لوگ ان کے ساتھ جنگ وقتال کو دوسروں کے جنگ وقتال کی طرح نہ سمجھو۔ اللہ کی قسم! ہم تو تم لوگوں کو کل رسیوں میں بندھے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

وہ اس طرح کی بات نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے دلوں میں رُعب ودہشت پیدا کرنے کے لیے کہہ رہے تھے۔ وَدیعہ بن ثابت نے کہا: کیا بات ہے کہ ہم قارئینِ قرآن کو سب سے بڑے پیٹ والے، سب سے زیادہ جھوٹے اور میدانِ کارزار میں سب سے بزدل پاتے ہیں: اور جُلاس بن سوید نے کہا: یہ ہیں ہمارے سردار، ہمارے اشراف اور ہم میں زیادہ فضل ومرتبہ والے۔ اللہ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) سچا ہے تو ہم گدھوں سے بھی زیادہ بُرے ہیں۔ واللہ کاش ہم میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگتے اور ہماری ان باتوں کے بارے میں کوئی قرآن نہ نازل ہوتا۔

جُلاس تو اِس کے بعد تائب ہو گیا اور اس کا کردار اس کے بعد اچھا ہو گیا۔ وَدیعہ اور اس کے دیگر ساتھی رسول اللہ ﷺ کے پاس معذرت کے لیے آئے۔ اُس وقت وَدیعہ اونٹنی پر سوار تھا، اُس نے رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مُہار پکڑ لی، جب کہ اُس کے دونوں پاؤں پتھر سے رگڑ کھا رہے تھے، وہ کہہ رہا تھا: یا رسول اللہ! ہم تو یونہی مذاق کر رہے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ نہیں ہو رہے تھے۔ اُس وقت اللہ عزّ وجلّ نے اُس کے بارے میں مندرجہ ذیل دو آیتیں نازل کیں:

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ إِن نَّعْفُ عَن طَائِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٦٦﴾﴾

[التوبة: ٦٥-٦٦]

''اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہم تو یونہی گپ شپ کرتے تھے اور دل بہلاتے تھے، آپ کہیے کہ کیا تم لوگ اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کا مذاق اُڑاتے تھے۔ اب (جھوٹی) معذرت نہ پیش کرو، تم لوگ ایمان لانے کے بعد دوبارہ کافر ہو گئے ہو، اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو (ان کے تائب ہو جانے کے بعد) معاف کر دیں گے، تو دوسرے گروہ کو، اس لیے کہ وہ مجرمین تھے، ضرور سزا دیں گے۔'' ❶

ان میں سے مخشی بھی جُلاس کی طرح تائب ہو گیا، اور اس کے کردار وعمل میں سدھار آ گیا، اور نبی کریم ﷺ نے اس کا نام عبدالرحمن یا عبداللہ رکھ دیا، اور جنگِ یمامہ میں شہید ہوا۔

عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی وفات:

ابن اسحاق نے محمد بن ابراہیم تیمی کے حوالے سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: میں تبوک میں آدھی رات کو بیدار ہوا تو فوجی پڑاؤ کے ایک کنارے روشنی نظر آئی، اُسے دیکھنے کے لیے آگے بڑھا تو دیکھا کہ وہاں رسول اللہ ﷺ ہیں اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ایک میت کو آپ ﷺ سے قریب کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے، تم دونوں اپنے بھائی کو مجھ سے قریب کرو۔ دونوں حضرات نے اُن کو آپ ﷺ سے قریب کر دیا، اور آپ ﷺ نے جب انہیں لٹانا چاہا تو فرمایا:

❶ المغازی للواقدی: ٣/ ١٠٠٣-١٠٠٥، ابن ابی حاتم فی التفسیر: ٤/ ٦٣، ورجاله رجال الصحیح إلا هشام بن سعد فلم یخرج له مسلم إلا فی الشواهد، وغیرهما.

اے اللہ! میں اس سے راضی رہا ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے دل میں سوچا، کاش میں اس میں دفن ہوا ہوتا۔ ابن ہشام کہتے ہیں: اُن کا نام ذوالبجادین اس لیے پڑا کہ وہ اسلام لانا چاہتے تھے تو اُن کی قوم نے انہیں روک دیا اور پریشان کیا، اس لیے وہ وہاں سے نکل پڑے، اُس وقت اُن کے پاس صرف ایک موٹی چادر تھی، اُس کے انہوں نے دو ٹکڑے کر دیے، ایک کو پہن لیا، اور دوسرے کو اوڑھ لیا، اور اسی حال میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ اس لیے آپ ﷺ نے ان کا نام ذوالبجادین رکھ دیا۔ ❶

حاکم دُومۃ الجندل کے پاس قاصدِ رسول اللہ ﷺ:

تبوک میں قیام کے دوران رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض قاصدوں کو اس علاقہ کے بعض بادشاہوں اور حکام کے پاس بھیجا؛ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے دُومۃ الجندل کے حاکم اکیدر بن عبدالملک کے پاس بھیجا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ لیا، اُس وقت اُس کے بدن پر سونے سے مزین ایک ریشمی چادر تھی جسے خالدؓ نے اس سے چھین لیا، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دیا۔

امام مسلم اور دیگر محدثین رحمہم اللہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ دُومۃ الجندل کے حاکم اکیدر نے رسول اللہ ﷺ کے لیے سُندس نامی ریشم کی ایک چادر ہدیہ کی، صحابہؓ نے اُسے دیکھ کر حیرت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، بلاشبہ جنت میں سعد بن معاذ کے رُومال اس سے کہیں زیادہ بہتر ہیں۔ ❷

دربارِ قیصر میں قاصدِ رسول اللہ ﷺ:

ابن حبان نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا: میرا یہ خط لے کر کون قیصر کے پاس جائے گا، اُسے جنت ملے گی؟ ایک صحابی نے پوچھا: چاہے وہ قتل نہ کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چاہے وہ قتل نہ کیا جائے۔ وہ صحابی آپ ﷺ کا وہ خط لے کر چل پڑے یہاں تک کہ قیصر کے پاس پہنچ گئے، اُن دنوں وہ بیت المقدس آیا ہوا تھا، اور اس کے لیے ایک قالین بچھایا گیا تھا جس پر اُس کے سوا کوئی نہیں چلتا تھا۔ صحابیِ رسول اللہ ﷺ نے وہ خط اس قالین پر ڈال دیا اور ایک طرف ہو گیا۔ قیصر کی نظر اُس پر پڑی تو اسے اٹھا لیا اور اپنے بڑے پادری کے حوالے کیا اور پڑھنے کو کہا، اُس نے کہا: اس خط کے بارے میں آپ کی طرح مجھے بھی کچھ علم نہیں۔ تب قیصر نے پکارا: کون ہے یہ خط والا؟ اسے امان دی جاتی ہے۔ یہ سُن کر صحابی آگے بڑھے۔ قیصر نے کہا: جب میں اپنے دربار میں آؤں تو تم آنا۔ صحابی نے ایسا ہی کیا۔ قیصر نے حکم دیا کہ اُس کے محل کے دروازے بند کر دیے جائیں، اس کے لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر ایک منادی نے آواز لگائی: قیصر نے نصرانیت چھوڑ کر محمد (ﷺ) کی پیروی کر لی ہے۔

یہ سنتے ہی اُس کے فوجی ہتھیاروں سے لیس ہو کر آگے بڑھے اور اس کے محل کو گھیر لیا۔ تب اُس نے رسول اللہ ﷺ

---

❶ سیرۃ ابن هشام: ۲/ ۵۲۷، ۵۲۸، سیرۃ ابن کثیر: ٤/ ۳۲، ۳۳، الإصابة لابن حجر: ۲/ ۳۳۰، ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن مندہ نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔

❷ صحیح مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: (۲٤٦۹)، مسند احمد: ۳/ ۱۱۱، ۱۲۱، ۱۲۲، ۲۰٦، ۲۰۷، وغیرهما.

کے قاصد صحابی سے کہا: شاید تم سمجھ رہے ہوگے کہ میں اپنی مملکت کے بارے میں خائف ہوں۔ پھر اس کے حکم سے ایک منادی نے اعلان کیا: تم سب جان لو کہ قیصر تم سے راضی ہوگیا، اس نے تو تم سب کو آزمانا چاہا ہے تاکہ دیکھے کہ تم لوگ اپنے دین پر کتنے ثابت قدم ہو، تم سب لوٹ جاؤ، چنانچہ وہ سب لوٹ گئے۔

اس ڈرامہ کے بعد قیصر نے رسول اللہ ﷺ کو لکھا کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں، اُس خط کے ساتھ اُس نے دینار کی شکل میں ایک رقم بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے بھیجی۔ آپ ﷺ نے جب وہ خط پڑھا تو فرمایا: جھوٹا ہے اللہ کا دشمن، مسلمان نہیں ہوا ہے، اپنی نصرانیت پر باقی ہے۔ اور اُس کی بھیجی ہوئی رقم کو صحابہ میں تقسیم کر دیا۔ ❶

تبوک سے مدینہ واپسی:

نبی کریم ﷺ نے تبوک میں بیس دن قیام فرمایا، اُن دنوں آپ قصر نمازیں پڑھتے رہے، وہاں کوئی جنگ نہیں ہوئی، اہلِ تبوک سے آپ ﷺ نے معاہدۂ صلح کیا، اور مدینہ واپس چل پڑے۔ آپؐ واپسی میں بھی دیارِ ثمود میں مقام حِجر سے گزرے جہاں کے لوگوں نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کوچیں کاٹ کر اسے ہلاک کر دیا تھا، تو ایک چیخ نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا اور سب کے سب مر گئے۔ صحابہ کرام مقام حِجر کے گھروں میں داخل ہونے لگے تو آپ ﷺ نے انہیں منع فرمایا اور کہا: تم لوگ اُن لوگوں کے گھروں میں روتے ہوئے داخل ہو جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا، اس ڈر سے کہ کہیں تمہیں بھی اُسی جیسا عذاب نہ اپنی گرفت میں لے لے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی کو مہمیز لگائی اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔ ❷

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہاں کے کنویں سے پانی پینے اور وضو کرنے سے منع فرمایا، نیز اپنی اونٹنیوں کو وہ آٹا کھلانے سے منع فرمایا جو اُس کنویں کے پانی سے انہوں نے گوندھا تھا، اور اُس کنویں سے پانی پینے کا حکم دیا جس سے اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ ❸

صحابہ کرامؓ نے راستہ میں نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اُن کی اونٹنیاں طولِ سفر سے تھک گئی ہیں، تو آپ ﷺ ایک تنگ جگہ کا انتظار کرتے رہے، وہاں رُکے اور فرمایا: اللہ کا نام لے کر گزرو، تمام لوگ اپنی سواریوں پر وہاں سے گزرے اور رسول اللہ ﷺ اُن سواریوں پر پانی چھڑکتے رہے اور دعا کرتے رہے: اے اللہ! تو اپنی راہ میں چلنے والے ان مسلمانوں کو ان سواریوں پر اُن کی منزل تک پہنچا دے، تو قوی اور ضعیف، تر اور خشک ہر سواری کے ذریعہ بحر و بر میں پہنچانے پر قادر ہے۔ اس دعا کے بعد وہ سواریاں تیز چلنے لگیں یہاں تک کہ تمام صحابہ مدینہ منورہ پہنچ گئے، اور کسی کی سواری پیچھے نہ رہی۔ ❹

رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش:

جب سے رسول کریم ﷺ نے مدینہ میں سفرِ تبوک کا اعلان کیا، اُس دن سے اسلام اور رسولِ اسلام کے خلاف

---

❶ موارد الظمآن، حدیث: (۱۶۲۸)، اور سند صحیح ہے۔

❷ صحیح البخاری، الأنبیاء، حدیث: (۳۳۸۱)، صحیح مسلم، الزھد والرقائق، حدیث: (۲۹۸۰) وغیرھما.

❸ صحیح البخاری، الأنبیاء، حدیث: (۳۳۷۹)، صحیح مسلم، الزھد والرقائق، حدیث: (۲۹۸۰).

❹ مسند أحمد بإسناد جید: ۶/ ۲۰.

منافقین کی سازشیں ایک دن کے لیے بھی نہیں رکیں۔ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ منافقین نے اُن غریب مسلمانوں کا مذاق اُڑایا جنہوں نے اپنے حسب قدرت صدقات کے ذریعہ غزوۂ تبوک کی فوج کی تیاری میں حصہ لیا، سفرِ تبوک سے پہلے غلط باتیں پھیلا کر مسلمانوں کی نفسیات کو متأثر کرنا چاہا، اور عبداللہ بن اُبی اپنی جماعت کے ساتھ تبوک نہیں گیا۔

منافقین کی انہی خطرناک سازشوں میں سے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش بھی تھی۔ ابوالطفیل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک کے بعد روانہ ہوئے تو ایک منادی نے آواز لگائی کہ رسول اللہ ﷺ گھاٹی کے راستے سے جائیں گے، اس راہ سے کوئی نہ جائے۔ اُس وقت حذیفہ اور عمار رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کی اونٹنی کو ہانک رہے تھے۔ اچانک کچھ نقاب پوش سوار رسول اللہ ﷺ کے سامنے آگئے اور عمار رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا، اور عمار رضی اللہ عنہ اُن کی سواریوں کے چہروں پر مارنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے حذیفہ سے کہا: تیز ہانکو۔

رسول اللہ ﷺ جب وادی میں پہنچے اور عمار رضی اللہ عنہ اُن کے پیچھے پہنچے تو آپ ﷺ نے پوچھا: اے عمار! کیا تم نے ان سواروں کو پہچانا؟ انہوں نے کہا: میں نے سواریوں کو عمومی طور پر پہچان لیا ہے، لیکن اُن کے سوار نقاب پوش تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اُن کے ارادے کو جانا؟ عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے میری سواری کو بدکا کر مجھے گرا دینا چاہا تھا۔

راوی کہتے ہیں: عمار رضی اللہ عنہ نے اصحابِ رسول ﷺ میں سے ایک سے پوچھا: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، گھاٹی والے کتنے افراد تھے؟ اس نے کہا: چودہ۔ عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم ان میں سے تھے تو وہ پندرہ تھے۔

راوی کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اُن میں سے تین کے عذر قبول کر لیے جنہوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے منادی کی آواز نہیں سنی تھی، اور ہمیں منافقین کی نیت کا علم نہیں تھا۔ عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ باقی بارہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرنے والے تھے، دنیاوی زندگی میں اور اس دن بھی جب گواہیاں گزریں گی۔ [1]

شاہِ اَیلہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں:

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے سفرِ تبوک سے متعلق ایک مفصل حدیث روایت کی ہے، اس میں آیا ہے کہ اَیلہ کا بادشاہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور آپ ﷺ کو ایک سفید خچر ہدیہ کیا، اور رسول اللہ ﷺ نے اُسے ایک چادر دی، اور اس کے لیے پروانۂ امن لکھ کر دیا۔ [2]

ابن اسحاق اور بیہقی نے لکھا ہے کہ شاہِ اَیلہ جس کا نام یُوحنّا تھا رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اس کے ساتھ جرباء نام کی بستی والے اور اذرح شہر کے لوگ بھی آئے۔ یُوحنّا نے جزیہ کی ادائیگی پر مصالحت کر لی، اور مسلمان نہیں ہوا، اور رسول اللہ ﷺ نے اُسے ایک خط لکھ کر دیا جس کا مضمون مندرجہ ذیل تھا:

---

[1] مسند احمد: ٥/ ٤٥٣، مجمع الهيثمي: ٦/ ١٩٥، اس حدیث کے رُواۃ حدیث صحیح کے رُواۃ ہیں۔

[2] صحيح البخاري، الزكاة، حديث: (١٤٨١)، دیگر ابواب میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ مسلم مختصراً، باب في معجزاته، حديث: (١٣٩٢)، مسند احمد: ٥/ ٤٢٤، وغیرہم۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ پروانۂ امن ہے اللہ تعالیٰ اور محمد نبی کی طرف سے یُوحنا بن رؤبہ اور اہلِ اَیلہ کے لیے، اور اُن کی کشتیوں اور سواریوں کے لیے بحر و بر میں۔ اُن کے لیے اللہ تعالیٰ اور محمد نبی کا عہد و پیمان ہے، اور اُن تمام کے لیے جو اُس کے ساتھ ہیں شام و یمن اور سمندر کے لوگوں میں سے۔ اِن میں سے جو کوئی نئی بات پیدا کرے گا اُسے کوئی بچا نہ سکے گا۔ اور یہ عہد اچھا ہے اُن لوگوں کے لیے جو اس کے پابند رہیں گے۔ اور کسی کے لیے یہ حلال نہیں ہوگا کہ وہ انہیں کسی پانی کے چشمہ یا کسی بحری یا بری راستہ سے روکے۔'' ❶

شہرِ طیبہ اور جبلِ اُحد:

مذکورِ بالا حدیث میں آیا ہے: پھر آپ ﷺ اور آپ کے ساتھ ہم سب جب وادیٔ قریٰ میں پہنچے تو آپ ؐ نے فرمایا: میں جلد ہی مدینہ پہنچنا چاہتا ہوں، تو تم میں سے جو کوئی جلد جانا چاہتا ہے وہ ایسا کرلے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور ہم سب آگے بڑھ چلے، اور جب رسول اللہ ﷺ مدینہ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو فرمایا: ''هٰذِهِ طَابَةٌ'' یعنی ''یہ شہرِ طیبہ'' ہے، اور جب آپ ﷺ نے جبلِ اُحد کو دیکھا تو فرمایا: یہ اُحد پہاڑ ہے، یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ انصار کے کون سے گھر سب سے بہتر ہیں؟ ہم نے کہا: ہاں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: انصار کے سب سے اچھے گھر بنو نجار کے گھر ہیں، پھر بنو عبدالاشہل کے، اور بنو ساعدہ کے، پھر انصار کے تمام گھروں میں خیر ہے۔ ❷

آپ ﷺ کا استقبال:

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الجہاد میں سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ غزوۂ تبوک سے مدینہ واپس آئے، تو لوگوں نے شہر سے نکل کر آپ ﷺ کا استقبال کیا، میں بھی بچوں کے ساتھ ثنیۃ الوداع پہاڑ کے پاس رسول اللہ ﷺ سے ملا۔ ❸

بیہقی نے روایت کی ہے کہ عورتیں مندرجہ ذیل اشعار پڑھ رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا
مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ ❹

---

❶ سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۵۲۵، ۵۲۶، دلائل البیہقی: ۵/ ۲۴۷، ۲۴۸، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ: ص: ۸۸، ۸۹.

❷ صحیح البخاری، الزکاۃ، حدیث: (۱۴۸۱)، دیگر ابواب میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ مسلم مختصراً باب فی معجزاتہ، حدیث: (۱۳۹۲)، مسند احمد: ۵/ ۴۲۴ وغیرہم.

❸ صحیح البخاری، حدیث: (۳۰۸۲)، مسند احمد: ۳/ ۴۴۹، ابو داؤد، الجہاد، حدیث: (۲۷۵۹) وغیرہم.

❹ دلائل البیہقی: ۵/ ۲۶۶.

امام ابن القیم رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہی راجح ہے کہ مدینہ کی عورتوں نے آپ ﷺ کی شان میں یہ اشعار غزوۂ تبوک سے واپس ہوتے وقت پڑھے تھے، ہجرت کے وقت نہیں۔

مسجد ضرار:

مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے نبی کریم ﷺ ''ذواَوان'' نامی ایک جگہ پر ٹھہرے جو مدینہ سے تقریباً ایک گھنٹہ کی مسافت پر ہے۔ وہیں آپ ﷺ پر مندرجہ ذیل دو آیتیں نازل ہوئیں:

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٠٧﴾ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾﴾ [التوبہ: ۱۰۷-۱۰۸]

''اور وہ منافقین بھی ہیں جنہوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے اور کفر کی باتیں کرنے کے لیے اور مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے کے لیے ایک مسجد بنائی، اور تاکہ وہ ان لوگوں کے لیے کمین گاہ بنے جو پہلے سے ہی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے رہے ہیں، اور وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم نے تو صرف بھلائی کی نیت کی تھی، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔ آپ اُس میں کبھی نہ کھڑے ہوں۔ یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد روزِ اوّل سے تقویٰ پر ہے زیادہ مستحق ہے کہ آپ اُس میں کھڑے ہوں، اُس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکیزگی پسند کرتے ہیں، اور اللہ پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان آیات کے شانِ نزول میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آمد سے پہلے مدینہ میں قبیلۂ خزرج کا ابو عامر راہب نامی ایک آدمی تھا، جو زمانۂ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا، اور اس نے اہلِ کتاب کے علم سے واقفیت حاصل کر لی تھی، اور جاہلیت میں وہ اپنے طور پر عبادت کیا کرتا تھا، اور قبیلۂ خزرج میں اس کا بڑا مقام تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور مسلمان آپؐ کے گرد اکٹھے ہو گئے، اور اسلام کا کلمہ بلند ہوا، اور غزوۂ بدر میں اللہ نے انہیں غالب کیا، تو اِس ملعون ابو عامر سے برداشت نہیں ہوا، اس نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اعلانِ عداوت کر دیا، اور بھاگ کر مکہ پہنچا اور وہاں کے مشرکوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کے لیے ابھارنے لگا۔ اور جب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت دن بدن پھیلتی جا رہی ہے اور آپ کی شہرت عام ہو رہی ہے تو شاہِ روم ہرقل کے پاس پہنچ گیا، اور نبی کریم ﷺ کے خلاف اپنی تائید و نصرت کی اس سے بھیک مانگنے لگا، اور ہرقل نے اس سے وعدہ بھی کیا، وہ اسی امید میں وہاں ٹھہرا رہا، اور اپنی قوم میں سے منافقین کی ایک جماعت کو خط لکھا کہ وہ عنقریب ایک فوج لے کر محمد (ﷺ) سے جنگ کرنے کے لیے آ رہا ہے، اور وہ غالب ہو گا اور محمد (ﷺ) کا طلسم توڑ دے گا، اُس نے ان منافقوں کو حکم دیا کہ وہ سب مل کر اُس کے لیے ایک ٹھکانا اور رصدگاہ بنائیں تاکہ مدینہ آنے کے بعد وہ وہیں رہے اور مسلمانوں کے خلاف کام کرے۔

چنانچہ اُن منافقین نے مسجدِ قباء کے قریب ایک مسجد بنائی، اور رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ وہ چل کر اُس میں نماز

پڑھیں۔ سفرِ تبوک سے کچھ ہی قبل کی یہ بات ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابھی ہم لوگ پابہ رکاب ہیں، ان شاء اللہ میں واپسی کے بعد چل کر اس میں نماز پڑھوں گا۔

رسول اللہ ﷺ جب تبوک سے مدینہ واپس آنے لگے، اور مقام "ذی اَوان" میں ٹھہرے، تو آپ کے پاس جبریل علیہ السلام مسجد ضرار کی خبر لے کر آئے، اور آپ ﷺ کو منافقین کے کفر اور تفریق بین المسلمین کی سازش کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے فوراً مدینہ پہنچنے سے پہلے کچھ صحابہ کرام کو بھیج کر اس مسجد کو مسمار کروا دیا، جیسا کہ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان آیات کی تفسیر کے ضمن میں روایت کی ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ تفصیلات سعید بن جبیر، مجاہد، عروہ بن زبیر، قتادہ اور دیگر بہت سے علماء سے مروی ہیں۔

محمد بن اسحاق بن یسار نے زہری، یزید بن رومان، عبداللہ بن ابی بکر اور عاصم بن عمرو بن قتادہ وغیرہم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مقام "ذی اَوان" میں رُکے تو آپ ﷺ کو آسمان سے مسجدِ ضرار کی خبر ملی۔ آپ ﷺ نے اسی وقت مالک بن الدخشم، معن بن عدی یا اُن کے بھائی عامر بن عدی کو بلایا اور کہا کہ تم دونوں ابھی اس مسجد کے پاس پہنچو جس کے بنانے والوں نے ظلم کیا ہے، اور اسے گرا دو اور جلا دو۔ وہ دونوں صحابی دوڑنے لگے، اور اُن کے ہاتھوں میں کھجور کا ڈنٹھل تھا جس میں انہوں نے آگ لگا رکھی تھی۔ وہاں پہنچتے ہی وہ اس میں داخل ہوگئے، اور اس میں آگ لگا دی اور اسے منہدم کر دیا، اُس وقت منافقین اُس کے اندر ہی تھے، یہ سب لوگ تتر بتر ہوگئے، اور اُن کا پردہ فاش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا۔ ❶

قصۂ اصحابِ ثلاثہ:

بلاشبہ غزوۂ تبوک مخلص مسلمانوں اور منافقین کے درمیان بہت بڑی وجہِ امتیاز تھا، جیسا کہ اوپر لکھا گیا، اکثر منافقین تبوک جانے سے کترا گئے، اور جو گئے وہ اس نیت سے کہ وہ اسلامی فوج کی ہمت پست کریں گے اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ پھیلائیں گے، اور مسلمانوں کی شکست وہلاکت کی خوشیاں منائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اسی لیے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کسی کے بارے میں اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کو بتاتے کہ فلاں آدمی نہیں آیا ہے تو رسول اللہ ﷺ فرماتے: اُسے چھوڑ دو، اگر اُس میں خیر ہوگی تو اللہ اسے تمہارے پاس پہنچا دے گا، ورنہ اللہ نے اس کے وجود سے تم لوگوں کو راحت دے دی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر سے صرف معذور، کمزور اور عاجز لوگ پیچھے رہے، یا پھر منافقین۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ پہنچے، تو پہلے مسجد میں گئے، وہاں دو رکعت نماز پڑھی، پھر لوگوں سے ملنے کے لیے اندر ہی بیٹھ گئے۔ تو وہ منافقین آئے جو بغیر عذرِ شرعی محض نفاق کے سبب تبوک نہیں گئے تھے، اور عذر رلنگ پیش کرنے اور قسمیں کھانے لگے، ایسے لوگوں کی تعداد اَسّی (۸۰) سے کچھ زیادہ تھی، اللہ کے رسولؐ نے ان کے ظاہر کو قبول کر لیا، اُن سے بیعت کر لی، اور اُن کے

---

❶ دیکھئے: تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۳۸۷، ۳۸۸، زاد المعاد: ۳/ ۴۳۶، ۴۳۷، سیرۃ ابن ھشام: ۲/ ۵۲۹، ۵۳۰، دلائل البیھقی: ۵/ ۲۵۹، ۲۶۰.

لیے مغفرت کی دعا کی اور اُن کے باطن کو اللہ کے حوالے کر دیا۔

کعب بن مالک خزرجی، مرارہ بن الربیع اوسی اور ہلال بن امیہ اوسی رضی اللہ عنہم بھی ان لوگوں میں سے تھے جو اس غزوہ سے پیچھے رہ گئے لیکن ان کا غزوہ سے پیچھے رہنا نفاق یا کسی بیماری وعذر کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ یہ تینوں مخلص مومن تھے، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما دونوں تو بدری صحابی تھے جب کہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیعت عقبہ والوں میں سے تھے۔ ان لوگوں نے کوئی عذر لنگ پیش کرنے کی بجائے اپنی تقصیر کا اعتراف کیا اور سچائی کی راہ اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کا فیصلہ مؤخر کر دیا اور پچاس دنوں کے بعد اُن کی توبہ قبول کی گئی۔

امام بخاری، امام مسلم اور دیگر محدثینؒ نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی زبانی ان تینوں صحابہ کرام کا واقعہ بیان کیا ہے، اور اسے امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اختصار کے ساتھ اپنی کتاب زاد المعاد میں پیش کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہے، لکھتے ہیں:

کعب بن مالکؓ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور سلام کیا تو آپؐ کے چہرۂ مبارک پر ناراضی بھرا تبسم ظاہر ہوا پھر فرمایا: اِدھر آؤ۔ کعبؓ کہتے ہیں: میں چلتا ہوا آپؐ کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ آپؐ نے پوچھا: تم کیوں پیچھے رہ گئے؟ کیا تم نے اپنی سواری خرید نہیں لی تھی؟ میں نے کہا؟ ہاں، اللہ کی قسم! اگر میں اہل دنیا میں سے کسی کے پاس بیٹھا ہوتا تو مجھے خوب معلوم ہے کہ میں کس طرح کوئی عذر پیش کر کے اُس کی ناراضی سے بچ نکلتا، مجھے قوتِ گویائی دی گئی ہے، لیکن میں جانتا ہوں کہ اگر آج میں جھوٹ بول کر آپ کو راضی کر لیتا ہوں تو عنقریب ہی اللہ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا۔ اور سچ بولوں گا، تو ممکن ہے آپ رنجیدہ ہو جائیں، لیکن امید کرتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کر دے گا۔ اللہ کی قسم! میرے پاس کوئی عذر نہیں تھا، اللہ کی قسم! میں کبھی بھی اتنا قوی اور خوشحال نہیں تھا جتنا اُن دنوں جب آپ سے پیچھے رہ گیا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے سچ بات بتائی ہے، اب اٹھو، انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں فیصلہ کر دے۔ میں اٹھ کر چلا آیا، اور بنی سلمہ کے لوگ مجھ پر ناراض ہونے لگے اور مجھے بُرا کہنے لگے۔ کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم نہیں جانتے کہ تم نے اس سے پہلے کوئی گناہ کیا ہے، پھر دیگر عذر پیش کرنے والوں کی طرح تم نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کوئی عذر پیش کیوں نہیں کیا؟

کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: لوگ یونہی مجھے ملامت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے سوچا: واپس جا کر آپ ﷺ سے کہتا ہوں کہ میں نے جھوٹ بولا ہے، میں تو معذور تھا۔ لیکن پھر سوچا، ذرا دریافت تو کروں، کیا میرے سوا کسی اور کے ساتھ بھی ایسا معاملہ ہوا ہے، تو مجھے دو آدمیوں کے نام بتائے گئے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے میری ہی طرح کی بات کہی ہے۔ میں نے پوچھا: وہ دونوں کون ہیں؟ لوگوں نے کہا: مرارۃ بن الربیع العامری اور ہلال بن امیہ الواقفی۔ یہ دونوں بدری صحابی اور صالحین میں سے تھے۔ اس لیے میں دوبارہ آپ ﷺ کے پاس نہیں گیا، رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے بات کرنے سے منع فرما دیا، چنانچہ لوگ ہم سے کنارہ کش ہونے لگے، ہمارے لیے اجنبی بن گئے، بلکہ مدینہ کی زمین ہمارے لیے اجنبی بن گئی، ہم نے اسی حال میں پچاس راتیں گزار دیں۔

میرے دونوں ساتھی تو عاجز و درماندہ ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ گئے، لیکن میں اُن دونوں سے زیادہ جوان اور قوت

برداشت والا تھا۔ میں گھر سے باہر نکلتا تھا، مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتا تھا، بازاروں میں گھومتا تھا، لیکن کوئی بھی مجھ سے بات نہیں کرتا تھا۔ میرا معمول تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا، آپ کو نماز کے بعد مجلس میں سلام کرتا، اور دل میں سوچتا، آپ کے دونوں ہونٹ سلام کے جواب میں ہلے تھے یا نہیں؟ آپ کے قریب نماز پڑھتا، چور نگاہوں سے آپ کو دیکھتا۔ جب میں نماز پڑھ رہا ہوتا تو آپ میری طرف متوجہ ہوتے، اور جب میں آپ کی طرف رُخ کرتا، تو آپ منہ پھیر لیتے۔

مسلمانوں کی یہ بے رُخی جب بہت طویل ہوگئی تو ایک دن میں اپنے چچازاد ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ کی دیوار پھلانگ کر اس کے پاس پہنچ گیا، اس سے مجھے بہت محبت تھی، میں نے اُسے سلام کیا تو اس نے جواب نہیں دیا۔ میں نے اس سے پوچھا: اے ابوقتادہ! تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ میں اللہ اور اُس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں؟ وہ خاموش رہا۔ میں نے دوبارہ اپنی بات دُہرائی، وہ پھر چپ رہا۔ میں نے سہ بارہ اپنی بات دُہرائی تو اُس نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے۔ یہ سُن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور میں دیوار پھلانگ کر واپس ہوگیا۔

ایک دن میں بازار مدینہ میں چل رہا تھا تو ایک نبطی شخص میرے پاس آیا اور غسانی بادشاہ کا ایک خط نکال کر دیا جس میں لکھا تھا: ''مجھے خبر ملی ہے کہ تمہارے ساتھی نے تم پر زیادتی کی ہے، اور اللہ نے تمہیں ذلیل وخوار آدمی نہیں بنایا ہے، اس لیے تم میرے پاس آجاؤ، میں تمہاری دلدہی کروں گا۔''

کعب کہتے ہیں کہ جب میں نے خط پڑھ لیا تو فوراً خیال آیا کہ یہ ایک اور آزمائش ہے، اور اُس خط کو چولہے میں ڈال دیا۔ جب چالیس دن گزر گئے تو رسول کریم ﷺ کے پیغامبر نے آکر خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں اپنی بیوی سے الگ رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ میں نے پوچھا: اسے طلاق دے دوں یا کیا کروں؟ قاصد نے کہا: نہیں، بس اُس سے الگ رہو، اُس کے قریب نہ جاؤ۔ آپ ﷺ نے میرے دونوں ساتھیوں کو بھی ایسا ہی حکم دیا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا: تم اپنے میکے چلی جاؤ، وہیں رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں اپنا فیصلہ صادر فرمادے۔

ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ سے آکر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہلال بن امیہ ایک بوڑھے اور کمزور آدمی ہیں، ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں ہے، کیا آپ ناپسند کرتے ہیں کہ میں اُن کی خدمت کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن وہ تم سے قریب نہ ہو۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! اس طرح کی کسی بات کے لیے اُن میں کوئی حرکت بھی نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! جب سے یہ حادثہ پیش آیا ہے وہ مسلسل رو رہے ہیں۔

کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھ سے میرے بعض رشتہ داروں نے کہا: کیا حرج ہے کہ تم بھی رسول اللہ ﷺ سے اپنی بیوی کے لیے اجازت مانگ لو جیسا کہ آپ نے ہلال بن امیہ کی بیوی کو ان کی خدمت کی اجازت دی ہے۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت نہیں مانگوں گا، اور کیا معلوم کہ اجازت مانگنے پر رسول اللہ ﷺ مجھ سے کیا کہیں گے، اس لیے کہ میں جوان آدمی ہوں۔

میں ان حالات کے بعد دس راتیں کرب واذیت میں گزارتا رہا حتی کہ پچاس راتیں پوری ہوگئیں۔ پچاسویں رات کی صبح کو میں اپنے گھر کی چھت پر فجر کی نماز پڑھ کر زندگی سے بیزار بیٹھا تھا، اور زمین اپنی ہزار وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ

ہو گئی تھی کہ ایک آدمی کی آواز سنی جو جبلِ سلع کے اوپر سے اپنی پوری قوت کے ساتھ آواز لگا رہا تھا: اے کعب بن مالک! خوش ہو جاؤ۔ یہ سنتے ہی میں سجدہ میں گر گیا، میں نے سمجھ لیا کہ اللہ کی طرف سے کشادگی آ گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہم تینوں کی قبولیتِ توبہ کی خبر دی۔ لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لیے آنے لگے۔ ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر میری طرف دوڑا اور قبیلۂ اسلم کے ایک آدمی نے جبلِ سلع سے آواز لگا دی، آواز گھوڑے سے تیز تھی۔ جب وہ شخص مجھے مبارکباد دینے کے لیے آیا جس کی آواز سنی تھی تو میں نے دونوں کپڑے اتار کر اُسے پہنا دیے، میرے پاس ان کے سوا کوئی اور کپڑا نہیں تھا۔ اور میں نے کسی سے دو کپڑے اُدھار مانگ کر پہن لیے۔

میں رسول اللہ ﷺ کی طرف چل پڑا، لوگ جوق در جوق بڑھ بڑھ کر مجھے قبولیتِ توبہ کی مبارکباد دے رہے تھے۔ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے گرد لوگ بیٹھے ہیں۔ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ تیز دوڑتے ہوئے آگے بڑھے، مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی۔ اللہ کی قسم! مہاجرین میں سے ایک آدمی بھی ان کے سوا میرے لیے کھڑا نہیں ہوا۔ میں طلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ موقف کبھی نہیں بھولوں گا۔

جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا تو آپ کا چہرۂ مبارک مارے خوشی کے دمک رہا تھا، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: مبارک ہو تمھیں سب سے بہتر دن جو تمھاری زندگی میں آیا ہے۔ میں نے پوچھا: یہ خوشخبری آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ اللہ عزوجل کی طرف سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرۂ انور دمک اٹھتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔ ہم سب کو آپ ﷺ کے بارے میں یہ بات معلوم تھی۔ جب میں آپ کے سامنے بیٹھا تو کہا: یا رسول اللہ! میری توبہ کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ کے لیے صدقہ کر دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا بعض مال بچا کر رکھو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔ میں نے کہا: میں اپنا خیبر والا حصہ بچا لیتا ہوں۔ میں نے یہ بھی کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ نے مجھے سچ بولنے کے سبب نجات دی ہے، میری توبہ کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ جب تک زندہ رہوں جھوٹ نہ بولوں۔

کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ جب سے میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتائی آج تک اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کو سچ بولنے کی وجہ سے ایسی آزمائش میں ڈالا جیسے اللہ تعالیٰ نے مجھے ڈالا۔ اللہ کی قسم! میں نے آج تک اس کے بعد کبھی قصداً جھوٹ نہیں بولا، اور میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے باقی زندگی میں بھی بچائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے نبی ﷺ پر ان آیات کا نزول فرمایا:

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٧﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١١٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾﴾ [التوبۃ: ۱۱۷-۱۱۹]

''اللہ نے نبی اور مہاجرین اور ان انصار کی طرف توجہ فرمائی جنھوں نے مشکل وقت میں ان کی پیروی کی، جبکہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کجی آ رہی تھی، پھر اللہ نے اُن پر بھی توجہ فرمائی، بے شک وہ ان پر بہت ہی شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔ اور اُن تینوں پر بھی (توجہ فرمائی) جو مؤخر کر دیے گئے تھے، یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود اُن پر تنگ ہوگئی، اور خود ان کی جانیں اُن پر تنگ ہوگئیں اور انھیں یقین ہو گیا کہ اللہ سے بھاگ کر اُس کی جناب کے علاوہ دنیا میں اور کوئی جائے پناہ نہیں ہے، تو اللہ نے اُن کی طرف توجہ فرمائی تاکہ وہ توبہ کریں، بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔''

کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! جب سے اللہ نے مجھے نعمتِ اسلام سے نوازا، رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ بولنے سے بڑی نعمت مجھے اللہ تعالیٰ نے اور کوئی نہیں دی، اگر میں نے آپ ﷺ سے جھوٹ بولا ہوتا تو ہلاک ہو جاتا جیسے وہ لوگ ہلاک ہوگئے جنھوں نے جھوٹ بولا، اللہ تعالیٰ نے اُن جھوٹوں کے بارے میں بذریعہ وحی بدترین بات کہی، فرمایا:

﴿سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٩٦﴾﴾ [التوبہ: ۹۵-۹۶]

''جب تم لوگ اُن کے پاس لوٹ کر پہنچو گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھائیں گے، تاکہ تم لوگ انھیں کچھ نہ کہو، تو تم لوگ انھیں کچھ نہ کہو، وہ ناپاک لوگ ہیں، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، ان گناہوں کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔ وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم لوگ ان سے خوش ہو جاؤ، پس اگر تم ان سے خوش ہو جاؤ گے تو بے شک اللہ ظالم لوگوں سے خوش نہیں ہوگا۔''

کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے اوروں کا عذر تو اُن کے قسم کھانے کے سبب قبول کر لیا، اُن سے بیعت کر لی اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی، اور ہم تینوں کے معاملہ کو مؤخر کر دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنا فیصلہ صادر فرمایا۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١١٨﴾﴾

[التوبہ: ۱۱۸]

''اور اُن تینوں پر بھی (توجہ فرمائی) جو مؤخر کر دیے گئے تھے، یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود اُن پر تنگ ہوگئی، اور خود ان کی جانیں اُن پر تنگ ہوگئیں اور انھیں یقین ہوگیا کہ اللہ سے بھاگ کر اُس کی جناب کے علاوہ دنیا میں اور کوئی جائے پناہ نہیں ہے، تو اللہ نے اُن کی طرف توجہ فرمائی تاکہ وہ توبہ کریں، بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے غزوہ میں ہماری عدمِ شرکت کو نہیں بیان کیا ہے، بلکہ قسم کھانے والوں کے مقابلہ میں ہماری تولیتِ توبہ کو مؤخر کیے جانے کی بات کی ہے۔ ❶

غزوۂ تبوک کے عظیم نتائج:

اگرچہ اس غزوہ میں جنگ نہیں ہوئی لیکن اس اعتبار سے اس کے نتائج بہت ہی زیادہ مثبت رہے کہ اس کے بعد مسلمانوں کی معنوی اور ذہنی سطح کافی بلند ہوگئی، دشمنوں کے دلوں میں اُن کا رعب بیٹھ گیا، چاہے وہ دشمن اہلِ روم ہوں یا کفار ومشرکینِ عرب جو اب تک اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، یا منافقین جو ہر وقت اس تاک میں لگے رہتے تھے کہ کب اسلام اور مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئے گی۔

اس غزوہ کے بعد شام اور اس کے قرب وجوار میں رہنے والے نصرانیوں کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ اسلامی فوج انہیں اُن کے گھر میں داخل ہوکر مارنے کی قدرت رکھتی ہے۔

اللہ کا درود وسلام ہو ہر دم اور ہر لمحہ نبی کریم ﷺ پر کہ آپ ﷺ نے اسلام اور مسلمانوں کی ایسی عظیم خیر خواہی کی، اس غزوہ کے بعد باقی ماندہ تمام عرب قبائل نے قبولِ اسلام میں جلدی کی اور شریعتِ اسلامیہ کی سیادت وبرتری کو تسلیم کرلیا، اور فوج درفوج مدینہ منورہ آکر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ اسی لیے اس سال کا نام "عام الوفود" یعنی وفود کی آمد کا سال رکھ دیا گیا۔ ان وفود کی تفصیل آگے آئے گی۔

وفدِ ثقیف:

غزوۂ طائف کی تفصیلات کے ضمن میں بیان کیا جاچکا ہے کہ عُروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے اُس وقت جاکر ملے جب آپ ﷺ غزوۂ طائف سے مدینہ واپس جارہے تھے، اور اسلام قبول کرلیا، پھر اپنی قوم (ثقیف) میں لوٹ کر گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی، لیکن سب نے مل کر اُن کو قتل کردیا، اور اُن کی خواہش کے مطابق اُن شہیدوں کے ساتھ دفن کردیے گئے جو محاصرۂ طائف کے وقت مارے گئے تھے۔

عُروہ رضی اللہ عنہ کے قتل کیے جانے کے بعد ثقیف نے چند ماہ انتظار کیا، پھر آپس میں مشورہ کیا اور سوچا کہ وہ تمام عربوں کی مخالفت کی قدرت نہیں رکھتے ہیں، اس لیے انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے کچھ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجیں۔ انہوں نے عبدیالیل بن عمرو بن عُمیر سے بات کی تو اس نے کہا کہ کہیں وہ لوگ اس کے ساتھ بھی عُروہ جیسا معاملہ نہ کریں، اس لیے وہ اسی صورت میں جائے گا کہ اس کے ساتھ چند دیگر اشخاص کو بھی بھیجا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے ساتھ اپنے حلیفوں میں سے دو اور بنی مالک میں سے تین افراد کو بھیجا۔ انہی میں عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ لوگ مدینہ کے لیے نکلے اور اُس کے قریب ایک نہر کے پاس رُکے، وہاں اُن کی ملاقات مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ہوگئی جو انہیں دیکھ کر

---

❶ دیکھئے: صحیح البخاری، المغازی، حدیث: (٤٤١٨)، صحیح مسلم، التوبۃ، حدیث: (٢٧٦٩)، ابو داود، الأیمان والنذور، حدیث: (٣٣٢١)، النسائی، الطلاق، باب الحقی بأھلك، مسند احمد: ٣/ ٤٥٦ - ٤٥٩، وغیرھم.

رسول اللہ ﷺ کو ان کی آمد کی خوشخبری سنانے کے لیے دوڑنے لگے، راہ میں اُن کی ملاقات ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ہوگئی، انہوں نے اُن سے قسم کھا کر کہا کہ وہ اُن کو ہی رسول اللہ ﷺ تک یہ خبر پہنچانے دیں، مغیرہ رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جا کر رسول اللہ ﷺ کو اُن ثقفیوں کی آمد کی اطلاع دی، اور مغیرہ اُن کے پاس لوٹ آئے۔

رسول کریم ﷺ نے وفد کے اَرکان کو مسجدِ نبوی میں موجود ایک چھوٹے خیمہ میں جگہ دی تاکہ اُن کے دل پر اس کا اچھا اثر پڑے۔ خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ اور اُن کے درمیان ثالثی کا کام کرتے رہے یہاں تک کہ اُن کے ساتھ عہد نامہ لکھ دیا گیا، اُن کے کاتب خالد رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

ثقیف والوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمیں نماز پڑھنے سے مستثنیٰ رکھا جائے، اور ان کا ''لات'' نامی بُت تین سال تک منہدم نہ کیا جائے۔ تو نبی کریم ﷺ نے اُن کی بات نہیں مانی اور فرمایا: جس دین میں نماز نہیں اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ پھر انہوں نے یہ درخواست بھی کی کہ وہ اپنے بُتوں کو اپنے ہاتھوں سے نہیں توڑیں گے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے اُن کی یہ بات مان لی۔ اس کے بعد وہ سب مسلمان ہو گئے۔

موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ وفد کے اَرکان رسول اللہ ﷺ سے ملتے رہے اور آپ ﷺ انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ اسلام لے آئے۔ انہی دنوں کنانہ بن عبد یالیل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: کیا آپ ہمارے بارے میں کوئی فیصلہ کر دیں گے تاکہ ہم لوگ اپنی قوم کے پاس لوٹ جائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اگر تم لوگ اسلام کا اقرار کر لو گے تو تمہارے بارے میں فیصلہ کر دوں گا، ورنہ کوئی فیصلہ اور ہمارے اور تمہارے درمیان صلح کی کوئی بات نہیں ہوگی۔

کنانہ نے کہا: زنا کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، اس لیے کہ ہم لوگ باہر جایا کرتے ہیں، اور ہمیں اس کی ضرورت پڑتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تو تم پر حرام ہے۔ اُس نے پوچھا: سود کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں تمہارا راس المال مل جائے گا۔ اُن لوگوں نے پوچھا: شراب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے اُسے حرام کر دیا ہے۔ انہوں نے پھر پوچھا: ہم اپنی معبودنی کا کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے توڑ ڈالو۔

یہ تمام باتیں سن کر وہ لوگ باہر نکل گئے اور آپس میں مشورہ کرنے کے بعد واپس آئے اور اپنی اطاعت کا اعلان کر دیا، اور یہ شرط لگائی کہ رسول اللہ ﷺ ''لات'' نامی بُت کو خود ہی توڑیں۔ ❶

نبی کریم ﷺ نے اُن کا امیر عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو جو اُن میں سب سے کم عمر تھے، مقرر کیا، اس لیے کہ وہ قرآن کریم اور شرائع اسلام کا علم حاصل کرنے میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ آپ ﷺ نے اُن سے کہا: ہلکی نماز پڑھایا کرو اس لیے کہ لوگوں میں بوڑھے اور حاجت مند لوگ ہوتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: اور مؤذن ایسے آدمی کو

---

❶ زاد المعاد: ٣/ ٦٧٧ - ٦٨٠۔

رکھنا جو اذان کی اُجرت نہ لے۔ ❶

اِن تمام حالات و واقعات کے بعد وفد کے لوگ واپس چلے گئے، اور رسول اللہ ﷺ نے "لات" نامی بت اور دیگر بتوں کو منہدم کرنے کے لیے ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔ جب دونوں طائف پہنچے تو مغیرہؓ نے ابوسفیانؓ کو آگے کرنا چاہا، لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ تم خود اپنی قوم کے پاس جاؤ، اور ابوسفیانؓ خود اپنے مال کے ساتھ مقام ذوالہرم میں رُکے رہے۔

مغیرہ رضی اللہ عنہ لات نامی بُت کے پاس پہنچ کر، اس پر چڑھ گئے اور اس پر ہتھوڑا چلانا شروع کیا، یہ دیکھ کر اُن کی قوم بنو مُعتِّب کے لوگوں نے انہیں روکنا چاہا کہ کہیں بُت انہیں دور نہ پھینک دے یا اُن پر کوئی مصیبت نہ نازل ہو جائے، اور ثقیف کی عورتیں بال بکھیرے روتی ہوئی باہر نکل پڑیں۔

مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اُس بُت کو منہدم کر دیا، اور اس کا مال اور سونے چاندی کے زیورات اپنے قبضہ میں کر لیے، اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر اُن کے حوالے کر دیے، اسی مال سے دونوں نے عُروہ بن مسعود اور اُن کے بھائی اسود کا قرض نبی کریم ﷺ کے حکم سے ادا کیا۔

نبی کریم ﷺ نے عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ "لات" نامی بُت کی جگہ طائف کی مسجد بنائیں۔ ❷

بلاشبہ ثقیف والوں کا ہتھیار ڈال دینا، اُن کا مدینہ آنا اور قبولِ اسلام کا اعلان کرنا دعوتِ اسلامیہ کی ایک عظیم کامیابی اور فتح جدید تھی، اس لیے کہ ہوازن اور ثقیف کے اعلانِ طاعت و فرمانبرداری کے بعد جزیرۂ عرب میں کوئی اہم قبیلہ باقی نہیں رہا جو اللہ اور رسول کے لیے اپنی اطاعت و تابعداری کا اعلان کر کے حلقہ بگوشِ اسلام نہ ہو گیا ہو۔

وہ قبائل جن کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی، اور جو طاقتور قبائل کے جوار میں رہتے تھے، انہوں نے فتح مکہ اور غزوۂ تبوک نیز طاقتور قبائل کے قبولِ اسلام کے بعد اعلانِ اسلام میں زیادہ تاخیر نہیں کی، جیسا کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس وفود کے فوج در فوج آنے کی تفصیلات بیان کرتے وقت ذکر کیا گیا ہے۔

عثمانؓ کی نماز میں شیطان کی تشویش اور اس کا علاج:

عثمانؓ بن ابی العاص کہتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے طائف کا حاکم مقرر کیا تو شیطان میری نماز میں تشویش پیدا کرنے لگا، مجھے پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ میں سفر کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ابن اَبی العاص ہو؟ میں نے کہا: ہاں، یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے پوچھا: کس کام سے آئے ہو؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری نمازوں میں پریشانی لاحق ہو گئی ہے، مجھے پتہ ہی نہیں چلتا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شیطان ہے، میرے قریب آؤ، میں قریب ہوا اور اپنے قدموں پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے میرے سینہ پر ٹھوکر لگائی اور میرے منہ میں تھوک تھکایا اور کہا: نکل اللہ کے دشمن۔ آپ ﷺ نے

❶ مسند احمد، حدیث: (۱۶۳۷۸، ۱۶۳۷۹، ۱۶۳۸۲)، صحیح مسلم، الصلاۃ، حدیث: (۴۶۸)، ابو داؤد، حدیث: (۵۳۱)۔

❷ سیرۃ ابن کثیر: ۴/ ۵۴-۵۸، سیرۃ ابن ہشام: ۴/ ۵۳۸-۵۴۳، اتحاف الوریٰ: ۱/ ۶۵۲-۶۵۵، زاد المعاد: ۳/ ۲۹۷-۴۰۰۔

اس طرح تین بار کیا۔ اور مجھ سے کہا: جاؤ اپنے کام پر لوٹ جاؤ۔ عثمان کہتے ہیں: اللہ کی قسم! مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد بھی پہلے کی طرح ہوا ہو۔ ❶

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ ایک شیطان ہے جس کا نام "خنزب" ہے۔ اگر بھی پہلے کی طرح محسوس کرو تو اللہ کے ذریعہ اُس سے پناہ مانگو، اور اپنے بائیں طرف تین بار تھتکار دو۔ عثمان کہتے ہیں: میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ نے میری شکایت دور کر دی۔ ❷

اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات:

اسی سال سیدہ اُمّ کلثوم جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی۔ یہ زینب اور رقیہ رضی اللہ عنہما کے بعد رسول اللہ ﷺ کی تیسری بیٹی تھیں جو اُمّ المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے مولود ہوئیں۔ انہیں ابولہب کے بیٹے عتیبہ نے اپنے نکاح میں لیا، پھر اپنی ماں اُمّ جمیل کے حکم سے طلاق دے دی تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچائے اور کرب میں مبتلا کرے۔ اس سے پہلے اس کے بھائی عتبہ نے رقیہ رضی اللہ عنہا کو اسی غرض سے طلاق دے دی تھی اور دونوں بہنیں رخصتی سے پہلے اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھ گئی تھیں۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہو گئی۔ رقیہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی اُمّ عیاش کہتی ہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا: میں نے رقیہ کی شادی عثمان سے وحی کے بموجب کی ہے۔ ❸

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اُمّ کلثوم کی شادی عثمان سے کر دیں، رقیہ کی مہر کی مانند مہر پر، اور انہی کی رفاقت جیسی رفاقت پر۔ ❹

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے شادی کی، اور ذوالنورین کا لقب پایا۔

سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے اُن کی شادی ربیع الاول سن ۳ ہجری میں ہوئی، اور چھ سال اُن کے پاس رہیں، اُن کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ وفات کے بعد بقیع میں دفن کی گئیں۔

عبداللہ بن اُبی کی موت:

اسی سن ۹ ہجری ماہ ذوالقعدہ میں عبداللہ بن اُبی ہلاک ہوا۔ وہ بیس دن تک بیمار رہا، رسول اللہ ﷺ اس مدت میں اس کی عیادت کرتے رہے، اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عبداللہ بن اُبی کی عیادت کے لیے گیا، تو نبی کریم ﷺ نے اُس سے کہا: میں تمہیں یہود سے محبت کرنے سے منع کرتا تھا۔ تو ابن اُبی نے کہا: اُسعد بن زُرارہ نے اُن سے بُغض رکھا تو اسے کیا فائدہ پہنچا۔ اگر یہود سے بغض نفع پہنچاتا تو اسعد بن زرارہ نہیں مرتا۔

---

❶ ابن ماجه، الطب، حديث: (۳٥٤٨)، بوصیری نے زوائد میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

❷ صحيح مسلم، السلام، حديث: (۲۲۰۳)؛ مسند احمد: ٤/ ۲۱٦.

❸ الإصابة، ابن حجر: ۱۳/ ۲۷٦.

❹ مصدر سابق.

ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ جب یہ شخص مرگیا تو اس کا بیٹا رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! عبداللہ بن اُبی (میرا باپ) مرگیا، آپ اپنی قمیص مجھے عطا کر دیجیے تاکہ میں اسے اس کا کفن پہنا دوں چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی قمیص اسے دے دی۔ ❶

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی قمیص اس لیے دے دی کہ جب عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے تو انصار نے اُن کے لیے ایک قمیص تلاش کی، اور تلاشِ بسیار کے بعد اُن کے سائز کی قمیص صرف عبداللہ بن اُبی کے پاس ملی، اور انصار نے اس سے وہ قمیص لے کر عباس رضی اللہ عنہ کو پہنائی تھی۔ ❷

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ جب عبداللہ بن اُبی بن سلول مرا، تو اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کی قمیص مانگی تاکہ وہ اس میں اپنے باپ کو دفن کریں، آپ ﷺ نے انھیں دے دی، انہوں نے پھر آپ ﷺ سے اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی درخواست دی، تو آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔ اُس وقت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر آپ ﷺ کا دامن پکڑ لیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اس کی نمازِ جنازہ کیسے پڑھیں گے، اللہ نے تو آپ کو اس سے منع فرمایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ نے اختیار دیا ہے، کہا ہے:

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ [التوبہ: ۸۰]

''آپ ان کے لیے مغفرت کی دعا کیجیے یا نہ کیجیے (برابر ہے) اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی مغفرت کی دعا کریں گے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔''

اگر مجھے علم ہو کہ ستر مرتبہ سے زیادہ طلب مغفرت پر اس کی بخشش ہو جائے گی تو میں ستر (۷۰) بار سے زیادہ اس کے لیے طلب مغفرت کروں گا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تو منافق تھا۔ بہرحال اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی تو اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾ [التوبہ: ۸۴]

''اور ان میں سے جو کوئی مر جائے اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیے اور اس کی قبر کے پاس نہ کھڑے ہوئیے۔'' ❸

اعلانِ براءت:

سن ۹ ہجری کا موسم حج قریب آ گیا، اور مشرکین اب تک اپنے بتوں کی پرستش سے باز نہیں آئے تھے۔ سن ۸ ہجری میں تو مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ حج کیا، لیکن نہ اپنے شرکیہ اعمال سے باز آئے، نہ ہی ننگے ہوکر طوافِ کعبہ کرنے سے انہیں شرم آئی، جبکہ سب کو یہ بات واضح طور پر معلوم ہوگئی تھی کہ اسلام جلد از جلد جزیرۂ عرب کو بت پرستی سے پاک کرنا چاہتا ہے،

❶ ابو داؤد، الجنائز، حدیث: (۳۰۹۴)، مسند احمد: ۵/ ۲۰۱، مستدرك حاكم: ۱/ ۳۴۱، امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے، اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تائید کی ہے۔

❷ صحیح البخاری، الجهاد، حدیث: (۳۰۰۸)۔

❸ صحیح البخاری، الجنائز، باب الكفن في القميص، حدیث: (۱۲۶۹)، التفسير، سورة التوبة، حدیث: (۴۶۷۰)، صحیح مسلم، في صفات المنافقين، حدیث: (۲۷۷۴)، مسند احمد، جیسا کہ الفتح الربانی: (۲۱۶/۲۱) میں آیا ہے۔

بالخصوص سرزمین مکہ کو جہاں مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ ہے۔ اسی لیے بالآخر نبی کریم ﷺ نے فیصلہ کیا کہ آئندہ مشرکوں کو مکہ میں شرکیہ اعمال اور ننگے ہو کر طواف کی اجازت نہ دی جائے، اور مشرکین کا معاہدہ اُن کے منہ پر مار دیا جائے۔

چنانچہ اِس سال جب حج کا زمانہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر بھیجا، اور انہیں حکم دیا کہ وہ مشرکین کی مخالفت کریں (مشرکین مکہ مزدلفہ میں ہی رُکے رہتے تھے، عرفہ نہیں جاتے تھے) اور عرفہ میں وقوف کریں اور رات شروع ہونے کے بعد ہی وہاں سے لوٹیں، اور مزدلفہ سے طلوعِ آفتاب سے پہلے روانہ ہوں۔

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تین سو اشخاص کے ساتھ ذوالقعدہ کے اواخر میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، اور جب مقام "عرج" میں پہنچے تو صبح کی نماز کے لیے صف بندی کی، جب تکبیر کہنی چاہی تو اپنے پیچھے اونٹنی کے ہنہنانے کی آواز سنی، تکبیر سے رُک گئے اور کہا کہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کی جوان اونٹنی کی آواز ہے۔ شاید رسول اللہ ﷺ کو بعد میں حج کا خیال آیا اور چل پڑے۔ بہتر ہے کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھیں۔ لیکن مُڑ کر جو دیکھا تو وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُن سے پوچھا: آپ امیر کی حیثیت سے آئے ہیں یا پیغام رساں ہیں؟ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں صرف پیغام رساں ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا ہے تاکہ لوگوں کے سامنے شرک و مشرکین سے براءت کا اعلان کروں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مدینہ منورہ سے نکلنے کے بعد آپ ﷺ پر سورۂ براءت نازل ہوئی تھی۔

چنانچہ دونوں اپنی اپنی حیثیتوں میں اعمالِ حج ادا کرنے لگے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ امیرِ حج تھے، اور علی رضی اللہ عنہ سورۂ براءت کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر لوگوں کو سناتے تھے، اور چند صحابہ اُن کی مدد کرتے تھے، اُن میں ابوہریرہ اور طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ علی رضی اللہ عنہ بن ابوطالب نے بتایا کہ انہیں چار باتوں کے اعلان کے لیے بھیجا گیا ہے، وہ اعلان کرتے رہے یہاں تک کہ اُن کی آواز بیٹھ گئی:

1: لوگو! جنت میں صرف مسلمان آدمی داخل ہوگا۔

2: اِس سال کے بعد اب کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔

3: کوئی ننگا خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرے گا۔

4: جس کسی کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدہ ہے وہ اپنی مدت پوری کرے گا، اور جس کا کوئی معاہدہ نہیں اسے چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے، اس مدت میں جہاں چاہے جائے، مدت گزر جانے کے بعد اللہ اور اس کے رسول ﷺ مشرکوں سے بری ہیں۔

چنانچہ اُس سال کے بعد کسی مشرک نے حج نہیں کیا، اور نہ کسی نے ننگے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ ❶

غزواتِ نبوی کے اَغراض و اَثرات:

مؤرخینِ سیرتِ نبوی نے لکھا ہے کہ غزوۂ تبوک غزواتِ نبوی کی آخری کڑی تھی جن کی تعداد ستائیس ہے، اور اسی غزوہ کے ساتھ فوجی دستوں کا بھیجا جانا بند ہو گیا جن کی تعداد ساٹھ تک پہنچتی ہے۔ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اِن غزوات

---

❶ دیکھئے: دلائل البیهقی: ٥/ ٢٩٣، ابن سید الناس: ٢/ ٢١٠، سیرۃ ابن کثیر: ٤/ ٧٠- ٧٢، نیز دیکھئے صحیح البخاری، حدیث: (٣١٧٧، ٤٦٥٥، ٤٦٥٦، ٤٦٥٧، ٤٣٦٣)، صحیح مسلم، الحج، حدیث: (١٣٤٧)، ابو داؤد، باب یوم الحج الأکبر، حدیث: (١٩٤٦)۔

میں انسانی جنگوں کی تاریخ میں سب سے کم خون بہایا گیا، اور فریقین کے مقتولین کی تعداد صرف ایک ہزار اٹھارہ پہنچتی ہے۔

ان جنگوں کے ذریعہ اتنی جانوں کی حفاظت ہوئی، اور اتنی عصمتیں اور عزتیں محفوظ ہوئیں جن کا شمار ناممکن ہے، اور پورے جزیرۂ عرب میں امن وآشتی ایسی عام ہوگئی کہ ایک عورت حیرہ سے سفر کرکے مکہ پہنچتی، بیت اللہ کا طواف کرتی تھی اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی تھی، جبکہ اسلام سے پہلے بدامنی ایسی عام تھی کہ حکومتی قافلے ایک جگہ سے دوسری جگہ بغیر بیدار اور چوکنے حفاظتی دستوں کو ساتھ لیے سفر نہیں کر سکتے تھے۔

اس کے مقابلے میں جب ہم برٹش انسائیکلو پیڈیا کے مطابق دونوں عالمگیر جنگوں میں مقتولین کی تعداد کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں جو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جاری رہی، چونسٹھ لاکھ جانیں ضائع ہوئیں، اور دوسری جنگ عظیم میں جو ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک چلتی رہی، ساڑھے تین کروڑ سے چھ کروڑ انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ ان دونوں جنگوں میں بے شمار انسانوں کے اس قتل عام اور کروڑوں لوگوں کے بے گھر ہونے سے انسانوں کی کون سی خدمت ہوئی، آج تک کوئی نہ بتا سکا۔

اسی طرح دنیا کی کمیونسٹ طاقتوں نے کم ازکم دس کروڑ مزدوروں اور کاشتکاروں کو جانوروں کی طرح صرف اس لیے ذبح کر دیا تاکہ اپنے اشتراکی نظریات کو نافذ کرسکیں، اس قتل وخونریزی سے دنیائے انسانیت کو سوائے ہلاکت وبربادی کے کچھ نہ ملا۔

اس کے برعکس خاتم النبیین کے غزوات سارے عالم کے لیے رحمت کی حیثیت رکھتے تھے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ایک جھلک پیش کی گئی ہے۔ کچھ مزید اچھے نتائج کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ نبی کریم ﷺ کے غزوات کا مقصد اللہ تعالیٰ کے بے گناہ بندوں کو قتل کرنا اور زمین میں شر وفساد اور ظلم وطغیانی پھیلانا ہرگز نہیں تھا، بلکہ آپ ﷺ نے ان غزوات کے ذریعہ سب سے پہلے پورے جزیرۂ عرب میں امن وآشتی کو عام کیا، فتنوں کی آگ بجھائی اور اُن بت پرستوں کی قوت کو پاش پاش کیا جو اسلام اور عقیدۂ توحید کے بدترین دشمن تھے، اور دعوت اسلامیہ کی راہ میں بھاری پتھر بنے ہوئے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے انسانوں کو تعلیم دی کہ جنگوں کے اعلیٰ اخلاقی مقاصد کیا ہونے چاہییں، اور اُن تمام ظالمانہ اور سفاکانہ اغراض ومقاصد کا ابطال کیا جن کی خاطر عہد جاہلیت میں جنگوں کی آگ بھڑکائی جاتی تھی۔ اسلام سے پہلے جنگ نام تھا لوٹ مار، قتل وغارتگری، ظلم وعدوان اور انتقام کی آگ بجھانے کا، اور بڑی جنگوں کا مقصد تھا کمزوروں کو زیر کرنا، شہروں اور آبادیوں کو تاراج کرنا، زمین میں فساد پھیلانا اور عزت وآبرو لوٹنا۔

یہی حال سارے عالم کا تھا، جب رسول اللہ ﷺ آئے تو آپ ﷺ نے اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس لیے جہاد کیا کہ کمزور انسانوں کو ظلم وبربریت اور استبداد وطغیان سے نجات دلائیں، غدر وخیانت کا خاتمہ کریں، امن وسلامتی کا پیغام عام کریں، اور اللہ کے بندوں کو رحمت والفت کی عملی تعلیم دیں۔

www.KitaboSunnat.com

غزواتِ نبوی کے اُصول وضوابط:

نبی کریم ﷺ نے غزوات اور جنگوں کے ایسے اعلیٰ اخلاقی اُصول وضوابط سے انسانوں کو متعارف کرایا جو پہلے سے معلوم نہیں تھے، اور مسلمان کمانڈروں اور فوج کے افراد کو ان کی پابندی کی سخت تاکید فرمائی۔

سلیمان بن بُریدہ اپنے باپ بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کسی فوج یا فوجی دستہ کو رخصت کرتے تو اسے اللہ عزّ وجلّ سے ڈرنے اور عام فوجیوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی نصیحت کرتے، پھر فرماتے: (۱) اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، (۲) جو اللہ کا انکار کرے اس سے قتال کرو، (۳) جہاد کرو، خیانت اور دھوکہ دہی نہ کرو، (۴) مقتولین کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کرو، (۵) تنہا شخص کو قتل نہ کرو، (۶) جب مشرکین کا سامنا ہو تو انہیں تین باتوں کی طرف بلاؤ، ان میں سے جس بات کو وہ قبول کرلیں انہیں تم بھی قبول کرلو اور انہیں قتل کرنے سے باز آجاؤ۔ ❶

واقدی نے زید بن اَرقم رضی اللہ عنہ سے غزوۂ موتہ کی تفصیلات میں ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی فوج کو الوداع کہتے تو فرماتے: (۷) میں تم سب کو اللہ سے ڈرنے اور عام فوجیوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اور فرماتے: (۸) اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، کافروں سے قتال کرو، دھوکہ نہ دو، خیانت نہ کرو اور (۹) کسی بچے کو قتل نہ کرو۔

واقدی نے اپنی سند کے ذریعہ خالد بن یزید سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ جنگِ موتہ کی فوج کو الوداع کرنے کے لیے نکلے تو ثنیۃ الوداع تک ساتھ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کو جو نصیحتیں کیں اُن میں مندرجہ ذیل باتیں بھی تھیں: (۱۰) تم لوگ شام کے علاقہ میں گرجوں میں کچھ لوگوں کو پاؤ گے جو سب سے الگ زندگی گزار رہے ہیں، اُن کو نہ چھیڑنا، (۱۱) کسی عورت کو، شیر خوار بچے کو اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، (۱۲) کسی کھجور کے درخت اور کسی عام درخت کو نہ کاٹنا، (۱۳) کسی گھر کو نہ گرانا۔ ❷ آپ ﷺ نے ایک دوسری وصیت میں فرمایا: (۱۴) کسی بچے اور خادم کو قتل نہ کرنا۔

نبی کریم ﷺ کو اگر خبر مل جاتی کہ کسی فوج نے بچوں کو قتل کیا ہے تو بہت ناراض ہوتے۔ ایک بار آپ ﷺ کو خبر ملی کہ مسلمانوں کی فوج نے بعض بچوں کو قتل کیا ہے تو انہیں مخاطب کرکے فرمایا: کیسے ہیں وہ لوگ جن کی رغبتِ قتل اتنی بڑھ گئی کہ انہوں نے بچوں کو قتل کیا ہے۔ آگاہ رہو تم لوگ! کہ بچوں کو ہرگز قتل نہ کرو، آگاہ رہو تم لوگ! بچوں کو قتل نہ کرو۔

معلوم ہوا کہ غزواتِ نبوی کا مقصد رُوحوں کو ضائع کرنا ہرگز نہیں تھا، اور نہ اموال کو ضائع کرنا، نہ ہی انسانی قیود وضوابط سے آزاد ہوکر معاملہ کرنا۔ ان کا مقصد تو انسان کی عزت وعفت کی حفاظت، ظلم کو روکنا اور دشمنوں کو ڈرانا تھا تاکہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرکے ان کی جانوں اور اموال میں جاہی نہ مچائیں، اور دشمنوں کو یہ احساس دلانا کہ مسلمان ہردم ان کی گھات میں بیٹھے ہیں، اور وہ ہر دشمن کو مار بھگانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ انہی کوششوں کے ذریعہ جزیرۂ عرب متحد ہوگیا، انسانوں نے اُمن وسکون کی سانس لی، اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا، اور پورے جزیرۂ عرب میں پہلے اور پھر جزیرہ سے باہر کی دنیا میں بھلائی اور اسلام کی روشنی عام ہوگئی اور اَمن وسلامتی کا دور دورہ ہوگیا۔

---

❶ انظر تخریجه فی بیان وصایا الرسول ﷺ للسرایا من هذا الکتاب، فقد رواه مسلم وابو داؤد والترمذی وابن ماجه واحمد.

❷ مغازی الواقدی: ۲/ ۷۵۷، ۷۵۸.

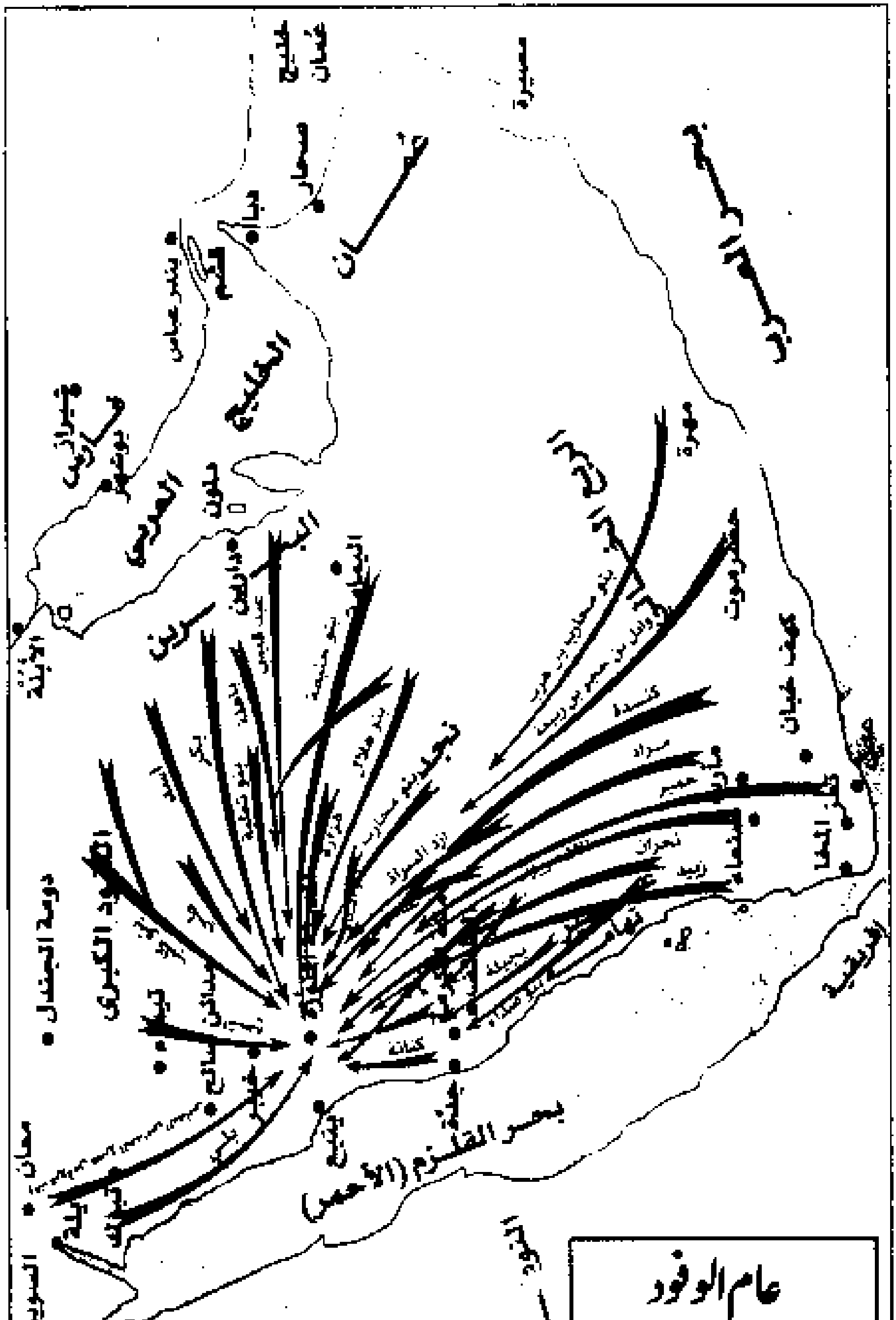
عام الوفود

عرب وفود کی آمد مدینہ میں

فتح مکہ کی تفصیلات کے آخر میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ عرب قبائل کو مسلمانوں اور قریش کے درمیان فتح وشکست کا انتظار تھا، وہ اپنے قبولِ اسلام کے لیے فتح مکہ کے منتظر تھے، اس لیے کہ اُن کا عقیدہ تھا کہ مکہ پر اسی کا غلبہ ہوگا جو حق پر ہوگا، چنانچہ جب مکہ فتح ہوگیا اور قریشیوں نے رسول کریم ﷺ کی سیادت کو تسلیم کرلیا تو اُن تمام عرب قبائل نے اسلام کا اعلان کردیا جو اب تک شرک پر اڑے ہوئے تھے۔

جب ثقیف وہوازن والے اسلام لے آئے، اور رسول اللہ ﷺ تبوک سے فائز المرام واپس آگئے تو تمام دشمنانِ اسلام کے دلوں میں رُعب داخل ہوگیا، بالخصوص وہ عرب قبائل جنہوں نے اب تک اسلام کا کلمہ نہیں پڑھا تھا۔ چنانچہ غزوۂ تبوک کے بعد ایسے تمام ہی قبائل نے مدینہ منورہ کا رُخ کیا، اور اللہ کے دین میں فوق در فوق داخل ہونے لگے۔

یہ قبائل نو اور دس ہجری میں مسلسل آتے رہے اور اسلام کا اعلان کرتے رہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی فوج کی تعداد فتح مکہ کے وقت دس ہزار تھی، اور غزوۂ تبوک میں اُن کی تعداد تیس ہزار ہوگئی، اور مسلمانوں کی تعداد اتنی تیزی سے بڑھی کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شرکت کرنے والوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہوگئی۔ ابن سعد نے کتاب الطبقات میں اور ابن اسحاق نے اپنی سیرت کی کتاب میں فتح مکہ سے قبل اور بعد کے وفود کی تعداد ستر (۷۰) سے زائد بتائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان وفود سے بڑی گرم جوشی اور محبت کے ساتھ ملتے تھے، اسی لیے وہ لوگ بہت جلد اپنے اسلام اور وفاداری کا اعلان کردیتے تھے، اور آپ ﷺ سے صحیح اسلامی عقیدہ اور دینِ اسلام کی باتیں سیکھتے تھے، پھر اپنی بستیوں اور شہروں کی طرف لوٹ جاتے تھے، اور اپنے خویش واقارب کو دین کی وہ تعلیم دیتے تھے جو رسول اللہ ﷺ سے سیکھ کر جاتے تھے۔ اس لیے ان وفود کی مدینہ منورہ آمد اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بعد سب سے بڑی وجہ تھی کہ دینِ اسلام نہایت تیزی کے ساتھ جزیرۂ عرب کے چپہ چپہ میں پھیل گیا۔ ذیل میں ان وفود کے مختصر حالات قلم بند کیے جارہے ہیں:

۱۔ وفدِ بنی تمیم:

بنو تمیم کا ایک بڑا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا جس میں اُن کے مشہور سرداران شامل تھے، انہی میں سے اقرع بن حابس، زبرقان بن بدر، عمرو بن اہتم، حُتات بن یزید، نعیم بن یزید، قیس بن حارث اور قیس بن عاصم تھے۔ ان کے خطیب اور شاعر اور رسول اللہ ﷺ کے خطیب اور آپ ﷺ کے شاعر حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کے درمیان تقریری اور شعری مقابلے ہوئے، اور اقرع بن حابس نے کہا: محمد کا خطیب ہمارے خطیب سے بڑا خطیب اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بڑا شاعر ہے اور ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے زیادہ اونچی ہیں۔ پھر سب کے سب مسلمان ہوگئے، اور نبی کریم ﷺ نے اُن کو عمدہ تحائف اور انعامات دیے۔ ❶

---

❶ سیرۃ ابن کثیر: ۴/ ۷۹- ۸۷، ابن هشام: ۲/ ۵۶۰- ۵۶۸۔

امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے بنو تمیم کی فضیلت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے جب سے رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے بنو تمیم کے بارے میں تین باتیں سنی ہیں، اُن سے محبت کرنے لگا ہوں۔ آپ ﷺ نے اُن کے بارے میں فرمایا: یہ لوگ دجّال سے مزاحمت میں شدید ہوں گے۔ اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس اُن میں سے ایک لونڈی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! اسے آزاد کردو، یہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے، اور جب اُن کے صدقات آپؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے فرمایا: یہ میری قوم کے صدقات ہیں۔ ❶

۲۔ وفدِ بنی عامر:

اُنہی دنوں رسول اللہ ﷺ کے پاس بنو عامر کا وفد آیا، اُن میں عامر بن طفیل، اَربد بن قیس اور جبار بن سلمی بھی تھے، یہ تینوں اپنی قوم کے سرداران اور اُن کے شیاطین تھے۔ اللہ کے دشمن عامر بن طفیل نے رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ سے قتل کرنا چاہا، حالانکہ اس کی قوم نے اسے منع کیا تھا، اس لیے کہ وہ سب مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن اس مردود نے اصرار کیا اور اَربد بن قیس کے ساتھ مل کر سازش کی، لیکن اللہ دونوں کے لیے کافی ہوا، اللہ تعالیٰ نے عامر کو گردن کے طاعون میں مبتلا کر دیا، اور بالآخر بنی سلول کی ایک عورت کے گھر میں اللہ تعالیٰ نے اُسے ہلاک کر دیا، اور اَربد پر اللہ تعالیٰ نے صاعقہ (آسمانی بجلی) گرا دی جس نے اسے جلا کر خاکستر کر دیا۔

اسی عامر بن طفیل نے ستر (۷۰) قُرّاء کو دھوکہ دے کر قتل کر دیا تھا، اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ بنو عامر کے ساتھ آکر رسول اللہ ﷺ کو دھمکی دی اور کہا کہ میں تمہیں تین باتوں کے درمیان اختیار دیتا ہوں: تم شہر والوں کے حاکم ہو گے، اور میں بادیہ نشینوں کا، یا یہ کہ تمہارے بعد تمہارا خلیفہ میں بنوں گا، یا میں قبیلۂ غطفان اور اُن کے ہزار چتلے اونٹوں اور ہزار چتلی اونٹنیوں کے ساتھ تم سے جنگ کروں گا۔ بالآخر اس کا انجام یہ ہوا کہ ایک عورت کے گھر میں اسے نیزہ مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ ❷

مختصر یہ کہ بنو عامر کے بہت سے لوگ اسلام لے آئے، مطرّف بن عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بنو عامر کے وفد کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب ہم آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ کو سلام کیا اور کہا: آپ ہمارے آقا ہیں، آپ ہمارے سردار ہیں، اور آپ ہم سے کہیں زیادہ اَرفع و اَعلیٰ ہیں، آپ ہم سے کہیں زیادہ افضل ہیں، اور آپ ہی کریم الخصال ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی بات کہو، لیکن دیکھو، کہیں شیطان تمہیں اپنا آلۂ کار نہ بنا لے۔ آقا اور سید تو صرف اللہ ہے۔ ❸

۳۔ وفدِ عبدالقیس:

دلائل النبوۃ للبیہقی میں مزیدہ العصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک دن نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے دورانِ گفتگو فرمایا کہ عنقریب ادھر سے سواروں کی ایک جماعت آئے گی جو اہلِ مشرق کے بہترین لوگ ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر اس

---

❶ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤٣٦٦)، صحيح مسلم، فضائل الصحابة، حديث: (٢٥٢٥).

❷ صحيح البخاري، المغازي، حديث: (٤٠٩١).

❸ ابو داؤد، الأدب، حديث: (٤٨٠٦)، مسند احمد: ٢٥/٤، صحيح سنن أبي داؤد، حديث: (٤٠٢١).

جانب دیکھنے لگے، تو تیرہ سواروں کا ایک قافلہ آ رہا تھا۔ انہوں نے پوچھا: تم کون لوگ ہو؟ کہا: ہم بنی عبد القیس کے لوگ ہیں۔ انہوں نے پوچھا: کیا تم لوگ تجارت کی غرض سے آئے ہو؟ لوگوں نے کہا: نہیں۔ عمرؓ نے کہا: ابھی ابھی نبی کریم ﷺ نے تم لوگوں کا ذکر کیا ہے اور تمہارے بارے میں بہت اچھی بات کہی ہے، عمرؓ اُن کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور وفد والوں سے کہا: یہ ہیں رسول اللہ ﷺ جن سے ملنے کے لیے تم لوگ آئے ہو۔ یہ سنتے ہی وفد والے بڑی تیزی سے اپنی سواریوں سے اترے، اور کوئی چلنے لگا تو کوئی جھک کر چلنے لگا، اور کوئی تیز دوڑنے لگا، یہاں تک کہ بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور آپ کا دستِ مبارک پکڑ کر اسے چومنے لگے۔ اُن میں ایک "اشج" لقب کا جوان تھا جس نے پہلے اپنی اونٹنی کو بٹھایا، اپنے ساتھیوں کے اسباب و متاع کو جمع کیا، پھر چلتا ہوا آیا اور رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر اسے چومنے لگا۔ آپ ﷺ نے اس جوان سے فرمایا: تمہارے اندر دو خصلتیں ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہیں۔ اُس نے پوچھا: یہ اللہ کی طرف سے مجھ میں ودیعت کی گئی ہیں، یا میں نے خود کسب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی طرف سے ہیں۔ اُس نے کہا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھ میں ایسی خصلتیں پیدا کی ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول پسند فرماتے ہیں۔ ❶

وفد کا ایک آدمی جس کا نام زارع بن عامر یا ابن عمرو عبدی تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے ساتھ میرے ایک ماموں ہیں جنہیں کوئی بیماری ہے، آپ اُن کے لیے دعا کر دیجیے۔ آپؐ نے پوچھا: وہ کہاں ہے؟ اسے میرے پاس لے آؤ۔ زارع کہتے ہیں: میں نے اشج کی طرح کیا، ماموں کو دو کپڑے پہنائے، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا۔ آپ ﷺ نے ان کی چادر پکڑ کر اُٹھایا یہاں تک کہ اُن کے بغل کی سفیدی نظر آنے لگی، پھر اُن کی پیٹھ پر ایک ٹھوکر لگائی اور کہا: اے اللہ کے دشمن! نکل، ماموں نے اپنا چہرہ پھیر لیا اور ایک تندرست شخص کی طرح دیکھنے لگے۔ ❷

ابن سعد نے طبقات میں اور ابو یعلیٰ اور طبرانی نے سندِ جید کے ساتھ روایت کی ہے کہ: اشج وفد میں سب سے کم عمر اور بدشکل تھے۔ انہوں نے اپنی بدصورتی کو رسول اللہ ﷺ کی نظر میں بھانپ لیا، اور کہا: اے اللہ کے رسول! آدمی چمڑے کی خوبصورتی کا نام نہیں، آدمی اپنے جسم کی سب سے چھوٹی دو چیزوں کا نام ہے: اُس کا دل اور اس کی زبان۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اندر دو خصلتیں ہیں "بردباری اور اطمینان" انہیں اللہ اور اس کے رسول پسند فرماتے ہیں۔

آپ ﷺ نے اس کے بعد وفد سے مخاطب ہو کر فرمایا: بڑی خوشی کی بات ہے تمہارا آنا، نہ تم لوگ ذلیل و رسوا ہو گے اور نہ نادم ہو گے۔ پھر فرمایا: میں تمہیں ایمان باللہ کا حکم دیتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کیا ہے ایمان باللہ؟ گواہی دینی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دینی کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اور نماز پڑھنا اور زکاۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا، اور یہ کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے نکال دینا۔ اور میں تم لوگوں کو دُبّاء، حنتم، نقیر اور مزفت ❸ برتنوں کے استعمال سے روکتا ہوں۔ (کیونکہ کھجور اور انگور وغیرہ کو اِن برتنوں میں پانی کے ساتھ بھگو کر شراب بنائی جاتی ہے)۔ اشج نے کہا: اے اللہ کے

---

❶ دلائل البیھقی: ۵/ ۳۲۷۔

❷ سیرۃ ابن کثیر: ۴/ ۹۰۲۸۹، معجم کبیر طبرانی، حدیث: (۵۳۱۳، ۵۳۱۴)، ابو داؤد، الأدب، حدیث: (۵۲۲۵)۔

❸ دُبّاء: کدو کے خارجی چھلکے سے بنا برتن۔ حنتم: ایک ہرے رنگ سے رنگا ہوا برتن۔ نقیر: کھجور کی جڑ سے بنا برتن۔ مزفت: تارکول سے رنگا ہوا برتن۔

رسول! ہمارے علاقہ کی مٹی اچھی نہیں ہے، ہم اگر یہ شراب نہ پئیں تو ہمارے پیٹ بڑھ جائیں گے، اس لیے ہمیں ان کے استعمال کی اجازت دیجیے۔ اور اُس نے اپنے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا، تو آپ ﷺ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں سے اس کی طرف اشارہ کیا اور کہا: اے اشج! اگر میں تمہیں اُس کی اجازت دے دوں گا تو تم اِس کے مانند میں پینے لگو گے، اور آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا دیا، اور فرمایا: اور جب تمہارا کوئی شخص شراب میں دُھت ہو جائے گا تو اپنے چچازاد پر حملہ کر کے اس کی ٹانگ تلوار سے کاٹ ڈالے گا۔ ●

صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں ہے، اشج نے کہا: پھر ہم لوگ کس برتن میں پیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چمڑے کے مشکیزوں میں جن کے دہانے باندھ دیے جاتے ہیں۔ وفد والوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے علاقہ میں چوہے بہت ہوتے ہیں، وہ چمڑے کے مشکیزوں کو کاٹ ڈالتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگرچہ چوہے انہیں کاٹ دیں، اگرچہ چوہے انہیں کاٹ دیں، اگرچہ چوہے انہیں کاٹ دیں۔

وفد میں جارود عبدی نام کا ایک آدمی تھا جو نصرانی تھا، اس نے اسلام قبول کیا، اور مخلص مسلمان بن گیا۔ اس شخص نے بیعت کے وقت نبی کریم ﷺ سے کہا: میں نے اپنا دین چھوڑ دیا، اور آپ کے دین میں داخل ہو گیا، تو کیا اب اللہ مجھے آخرت میں عذاب نہیں دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، نہیں دے گا۔ ●

بنی عبدالقیس کی خیر کی طرف سبقت اور ان کے اخلاص کا نتیجہ تھا کہ مسجد رسول اللہ ﷺ میں اقامتِ جمعہ کے بعد پہلا جمعہ انہی کی مسجد میں پڑھا گیا جو بحرین میں مقامِ جواثی میں بنائی گئی تھی۔ ●

ظہر کے بعد کی دو رکعتیں:

وفدِ عبدالقیس کی آمد کی وجہ سے رسول کریم ﷺ مشغول ہو گئے، اسی لیے ظہر کے بعد کی دو رکعتیں نماز عصر کے بعد پڑھ سکے۔ اور ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں پوچھا تو فرمایا: بنو عبدالقیس کے کچھ لوگ اسلام لانے کے لیے آئے تھے، انہوں نے مجھے ظہر کے بعد کی دونوں رکعتوں سے مشغول کر دیا تھا۔ یہ دونوں رکعتیں وہی ہیں۔ ●

۴۔ وفدِ بنی سعد بن بکر:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم لوگ مسجدِ نبوی میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک آدمی اونٹ پر سوار مسجد میں آیا، اونٹ کو بٹھایا، اسے باندھا، پھر مخاطب ہو کر پوچھا: آپ لوگوں میں سے محمد (ﷺ) کون ہیں؟ اُس وقت نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ صحابہ نے کہا: یہ گورے آدمی جو ٹیک لگائے ہوئے ہیں۔ اس آدمی نے آپ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ ہی ابن عبدالمطلب ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

● طبقات ابن سعد: ۱۰/ ۳۱۴؛ مسند احمد: ۳/ ۴۳۲، ۴/ ۲۰۶؛ السیرۃ لابن کثیر: ۴/ ۸۷-۹۲۔

● مسند ابو یعلی، حدیث: (۹۱۸)، ہیثمی نے لکھا ہے کہ اس کے رجال ثقات ہیں۔

● صحیح البخاری، الجمعۃ، حدیث: (۸۹۲)، المغازی، حدیث: (۴۳۷۱)، ابو داؤد، الصلاۃ، حدیث: (۱۰۶۸)۔

● صحیح البخاری، السھو، حدیث: (۱۲۳۳)، المغازی، وفد عبد القیس، حدیث: (۴۳۷۰)، صحیح مسلم، صلاۃ المسافر، حدیث: (۸۳۴)، ابو داؤد، الصلاۃ، حدیث: (۱۲۷۳)۔

اُس آدمی نے کہا: میں آپ سے پوچھوں گا، اور سخت انداز میں پوچھوں گا۔ آپ بُرا نہ ملیے گا۔ آپؐ نے فرمایا: جو پوچھنا چاہو پوچھو۔ اُس نے کہا: میں آپ سے آپ کے رب اور آپ سے پہلوں کے رب کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انسانوں کا رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اُس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ نے آپ کو دن اور رات میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اُس نے کہا: میں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اُس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمارے مالداروں سے زکاۃ لینے کا حکم دیا ہے، تاکہ اسے ہمارے فقیروں میں تقسیم کر دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اُس نے کہا: میں اُس دین پر ایمان لے آیا جسے آپ لے کر آئے ہیں، اور میں اپنی قوم کے لوگوں کا قاصد ہوں۔ میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے، اور میں بنی سعد بن بکر سے تعلق رکھتا ہوں۔ ❶

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ آدمی اپنے اونٹ کی طرف لوٹ گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر دو چوٹیوں والا یہ آدمی سچا ہے تو جنت میں داخل ہوگا۔ پھر وہ شخص اپنے اونٹ کے پاس آیا، اس کی رسّی کھولی اور نکل گیا۔ اور جب اپنی قوم کے پاس آیا تو سب اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اُس نے پہلی بات یہ کہی: بُرا ہو لات وعزّیٰ کا۔ اس کی قوم کے لوگوں نے کہا: ایسا نہ کہو اے ضمام! ڈرو برص وجذام سے، ڈرو جنون سے۔

اس نے کہا: اللہ کی قسم! یہ دونوں بُت نہ نفع پہنچاتے ہیں نہ نقصان۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بھیج دیا ہے، اور اُن پر اپنی کتاب نازل کر دی ہے جس کے ذریعہ اُس نے تم سب کو اس اندھیرے سے نکال دیا ہے جس میں تم لوگ بھٹک رہے تھے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اُن کے پاس سے وہ باتیں سیکھ کر آیا ہوں جن کا وہ حکم دیتے ہیں اور جن سے وہ روکتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اُس دن شام تک وہاں کوئی مرد یا عورت نہیں تھی جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔ نیز کہتے ہیں: ہم نے ضمام بن ثعلبہ سے زیادہ افضل قاصد کسی کو اپنی قوم کے لیے نہیں سنا۔ ❷

۵۔ وفدِ نجران:

بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے روایت کی ہے، یونس نے کہا، جو نصرانی تھا، اور مسلمان ہو گیا تھا، کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران کو ابراہیم واسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے اللہ کے نام سے لکھا، اما بعد: میں تم لوگوں کو بندوں کی عبادت چھوڑ کر اللہ کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں، اور میں تم لوگوں کو بندوں کی حاکمیت کے بجائے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی طرف بلاتا ہوں، اور اگر انکار کرو گے تو جزیہ دینا ہوگا، اور اگر جزیہ دینے سے انکار کرو گے تو تمہیں جنگ کی خبر دیتا ہوں۔ والسلام۔

---

❶ البخاري، العلم، حديث: (٦٣)، مسلم، الإيمان، حديث: (١٢)، ابوداود، الصلاة، حديث: (٤٨٦) وغیرهم.

❷ ابو داود، الصلاة، حديث: (٤٧٨)، مسند احمد: (١/ ٢٦٤)، مستدرك الحاكم: (٣/ ٥٤، ٥٥)، امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے اور ذہبی رحمہ اللہ نے تائید کی ہے۔

اس خط کو پادریوں نے نجران کے اصحاب عقل و خرد نصاریٰ کے سامنے پیش کیا، پھر سب نے مل کر اتفاق کیا کہ وہ ایک وفد مدینہ بھیجیں تو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں معلومات جمع کر کے لائے۔ یہ وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور آپ ﷺ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پوچھا۔ آپ ﷺ نے اُن سے کہا: آج یہاں قیام کرو اور کل آؤ تاکہ میں تمہیں عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ بات بتاؤں جو مجھے بذریعہ وحی بتائی جائے گی۔ چنانچہ کل صبح اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾﴾

[آل عمران: ٥٩-٦١]

"بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال ہے، اُسے مٹی سے پیدا کیا پھر کہا کہ ہو جا، تو وہ ہو گیا۔ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق بات ہے، اس لیے آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیے۔ پس جو کوئی آپ سے اس بارے میں آپ کے پاس علم آ جانے کے بعد جھگڑے، تو کہہ دیجیے کہ آؤ ہم اور تم اپنے اپنے بیٹوں کو، اور عورتوں کو، اور اپنے آپ کو اکٹھا کر لیں، پھر عاجزی کے ساتھ دعا کریں، اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔"

وفد کے لوگوں نے اس عقیدہ کا اعتراف کرنے سے انکار کر دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اُن سے مباہلہ کرنا چاہا، لیکن انھوں نے اس کا بھی انکار کر دیا، اور نصرانیت پر باقی رہتے ہوئے جزیہ دینے کی رضامندی ظاہر کی۔ تیسرے دن آپ ﷺ نے ان کو صلح نامہ لکھ کر دیا، اس شرط پر کہ وہ دو ہزار جوڑے (کپڑے) سالانہ دیا کریں گے۔ ایک ہزار ماہِ رجب میں، اور ایک ہزار ماہِ صفر میں، اور ہر جوڑے کے ساتھ ایک اوقیہ۔ اور آپ ﷺ نے ان کو اللہ اور اللہ کے رسول کا عہد دیا، اور اُن کو ان کے دین پر پوری آزادی کے ساتھ رہنے دیا۔ اس کے بعد وہ لوگ صلح نامہ کے ساتھ نجران واپس چلے گئے۔

امام بخاری و مسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نجران کے دو پادری عاقب اور سید رسول اللہ ﷺ کے پاس مباہلہ کے لیے آئے۔ اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ایسا نہ کرو، اللہ کی قسم! اگر یہ نبی ہے اور ہم نے مباہلہ کیا تو ہم کبھی بھی کامیاب نہیں ہوں گے اور ہمارے بعد ہماری کوئی اولاد باقی نہیں رہے گی۔ بالآخر دونوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ ہم جزیہ دیا کریں گے۔ ہمارے پاس کسی امانت دار آدمی کو بھیج دیجیے۔ دیکھیے امانت دار کو ہی بھیجیے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے پاس امانت دار کو ہی بھیجوں گا۔ صحابہ کرام اپنی گردنیں اٹھانے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوعبیدہ بن الجراح اٹھو۔ جب وہ کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اس امت کا امین ہے۔ ❶

امام مسلم نے مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے نجران بھیجا تھا۔ ❷ اور ابن اسحاق نے لکھا ہے: رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اہلِ نجران کی زکاۃ اور جزیہ جمع کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ ❸

---

❶ صحيح البخاري، فضائل الصحابة، حديث: (٣٧٤٥، ٤٣٨٠، ٤٣٨١)، صحيح مسلم، الفضائل، حديث: (٢٤٢٠) وغيرهما

❷ صحيح مسلم، الآداب، حديث: (٢١٣٥). ❸ دلائل البيهقي: ٥/ ٣٩٤.

تاکہ وہاں کے مسلمانوں کی زکاۃ اور نصرانیوں کا جزیہ جمع کرکے رسول اللہ ﷺ کے پاس لائیں۔

اسلام نے اس طرح عرب نصرانیوں کا ربط و تعلق رومی حکومت سے کاٹ کر حکومتِ اسلامیہ سے جوڑ دیا، اور مسلمانوں کی پشت کی طرف سے دشمنوں کے خطرے کو ٹال دیا۔

اِن کارروائیوں کے بعد نجران کے علاقہ میں اسلام اُن صحابہ کرامؓ کے ذریعہ تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا جو وہاں مختلف کاموں سے پہنچ گئے تھے، اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا علاقہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ عاقب اور سیّد دونوں مدینہ منورہ سے واپس جانے کے بعد اسلام لے آئے تھے، اور ان کے اسلام لانے کا بھی یہ اثر ہوا کہ تمام اہلِ نجران مسلمان ہوگئے۔

۶۔ وفدِ بنی حنیفہ:

سریہ محمد بن مسلمہ (جسے رسول اللہ ﷺ نے بلادِ نجد کے بنی بکر کے پاس سن ۶ ہجری کی ابتداء میں بھیجا تھا) کی خبروں کے ضمن میں پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مجاہدین صحابہ نے اس سریہ سے واپسی میں بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کرلیا تھا، اور اسے مدینہ لے آئے تھے، اور رسول اللہ ﷺ نے اسے مسجدِ نبوی کے ایک ستون سے باندھ دینے کا حکم دیا تھا، اور اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان بات ہوئی جس کے بعد آپ ﷺ نے اسے آزاد کردیا، وہ مسجد کے قریب ہی ایک باغ میں گیا، نہایا اور پھر مسجد میں واپس آگیا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کردیا۔ ❶

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام بنو حنیفہ والوں کے پاس فتحِ مکہ سے پہلے پہنچ چکا تھا، اس لیے کہ ثمامہ اسلام لانے کے بعد عمرہ کے لیے سیدھا مکہ مکرمہ گئے، وہاں مشرکینِ مکہ نے انہیں اسلام لانے پر عار دلائی، تو انہوں نے اُن کو دھمکی دی کہ وہ انہیں ایک دانہ بھی گیہوں رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر نہیں دے گا۔

لیکن ایسا لگتا ہے کہ اُن میں سے اکثر لوگ اب تک شرک پر مُصر تھے، اور جب اسلام کا غلبہ ہوا، اور ہر طرف اس کا بول بالا ہوا تو وہ لوگ دیگر قبائلِ عربیہ کی طرح مدینہ منورہ آکر اسلام کا اعلان کرنے پر مجبور ہوگئے۔

بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بنی حنیفہ کا وفد آیا، اُن میں مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ یہ وفد بنی نجار کی ایک انصاری عورت کے گھر میں ٹھہرا تھا۔ لوگ مسیلمہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس اس طرح لے کر آئے کہ اسے کپڑے سے چھپایا جا رہا تھا، اور رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اُس وقت آپ ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک لکڑی تھی۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو اس کے لوگ اسے کپڑے کے ذریعہ چھپا رہے تھے۔ اس نے آپ ﷺ سے بات کی اور کہا کہ نصف حاکمیت اس کے لیے ہوگی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم یہ لکڑی بھی مانگو گے جو میرے ہاتھ میں ہے تو میں تمہیں نہیں دوں گا۔

اس روایت میں آیا ہے کہ بلحون نے اپنے ارتداد اور اپنی نبوت کا اعلان کردیا اور کہا: مجھے اس کام میں محمد (ﷺ) کے ساتھ شریک بنا دیا گیا ہے، اس کے بعد وہ مسجع عبارتیں سنانے لگا اور قرآن کا مقابلہ کرنے لگا۔

---

❶ دیکھئے: صحیح البخاری، المغازی، حدیث ثمامہ بن أثال: (۴۳۷۲)، صحیح مسلم، الجہاد والسیر، حدیث: (۱۷۶۴)، واقعہ ثمامہ بن اثال میں اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ مسیلمہ نے رسول اللہ ﷺ کو مندرجہ ذیل خط لکھا:

"مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام۔ سلام علیک، اما بعد: میں تمہارا شریک بنا دیا گیا ہوں، اب آدھا کام میرے ذمہ ہے اور آدھا قریش کے ذمہ۔ لیکن قریش کے لوگ زیادتی کر رہے ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ خط لے کر اس کے دو قاصد آئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے مسیلمہ کو مندرجہ ذیل جواب لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ کی جانب سے مسیلمہ جھوٹے کے نام۔ اللہ کی سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی اتباع کی۔ اما بعد: بے شک زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے، اور آخرت کی کامیابی اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہے۔"

یہ خط سن ۱۰ ہجری کے آخر میں آپ ﷺ نے لکھا تھا۔

نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب مسیلمہ کذاب کے دونوں قاصد اس کا خط لے کر آئے تو میں نے آپ کو ان دونوں سے کہتے سنا: کیا تم دونوں بھی اسی جیسی بات کرتے ہو؟ دونوں نے کہا: ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا ہے تو میں تم دونوں کی گردنیں مار دیتا۔ ❶

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ مسیلمہ کذاب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں آیا تو کہنے لگا: اگر محمد (ﷺ) اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ بنا دے گا تو میں اس کی پیروی کروں گا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی قوم کے بہت سے لوگوں کے ساتھ آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے، آپ ﷺ کے ساتھ اس وقت ثابت بن قیس بن شماس تھے، اور آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک لکڑی تھی، مسیلمہ اس وقت اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم مجھ سے لکڑی کا یہ ٹکڑا بھی مانگو گے تو نہیں دوں گا۔ اور تم اپنے بارے میں اللہ کے فیصلہ سے تجاوز نہیں کر سکتے ہو، اور اگر تم میری دعوت سے منہ پھیر لو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کر دے گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے نیند کی حالت میں اپنے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیکھے، میں سوچ میں پڑ گیا، تو خواب ہی میں مجھ پر وحی ہوئی کہ اُن دونوں پر پھونک ماروں، پھونک مارتے ہی دونوں اُڑ گئے۔ میں نے تعبیر یہ نکالی کہ میرے بعد دو کذاب ظاہر ہوں گے، ایک عنسی اور دوسرا مسیلمہ۔

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں سویا تھا تو میرے پاس زمین کے خزانے لائے گئے، میرے دونوں ہاتھوں میں اُن میں سے دو کنگن ڈال دیے گئے، دونوں میرے ہاتھوں میں بڑے ہو گئے، اور مجھے فکر مند بنا دیا۔ پھر مجھے وحی آئی کہ میں اُن دونوں پر پھونک ماروں، میں نے پھونک ماری تو وہ دونوں غائب ہو گئے، میں نے اس کی تعبیر یہ نکالی کہ یہ دو کذاب ہیں جن کے درمیان میں ہوں، صنعاء کا کذاب اور یمامہ کا کذاب۔ ❷

---

❶ دلائل البیہقی: ۵/ ۳۳۲، سنن ابی داود، حدیث: (۲۷۶۱)، یہ حدیث صحیح سنن ابی داود الالبانی میں ہے۔ مسند احمد: ۳/ ۴۸۷، ۴۸۸۔

❷ البخاری، المغازی وفد بنی حنیفہ حدیث: (۴۳۷۳، ۴۳۷۴، ۴۳۷۵)، صحیح مسلم الرؤیہ رؤیا النبی، حدیث: (۲۲۷۳، ۲۲۷۴)۔

صنعاء کا کذاب اسود عنسی تھا جسے فیروز دیلمی نے قتل کر دیا، اور مسیلمہ کذاب کو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اہل ارتداد کے خلاف جنگ یمامہ میں وحشی نے قتل کر دیا۔ اور یوں اللہ عزوجل نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دکھایا، دونوں جھوٹوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے ارتداد کا اعلان کیا تو اللہ نے دونوں پر اپنے نبی ﷺ کے اصحاب کو مسلط کر دیا جنہوں نے دونوں کو قتل کر دیا، اور دونوں پر پھونک مارا تو غائب ہو گئے۔

۷۔ وفد قبیلۂ طی:

بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ قبیلۂ طی کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اُن میں ایک آدمی زید الخیل نام کا تھا۔ جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آئے اور آپ ﷺ سے بات کی تو آپ ﷺ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور مخلص مسلمان بن گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عربوں میں سے آج تک کسی کی بھی خوبی میرے سامنے بیان کی گئی، اور پھر وہ شخص میرے سامنے آیا تو اُسے اُس سے کم پایا جتنی اُس کی تعریف کی گئی، سوائے زید الخیل کے، اِس کی اُتنی تعریف نہیں کی گئی جتنی تعریف کا وہ مستحق تھا۔ آپ ﷺ نے پھر اس کا نام زید الخیر رکھ دیا، اور اسے بہت سارے تحائف اور زمین وجائداد سے نوازا، اور ان عطیات کی ایک سند لکھ کر دی۔

سن ۹ ہجری کے واقعات کے ضمن میں عدی بن حاتم کے فرار ہونے، اس کی بہن (سفانہ) کے پکڑے جانے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کے لائے جانے کی تفصیل گزر چکی ہے، نیز اس ضمن میں یہ بات بھی آ چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفانہ کو آزاد کر دیا، اسے جوڑا دیا، اور زادِ سفر دیا، وہاں سے وہ سفر کر کے اپنے بھائی کے پاس بلادِ شام گئی اور اسے رسول اللہ ﷺ سے ملنے کا مشورہ دیا، چنانچہ عدی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اسلام قبول کر لیا۔ ❶

۸۔ وفد کندہ:

بیہقی نے روایت کی ہے کہ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ قبیلۂ کندہ کے اسّی (۸۰) یا ساٹھ (۶۰) افراد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، سب کے سب مسجد نبوی میں داخل ہو گئے، سب نے اپنے بالوں میں کنگھی کر رکھی تھی، سرمہ ڈالا ہوا تھا، اور ریشم کے بنے آستینوں والے جبے پہن رکھے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے اُن سے فرمایا: کیا تم لوگ ابھی تک اسلام نہیں لائے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم نے یہ لوہے اپنی گردنوں میں کیوں لٹکا رکھے ہیں؟ انہوں نے ان کو نکال پھینکا۔ ❷

۹۔ وفد قبیلۂ اشعر:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابھی تمہارے پاس ایسے لوگ آئیں گے جو تم سے زیادہ نرم دل والے ہیں۔ اس کے بعد ہی یمن کے قبیلۂ اشعر کے لوگ آئے، اُن میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ لوگ

---

❶ دیکھئے: زاد المعاد: ۳/ ۴۹۴، دلائل البیہقی: ۵/ ۳۳۷، ۳۳۸، السیرۃ النبویۃ لابن کثیر: ۴/ ۱۲۱، اور اس کے بعد۔

❷ دلائل بیہقی: ۵/ ۳۶۹، ۳۷۰، زاد المعاد: ۳/ ۴۹۴، ۲۹۵۔

جب مدینہ منورہ کے قریب آئے تو رجز یہ اشعار پڑھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے: کل ہماری ملاقات اپنے پیاروں، محمد ﷺ اور ان کی جماعت سے ہوگی۔ ❶

جب یہ لوگ نبی کریم ﷺ سے ملے تو آپ ؐ نے غایت درجہ اُن کی تعریف کی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس اہلِ یمن آئے ہیں، یہ لوگ سب سے زیادہ نرم اور گداز دل والے ہیں۔ ایمان یمانی ہے، حکمت یمانی ہے، اور فخر اور اترانا اونٹ والوں میں ہوتا ہے، اور سکون و وقار بکری پالنے والوں میں ہوتا ہے۔ ❷

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم لوگ مکہ کے راستہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ اچانک ہمارے سامنے سانولے رنگ کے اونٹ آگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابھی تمہارے پاس اہلِ یمن پہنچیں گے بادلوں کی مانند۔ یہ لوگ زمین میں سب سے اچھے لوگ ہیں۔ ایک انصاری صحابی نے پوچھا: کیا ہم لوگوں سے بھی اچھے ہیں اے اللہ کے رسول؟ آپ ﷺ خاموش رہے۔ صحابی نے دوبارہ پوچھا، آپ ﷺ خاموش رہے۔ جب تیسری بار پوچھا تو آپ ﷺ نے دھیمی آواز میں فرمایا: ہاں تمہارے سوا۔ ❸

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بنی تمیم کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ؐ نے فرمایا: بنی تمیم کے لوگو! تمہیں خوشخبری دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا: آپ نے خوشخبری دی ہے تو اب ہمیں کچھ دیجیے، یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک بدل گیا۔ اس کے بعد اہلِ یمن آئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: بنی تمیم نے تو خوشخبری قبول نہیں کی، تم لوگ قبول کرلو۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے قبول کرلی۔ ❹

صحیحین اور دیگر کتبِ احادیث میں ثابت شدہ یہ حدیثیں قبیلۂ اشعر کے وفد کی بالخصوص اور اہلِ یمن کی بالعموم فضیلت کی دلیلیں ہیں۔ ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث آتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایمان یہاں ہے، اور یمن کی طرف اشارہ فرمایا، اور بد خلقی اور دل کی سختی فدادین میں ہے (یعنی اُن لوگوں میں جو کرخت اور تیز آواز والے، اور بہت سارے اونٹوں اور مال و جائداد والے ہوتے ہیں) جو اونٹوں کی دُموں کے پاس رہتے ہیں، جہاں سے شیطان کی دو سینگیں برآمد ہوں گی، یعنی نجد کے قبیلۂ ربیعہ اور مضر کے لوگ۔ ❺

---

❶ مسند احمد: ۱۰۵/۳، ۱۵۵، ۱۸۲، ۲۱۲، ۲۲۳، ۲۵۱، ۲۶۲، اس کی سند صحیح ہے۔ البخاری الأدب المفرد: (۹۶۷)، الصحیحۃ للألبانی: (۵۲۷)۔

❷ البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۸۸)، صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: (۵۲) وغیرھما۔

❸ مسند احمد: ۸۴/۴، معجم طبرانی: (۴۷۰۲)، مجمع الزوائد هیثمی: (۵۵/۱۰)، اس کی سند حسن ہے۔

❹ البخاری، بدء الخلق، حدیث: (۳۱۹۰، ۳۱۹۱)، المغازی، حدیث: (۴۳۶۵، ۴۳۸۶)، التوحید: (۷۴۱۸)، ترمذی، مناقب (۳۹۵۱)۔

❺ البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۸۷)، مسلم، الإیمان، حدیث: (۵۱)، مسند احمد: ۲۳۵/۲، ۲۵۲، ۲۵۸، ابن منده الإیمان، حدیث: (۴۲۷)۔

۱۰۔ وفد مُزَینہ:

نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم قبیلۂ مُزینہ کے چار سو افراد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، تو آپ ﷺ نے ہمارے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کوئی حکم دیا۔ بعض زائرین نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس زادِ راہ نہیں ہے۔ تو آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انہیں زادِ راہ دے دو۔ انہوں نے کہا: ہمارے پاس کچھ کھجوریں ہیں، جو شاید اِن کے لیے کافی نہیں ہوں گی۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: جاؤ، انہیں زادِ راہ دے دو۔ عمر رضی اللہ عنہ ہمیں لے کر ایک اونچی جگہ گئے، وہاں سانولے اونٹ کی مانند کھجوروں کا ڈھیر تھا۔ انہوں نے وفد والوں سے کہا: لے لو۔ انہوں نے اپنی حاجت کے مطابق لے لیا۔ نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہماری باری آخر میں آئی، دیکھا تو ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی تھی، حالانکہ چار سو لوگوں نے اپنی حاجت کے مطابق کھجوریں لے لی تھیں۔ ❶

۱۱۔ وفد بنی عُذرہ:

عُذرہ یمن میں قضاعہ سے متفرع ایک قبیلہ ہے۔ یہ وفد ماہِ صفر ۹ ہجری میں آیا تھا۔ یہ لوگ بارہ آدمی تھے، اُن میں جمرہ بن نعمان بھی تھا۔ جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے اُن سے پوچھا؟ تم کون لوگ ہو؟ تو اُن کے متکلم نے کہا: ہم لوگ آپ کے نزدیک غیر معروف نہیں ہیں۔ ہم بنو عذرہ ہیں، قُصی کی ماں کی طرف سے اُس کے بھائی۔ ہم ہی لوگوں نے قُصی کی مدد کی تھی، اور قضاعہ اور بنی بکر کو مکہ سے نکال باہر کیا تھا، آپ سے ہماری قرابت داریاں اور صلہ رحمیاں ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم لوگوں کو مرحبا اور اھلا کہتا ہوں، میں تو تم لوگوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ لوگ اِس گفتگو کے بعد مسلمان ہوگئے، اور رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں فتح شام اور ہرقل کے وہاں سے بھاگ کر اپنے خاص علاقہ میں چلے جانے کی خبر دی، اور آپ ﷺ نے انہیں کاہنوں سے سوال کرنے اور اُن کے مخصوص ذبائح سے منع فرمایا، اور انہیں بتایا کہ اُن پر صرف قربانی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اُن کو اجازت دی تو وہ اپنے گھر چلے گئے۔ ❷

۱۲۔ وفد بنی فزارہ:

یہ وفد نبی کریم ﷺ کی تبوک سے واپسی کے بعد سن ۹ ہجری میں آیا تھا، یہ لوگ اسلام کا اقرار پہلے سے کر چکے تھے، اور ان کے علاقہ میں خشک سالی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے ان کے علاقہ و دیار کے بارے میں پوچھا تو اُن میں سے ایک نے کہا: ہمارے علاقہ سے پودے ختم ہوگئے، ہمارے چوپائے ہلاک ہوگئے، پورا علاقہ قحط سالی کی زد میں ہے، اور ہمارے بال بچے بھوکے ہیں۔ دعا کیجیے کہ اللہ بارش بھیج دے، اور اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کر دیجیے، اور آپ کا رب آپ کے نزدیک ہماری سفارش کر دے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ، کتنی بُری بات تم نے کہی ہے، میں اپنے رب عز وجل کی جناب میں شفاعت کروں گا، کون ہے جس کے پاس ہمارا رب سفارش کرے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ

---

❶ مسند احمد: ۵/۴۴۵، اس کی سند حسن ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد: ۸/۳۰۵، میں لکھا ہے کہ اسے احمد و طبرانی نے روایت کی ہے، اور اس کے رجال حدیث صحیح کے رجال ہیں۔

❷ عیون الاثر: ۲/۳۱۵، ابن سعد: ۱/ ۳۳۱.

صاحب علو اور صاحب عظمت ہے، اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو اپنی وسعت میں لیے ہوئی ہے۔ یہ آسمان و زمین اس کی عظمت وجلال سے ایسے چرچراتے ہیں جیسے نیا کجاوہ۔

اس کے بعد آپ ﷺ منبر پر چڑھے، اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر بارش کے لیے دعا کی، اور اللہ نے اس وفد کے علاقہ میں موسلا دھار رحمت کی بارش بھیج دی۔ ❶

۱۳۔ شاہانِ حمیر کا قاصد:

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ماہِ رمضان سن ۹ ہجری میں ملوک حمیر کا قاصد مالک بن مُرّہ رہاوی آیا۔ وہ شاہان حارث بن عبد کلال، نعمان حاکم ذی رُعین، اور معافر اور ہمدان تھے۔ اِن بادشاہوں نے رہاوی کو اپنے اسلام لانے کی خبر اور شرک اور اہلِ شرک سے اپنے اعلانِ براءت کے لیے بھیجا تھا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اُن کو ایک خط بھیجا جس میں آپ ﷺ نے اُن کے حقوق وواجبات لکھ بھیجے، اور غیر مسلم ذِمّیوں کو اللہ اور اس کے رسول کے عہد وذمّہ کی خبر دی جب تک وہ جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کے علاقہ میں دعوتِ دین کے لیے چند صحابہ کو بھیجا، اور اُن کا امیر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو متعین کیا۔

آپ ﷺ نے زُرعہ ذی یزن کو مندرجہ ذیل خط لکھا:

"اما بعد! محمد نبی نے زرعہ ذی یزن کو یہ لکھ بھیجا ہے کہ جب تمہارے پاس میرے قاصد آئیں، تو میں تمہیں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ میرے وہ قاصد معاذ بن جبل، عبداللہ بن زید، مالک بن عبادہ، عقبہ بن نمر اور مالک بن مرارہ اور اُن کے اَصحاب ہیں۔ تم لوگ اپنی زکاۃ اور ذِمّیوں کا جزیہ جمع کرکے میرے نمائندوں کے پاس پہنچادو، اور نمائندوں کا امیر معاذ بن جبل ہے۔ تو دیکھو وہ تمہارے پاس سے ناراض نہ واپس آئے۔

اما بعد! بے شک محمد گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ مالک بن مُرّہ اور رہاوی نے مجھے بتایا ہے کہ تم حمیر میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے ہو اور تم نے مشرکوں کو قتل کیا ہے، تو میں تمہیں خیر کی بشارت دیتا ہوں، اور حمیر والوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کا حکم دیتا ہوں، اور دیکھو تم لوگ خیانت نہ کرنا، اور اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں سُستی نہ کرنا، بے شک اللہ کے رسول تمہارے مالدار وفقیر کے آقا ہیں، اور زکاۃ محمد اور آلِ محمد کے لیے حلال نہیں ہے، زکاۃ فقیر مسلمانوں اور مسافروں پر خرچ کی جاتی ہے، اور مالک نے ساری بات بتائی ہے، اور راز کی حفاظت کی ہے، اس لیے میں تمہیں اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ اور میں نے تمہارے پاس اپنے نیک، دیندار اور اہلِ علم اصحاب کو بھیجا ہے، میں تمہیں اُن کے ساتھ اچھے معاملہ کا حکم دیتا ہوں، لوگوں کی اُن پر نگاہیں لگی ہیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔" ❷

---

❶ عیون الأثر: ۲/ ۳۱۱، ابوداؤد نے اس کے قریب ایک حدیث روایت کی ہے۔ حدیث: (۴۷۲۶).

❷ سیرۃ ابن کثیر: ۴/ ۱۴۵، عیون الأثر: ۲/ ۳۰۳.

۱۴۔ وفد ہمدان:

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد سن ۹ ہجری میں ہمدان کا وفد آیا۔ اُس میں مالک بن نمط، مالک بن ایفع، ضمام بن مالک سلمانی اور عمیرہ بن مالک خارفی تھے۔ یہ لوگ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو یمانی چادریں اور عدنی عمامے پہنے ہوئے تھے اور مہری اور اَرحبی سواریوں پر سوار تھے۔ مالک بن نمط نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک شعر پڑھا، اور رسول اللہ ﷺ کو اچھے اور فصیح کلام کے ذریعہ یاد کیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک خط لکھ کر دیا جس میں آپ ﷺ نے ان کے لیے ان چیزوں کی صراحت کر دی تھی جو آپ ﷺ نے اُن کو دی تھیں۔ اور آپ ﷺ نے مالک بن نمط کو اس کی قوم کے مسلمانوں کا امیر بنا دیا۔ اور آپ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس علاقہ میں بھیجا تا کہ وہ عام لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ وہ وہاں دعوت کا کام چھ ماہ تک کرتے رہے، لیکن کسی نے قبول نہیں کیا، پھر آپ ﷺ نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ خالد رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیں۔ علی رضی اللہ عنہ ہمدان آئے، اور وہاں کے لوگوں کے سامنے آپ ﷺ کا ایک خط پڑھ کر سنایا، اور انہیں اسلام کی دعوت دی تو وہ سب کے سب اسلام لے آئے، اور علی رضی اللہ عنہ نے خط بھیج کر رسول اللہ ﷺ کو یہ خوشخبری سنائی۔ آپ ﷺ کے سامنے خط پڑھا گیا، تو آپ سجدہ میں گر گئے، پھر سر اٹھایا تو فرمایا: اللہ کی سلامتی ہو ہمدان پر، اللہ کی سلامتی ہو ہمدان پر۔ ❶

۱۵۔ حاکم مَعان کا قاصد:

بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ فروہ بن عمرو حاکم معان نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ وہ اسلام لے آیا ہے، اور آپ ﷺ کے لیے ایک سفید خچر بطور ہدیہ بھیجا، فروہ رومیوں کی طرف سے اپنے آس پاس کے عربوں پر حاکم تھا۔ اس کا علاقہ معان اور قرب و جوار میں شام کی سرزمین تھی۔ جب اہل روم کو اس کے اسلام لانے کی خبر ہوئی تو اُسے بُلا بھیجا، اور پکڑ کر قید میں ڈال دیا۔ جب رومی اسے تختۂ دار پر چڑھانے کے بعد جمع ہوئے تو اس نے ایک شعر کہا جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی سردارِ مسلمین کو خبر کر دے کہ میں نے اپنی ہڈیاں اور اپنے تختۂ دار پر لٹکائے جانے کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔

اس کے بعد ظالم رومیوں نے ان کی گردن ماردی اور فلسطین میں عفری نامی اپنے ایک تالاب کے کنارے انہیں لٹکا دیا۔ اللہ اُن پر رحمتوں کی بارش کرے، اُن سے راضی ہو جائے، اور جنت اُن کا مقام بنائے۔ ❷

یہ ہیں بعض اُن وفود کی خبریں جو سن نو اور دس ہجری میں مدینہ آئے، وفود سے متعلق آغاز تحریر میں ہی میں نے لکھا ہے کہ ان وفود کی تعداد تقریباً ستر (۷۰) تھی، یہاں میں نے چند کا بطور نمونہ ذکر کیا ہے۔ ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ وفود جزیرۂ عرب کے تمام اطراف و جوانب سے آ آ کر نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنے اسلام اور اطاعت و تابعداری کا اعلان کرتے رہے، اس لیے کہ اب تمام اہالیانِ جزیرہ کو یقین ہو گیا تھا کہ بخوشی یا بے خوشی حکومتِ اسلامیہ کے لیے اپنی اطاعت و فرمانبرداری کے اعلان کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔

---

❶ البخاری، المغازی، حدیث: (۴۳۴۹)، عیون الأثر: ۲/ ۲۰۷، سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۵۹۷، ۵۹۸.

❷ دلائل البیہقی: ۵/ ۴۰۹، سیرۃ ابن کثیر: ۴/ ۱۶۷، ۱۶۸، طبقات ابن سعد: ۱/ ۳۵۴.

ان عربوں نے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد جب عقیدۂ اسلامیہ اور احکام شرعیہ کا نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے ذریعہ علم حاصل کیا تو جو لوگ آغاز ہی سے برضا ورغبت مسلمان ہوئے تھے ان کے ایمان وعقیدہ میں پختگی آئی، اور جن سخت دل اور بدخو دیہاتیوں نے اپنے سرداروں کی پیروی کرتے ہوئے یا اپنی زندگی اور مال ومتاع اور گھر بار کو بچانے کے لیے اسلام کا اعلان کیا تھا انہیں بھی اسلام کی صداقت کا یقین ہونے لگا۔ اور یقیناً اُن کے حالات میں یہ خوش آئند تبدیلی ان کے حال پر اللہ کا رحم وکرم تھا۔ اب وہ تمام اصنام زمین بوس ہو گئے جن کی جزیرۂ عرب میں پرستش ہوتی تھی، اہل جزیرہ نے جاہلیت کی چادر اُتار پھینکی اور سب کے سب دینِ حق میں داخل ہو گئے۔ اور یہ سارے عظیم نتائج اس جہادِ اسلامی کے تھے جسے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے رب کے حکم سے دس سال تک برپا کیا، اور شرک وبت پرستی اور ان تمام خرافات اور جاہلی عادات کے خلاف جنگ کی جن کے بوجھ تلے عرب قومیں صدیوں سے کراہ رہی تھیں۔ اب فضا داعیانِ اسلام کے لیے بالکل صاف ہو چکی تھی کہ اپنی دعوت کو لے کر دنیا کی دوسری قوموں کے پاس پہنچیں جن کو اس دینِ رحمت کی شدید ترین حاجت تھی۔

معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما یمن میں:

سن ۱۰ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو میرے ساتھ دو دیگر اشعری بھی تھے، ایک میرے دائیں طرف اور دوسرا میرے بائیں طرف۔ دونوں نے آپ ﷺ سے کوئی کام مانگا، آپ ﷺ مسواک کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ابو موسیٰ تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، اِن دونوں نے مجھے اپنے دل کی بات نہیں بتائی تھی، اور مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ دونوں کام طلب کریں گے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں جیسے اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی مسواک آپ کے ہونٹ کے نیچے ٹھہر گئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہم ایسے آدمی کو کوئی کام نہیں دیتے جو خود سے طلب کرتا ہے۔ البتہ اے ابو موسیٰ! تم ہماری طرف سے کام پر چلے جاؤ۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اُن کو یمن بھیج دیا۔ پھر ان کے بعد معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کو بھیجا۔

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کو یمن بھیجا، اور اُن سے کہا: تم دونوں معاملات میں آسانی کرنا، سختی نہ کرنا، اور لوگوں کو خوشخبری دینا، انہیں نفرت نہ دلانا، اور تم دونوں اِن باتوں کی عادت ڈالنا۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے علاقہ میں جَو کی شراب پی جاتی ہے، جسے "مِزر" کہتے ہیں۔ اور شہد کی شراب بنتی ہے جسے "بِتع" کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ پھر وہ دونوں سفر پر روانہ ہو گئے۔

معاذ رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کس طرح قرآن پڑھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: کھڑے ہو کر، بیٹھ کر اور سواری پر۔ اور اس کے حصے بنا کر پڑھتا ہوں، اور مختلف اوقات میں پڑھتا ہوں۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: لیکن میں تو سوتا بھی ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں، میں اپنی نیند کے ذریعہ بھی اجر کی نیت کرتا ہوں، اور اپنے قیام کے ذریعہ بھی۔ ❶

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو اُن سے کہا: تم اہل کتاب کے

---

❶ البخاري، المغازي، حديث: (٤٣٤١، ٤٣٤٢، ٤٣٤٤، ٤٣٤٥)، والأدب، حديث: (٦١٢٤)، الأحكام: (٧١٧٢)، ومسلم، الأشربة، حديث: (١٧٣٣)، ابن ماجه، الأشربة، حديث: (٣٣٩١)، الدارمي، الأشربة، باب ما قيل في المسكر: ٢/ ١١٣، مسند: ٤/ ٤١٠، ٤١٦، ٤١٧.

پاس جا رہے ہو، جب اُن کے پاس پہنچو تو پہلے انہیں دعوت دو کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ لوگ تمہاری یہ بات مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو اُن سے کہو کہ اللہ نے اُن پر زکاۃ فرض کی ہے جو اُن کے مالداروں سے لی جائے گی اور اُن کے غریبوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ اور جب وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو اُن کے سب سے اچھے اموال ہرگز نہ لو، اور مظلوم کی دعا سے بچو، اس لیے کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔ ❶

نبی کریم ﷺ نے جب معاذؓ بن جبل کو یمن بھیجتے وقت الوداع کہا تو آپ ﷺ نے اُن سے کہا: اب وہ دوبارہ آپ کو نہیں دیکھ پائیں گے۔ عاصم بن حمید السکونی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے معاذؓ بن جبل کو یمن بھیجا، تو آپ ﷺ اُن کو وصیت کرتے ہوئے اُن کے ساتھ باہر نکل گئے، معاذؓ سواری پر تھے، اور رسول اللہ ﷺ ان کی سواری کے ساتھ چل رہے تھے۔ جب وصیت سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اے معاذ! شاید اس سال کے بعد تم مجھ سے مل نہ سکو گے، اور شاید تم میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔ یہ سن کر اور رسول اللہ ﷺ کے فراق کو سوچ کر معاذؓ بلک بلک کر رونے لگے۔ آپ ﷺ نے ان کا رونا دیکھ کر فرمایا: اے معاذ! نہ رو، رونا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ ❷

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نجران میں:

بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ماہ ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ سن ۱۰ ہجری میں نجران کے بنی حارث بن کعب کے پاس بھیجا، اور حکم دیا کہ وہ قتال کرنے سے پہلے انہیں تین بار اسلام کی دعوت دیں، اگر قبول کر لیں تو یہی مطلوب ہے، ورنہ پھر اُن سے قتال کریں۔

جب خالدؓ وہاں پہنچے تو انہوں نے ہر چہار جانب سواروں کو بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور کہیں: لوگو! اسلام لے آؤ، سلامتی پاؤ گے۔ اس اعلان کو سنتے ہی لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے، اور خالدؓ انہیں اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی روشنی میں اسلام کی تعلیم دینے لگے، انہوں نے یہ تفصیلات لکھ کر نبی کریم ﷺ کو بذریعہ قاصد بھیج دیں، آپ ﷺ نے اُن کے خط کے جواب میں لکھا کہ وہ انہیں خوشخبری دیں اور ڈرائیں اور اپنی دعوت میں ان کی طرف پیش قدمی کرتے رہیں، اور کوشش کریں کہ اُن لوگوں کے ساتھ اُن کے تعلقات بڑھتے رہیں۔

کچھ دنوں کے بعد خالد رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو اُن کے ساتھ بنی حارث کا ایک وفد بھی آپ کے پاس آیا، اور اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا، اور اللہ کا شکر ادا کیا جس نے انہیں اپنے رسول کے ذریعہ اسلام جیسی نعمت سے نوازا۔

یہ وفد اواخر شوال یا اوائلِ ذی القعدۃ میں لوٹ کر اپنی قوم کے پاس آ گیا، تو نبی کریم ﷺ نے عمرو بن حزم کو اُن کے پاس بھیجا تاکہ انہیں قرآن وسنت کی روشنی میں دینِ اسلام کی تعلیم دیں، اور ان کی زکاۃ وصول کریں، رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب بھی دیا جس میں آپ ﷺ نے اپنا عہد وذمہ اور دیگر اوامر لکھ دیے تھے۔ امام بیہقی نے اپنی

❶ البخاري، المغازي، حديث: (٤٣٤٧ و ٧٤٠)، ومسلم، الإيمان، حديث: (١٩) وغيرهما.
❷ مسند احمد: ٥/٢٣٥، اس کی سند جید ہے، اور ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد: ۱۰/۲۳۱،۲۳۲، میں اس حدیث کو طبرانی رحمہ اللہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند جید ہے۔

سند کے ذریعہ رسول کریم ﷺ کا وہ خط تحریر کیا ہے جو آپ ﷺ نے عمرو رضی اللہ عنہ کو یمن کے لیے روانگی کے وقت لکھ کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ اہلِ یمن کو دین سکھائیں، سنت کی تعلیم دیں اور ان کی زکاۃ وصول کریں۔ ❶

علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ یمن میں:

بیہقی نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا، تو میں بھی اُن کے ساتھ گیا۔ جب ان کے پاس زکاۃ کے اونٹ آئے تو ہم لوگوں نے اُن سے بعض اونٹ سواری کے لیے مانگے تاکہ ہمارے اونٹ آرام کریں اس لیے کہ وہ کمزور اور تھکے ہوئے تھے، تو انہوں نے انکار کر دیا، اور کہا: تمہارا اس میں دیگر مسلمانوں کی طرح ایک حصہ ہے۔ جب علی رضی اللہ عنہ اپنے کام سے فارغ ہو گئے، تو ایک دوسرے آدمی کو اپنی جگہ ہمارا امیر بنا کر یمن سے واپس جانے لگے، اور تیزی کی، یہاں تک کہ حج میں شریک ہو گئے۔ حج کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے کہا: تم اپنے ساتھیوں کے پاس واپس جاؤ۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے جس کو اپنی جگہ امیر بنایا تھا اس سے ہم نے وہی اونٹ مانگے تو اس نے منظور کر لیا۔ علی رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ زکاۃ کے اونٹوں کو لوگوں نے سواری کے طور پر استعمال کیا ہے، تو اس کو ملامت کی جو ان کے غائبانہ میں امیر تھا۔

اور بیہقی نے قصۂ حجۃ الوداع میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ یمن سے آئے تو نبی کریم ﷺ نے اُن سے پوچھا: تم نے کس حج کی نیت کی تھی؟ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے کہا تھا، اے اللہ! میں اُس حج کی نیت کرتا ہوں جس کی نیت تیرے رسول ﷺ نے کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو میں ہدی کا جانور لے کر آیا ہوں، اس لیے تم حلال نہیں ہو گے۔ ❷

ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی وفات:

اسی سن ۱۰ ہجری میں ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی۔ مقوقس حاکم اسکندریہ ومصر نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ماریہ قبطیہ کو بطور ہدیہ پیش کیا تھا، انہی کے بطن سے ذی الحجہ سن ۸ ہجری میں ابراہیم پیدا ہوئے۔ اور ۱۱ ربیع الأول بروز منگل سن ۱۰ ہجری میں وفات پا گئے، اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ اُس وقت اُن کی عمر تقریباً ایک سال تین ماہ تھی۔ ❸

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ابراہیم کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے جان کنی کی حالت میں دیکھا، آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور فرما رہے تھے: آنکھ آنسو بہا رہی ہے، اور قلب مغموم ہے، لیکن ہم وہی بولیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہوتا ہے، اللہ کی قسم! اے ابراہیم! ہم تیرے فراق پر بڑے ہی مغموم ہیں۔ ❹

❁❁❁❁

---

❶ دلائل البیهقی: ٥/ ٤١١ - ٤١٥، سیرة ابن هشام: ٢/ ٥٩٢ - ٥٩٦.

❷ دیکھئے: البخاری، الحج، حدیث: (١٥٥٧، ١٥٥٨)، مسلم، الحج، حدیث: (١٢١٦). ❸ دلائل البیهقی: ٥/ ٤٢٩.

❹ مسلم، الفضائل، حدیث: (٢٣١٥)، البخاری، حدیث: (١٣٠٣).

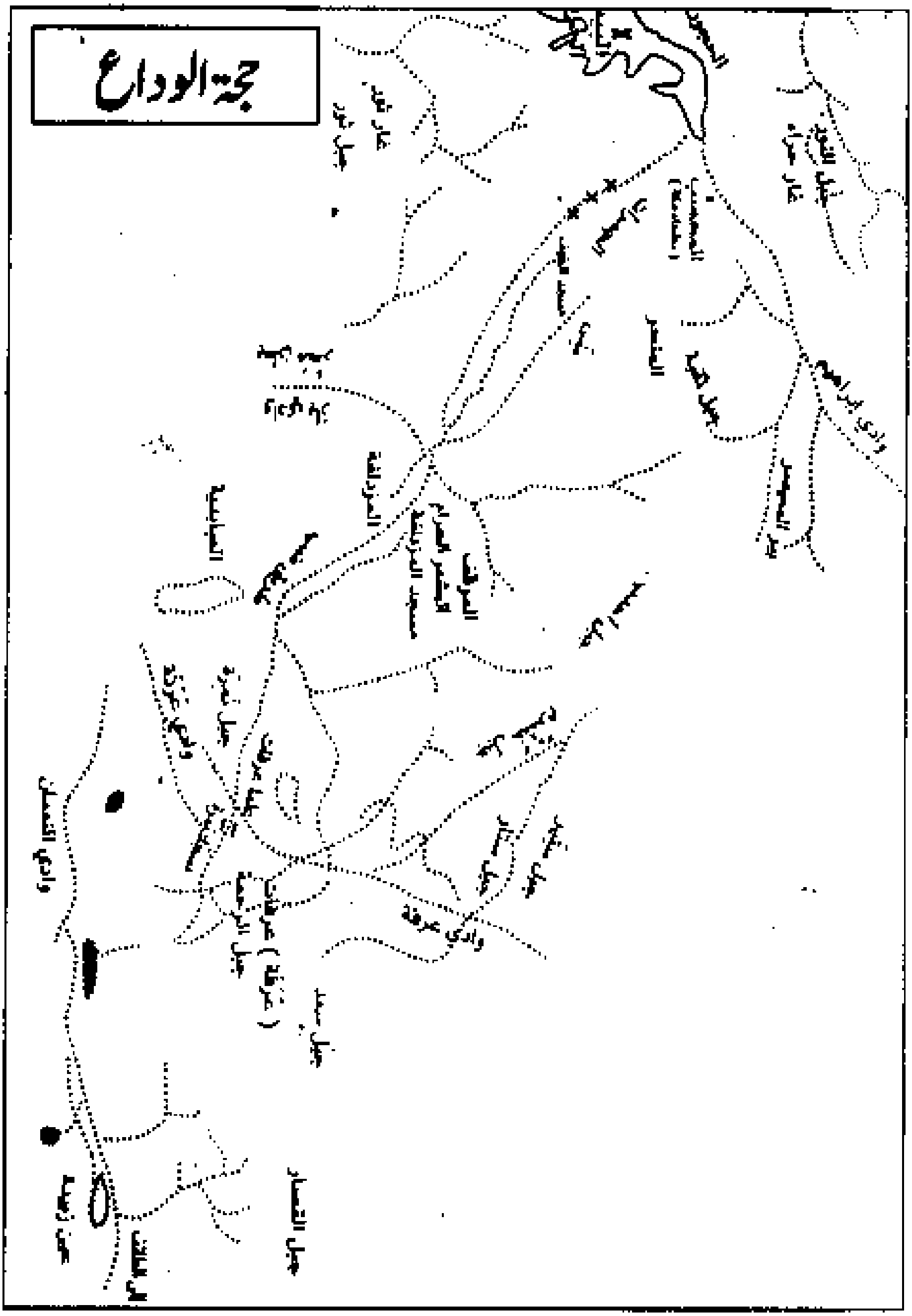
حجۃ الوداع
وادی عرفة

حجۃ الوداع

نبی کریم ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد صرف ایک حج، حجۃ الوداع سن ۱۰ ہجری میں کیا۔ آپ ﷺ نے جب حج کا ارادہ فرمایا تو لوگوں میں اعلان کروا دیا کہ آپ حج کے لیے نکلنے والے ہیں، اور سب کو اپنے ساتھ حج کے لیے چلنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ تمام صحابہ کرام آپؐ کے ساتھ سفر کرنے کے لیے تیار ہو گئے، اور مدینہ منورہ کے آس پاس کے رہنے والوں نے بھی یہ اعلان سنا اور مسلمانوں کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا، سب کی خواہش یہی تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کریں اس لیے آپ کے دائیں بائیں حد نگاہ تک انسان ہی انسان تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سب کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تھی۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس سے زیادہ تعداد تھی۔ آپ ﷺ کے ساتھ بہت سے ایسے مسلمانوں نے بھی حج کیا جنہوں نے آپؐ کو اس سفر سے پہلے نہیں دیکھا تھا، اور نہ پھر بعد میں دیکھا، لیکن ان سب کو آپؐ کی صحبت کی فضیلت حاصل ہو گئی۔

اس سفر سے پہلے آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کا والی ابودجانہ انصاریؓ کو بنا دیا، اور پچیس ذی القعدہ ہفتہ کے دن ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ جمعرات کے دن نکلے تھے۔ آپ ﷺ نے سفر سے پہلے خطبہ دیا جس میں احرام اور اس کے واجبات وسنن کی تعلیم دی۔ آپ ﷺ کے ساتھ تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہن بھی ہودجوں میں سوار ہو کر نکلیں۔ عصر کی نماز آپؐ نے دو رکعت ذوالحلیفہ میں پڑھی، وہیں رات گزاری، اور مغرب، عشاء، فجر اور دوسرے دن ظہر کی نماز وہیں پڑھی، آپ ﷺ نے پانچ نمازیں وہیں ادا کیں۔

آپ ﷺ نے احرام کی نیت کرنے کے لیے یہیں غسل فرمایا۔ ❶ پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے ایک مخلوط خوشبو جس میں مشک شامل تھا، آپؐ کے جسم اطہر اور سر مبارک پر لگا دی، مشک کا اثر آپؐ کے سر کے بال اور داڑھی پر عیاں تھا۔ ❷ اسے آپؐ نے زائل نہیں کیا اور نہ دھویا۔ آپؐ نے پھر احرام کی دو چادریں لیں، ایک کو پہن لیا اور دوسرے کو اوڑھ لیا۔ پھر آپ ﷺ نے ظہر کی نماز دو رکعت پڑھی، پھر مصلیٰ ہی سے حج وعمرہ کی نیت کی، کسی نے آپؐ کے بارے میں یہ بات نقل نہیں کی ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی دو رکعت کے علاوہ احرام کے لیے الگ سے دو رکعت پڑھی۔ اور آپؐ نے اپنے ہدی کے جانور کو اپنے دو جوتوں کا ہار پہنا دیا، اور اس کے دائیں پہلو میں ہلکا زخم لگا دیا جس سے خون نکل پڑا۔ پھر اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہوئے اور مندرجہ ذیل تلبیہ پکارنے لگے: ((لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ، لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ .)) لوگوں نے بھی یہی تلبیہ پکارنا شروع کیا۔

آپ ﷺ نے تقریباً بیس سے زائد صریح وصحیح احادیث کے مطابق حج قران کی نیت کی، اور صحابہ کرام کو احرام کی نیت کرتے وقت تینوں قسم کے حج (حج افراد، حج قران اور حج تمتع) کے درمیان اختیار دیا۔ لیکن جب آپ ﷺ مکہ کے

❶ صحيح سنن الترمذي: (٦٦٤).
❷ متفق عليه.

قریب پہنچے تو اُن سب کے لیے جو قربانی کا جانور لے کر نہیں چلے تھے یہی افضل سمجھا کہ وہ حج افراد اور حج قران کو عمرہ میں بدل دیں۔ اور جب آپ ﷺ مروہ کے نزدیک پہنچے تو ایسے تمام صحابہ کے لیے اس حکم کو حتمی قرار دیا۔

رسول اللہ ﷺ ذوالحلیفہ سے تلبیہ پکارتے ہوئے آگے بڑھے، اور صحابہ بھی تلبیہ کہتے رہے۔ کبھی ان الفاظ میں اضافہ کرتے اور کبھی کمی، اور نبی کریم ﷺ خاموش رہتے، انکار نہیں کرتے۔ ❶ آپ ﷺ مسلسل تلبیہ پکارتے رہے یہاں تک کہ مقام روحاء پر پہنچ گئے جو مدینہ سے دو مرحلہ کی مسافت پر ہے، آپ کا سفر جاری رہا یہاں تک کہ قدید کے مقام پر پہنچ گئے، وہاں آپ ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو اپنے ہودج میں ایک چھوٹا بچہ لیے بیٹھی تھی، اُس نے اس بچے کا بازو پکڑ کر کہا: اے اللہ کے رسول! کیا اس کا حج ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اور اجر تمہیں ملے گا۔ ❷

اس کے بعد آپ ﷺ کا گزر قبیلۂ خثعم کی ایک عورت کے پاس سے ہوا، اُس نے پوچھا: اللہ کا فریضۂ حج میرے باپ پر واجب ہوگیا ہے جبکہ وہ بڑے بوڑھے ہیں، سواری پر بیٹھ بھی نہیں سکتے، تو کیا میں اُن کی طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

آپ ﷺ آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ مقام سرف میں رُکے۔ وہاں صحابہ کرامؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس قربانی کا جانور نہیں ہے وہ چاہے تو صرف عمرہ کی نیت کر لے، اور جس کے پاس ہے وہ ایسا نہ کرے۔ جب آپ ﷺ مکہ پہنچے تو جو لوگ قربانی کے جانور لے کر نہیں گئے تھے انہیں حتمی حکم دیا کہ وہ اپنی نیت کو عمرہ کی نیت میں بدل لیں، اور عمرہ کرنے کے بعد احرام کھول دیں، اور جو لوگ قربانی کے جانور لے کر آئے ہیں وہ عمرہ کے بعد احرام نہ کھولیں۔

آپ ﷺ ابھی اسی مقام سرف میں ہی تھے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ماہواری آگئی، انہوں نے عمرہ کی نیت کی تھی۔ نبی کریم ﷺ اُن کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے اُن سے پوچھا: شاید تمہیں ماہواری آگئی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یہ بات بنی آدم کی بیٹیوں کے لیے لکھ دی ہے، تم حاجیوں کی طرح سب کام کرو، صرف بیت اللہ کا طواف نہ کرو۔ ❸

آپ ﷺ سرف ہی میں تھے کہ آفتاب غروب ہوگیا، وہاں سے چل کر آپ ﷺ مقام طویٰ پر پہنچ گئے جو ان دنوں ''زاہر کے کنویں'' کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں آپ ﷺ نے رات گزاری، اُس وقت ذی الحجہ کے چار دن گزر چکے تھے۔ آپ ﷺ نے صبح کی نماز وہیں ادا کی، اور دن چڑھنے پر وہاں غسل فرمایا، اور آگے چل پڑے اور دن کے وقت مکہ میں اس بالائی علاقہ سے داخل ہوئے جو حَجُون کے اوپر ہے۔

آپ ﷺ نے مسجد حرام میں داخل ہوتے ہی بیت اللہ کا قصد کیا اور اپنی جوان اونٹنی پر خانہ کعبہ کا سات بار طواف کیا، اور ہر بار جب حجر اسود کے سامنے آتے تو اپنی چھڑی کے ذریعہ اس کا استلام کرتے (چھوتے) اور چھڑی کو چوم لیتے، اور

---

❶ صحيح مسلم، حديث: (١١٨٤)، الفتح: ٣/٤٧٩- ٤٨٠.

❷ صحيح مسلم، كتاب الحج، حديث: (١٣٣٦).

❸ صحيح البخاري، جزاء الصيد، حديث: (١٨٥٣- ١٨٥٥)، صحيح مسلم، الحج، حديث: (١٣٣٥).

ساتوں چکروں میں حجر اسود کے پاس مزاحمت نہیں کی۔ تین ابتدائی چکروں میں آپ جھک کر چلے اور باقی چاروں میں عام رفتار سے چلے، اور آپ ﷺ کی چادر آپ ﷺ کے بغل کے نیچے سے گزر کر دائیں کندھے پر پڑی تھی۔ دوران طواف آپ ﷺ نے کوئی متعین ذکر نہیں پڑھا، صرف دونوں رکنوں کے درمیان: ﴿ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ پڑھتے تھے۔ ●

طواف سے فارغ ہوتے ہی آپ ﷺ مقام ابراہیم پر آئے، اور اُسے اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر کے اپنی اونٹنی کو بٹھا دیا، اور ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴾ [البقرة: ١٢٥] کی تلاوت کی، پھر دو رکعت نماز پڑھی جن میں سورۂ فاتحہ کے بعد ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴾ اور ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ پڑھا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حجر اسود کے پاس گئے، اس کا استلام کیا، اور پھر صفا پہاڑی کی طرف اس کے سامنے والے دروازہ سے چل پڑے اور جب اس کے قریب پہنچے تو سورۃ البقرۃ کی آیت (١٥٨) ﴿ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ﴾ کی تلاوت کی اور فرمایا: میں اپنی سعی اسی جگہ سے شروع کرتا ہوں جس سے اللہ نے اس آیت کی ابتدا کی ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی سعی کی ابتدا صفا پہاڑی کے اوپر سے کی، آپ اُس پر چڑھے یہاں تک کہ کعبہ نظر آنے لگا، قبلہ کا رُخ کیا، اللہ کی توحید بیان کی، تکبیر کہی اور کہا: ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ ، اَنْجَزَ وَعْدَهُ ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ ، وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهُ .)) پھر آپ نے دعا کی اور اسی طرح تین بار کہا۔ پھر مروہ کی طرف چلتے ہوئے اترے، اور جب آپ ﷺ کے دونوں قدم وادی کے نشیبی علاقہ میں پڑے تو جھک کر چلنے لگے، اور جب وادی سے اوپر چڑھے تو عام رفتار سے چلنے لگے یہاں تک کہ آپ ﷺ مروہ پر آگئے، وہاں آپ ﷺ نے ویسا ہی کیا جیسا صفا پر کیا تھا، اور اس طرح صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے۔ ●

جب آپ ﷺ آخری چکر لگا کر مروہ پر پہنچے تو فرمایا: مجھے جو بات اب معلوم ہوئی ہے اگر پہلے معلوم ہوگئی ہوتی تو قربانی کا جانور لے کر نہ آتا، اور نہ عمرہ کی نیت کی ہوتی۔ ● پس تم میں سے جو شخص قربانی کا جانور لے کر نہیں آیا ہے وہ حلال ہوجائے اور اس طواف وسعی کو عمرہ بنالے۔ یہ سن کر سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور پوچھا: کیا یہ حکم اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے؟ تو آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر دو بار فرمایا: عمرہ حج میں داخل ہوگیا، ہمیشہ کے لیے۔

ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ مقامِ ابطح میں اپنی رہائش پر گئے جہاں آپ ﷺ کے لیے

● صحیح سنن ابی داؤد: (١٦٦٩).

● دیکھئے صحیح البخاری، الحج، حدیث: (١٦٤٣، ١٧٩٠)، مسلم، الحج، حدیث: (١٢٧٧)، الترمذی، التفسیر، حدیث: (٢٩٦٩)، ابو داؤد، الحج، حدیث: (١٩٠١)، وغیرهم.

● صحیح البخاری، حدیث: (٧٢٢٩)، مسلم، الحج، حدیث: (١٢١١).

چمڑے کا بنا ایک قبہ نما خیمہ لگایا گیا تھا۔ آپ ﷺ یوم الترویہ (آٹھویں تاریخ) تک وہیں نماز پڑھتے رہے، یہاں آپؐ نے چار دن (اتوار، سوموار، منگل اور بدھ) قیام فرمایا اور قصر نماز پڑھتے رہے۔ جمعرات کے دن صبح چاشت کے وقت تمام مسلمانوں کے ساتھ آپ ﷺ منیٰ کے لیے روانہ ہوگئے۔ جن لوگوں نے عمرہ کیا تھا انہوں نے اپنی قیام گاہوں سے ہی دوبارہ حج کا احرام باندھ لیا، اور مسجد حرام میں نہیں گئے۔

منیٰ پہنچنے کے بعد وہاں قیام کیا، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں، اور جمعہ کے دن فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد جب آفتاب طلوع ہوگیا تو وہاں سے عرفہ کی طرف روانہ ہوگئے، اور آپ ﷺ کے حکم سے نمرہ میں بال کا بنا ایک خیمہ لگا دیا گیا جس میں زوالِ آفتاب تک آپ ﷺ ٹھہرے رہے، پھر آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی قصواء کو تیار کرنے کا حکم دیا، اُس پر سوار ہوکر وادیٔ عرنہ آئے، اور اپنی سواری پر بیٹھ کر لوگوں کے سامنے عظیم خطبہ دیا جس میں آپ ﷺ نے اسلام کے بنیادی اصولوں کی تشریح فرمائی، اور شرک اور عادات واطوارِ جاہلیت کا ابطال کیا، اور فرمایا: ''بے شک تمہارے خون اور تمہارے اَموال تم پر حرام ہیں، جیسے تمہارا آج کا دن حرام ہے، تمہارے اِس حرام مہینہ میں، تمہارے اس شہر میں۔ آگاہ رہو کہ عہدِ جاہلیت کی ہر چیز اور ہر بات میرے دونوں قدموں کے نیچے ہے۔ اور زمانۂ جاہلیت کے تمام خون بے کار اور ضائع کر دیے گئے، اور میں اپنے خون میں سے ابن ربیعہ بن حارث کے خون کو ضائع اور بے کار بناتا ہوں (جسے بنی سعد میں دودھ پینے کے زمانہ میں ہذیل قبیلہ کے لوگوں نے قتل کر دیا تھا) اور عہدِ جاہلیت کے سود کو ضائع بناتا ہوں، اس سلسلہ کا پہلا سود عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے، اسے بھی میں ضائع قرار دیتا ہوں۔

مسلمانو! تم لوگ اپنی عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تم نے انہیں اللہ سے کیے گئے عہد کے مطابق لیا ہے، اور اللہ کے کلمہ کے ذریعہ اُن کی شرمگاہوں کو اپنے لیے حلال بنایا ہے۔ اور تمہارا اُن پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر کسی ایسے کو نہ آنے دیں جن کو تم نہیں چاہتے ہو، اور اگر وہ ایسا کرتی ہیں تو ان کو مارو، ایسی مار جس سے اُن کے بدن نہ پھوٹیں، اور تم پر اعتدال کے ساتھ ان کا نان ونفقہ اور ان کا لباس ہے۔ اور میں تمہارے لیے ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں جسے اگر تم مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، یعنی اللہ کی کتاب۔ اور تم لوگوں سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا، تو تم کیا کہو گے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا، اِس کام کا حق ادا کر دیا، اور امت کی پوری خیر خواہی کی۔ تو آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اُٹھائی اور پھر اسے نیچے گرا کر لوگوں کی طرف اشارہ کر کے کہا: میرے اللہ تو گواہ رہ میرے اللہ تو گواہ رہ، تین بار کہا۔ اور آپ ﷺ نے حکم دیا کہ حاضرین دیگر غائب مسلمانوں کو ان باتوں کی خبر کر دیں۔

جب آپ ﷺ خطبہ سے فارغ ہوئے تو بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا، انہوں نے اذان دی اور اقامت کہی، آپ ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں، اور اُن دونوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی۔

پھر آپ ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہوکر وقوف کی جگہ آئے، اور اپنی اونٹنی کا پیٹ جبلِ رحمت کے نیچے چٹانوں کی طرف اور جبلِ مُشاۃ (پیدل چلنے والوں کی پہاڑی) کو اپنے آگے کیا اور قبلہ کی طرف رُخ کر کے نشیبی زمین میں

کھڑے ہوگئے، اور فرمایا بطنِ عُرَنہ کے سوا پورا عرفہ وقوف کی جگہ ہے، اور لوگوں میں اعلان کروا دیا کہ وہ سب بھی عرفہ میں وقوف کریں۔

اسی حالتِ وقوف میں آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ ...... ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی، اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لیے پسند کرلیا۔'' [المائدۃ: ۳] عرفہ میں اُس وقت آپ ﷺ کے ساتھ ایک لاکھ چودہ ہزار مسلمان موجود تھے، بعض نے اس سے زیادہ تعداد بتائی ہے، یعنی ایک لاکھ بیس ہزار۔

آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر میدانِ عرفہ میں رہے یہاں تک کہ اُس دن کا آفتاب غروب ہوگیا، آپ ﷺ نے اپنے پیچھے اُسامہ بن زیدؓ کو بٹھا رکھا تھا۔ آپ ﷺ وہاں سے واپس آنے کے لیے چل پڑے، اور اپنی اونٹنی کی لگام اس طرح کھینچ رہے تھے کہ اُس کا سر کجاوہ کے کنارہ کو چھو رہا تھا۔ اور اپنے دائیں ہاتھ سے اشارہ کرکے کہہ رہے تھے: لوگو! پُرسکون رہو، پُرسکون چلو، یہاں تک کہ آپ ﷺ مزدلفہ پہنچ گئے، وہاں آپ ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھی، اور دونوں کے درمیان کوئی تسبیح نہیں پڑھی، پھر لیٹ گئے اور وہیں رات گزاری۔

جب صبح کا وقت قریب ہوا تو آپ ﷺ نے کمزوروں یعنی بچوں اور عورتوں کو اجازت دے دی کہ وہ لوگوں کی بھیڑ سے پہلے منیٰ پہنچ جائیں۔ لیکن آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ آفتاب نکلنے سے پہلے کنکری نہ ماریں۔ جب فجر کے آثار نمایاں ہوئے اور صبح ہوگئی تو آپ ﷺ نے اول وقت میں لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی، وہ دن عید کا دن، قربانی کا دن، حجِ اکبر کا دن، اور ہر مشرک سے اللہ اور اُس کے رسول کی جانب سے اعلانِ براءت کا دن تھا۔

آپ ﷺ قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے، مشعرِ حرام کے پاس آئے، قبلہ کی طرف رخ کیا، اور دعا، خشوع و خضوع، تکبیر وتہلیل اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوگئے یہاں تک کہ خوب اُجالا ہوگیا، تو طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی منیٰ کے لیے روانہ ہوگئے، اور اپنے پیچھے فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو بیٹھا لیا، آپ ﷺ مسلسل تلبیہ پکارتے رہے۔ اور اسامہ بن زیدؓ پیدل چل پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے راستہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ آپ کے لیے سات کنکریاں چُن لیں۔ جب آپ ﷺ وادیٔ مُحسّر پہنچے تو اپنی اونٹنی کو مہمیز لگائی اور تیزی میں آگے بڑھ گئے، اور درمیانی راستہ سے چل کر جمرۂ کبریٰ تک پہنچ گئے جسے جمرۂ عقبہ کہا جاتا ہے۔ وہاں آپ وادی کے نچلے حصہ میں کھڑے ہوئے، اور منیٰ کو اپنے دائیں طرف اور بیت اللہ کو اپنے بائیں طرف کیا، اور سواری پر بیٹھ کر ہی جمرہ کی طرف رُخ کرکے طلوعِ آفتاب کے بعد کنکریاں ماریں، یکے بعد دیگرے، اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے۔ کنکری مارنے سے پہلے آپؐ نے تلبیہ پکارنا بند کر دیا تھا۔ اُس وقت بلال واسامہ رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ساتھ تھے، ایک نے اونٹنی کی مہار پکڑ رکھی تھی اور دوسرے نے آپؐ کے سر پر کپڑے سے سایہ کر رکھا تھا۔ ❶

کنکری مارنے کے بعد آپ منیٰ واپس آگئے، اور لوگوں کے سامنے نہایت بلیغ خطبہ دیا جس میں آپ ﷺ نے قربانی کے دن کی حرمت، اللہ کے نزدیک اس کی فضیلت اور مکہ مکرمہ کی تمام دنیا پر فضیلت کو بیان فرمایا، اور صحابہ کرام کو اس سردار کی

---

❶ صحيح مسلم، حديث: (١٢٩٨).

اطاعت وفرمانبرداری کا حکم دیا جو کتاب اللہ (قرآن کریم) کے مطابق اُن کی قیادت کرے۔ نیز آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ سے حج کے مناسک سیکھ لیں اور فرمایا: شاید میں اس سال کے بعد حج نہ کرسکوں۔ ❶

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حج کے مناسک سکھائے، مہاجرین وانصار کے مقام کی وضاحت فرمائی، اور مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ ایسا نہ ہو کہ وہ آپ ﷺ کے بعد کفر کی راہ اختیار کرلیں اور ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگیں، اور آپ ﷺ نے سب کو حکم دیا کہ وہ اِن باتوں کی تبلیغ دوسروں کو بھی کردیں، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ بسا اوقات جسے خبر پہنچائی جاتی ہے وہ اُس آدمی سے زیادہ خبر کو یاد کرلیتا ہے جو براہِ راست متکلم سے سُنے ہوتا ہے۔ ❷

اس کے بعد آپ ﷺ منیٰ کی قربان گاہ میں تشریف لے گئے اور اپنے ہاتھ سے تریسٹھ (۶۳) اونٹوں کی قربانی کی۔ پھر آپ ﷺ نے چھری علی رضی اللہ عنہ کو دے دی تو انہوں نے باقی اونٹ ذبح کیے جنہیں یا تو وہ یمن سے لے کر آئے تھے، یا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے۔ کل اونٹ سو (۱۰۰) تھے۔ آپ ﷺ نے پھر اپنا سر منڈوایا، اپنی مونچھ اور دونوں رخساروں کے بال ٹھیک کروائے اور اپنے ناخن تراشے، صحابہ کرامؓ میں سے کچھ لوگوں نے اپنے بال قینچی سے کٹوائے اور کچھ نے اُسترے سے منڈوائے۔ آپ ﷺ نے دو خوبصورت مینڈھوں کی بھی قربانی کی، اور امہات المومنین کی طرف سے گائے ذبح کروائی، اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کو خوشبو لگائی، اور آپ ﷺ نے قمیص پہن لی، اور آپ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا: منیٰ کے یہ دن کھانے پینے اور اللہ کو یاد کرنے کے دن ہیں۔ قربانی کرنے کے بعد آپ ﷺ ظہر سے پہلے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگئے، وہاں پہنچ کر طواف افاضہ کیا، اور اس کے سوا کوئی دوسرا طواف نہیں کیا، ظہر کی نماز آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں ادا کی، پھر بنی عبدالمطلب کے پاس آئے جو لوگوں کو زمزم پلا رہے تھے، آپؐ نے اُن سے فرمایا: اے بنی عبدالمطلب! خوب بھر بھر کر ڈول کھینچو، اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ لوگ تم سے تمہارا یہ شرف چھین لیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈول کھینچتا۔ انہوں نے آپ کو ایک ڈول پانی دیا، آپؐ نے اس سے پیا، پھر اُسی دن آپ ﷺ منیٰ واپس چلے گئے۔

آپ ﷺ نے اُس دن لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ بعض کی رائے ہے کہ آپ ﷺ نے قربانی کے دوسرے دن خطبہ دیا، اور گزشتہ کل کے خطبہ کا اعادہ کیا، اور لوگوں کو حج کے مناسک سیکھنے کا حکم دیا اور اُن کو نصیحتیں فرمائیں، اور فرمایا: شاید میں اس سال کے بعد حج نہ کرسکوں، اور شاید تم لوگ مجھے اس سال کے بعد نہ دیکھ سکو گے۔

چونکہ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو الوداع کہا تھا اسی لیے اس حج کے حجۃ الوداع، حجۃ الاسلام اور حجۃ البلاغ نام پڑ گئے، آپ ﷺ نے اُس دن کا باقی حصہ اور ایام تشریق (گیارہ، بارہ اور تیرہ) اور تینوں راتیں وہیں گزاریں، اور ہر دن زوال کے بعد تینوں جمرات کو کنکریاں مارتے رہے، پہلے اُس جمرہ کو جو مسجد خیف کے قریب ہے، پھر درمیان والے کو، اور اِن دونوں کے پاس دیر تک کھڑے ہو کر دعا کرتے اور اللہ کے حضور گریہ وزاری کرتے، البتہ جمرۂ عقبہ کو کنکری مارتے اور اُس کے پاس نہیں ٹھہرتے تھے۔

---

❶ دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث: (۱۲۹۷)، زاد المعاد: (۲/ ۲۱۰)۔

❷ صحیح البخاری، کتاب الحج، حدیث: (۱۷۳۹، ۷۰۷۷)، مسلم، القسامة، حدیث: (۱۶۷۹)۔

ایامِ تشریق کے تیسرے دن (منگل کے دن) جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ ﷺ منیٰ سے واپس چل پڑے، اور مقامِ محصب میں (جسے ابطح بھی کہتے ہیں) رُک گئے، وہاں آپ ﷺ کے لیے آپ کے آزاد کردہ غلام ابورافع رضی اللہ عنہ نے ایک خیمہ لگا رکھا تھا۔ ❶

آپ ﷺ جب محصب میں تھے تو عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور کہا: اپنی بہن عائشہ کو حرم کے باہر لے جاؤ تاکہ وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر مسجدِ حرام آئے اور بیت اللہ کا طواف کرے۔ میں تم دونوں کا یہاں انتظار کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ وہاں آرام کرتے رہے یہاں تک کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے عمرہ سے فارغ ہو کر آ گئیں، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو روانگی کا حکم دیا، اور کہا کہ کوئی بیت اللہ کا طواف کرنے سے پہلے واپس نہ ہو جائے، آپ ﷺ نے صرف اُس حائضہ عورت کو اِس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا جس نے قربانی کے دن طوافِ افاضہ کر لیا تھا۔ ❷

آپ ﷺ صبح سویرے مکہ میں داخل ہوئے، طوافِ وداع کیا، اور اس میں تیز نہیں چلے۔ آپ ﷺ کو صفیہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ انہیں ماہواری آ گئی ہے، تو آپ (ﷺ) نے کہا: کیا اس کی وجہ سے ہمیں رُکنا پڑے گا۔ لوگوں نے آپ کو بتایا کہ انہوں نے طوافِ افاضہ کر لیا تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اُسے چلنے کی اجازت ہے (یعنی بغیر طوافِ وداع کیے۔) ❸

آپ ﷺ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے، جب ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ ﷺ نے وہاں رات گزاری، اور جب آپ کی نظر مدینہ منورہ پر پڑی تو تین بار اللہ اکبر کہا، اور مندرجہ ذیل دعا پڑھی: ((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ ، وَلَهُ الْحَمْدُ ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ . آيِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ .)) اور فرمایا: اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی نصرت فرمائی، اور تنہا تمام دشمنوں کو شکست دی۔

آپ ﷺ بائیس یا تئیس ذی الحجہ کو مدینہ منورہ واپس پہنچ گئے۔ ❹

❀❀❀❀

---

❶ صحیح البخاری، الحج، حدیث: (۱۷۶۵، ۱۷۶۶)، صحیح مسلم، الحج، حدیث: (۱۳۱۲)، الترمذی، الحج، حدیث: (۹۲۲) وغیرہم۔

❷ البخاری، الحج، باب طواف الوداع، حدیث: (۱۷۵۵)، مسلم، الحج، حدیث: (۱۳۲۷، ۱۳۲۸)، ابوداؤد، المناسک، حدیث: (۲۰۰۲) وغیرہم۔

❸ صحیح البخاری، الحج، حدیث: (۱۷۵۷)، صحیح مسلم، الحج، حدیث: (۱۲۱۱)۔

❹ دیکھئے: مزید تفصیل کے لیے: زاد المعاد: ۲/ ۸۴- ۲۴۲، صحیح البخاری اور صحیح مسلم، کتاب الحج اور حدیث کی دیگر کتابیں، نیز اتحاف الوریٰ: (۱/ ۵۶۸ - ۵۸۶)۔

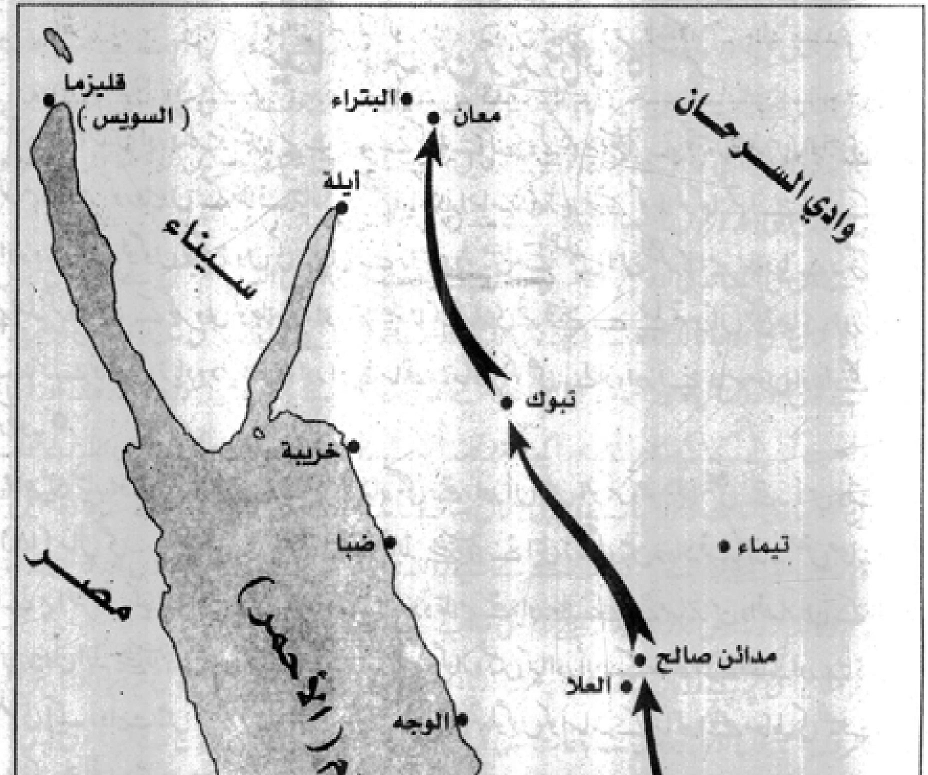

شام کی جانب اُسامہ بن زید کا لشکر

سیّدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا لشکر

ابن سید الناس اور دیگر مؤلفین سیرت نبویہ نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چھبیس صفر سن ۱۱ ہجری سوموار کے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رومیوں کے خلاف تیاری کا حکم دیا، اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا: تم اپنے باپ کے مقتل کے پاس جاؤ، اور وہاں کے لوگوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند دو، میں نے تمہیں اس لشکر کا امیر بنا دیا ہے۔ صبح کے وقت اہل اُبنیٰ پر حملہ کرو، ان کے گھروں کو جلا دو، اور تیز چلو تاکہ تمہاری خبر پہنچنے سے پہلے تم وہاں پہنچ جاؤ۔ اور جب اللہ تمہیں فتحیاب بنا دے تو وہاں زیادہ دیر نہ رُکو، اور اپنے ساتھ رہنماؤں کو بھی لے لو، اور اپنے جاسوسوں اور اگلے دستوں کو اپنے آگے رکھو۔ ❶

مجاہدین تیار ہو گئے، اُن میں مہاجرین وانصار بھی تھے، اور اُن میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ اُس وقت اسامہؓ کی عمر اٹھارہ (۱۸) سال تھی۔ یہ آخری فوج تھی جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں روانہ فرمایا تھا۔ بعض صحابہ نے اسامہؓ کو امیر بنانے پر اعتراض کیا اس لیے کہ وہ کم عمر اور آزاد کردہ غلام تھے، اور بڑے بڑے مہاجرین وانصار ان کے مأمور بن گئے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی امارت پر اعتراض کو گوارہ نہیں کیا اور اُن کے ساتھ اچھے معاملہ اور برتاؤ کی نصیحت کی۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تم لوگوں کو اسامہ کے ساتھ اچھے معاملہ کی نصیحت کرتا ہوں، وہ تمہارے نیک جوانوں میں سے ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجنا چاہا، اور اس کا امیر اسامہ بن زیدؓ کو بنا دیا، تو لوگوں نے ان کی امارت کے بارے میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو کھڑے ہوئے اور فرمایا: اگر آج تم لوگ اسامہ کی امارت پر کلام کر رہے ہو تو اس سے پہلے تم اس کے باپ کی امارت پر بھی کلام کر چکے ہو۔ اللہ کی قسم! اسامہ کا باپ (زید) امارت کا مستحق تھا، اور لوگوں میں سب سے زیادہ میرا محبوب تھا، اور اُس کے بعد یہ لوگوں میں سب سے زیادہ میرے نزدیک محبوب ہے۔ ❷

اس لشکر کی روانگی رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے سبب تیاری شروع ہونے کے دو ہی دن بعد رُک گئی۔ اسامہؓ اس جھنڈے کو لے کر جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے باندھا تھا، نکل پڑے اور مقام جرف میں پڑاؤ ڈال دیا۔ واقدی نے لکھا ہے کہ اس لشکر کی تعداد تین ہزار تھی، جن کے ساتھ ایک ہزار گھوڑے تھے۔ ❸

---

❶ عیون الأثر: ۲/ ۳۵۰، السیرۃ لابن کثیر: ۴/ ۴۴۰.

❷ صحیح البخاری، فضائل الصحابہ، مناقب زید بن حارثہ، حدیث: (۳۷۳۰)، المغازی، غزوۃ زید بن حارثہ، حدیث: (۴۲۵۰)، صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، حدیث: (۲۴۲۶) وغیرھما.

❸ مغازی الواقدی: ۳/ ۱۱۱۹- ۱۱۲۴، السیرۃ لابن کثیر: ۴/ ۴۴۰، ۴۴۱.

نبی کریم ﷺ جب سوموار کے دن بارہ ربیع الاول کو وفات پاگئے تو جو مسلمان جرف میں پڑاؤ ڈالے حالات کا انتظار کر رہے تھے، وہ مدینہ منورہ واپس آگئے۔ اور جب مسلمانوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی، اور عربوں میں آپ ﷺ کی وفات کی خبر پھیل گئی، اور کچھ لوگ مرتد ہوگئے، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسامہؓ سے کہا: تم اُس مہم کے لیے اب روانہ ہو جاؤ جس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے تمہیں امیر بنایا تھا، چنانچہ لوگ دوبارہ نکل کر جرف میں پہنچ گئے، لیکن کبارِ مہاجرین نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فی الحال اہلِ روم سے جنگ کو مؤخر کر دیں، اس لیے کہ کوئی بعید بات نہیں کہ مسلمانوں کے دشمن اہلِ مدینہ پر حملہ کر دیں، اور بچوں اور عورتوں کو نقصان پہنچائیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُن کی ایک نہ سنی اور لشکرِ اسامہ کی روانگی پر مُصر رہے اور کہا: اُس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر مجھے اِس کا گمان بھی ہو جاتا کہ درندے مدینہ میں داخل ہو کر مجھے کھا جائیں گے تب بھی میں اِس فوج کو ضرور بھیجتا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوج کو روانہ کیا، اور اسامہؓ کی اجازت سے عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس مدینہ منورہ میں رکھا۔ اور اسامہؓ اور مجاہدین صحابہ کو رخصت کرنے کے لیے باہر نکلے اور ایک گھنٹہ تک اسامہؓ کے ساتھ چلتے رہے، پھر کہا: میں اللہ کے حوالے کرتا ہوں تمہارے دین کو، تمہاری امانت کو اور تمہارے آخری اعمالِ صالحہ کو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا وہ تمہیں نصیحت فرما رہے تھے۔ تم رسول اللہ ﷺ کے حکم کو نافذ کرنے کے لیے روانہ ہو جاؤ، میں نہ تمہیں حکم دیتا ہوں اور نہ ہی روکتا ہوں، میں تو ایک ایسے حکم کو نافذ کر رہا ہوں جو رسول اللہ ﷺ کی جانب سے صادر ہوا تھا۔

اسامہ رضی اللہ عنہ مقام اُبنیٰ پر پہنچے، وہاں کے لوگوں پر حملہ کر دیا، اور جو بھی اُن کے قریب ہوا اسے قتل کر دیا، اور اکثر کو قیدی بنا لیا، اور ان کے گھروں، کھیتیوں اور کھجوروں کے باغات میں آگ لگا دی، اور اپنے گھوڑوں پر اُن کے میدانوں میں آزادانہ چلتے پھرتے رہے، پھر مدینہ منورہ واپس آگئے۔ اس فوجی کارروائی میں کوئی مسلمان مجاہد مارا نہیں گیا۔ اور ان کی واپسی کے وقت ابوبکرؓ اور دیگر مسلمان اسامہؓ اور ان کی فوج کے استقبال کے لیے مدینہ سے باہر نکل کر گئے اِس خوشی میں کہ اسامہ اور ان کے ساتھی مجاہدین بسلامت واپس آگئے ہیں۔ [1]

اس جنگی کارروائی کے ذریعہ اسلامی فوج نے رومیوں کے دلوں میں رُعب بٹھا دیا اور اُن عربوں کا اعتماد بحال کر دیا جو اہلِ روم کے حدود پر رہتے تھے، اس لیے کہ رومیوں نے فروہ بن عمرو جذامی کو قتل کر کے مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیلا دیا تھا، جو معان اور اس کے ارد گرد کے شامی علاقوں پر اہلِ روم کی جانب سے حاکم تھے، اور مسلمان ہو گئے تھے، تو رُومیوں نے انہیں پہلے جیل میں ڈال دیا، پھر قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا تاکہ دوسرے عرب اُن کی پیروی کرتے ہوئے مسلمان نہ ہوں۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کی فوج نے رُومی کرجا کی ہیبت کا خاتمہ کر دیا اور اسلام و مسلمانوں کی ہیبت رومیوں کے دل و دماغ میں ہمیشہ کے لیے بٹھا دی۔ وباللہ التوفیق۔

❁❁❁❁

---

[1] مغازی الواقدی: ۳/ ۱۱۱۹-۱۱۲۴، السیرۃ لابن کثیر: ۴/ ۴۴۰، ۴۴۱۔

رسول اللہ ﷺ کی بیماری اور وفات

بیماری کی ابتدا:

محمد بن اسحاق لکھتے ہیں: نبی کریم ﷺ ماہِ ذی الحجہ میں حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ لوٹ آئے، اور ذی الحجہ کے باقی ایام اور ماہِ محرم وصفر میں مدینہ منورہ میں ہی رہائش پذیر رہے۔ اور اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اسامہ بن زیدؓ کو فوج کشی کے لیے روانہ کیا۔ مسلمانانِ مدینہ انہی حالات سے گزر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیماری شروع ہوگئی جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے جوارِ رحمت میں بلالیا۔ آپ ﷺ کی وفات سے پہلے ماہِ صفر کے چند دن باقی تھے، یا ماہِ ربیع الاول کے ابتدائی ایام تھے۔ جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ ایک رات بقیع غرقد کے قبرستان میں گئے، مدفونین کے لیے دعائے مغفرت کی، پھر گھر واپس آ گئے۔ اور صبح کے وقت آپ ﷺ کی بیماری کی ابتدا ہوگئی۔ ❶

آپ ﷺ کی یہ بیماری ۲۹ رصفر سن ۱۱ ہجری کو شروع ہوئی، تب سے گیارہ دن تک آپ ﷺ نے لوگوں کو بیماری کی حالت میں ہی نماز پڑھائی۔ بیماری کے ایام تیرہ یا چودہ دن تھے۔

آپ ﷺ نے آخرت کی نعمتوں کو پسند فرمالیا:

نبی کریم ﷺ پر اللہ کی طرف سے جو ذمہ داری ڈالی گئی تھی اُسے پورا کر لینے کے بعد ایک بار آپ ﷺ منبر پر بیٹھے اور فرمایا: (جیسا کہ امام بخاری ومسلمؒ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے) اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ یا تو اللہ اسے دنیا کی اُن نعمتوں سے نواز دے جو وہ چاہے، یا اللہ کے پاس جو ابدی نعمتیں ہیں انہیں وہ بندہ اختیار کر لے۔ تو اس بندہ نے اللہ کے پاس کی نعمتوں کو اختیار کرلیا ہے۔ یہ سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے، اور آپ ﷺ سے کہنے لگے: ہمارے باپ اور مائیں آپ پر فدا ہوں۔ ہم لوگوں کو تعجب ہوا، اور لوگ کہنے لگے: اس بوڑھے کو دیکھو، رسول اللہ ﷺ ایک بندہ کی خبر دے رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کی نعمتوں کے درمیان اختیار دیا ہے، اور یہ کہہ رہا ہے: ہمارے باپ اور مائیں آپ پر فدا ہوں۔ بالآخر ہمیں معلوم ہوا کہ جنہیں اختیار دیا گیا تھا وہ رسول اللہ ﷺ ہی تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے باخبر تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ پر صحبت ومال کے ذریعہ احسان ابوبکر کا ہے، اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا، البتہ ان کے ساتھ میری اخوت اسلام کی بنیاد پر ہے۔ میری مسجد میں ابوبکر کے حُجرہ کے سوا کسی کا حُجرہ باقی نہ رہے۔ ❷

---

❶ سیرة ابن هشام: ۲/ ٦٤٢.

❷ صحیح البخاري، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي، حدیث: (٣٩٠٤)، مسلم، حدیث: (٢٣٨٢).

زندوں اور مُردوں کو الوداع کہا:

عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد پر آٹھ سال کے بعد جنازہ کی نماز اس طرح پڑھی کہ جیسے آپؐ زندوں اور مُردوں کو الوداع کہہ رہے ہوں۔ پھر آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: لوگو! میں تم سے پہلے دنیا سے جا رہا ہوں، اور میں تم لوگوں کے لیے گواہی دوں گا، اور میرے ساتھ تمہارے ملنے کی جگہ "حوض" ہے، اور میں اُس حوض کو اس وقت بھی اپنی اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں، اور میں تمہارے بارے میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم حصولِ دنیا کے لیے ایک دوسرے سے حسد کرو گے، عقبہؓ کہتے ہیں: میں نے اُس دن آپ ﷺ کو آخری بار دیکھا۔ ❶

آخری ایام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس:

آپ ﷺ بیماری کے پہلے دن سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے، پھر آپ ﷺ نے اپنی ازواج سے اجازت مانگی کہ وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں چلے جائیں، تو سب نے اجازت دے دی، جب وہاں سے نکلے تو آپ ﷺ کا ایک ہاتھ فضل بن عباسؓ کے کندھے پر اور دوسرا ایک دوسرے کے کندھے پر تھا، اور آپ ﷺ کے دونوں پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے ذکر کیا ہے کہ دوسرے آدمی علی رضی اللہ عنہ تھے۔ ❷

بیماری کی حالت میں اکثر آپ ﷺ کے سر میں درد ہوتا تھا، اس کے باوجود آپ اپنی ازواج کے پاس باری باری جاتے تھے، لیکن ایسا کرنے سے آپؐ تھک گئے، تو آپ ﷺ نے امہات المومنین سے عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں منتقل ہو جانے کی اجازت چاہی، سب نے اجازت دے دی، وہاں جانے کے بعد آپؐ کا درد والم بڑھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر سات ایسے گھڑوں کے پانی بہاؤ جن کے ڈھکن کھولے نہ گئے ہوں، امید ہے کہ ایسا کرنے سے میں لوگوں کے پاس جانے کے قابل ہو جاؤں گا۔ امہات المومنین نے آپ ﷺ کو سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے ایک بڑے ٹب میں بٹھا دیا، اور اُن گھڑوں کا پانی آپ ﷺ پر اُنڈیلنے لگیں، یہاں تک کہ آپؐ اپنے ہاتھ سے اشارہ کرنے لگے کہ بس کرو۔ پھر آپ ﷺ نکل کر لوگوں کے پاس گئے، نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔ ❸

مرض کی شدت:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی آدمی کو تکلیف کی حالت میں نہیں دیکھا۔ ❹ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ کراہ رہے تھے، میں نے اپنے ہاتھ سے اُن کو چھوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ تو شدید کرب میں ہیں۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: ہاں، مجھے تم میں سے دو آدمیوں کے برابر تکلیف ہوتی ہے۔

---

❶ البخاري، الجنائز، حديث: (١٣٤٤)، المغازي، حديث: (٤٠٨٥)، مسلم، الفضائل، حديث: (٢٢٩٦)، وغيرهما.

❷ البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ، حديث: (٤٤٤٢)، مسلم، الصلاة، حديث: (٩١/ ٤١٨، ٣١٢/١)، مسند احمد: ٦/ ١١٧.

❸ البخاري، الوضوء، حديث: (١٩٨)، المغازي، حديث: (٤٤٤٢)، مسلم، الصلاة، حديث: (٩٢) وغيرهما.

❹ البخاري، باب شدة المرض، حديث: (٥٦٤٦)، مسلم، البر والصلة، حديث: (٢٥٧٠) وغيرهما.

نماز میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ شدت مرض سے بوجھل ہو گئے، تو ایک دن پوچھا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا: لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: میرے لیے ایک ٹب میں پانی رکھ دو۔ ہم نے ایسا ہی کیا، اور آپؐ نے غسل کر لیا، اور مشکل سے اٹھنا چاہا، تو بے ہوش ہو گئے، آپ کو ہوش آیا تو پوچھا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا: نہیں، سب آپؐ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپؐ نے کہا: ایک ٹب میں میرے لیے پانی رکھ دو۔ آپؐ بیٹھ گئے اور غسل فرمایا، اور مشکل سے اٹھنا چاہا، تو آپؐ پر بے ہوشی طاری ہو گئی، جب ہوش آیا تو پوچھا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا: نہیں، سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ (لوگ مسجد میں بیٹھے عشاء کی نماز کے لیے آپ کا انتظار کر رہے تھے) بالآخر رسول اللہ ﷺ نے ابوبکرؓ کو خبر بھیجی کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ قاصد نے آ کر ان کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیجیے۔ ابوبکرؓ نے کہا (جو ایک نرم دل آدمی تھے) اے عمر! آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیجیے۔ عمرؓ نے کہا: آپ زیادہ حقدار ہیں۔ چنانچہ اُن دنوں ابوبکرؓ لوگوں کی امامت کرتے رہے۔ کچھ دنوں کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کچھ افاقہ محسوس کیا، تو دو آدمیوں کے سہارے نماز ظہر کے لیے باہر نکلے، اُن میں سے ایک عباسؓ تھے، اُس وقت ابوبکرؓ لوگوں کی امامت کر رہے تھے۔ ابوبکرؓ نے آپ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہا، تو آپ ﷺ نے ان کو اشارے سے روکا۔ آپ ﷺ نے دونوں سے کہا: مجھے اِن کے بغل میں بٹھا دو۔ دونوں نے آپؐ کو ابوبکرؓ کے بغل میں بیٹھا دیا۔ ابوبکرؓ نبی کریم ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنے لگے، اور لوگ ابوبکرؓ کی نماز کی پیروی کرنے لگے۔ نبی کریم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے۔ ❶

انصار مسجد میں روتے رہے:

ابنِ سعد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: نبی کریم ﷺ کو خبر دی گئی کہ انصار مدینہ، عورتیں اور مرد بھی مسجد میں آپ کے لیے رو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: وہ لوگ کیوں رو رہے ہیں؟ صحابہؓ نے کہا: انھیں ڈر ہے کہ آپ وفات پا جائیں گے۔ یہ سُن کر رسول اللہ ﷺ ہلکا لحاف اوڑھے اور سر پر پٹی باندھے باہر نکلے اور منبر پر بیٹھ کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا: لوگو! دوسرے لوگ زیادہ ہوں گے اور انصار کم ہوتے جائیں گے، یہاں تک کہ اُن کی حیثیت کھانے میں نمک کی ہو جائے گی، پس جو لوگ ان کے اوپر حاکم بنیں اُن کے اچھوں کا خیال رکھیں اور اُن میں سے غلطی کرنے والوں سے درگزر کر دیں، یہ آخری مجلس تھی جس میں آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ بیٹھے، یہاں تک کہ آپؐ وفات پا گئے۔ ❷

موت کی سختیاں:

امّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں: مجھ پر اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے یہ بھی ایک انعام ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں وفات پائی، اور میری باری کے دن، اور میرے گلے اور میرے سینے کے درمیان، اور موت کے وقت اللہ تعالیٰ نے میرے اور اُن کے تھوک کو جمع کر دیا۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ (میرے بھائی) میرے پاس آئے، اُن کے ہاتھ میں

❶ البخاري، الأذان، حديث: (٦٨٧)، مسلم، الصلاة، حديث: (٤١٨ / ٩٠) وغيرهما.

❷ طبقات ابن سعد: ٢ / ٢٥٢.

مسواک تھی، اور میں رسول اللہ ﷺ کو سہارا دیے ہوئی تھی، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ مسواک کی طرف دیکھ رہے ہیں، میں سمجھ گئی کہ ان کو مسواک چاہیے، میں نے پوچھا: اسے آپ کے لیے لے لوں؟ آپ ﷺ نے اپنے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں۔ میں نے مسواک آپؐ کو دی تو آپ کے لیے وہ سخت تھی۔ میں نے پوچھا: اسے نرم بنا دوں؟ آپ ﷺ نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں۔ میں نے اسے نرم بنا دیا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنے منہ میں گھمایا، آپؐ کے سامنے ایک برتن میں پانی رکھا تھا، آپ اپنے دونوں ہاتھ اس میں ڈال کر انہیں اپنے چہرہ پر پھیرتے تھے اور کہتے تھے: لا الٰہ الا اللہ، بے شک موت کی سختیاں ہوتی ہیں، آپ نے پھر اپنا ہاتھ اٹھایا اور کہنے لگے: اے اللہ! رفیق اعلیٰ کی طرف بلا لے، یہاں تک کہ آپ ﷺ وفات پا گئے، اور آپؐ کا دستِ مبارک جھک گیا۔ ❶

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کا جسم مرض کے زیرِ اثر بوجھل ہو گیا تو آپؐ پر بے ہوشی طاری ہونے لگی، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے! میرے ابا کی تکلیف، تو آپ ﷺ نے فرمایا: آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اور جب آپ ﷺ وفات پا گئے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے! میرے ابا نے اپنے رب کے بلاوے کو قبول کر لیا، ہائے! میرے ابا کا ٹھکانا جنت الفردوس ہوگا، ہائے! میں اپنے ابا کی موت کی تعزیت جبریل علیہ السلام سے کرتی ہوں۔ اور جب آپ ﷺ دفن کر دیے گئے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے انس! کیا تمہاری روحوں نے گوارا کر لیا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک پر مٹی ڈالو؟ ❷

❁❁❁❁

---

❶ البخاری، باب مرض النبی ﷺ، حدیث: (٤٤٤٩)، مسلم، حدیث: (٢٤٤٣).

❷ البخاری، المغازی، حدیث: (٤٤٦٢)، الترمذی، الشمائل، حدیث: (٣٧٩)، النسائی، المساجد: ٤/ ١٢-١٣ وغیرهم.

وفات سے پہلے آپ ﷺ کی بعض وصیتیں

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیماری کے دنوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بعض مفید نصیحتیں کیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ رکوع و سجود میں تلاوتِ قرآن کی ممانعت:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے پردہ ہٹایا تو دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز کے لیے صفیں بنائے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! نبوت کی خوشخبری دینے والی باتوں میں سے صرف اچھے خواب باقی رہ گئے ہیں جنھیں مسلمان دیکھتا ہے، یا کوئی دوسرا مسلمان اس کے بارے میں دیکھتا ہے۔ آگاہ رہو کہ مجھے رکوع وسجود میں قرآن پڑھنے سے روک دیا گیا ہے۔ رکوع میں اپنے رب کی عظمت بیان کرو، اور سجدہ میں خوب دعا کرو، سجدہ میں دعا کی قبولیت کی زیادہ امید ہوتی ہے۔ ❶

۲۔ نماز اور غلام ولونڈی کا خیال:

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ کی زبان سے آخری بات جو نکلی وہ "نماز، نماز" تھی اور یہ کہ تم لوگ اپنے غلاموں اور باندیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ ❷ اسی بات کو انس رضی اللہ عنہ نے یوں بیان کیا ہے کہ حالتِ غرغرہ میں رسول اللہ ﷺ کی عام وصیت مندرجہ ذیل تھی: تم لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرو، اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کا خیال رکھو۔ ❸

۳۔ قبروں کو مساجد بنانے کی ممانعت:

جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پانچ دن پہلے آپ ﷺ کو کہتے سنا: تم سے پہلے کے لوگ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مساجد بنا لیتے تھے، تم لوگ قبروں کو مساجد نہ بناؤ، میں تمہیں ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں۔ ❹

سیدہ عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات قریب ہوئی تو اپنی چادر کا ایک کنارہ اپنے چہرہ پر ڈالنے لگے، اور جب آپ ﷺ کی سانس گھٹنے لگتی تو چہرہ کھول دیتے اور کہتے: اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر، جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: آپ ﷺ اُن کی طرح کرنے سے

---

❶ مسلم، الصلاۃ، حدیث: (٤٧٩)، ابو داؤد، الصلاۃ، حدیث: (٨٧٦)، النسائی، الافتتاح: ٢/ ١٨٩، ١٩٠، وغیرهم.

❷ ابو داؤد، الأدب، حدیث: (٥١٥٦)، ابن ماجه، الوصایا، حدیث: (٢٦٩٨) وغیرهما، یہ حدیث صحیح ہے۔

❸ ابن ماجه، الوصایا، حدیث: (٢٦٩٧)، النسائی، وفاۃ النبی ﷺ، حدیث: (١٨، ١٩)، مسند احمد: ٣/ ١١٧، یہ حدیث صحیح ہے۔

❹ مسلم، المساجد، حدیث: (٥٣٢)، المعجم الکبیر، طبرانی: ١٦٨٦، طبقات ابن سعد: ٢/ ٢٤٠.

مسلمانوں کو ڈراتے تھے۔ ❶

ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آخری بات جو نبی کریم ﷺ نے کہی یہ تھی کہ حجاز و نجران میں رہنے والے یہودیوں کو جزیرۂ عرب سے نکال دو، اور جان لو کہ بدترین ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا۔ ❷

رسول اللہ ﷺ کی خلافت کے حقدار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:

محمد بن جبیر بن مطعم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صحابیہ نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ طلب کیا تو آپ ﷺ نے اسے کچھ دنوں کے بعد آنے کو کہا۔ صحابیہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر میں آئی اور آپ نہ ملے تو کیا کروں گی؟ جبیرؓ کہتے ہیں: صحابیہ کی مراد رسول اللہ ﷺ کی وفات تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں نہ ملوں تو ابوبکر سے ملنا۔ ❸

ابن ملیکہ روایت کرتے ہیں، میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہتے سنا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کسی کو اپنا خلیفہ بناتے تو ابوبکرؓ کو بناتے۔ پھر پوچھا گیا: ابوبکرؓ کے بعد کس کو بناتے؟ تو کہا: عمرؓ کو۔ پھر پوچھا گیا: عمرؓ کے بعد کس کو بناتے؟ انہوں نے کہا: ابوعبیدہؓ بن الجراح کو۔ پھر انہوں نے یہیں بات ختم کردی۔ ❹

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے بیماری کے ایام میں کہا: ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلالو تاکہ میں ایک تحریر لکھ دوں، مجھے ڈر ہے کہ کوئی شخص تمنا کرے اور کہے کہ میں زیادہ مستحق ہوں، جبکہ اللہ عزوجل اور مومنین اس کا انکار کرتے ہیں۔ ❺

ایامِ مرض میں جب رسول اللہ ﷺ میمونہؓ کے گھر میں تھے، عبداللہؓ بن زمعہ سے فرمایا: لوگوں سے کہو کہ وہ نماز پڑھ لیں۔ اُن کی ملاقات عمرؓ بن خطاب سے ہوئی، انہوں نے اُن سے کہا: اے عمر! آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیجیے، انہوں نے نماز پڑھانی شروع کی، رسول اللہ ﷺ نے اُن کی آواز پہچان لی، اُن کی آواز اونچی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا یہ عمر کی آواز نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل اور مومنین اس کا انکار کرتے ہیں، ابوبکر کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ ❻

آپ ﷺ نے رفیقِ اعلیٰ کو اختیار کرلیا:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، رسول اللہ ﷺ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے: کوئی نبی بھی اس سے پہلے وفات نہیں پاتا کہ جنت میں اُس کی جگہ اسے دکھا دی جاتی ہے، پھر اُسے اختیار دیا جاتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، جب رسول اللہ ﷺ کی بیماری نے شدت اختیار کرلی، اور آپ ﷺ کا سر میری ران پر تھا، تو کچھ دیر کے لیے آپ پر غشی طاری ہوئی، پھر ہوش آگیا، تو آپ ﷺ نے اپنی نظر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا، پھر فرمایا: اے اللہ! اب مجھے اوپر بلا

---

❶ البخاری، الصلاۃ، حدیث: (٤٣٥)، مسلم، المساجد، حدیث: (٥٣١)، النسائی، المساجد: ٢/ ٤٠، وغیرهم.

❷ مسند احمد: ١/ ١٩٥، مسند ابی یعلی، حدیث: (٨٧٢) بسند صحیح.

❸ البخاری فی فضائل الصحابة، حدیث: (٣٦٥٩)، ومسلم فی فضائل الصحابة، حدیث: (٢٣٨٦)، وغیرهما.

❹ مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: (٢٣٨٥)، فضائل الصحابة، حدیث: (٢٠٣، ٢٠٤)، ابن سعد: ٣/ ١٨١.

❺ البخاری، فضائل الصحابة، حدیث: (٥٦٦٦)، مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: (٢٣٨٧) طبقات ابن سعد: ٣/ ١٨١.

❻ مسند احمد: ٤/ ٣٢٢، سنن ابی داود، کتاب السنة، حدیث: (٣٦٦٠).

لے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے دل میں کہا: اب آپ ﷺ ہمیں ترجیح نہیں دیں گے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: تب میں نے اس حدیث کا مطلب سمجھا جسے آپ ﷺ نے صحت کی حالت بیان فرمایا تھا کہ "کوئی نبی بھی اُس وقت تک دنیا سے نہیں اٹھایا جاتا جب تک وہ جنت میں اپنی جگہ نہ دیکھ لے، پھر اُسے اختیار دیا جاتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: آخری کلمہ جو آپ ﷺ کی زبان سے نکلا یہی تھا: "اے اللہ! اب مجھے اوپر بلا لے"۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہوئی تو صحیح روایت کے مطابق آپ ﷺ کی عمر تریسٹھ (۶۳) سال تھی جیسا کہ امام بخاریؒ نے باب وفاۃ النبی ﷺ میں اور امام مسلمؒ نے کتاب الفضائل میں اور ترمذی وغیرہم نے روایت کی ہے۔ آپ ﷺ کی وفات سوموار کے دن بارہ ربیع الاول سن ۱۱ ہجری کو ہوئی۔ اُس دن آپ تریسٹھ سال چار دن کے تھے۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا بوسہ لیا اور رونے لگے:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ابو بکرؓ مقام سنح میں، اپنے مسکن سے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر آئے، مسجد میں داخل ہوئے، کسی سے بات نہیں کی، اور میرے پاس پہنچے پھر سیدھے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، آپ ﷺ کے اوپر ایک کپڑا ڈال دیا گیا تھا، آپؐ کا چہرہ کھولا، اور آپؐ پر جھک گئے، آپؐ کو بوسہ دیا اور رونے لگے، پھر کہا: میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں، اللہ کی قسم! اللہ آپ کو دوبار موت نہیں دے گا۔ جو موت آپ کے لیے لکھی ہوئی تھی وہ آ چکی۔ ❷

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سر مبارک کی طرف سے آئے، آپ ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا: ہائے! ہمارے نبی، پھر اپنا سر اٹھایا، اور دوبارہ منہ کھولا اور آپ ﷺ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا: ہائے، میرے مخلص۔ پھر اپنا سر اٹھایا، اپنا منہ کھولا اور آپ ﷺ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا: ہائے! میرے مخلص دلی دوست اللہ کے رسول ﷺ وفات پا گئے۔ ❸

مسند احمد کی ایک دوسری روایت میں ہے، ابو بکرؓ نے اپنا منہ آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں کے درمیان رکھا، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو آپ ﷺ کی دونوں کنپٹیوں پر رکھا اور کہا: ہائے! ہمارے نبی، ہائے! میرے خلیل، ہائے! میرے مخلص۔

سب سے تاریک دن:

صحابہ کرام میں سے ہر صحابی سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اُن سے زیادہ محبت کرتے ہیں، تمام صحابہ کرام کو آپ ﷺ کے سایۂ عاطفت میں زندگی گزارنے کی عادت پڑ گئی تھی جیسے چھوٹے بچے اپنے والدین کے سایۂ عاطفت میں سکون محسوس کرتے ہیں، بلکہ والدین سے بھی زیادہ آپ ﷺ کے سایۂ عاطفت میں سکون محسوس کرتے تھے۔ قرآن کریم نے میری اور مجھ جیسوں کی اس فکر کی تائید مندرجہ ذیل آیت میں کی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝﴾

[التوبہ: ۱۲۸]

---

❶ البخاری، المغازی، حدیث: (۴۴۶۳) مسلم، فضل عائشہ، حدیث: (۲۴۴۴).

❷ البخاری، المغازی، حدیث: (۴۴۵۲).
❸ مسند احمد: ۶/۲۱۹، ۲۲۰، الإرواء، الألبانی، حدیث: (۲۹۶).

"(مسلمانو!) تمہارے لیے تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں جن پر ہر وہ بات شاق گزرتی ہے جس سے تمھیں تکلیف ہوتی ہے، تمہاری ہدایت کے بڑے خواہشمند ہیں، مومنوں کے لیے نہایت شفیق و مہربان ہیں۔"

اسی لیے رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر اُن سب کے لیے آسمانی بجلی یا اس سے بھی زیادہ سخت اور زلزلہ خیز تھی۔

خادم رسول اللہ ﷺ انس رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام کے غم والم کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے: میں نے اپنی زندگی میں اُس دن سے زیادہ روشن و تابناک کوئی دن نہیں دیکھا جب رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے، اور اُس دن سے زیادہ بد شکل اور تاریک دن نہیں دیکھا جس دن رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی۔ ❶

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے! میرے ابا نے اپنے رب کے بلاوے کو قبول کر لیا، ہائے! میرے ابا کا ٹھکانا جنت الفردوس ہوگا، ہائے! میں اپنے ابا کی موت کی تعزیت جبریل علیہ السلام سے کرتی ہوں۔ ❷

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس غمناک خبر سے حواس کھو بیٹھے اور کہنے لگے: کچھ منافقین کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے، رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی ہے، وہ تو اپنے رب سے ملنے گئے ہیں جیسے موسیٰ بن عمران اللہ سے ملنے گئے تھے، اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ضرور واپس آئیں گے اور ایسے لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ آپ وفات پا گئے۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان دی، اور نبی کریم کا ذکر آیا تو دھاڑیں مار کر رونے لگے، صحابہ کرام کے غم و حزن میں اضافہ ہو گیا، اس لیے کہ ان کی عادت یہ تھی کہ وہ ہر روز اذان سنتے اور رسول اللہ ﷺ اُن کے درمیان ہوتے تھے۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کی وفات سے ہم پر جو مصیبت آئی اس کی غایت درجہ الم ناکی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد جب بھی ہم پر کوئی مصیبت آتی تو آپ کی وفات کی مصیبت کو یاد کر لیتے تھے تو وہ مصیبت ہلکی ہو جاتی تھی۔ ❸

بے شک آپ ﷺ فوت ہو جائیں گے اور سب لوگ بھی فوت ہو جائیں گے:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے آپ ﷺ سے پہلے کسی کی تیمارداری نہیں کی تھی، ایک دن آپ کا سر میرے کندھے پر تھا کہ اچانک آپ کا سر میرے سر کی طرف جھک گیا، میں نے سمجھا کہ آپ ﷺ کو میرے سر سے کوئی ضرورت ہے، اچانک دیکھتی ہوں کہ آپ کے منہ سے ٹھنڈا پانی نکل کر میری گردن کے کنارے پر گرا، میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، میں سمجھ گئی کہ آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے ہیں، تو میں نے آپ پر ایک کپڑا ڈال دیا۔

اُسی وقت سیدنا عمر اور مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہما) آئے اور اندر آنے کی اجازت مانگی، میں نے دونوں کو اجازت دے دی، اور پردہ کر لیا، عمر رضی اللہ عنہ نے آپ پر نظر ڈالی اور کہا: ہائے! کتنی شدید غشی ہے رسول اللہ ﷺ کی، پھر دونوں کھڑے ہو گئے،

---

❶ مسند احمد: ۲۲۱/۶. ❷ البخاری، المغازی، حدیث: (۴۴۶۲)، مسند احمد: ۱۹۷،۱۴۱/۳، ۲۰۴، طبقات ابن سعد: ۳۱۱/۲، دلائل البیہقی: ۲۱۲/۷، ۲۱۳.

❸ سیرۃ ابن کثیر: ۵۳۸/۴، ۵۳۹.

اور جب دروازہ کے قریب پہنچے تو مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عمر! رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔ عمرؓ نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو، بلکہ تمہاری نحوست ایک فتنہ ہے، رسول اللہ ﷺ وفات نہیں پائیں گے جب تک اللہ عزوجل منافقوں کو ہلاک نہیں کر دے گا۔ اِس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے، تو میں نے پردہ ہٹا دیا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور کہا: ((إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ .)) رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے، پھر آپ ﷺ کے سر کی طرف سے آئے، اور آپ ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دیا پھر کہا: ہائے! ہمارے نبی، پھر اپنا سر اٹھایا، اور آپ ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا: ہائے! میرے خلیل، رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجد میں گئے، وہاں عمرؓ لوگوں کے سامنے خطبہ دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اللہ کے رسول ﷺ نہیں وفات پائیں گے یہاں تک کہ اللہ منافقین کو ہلاک کر دے گا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بات کرنی شروع کی، اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر کہا: اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ﴾ ...... "اے میرے نبی! آپ بھی مر جائیں گے اور یہ لوگ بھی مر جائیں گے۔" [الزمر: ۳۰] اور اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ﴾ ...... "اور محمد صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت انبیاء گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیے جائیں، تو تم لوگ اُلٹے پاؤں (دین سے) پھر جاؤ گے۔" [آل عمران: ۱۴۴] جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے کبھی نہیں وفات پائے گا، اور جو محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد (ﷺ) وفات پا گئے۔" عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ آیتیں اللہ کی کتاب میں ہیں لیکن مجھے احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ یہ آیتیں اللہ کی کتاب میں ہیں۔ پھر عمرؓ نے کہا: لوگو! یہ ابوبکرؓ ہیں، اور مسلمانوں میں بڑی عمر کے ہیں، تم لوگ اِن کے ہاتھ پر بیعت کر لو، چنانچہ سب نے اُن سے بیعت کر لی۔ ❶

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ ابوبکرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے جب باہر آئے تو عمرؓ لوگوں کے سامنے بول رہے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: عمر، بیٹھ جاؤ، انہوں نے انکار کر دیا، دوبارہ کہا: بیٹھ جاؤ، انہوں نے انکار کر دیا، تب ابوبکرؓ نے تشہد پڑھنا شروع کیا تو لوگ اُن کی طرف متوجہ ہو گئے، اور عمرؓ کو چھوڑ دیا۔ ابوبکرؓ نے کہا: اما بعد! تم میں سے جو محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد فوت ہو گئے، اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے، وہ کبھی نہیں وفات پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾ [آل عمران: ۱۴۴]

"اور محمد صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت سے انبیاء گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیے جائیں، تو تم لوگ اُلٹے پاؤں (دین سے) پھر جاؤ گے، اور جو دین سے اُلٹے پاؤں پھر جائے گا، تو اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا، اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے گا۔"

---

❶ مسند احمد: ۶/ ۳۱، ۲۱۹، ۲۰۰، الترمذی، الشمائل، حدیث: (۳۷۳)، طبقات ابن سعد: ۲/ ۲۶۷.

اللہ کی قسم! ایسا لگتا تھا کہ لوگ پہلے سے جانتے ہی نہیں تھے کہ اللہ نے یہ آیت قرآن میں پہلے نازل کی ہوئی ہے، جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت کی تو تمام لوگوں نے اُن سے اس آیت کو حاصل کیا، اور جسے دیکھئے اس کی تلاوت کر رہا تھا۔

راوی کہتے ہیں: مجھے سعید بن مسیب نے بتایا ہے کہ عمرؓ نے کہا: اللہ کی قسم! جوں ہی میں نے ابوبکرؓ کو اس کی تلاوت کرتے سنا، دھڑام سے بیٹھ گیا، میرے دونوں پاؤں کی طاقت سلب ہوگئی اور مجھے علم ہوا کہ نبی کریم ﷺ وفات پاگئے ہیں۔ ❶

تجہیز و تکفین:

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب صحابہ نے آپ ﷺ کو غسل دینا چاہا تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ آپ ﷺ کے کپڑے اتار دیں جیسا کہ ہم اپنے مُردوں کے کپڑے اتار دیتے ہیں، یا آپؐ کے کپڑوں کے ساتھ ہی آپ کو غسل دیں۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اُن پر نیند غالب کر دی اور ہر ایک کی ٹھوڑی اس کے سینہ پر پہنچ گئی۔ اُس وقت گھر کے ایک کونے سے ایک بولنے والے کی آواز آئی جسے اُن لوگوں نے نہیں پہچانا کہ ''تم لوگ رسول اللہ ﷺ کو اُن کے کپڑوں کے ساتھ نہلاؤ، چنانچہ صحابہ نے آپ کو آپ کی قمیص کے ساتھ نہلایا'' صحابہ آپؐ پر پانی قمیص کے اوپر سے ڈالتے تھے اور قمیص کے ذریعہ ہی آپؐ کے بدن کو رگڑتے تھے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اگر ہمیں وہ بات پہلے معلوم ہو جاتی جو بعد میں معلوم ہوئی تو آپ ﷺ کی ازواج ہی آپ ﷺ کو غسل دیتیں۔ ❷

بیہقی رحمہ اللہ نے **دلائل النبوۃ** میں روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو تین بار سدر (بیری) سے نہلایا گیا، اور آپ ﷺ کو قمیص کے اوپر سے نہلایا گیا، اور قباء کے ''غرس'' نامی کنویں کے پانی سے آپ ﷺ کو نہلایا گیا، جو کنواں سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کا تھا، اور نبی کریم ﷺ اُس کا پانی پیا کرتے تھے۔ ❸

علامہ البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الجنائز میں امام شعبی رحمہ اللہ کی ایک مُرسل روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو غسل دینے میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ فضل بن عباسؓ اور اسامہ بن زیدؓ شریک تھے۔ اس حدیث کو ابوداود نے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔ ❹ اور رسول اللہ ﷺ کو منگل کے دن نہلایا گیا، یعنی وفات کے ایک دن کے بعد۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ صحابہ کرام سوموار کے دن باقی وقت اور منگل کے دن کچھ وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت میں مشغول رہے۔ جب بیعت کا کام تمام ہوگیا، تمام امور طے پا گئے اور حالات میں پورے طور پر استقرار آ گیا تب صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین میں لگے۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں: جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت ہوگئی تب لوگ منگل کے دن رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔ ❺

---

❶ البخاري، الجنائز، حديث: ١٢٤٢، المغازي، حديث: (٤٤٥٤).

❷ أبو داؤد، الجنائز، حديث: (٣١٤١)، مستدرك الحاكم: ٣/٥٩، ٦٠، حاکم رحمہ اللہ کے نزدیک مسلم رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق صحیح ہے، ذہبی نے اس کی تائید کی ہے، دلائل البيهقي: ٧/٢٤٢، ابن حبان، حديث: (٣٩٤٩)، البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ دیکھئے: احكام الجنائز: ٤٩، والإرواء: ٧٠٢.

❸ دلائل البيهقي: (٧/٢٤٥)، طبقات ابن سعد: (٢/٢٨٠)، حافظ کہتے ہیں: یہ حدیث مرسل جید ہے۔

❹ دیکھئے: علامہ البانی رحمہ اللہ کی أحكام الجنائز: ص/٥١، وسنن أبي داؤد، حديث: (٣٢٠٩). ❺ سيرة ابن كثير: ٤/٥١٧.

ابن دحیہ کہتے ہیں: اس بارے میں اختلاف نہیں ہے کہ جن لوگوں نے آپ ﷺ کو غسل دیا وہ سیدنا علیؓ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما تھے، البتہ عباس، اُسامہ، قُثم اور شقران رضی اللہ عنہم کے بارے میں اختلاف ہے جسے شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار میں نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ ﷺ کو غسل سیدنا علی اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے دیا، اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ان دونوں کو پانی دیتے تھے، اور عباس رضی اللہ عنہ وہاں کھڑے تھے۔ اور کسی نے یہ بات نقل نہیں کی ہے کہ صحابہ میں سے کس نے اس کا انکار کیا، اسی لیے اِن حضرات کے رسول اللہ ﷺ کو غسل دینے پر صحابہ کا اجماع تھا۔ ❶

آپ ﷺ کا کفن:

پہلے پہل رسول اللہ ﷺ کو عبداللہ بن ابوبکرؓ کی ایک یمانی چادر میں لپیٹا گیا، پھر تین سفید کرسف کے بنے کپڑوں کا آپ ﷺ کو کفن دیا گیا، اُن کپڑوں میں عمامہ اور قمیص نہیں تھی۔ عبداللہ بن ابوبکرؓ نے پھر اپنی وہ چادر رکھ لی کہ میرا کفن اب یہی چادر ہوگی۔ پھر آپ نے کچھ سوچ کر کہا: جس چادر میں رسول اللہ ﷺ کو نہیں کفنایا گیا کیا میں اُس میں کفنایا جاؤں گا، چنانچہ انہوں نے وہ چادر خیرات کر دی۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے، عبداللہ نے کہا: اگر اللہ نے اِسے اپنے رسول کے لیے پسند فرمایا ہوتا، تو یہ آپ ﷺ کا کفن بنتی۔ اس لیے آپ نے اسے بیچ کر اس کی قیمت خیرات کر دی۔ ❷

آپ ﷺ کی نمازِ جنازہ:

ابن ابی شیبہ نے سعید بن مسیبؒ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ وفات پا جانے کے بعد اپنے بستر پر رکھے گئے، اور لوگ جماعت در جماعت داخل ہوتے اور آپ ﷺ پر نماز پڑھ کر باہر نکل جاتے، کسی نے ان کی امامت نہیں کرائی۔ آپ ﷺ کی وفات سوموار کے دن ہوئی، اور راجح قول کے مطابق بدھ کی رات کو دفن کیے گئے۔ ❸ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ صحابہ نے آپ ﷺ پر فرداً فرداً نماز پڑھی، اور کسی نے ان کی امامت نہیں کرائی۔ ❹

دفن:

رسول اللہ ﷺ کو غسل دیے جانے کے بعد صحابہ کے درمیان اختلاف ہوا کہ آپ ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے؟ تب ابوبکرؓ نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی بات اب تک نہیں بھولا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ کسی بھی نبی کو اس جگہ وفات دیتے ہیں جہاں اللہ کو اُن کا دفن کیا جانا پسند ہوتا ہے۔ تم لوگ آپ ﷺ کو آپ کے بستر کی جگہ دفن کرو۔

علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، اس سلسلہ میں امام ترمذی رحمہ اللہ کی تضعیف نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: یہ حدیث اپنے متعدد طریقوں اور شواہد کے ذریعہ ثابت ہے۔ ❺ اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: آپ ﷺ کے دفن کے بارے میں یہی بات متواتر طور پر معلوم ہے کہ آپ ﷺ مسجد نبوی کے احاطہ میں مدفون ہیں۔ ❻

---

❶ نیل الأوطار: ٦٦/٤.
❷ مسلم، الجنائز، حدیث: (٤٥) دلائل البیهقي: ٢٤٧/٧، طبقات ابن سعد: ٢٨٢/٢.
❸ المصنف: ٤٣٠/٧.
❹ البدایه والنهایة: ٢٣٢/٥.
❺ الترمذي، الجنائز، حدیث: (١٠١٨).
❻ الفصول لابن کثیر: ١٥٣.

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں لکھا ہے: یہ بات تواتر کے ساتھ معلوم ہے کہ آپ ﷺ حجرۂ عائشہ کے قبلہ کی جانب والے مغربی زاویہ میں دفن کیے گئے جو مسجد کے شرقی احاطہ میں تھا۔ آپ ﷺ کے بعد اس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ دفن کیے گئے، اور ابوبکر کے بعد عمر...... رضی اللہ عنہ ❶

اور جب آپ ﷺ کو قبر میں اتارا گیا تو آپ ﷺ کی قبر کو زمین سے ایک بالشت اونچا کیا گیا، اور بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کی قبر پر پانی چھڑکا۔

رسول اللہ ﷺ نے وفات سے پہلے اپنی امت کو قرآن وسنت سے تیار روشن وتابناک شاہراہ پر لگا دیا تھا، اُن میں سرفہرست آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جن کے ذریعہ اللہ نے دینِ اسلام کو عزت بخشی، انہوں نے ملکوں کو فتح کیا اور پورے عالم کو اسلام کے آفتاب عالمتاب کی روشنی سے بھر دیا، تاکہ اللہ کا دین تمام کو پہنچے، اور اس کا وعدہ پورا ہو۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کی مصیبت کے بعد صحابہ کرام کے لیے ہر مصیبت ہلکی ہوگئی، اور جب تک زندہ رہے آپ کے فراق میں روتے رہے، وفات کے فوراً بعد تمام اہل مدینہ جمع ہوگئے، مسجدِ نبوی اور مدینہ کی گلیاں رونے اور بلکنے کی آوازوں سے بھر گئیں، اُن کی نگاہوں میں دنیا تاریک ہوگئی، ہر دور وقریب بدل گیا۔ بلال رضی اللہ عنہ نے پکارا: ہائے! ہمارے نبی، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پکارا: ہائے! میرے ابا، حسن وحسین رضی اللہ عنہما نے پکارا: ہائے! ہمارے نانا، اور تمام مسلمانوں نے پکارا: ہائے! ہمارے غم والم کے پہاڑ۔ اس مصیبتِ عظمیٰ کے سبب ہر مکان وزمان میں مسلمانوں کی آنکھوں سے خون کے آنسو بہے۔ نبی کریم ﷺ کی وفات ہم سب کے لیے تازیانۂ عبرت ہے۔ کسی محبِّ رسول شاعر نے کتنی اچھی بات کہی ہے

من بعد موت المصطفى هل لامرئ فى الدهر يوما للبقاء سبيل
وهو النبي المصطفى والمجتبى ونبي حق للورى ورسول
صلى عليه الله جل جلاله ما حن مشتاق وسار دليل

"کیا حبیب مصطفیٰ ﷺ کی وفات کے بعد بھی زمانہ میں کوئی شخص ہمیشہ باقی رہنے کی آس لگا سکتا ہے، آپ ﷺ تو نبی مصطفیٰ ومجتبیٰ تھے، آپ مخلوق کے لیے نبی برحق اور رسول تھے۔ اللہ جل جلالہ نے آپ ﷺ پر درود بھیجا ہے جب تک کوئی مشتاق اپنے حبیب کو یاد کرتا رہے گا، اور کوئی رہنما چلتا رہے گا۔"

❶ البداية والنهاية: ٥/ ٢٢٨.

نبی کریم ﷺ کا خاندان

آپ ﷺ کی ازواج

اس کتاب میں نبی کریم ﷺ کی زندگی سے متعلق جو معلومات اب تک بہم پہنچائی گئی ہیں اُن میں اگرچہ آپ ﷺ کی شادیوں اور گیارہ امہات المؤمنین کا اجمالی ذکرِ خیر آچکا ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ہر بیوی کی زندگی کا ایک اجمالی خاکہ الگ الگ پیش کر دیا جائے اور ہر ایک سے متعلق مفید و نافع بعض تفصیلات کا بیان مستقل طور پر کیا جائے تاکہ امہات المؤمنین سے متعلق بات مکمل ہو جائے:

۱۔ سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا:

انہیں "قریش کی عورتوں کی سردار" کہا جاتا ہے، اِن سے رسول اللہ ﷺ نے پچیس سال کی عمر میں شادی کی، اُس وقت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا چالیس سال کی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اِن سے پہلے شادی نہیں کی تھی، اور ان کی زندگی میں کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کی، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آپ ﷺ سے پہلے دو بار شادی ہو چکی تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے اسلام کی دعوت قبول کی، اور کارہائے نبوت میں آپ ﷺ کی خوب مدد کی، آپ ﷺ کے ساتھ جہاد کیا، اور اپنی جان و مال کے ذریعہ آپ ﷺ کی خوب دلدہی کی، اِن کے مقام کی بلندی کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ اللہ عزوجل نے جبریل امین علیہ السلام کے ذریعہ ان کو اپنا سلام بھیجا۔ دنیا کی کسی دوسری عورت کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔

اِن کے بطن سے رسول اللہ ﷺ کے تین لڑکے پیدا ہوئے: قاسم، طاہر، اور طیب، بعض سیرت نگاروں نے چوتھے بیٹے کا بھی اضافہ کیا ہے، اور ان کا نام عبداللہ بتایا ہے۔ اور چار بیٹیاں مولود ہوئیں: زینب، رقیہ، اُمّ کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن۔

سبھی لڑکے اسلام آنے سے پہلے ہی وفات پا گئے، البتہ سبھی لڑکیاں مشرف باسلام ہوئیں اور اپنے والد کے آگے پیچھے ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہجرت سے تین سال پہلے وفات پا گئیں۔ رضی اللہ عنہا وأرضاها۔ ❶

۲۔ سیدہ سودۃ بنت زمعہ قرشیہ رضی اللہ عنہا:

اِن کی شادی رسول اللہ ﷺ سے پہلے اِن کے چچا زاد سکران بن عمرو سے تھی۔ یہ دونوں حبشہ کی طرف مسلمانوں کی دوسری ہجرت سے پہلے حبشہ گئے، اور واپسی کے بعد سکران مکہ میں وفات پا گئے۔ تب اُن سے رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ماہ شوال سن دس نبوی میں شادی کر لی۔ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے اوامر کی تنفیذ کا شدت سے خیال رکھتی تھیں، اور آپ ﷺ کو خوش رکھنے کے لیے آپ کو ہنساتی رہتی تھیں۔

---

❶ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے اس کتاب کے صفحات ۱۴۷، ۱۴۹۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس جب یہ معمر ہو گئیں تو آپ ﷺ نے ان کو طلاق دینی چاہی۔ انہوں نے کہا: مجھے طلاق نہ دیجیے، آپ پر میری باری وغیرہ کی پابندی نہیں ہوگی، میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن آپ ﷺ کی بیوی کی حیثیت سے اٹھائی جاؤں، اور میں اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہوں، اور مجھے آپ ﷺ سے وہ نہیں چاہیے جو عورتیں چاہتی ہیں۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کو اپنی زوجیت میں رہنے دیا، یہاں تک کہ یہ دیگر امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی طرح وفات پا گئیں۔ ❶

مشہور قول کے مطابق عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مدینہ میں ان کی وفات ہوئی۔ ❷

۳۔ سیدہ عائشہ بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما:

ان کا عقدِ نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شوال سن گیارہ نبوی میں ہوا، اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی، اور شوال سن ایک ہجری میں رخصت ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں، اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔

نبی کریم ﷺ نے ان کے علاوہ کسی دوسری باکرہ عورت سے شادی نہیں کی، اور ان کے سوا کسی دوسری بیوی کے لحاف میں آپ ﷺ پر وحی نازل نہیں ہوئی، اور کسی دوسری بیوی سے آپ ﷺ نے ان جیسی محبت نہیں کی۔ ان کی بعض خوبیوں اور صفاتِ حسنہ کا ذکر قرآن و سنت میں بھی آیا ہے، ان کی پاکدامنی کی شہادت آسمان سے نازل ہوئی، اور اب ان پر تہمت دھرنے والے کے کفر پر امت کا اتفاق ہے۔ اس امت میں کوئی دوسری عورت علم و فضل میں ان کے مقام کو نہیں پہنچی۔ ان کی وفات ۵ رمضان سن ۵۸ ہجری میں ہوئی۔ ان کے جنازہ کی نماز سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں بحیثیت خلیفۂ امیر المؤمنین مروان نے پڑھائی، اور بقیع غرقد میں دفن کی گئیں۔ رضی اللہ عنہا وارضاھا۔ ❸

۴۔ سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما:

رسول اللہ ﷺ سے پہلے ان کی شادی خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی جو جنگِ بدر میں شدید زخمی ہو گئے تھے اور اسی کے زیرِ اثر وفات پا گئے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ جنگِ احد میں زخمی ہوئے تھے، لیکن پہلی بات ہی زیادہ مشہور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خنیس بن حذافہ سہمی کی وفات کے بعد پہلے قول کے مطابق ہجرت کے تیس ماہ بعد ان سے شادی کی، اور دوسرے قول کے مطابق غزوۂ اُحد کے بعد۔

ابو داؤد، ابن ماجہ اور نسائی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حفصہؓ کو طلاق دے دی تھی، پھر رجوع کر لیا تھا۔ ❹

ماہِ شعبان سن ۴۵ ہجری میں مدینہ میں ان کی وفات ہوئی، اور ان کی نمازِ جنازہ مروان بن الحکم حاکم مدینہ نے پڑھائی، اور بقیع غرقد میں دفن ہوئیں۔ ❺

---

❶ الاستیعاب: ۱۸٦٧/٤.

❷ الاستیعاب: ۱۸٦٧/٤، الإصابة: ۱۲۲/۷۔

❸ زاد المعاد: ۷۳/۱، الفصول: ص/۱۷۸۔

❹ صحیح سنن ابی داؤد، حدیث: (۱۹۹۸)۔

❺ دیکھئے: تاریخ النبی، ابن زبالہ تحقیق د۔ اکرم ضیاء العمری: ص/ ٤٥-٤٧۔

۵۔ سیّدہ زینب بنت خزیمہ اُمّ المساکین رضی اللہ عنہا:

اِن کی کنیت اُمّ المساکین تھی، رسول اللہ ﷺ سے پہلے اِن کی شادی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ زہری نے لکھا ہے کہ یہ جنگِ اُحد کے دن شہید ہوگئے تھے۔ آپ ﷺ نے اِن سے ماہِ رمضان میں سیّدہ حفصہؓ سے شادی کرنے کے اکتیس دن بعد، اور سیّدہ میمونہؓ سے شادی کرنے سے پہلے کی تھی۔ صحیح قول کے مطابق یہ آپ ﷺ کے پاس صرف دو ماہ رہیں۔ بعض نے لکھا ہے: آٹھ ماہ رہیں۔ اِن کی وفات رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی ہوگئی، آپ ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ خود پڑھائی، اور بقیع غرقد میں دفن ہوئیں۔ اُس وقت اِن کی عمر صرف تیس سال تھی۔ ❶

٦۔ سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا:

اِن کا نام ہند بنت اُمیہ قُرشیہ مخزومیہ تھا، رسول اللہ ﷺ سے پہلے ان کی شادی ابوسلمہ بن عبدالاسد سے تھی، اِن کی والدہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی بَرّہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ اِن کے بطن سے ابوسلمہؓ کے چار بچے ہوئے، دولڑکے: سلمہ وعمر اور دولڑکیاں: دُرّہ وزینب۔ رسول اللہ ﷺ نے اِن سے شادی شوال سن ۴ ہجری میں ابوسلمہؓ کی وفات کے بعد کی۔ ابوسلمہؓ میدانِ بدر میں زخمی ہوگئے تھے، پہلے ٹھیک ہوگئے، پھر وہی زخم دوبارہ کھل گیا جس کے زیرِ اثر ماہِ جمادی الآخرۃ سن ۴ ہجری میں وفات پاگئے۔

رسول کریم ﷺ بعض امور میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خصوصی برتاؤ کرتے تھے، اور جب باری شروع کرتے تو اِنہی سے کرتے۔ آپ ﷺ نے سیّدہ ام سلمہؓ اور ان کی بیٹی زینب بنت ابوسلمہؓ کو اپنے اہلِ بیت میں شمار کیا۔ ❷

ان کی وفات صحیح قول کے مطابق سن ٦١ ہجری یزید بن معاویہ کی خلافت میں ہوئی، اس وقت ان کی عمر چوراسی (۸۴) سال تھی۔ بقیع غرقد میں دفن ہوئیں۔ ❸

۷۔ سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا:

اِن کا نام بَرّہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے بدل کر ان کا نام زینب رکھ دیا۔ یہ رسول اللہ کی پھوپھی اُمیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ پہلے اِن کی شادی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کے پروردہ اور آپ ﷺ کے محبوب منہ بولے بیٹے تھے، یہ شادی اللہ کی تقدیر اور رسول اللہ ﷺ کی خواہش سے ہوئی تھی۔ کچھ دنوں کے بعد زید رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی اس لیے کہ یہ اپنی شرافتِ نسبی کے سبب ہمیشہ زید رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں اپنی بڑائی اور عظمت کا اظہار کرتیں اور اُن کے لیے تکلیف دہ کلمات استعمال کرتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی شادی اِن سے ماہِ ذوالقعدہ سن ۵ ہجری میں کر دی، اور رسول اللہ ﷺ اِن سے اجازت لیے بغیر اِن کے پاس چلے گئے، اِسی لیے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا دیگر امہات المومنین کے سامنے بطورِ افتخار کہتی تھیں کہ

---

❶ دیکھئے: اس کتاب کا ص ۱/۳۷۷۔

❷ مسند احمد: ٦/٢٩٦، ٦/٤، ٣٠٣، ٣٠٥؛ معجم کبیر، طبرانی: ٢٤/ ٢٨١، ٢٨٢.

❸ نساء حول الرسول: ص/ ٨٠-٩٢، الفصول: ص/ ١٧٩، طبقات ابن سعد: ٨/ ٦٧، اس کتاب کا ص ۱/۳۳۲۔

تمہاری شادیاں رسول اللہ ﷺ سے تمہارے رشتہ داروں نے کی ہیں، میری شادی اللہ عزوجل نے سات آسمانوں پر طے کردی۔ ❶ زینب رضی اللہ عنہا اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتی تھیں، ہمیشہ ان پر اللہ تعالیٰ کی خشیت طاری رہتی تھی۔ اپنے ہاتھ سے کام کرکے اس کا پیسہ صدقہ کردیتی تھیں۔ ان کی وفات سن ۲۰ ہجری میں ہوئی، اُس وقت ان کی عمر ترپن (۵۳) سال تھی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی پہلی بیوی تھیں جو آپ ﷺ سے جا ملیں۔ ❷

۸۔ سیّدہ جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا:

یہ حارث خزاعی مصطلقی کی بیٹی تھیں۔ ان کا نام بھی بَرّہ تھا، جسے رسول اللہ ﷺ نے بدل کر جویریہ رکھ دیا۔ یہ بنو مصطلق کے قیدیوں میں سے تھیں، اور ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی تھیں۔ انہوں نے ثابت رضی اللہ عنہ سے اپنے بارے میں مکاتبت کرلی اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تاکہ آپ ﷺ مکاتبت کی رقم کی ادائگی میں ان کی مدد کریں۔ یہ بہت خوبصورت رنگ روپ والی عورت تھیں، جس کی ایک نظر ان پر پڑتی مسحور ہو جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی مکاتبت کی رقم ادا کردی اور شعبان سن ۶ ہجری میں ان سے شادی کرلی۔ جویریہ رضی اللہ عنہا نیک صالحہ، اللہ سے ڈرنے والی اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرنے والی تھیں۔

ان کی وفات سن ۵۶ ہجری عہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہوئی، اُس وقت ان کی عمر ستر (۷۰) سال تھی۔ ان کی نماز جنازہ مروان بن حکم امیر مدینہ نے پڑھائی، اور بقیع غرقد میں دفن ہوئیں۔ ❸

۹۔ سیّدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا ❹:

ان کا نام رملہ تھا، اور ابوسفیانؓ بن صخر بن حرب قرشی کی بیٹی تھیں۔ ان کی شادی پہلے عبیداللہ بن جحش اسدی کے ساتھ تھی، یہ دونوں اسلام لائے اور ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے۔ وہاں جانے کے بعد عبیداللہ بن جحش نصرانی ہوگیا، شراب پینے لگا، اور نصرانیت پر اُس کی موت ہوگئی۔ مگر اُم حبیبہ اپنے اسلام پر باقی رہیں، اور رسول اللہ ﷺ کی طلب پر نجاشی نے ان کو رسول اللہ ﷺ سے شادی کا پیغام دیا، اور آپ ﷺ سے ان کا عقد کردیا، اور آپ ﷺ کی طرف سے ان کا مہر ادا کیا۔ یہ واقعہ سن ۷ ہجری کا ہے، اور ان کو شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دیا۔

جب ابوسفیان مدینہ آیا تاکہ رسول اللہ ﷺ صلح حدیبیہ کی مدت میں اضافہ کردیں، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی۔ ابوسفیان آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر اپنی بیٹی اُمّ حبیبہؓ اُم المومنین کے پاس گیا، اور کمرہ میں موجود رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو اُمّ حبیبہؓ نے اسے لپیٹ دیا، ابوسفیان نے پوچھا: اے بیٹی! کیا تم نے مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا، یا اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا؟ اُمّ حبیبہؓ نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے، اور آپ ناپاک مشرک ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: بیٹی! میرے بعد تمہیں بُرائی لاحق ہوگئی ہے۔ ان کی وفات عہد معاویہؓ میں سن ۴۴ ہجری میں ہوئی۔ ❺

---

❶ البخاری، کتاب التوحید، حدیث: (۷۴۲۰)۔ ❷ دیکھئے: اس کتاب کا ص ۲۲۳، ۲۲۴۔
❸ دیکھئے: اس کتاب کا ص ۳۲۸۔ ❹ دیکھئے: اس کتاب کا ص ۵۴۰۔
❺ صفة الصفوة (۲/۱٦)، طبقات ابن سعد (۸/ ۹۹، ۱۰۰)۔

۱۰۔ سیّدہ صفیہ بنت حُیَیّ بن اَخطب رضی اللہ عنہا ❶:

یہ اللہ کے نبی ہارون بن عمران علیہ السلام کی اولاد سے تھیں۔ پہلے پہل اِن کی شادی سلام بن مشکم یہودی سے ہوئی تھی، اُس نے اِن کو طلاق دے دی، تو کنانہ بن ربیع بن کنانہ بن ابی الحقیق نضر یہودی نے اِن سے شادی کر لی۔ یہ کنانہ خیبر کے دن محرم سن ۷ ہجری میں قتل کر دیا گیا۔ اُس وقت اِن کی عمر سترہ (۱۷) سال تھی، اور خیبر میں قیدی بنالی گئیں، اور دحیہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اِن کے حسن وجمال کی بڑی تعریف کی تو آپ ﷺ نے دحیہ رضی اللہ عنہ کو خبر بھیجی اور اُن کو اُن کی خواہش کے مطابق مال دے کر صفیہ رضی اللہ عنہا کو حاصل کر لیا، پھر آپ ﷺ نے انھیں آزاد کر دیا، اُن سے شادی کر لی، اور اُن کی آزادی کو اُن کا مہر بنادیا، یہ سب کچھ مدینہ آتے ہوئے راستہ میں ہی ماہ شوال سن ۷ ہجری میں ہوا، خیبر ماہ رمضان میں فتح کیا گیا تھا۔

سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے عہدِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سن ۵۰ ہجری میں وفات پائی، اور بقیع غرقد میں دفن کی گئیں۔

۱۱۔ سیّدہ میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ❷:

اِن کا نام بھی بَرّہ تھا، نبی کریم ﷺ نے اِن کا نام میمونہ رکھا۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ اور اُمّ الفضل لبابہ بنت الحارث کی بہن تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اِن سے ذی القعدہ سن ۷ ہجری میں مکہ میں شادی کی، جب آپ ﷺ عمرۃ القضاء سے فارغ ہو کر حلال ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے لیے ہبہ کر دیا تھا۔ سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے مقامِ سرف میں شادی کی جب ہم دونوں حلال تھے۔ ❸

امام ترمذی رحمہ اللہ نے بسندِ حسن ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے جب شادی کی تو آپؐ حلال تھے، اور ان کے پاس تشریف لے گئے تو آپؐ حلال تھے، میں ہی دونوں کے درمیان قاصد تھا۔ ❹

اِن کی وفات مقامِ سرف میں ہوئی جہاں رسول اللہ ﷺ نے ان کی رخصتی کے لیے خیمہ لگایا تھا، اور ان کی وصیت کے مطابق وہیں دفن کی گئیں۔ راجح قول کے مطابق اِن کی وفات سن ۵۱ ہجری میں ہوئی۔ اُس وقت اِن کی عمر اسّی (۸۰) سال تھی۔

علامہ ابن القیم لکھتے ہیں: یہ ہیں رسول اللہ ﷺ کی معروف بیویاں جو رخصت ہو کر آپ ﷺ کے پاس آئیں۔ اور جن عورتوں کو آپ ﷺ نے شادی کا پیغام دیا لیکن شادی نہیں کی، یا جن عورتوں نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے لیے ہبہ کیا اور آپ ﷺ نے اُن سے شادی نہیں کی وہ چار یا پانچ تھیں۔ اور آپ ﷺ نے جَونیہ نامی عورت کو بلا بھیجا تا کہ اس سے شادی کریں، آپؐ اُس کے پاس شادی کا پیغام دینے کے لیے گئے تو اُس نے آپ سے پناہ مانگی، آپؐ نے اسے پناہ دی اور اُس سے شادی نہیں کی۔ اسی طرح کلبیہ نام ولقب کی عورت، اور وہ عورت جس کی بغل میں آپؐ نے سفیدی دیکھی تو

---

❶ دیکھئے: ان کی شادی کی مزید تفصیل کے لیے اس کتاب کا ص/۵۴۱۔۵۴۲۔

❷ ان کی شادی کی مزید تفصیل کے لیے دیکھئے اس کتاب کا ص/۵۵۲،۵۵۳۔

❸ ابو داؤد، حدیث: (۱۸٤۳)، ترمذی، حدیث: (۸٤۵)، ابن ماجہ، حدیث: (۱۹٦٤).

❹ الترمذی، حدیث: (۸٤۱)، التمهید، ابن عبد البر: ۳/۱۵۲.

اس کے پاس نہیں گئے، اور ایک عورت جس نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے حوالے کر دیا تو آپ ﷺ نے اس کی شادی ایک آدمی سے قرآن کی چند سورتوں کے عوض کر دی۔ ❶

اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وفات کے وقت نبی کریم ﷺ کی نو (۹) بیویاں تھیں، اور دو بیویاں - خدیجہ اور زینب ام المساکین (رضی اللہ عنہما) - آپ ﷺ کی زندگی میں ہی وفات پا گئی تھیں۔

یہ ہیں نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ صفات بیویاں جنہوں نے دعوتی کاموں میں آپ ﷺ کا بھرپور ساتھ دیا، زندگی کی تنگیوں اور قلتِ رزق کو برداشت کیا، اور زمانے اور حالات کی تمام آزمائشوں اور سختیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے غایت درجہ صبر و شکیبائی سے کام لیا۔ سب کی سب آسمانی پیغام کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے میں حد درجہ مخلص و مددگار ثابت ہوئیں۔ سب کی سب رسول اللہ ﷺ کی مثالی بیویاں تھیں، اور رسول اللہ ﷺ اُن سب کے لیے مثالی اور آئیڈیل شوہر تھے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ اُن سب کو اپنی محبت و عاطفت سے ڈھانکے رکھا اور ہمیشہ اپنی رأفت و رحمت کے ذریعہ اُن سب پر سایہ فگن رہے۔ اسی لیے تنگیٔ رزق اور بھوک کی سختی کے باوجود تمام کی تمام دنیا کی سب سے خوش بخت بیویاں تھیں۔

آپ ﷺ کی باندیاں:

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے ابو عبیدہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی چار لونڈیاں تھیں، لیکن مشہور یہی ہے کہ آپ ﷺ نے اُن میں سے دو کے ساتھ تعلق قائم کیا۔ ایک ریحانہ بنت زید نضریہ رضی اللہ عنہا جن کی بنو قریظہ میں شادی ہوئی تھی۔ ان سے متعلق پوری تفصیل بنو قریظہ کے حالات میں گزر چکی ہے۔ ❷

دوسری ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی ماں بنیں، صاحب اسکندریہ و مصر نے انہیں رسول اللہ ﷺ کے لیے بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ اِن کا ذکر اُس خط کے ذکر کے ضمن میں گزر چکا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مقوقس کے پاس بھیجا تھا۔ ❸

ماریہ نے محرم سن ۱۶ ہجری میں وفات پائی، اور اُن کی نماز جنازہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔

تعدّدِ زوجاتِ رسول ﷺ کے اسباب اور حکمتیں:

نبی کریم ﷺ کی بیویوں سے متعلق گفتگو کا یہ تتمہ سمجھا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی متعدد شادیوں کے اسباب اور اس کی حکمتوں پر روشنی ڈالی جائے جن کے پیشِ نظر آپ ﷺ نے متعدد شادیاں کیں، تاکہ بعض مسلمانوں اور غیر مسلم مستشرقین اور ان سے ذہنی طور پر مرعوب و متاثر ہونے والوں کے سامنے رسول کریم ﷺ کی عظمت اور وہ بلند و بالا اغراض و مقاصد واضح ہوں جو اِن میمون و مبارک شادیوں کے ماوراء کارفرما تھے۔

اس گفتگو کی تمہید کے طور پر ضروری ہے کہ پہلے نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ پر ہلکی روشنی ڈالی جائے، جب سے آپؐ نے ہوش سنبھالا یہاں تک کہ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے عنفوانِ شباب میں شادی کی جب آپؐ کی

---

❶ زاد المعاد: ۱/۷۹۔ ❷ دیکھیے: اس کتاب کا ص ۴۰۷۔

❸ دیکھیے: اس کتاب کا ص ۵۲۰، ۵۲۱۔

عمر پچیس سال تھی۔

عہدِ جوانی کے دورِ عنفوان میں جبکہ بالعموم آدمی جنسی لذت کے حصول کی طرف نہایت تیزی کے ساتھ لپکتا ہے، نبی کریم ﷺ عفت و پاکدامنی، شرافتِ نفسی اور روح کی پاکیزگی کی نادر ترین مثال تھے، اور ہر اُس شک و شبہ سے بعید تر تھے جس سے آدمی کی عزت و آبرو داغدار ہوتی ہے، شادی سے پہلے پچیس سالہ زندگی اہلِ مکہ کے ساتھ آپؐ نے گزاری لیکن کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ آپؐ کو کسی ایسے کام سے متہم کرتا جس سے آپ کی شرافت داغدار ہوتی اور عفت و پاکدامنی پر حرف آتا۔

جب نبی کریم ﷺ نے سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے اُن کی رغبت و چاہت کی بنا پر شادی کرنی چاہی، تو خوب جانتے تھے کہ آپ ابتدائے شباب کے دور سے گزر رہے ہیں، اور خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک بیوہ عورت ہیں جو اپنی عمر کے چالیس سال گزار چکی ہیں، اور آپؐ سے پہلے دو بار اُن کی شادی ہو چکی ہے، اور گزشتہ شوہر سے ان کی اولاد بھی ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود آپ ﷺ نے شادی کرنے کی ہامی بھر لی۔

یہ ایک ایسی بات تھی جو کسی بھی سنجیدہ انسان کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ آپؐ کی اس شادی سے پہلی غرض جنسی خواہش کی تکمیل نہیں تھی، اور نہ ہی آپ ﷺ جنسی ہوس کے مریض تھے (اور کیسا شقی و بد بخت ہوگا وہ انسان جو اس طرح کی گندی اور بدبو دار بات آپؐ کے بارے میں اپنے منہ سے نکالے گا) بلکہ آپؐ ایک ستودہ صفات، صحت مند اور سنجیدہ انسان تھے، آپ ﷺ کے بارے میں یہ سوچنا کہ آپ خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے تھے غایت درجہ کی خباثت و دناءت ہوگی۔

آپ ﷺ نے تو صرف خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے پر تقریباً پچیس سال تک اکتفا کیا، اس لیے کہ اُن کی وفات ہجرتِ مدینہ سے صرف تین سال پہلے ہوئی جب اُن کی عمر پینسٹھ (۶۵) سال ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ کا سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا مقصدِ اول یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی دعوتِ اسلامیہ کے لیے بنیادی ستون اور آپؐ کی راز دار بنیں، اور جب نبی کریم ﷺ کا خوف و ہراس انتہائی شدید ہو جائے اور ہر طرف سے گھٹا ٹوپ تاریکی آگھیرے، تو آپ ﷺ اُن کے جلو میں پناہ لیں، اور اُن سے آپ ﷺ کو تعاون ملے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اللہ کی قسم! خدیجہ اُس وقت مجھ پر ایمان لے آئی جب لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی، اس نے اس وقت مجھے پناہ دی جب لوگوں نے مجھے پناہ دینے سے انکار کر دیا، اور اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے میری تکذیب کی۔ ❶

ایک بار آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک بات کے جواب میں کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے خدیجہؓ سے بہتر بیوی نہیں دی ہے، وہ تو اُس وقت مجھ پر ایمان لائی جب لوگوں نے انکار کیا، میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا، اور اپنے مال کے ذریعہ میری دلدہی کی جب لوگوں نے مجھے محروم کیا، اور اللہ نے مجھے اس کے بطن سے اولاد دی جب کہ دوسری عورتوں کے بطن سے پیدا شدہ اولاد سے مجھے محروم رکھا۔ ❷

رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیثیں بیّن اور صریح دلیل ہیں کہ آپ ﷺ کا سیدہ خدیجہؓ سے شادی کا مقصدِ اول ہرگز جنسی

---

❶ الطبرانی فی الکبیر: ۱۳/۲۳، والاستیعاب لابن عبد البر: ۱۸۲٤/٤۔

❷ مسند احمد: ۱۱۷/٦، ۱۱۸، والطبرانی فی الکبیر: ۱۳/۲۳۔

خواہش کی تکمیل نہیں تھی جیسا کہ میں ابھی اوپر لکھ آیا ہوں، بلکہ اس کے پیچھے بلند دعوتی آغراض اور عظیم اسلامی مقاصد تھے، اور مقصدِ اول توحیدِ خالص اور دینِ اسلام کی طرف دعوت کی تقویت تھی۔

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جب وفات پاگئیں تو آپ ﷺ کی پھوپھیوں اور دیگر رشتہ داروں نے جو مشرکوں کی شدید عداوت اور ان کے بغض وسازش کے سبب آپ کی حالت پر ترس کھاتے تھے، سوچا کہ آپ ﷺ کو دوسری شادی کر لینی چاہیے جو آپؐ کا خیال کرے اور آپؐ کی دلدہی کرتی رہے، اور ہجوم غم والم کے وقت جس کے پاس آپ تھوڑی دیر سکون حاصل کریں، جیسا کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آپ ﷺ کے ساتھ معاملہ تھا۔ چنانچہ سب نے مل کر ایک بیوہ عورت کا انتخاب کیا جن کا شوہر بحیثیت مسلمان مہاجر حبشہ میں وفات پاگیا تھا۔ اُن کا نام سودہ بنت زمعہ قرشیہ رضی اللہ عنہا تھا۔ انہیں بھی ایک شوہر کی ضرورت تھی جن کے پاس وہ پناہ لیتیں اور سکون حاصل کرتیں۔

انہی جیسے بلند مقاصد نبی کریم ﷺ کی تمام امہات المومنین کے ساتھ شادی کے پیچھے کارفرما تھے۔ ذیل میں اُن مخصوص اسباب اور حکمتوں کو اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہوں:

1: عربوں کی عادت حسنہ تھی کہ وہ ازدواجی رشتوں کا بڑا پاس ولحاظ رکھتے تھے، اور سسرالیوں کی مخالفت اور دشمنی کو گالی اور عار سمجھا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دینِ اسلام کی بہتری کے لیے اس قبائلی عادت سے استفادہ کرنا چاہا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سیّدہ عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا اور سیّدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا سے شادی کی، اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی سیّدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے کی، اور اپنی بیٹی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے انتقال کے بعد اپنی بیٹی سیّدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے اسی نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے کی، تاکہ آپ ﷺ کے تعلقات ان چاروں کبار صحابہ سے ہمیشہ کے لیے استوار ہو جائیں جن کا اخلاص اور اسلام کے لیے فدائیت اسلام کے روزِ اول سے مشہور تھی۔

سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی آپ ﷺ نے شادی شاید انہی مقاصدِ عظمیٰ کو مدنظر رکھتے ہوئے کی تھی، اس لیے کہ وہ قبیلۂ مخزوم کی تھیں جن سے خالد بن ولید اور ابوجہل کا تعلق تھا۔

سیّدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی شادی کا مقصدِ اوّل غالباً یہی کچھ تھا۔ اس لیے کہ وہ ابوسفیان کی بیٹی تھیں جو اللہ اور اُس کے رسول کا بدترین دشمن تھا، اور جب اس کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بیٹی اُمّ حبیبہ سے شادی کر لی ہے تو اُس کی عداوت کی آگ دھیمی پڑ گئی۔

اور بنو مصطلق کی جویریہ رضی اللہ عنہا جن سے رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں آزاد کرنے کے بعد شادی کر لی، اللہ کی مشیت کے بعد بنی مصطلق کو اسلام سے قریب کرنے کی بڑی سبب بنیں، اس لیے کہ صحابہ کرام نے جب سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی ایک لڑکی سے شادی کر لی ہے تو بنو مصطلق کے تقریباً سو گھروں کے افراد کو آزاد کر دیا جو غزوۂ بنی مصطلق کے بعد گرفتار ہو گئے تھے۔ اور اس طرح نبی کریم ﷺ اور دینِ اسلام کی محبت تمام بنو مصطلق کے دلوں میں گھر کر گئی۔

2: نبی کریم ﷺ نے اُمّ حبیبہ، اُمّ سلمہ، میمونہ اور زینب اُمّ المساکین رضی اللہ عنھن جیسی بیواؤں سے شادی اس لیے کی تاکہ انہیں اپنے سایۂ عاطفت میں جگہ دیں، اُن کے آنسو پونچھیں، اور اُن کی دیکھ بھال کریں۔

اسی طرح آپ ﷺ نے صفیہ اور جویریہ رضی اللہ عنہما سے اس لیے شادی کی کہ اُن کے آنسو پونچھیں، اُن کے شوہروں کی وفات سے انہیں جو غم لاحق ہوا تھا اس کا مداوا کریں۔ حُیَیّ بن اخطب (صفیہ کا باپ) اس لیے قتل کیا گیا تھا کہ وہ سرزمین پر اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن اور اللہ کی نگاہ میں اکابر مجرمین میں سے تھا۔

۳: زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا جو آپ ﷺ کی پھوپھی اُمیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں، اُن سے آپ ﷺ نے شادی اس لیے کی کہ عہدِ جاہلیت میں منہ بولا بیٹا بنانے کی عادت کا خاتمہ کیا جائے۔ اس لیے کہ عہدِ جاہلیت میں عربوں کے نزدیک منہ بولے بیٹے کو صلبی بیٹے کی طرح تمام حُرمتیں اور حقوق حاصل ہوتے تھے، دونوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہوتی تھی۔ انہی حُرمتوں میں سے متبنّیٰ کی بیوی سے شادی کی حرمت تھی۔ اور یہ نظریہ لوگوں کے دلوں میں ایسا جڑ پکڑ چکا تھا کہ اس کا بدلنا آسان نہ تھا۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس فاسد اور قبیح عادت کا ابطال کرنا چاہا اس لیے کہ یہ اسلام کے ان اصول ومبادی کے مخالف تھا جنہیں شریعتِ اسلامیہ نے نکاح وطلاق اور میراث کے سلسلہ میں مسلمان خاندانوں کے حفظ وبقاء کے لیے مقرر کر دیا ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے خاتم النّبیین ﷺ کو حکم دیا کہ وہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کر لیں جنہیں اُن کے شوہر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی تھی جو اسلام آنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے۔ رسول اللہ ﷺ پر یہ امر الٰہی شاق گزرا (حالانکہ وہ پہلے سے بذریعہ وحی واقف تھے کہ یہ شادی ہو کر رہے گی) اس لیے کہ آپ ﷺ بشری مزاج کے مطابق ڈرتے تھے کہ منافقین اور مشرکین یہود اس خبر کو لے اُڑیں گے، اور لوگوں میں خوب پھیلائیں گے کہ محمد (ﷺ) نے اپنے متبنّیٰ کی بیوی سے شادی کر لی ہے، اور یہ کہ وہ پہلے سے ہی اُس عورت پر ریجھا ہوا تھا، اور یہ کہ محمد نے ہی زینب کو زید کی نافرمانی پر اُکسایا تھا تاکہ وہ مجبور ہو کر اسے طلاق دے دے، اور اس سے شادی کرنے کے لیے فضا ہموار ہو جائے۔ اور ان باتوں سے آپ ﷺ کی دعوت اور نیک شہرت کو نقصان پہنچے گا۔

لیکن رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں اللہ کی اطاعت وبندگی کے سوا کچھ بھی نہ تھا، اللہ نے آپ ﷺ پر یہ شادی واجب کر دی تھی، بلکہ اللہ نے خود ہی آپ ﷺ کی شادی زینب سے سات آسمانوں کے اوپر کر دی تاکہ عربوں کی سوسائٹی سے اس جاہلی عادت کا خاتمہ ہو، جس کے سبب اصحابِ حقوق ورثہ محروم ہو جاتے تھے اور متبنّیٰ وارث بن بیٹھتا تھا، اور آدمی ایک ایسی عورت کو اپنے نکاح میں نہیں لا سکتا تھا جو اس کے لیے حلال تھی اس زعمِ باطل کے سبب کہ یہ تو اُس کے متبنّیٰ کی بیوی رہ چکی ہے۔

اس حقیقت کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ میں فرمائی ہے:

﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِيٓ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِيٓ أَزْوَاجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ﴾ [الأحزاب: ۳۷-۳۸]

''اور جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے احسان کیا اور آپ نے بھی اس پر احسان کیا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو، اور اللہ سے ڈرو، اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا، اور آپ لوگوں سے خائف تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حقدار تھا کہ آپ اس سے ڈرتے، پس جب زید نے اس سے اپنی ضرورت پوری کر لی، تو ہم نے اس سے آپ کی شادی کر دی، تاکہ مومنوں کے لیے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے شادی کرنے میں کوئی حرج باقی نہ رہے، جب وہ منہ بولے بیٹے ان بیویوں سے اپنی ضرورت پوری کر لیں، اور اللہ کے فیصلے کو بہر حال ہونا ہی تھا، نبی کے لیے اس کام کو کر گزرنے میں کوئی حرج نہیں جسے اللہ نے ان کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔''

اس شادی کے ذریعہ صحابہ کرامؓ اور ان کے علاوہ منافقین اور مشرکین و یہود کے لیے یہ بات واضح ہو گئی کہ کسی کو بیٹا بنا لینے سے اسلام کے احکام نہیں بدل جاتے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے اتنی بیویاں حلال کی ہیں جو دیگر مسلمانوں کے لیے حلال نہیں کی گئی ہیں، اُن اغراض اور حکمتوں کے سبب جن میں سے بعض کا اوپر ذکر ہوا ہے۔

۴: نبی کریم ﷺ کے لیے تعدد ازواج کو حلال کرنے کے اہم مقاصد میں سے یہ بھی تھا کہ یہ بیویاں نبی کے گھر میں داخل ہو کر اسلامی عقیدہ اور شریعتِ اسلامیہ کا علم حاصل کریں تاکہ اُن کے ذریعہ وہ علوم امت میں پھیلیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ عقلمند اور صالحہ مسلمان عورتوں کی ایک جماعت نبی کے گھر میں داخل ہو تاکہ نبی کریم ﷺ اُن کی تربیت کریں، انہیں اسلامی شرائع اور احکام کی تعلیم دیں، اُن کا تزکیہ کریں اور مدرسۂ رسول ﷺ سے فارغ ہو کر مسلمان عورتوں اور دیگر صحابہ کرام کو وہ احکام و مسائل سکھائیں جن کا تعلق عورتوں سے ہے، انہیں نبی کریم ﷺ کے نجی سلوک و برتاؤ کی باتیں بتائیں، انہیں بتائیں کہ آپ ﷺ اپنی ازواج، بچیوں، نواسوں اور غلاموں سے کیسا معاملہ کرتے تھے، نیز بہت سے ایسے احکام و مسائل جنہیں بیویوں کے سوا کوئی نہیں جان سکتا تھا۔

یہ امہات المومنین مسجد نبوی کے جوار میں اپنے چھوٹے کمروں میں رہتی تھیں، پانچوں نمازوں کی اذانیں سنتی تھیں، صحابہ کرام کو آتے جاتے دیکھتی تھیں، جو نبی کریم ﷺ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے، آپ ﷺ کی حدیثیں سنتی تھیں، اور اپنے گھروں میں اسلامی تعلیمات کا بالعموم اور عورتوں سے متعلق تعلیمات کا بالخصوص علم حاصل کرتی تھیں۔

اس طرح ان امہات المومنین کی دعوت الی اللہ کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لیے تربیت ہوتی رہی، اور تبلیغ دین اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو ان کے دین کی تعلیم دینے کی اہلیت اُن میں پیدا ہوتی رہی۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوات اور جنگی اسفار میں جاتی رہیں۔ وہاں یہ اللہ کی نیک بندیاں زخمیوں کا علاج کرتیں، مریضوں کی تیمارداری کرتیں، بھلائی کا سب کو حکم دیتیں، اور پریشانی کے وقت مجاہدین کی ڈھارس بندھاتیں۔

مختصر یہ کہ دین کا تقریباً ایک تہائی حصہ ان امہات المومنین کے ذریعہ محفوظ ہوا جس کا تعلق بالخصوص نبی کریم ﷺ کی خانگی اور ازدواجی زندگی سے تھا۔ صحابہ کرام کو یہ علم انہیں مومنات صالحات کے ذریعہ حاصل ہوا۔

ان میں خاص طور پر امّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا کا مقام عالی ہے جو غایت درجہ ذہین و فطین تھیں۔

انہوں نے اسلام کی بہت ساری تعلیمات کو اپنے حافظہ میں محفوظ کرلیا، چنانچہ ان سے مروی احادیث کی تعداد دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) تک پہنچتی ہے۔

سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث کی تعداد تین سو اٹھتر (۳۷۸) ہے۔ اور میمونہ رضی اللہ عنہا نے چھہتر (۷۶) حدیثیں روایت کی ہیں، اور اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے پینسٹھ (۶۵) اور حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما نے ساٹھ (۶۰) اور زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے نو (۹) حدیثیں روایت کی ہیں، اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے دس (۱۰) اور تقریباً یہی بات دیگر ازواج مطہرات کی بھی تھی۔ اور ان حدیثوں کی حیثیت احکام وشرائع اسلام اور عقیدہ ومبادیٔ اسلامیہ کی تعلیم کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی تھی۔

حافظ ذہبی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھتے ہیں: کہ وہ اکابر فقہائے صحابہ میں سے تھیں، فقہائے صحابہ بسا اوقات ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ قبیصہ بن ذویب کہتے ہیں: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سب سے زیادہ علم تھا، اکابر صحابہ ان سے پوچھتے تھے۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم صحابۂ رسول اللہ کو جب بھی کسی حدیث کے سلسلہ میں کوئی مشکل پیش آتی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع کرتے اور اُن کے پاس اس کے بارے میں ضرور علم ہوتا جس سے وہ ہمیں مستفید کرتیں۔ اور حسان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کے پاس قرآن کا علم، احکام شرعیہ اور حلال وحرام کا علم، اور شعر وروایاتِ عرب اور نسب کا علم نہیں پایا۔ ❶

۵: تعددِ ازواج رسول اللہ ﷺ کی ایک اور بہت بڑی حکمت ہے، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سارے عالم کے لیے بشیر ونذیر بنا کر مبعوث فرمایا تھا، آپ ﷺ ایک ایسے عہد میں مبعوث ہوئے تھے جس میں انسانیت خودکشی کی راہ پر تیزی کے ساتھ آگے بڑھی جا رہی تھی۔ انسان اپنے خالق کو فراموش کر چکا تھا، اور اپنے آپ سے اور اپنے انجام سے بے خبر ہو چکا تھا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا تاکہ آپ تاریکی کا خاتمہ کردیں اور دنیا کو نور وہدایت سے بھردیں، اور توحید خالص اور دین اسلام کی تعلیمات کو چہار دانگِ عالم میں پھیلائیں، تاکہ بھٹکی ہوئی انسانیت اپنے خالق کی طرف رجوع کرے، اور آدم علیہ السلام کے بیٹے اللہ کے نیک بندے بن کر دنیا کو بھلائی اور نیکی کے ذریعہ آباد کریں۔

اور چونکہ نبی کریم ﷺ اللہ کے آخری نبی تھے، اور دین اسلام اللہ کا آخری دین، اس لیے آپ ﷺ رہتی دنیا تک کے لیے نمونہ تھے تاکہ ابن آدم کو کسی دوسرے رہنما اور مُصلح کی ضرورت نہ پڑے، اور ضروری تھا کہ آپ ﷺ کے آئیڈیل اور نمونہ ہونے کی شہادت وہ لوگ دیں جن کا آپ ﷺ سے گہرا ربط وتعلق تھا۔ اور بیوی سے زیادہ کسی کا بھی گہرا ربط وتعلق نہیں ہوتا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی خاتم ﷺ کے لیے چار سے زیادہ بیویوں کی اجازت دی، اور ان بیویوں کو نبی کے گھر میں داخل کردیا تاکہ یہ نہایت قریب سے آپ ﷺ کی نجی اور خانگی زندگی کو دیکھیں، اور آپ ﷺ کے لیے کرم نوازی، شرافت نفسی، رأفت ورحمت، اپنے رب کی جناب میں غایت درجہ خشوع وخضوع، برلب وعبادت اور تذلل وتضرع اور راتوں کو

❶ دیکھئے: تذکرۃ الحفاظ، حافظ ذہبی: ج/ ۱، ص/ ۲۷، ۲۸۔

اٹھ کر اپنے خالق کے حضور گڑگڑانے کی گواہی دیں۔

اور یہ لکھنا بھول نہ جاؤں کہ اکثر امہات المومنین نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد زندہ رہیں، بعض کچھ سالوں کے لیے اور بعض بہت سالوں کے لیے۔ ان سبھوں نے زہد وتقویٰ، صبر وشکیبائی، قناعت وکفایت شعاری کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے لیے غایت درجہ اخلاص ووفاداری کی زندگی گزاری، ان میں سے کسی کی زبان سے رسول اللہ ﷺ کے خلاف کوئی ادنیٰ سا بُرا کلمہ نہ نکلا، بلکہ ان میں سے جس سے بھی کبھی آپ ﷺ کے بارے میں کوئی سوال کیا گیا تو انہوں نے آپ ﷺ کے لیے ہر خیر اور ہر بھلائی کی گواہی دی، اور آپ ﷺ کی عظمت تعظیم ومحبت میں اُن کا سر جھکا رہا۔

نبی کریم ﷺ کی ازواج کی طرف سے آپ ﷺ کی عظمتوں اور ہزار خوبیوں کی یہ گواہیاں یقیناً آپ ﷺ کی عظمت وبلندی کی شاہد عدل تھیں، اس لیے کہ انسان چاہے جتنی بھی کوشش کرے، ممکن نہیں کہ اپنے عیوب، بدسلوکیوں، بداخلاقیوں اور بداعمالیوں کو اپنی بیوی سے چھپا سکے۔

یہ گواہیاں اُن امہات المومنین کی ہیں جو آپ ﷺ کے لیے لباس کی حیثیت رکھتی تھیں، ان سب نے گھر کے اندر نبی کریم ﷺ کی عالی ظرفی، حسن خلق، رقت طبع اور رأفت ورحمت کی گواہی دی۔ ذیل میں ان گواہیوں سے متعلق کچھ روایات وواقعات سنیے:

1: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ کیا کرتے تھے؟ کہا: اپنے گھر والوں کی خدمت ومدد میں لگے رہتے تھے، اور جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ ❶

2: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک دوسری حدیث میں کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنا جوتا گانٹھتے تھے، اپنا کپڑا سیتے تھے، جس طرح تم لوگ اپنے گھروں میں کرتے ہو۔ ❷

نیز کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لیے بہتر ہے، اور میں تم سب سے زیادہ بہتر ہوں اپنے اہل وعیال کے لیے۔ ❸ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپؐ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا: آپؐ کا خُلق کریم قرآن تھا۔ ❹ سبحان اللہ کیسی عظیم گواہی ہے یہ، اور کیسی فصیح وبلیغ تعبیر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی قرآن کریم کی تفسیر اور شریعت اسلامیہ کی تشریح تھی، اور آپ ﷺ کا باطن ظاہر کے بالکل مطابق تھا۔

3: امام بخاری ومسلمؒ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ کچھ دیہاتی عرب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ لوگ اپنے بچوں کو چومتے ہیں؟ صحابہ نے کہا: ہاں۔ دیہاتیوں نے کہا: ہم تو اللہ کی قسم! اپنے بچوں کو نہیں چومتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ نے تمہارے دلوں سے رحمت نکال دی ہے تو ہم

---

❶ البخاري، باب الصلاة، حديث: (٦٧٦، ٥٣٦٣، ٦٠٣٩)

❷ مصنف عبد الرزاق، حديث: (٢٠٤٩٢).

❸ الترمذي، المناقب، حديث: (٣٨٩٥).

❹ مسلم، باب صلاة الليل، حديث: (٧٤٦)، النسائي، باب قيام الليل، حديث: (١٦٠١).

کچھ نہیں کر سکتے۔ ●

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جانتا ہوں جب تم راضی رہتی ہو، اور جب ناراض رہتی ہو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: آپ کیسے جان جاتے ہیں؟ فرمایا: جب تم راضی رہتی ہو تو کہتی ہو: ربِ محمد کی قسم! اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو: ربِ ابراہیم کی قسم! سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ہاں، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! میں صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔ ●

۴: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے نہاتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا میرے سوا کسی بیوی کے ساتھ نہیں کرتے تھے۔

۵: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے درآنحالیکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوئی رہتی تھی، ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے سوا کسی بیوی کے ساتھ نہیں کرتے تھے۔

۶: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اللہ تعالیٰ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو قبض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پہلو اور میری گردن کے درمیان تھے۔ ●

۷: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش طبع دیکھا تو کہا: اے اللہ کے رسول! میرے لیے دعا کر دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! عائشہ کے اگلے اور پچھلے، اور پوشیدہ اور ظاہر سب گناہ معاف کر دیجیے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں یہاں تک کہ مارے ہنسی کے اُن کا سر اُن کی گود میں جھک گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تمھیں میری دعا اچھی لگی؟ انھوں نے کہا: آپ کی دعا مجھے کیوں نہیں اچھی لگے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! ہر نماز میں اپنی امت کے لیے میری یہی دعا ہوتی ہے۔ ●

۸: نیز کہتی ہیں: عید کے دن کچھ سوڈانی لوگ ڈھال اور نیزہ سے مسجد نبوی میں کھیل رہے تھے، تو شاید میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب کیا، یا خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم دیکھنا چاہتی ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا، میرا رخسار آپ کے رخسار پر تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بنی اَرفِدہ! اب کھیلو، اور جب میرا جی بھر گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اب کافی ہو گیا؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ۔ ●

۹: ابو سفیان بن حرب عدیلۃ الرسول آیا تا کہ صلح حدیبیہ کی مدت میں اس کے لیے توسیع کر دی جائے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ تو وہ اپنی بیٹی اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنا

● البخاري، كتاب الأدب، حديث: (٥٩٩٨)، مسلم، كتاب الفضائل، حديث: (٦٤/ ٢٣١٧).

● مسلم، باب فضل عائشة، حديث: (٢٤٣٩).

● طبقات ابن سعد: ٨/ ٦٣- ٦٤.

● كشف الأستار للبزار: ٣/ ٢٣٨ ـ ٢٣٩.

● مسلم، كتاب صلاة المسافرين، حديث: (١٩/٨٩٢).

چاہا، اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فوراً بستر کو لپیٹ دیا، ابوسفیان نے کہا: اے بیٹی! تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا، یا مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا؟ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بلکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے، اور آپ ایک ناپاک اور مشرک آدمی ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: اے بیٹی! میرے بعد تمہیں کوئی بُری شے لاحق ہوگئی ہے۔ ❶

۱۰: سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کے ساتھ حج کیا، راستہ میں ایک جگہ میرا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا، تو میں رونے لگی۔ نبی کریم ﷺ میرے پاس آئے اور اپنی چادر اور ہاتھوں سے میرے آنسو پونچھنے لگے، میں اور رونے لگی، اور مجھے منع کرنے لگے، جب میں زیادہ رونے لگی تو آپ ﷺ نے مجھے ڈانٹ پلائی۔ ❷

۱۱: ترمذی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: صفیہؓ کو خبر ملی کو حفصہؓ نے انہیں "یہودی کی بیٹی" کہا ہے، تو وہ رونے لگیں، رسول اللہ ﷺ اُن کے پاس آئے تو وہ رو رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیوں رو رہی ہو؟ انہوں نے بتایا کہ مجھے حفصہ نے "یہودی کی بیٹی" کہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم تو نبی کی بیٹی ہو، اور تمہارے چچا نبی تھے، اور تم نبی کی بیوی ہو، پھر کس بات پر وہ تمہارے سامنے فخر کرتی ہے؟ پھر آپ ﷺ نے کہا: حفصہ، تم اللہ سے ڈرو۔ ❸

۱۲: سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لیے آئیں جب آپ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد میں حالتِ اعتکاف میں تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ایک گھنٹہ تک گفتگو کی، پھر واپس جانے لگیں، تو رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر اُن کو رخصت کیا۔ ❹

۱۳: جس بیماری میں رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی، آپ ﷺ کے پاس آپ کی بیویاں جمع تھیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم، اے اللہ کے نبی! کاش آپ کی بیماری مجھ میں منتقل ہو جاتی، تو دوسری امہات المومنین نے انہیں ٹھوکے لگا کر ایسی بات کرنے سے منع کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایسا کرتے دیکھ لیا اور فرمایا: تم سب کلی کر کے اپنے منہ صاف کرلو۔ انہوں نے پوچھا: کس چیز سے ہم کلی کریں اے اللہ کے رسول؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو بات تم نے صفیہ کے بارے میں کہی ہے اُس سے، اللہ کی قسم، صفیہ سچی ہے۔ ❺

کتبِ احادیث کا مطالعہ کرنے سے امہات المومنین اور بالخصوص سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ مروی بہت سی احادیث میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ نبی کریم ﷺ تہجد کے علاوہ عام نوافل کا اُن کے گھروں میں کتنا زیادہ اہتمام کرتے تھے، اور تہجد کی نماز کبھی طویل ہوتی اور کبھی مختصر، اور ان نمازوں میں آپ ﷺ اللہ کے حضور ابتہال کرتے اور گڑگڑاتے تھے، اور رات کی نمازوں میں اتنا طویل قیام کرتے کہ آپؐ کے دونوں پاؤں متورم ہو جاتے تھے۔ یہ سب دیکھ کر ایک بار عائشہ رضی اللہ عنہا نے

---

❶ صفة الصفوة: ۲/ ٤٦، طبقات ابن سعد: ۸/ ۹۹، ۱۰۰.

❷ أسد الغابة: ۷/ ۱۷۰.

❸ الترمذي، المناقب، حديث: (۳۸۹۱)، ومسند أحمد: ۲/ ۱۳٥، ۱۳٦.

❹ البخاري، كتاب الاعتكاف، حديث: (۱۹۳٥).

❺ طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۲۸، الإصابة: ۷/ ۷٤۱.

کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، آپ کے تو اگلے اور پچھلے سب گناہ اللہ نے معاف کر دیے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں نہ چاہوں کہ اللہ کا شکر گزار بندہ بنوں۔ ❶

۱۴: اسی نبوی تربیت اور امہات المومنین کے ساتھ آپ ﷺ کی نرمی اور محبت و شفقت کا اثر تھا کہ سب نے بغیر کسی ادنیٰ تردد و تاخیر کے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا جب اللہ نے انھیں اختیار دیا کہ وہ دنیا اور اس کی خوش رنگیوں اور اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کی خوشیوں میں سے کسی ایک کو اختیار کریں۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے سورۂ احزاب کی اس سلسلہ کی دونوں مندرجہ ذیل آیتیں پڑھیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾﴾ [الأحزاب: ٢٨-٢٩]

"اے میرے نبی! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تمھیں دنیا کی زندگی اور اس کی خوش رنگیاں چاہییں تو آؤ میں تمھیں کچھ دے دوں اور خوش اسلوبی کے ساتھ تمھیں رخصت کر دوں۔ اور اگر تمھیں اللہ اور اس کا رسول چاہیے، اور آخرت کی بھلائی چاہیے تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیک عمل کرنے والیوں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔"

اور کہا: جلدی نہ کرو، اور اپنے باپ ماں سے مشورہ کر لو، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا میں اس بارے میں اپنے باپ ماں سے مشورہ کروں؟ میں اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد دیگر تمام بیویوں نے بھی یہی موقف اختیار کیا۔ رضی الله عنهن جميعا۔ ❷

اہل مغرب کا بیمار فکر اور سیرت نبوی ﷺ:

تعدد ازواج نبوی کے جو معقول اسباب اور اونچے اغراض و مقاصد اب تک بیان کیے گئے ان سب کا ادراک تمام صحابہ کرام نے کیا اور پورے طور پر مطمئن ہوئے۔ اُمہات المومنین بھی ان اسباب اور حکمتوں کی قائل ہوئیں جبھی تو اُن میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کی پہلے سے متعدد بیویاں ہونے کے باوجود اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ہبہ کر دیا، اور شدید تنگی رزق اور ہزار دنیاوی پریشانیوں کے باوجود آپ ﷺ کے سایۂ عاطفت میں خوشی اور رضامندی کے ساتھ زندگی گزارتی رہیں۔ اور کبھی اُن میں سے کسی کے لب پر حرف شکایت نہیں آیا۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے نہیں معلوم کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی نرم روٹی کھائی یہاں تک کہ اللہ سے جا ملے، اور نہ پوری بھنی ہوئی بکری کبھی دیکھی، اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم تین چاند دیکھ لیتے تھے اور دو ماہ گزر جاتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں چولہا نہیں جلایا جاتا تھا۔ عروہ نے پوچھا: کون سی چیز آپ لوگوں کو زندہ رکھتی تھی؟ انھوں نے کہا: کھجور اور پانی۔ ❸

---

❶ البخاري، كتاب التفسير، حديث: (٤٨٣٧)، مسلم، الجنة والنار، حديث: (٢٨٢٠).

❷ البخاري، كتاب التفسير، حديث: (٤٧٨٥، ٤٧٨٦)، مسلم، حديث: (١٤٧٥).

❸ البخاري، كتاب الرقاق، حديث: (٦٤٥٧- ٦٤٥٩).

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: محمد ﷺ کے گھرانے والے مسلسل دو دن تک جو کی روٹی کھا کر آسودہ نہیں ہوئے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ دنیا سے اٹھا لیے گئے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: رسول اللہ اور آپ ﷺ کی بیویاں کئی کئی راتیں رات کا کھانے کھائے بغیر سو جاتی تھیں اور اُن کی روٹی اکثر جَو کی ہوتی تھی۔

اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے پاس کھجور لائی جاتی تھی تو میں آپ ﷺ کو اس میں سے کھاتے ہوئے دیکھتا تھا، در آنحالیکہ آپ ﷺ بھوک کی وجہ سے پیچھے کسی چیز سے ٹیک لگائے ہوتے تھے۔ ❶

اور تعدد ازواج کو فطرتِ سلیم اور اُس دور کا عربی سماج بخوشی قبول کرتا تھا، اور جیسا کہ ابھی اوپر بیان کیا گیا سوسائٹی کے اخلاقی تقاضے بھی یہی تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس کی اجازت دی۔ اس میں کسی قسم کی کوئی قباحت وشناعت نہیں تھی، نہ اخلاقی اعتبار سے، اور نہ ہی مسلم سوسائٹی کی مصلحتوں کی رُو سے، نہ کسی صحابی نے اس پر کوئی اعتراض کیا، نہ محدثین کرام اور ائمہ عظام نے۔ گویا پوری امتِ مسلمہ نے اللہ کی طرف سے ایک حکم شرعی سمجھ کر اسے قبول کیا جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص تھا، اور جس کے اُن حکمت فوائد ومنافع تھے جن کا تفصیل کے ساتھ اوپر ذکر ہو چکا۔

لیکن یہود ونصاریٰ کو بالعموم اور اُن کے کینہ پرور مستشرقین کو بالخصوص اس امرالٰہی میں بہت سے کیڑے نظر آنے لگے، اور اسلام اور نبی اسلام کے خلاف اپنے گھٹیا اغراض ومقاصد کو پورا کرنے کے لیے بلادِ عربیہ کی اجتماعی زندگی اور شریعت اسلامیہ کے عائلی قوانین کو فسق وفجور اور زنا کے مرض میں مبتلا اپنے ذہنی افکار ومیزان سے تولنے لگے، اور دین اسلام کے احکامِ نکاح وطلاق کے بارے میں اپنے آراء وافکار سے امتِ مسلمہ کو نوازنے لگے، جن کی ہرچند مسلمانوں کو کوئی ضرورت نہیں، اور نبی کریم ﷺ کے تعدد ازواج پر زبان درازی کرنے لگے تاکہ مغرب زدہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈالیں کہ دینِ اسلام کے نبی ﷺ پیغام الٰہی کی ذمہ داری اٹھانے کے اہل نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ ایسی فکر کافری کے ساتھ دراز زبانوں کو ہمیشہ کے لیے گنگ کر دے۔

اہلِ مغرب کے لیے یہ چیز باعثِ ننگ وعار ہے کہ اخلاقی جرائم اور جنسی بے راہ رویوں اور انارکیوں سے بھرے ممالک میں رہنے والے خود تو فسق وفجور اور زناکاریوں کے سیلاب میں غلطاں وپیچاں ہیں، اور اپنے ان گندے سماجوں کی اصلاح کی بات نہ کر کے اپنی گندی زبانوں سے رسولِ ہاشمی فداہ ابی وامی اور پاکیزہ صفات اُمہات المومنین کے نام لیتے ہیں اور ان پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

زنا اہل مغرب کی زندگی کا ایک لازمی حصہ بن چکا ہے، اُن کی فطرت مسخ ہو چکی ہے، ان کی زندگی سے خیر کے تمام نشانات مٹ چکے ہیں، وہ بندروں اور سؤروں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے خلاف اظہار جرأت کرتے ہیں کبھی قرآن کریم میں شبہات پیدا کرتے ہیں تو کبھی نبی کریم ﷺ کی روشن وتابناک اور بے داغ زندگی پر جھوٹی تہمتیں لگاتے ہیں۔ سچ ہے، جو ایمان کی دولت سے محروم ہوتا ہے، اس کے لیے ہر گناہ ہلکا اور آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ دن دور

❶ دیکھئے: مختصر الشمائل المحمدیۃ: ص/ ۸۶، ۸۷، اور یہ تمام حدیثیں گزر چکی ہیں، اور صحیحین اور دیگر کتب احادیث میں مروی ہیں۔

تھیں جب انہیں اللہ کا عذاب اپنی گرفت میں لے لے گا۔

آپ ﷺ کی بیٹیاں:

رسول اللہ ﷺ کی بیویوں میں سے صرف دو سے آپ ﷺ کو اولاد ہوئی، خدیجہؓ بنت خویلد قرشیہ سے جو آپ کی پہلی بیوی تھیں، اور ماریہ بنت شمعون قبطیہ مصریہ رضی اللہ عنہا سے جو آپ کی لونڈی تھیں۔ ان دونوں کا ذکر خیر گزر چکا ہے۔

ماریہ رضی اللہ عنہا سے آپؐ کے صاحبزادے ابراہیم سن ۸ ہجری میں مدینہ میں پیدا ہوئے، اور رضاعت کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آپ ﷺ نے اُن کی وفات کے وقت فرمایا: آنکھ آنسو بہا رہی ہے، اور دل غمگین ہے، لیکن ہم کوئی ایسی بات نہیں کہیں گے جو رب کو ناراض کردے۔ اور ہم اے ابراہیم! تمہاری جدائی پر بہت ہی زیادہ غمگین ہیں۔ ●

جب ابراہیم کی وفات کی خبر چاروں طرف پھیلی تو اُس وقت آفتاب کو گرہن لگا ہوا تھا۔ بعض مسلمانوں نے کہا: آفتاب کو ابراہیم کی وفات کی وجہ سے گرہن لگ گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آفتاب و ماہتاب کو کسی کی حیات یا موت کے سبب گرہن نہیں لگتا، تم لوگ جب گرہن دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ ●

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ''قاسم'' مولود ہوئے، جن کے نام سے آپ ﷺ کی کنیت ''ابوالقاسم'' ہوئی۔ یہ بھی بچپن میں ہی وفات پاگئے۔ اور ''عبداللہ'' مولود ہوئے، جنہیں طیب وطاہر کا لقب ملا، جیسا کہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ ● یہ بھی بچپن میں وفات پاگئے، اور مکہ میں مدفون ہوئے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو چار بچیاں دیں، جن کے نام مندرجہ ذیل تھے: زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ، ان چاروں نے اسلام کا زمانہ پایا اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی، پھر ہجرت کرکے مدینہ منورہ گئیں۔ ذیل میں چند سطریں ان بیٹیوں کے بارے میں لکھی جا رہی ہیں:

۱۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنی بہنوں کے ساتھ بڑی ہوئیں، اور اسلام سے قبل اپنے خالہ زاد ابوالعاص بن ربیع سے بیاہی گئیں۔ اور اسلام آنے کے بعد اپنی ماں اور بہنوں کے ساتھ مشرف باسلام ہوئیں۔ اُس وقت اُن کے شوہر ابوالعاص تجارت کے لیے ملک شام گئے ہوئے تھے، مکہ مکرمہ واپس آنے کے بعد انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا۔

سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن ہجرت کرکے مدینہ پہنچ گئیں، اور زینب رضی اللہ عنہا مکہ میں ہی سخت غربت دیہاتی کی زندگی گزارتی رہیں۔ اور جب ابوالعاص میدان بدر میں قیدی بنا لیے گئے تو زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو آزاد کرانے کے لیے مال اور اپنے گلے کا وہ ہار بھیجا جو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں رخصتی کے وقت دیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی نظر اُس پر پڑی تو آپ ﷺ کا دل بھر آیا اور صحابہ کرام کو مشورہ دیا کہ وہ ابوالعاص کو اس شرط پر چھوڑ دیں کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ آنے کی اجازت دے دیں گے۔ چنانچہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہجرت کرکے اپنے والد (رسول اللہ ﷺ) اور اپنی بہنوں کے پاس آگئیں۔ کچھ دنوں کے بعد ابوالعاص بھی مسلمان ہوکر مدینہ منورہ آگئے۔

● مسلم، الفضائل، حدیث: (۲۳۱۵/۶۲)؛ البخاري، الجنائز، حدیث: (۱۳۰۳).

● البخاري، کتاب الکسوف، حدیث: (۱۰۴۳)، مسلم، الکسوف، حدیث: (۹۱۵/۲۹).　● زاد المعاد: ۷۱/۱.

لیکن زینب رضی اللہ عنہا مدینہ آنے کے بعد زیادہ عرصہ تک بقید حیات نہیں رہیں، اُن تکلیفوں سے متاثر ہو کر جو انہیں سقوطِ حمل اور سیلانِ خون کے سبب لاحق ہوگئی تھیں۔ اور گزشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ اس تکلیف کا سبب ہبار بن الاسود ابن عبد المطلب بنا تھا جس نے ان کی اونٹنی کو اُس وقت بدکا دیا تھا جب وہ مدینہ منورہ کے لیے نکل رہی تھیں، اور اونٹنی سے گر کر اُن کا حمل ساقط ہوگیا تھا۔

اِن کی وفات سن ۸ ہجری میں ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے ان کی جنازہ کی نماز پڑھائی، اور بقیع غرقد میں مدفون ہوئیں۔

۲: سیدہ رُقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عتبہ بن ابولہب سے اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عتیبہ بن ابولہب سے مکہ میں ہی ہوا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کی عداوت میں دونوں نے اپنی کافرہ ماں امّ جمیل کے اصرار پر دونوں بہنوں کو رخصتی سے پہلے طلاق دے دی تاکہ رسول اللہ ﷺ کو ذہنی کرب واذیت پہنچے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دی، دونوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر مدینہ کی طرف۔ اور مجاہدین اسلام جنگِ بدر میں عظیم کامیابی اور فتحیابی کے بعد واپس آتے ہوئے ابھی راستہ میں تھے کہ سیدہ رُقیہ رضی اللہ عنہا مدینہ میں وفات پاگئیں، اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

۳: سیدہ رُقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی دوسری بیٹی سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی ماہِ ربیع الاول سن ۳ ہجری میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دی، عثمان رضی اللہ عنہ نے اس شادی کے بعد ذوالنورین کا لقب پایا۔ اُمّ کلثومؓ اُن کے پاس چھ سال تک رہیں، ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کی وفات مدینہ میں ہی ہوئی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

۴: سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی چوتھی بیٹی تھیں۔ بعثتِ نبوی سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں اور سب سے زیادہ اپنے والد رسول اللہ ﷺ سے رفتار وگفتار وغیرہ میں مشابہ تھیں، اور اپنی بہنوں میں سب سے زیادہ اپنے والد کی محبوب تھیں۔

جب اٹھارہ سال کی ہوئیں تو سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو ان سے شادی کا پیغام دیا، اور آپ ﷺ نے دونوں کی شادی مبلغ چار سو مثقال چاندی کے عوض کر دی، اور دونوں کو اُن کے گھر پہنچا دیا، اور ان کے لیے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اِن دونوں میں برکت ڈال دے، ان دونوں پر برکت نازل فرما، اور ان دونوں کی نسل میں برکت عطا فرما۔ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ کو اُن کے بطن سے حسن وحسین اور زینب واُم کلثوم (رضی اللہ عنہم) چار بچے دیے۔

نبی کریم ﷺ نے اُن کے کان میں پہلے اپنی وفات پھر اُن کی وفات کی خبر دی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور اُن کے کان میں کوئی بات کہی تو وہ رونے لگیں، پھر دوبارہ اُن کے کان میں کوئی بات کہی تو وہ ہنسنے لگیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے فاطمہؓ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے تمہارے کان میں کیا کہا کہ تم رونے لگی، اور دوبارہ کیا کہا کہ تم ہنسنے لگی؟ فاطمہؓ نے کہا: پہلی بار انہوں نے مجھے اپنی موت کی خبر دی تو میں رونے لگی، دوسری بار انہوں نے بتایا کہ میں اُن کے اہل میں پہلی ہوں گی جو اُن سے جاملوں گی، تو میں ہنسنے لگی۔ ❶

❶ البخاري، المناقب، حديث: (٣٦٢٣- ٣٦٢٦)، مسلم، فضائل الصحابة، حديث: (٩٨، ٩٩/ ٢٤٥٠).

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے چھ ماہ بعد اُن کی وفات ہوئی، اور منگل کی شام تین رمضان سن ۱۱ ہجری کو بقیع میں دفن ہوئیں۔

حسن وحسین رضی اللہ عنہما:

یوں تو اہلِ بیت رسول ﷺ کے بالعموم فضائل ومناقب بہت ہیں۔ یہاں میں بالخصوص رسول اللہ ﷺ کے دونوں نواسے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے فضائل ومناقب بیان کرتا ہوں جو اگرچہ علی بن ابو طالبؓ کے بیٹے تھے اور فاطمہؓ کے بطن سے مولود ہوئے تھے، لیکن صحیح احادیث میں رسول کریم ﷺ کی صراحت ووضاحت کے مطابق دونوں آپ ﷺ کے بھی بیٹے تھے، اس لیے کہ وہ فاطمۃ الزہراء بنت رسول ﷺ کے بیٹے تھے۔ ذیل میں بعض ایسی احادیث کا ذکر کرتا ہوں:

۱: نبی کریم ﷺ ایک صبح گھر سے نکلے تو آپ کے کندھے پر بالوں کا بنا ایک کمبل تھا۔ پہلے حسن بن علی رضی اللہ عنہما آئے اور آپ ﷺ نے انہیں اس میں ڈھانک لیا، پھر حسین رضی اللہ عنہ آئے، تو انہیں بھی اُس میں ڈھانک لیا، پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں تو انہیں بھی اس میں داخل کرلیا، پھر علی رضی اللہ عنہ آئے تو انہیں بھی داخل کرلیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝﴾ [الاحزاب: ۳۳]

''اللہ تو چاہتا ہے کہ تم سے یعنی نبی کے گھرانے والوں سے گندگی کو دور کردے، اور تمہیں اچھی طرح پاک کر دے۔'' ❶

۲: امام بخاری ومسلم اور دیگر محدثینؒ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے کندھے پر حسنؓ کو دیکھا، اور آپ ﷺ کہہ رہے تھے: اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر۔ ❷

۳: اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اِس سے محبت کر، اور اُس سے بھی محبت کر جو اِس سے محبت کرتا ہے۔ ❸

۴: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلا، نہ وہ مجھ سے بات کر رہے تھے اور نہ میں اُن سے، یہاں تک کہ بنو قینقاع کا بازار آ گیا، پھر آپ ﷺ لوٹ چلے، یہاں تک کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر آ گیا، آپ ﷺ نے پوچھا: کہاں ہے شریر، کہاں ہے شریر؟ آپ ﷺ کی مراد حسن رضی اللہ عنہ تھے، ہم سمجھ گئے کہ اُن کی امی انہیں نہلا دھلا کر کوئی صاف کپڑا پہنا رہی تھیں، تھوڑی دیر میں وہ دوڑتے ہوئے آئے، اور وہ اور رسول اللہ ﷺ ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اِس سے محبت کر اور اُس سے بھی تو محبت کر جو اِس سے محبت کرتا ہے۔ ❹

---

❶ مسلم، فضائل الصحابة، حديث: (٢٤٢٤).

❷ البخاری، فضائل الصحابة، حديث: (٣٧٤٩) مسلم، فضائل الصحابة، حديث: (٢٤٢٢).

❸ مسلم، فضائل الصحابة، حديث: (٢٤٢١/٥٦).

❹ مسلم، فضائل الصحابة، حديث: (٢٤٢١/٥٧).

۵: ابو بکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، جب سجدہ کرتے تو حسن رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی پیٹھ اور گردن پر چھلانگ لگا کر بیٹھ جاتے، اور رسول اللہ ﷺ بہت آہستگی کے ساتھ اپنا سر اٹھاتے تاکہ وہ گر نہ پڑیں۔ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم دیکھتے ہیں کہ آپ حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسا کچھ کرتے ہیں جو کسی دوسرے کے ساتھ نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ میرا دنیاوی پھول ہے، اور میرا یہ بیٹا سردار ہے، اور امید کرتا ہوں کہ اللہ اس کے ذریعے دو عظیم گروہوں میں صلح کرائے گا۔

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرا یہ بیٹا سردار ہے، اللہ اس کے ہاتھ پر مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔ ❶

۶: یعلی بن مرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسین میرا حصہ ہے اور میں حسین کا۔ جو شخص حسین سے محبت کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے گا۔ ❷

۷: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا: یہ دونوں اہلِ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ ❸

۸: عراق کے ایک آدمی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مچھر کے خون کے بارے میں پوچھا جو کپڑے کو لگ جائے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: لوگو! اس آدمی کو دیکھو یہ مچھر کے خون کے بارے میں پوچھ رہا ہے، اور انہی لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے بیٹے کو قتل کیا ہے۔ اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ❹

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ولادت نصف رمضان سن ۳ ہجری میں ہوئی، اور وفات ماہِ ربیع الاول سن ۴۹ ہجری میں ہوئی، اس وقت اُن کی عمر چھیالیس (۴۶) سال تھی، اور اپنی والدہ ماجدہ کے بغل میں دفن ہوئے۔ ❺

حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی ولادت پانچ شعبان سن ۴ ہجری میں ہوئی، آپ ۱۰ رمحرم سن ۶۱ ہجری جمعہ کے دن کربلاء کے میدان میں شہید کر دیے گئے۔ ❻

نبی کریم ﷺ کی صفاتِ ظاہرہ اور اخلاقِ حسنہ:

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾﴾

[الأحزاب: ۲۱]

---

❶ مسند احمد: ۳۷/۵، ۳۸، ۴۴، ۴۷، ۴۹، ۵۱، الترمذی، مناقب: ۲۷۷/۱۰۔

❷ الترمذی، مناقب: (۲۷۹/۱۰)، مستدرک الحاکم: ۱۷۷/۳، مسند احمد: ۱۷۲/۴۔

❸ الترمذی، مناقب، حدیث: (۳۷۶۸)۔ ❹ الترمذی، المناقب، حدیث: (۳۷۷۰)۔

❺ الاستیعاب: ۳۸۹/۱۔

❻ دیکھئے: طبقات ابن سعد: ۲۳۰/۱، ۲۳۱، الشفاء، قاضی عیاض: ۷۷/۱، دلائل النبوۃ للبیہقی: ۱۹۴/۱۔

''فی الحقیقت تم مسلمانوں کے لیے رسول اللہ (کا قول وعمل) ایک بہترین نمونہ ہے، ان کے لیے جو اللہ اور یومِ آخرت کا یقین رکھتے ہیں، اور اللہ کو بہت یاد کرتے رہتے ہیں۔''

یہ آیت کریمہ ہمیں دعوت دیتی ہے کہ ہم اُن کی ظاہری صفات کا بھی علم حاصل کریں تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ ہمارے رسول ﷺ کی شکل وصورت اور دیگر ظاہری صفات کیسی تھیں کہ جو کوئی دیکھتا تھا آپ سے محبت کرنے لگتا تھا، اور آپ ﷺ کا اخلاق وکردار کیسا تھا کہ جس کے ساتھ بھی آپؐ معاملہ کرتے وہ آپؐ کی غایت درجہ تعظیم وتکریم کرنے لگتا تھا اور آپ کی محبت کا اسیر ہو جاتا تھا۔ صحابہ کرام اور صحابیات آپ ﷺ پر جان چھڑکتی تھیں، اور سبھی ہمہ دم آپ ﷺ کی خاطر اپنی جانیں فدا کرنے کے لیے تیار رہتے تھے، اور ان میں سے کسی کو کسی حال میں بھی گوارہ نہ تھا کہ آپ ﷺ کو ایک کانٹا بھی چبھے۔

محدثین کرام اور علمائے اسلام نے آپ ﷺ کا حلیہ بیان کرنے کے لیے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے مشہور ومعروف کتاب امام ترمذی رحمہ اللہ کی ''الشمائل'' ہے، جس کا اختصار ہمارے شیخ علامہ محدث البانی رحمہ اللہ نے کیا ہے، اور کتاب میں موجود احادیث کی تخریج کرکے صحت وضعف کے اعتبار سے اُن کی حیثیت کو واضح کر دیا ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ کا یہ علمی کام بلاشبہ اس زمانے کا بے مثال کارنامہ ہے۔ ❶

کتاب الشمائل کی حدیثوں کا اختصار شیخ البانی رحمہ اللہ سے پہلے امام نووی رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے، اور اپنی کتاب (تہذیب الأسماء واللغات) میں پیش کر دیا ہے۔ اس اختصار میں انہوں نے آپ ﷺ کی تمام صفاتِ ظاہرہ کا نہایت عمدہ انداز میں احاطہ کیا ہے، لکھتے ہیں: آپ ﷺ نہ بہت دراز قامت تھے نہ ہی کوتاہ قامت، نہ بہت زیادہ سفید کہ دیکھنے میں بُرا لگے، چونا کے رنگ کے مانند، آپ ﷺ کے گوراپن میں نہ سُرخی تھی نہ ہی کوئی اور رنگ، اور نہ آپ ﷺ سانولے تھے، آپ کے بال نہ بالکل سیدھے اور چھوٹے تھے نہ ہی بالکل اُلجھے ہوئے۔ وفات کے وقت آپ ﷺ کے سر میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے، آپ ﷺ کا جسم خوبصورت تھا، اور دونوں کندھوں کے درمیان تھوڑی دُوری تھی، بال دونوں کندھوں تک لٹکتے تھے، کبھی کبھار دونوں کانوں کی لو تک ہوتے تھے، اور کبھی دونوں کانوں کے نصف تک، داڑھی گھنی، دونوں ہتھیلیاں بھری بھری، انگلیاں موٹی موٹی، سر بڑا، ہڈیوں کے جوڑ بڑے، چہرا گولائی لیے ہوئے، آنکھیں گہری سیاہ، پلکیں لمبی، گوشۂ چشم سرخ، سینے سے ناف تک چھڑی کی طرح ہلکے بال، چلتے تو ایسا لگتا کہ نیچے کی طرف اتر رہے ہیں، یعنی قوت کے ساتھ چلتے تھے، چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوا، دلنشیں آواز، نرم گال، کشادہ اور بڑا منہ۔ (عرب کے لوگ بڑے منہ کو اچھا، اور چھوٹے منہ کو بُرا جانتے ہیں) سینہ اور پیٹ برابر تھے، دونوں مونڈھوں اور دونوں بازوؤں پر بال تھے، سینہ کے بالائی حصہ پر بھی بال تھے، دونوں گٹے لمبے اور ہتھیلیاں کشادہ تھیں، آنکھیں لمبی لمبی، ایڑیوں پر کم گوشت، دونوں مونڈھوں کے درمیان مُہرِ نبوت مُجلۂ عروسی کی گھنڈی اور کبوتری کے انڈے کے مانند۔

جب آپ ﷺ چلتے تو ایسا لگتا جیسے زمین آپ ﷺ کے لیے لپٹی جارہی ہے، آپ ﷺ کے صحابہ کو آپ کا ساتھ دینے کے لیے بڑی محنت کرنی پڑتی، اور آپؐ اطمینان سے چلتے رہتے۔ پہلے اپنے سر کے بال لٹکاتے تھے، پھر مانگ نکالنے

---

❶ مختصر الشمائل المحمدیہ للألبانی: ص ۱۳/ - ۲۹.

لگے، اور آپ ﷺ داڑھی میں کنگھی کرتے، ہر رات سُرمہ لگاتے، اور ہر آنکھ میں سونے کے وقت تین تین سلائیاں۔ سب سے پسندیدہ کپڑا قمیص، سفید کپڑا، اور سُرخی مائل چادر تھی۔ قمیص کی آستین کلائی تک ہوتی، بعض وقت آپ ﷺ نے سرخ کُرتہ، تہ بند اور چادر استعمال کی، اور کبھی دو ہرے کپڑے، اور کبھی تنگ آستین والا جبہ اور کبھی قباء (مشلہ) اور کبھی سیاہ عمامہ جس کے کنارے دونوں مونڈھوں کے درمیان لٹکے ہوتے۔ اور کبھی آپؐ نے کالی چادر استعمال کی، اور کبھی آپ ﷺ نے انگوٹھی اور موزہ اور جوتا استعمال کیا۔ ❶

آپ ﷺ کے جسم کی خوشبو:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم کبھی کسی ریشم ودیباج کو نہیں چھوا، اور نہ رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر کی خوشبو سے زیادہ اچھی کوئی خوشبو سونگھی۔ ❷

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے جسمِ اطہر کی خوشبو سے بہتر نہ کبھی عنبر کی خوشبو سونگھی نہ ہی مُشک کی نہ کوئی اور خوشبو۔ ❸

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے میرے رخسار پر ہاتھ پھیرا تو میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ کی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی جیسے ابھی آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ عطار کے خوشبودان سے باہر نکالا ہے۔ ❹

سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑا، اور اسے اپنے چہرے پر رکھا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ ❺

انسؓ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا رنگ ہمیشہ شاداب رہتا تھا، آپؐ کے پسینے کے قطرے موتی کی مانند ہوتے تھے۔ ❻

آپ ﷺ کے پاکیزہ اخلاق:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور بے شک آپ خُلق عظیم کے ساتھ متصف ہیں:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝﴾ [القلم: ٤]

''اور آپ یقیناً عظیم اخلاق والے ہیں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح حدیث ہے، آپ کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کا خُلق قرآن تھا۔ ❼ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے آپ کو اس کا پابند بنا رکھا تھا کہ آپ ﷺ وہی کریں گے جس کا قرآن کریم نے آپ ﷺ

---

❶ دیکھئے: تهذيب الأسماء واللغات: ١/٢٥، ٢٦.

❷ البخاري، المناقب، حديث: (٣٥٦١)، مسلم: ٨١، ٨٢/ ٢٣٣٠.

❸ البخاري، المناقب، حديث: (٣٥٦١)، مسلم، الفضائل، حديث: (٨١/ ٢٣٣٠).

❹ مسلم، الفضائل، حديث: (٢٣٢٩).

❺ البخاري، المناقب، حديث: (٣٥٥٣).

❻ مسلم، الفضائل، حديث: (٨٢/ ٢٣٣٠).

❼ مسلم، كتاب الصلاة، حديث: (٧٤٦/ ١٣٩).

کو حکم دیا ہے، اور ہر وہ کام نہیں کریں گے جس سے قرآن کریم نے منع کیا ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ کے اخلاق غایت درجہ شریفانہ، کریمانہ، پاکیزہ اور عظیم تر تھے۔ ذیل میں بعض اہم تر اخلاق نبوی کا ذکر کیا جاتا ہے (اور آپ ﷺ کے سبھی اخلاق اہم تر تھے) تاکہ یہ اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والوں کے لیے بالخصوص اور عامۃ المسلمین کے لیے بالعموم روشنی کا مینار، ہدایت کا سرچشمہ اور صراط مستقیم کے لیے نشانِ راہ بنیں:

حلم، عفو اور صبر:

نبی کریم ﷺ دنیا میں سب سے زیادہ حلیم و بُردبار، تکلیفوں پر صبر کرنے والے، اور اپنی ذات کے بارے میں خطا کرنے والوں کی خطاؤں کو معاف کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو علی وجہ الخصوص ان آداب کریمانہ کی تعلیم دی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴾ [الأعراف: ۱۹۹]

''آپ عفو و درگزر کو اختیار کیجیے اور بھلائی کا حکم دیجیے اور نادانوں سے اعراض کیجیے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نبی کریم ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی کوئی حُرمت پامال کی جاتی تو اللہ کے لیے اس کا انتقام لیتے تھے۔ ❶

ایک بار ایک اعرابی نے آپ ﷺ کے جسم پر پڑی نجرانی کھردری چادر کو اتنی سختی کے ساتھ کھینچا کہ آپ ﷺ کی گردن کے کنارے اس سے چھِل گئے، پھر اعرابی نے کہا: اللہ کا جو مال تمہارے پاس ہے اُس میں سے مجھے دینے کا حکم دو۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف مُڑ کر دیکھا، اور اس کے لیے عطیہ کا حکم صادر فرمایا۔ ❷

غزوۂ حنین کے بعد دیہاتی عرب آپ ﷺ سے چپک گئے اور مال مانگنے لگے۔ اور شدتِ ازدحام کے سبب آپ ایک ببول کے درخت کے نیچے پہنچ گئے جس سے آپ ﷺ کی چادر اٹک گئی، آپ ﷺ رُک گئے اور فرمانے لگے: تم لوگ میری چادر دے دو۔ اگر اِن کانٹوں کے برابر بھی میرے پاس جانور ہوتے تو میں انہیں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا، اور تم لوگ مجھے نہ بخیل پاتے، نہ جھوٹا، اور نہ بُزدل۔ ❸

جُود و کرم اور سخاوت:

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے، اور ماہِ رمضان میں تو بہت زیادہ سخی ہو جاتے تھے جب جبریل علیہ السلام آپؐ کے پاس آیا کرتے تھے، اور جبریلؑ رمضان کی ہر رات میں آپ ﷺ سے ملتے تھے اور آپ کے ساتھ قرآن پڑھا کرتے تھے، جس وقت جبریلؑ آپؐ سے ملتے اُس وقت تیز ہوا سے بھی زیادہ آپ کا جُود و کرم بڑھ جاتا تھا۔ ❹

---

❶ البخاري، المناقب، حديث: (٥٣٦٠)، مسلم، الفضائل، حديث: (٧٧/٢٣٢٧).

❷ البخاري، كتاب الخمس، حديث: (٣١٤٩)، مسلم، كتاب الزكاة، حديث: (١٢٨/١٠٥٧).

❸ البخاري، كتاب فرض الخمس، حديث: (٣١٤٨).

❹ البخاري، كتاب بدء الخلق، حديث: (٣٢٢٠)، مسلم، كتاب الفضائل، حديث: (٥٠/٢٣٠٨).

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی چیز کسی نے مانگی ہو اور آپ ﷺ نے انکار کر دیا ہو۔ ❶

شجاعت اور دوسروں کی مدد:

نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ بہادر تھے، اور جنگ کی شدت کے وقت آپ کی بہادری دیکھنے والی ہوتی تھی، براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب میدانِ جنگ میں آگ برس رہی ہوتی تو ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی آڑ لے کر بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور ہم میں بہادر وہ ہوتا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے برابر کھڑا ہوتا تھا۔ ❷

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے اچھے، سب سے بہادر اور سب سے کریم (سخی) تھے۔ ❸

دارمی اور ابوالشیخ رحمہما اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو نہ کسی کا مددگار دیکھا، نہ ہی زیادہ سخی، نہ ہی زیادہ بہادر اور نہ آپ ﷺ سے زیادہ روشن اور تابناک دیکھا۔ ❹

حیا:

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ دلہن سے زیادہ باحیا تھے جب وہ حجلۂ عروسی میں ہوتی ہے۔ آپ ﷺ جب کسی چیز کو ناپسند فرماتے تو ہم اسے آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے پہچان لیتے تھے۔ ❺

سیدنا معاویہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ نہ بدگو تھے نہ بدعمل۔ آپ ﷺ کہا کرتے تھے: تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں۔ ❻

حسن معاشرت وحسن ادب:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ کشادہ دل، سچ بولنے والے، نرم طبیعت اور معاملاتِ زندگی میں کریم النفس تھے۔ ❼ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تعریف میں فرمایا ہے:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ ﴾ [آل عمران: ۱۵۹]

"آپ محض اللہ کی رحمت سے اُن لوگوں کے لیے نرم ہوئے ہیں، اور اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، پس آپ انہیں معاف کر دیجیے، اور ان کے لیے مغفرت طلب کیجیے، اور معاملات میں ان سے مشورہ لیجیے۔"

---

❶ البخاري، كتاب الأدب، حديث: (٦٠٣٤)، مسلم، كتاب الفضائل، حديث: (٥٦/٢٣١١).

❷ مسلم، كتاب الجهاد، حديث: (٧٩/١٧٧٦).

❸ البخاري، كتاب الجهاد، حديث: (٢٨٢٠)، مسلم، حديث: (٧٩/١٧٧٦).

❹ الدارمي: ١/ ٣٠، اخلاق النبي لأبي الشيخ: ص/ ٥٠.

❺ البخاري، المناقب، حديث: (٣٥٦٢)، مسلم، الفضائل، حديث: (٦٧/٢٣٢٠).

❻ البخاري، المناقب، حديث: (٣٥٥٩)، مسلم، الفضائل، حديث: (٦٨/٢٣٢١).

❼ الترمذي، المناقب، حديث: (٣٦٣٨).

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نہایت نرم خو اور نرم مزاج تھے، سختی اور سخت گیری آپؐ کے مزاج کو چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔

رحمت ورأفت:

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی صفتِ رحمت ورأفت کی تعریف میں فرمایا ہے:

﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝﴾ [التوبہ: ۱۲۸]

"اُن پر وہ بات شاق گزرتی ہے جس سے تمھیں تکلیف ہوتی ہے، تمہاری ہدایت کے بڑے خواہشمند ہیں، مومنوں کے لیے نہایت شفیق ومہربان ہیں۔"

نیز فرمایا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝﴾ [الأنبياء: ۱۰۷]

"اور ہم نے آپ کو سارے جہان والوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ خیر خواہی اور ہمدردی میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے، اور رحمت آپ ﷺ کی دائمی صفت تھی۔ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ اگر حالتِ نماز میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو نماز ہلکی کر دیتے تاکہ اُس کی ماں اس کا خیال کرے۔ ❶

آپ ﷺ ساری ساری رات مسلمانوں کے لیے دعا کرتے تھے، بچوں سے بہت محبت کرتے اور انھیں سلام کرتے تھے۔ اُن کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے، انھیں اپنی سواری پر بٹھاتے تھے، زمین پر بیٹھ کر اُن کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، آپؐ کو ہر اُس بات سے تکلیف پہنچتی تھی جو مسلمانوں اور کافروں کے لیے تکلیف دہ ہوتی تھی۔ میدانِ بدر میں جب مشرکین قید کیے گئے تو آپ ﷺ ساری رات اپنے بستر پر کروٹ بدلتے رہے، اس لیے کہ آپؐ اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے کراہنے کی آواز سُن رہے تھے۔ ایک انصاری نے جا کر ان کے بندھن کھول دیے تو آپ ﷺ کو راحت مل گئی اور سو گئے، پھر آپ ﷺ نے تمام قیدیوں کو آزاد کر دینے کا حکم دے دیا۔

معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ رحم دل تھے، حتی کہ اپنے دشمنوں کے لیے بھی رحم دل تھے۔ یہ بات تو تاریخی طور پر بہت ہی معروف ومشہور ہے کہ جب آپ ﷺ اہلِ طائف کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے گئے تو وہاں کے لوگوں نے آپؐ کو پتھروں سے مارا اور آپؐ کے دونوں قدموں کو زخمی کر دیا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اختیار دیا کہ اگر آپ چاہیں تو اللہ انہیں پہاڑوں کے درمیان دبا کر مار ڈالے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ ان کی نسلوں میں ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ ❷

آپ ﷺ نے ہمیشہ ہی صحابۂ کرام کو نصیحت کی کہ وہ سب کے لیے رحیم بن کر دنیا میں رہیں۔ قرآن کریم میں آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کی صفت یوں آئی ہے:

---

❶ البخاري، الأذان، حديث: (۷۰۷، ۸٦۸).

❷ البخاري، فتح الباري: ٦/ ۳۱۲- ۳۱۳، صحيح مسلم: ۳/ ۱٤۲۰.

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾ [الفتح: ۲۹]

''محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے لیے بڑے سخت ہیں، اور آپس میں نہایت مہربان ہیں، آپ انھیں رکوع اور سجدہ کرتے دیکھتے ہیں، وہ لوگ اللہ کی رضا اور اس کے فضل کی جستجو میں رہتے ہیں۔''

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو اپنے بال بچوں کے لیے رحیم وشفیق نہیں دیکھا۔ ❶

تواضع:

آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ متواضع اور سب سے زیادہ تکبر سے بعید تھے، آپ ﷺ لوگوں کو اپنے لیے کھڑا ہونے سے منع فرماتے تھے جیسا کہ لوگ بادشاہوں کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، آپ ﷺ فقیروں کے ساتھ بیٹھتے تھے، اپنا جوتا خود گانٹھتے تھے، اپنے کپڑے خود سیتے تھے، اپنی بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے، اور اپنی خدمت آپ کرتے تھے۔ آپ ﷺ مریضوں کی تیمارداری کرتے تھے، جنازوں میں حاضر ہوتے تھے، گدھے پر سوار ہوتے تھے، اور غلاموں کی دعوت قبول کرتے تھے۔ محاصرۂ بنی قریظہ کے دن آپ ﷺ گدھے پر سوار تھے جسے ایک رسّی کی لگام لگی ہوئی تھی، اور اس پر پتوں سے بھری ایک زین پڑی تھی۔ آپ ﷺ کی غایت درجہ تواضع کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ سے کام لیا۔ میں تو ایک بندہ ہوں۔ اس لیے تم لوگ مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔ ❷

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک عورت آئی اور آپ ﷺ سے کہا کہ اس کی ایک ضرورت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مدینہ منورہ کے کسی راستہ میں بیٹھ جاؤ، میں وہاں تمھاری بات سننے کے لیے بیٹھ جاؤں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ اس کے ساتھ بیٹھ گئے یہاں تک کہ اس کی ضرورت پوری ہوئی۔ ❸

عدل:

آپ ﷺ اپنے گفتار وکردار اور ادامر ونواہی میں نہایت عادل اور انصاف پسند تھے۔ قریش کے درمیان جب حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کے سلسلہ میں اختلاف ہوا تو سب نے اُس شخص کو حَکَم وفیصل بنانے پر اتفاق کیا جو سب سے پہلے حرم میں داخل ہو کر اُن کے سامنے آئے گا۔ اللہ کا کرنا، وہ شخص نبی کریم ﷺ ہی تھے، یہ بات نبوت سے پہلے کی ہے۔ لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھ کر کہا: یہ محمد امین ہیں، ہم لوگ اِن کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ ❹

---

❶ مسند احمد: ۳/ ۲۲۸ - ۲۶۸، مستدرك الحاكم: ۲/ ۵۷، ذہبی رحمہ اللہ نے حاکم رحمہ اللہ کی تائید کی ہے۔

❷ مختصر الشمائل للألباني: ص/ ۱۷۵، البخاري، الأنبياء، حديث: (۳۴۴۵)، مسند احمد: ۱/ ۲۳، ۲۴، ۵۵، الدارمي: ۲/ ۳۲۰.

❸ مسلم، الفضائل، حديث: (۲۳۲۶/ ۷۶)، البخاري معلق، الأدب، دیکھئے: مختصر الشمائل: ص/ ۱۷۶.

❹ پڑھئے، میری اس کتاب میں بحث ''قبل تعمیر کعبہ'': ص/ ۱۴۹-۱۵۲۔

فاطمہ بنت اسود مخزومیہ رضی اللہ عنہا نے چوری کی تو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے آپ ﷺ کے پاس سفارش کی۔ آپ ﷺ نے ناراض ہو کر فرمایا: اے اسامہ! کیا تم اللہ کے حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اُس کا ہاتھ کاٹ لیتا۔ ❶

زُہد فی الدنیا:

آپ ﷺ کو تمام لوگوں سے زیادہ دنیا سے بے رغبتی تھی، جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن میں رکھی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! آل محمد کی روزی صرف ضرورت کے مطابق کر دے۔ ❷

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نبی کریم ﷺ تین دن تک مسلسل کبھی جَو کی روٹی کھا کر آسودہ نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی، ❸ نیز کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ دینار و درہم اور اونٹ چھوڑ کر دنیا سے نہیں گئے۔ ❹

ایک بار نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ ایک چھوٹی کان والی مُردہ بکری کے پاس سے گزرے تو اُس کا کان پکڑ کر صحابہ سے مخاطب ہوئے: تم میں سے کون اِسے ایک درہم میں خریدے گا؟ صحابہ نے کہا: ہم تو کسی قیمت کے ذریعہ اِسے نہیں خریدیں گے، اور ہم اس کا کیا کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ یہ تمھیں مل جائے؟ صحابہ نے کہا: اگر یہ زندہ ہوتی تو یہ عیب دار تھی، اس کے کان چھوٹے اور تنگ سوراخ والے ہیں، اور اب تو یہ مُردہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! بے شک دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ بے قیمت و بے وقعت ہے۔ ❺

آپ ﷺ کس طرح کھاتے تھے:

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ جب کھانا کھا لیتے تو اپنی تینوں انگلیوں کو (جن کے ذریعہ کھاتے) چاٹ لیتے تھے۔ ❻ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اپنی تین انگلیوں کے ذریعہ کھاتے تھے، اور انھیں چاٹ لیتے تھے۔ ❼

آپ ﷺ کی روٹی کیسی ہوتی تھی؟

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل و عیال کئی کئی راتیں بغیر کچھ کھائے سو جاتے تھے۔ اکثر آپ کی روٹی جَو کی ہوتی تھی۔ ❽ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے کبھی دستر خوان پر نہیں کھایا، اور نہ کھانوں کے گرد چھوٹے چھوٹے پیالوں

---

❶ البخاري، المغازي، حديث: (٤٣٠٤).

❷ البخاري، الرقاق، حديث: (٦٤٦٠)، مسلم، الزهد والرقائق، حديث: (١٠٥٥).

❸ البخاري، الرقاق، حديث: (٦٤٥٤)، مسلم، الزهد والرقائق، حديث: (٢٩٧٠).

❹ البخاري، الوصايا، حديث: (٢٧٣٩)، مسلم، الوصية، حديث: (١٦٣٥)، ابو داؤد، الوصايا، حديث: (٢٨٦٣).

❺ مسلم، الزهد والرقائق، حديث: (٢/٢٩٥٧).

❻ مختصر الشمائل بحواله احمد ومسلم وابو داؤد: ص/ ١٢٣.

❼ مختصر الشمائل: ص/ ٨٦ بحوله مسلم وابو داؤد.

❽ الترمذي، الزهد، حديث: (٢٣٦١)، مختصر الشمائل: ص/ ٨٧، الصحيحة للألباني: (٢١١٩).

میں کوئی چیز کھانے کی رکھی جاتی تھی، اور نہ آپ ﷺ نرم چپاتیاں کھاتے تھے۔ ❶

آپ ﷺ کا سالن کیا ہوتا تھا؟

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سرکہ بہت ہی عمدہ سالن ہے۔ ❷ اور ابواُسید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زیتون کا تیل کھاؤ، اسے لگاؤ، زیتون ایک بابرکت درخت ہے۔ ❸ نبی کریم ﷺ کو کدو پسند تھا، حلوہ اور شہد پسند فرماتے تھے، بھونی ہوئی پسلی کا گوشت کھایا، بازو کا گوشت پسند تھا، ثرید پسند تھا۔ ❹

آپ ﷺ کیا پیتے اور کیسے پیتے تھے؟

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کو ٹھنڈا میٹھا سب سے زیادہ پسند تھا، اور دودھ اور شربت کا پیالہ اپنے دائیں طرف بیٹھے آدمی کو بڑھاتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دودھ کے سوا کوئی چیز کھانے اور پینے کے لیے کفایت نہیں کرتی۔ آپ ﷺ کھڑے ہو کر، اور بیٹھ کر پیتے تھے۔ ❺

آپ ﷺ کے ہنسنے کا انداز:

آپ ﷺ صرف مسکرایا کرتے تھے۔ عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا۔ عبداللہ کی ایک دوسری روایت ہے: رسول اللہ ﷺ کی ہنسی صرف مُسکراہٹ تھی۔ آپ ﷺ بارہا اس طرح بھی ہنسے کہ آپ کے اگلے دانت نظر آنے لگے۔ انہی مواقف میں سے ایک موقف اس آدمی کا ذکر ہے جسے اللہ نے قیامت کے دن ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی دی تو وہ کہنے لگا: میرے کچھ گناہ ہیں جو مجھے یہاں نظر نہیں آرہے ہیں۔ ❻

آپ ﷺ کے مذاق کرنے کا انداز:

نبی کریم ﷺ صحابہ کرام سے مذاق کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہا: اے دو کان والے! آپ ﷺ چھوٹے بچوں سے مذاق کرتے تھے۔ انس کے ایک چھوٹے بھائی سے کہا: اے ابو عُمیر! تمہاری وہ نغیر چڑیا کیا ہوئی۔ (یہ ایک چھوٹی سی چڑیا تھی جس سے انس کے چھوٹے بھائی کھیلا کرتے تھے، وہ مرگئی تھی۔)

آپ ﷺ جب اپنے صحابہ کرام سے مذاق کرتے تو حق اور سچی بات ہی کرتے تھے۔ ایک بادیہ نشین صحابی تھے جن کا نام زاہر تھا، رسول اللہ ﷺ اُن سے محبت کرتے تھے، وہ صاحب ذرا بدشکل تھے، ایک دن رسول اللہ ﷺ ان کے پاس چپکے سے آئے، وہ بازار مدینہ میں اپنا کوئی سامان بیچ رہے تھے، آپ ﷺ نے انہیں پیچھے سے پکڑ لیا، وہ آپ ﷺ کو دیکھ نہیں رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا: یہ کون ہے، مجھے چھوڑ دو۔ انہوں نے جب آپ ﷺ کی طرف دیکھا اور پہچان لیا تو

---

❶ مختصر الشمائل: ص/ ۸۸۔
❷ مختصر الشمائل بحوالہ مسلم وترمذی: ص/ ۸۹۔
❸ مختصر الشمائل: ص/ ۹۱۔
❹ مختصر الشمائل: ص/ ۹۲-۹۸۔
❺ مختصر الشمائل: ص/ ۱۱۲-۱۱۶۔
❻ مختصر الشمائل: ص/ ۱۲۰-۱۲۴۔

اپنی پیٹھ کو نبی کریم ﷺ کے سینہ سے دوبارہ چپکانے لگے۔ رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے: اس غلام کو کون خریدے گا؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر مجھے بیچیں گا تو میں بہت ہی کم دام میں بکوں گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لیکن اللہ کے نزدیک تم کم قیمت نہیں ہو، یا یوں کہا: لیکن تم اللہ کے نزدیک تو بہت قیمتی ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک دن ایک بوڑھیا آئی اور کہا: اے اللہ کے رسول! دعا کر دیجیے کہ اللہ مجھے جنت میں داخل کر دے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام فلاں! جنت میں تو کوئی بوڑھیا داخل نہیں ہوگی، بوڑھیا رونے لگی، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: اسے بتاؤ کہ یہ جنت میں بوڑھی داخل نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ۝ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ۝ عُرُبًا أَتْرَابًا ۝﴾ [الواقعہ: ۳۵-۳۷]

''ہم نے ان حوروں کو بطور خاص پیدا کیا ہے، انہیں کنواری بنایا ہے، انھیں اپنے شوہروں کو محبت دینے والی اور ان کی ہم عمر بنایا ہے۔'' ❶

آپ ﷺ کے سونے کی کیفیت:

نبی کریم ﷺ جب سونا چاہتے تو اپنی داہنی ہتھیلی اپنے دائیں گال کے نیچے رکھتے، اور کہتے: اے میرے رب! مجھے تو اپنے عذاب سے بچا دے جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے: جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب سونے کے لیے بستر پر جاتے تو کہتے: ((اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا .)) ...... ''اے اللہ! میں تیرے نام سے مرتا ہوں، اور پھر زندہ ہوتا ہوں۔'' اور جب آپ ﷺ جاگتے تو کہتے: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَمَا أَمَاتَنَا، وَإِلَيْهِ النُّشُورُ .)) ...... ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں دوبارہ زندگی دی اس کے بعد کہ ہمیں اس نے موت دے دی تھی، اور قیامت کے دن اسی کے پاس سب کو جمع ہونا ہے۔''

آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھوں میں ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝﴾ .... ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝﴾ پڑھ کر جہاں تک ہاتھ جاتا اپنے بدن پر پھیر لیتے، پہلے اپنے سر اور چہرہ سے شروع کرتے اور پھر اپنے جسم کے اگلے حصہ سے۔ اسی طرح آپ ﷺ تین بار کرتے تھے۔ ❷

آپ ﷺ کا رونا:

نبی کریم ﷺ نماز میں روتے اور گڑگڑاتے تھے، اور کسی رشتہ دار کی موت سے متاثر ہو کر روتے تھے۔ عبداللہ بن الشخیر کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، اور رونے کی وجہ سے آپ کے پیٹ سے ہانڈی اُبلنے جیسی آواز آ رہی تھی۔ ❸ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سورۃ النساء کی تلاوت کی، اور جب: ﴿وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝﴾ پر پہنچے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ

---

❶ مختصر الشمائل: ص/۱۲۴-۱۲۸.

❷ دیکھیے: مختصر الشمائل: ص ۱۲۴-۱۲۸.

❸ ابو داؤد، الصلاۃ، حدیث: (۹۰۴)، صحیح ابو داؤد للألبانی، حدیث: (۸۳۹).

رہے تھے۔ ❶

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک بچی کو گود میں رکھا تھا جبکہ اس کی روح نکل رہی تھی، آپ ﷺ نے پہلے اسے گود میں لیا پھر اپنے سامنے رکھ دیا، وہ بچی آپ کے سامنے وفات پا گئی، اور اُمّ ایمن چیخنے لگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے رو رہی ہو؟ اُمّ ایمن نے پوچھا: کیا میں نے آپ کو روتے نہیں دیکھا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں روتا نہیں ہوں، وہ تو رحمت کے آنسو ہوتے ہیں۔ صحیحین کی ایک روایت میں ہے: جسے اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے، بے شک اللہ اپنے بندوں میں سے رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے۔ ❷

آپ ﷺ کا بستر:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کا بستر جس پر آپ سوتے تھے چمڑے کا بنا تھا جس میں چھال بھری ہوئی تھیں۔ ❸

انہی صفاتِ عالیہ، فضائلِ کثیرہ، محاسنِ جمیلہ اور پاکیزہ صفات نے نبی کریم ﷺ کو اللہ کا پیارا اور تمام مومنینِ عالم کا محبوب بنا دیا تھا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس عظیم ذات کو اللہ تعالیٰ نے اِن محاسنِ جمیلہ سے متصف کیا اُن سے محبت کرنا ہمارا دینی فرض ہے۔ اسی لیے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے اپنی جان و مال، اولاد اور باپ ماں سے زیادہ محبت کی، اور اس محبت کا ثبوت تمام شعبۂ حیات میں کامل اتباع کے ذریعہ دیا۔

نبی کریم ﷺ کے اخلاقِ کریمہ اور شمائلِ حسنہ کے ذکر کا یہی مقصودِ اصلی ہے کہ ہم انہیں اپنے دل و دماغ میں بسا لیں، اپنی رگِ جان کے قریب ثبت کر لیں، اور اپنی پوری زندگی کو اسی رنگ میں رنگ لیں، آپ ﷺ کی عطر بیز سیرت کو اپنے لیے نمونہ بنا لیں، اور آپ ﷺ کی سنتِ مبارکہ کی روشنی سے اپنی زندگی کے تمام گوشوں کو منور کر لیں۔ اس لیے کہ امتِ مسلمہ کی ہر بھلائی صرف اسی میں ہے کہ ہم صرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کریں، اور زید و بکر کے خود ساختہ دین و شریعت اور افکار و آراء کو یکسر رد کر دیں۔ آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اُن کاموں کی توفیق دے جن کو وہ پسند کرتا ہے، اور ان افکار و اعمال اور خرافات و واہیات سے بچا لے جنہیں وہ مبغوض جانتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

❖❖❖❖

---

❶ الترمذی، التفسیر، حدیث: (۳۰۲۸)، شیخین، ابو داؤد، النسائی بحوالہ مختصر الشمائل: ص/ ۱۷۰.

❷ النسائی، الجنائز: ۱۱/٤، الصحیحة للألبانی: ۱۶۳۲.

❸ مسلم، اللباس، حدیث: (۲۰۸۲)، ابو داؤد، اللباس، حدیث: (٤۱٤۷)، الترمذی، اللباس، حدیث: (۱۷۶۱)، مختصر الشمائل: ص: ۱۷۳.

خصوصیاتِ نبی کریم ﷺ

بہت سے علمائے کرام نے سیرت نبوی سے متعلق اپنی تالیفات میں نبی کریم ﷺ کی افضلیت دیگر تمام انبیائے کرام پر بیان کی ہے، اور آپ ﷺ کے اُن فضائل و خصائص کا ذکر کیا ہے جن کے سبب آپ ﷺ اُن تمام انبیاء و رسل سے افضل قرار پائے جو بنی آدم کی ہدایت کے لیے آپ ﷺ سے پہلے مبعوث ہوئے۔ اور اس میں کوئی قباحت اس لیے نہیں ہے کہ خود رب العالمین نے قرآن کریم میں بعض انبیاء کی فضیلت بعض پر بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّنَ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ [الإسراء: ٥٥] ''اور ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے۔'' نیز فرمایا ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۘ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ ۖ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾

[البقرة: ٢٥٣]

''ہم نے ان رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے بات کی، اور بعض کو اللہ نے کئی گنا اونچا مقام دیا۔''

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''میں اولادِ آدم کا سردار ہوں، اور یہ بات میں فخر و مباہات کے لیے نہیں کہہ رہا ہوں۔'' ❶ نیز فرمایا ہے: ''آدم اور اُن کے بعد آنے والے قیامت کے دن میرے جھنڈے تلے ہوں گے، اور یہ بات فخر کے لیے نہیں کہتا ہوں۔'' ❷

اور یہ تفضیلِ مطلق دلیل ہے کہ آپ ﷺ دونوں جہان میں تمام انبیاء سے افضل ہیں، دنیا میں اُن اخلاق عظیمہ کے سبب جن سے آپ ﷺ متصف تھے، اور آخرت میں اس لیے کہ وہاں ثواب و جزاء اخلاق و اوصافِ حمیدہ پر مرتب ہوں گے۔ آپ ﷺ جب دنیا میں مناقب و صفات میں سب سے افضل ہیں تو آخرت میں مراتب و درجات میں بھی اُن سے افضل قرار پائیں گے۔ آپ ﷺ نے سیدِ ولدِ آدم ہونے کی صراحت اس لیے فرما دی تاکہ آپ کی امت کے لوگ رب ذو الجلال کے نزدیک آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کو جان لیں۔

اس بارے میں اہم ترین صحیح احادیث میں سے وہ حدیث ہے جسے بخاری و مسلم نے جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں: ایک ماہ کی مسافت پر موجود دشمن مجھ سے مرعوب و خوفزدہ رہتا ہے، زمین میرے لیے مسجد اور طہارت حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دی گئی ہے، اس لیے میری امت کے کسی آدمی پر جہاں نماز کا وقت آ جائے تو وہ نماز پڑھ لے، اور میرے لیے غنیمت کا مال حلال بنا

---

❶ دیکھئے: الصحیحۃ للألبانی: ١٥٧١.

❷ مسند احمد: ١/ ٢٨١، ٢٩٥، الترمذی، حدیث: (٣٦٢٠)، اور دیکھئے: تخریج الألبانی علی ہدایۃ السؤال: ص/ ٣٥.

دیا گیا ہے، مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا، اور مجھے (قیامت کے دن) شفاعت کی اجازت دی گئی ہے، اور مجھ سے پہلے ہر نبی کو خاص طور سے اس کی قوم کے لیے مبعوث کیا جاتا تھا، اور میں تمام لوگوں کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔'' ❶

امام مسلم رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تمام انبیاء پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی ہے۔'' آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ''مجھے جامع کلمات کے ذریعہ قوت تعبیر دی گئی ہے، اور انبیاء کی آمد پر میرے ذریعہ مہر لگا دی گئی ہے۔'' ان دونوں حدیثوں میں آپ ﷺ کی سات خصوصیات جمع ہو گئی ہیں:

۱۔ رُعب کے ذریعہ نُصرت:

نبی کریم ﷺ جب کسی سے جنگ کرنے کا ارادہ کرتے تو آپ ﷺ کے وہاں پہنچنے سے ایک ماہ پہلے ہی دشمن آپؐ سے مرعوب و خوفزدہ ہو جاتا۔ آپ ﷺ کے سوا کسی نبی کو یہ خصوصیت نہیں دی گئی۔

۲۔ اللہ نے زمین کو آپ ﷺ کے لیے مسجد اور حصولِ طہارت کا ذریعہ بنا دیا:

اس لیے مسلمان جہاں بھی ہوں گے، نماز پڑھ لیں گے۔ انھیں نماز پڑھنے کے لیے نہ مخصوص جگہ کی حاجت نہ محراب مسجد کی، اِن کے برعکس یہود و نصاریٰ اور مجوس و ہنود وغیرہم صرف اپنی عبادت گاہوں، گرجوں اور مندروں میں عبادت کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث میں ''طہور'' سے مراد تیمم ہے جو ہم مسلمانوں سے پہلے کسی امت میں نہیں پایا گیا۔ اللہ نے اسے اپنے رسول ﷺ اور آپ کی امت کے لیے بطور کشادگی، رحمت اور تخفیف مشروع فرمایا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ اور آپ کی امت کے لیے مالِ غنیمت کو حلال بنا دیا:

گزشتہ امتوں کے لیے ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ ایک آگ آسمان سے اُترتی اور اُسے جلا دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ پر احسانِ خاص کیا کہ غزوات میں حاصل شدہ اموالِ غنیمت کو ان کے لیے مُباح بنا دیا۔ ربّ العالمین کا فرمان ہے:

﴿لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ [الأنفال: ٦٨-٦٩]

''اگر اللہ کی طرف سے ایک بات پہلے سے نوشتہ نہ ہوتی، تو تم نے جو مال قیدیوں سے لیا ہے اس کے سبب سے ایک بڑا عذاب تمھیں آلیتا۔ پس غنائم میں سے حلال اور طیب کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' ❷

۴۔ منصبِ شفاعتِ کبریٰ:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے رسول کریم ﷺ کو میدان محشر میں منصب شفاعتِ کبریٰ عطا فرمائیں گے، یہی وہ منصب عظیم ہے جسے ''مقامِ محمود'' کا نام دیا گیا ہے اور جس کے سبب تمام انبیاء کرام آپؐ پر رشک کریں گے اور تمام لوگ آپ ﷺ سے

---

❶ البخاري، التيمم، حديث: (٣٣٥)، مسلم، المساجد، حديث: (٣/٥٢١).

❷ مسلم، المساجد، حديث: (٥/٥٢٣).

درخواست کریں گے کہ آپ رب العالمین کے حضور اُن کے لیے شفاعت کر دیں تا کہ وہ اُن کے درمیان فیصلہ کر دے اور انہیں اس پریشانی و بدحالی سے نجات دے دے جس میں سب میدانِ محشر میں مبتلا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿عَسَىٰٓ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ [الإسراء: ۷۹]

''امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو ''مقام محمود'' پر پہنچا دے گا۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ لوگ قیامت کے دن گھٹنوں کے بل چلیں گے، ہر امت اپنے نبی کے پاس آئے گی اور کہے گی: اے فلاں! ہمارے لیے شفاعت کیجیے، اے فلاں! ہمارے لیے شفاعت کیجیے، بالآخر نبی کریم ﷺ سب کے لیے شفاعت کریں گے، یہی وہ دن ہوگا جب اللہ نبی کریم ﷺ کو مقامِ محمود عطا فرمائیں گے۔ ❶ معلوم ہوا کہ مقامِ محمود سے مراد مقامِ شفاعت ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک دوسری روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن آفتاب اتنا قریب آ جائے گا کہ لوگوں کے پسینے نصف کان تک پہنچ جائیں گے۔ اُس وقت سب لوگ آدم علیہ السلام سے مدد مانگیں گے، پھر موسیٰ علیہ السلام سے پھر محمد ﷺ سے۔ راوی عبداللہ بن یوسف نے اضافہ کیا ہے: مجھ سے لیث نے اور اُن سے ابن ابی جعفر نے حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ شفاعت کریں گے تا کہ مخلوق کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے، چنانچہ آپ ﷺ چل کر جائیں گے، دروازہ کی کنڈی پکڑ لیں گے، اُس دن اللہ آپ ﷺ کو مقامِ محمود پر پہنچا دیں گے جس کی تمام اہلِ محشر تعریف کریں گے۔ ❷

یہی وہ مقام محمود ہے جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اذان سننے کے بعد کہے گا: ((أَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ .)) ...... ''اے اللہ! اس مکمل دعوت اور (قیامت تک) قائم رہنے والی نماز کے رب! محمد (ﷺ) کو (جنت کا) درجۂ وسیلہ اور فضیلت عطا فرما، اور انہیں اُس مقامِ محمود پر پہنچا دے جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے'' قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔ (بخاری)

۵۔ بعثتِ نبوی ﷺ کی عمومیت:

گزشتہ زمانوں میں انبیائے کرام کی بعثت صرف اُن کی قوموں کے لیے ہوتی تھی، لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ تمام بنی نوعِ انسان کے لیے مبعوث کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ [الأعراف: ۱۵۸] ...... ''آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔'' اور فرمایا ہے: ﴿وَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾ [سبا: ۲۸] ...... ''اور ہم نے آپ کو تمام بنی نوعِ انسان کے لیے خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔'' نیز فرمایا ہے: ﴿لِأُنذِرَكُم بِهِۦ وَمَنۢ بَلَغَ﴾ [الأنعام: ۱۹] ...... ''تا کہ اس کے ذریعہ تمہیں اور ہر اس شخص کو ڈراؤں جس تک اس قرآن کا پیغام پہنچے۔'' بلکہ آپ ﷺ تو تمام جنوں کے لیے بھی مبعوث ہوئے جیسے تمام انسانوں کے لیے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَٰلَمِينَ﴾ [الأنبياء: ۱۰۷] ...... ''اور ہم نے آپ کو سارے

❶ البخاري، التفسير، حديث: (٤٧١٨). ❷ البخاري، الزكاة، حديث: (١٤٧٥).

جہان والوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'' اور فرمایا ہے: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ①﴾ [الفرقان: ۱] ......''بے شمار خیر و برکت والا ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے، تاکہ وہ سارے جہان والوں کے لیے (آخرت کے عذاب سے) ڈرانے والا بنے۔''

مندرجہ بالا آیتیں اور دیگر بہت سی آیتیں صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت تمام بنی نوع انس وجن کے لیے ہوئی ہے۔ اسی لیے اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ انس وجن اور عرب وعجم سب کو اسلام کا پیغام پہنچائیں، اور آپ ﷺ نے اپنے رب کے حکم کی مکمل تعمیل کی اور اللہ کا پیغام سب کو پہنچایا۔

۶۔ جامع کلمات کے ذریعہ قوتِ تعبیر:

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جامع اور مختصر الفاظ میں اپنا ما فی الضمیر ادا کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت عطا کی تھی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مذکور بالا حدیث کے معنی ومفہوم کی ایک دوسری صحیح حدیث بھی آئی ہے جسے ابوموسیٰ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے فواتح کلمات اور جوامع کلمات اور خواتم کلمات عطا کیے گئے ہیں (یعنی مجھے پوری قوت اور فصاحت وبلاغت کے ساتھ گفتگو شروع کرنے، مافی الضمیر ادا کرنے اور گفتگو ختم کرنے کی صلاحیت دی گئی ہے۔)

اسی لیے نبی کریم ﷺ قوتِ فصاحت وبلاغت میں تمام عربوں پر فوقیت لے گئے، عربوں کی ہر ایک جماعت سے اُن کے لب ولہجہ میں مخاطب ہوئے اور مناقشہ ومناظرہ کیا، یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام بارہا آپ ﷺ سے آپ کے کلام کی شرح وتفسیر پوچھتے تھے۔ حدیثِ نبوی اور سیرتِ نبویہ کا مطالعہ کرنے والے لوگ اس بات سے خوب واقف ہیں۔

بہت سے اہل علم نے آپ ﷺ کے جامع کلمات کی تدوین وجمع کے لیے مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں آپ ﷺ کی تقریروں، خطبوں، دعاؤں، خطوط اور عہود ومواثیق کو جمع کیا ہے، اور سب نے بالاتفاق اعتراف کیا ہے کہ فصاحتِ لسانی اور بلاغتِ بیانی میں دنیا کا کوئی انسان آپ ﷺ کے قریب وپاس بھی نہیں پھٹک سکا۔

۷۔ نبی کریم ﷺ خاتم النبیین:

نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعہ آسمانی پیغام کی آمد پر مہر لگا دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [الأحزاب: ۴۰]

''محمد تم لوگوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، وہ تو اللہ کے رسول اور انبیاء کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے آخر میں جسے ابھی میں نے امام مسلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے، آیا ہے: ''اور نبیوں کی آمد پر میرے ذریعہ مہر لگا دی گئی ہے'' یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے فرمایا ہے: میری اور دیگر تمام انبیاء کرام کی مثال اس آدمی کی

ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اسے پورا کر دیا۔ صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس گھر میں داخل ہونے لگے اور اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہونے لگے اور کہنے لگے: کاش! اس ایک اینٹ کی جگہ بھی بھر گئی ہوتی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ہی وہ اینٹ ہوں۔ میں نے آ کر انبیاء کرام کی آمد کے سلسلہ پر مہر لگا دی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے: میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں ہی خاتم النبیین ہوں۔ ❶

معلوم ہوا کہ محمد ﷺ ہی وہ رسول خاتم ہیں جن کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا، اور اسلام ہی وہ دینِ خاتم ہے جس کے بعد اب کوئی دین اللہ کی طرف سے نہیں آئے گا، اللہ نے قیامت تک کے لیے اسی دین کو تمام بنی نوع انسان کے لیے پسند فرمالیا ہے۔

۸۔ زمین کے خزانوں کی چابیاں آپ ﷺ کو پیش کی گئیں:

آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کو زمین کے خزانوں کی چابیاں پیش کی گئیں۔ امام بخاری و مسلم رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں مبعوث کیا گیا ہوں جوامع الکلم دے کر، اور رعب و دہشت کے ذریعہ دشمن کے خلاف میری مدد کی گئی ہے، اور میں سویا تھا تو میرے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔ ❷

امام ترمذی، احمد اور ابو نعیم رحمہم اللہ نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے رب نے مجھے یہ پیشکش کی کہ وہ بطحائے مکہ کو میرے لیے سونا بنا دے، تو میں نے کہا: اے میرے رب! نہیں، بلکہ میں ایک دن آسودہ رہوں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا۔ جب بھوکا رہوں گا تو تجھے یاد کروں گا اور تیری جناب میں گریہ وزاری کروں گا، اور جب آسودہ ہوں گا تو تیری حمد وثنا کروں گا اور تیرا شکر ادا کروں گا۔ ❸

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”حسن“ کہا ہے، اور البانی نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث اس کی شاہد ہے۔ انہوں نے کہا: ایک دن جبریل نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، تو دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اتر رہا ہے۔ جبریل نے آپ ﷺ سے کہا: یہ فرشتہ جب سے پیدا کیا گیا، اس سے پہلے نہیں اترا۔ جب اترا تو کہا: اے محمد! آپ کے رب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ میں آپ کو بادشاہ بنا دوں یا بندہ اور رسول؟ جبریل نے آپ ﷺ سے کہا: اے محمد! اپنے رب کے لیے تواضع اختیار کیجیے۔ تو اللہ کے رسول نے فرمایا: ہاں، میں تو اللہ کا بندہ اور رسول رہنا پسند کروں گا۔ ❹

اس حدیث کی ایک دوسری شاہد بھی ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چل پڑتے۔ میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کا احاطہ کعبہ کے برابر تھا، اور کہا: آپ کے

---

❶ البخاری، المناقب، حدیث: (۳۵۳۵)، مسلم، الفضائل، حدیث: (۲۲/۲۲۸۷).

❷ البخاری، الجهاد، حدیث: (۲۹۷۷) مسلم، المساجد، حدیث: (۷/۵۲۳).

❸ ترمذی، زهد، حدیث: (۲۳۴۷)، مسند احمد: ۵/ ۲۵۴.

❹ مسند احمد: ۲/ ۲۳۱، ابن حبان: ۲۱۳۷، موارد بسند صحیح۔ اس حدیث کو بزار اور ابو یعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔ دیکھئے: مجمع الزوائد: ۹/ ۱۹.

رب عزوجل نے سلام کہا ہے، اور کہا ہے کہ آپ چاہیں تو بندہ اور نبی ہونا پسند کریں، اور چاہیں تو نبی اور بادشاہ بننا پسند کریں۔ میں نے جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو انھوں نے میری طرف اشارہ کیا اور کہا: تواضع اختیار کیجیے۔ میں نے کہا: بندہ اور نبی ہونا پسند کروں گا۔ ہیثمی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: اس حدیث کو ابو یعلی نے بسندِ حسن روایت کی ہے۔ اور مجمع الزوائد میں اس حدیث کے کئی دیگر شواہد بھی ہیں۔ ❶

۹۔ معجزۂ قرآن کریم:

آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے معجزۂ قرآن کریم ہے جو ہمیشہ کے لیے باقی رہنے والا ہے، دیگر انبیائے کرام کے معجزات ان کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو گئے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جتنے انبیاء آئے انھیں معجزہ کی قسم سے ایسی ہی کوئی چیز دی گئی جسے دیکھ کر ان کی قوم ایمان لے آئی، اور مجھے اللہ نے وحی دی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کیا ہے، اسی لیے امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے ماننے والے سب سے زیادہ ہوں گے۔ ❷

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کی ضمانت لی ہے، اگر جن وانس کے اوّل وآخر جمع ہو کر اس میں ایک کلمہ کا اضافہ کرنا چاہیں یا کم کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹]

"بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

معلوم ہوا کہ یہ قرآن کریم قیامت کے دن تک اللہ کی حفاظت میں رہے گا اور تمام جنوں اور انسانوں کی رہنمائی کرتا رہے گا، مسلمانوں کی عقلوں اور روحوں کو غذا پہنچاتا رہے گا، اور حق اور بھلائی کی راہ پر چلنے کے لیے دور دور تک روشنی پھیلاتا رہے گا۔

۱۰۔ پتھروں کا آپ ﷺ کو سلام کرنا:

نبی کریم ﷺ کو پتھر سلام کیا کرتے تھے۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں مکہ میں ایک پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ میں آج بھی اسے پہچانتا ہوں۔ ❸

۱۱۔ درخت کا تنا آپ ﷺ کے فراق میں رونے لگا:

آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ درخت آپ سے دوری پر روتے تھے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے (خطبہ کے وقت) کھجور کے ایک درخت کو پکڑ کر کھڑے ہوتے تھے۔ ایک انصاری عورت یا مرد نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم آپ کے لیے ایک منبر بنا دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو تو بنا دو۔ چنانچہ صحابہ نے آپ ﷺ کے لیے ایک منبر بنا دیا۔ جب جمعہ کا دن آیا اور آپ منبر پر گئے، تو کھجور کا وہ درخت بچے کی طرح چیخنے لگا۔ نبی کریم ﷺ منبر سے اتر کر اس کے پاس گئے اور اسے اپنے جسم سے لگا لیا۔ وہ درخت اس وقت اس بچے

---

❶ دیکھیے تعلیق الباہی علیٰ ہدایۃ السول: ص ۶۳-۶۵۔

❷ البخاری، فضائل القرآن، حدیث: (۴۹۸۱) مسلم، کتاب الإیمان، حدیث: (۲۳۹/۱۵۲)۔

❸ مسلم، فضائل، حدیث: (۲/۲۲۷۷)، ترمذی، مناقب، حدیث: (۳۶۲۴)، مسند احمد: ۸۹/۵، ۹۵، ۱۰۵۔

کی طرح کراہ رہا تھا جسے تھپکی دی جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اُس ذکر الٰہی سے محروی پر رو رہا تھا جو اپنے پاس سنا کرتا تھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ مسجدِ نبوی کی چھت کھجور کے درختوں سے بنی ہوئی تھی، نبی کریم ﷺ جب خطبہ دیتے تو اُن میں سے ایک تنے سے ٹیک لگا لیتے۔ جب آپ ؐ کے لیے منبر بنا دیا گیا اور آپ ؐ اُس پر کھڑے ہوئے تو ہم لوگوں نے اونٹ کی آواز کی مانند اس کی ایک آواز سنی، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے آکر اس پر اپنا دستِ مبارک رکھ دیا تو وہ چپ ہوگیا۔ ❶

۱۲۔ کوثر اور حوض:

آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے وہ کوثر ہے جو آپ ؐ کو جنت میں دیا جائے گا، اور وہ حوض ہے جو آپ ؐ کو میدانِ محشر میں دیا جائے گا۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: کوثر کا ذکر آیتِ کریمہ: ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ①﴾ میں آیا ہے جو اللہ نے آپ ﷺ کو عطا کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کے منافی نہیں ہے کہ ''کوثر ایک نہر ہے جو تمہارے نبی کو دی گئی ہے، اُس کے دونوں کناروں پر موتی کے گھڑے رکھے ہوں گے، اور اس کے پیالوں کی تعداد آسمان کے ستاروں کی مانند ہوگی۔ ابن عباس اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ان اقوال کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے اقوال میں اس لیے منافات نہیں ہے کہ نہرِ کوثر اس خیرِ کثیر میں داخل ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی محمد ﷺ کو دیا ہے۔ نہرِ کوثر کے بارے میں صحیحین اور دیگر کتبِ حدیث میں بہت سی احادیث آئی ہیں، انہی میں سے انس رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے کہ جب میں آسمان پر لے جایا گیا، تو مجھے ایک نہر کے پاس لایا گیا جس کے دونوں کناروں پر کھلے موتی کے قبے تھے۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ نہرِ کوثر ہے۔ ❷

حوض کے بارے میں بھی حدیثیں حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں جن کے مجموعے سے علمِ قطعی حاصل ہوتا ہے۔ ❸

حوض سے متعلق احادیث پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ حوض پُل صراط سے پہلے ہوگا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک بھی راجح ہے، جیسا کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

۱۳۔ آپ ﷺ زمین سے سب سے پہلے اُٹھیں گے:

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کے آخر میں آیا ہے: تم لوگ انبیاء کے درمیان یہ اور بہتر کی بات نہ کرو، اس لیے کہ قیامت کے دن جب سارے لوگوں پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی تو میں پہلا آدمی ہوں گا جس کے لیے زمین سب سے پہلے پھٹے گی۔ ❹

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میں آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں گا۔ اور میری قبر سب سے پہلے پھٹے گی، اور میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں گا، اور سب سے پہلے میری شفاعت

---

❶ البخاری، المناقب، حدیث: (٣٥٨٤، ٣٥٨٥).
❷ البخاری بحوالہ فتح الباری: ٥٦٢/٨.
❸ دیکھئے: تعریج بدایة السول، البانی رحمه الله : ص/ ٥٤-٥٦.
❹ البخاری، الخصومات، حدیث: (٢٤١٢).

قبول کی جائے گی۔ ❶

۱۴۔ آپ ﷺ نے قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ اس کی جگہ لوٹا دی:

آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ ایک صحابی کی آنکھ نکل کر اُن کے رخسار پر لٹک گئی تھی، آپ ﷺ نے اُسے صحیح سالم اُس کی جگہ لوٹا دیا، جبکہ عیسیٰ علیہ السلام نے ایک پیدائشی اندھے کو بینا بنا دیا جس کی آنکھ اپنی جگہ پر موجود تھی۔ اس واقعہ کو العـز بن عبدالسلام نے ہدایۃ السول میں صفحہ ۱۴۱ پر ذکر کیا ہے۔ ابویعلی اور ابونعیم نے روایت کی ہے کہ قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ اُحد کے دن زخمی ہوگئی اور نکل کر اُن کے رُخسار پر لٹک گئی۔ لوگوں نے اسے کاٹ کر الگ کر دینے کا مشورہ دیا، اور رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، پھر قتادہؓ کو بلا کر اُن کی آنکھ کو اپنی ہتھیلی کی مدد سے اُس کی جگہ پر لے جا کر اندر دبا دیا۔ قتادہؓ کو پھر یاد بھی نہیں رہا کہ اُن کی کون سی آنکھ زخمی ہوئی تھی۔ اس حدیث کو سیوطی نے خصائص (۵۴۱/۱) میں اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲۹۷/۸) میں ذکر کیا ہے۔ یہاں حدیث کے الفاظ ابویعلی رحمہ اللہ کے ہیں، اور اس کی سند میں یحییٰ بن عبدالحمید حمانی نام کا راوی ضعیف ہے۔ لیکن ابونعیم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو دیگر دو سندوں سے روایت کی ہے، اس لیے اس حدیث کو اُن دونوں کے ذریعہ تقویت ملتی ہے۔ یہ بات شیخ البانیؒ نے لکھی ہے۔

اور العـزؒ عبدالسلام رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں دو طریقوں سے اظہارِ معجزۂ نبوی ہے: اوّل یہ ہے کہ آنکھ بہہ جانے کے بعد دُرست ہوگئی، دوم یہ کہ بصارت ختم ہو جانے کے بعد دوبارہ عود کر آئی۔ ❷

۱۵۔ واقعۂ معراج:

ہمارے نبی کریم ﷺ کی خصوصیات میں سے ''واقعۂ معراج'' ہے جس میں آپ ﷺ کا کوئی نبی شریک نہیں۔ معراج سے متعلق اَحادیث اٹھائیس (۲۸) سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ صحیحین کی حدیثیں اس سلسلہ میں زیادہ صحیح اور مفصل ہیں۔

عالمِ ملکوت کی طرف آپ ﷺ کے اس مبارک سفر میں جو واقعات پیش آئے وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ ﷺ کے مقامِ عالی اور فضیلت واہمیت کی قطعی دلیل ہیں۔ مثلاً ساتوں آسمانوں میں انبیائے کرام سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اللہ نے آپ ﷺ سے کلام کیا، آپ ﷺ نے جنت وجہنم کو دیکھا، اللہ نے آپ ﷺ کی تکریم فرمائی، اور آسمانِ اوّل سے لے کر ساتویں آسمان تک فرشتوں اور انبیائے کرام نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ اِن واقعات کی روشنی میں آپ ﷺ کا فرمانا بجا تھا کہ ''قیامت کے دن آدم علیہ السلام اور اُن کے سوا تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اور یہ بات میں بطورِ فخر نہیں کہہ رہا ہوں''۔ ❸

۱۶۔ صدقہ کی چیز کا کھانا حرام ہونا:

نبی کریم ﷺ پر صدقہ کی چیز کا کھانا حرام تھا، چاہے صدقہ فرض ہو یا نفل۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: بے شک صدقہ

---

❶ مسند، الفضائل مع حدیث: ۱/۱/۲۷۷۸)۔ ❷ دیکھئے: ہدایۃ السول: ص/۱۴۱، ۱۴۲۔

❸ اس حدیث کی تخریج ذکرِ خصوصیات کی ابتداء میں ہو چکی ہے۔

محمد (ﷺ) اور آلِ محمد (ﷺ) کے لیے حلال نہیں ہے۔ ❶

امام مسلمؒ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ کی چیز کھاتے تھے اور صدقہ کی چیز نہیں کھاتے تھے۔ ❷

سُنن بیہقی میں عبد المطلب بن ربیعہ بن الحارث سے مروی حدیث آئی ہے: یہ صدقات لوگوں کی میل ہے، یہ محمد (ﷺ) اور آلِ محمد (ﷺ) کے لیے حلال نہیں ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے صدقہ کی ایک کھجور اپنے منہ میں ڈال لی، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "کخ کخ" تاکہ حسنؓ اُسے پھینک دیں، آپ ﷺ نے پھر فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے ہیں؟ ❸

۱۷۔ آپ ﷺ کی بیویاں دوسروں کے لیے حرام کر دی گئیں:

نبی کریم ﷺ کی بیویاں آپؐ کے بعد دوسروں پر حرام کر دی گئی تھیں۔ یہ خصوصیت کسی اور نبی کو حاصل نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ﴾ [الأحزاب: ٦] ...... "نبی مومنوں کے ان کے اپنے آپ سے زیادہ حقدار ہیں، اور نبی کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں۔" ......اس لیے کسی مؤمن کے لیے باتفاقِ امت حلال نہیں کہ وہ آپ ﷺ کی اُن بیویوں میں سے کسی سے شادی کرتا جو آپ ﷺ کی وفات کے بعد زندہ رہیں۔ اس لیے کہ وہ سب جنت میں بھی آپ ﷺ کی بیویاں ہوں گی۔

۱۸۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ سے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس بات کی:

آپ ﷺ کی اہم خصوصیات میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک بات کی، جبکہ موسیٰ علیہ السلام سے مقدس وادی طور میں بات کی۔ اللہ نے سورۃ النجم میں اسی طرف اشارہ کیا ہے، فرمایا ہے:

﴿ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝١٠ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝١١ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝١٢ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝١٣ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝١٤ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝١٥ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝١٦ ﴾

[النجم: ١٠-١٦]

"تب اُس نے اللہ کے بندے پر وہ وحی نازل کی جو اُس نے (اُس وقت) نازل کی۔ رسول اللہ نے جو کچھ دیکھا اُن کے دل نے اُس کی تکذیب نہیں کی۔ کیا تم لوگ اُن سے اُس بارے میں جھگڑتے ہو جو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اور انہوں نے اُس فرشتہ کو دوسری بار بھی دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ جس کے قریب ہی جنت الماویٰ ہے۔ جب اُس سدرہ کو وہ چیز ڈھانک رہی تھی جو اُسے ڈھانک رہی تھی۔"

امام مسلم رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے جو حدیثِ اسراء روایت کی ہے، اُس میں آیا ہے: پھر جبریلؑ مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے گئے، جس کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح اور اس کے پھل گھڑوں کی مانند تھے۔ جب اُس پر اللہ کا حکم

❶ مسلم، الزکاۃ، حدیث: (١٠٧٢/١٦٧)۔

❷ مسلم، الزکاۃ، حدیث: (١٠٧٧/١٧٥)۔

❸ مسلم، الزکاۃ، حدیث: (١٠٦٩/١٦١)۔

طاری ہوا تو اس درخت میں ایسی تبدیلی آئی کہ اس کی خوبصورتی کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی بیان نہیں کر سکتا تھا، پھر اللہ نے مجھ پر جو وحی کرنی چاہی کی، اور دن اور رات میں مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں...... یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! دن اور رات میں یہ پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں، ان میں سے ہر نماز دس نمازوں کے برابر ہے، اس طرح یہ پانچوں نمازیں پچاس نمازوں کے برابر ہیں۔ ❶

امام مسلم رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو معراج کی رات میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس لے جایا گیا جو چھٹے آسمان میں ہے۔ وہیں وہ سب باتیں پہنچتی ہیں جو زمین سے بھیجی جاتی ہیں۔ اور وہیں وہ سب باتیں پہنچتی ہیں، جو اوپر سے نازل کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ۝١٦﴾ [النجم: ١٦] ...... ''جب اس سدرہ کو وہ چیز ڈھانک رہی تھی جو اسے ڈھانک رہی تھی۔'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: وہ سونے کے پتنگے تھے۔ وہاں رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں دی گئیں۔ پانچ نمازیں دی گئیں، سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں دی گئیں، اور آپ ﷺ کی امت کے ان لوگوں کے بڑے گناہ معاف کر دیے گئے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنایا۔ ❷

❋❋❋❋

---

❶ مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء، حديث: (١٦٢/ ٢٥٩)، بخاري، مناقب الأنصار، حديث: (٣٨٨٧).

❷ مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء، حديث: (١٧٣/ ٢٧٩).

نبی کریم ﷺ کے معجزات

اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی نبی کو مبعوث فرمایا، اور انسانوں کو اس کے سچا ہونے کی خبر دینی چاہی، تو اس نبی کے ذریعہ کوئی مافوق العادۃ نشانی ظاہر کی جو انسانی قدرت سے بالاتر ہوتی تھی۔ ایسی ہی نشانیوں کو ''معجزات'' کے نام دیے گئے ہیں، اس لیے کہ ان معجزوں نے مخالفین کو مغلوب و مقہور بنا دیا، اور ایمان والوں کا ایمان بڑھا دیا۔

نبی کریم ﷺ سے بے شمار معجزات کا ظہور ہوا جو صحیح روایات سے ثابت ہیں، یہاں ان میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے، تا کہ مؤمنوں کے ایمان میں اضافہ ہو، نبی کریم ﷺ کی عظمت واضح ہو، اور آپ کی محبت ہمارے دلوں میں راسخ ہو۔

۱۔ قرآن کریم سب سے روشن و تابناک معجزہ:

قرآن کریم نبی کریم ﷺ کے معجزات میں سب سے عظیم اور تابناک معجزہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صداقت کے اثبات کے لیے سب سے قوی برہان اور معجزہ کے طور پر اسے نازل فرمایا ہے۔ عہد نبوی کے عربوں میں بڑے بڑے زبان داں، خطیب اور شاعر پائے گئے جو انشاء پردازی، قصیدہ گوئی اور فصیح و بلیغ خطابت پر پوری قدرت رکھتے تھے، لیکن کوئی بھی قرآن کریم کے مثل لانے کی جرأت نہ کر سکا جسے نبی کریم ﷺ نے اپنی صداقت کی دلیل اور اپنی نبوت کے ثبوت کے طور پر پیش کیا تھا۔ اور کیسے کوئی اس قرآن جیسا کلام لا سکتا تھا جو معجزۂ الٰہی تھا، اور جس کے حق ہونے میں ادنیٰ شبہ بھی نہیں تھا۔ اللہ عز وجل نے اسے جنوں اور انسانوں کے سامنے بطور چیلنج پیش کیا لیکن وہ سب کے سب عاجز و درماندہ رہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قرآن لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے معجزہ ہے۔

لفظی اعتبار سے بایں طور کہ یہ وضاحت و بیان کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہے، اور اس بارے میں جس کا علم جتنا بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی قرآن کریم کی تعظیم میں اس کی گردن جھکتی جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے زمانہ کے تمام فصحاء و بلغاء کو ان کی ہزار عداوتوں اور آپ ﷺ کی شدید تکذیب کے باوجود چیلنج کیا کہ وہ اس قرآن جیسا یا اس جیسی دس سورتیں یا کم از کم ایک سورت لے آئیں، لیکن وہ سراسر عاجز رہے، اور نبی کریم ﷺ نے ان کو پہلے سے ہی خبر دے دی تھی کہ وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ نے صرف عرب فصحاء و بلغاء کو ہی نہیں بلکہ پورے عالم کے جن و انس کو قرآن جیسا کلام لانے کا چیلنج کیا، اور سب نے اپنی عاجزی کا اعتراف کیا۔ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۟﴾ [الاسراء: ۸۸]

اگر تمام انس و جن اکٹھا ہو کر اس قرآن جیسا کلام لانے کی کوشش کریں گے تو اس جیسا نہیں لائیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔''

اور معنوی اعتبار سے بایں طور کہ قرآن غایت درجہ تعاون و مناصرت، حکمت، رحمت، مصلحت، اچھے انجام اور وحدت واتفاق کی دعوت پر مشتمل ہے، یہ اعلیٰ مقاصد کے حصول اور تمام مفاسد کے ابطال کی سعی تمام کرتا ہے، اس کے علاوہ دیگر بے شمار خیرات وبرکات کے حصول کی دعوت دیتا ہے، اور ان تمام باتوں کا ادراک ہر وہ آدمی کرتا ہے جو شبہات اور خود غرضیوں سے پاک عقل وخرد سے بہرہ ور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے شبہات سے پناہ میں رکھے، اور رُشد وہدایت کی توفیق عطا فرمائے۔ ❶

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: عرب وعجم بھی جانتے ہیں کہ تمام مخالفینِ عرب وعجم کی ہزار مخالفتوں اور حرصِ شدید کے باوجود آج تک کوئی اس کی نظیر نہ پیش کر سکا۔ اس کا لفظ معجزہ ہے، اس کی خبریں معجزہ ہیں، اس کا امر ونہی اور اس کا وعدہ وعید معجزہ ہے، اس کی جلالتِ شان، عظمت اور دلوں پر اس کی حکمرانی بھی معجزہ ہے۔ اور جب اس کی ترجمانی دوسری زبانوں میں کی جاتی ہے تو اس کے معانی معجزات ہوتے ہیں۔ ان تمام معجزات وآیات کی سارے عالم میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ ❷

خصائص کے ضمن میں قرآن کریم کا ذکر آ چکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ قرآن کا معجزہ قیامت کے دن تک باقی رہے گا۔ وہاں نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث بھی بیان کی جا چکی ہے کہ آپ نے فرمایا: جتنے انبیاء آئے انہیں معجزہ کی قسم سے ایسی کوئی چیز دی گئی جسے دیکھ کر ان کی قوم ایمان لے آئی، اور مجھے اللہ تعالیٰ نے وحی دی ہے جسے اللہ نے مجھ پر نازل کیا ہے، اسی لیے امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے ماننے والے سب سے زیادہ ہوں گے۔ ❸

۲۔ غیبی امور کی خبریں:

نبی کریم ﷺ کی صداقت ونبوت کی نشانیاں خبری اور فعلی تمام اقسام کی نشانیوں پر مشتمل ہیں، نیز ماضی، حال اور مستقبل سے متعلق غیبی امور کی خبریں بھی اُن میں داخل ہیں جن کی نظیر دیگر انبیاء کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں غیبی امور سے متعلق آپ ﷺ کی خبر دہانی کے بہت سے تذکرے پائے جاتے ہیں۔ بہت سے آنے والے امور سے متعلق آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو خبر دی اور ویسا ہی وقوع پذیر ہوا جیسا آپ ﷺ نے بتایا تھا۔

۳۔ قیامت تک ہونے والے تمام امور کی خبر دہانی:

امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور قیامت تک ہونے والی ہر چیز کو بیان فرمایا، ہم میں سے کسی نے یاد کر لیا اور کوئی بھول گیا۔ میرے اِن تمام ساتھیوں کو اس بات کا علم ہے۔ اُن چیزوں میں سے جب کوئی چیز وقوع پذیر ہوتی ہے جسے میں بھول چکا ہوتا ہوں، تو مجھے یاد آ جاتی ہے، جیسے کہ کوئی آدمی کسی کو بھول چکا ہوتا ہے، پھر جب اسے دیکھتا ہے تو اُسے پہچان لیتا ہے۔ ❹

صحیح مسلم میں ابوزید عمرو بن اخطب سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، اور منبر پر

---

❶ الفصول، ابن کثیر: ص/ ۱۵۶، ۱۵۷.

❷ کتاب النبوات، ابن تیمیہ: ص/ ۱۶۴.

❸ البخاری، فضائل القرآن، حدیث: (۴۹۸۱)، مسلم، کتاب الإیمان، حدیث: (۲۳۹/۱۵۲).

❹ البخاری، کتاب القدر، حدیث: (۶۶۰۴)، مسلم، کتاب الفتن، حدیث: (۲۸۹۱)، ابو داؤد، کتاب الفتن، حدیث: (۴۲۴۰).

کھڑے ہو کر خطبہ دینے لگے یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا تو نماز پڑھی، پھر منبر پر چلے گئے اور خطبہ دینے لگے یہاں تک کہ عصر کا وقت آ گیا، تو نماز پڑھی، پھر منبر پر چلے گئے اور خطبہ دینے لگے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ماضی اور مستقبل کی تمام باتیں بتائیں۔ ہم میں سے جس نے سب سے زیادہ یاد کیا وہ ہم میں بڑا عالم بن گیا۔ ❶

۴۔ خزائن کسریٰ غنائم مسلمین:

امام بخاریؒ نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا جس نے بھوک کی شکایت کی، ایک دوسرا آدمی آیا جس نے رہزنی کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عدی! کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ میں نے کہا: دیکھا تو نہیں ہے، اس کے بارے میں سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ سے سفر کر کے آئے گی اور خانۂ کعبہ کا طواف کرے گی، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گی۔ (عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے اپنے دل میں سوچا: کہاں ہیں بنی طی کے فساق وفجار، جنہوں نے شہروں اور علاقوں کے درمیان حدود قائم کر رکھی ہیں؟) اور اگر تمہاری زندگی نے یاوری کی تو کسریٰ کے خزانوں پر غالب آ جاؤ گے۔ میں نے کہا: کسریٰ بن ہرمز کے خزانے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، کسریٰ بن ہرمز کے خزانے۔ اور اے عدی! اگر تمہیں لمبی عمر ملی تو دیکھو گے کہ آدمی مٹھی بھر سونا یا چاندی بطور صدقہ نکالے گا، اور کسی کو دینے کے لیے ڈھونڈتا پھرے گا، لیکن اُسے کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا۔

عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عورت کو حیرہ سے سفر کر کے کعبہ کا طواف کرتے دیکھا، اور وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی تھی۔ اور میں اُن لوگوں میں سے تھا جنہوں نے کسریٰ کے خزانوں پر قبضہ کیا۔ اگر اللہ نے تم لوگوں کو لمبی عمر دی تو تیسری چیز کو بھی دیکھ لو گے جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ یعنی ایک مسلمان مٹھی بھر سونا یا چاندی بطور صدقہ نکالے گا، اور اسے کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا جسے وہ صدقہ دے۔ ❷

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ جو آپ ﷺ نے خبر دی ہے کہ آدمی مٹھی بھر سونا یا چاندی صدقہ لے کر نکلے گا لیکن اسے دینے کے لیے کوئی نہیں ملے گا۔ یہ بات عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ میں ظاہر ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی بات صادق آئی۔ ❸

۵۔ جزیرۂ عرب اور فارس وروم کی فتح:

امام مسلم رحمہ اللہ نے نافع بن عتبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، تو کچھ لوگ مغرب کی طرف سے آپ ﷺ کے پاس آئے، جو اُون کے کپڑے پہنے ہوئے تھے، اُن کی ملاقات آپ ﷺ سے ایک ٹیلہ کے نزدیک ہوئی، وہ لوگ کھڑے تھے اور رسول اللہ ﷺ بیٹھے تھے۔ نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے دل نے کہا: میں

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الفتن، حدیث: (۲۸۹۲).

❷ البخاری، المناقب، حدیث: (۳۵۹۵) مسلم (اختصار کے ساتھ)، حدیث: (۱۰۱۶).

❸ دلائل النبوۃ، ابن تیمیہ: ص/ ۴۸.

ضرور آ کر اُن کے اور آپ ؐ کے درمیان کھڑا رہوں گا، تا کہ وہ لوگ دھوکہ دے کر آپ ﷺ پر حملہ نہ کر دیں۔ میں نے پھر سوچا: شاید آپ ﷺ اُن کے ساتھ سرگوشی کر رہے ہیں۔ میں آیا اور کھڑا ہو گیا، اُس وقت میں نے آپ ﷺ سے چار کلمات سیکھے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ جزیرۂ عرب سے جنگ کرو گے اور اللہ فتح نصیب کرے گا، پھر فارس سے جنگ کرو گے اور اللہ تعالیٰ فتح نصیب کرے گا، پھر روم سے جنگ کرو گے اور اللہ تعالیٰ فتح نصیب کرے گا، پھر دجّال سے جنگ کرو گے اور فتح نصیب ہو گی۔ ❶

٦۔ سرزمین حجاز سے آگ نکلنا:

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت اُس وقت تک نہیں آئے گی جب تک سرزمینِ حجاز سے ایک آگ نہ نکلے جو بُصریٰ میں موجود اونٹوں کی گردنوں کو روشن کر دے گی۔ ❷

یہ آگ تین جمادی الآخرۃ بدھ کی رات میں نمازِ عشاء کے بعد سن ٦٥٤ ہجری میں ظاہر ہوئی، اور جمعہ کے دن چاشت کے وقت تک باقی رہی، پھر دھیمی پڑ گئی، جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں قرطبی رحمہ اللہ کی کتاب التذکرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اسے تمام لوگوں نے دیکھا، اور دیکھا کہ اس نے بُصریٰ کے اونٹوں کی گردنوں کو روشن کر دیا، یہ آگ پتھروں کو جلا دیتی تھی، اور گوشت کو پکا دیتی تھی۔

٧۔ چاند کے دو ٹکڑے ہونا:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں چاند کے دو ٹکڑے ہونے کی خبر دی ہے، جب مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک نشانی مانگی تھی، اور رات کا وقت تھا، تو آپ ﷺ نے چاند کی طرف اشارہ کیا اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے، اِس معجزہ کو تمام لوگوں نے دیکھا، اور رسول اللہ ﷺ اِس سورۃ کو بڑے مجمعوں میں پڑھتے رہے، جیسے جمعہ اور عیدین کے دنوں میں، تا کہ لوگ اس میں مذکور نشانیوں اور دلیلوں میں غور کریں اور عبرت حاصل کریں۔ مقصود یہ ہے کہ تمام لوگ اسے سنتے رہے، اس کا اقرار کرتے رہے، اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

امام بخاری و مسلم نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اہلِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ اُن کو کوئی نشانی دکھائیں، تو آپ ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے انہیں دکھایا، دونوں کے درمیان جبل حراء حائل تھا۔ ❸

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سب دیکھ لو۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے، تب یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ ① وَإِن يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ②﴾ [القمر: ١-٢]

"قیامت قریب آ گئی، اور چاند پھٹ گیا۔ اور کفار اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔"

---

❶ مسلم، كتاب الفتن، حديث: (٢٩٠٠ / ٣٨). ❷ البخاري، الفتن، حديث: (٧١١٨)، مسلم، الفتن، حديث: (٢٩٠٢ / ٤٢).
❸ البخاري، مناقب الأنصار، حديث: (٣٨٦٨)، مسلم، صفات المنافقين، حديث: (٢٨٠٢).

امام مسلمؒ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم سب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے تھا اور دوسرا اس کی دوسری طرف۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: تم سب دیکھ لو۔ ●

۸۔ ایسی بکری سے دودھ نکالنا جس نے ابھی پال نہیں کھایا تھا:

آپ ﷺ کی دعاؤں کی برکت بہت سی جگہوں میں ظاہر ہوئی، انہی جگہوں میں سے وہ واقعہ ہے جسے احمد، طیالسی، اور ابن عرفہ وغیرہم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میں ایک جوان لڑکا تھا اور مکہ میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک دن میرے پاس رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ آئے، دونوں مکہ کے مشرکین کے ڈر سے بھاگ کر آ گئے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اے لڑکے! کیا تمہارے پاس ہمیں پلانے کے لیے دودھ ہے؟ میں نے کہا: یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں، اس لیے آپ دونوں کو دودھ نہیں پلا سکتا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے ابھی پال نہیں کھایا ہے؟ میں نے کہا: ہاں، اور اسے اُن دونوں کے پاس لے آیا۔ ابو بکرؓ نے اس کے پاؤں باندھ دیے، اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا تھن پکڑ کر اللہ سے دعا کی، تھن دودھ سے بھر گیا، ابو بکرؓ ایک گہرا پتھر لے آئے، آپ ﷺ نے اس میں دودھ دوہا، اور دونوں نے پیا، پھر مجھے بھی پلایا۔ پھر آپ نے تھن سے کہا: سکڑ جا تو وہ سکڑ گیا۔ ●

۹۔ اُمّ معبد رضی اللہ عنہا کی دُبلی پتلی بکری سے دودھ نکالنا:

رسول اللہ ﷺ ہجرت کے وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُمّ معبدؓ کے خیمہ کے پاس سے گزر رہے تھے، یہ واقعہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، اُس وقت آپ ﷺ نے اُمّ معبد رضی اللہ عنہا سے ایک بکری طلب کی جو نہایت کمزور تھی، اور اُس کے تھن پر اپنا ہاتھ پھیرا، بسم اللہ کہا اور دعا کی، بکری نے اپنے دونوں پاؤں پھیلا دیے اور اس کے تھن میں دودھ اُتر آیا اور جگالی کرنے لگی۔ آپ ﷺ نے اسے دوہا، پہلے اُمّ معبد رضی اللہ عنہا کو پلایا یہاں تک کہ سیراب ہو گئیں، پھر آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو پلایا یہاں تک کہ سب پی کر آسودہ ہو گئے۔ سب سے آخر میں آپ ﷺ نے پیا۔ سب نے خوب خوب پیا۔ آپ ﷺ نے دوبارہ اُسے دوہا یہاں تک کہ برتن کو بھر دیا، اور اسے اُمّ معبد رضی اللہ عنہا کے پاس چھوڑ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے اُمّ معبدؓ سے اسلام کی بیعت لی اور وہاں سے آگے چل پڑے۔ ●

۱۰۔ اُسَید و عبّاد رضی اللہ عنہما کے لیے نور:

انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ میں سے دو آدمی (سیدنا اُسید اور عباد رضی اللہ عنہما) آپ ﷺ کے پاس سے تاریک رات میں نکلے، تو آپ ﷺ نے دونوں کو دو چراغوں کے مانند کوئی چیز دی، جو اُن کے آگے روشن تھی، جب دونوں الگ ہوئے تو ہر ایک کے پاس الگ الگ روشنی ہوگئی یہاں تک کہ اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ گئے۔ ●

● البخاري، المناقب، حديث: (٣٦٣٦)، مسلم، حديث: (٢٨٠٠/ ٤٤)، سنن الترمذي، حديث: (٣٢٨٦).

● مسند احمد: ٤٦٢/١، اس کی سند حسن ہے، دلائل البیهقي: ٨٤/٦، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ: ١٩٥/٣، میں لکھا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ صحیح ہے اور کتب صحاح میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔

● پڑھئے اسی کتاب میں: قصہ اُمّ معبد دربارۂ ہجرت نبوی۔

● البخاري، الصلاة، حديث: (٤٦٥، ٣٨٠٥).

معمر و حماد کہتے ہیں کہ یہ دونوں صحابی اُسید بن حضیر اور عباد بن بشر انصاری رضی اللہ عنہما تھے۔

۱۱۔ اللہ نے عتیبہ بن ابولہب پر شیر کو مسلط کر دیا:

نبی کریم ﷺ نے عتیبہ بن ابولہب پر بددعا کر دی، تو اللہ نے بلادِ شام میں اس پر شیر کو مسلط کر دیا جس نے اسے قافلہ کے بیچ سے نکال کر چیر پھاڑ دیا۔ ❶

۱۲۔ سُراقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے:

اور آپ ﷺ نے سُراقہ پر بددعا کر دی تو اُس کے گھوڑے کے دونوں اگلے پاؤں زمین میں گڑ گئے، اور جب آپ ﷺ نے اُس کی درخواست پر اس کے لیے دعا کی تو اس کے دونوں پاؤں باہر آ گئے۔ ❷

۱۳۔ بدر و حنین میں دشمنوں پر مٹی ڈالنا:

آپ ﷺ نے میدانِ بدر میں کفارِ قریش پر ایک مٹھی مٹی ڈال دی، جو ہر ایک کافر کی آنکھ میں پہنچ گئی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے اُن کافروں کو شکست دے دی، اور ایسا ہی وادیٔ حنین میں ہوا۔ ❸

۱۴۔ لکڑی کا ٹکڑا تلوار میں بدل گیا:

غزوۂ بدر کے دن عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی، تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے انہیں لکڑی کا ایک ٹکڑا دیا اور فرمایا: اے عکاشہ! اس سے جنگ کرو۔ عکاشہؓ نے اُسے لے کر ہلایا تو وہ ایک لمبی مضبوط سفید تلوار بن گئی۔ عکاشہؓ اسی سے جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی، اُس کے بعد بھی وہ تلوار اُن کے پاس رہی، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس کے ذریعہ تمام جنگوں میں جہاد کرتے رہے، یہاں تک کہ مرتدین کے خلاف جنگ میں شہید ہو گئے، اُس وقت وہ تلوار اُن کے پاس تھی۔ ❹

۱۵۔ عباس اور اُمّ الفضل رضی اللہ عنہما کو دفن کردہ مال کی خبر دی:

آپ ﷺ نے اپنے چچا عباسؓ اور ان کی بیوی اُمّ الفضلؓ کو ان کے دفن کردہ مال کی خبر دی، اور بتایا کہ انہوں نے اپنا مال اپنے دروازہ کی چوکھٹ کے نیچے دفن کر رکھا ہے۔ عباسؓ نے اس کا اعتراف کیا۔ ❺

۱۶۔ آپ ﷺ نے عُمیر بن وہب رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ وہ آپ کو قتل کرنے کے لیے آیا ہے:

عُمیر بن وہب صفوان بن امیہ کے ساتھ سازش کرنے کے بعد مدینہ آیا تاکہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرے۔ جب آپ ﷺ کے سامنے بیٹھا تو کہنے لگا کہ وہ ایک قیدی کا فدیہ ادا کرنے کے لیے آیا ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اسے خبر

---

❶ اس قصہ کی تفصیل کے لیے دیکھئے: ابولہب کی عداوت: ص ۱۸۳۔

❷ پڑھئے: قصہ سُراقہ بن مالک: ص ۲۷۸۔

❸ پڑھئے: اس کتاب سے بدر الکبریٰ: ص / ۳۲۶، غزوۂ حنین کی تفصیلات: ص ۵۹۰، ۵۹۲۔

❹ دیکھئے مزید تفصیل غزوۂ بدر کے بیان میں: ص ۳۶۸۔

❺ مسند احمد: ۱/ ۳۵۳، دلائل ابی نعیم: ۴۰۹، طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۷، ۸، امام احمد اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں اسے نقل کیا ہے: ۳/ ۲۹۹۔ دلائل البیہقی: ۳/ ۱۴۲۔

دی کہ وہ تو آپ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا ہے۔ عمیر نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور سچے ہیں۔ اس لیے کہ اس بات کی خبر میرے اور صفوان کے سوا کسی کو نہیں تھی۔ اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ اس کی خبر آپ کو اللہ کے ذریعہ ملی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔ ❶

۱۷۔ آپ ﷺ نے قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ لوٹا دی:

غزوۂ احد کے دن قتادہ بن نعمان ظفری کی آنکھ بہہ کر اُن کے گال پر لٹک گئی، آپ نے اپنی ہتھیلی کے سہارے اسے اس کی جگہ لوٹا دیا، اور قتادہ کو یاد بھی نہیں رہا کہ کون سی آنکھ زخمی ہوئی تھی۔ ❷

۱۸۔ درخت چل کر آیا اور آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا:

بنی عامر کا ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے وہ مہر نبوت دکھلا دیجیے جو آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان ہے، میں بہت بڑا طبیب ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو ایک نشانی دِکھاؤں؟ اُس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے کھجور کے ایک درخت کی طرف دیکھا اور اس آدمی سے کہا: اس درخت کو بلاؤ۔ اُس نے اسے بلایا، وہ اُچھلتا ہوا آکر آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے درخت سے کہا: واپس چلے جاؤ، وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ یہ دیکھ کر اُس آدمی نے کہا: اے بنی عامر! میں نے زندگی میں اتنا بڑا جادوگر نہیں دیکھا ہے۔ ❸

۱۹۔ درخت چل کر آپ ﷺ کے سامنے آگیا:

امام دارمیؒ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ایک دیہاتی آپ کے قریب آیا، تو آپ ﷺ نے اُس سے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ اُس نے کہا: اپنے گھر والوں کے پاس جانے کا۔ آپ ﷺ نے اُس سے پوچھا: کیا تمہیں ایک بھلائی کی بات بتاؤں؟ اُس نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ دیہاتی نے کہا: تمہاری بات کی گواہی کون دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ درخت (آپؐ نے سَلَمہ نامی ایک درخت کی طرف اشارہ کیا) اور اسے بلایا جو وادی کے کنارے پر تھا۔ وہ درخت زمین کھودتا ہوا آکر آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے اُسے تین بار کلمۂ شہادت پڑھایا، اور اس نے تینوں بار آپ کی طرح کلمہ پڑھا، پھر اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ دیہاتی نے آپ کی طرف دیکھ کر کہا: اگر میری قوم کے لوگوں نے میری بات مان لی تو میں اُن سب کے ساتھ آؤں گا، ورنہ اکیلا آؤں گا اور آپ ﷺ کے ساتھ رہوں گا۔ ❹

۲۰۔ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ ٹھیک ہو گئی:

صحیح بخاری میں براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو رافع یہودی کو قتل کرنے کے لیے چند انصار کو

---

❶ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے قصۂ غزوۂ بدر: ص ۳۵۲، ۳۵۳۔

❷ پڑھیے اس کتاب میں آپ ﷺ کی خصوصیت نمبر: ۱۴، ص ۲۱۷۔

❸ مسند احمد: ۱/ ۲۲۳، سنن الترمذی، کتاب المناقب، حدیث: (۳۶۲۸)، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

❹ دلائل النبوۃ، شیخ الإسلام ابن تیمیہ: ص/ ۱۴۳، دیکھیے: سنن دارمی مقدمہ: ۱/ ۱۰۰۹۔

بھیجا، اور اُن کا سردار عبداللہؓ بن عتیک کو بنایا، یہ یہودی رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچاتا تھا اور آپ ﷺ کے دشمنوں کی مدد کرتا تھا۔ اور سرزمین حجاز میں اپنے ایک قلعہ میں رہتا تھا۔ صحابہ جب اس کے قریب پہنچے تو آفتاب غروب ہو رہا تھا، اور لوگ اپنے گھروں کو جا رہے تھے۔ عبداللہؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم لوگ یہیں انتظار کرو، اور میں جا کر دربان سے نرمی کے ساتھ بات کرتا ہوں۔ ممکن ہے داخل ہونے دے۔ عبداللہؓ دروازہ کے اندر داخل ہو گئے، اور ابو رافع کو قتل کر کے جب واپس آ رہے تھے تو اُن کا پاؤں پھسل گیا اور پنڈلی ٹوٹ گئی۔ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا: اپنا پاؤں پھیلاؤ اور آپؐ نے اس پر اپنا ہاتھ پھیر دیا۔ اور آناً فاناً ایسا ہو گیا جیسے کبھی اس میں کوئی تکلیف ہوئی ہی نہیں تھی۔ ❶

۲۱۔ باغی گروہ نے قتل کر دیا:

امام بخاری و مسلم نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے اور عمارؓ دو دو۔ نبی کریم ﷺ نے اُن کو دیکھا تو اُن کے بدن کا غبار جھاڑنے لگے اور کہنے لگے: ہائے عمار! اِسے ایک باغی گروہ قتل کر دے گا، یہ اُنہیں جنت کی طرف بلائے گا، اور وہ گروہ اِسے آگ کی طرف۔ عمارؓ نے کہا: میں اللہ کے ذریعہ فتنوں سے پناہ مانگتا ہوں۔ ❷ چنانچہ عمار رضی اللہ عنہ نے سن ۳۷ ہجری میں صفین میں علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا، اور قتل کر دیے گئے۔

۲۲۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائیں گے:

صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا: میرا یہ بیٹا سردار ہے، اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ ❸ چنانچہ ویسا ہی ہوا جیسا آپ ﷺ نے خبر دی، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے تقریباً تیس (۳۰) سال بعد اللہ تعالیٰ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعہ میدان صفین میں دو بڑی متحارب فوجوں (علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی فوجوں) کے درمیان صلح کرائی۔ یہ واقعہ ماہِ صفر سن ۳۷ ہجری کا ہے۔ اس جنگ میں علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے تقریباً پچیس ہزار اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج کے پینتالیس ہزار آدمی مارے گئے، اور یہ جنگ ایک سو دس دن جاری رہی تھی۔

۲۳۔ اونٹ نبی کریم ﷺ کے قدموں میں:

صحیح احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ جن، انسان اور جانور تک آپ ﷺ کی ذات سے متاثر ہوئے۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک بار ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک اونٹ بندھا ہوا تھا۔ وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر سسکی لینے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ اس کے پاس آئے اور اس کے سر اور گردن پر ہاتھ پھیرا تو وہ چپ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ اونٹ کس کا ہے؟ تو ایک نوجوان انصاری نے کہا: یہ اونٹ میرا ہے اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: کیا تم اس جانور کے سلسلہ میں اللہ سے نہیں ڈرتے

❶ البخاري، المغازي، حديث: (٤٠٣٩).

❷ البخاري، كتاب الصلاة، حديث: (٤٤٧، ٢٨١٢).

❸ البخاري، كتاب الصلح، حديث: (٢٧٠٤)، ابو داود، حديث: (٤٦٦٢)، الترمذي، حديث: (٣٧٧٣) وغيرهم.

جس کا اللہ نے تمہیں مالک بنا دیا ہے۔ یہ شکایت کر رہا ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور خوب کام لیتے ہو۔

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، اور اس کا بعض حصہ اُن کی شرط کے مطابق ہے۔ اسے امام ابو داؤد رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ❶

۲۴۔ دو درختوں کا آپ ﷺ کے لیے جھک جانا:

صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہؓ سے مروی حدیث ہے کہ ہم لوگ ایک بار رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ ایک کشادہ وادی میں پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے ایک طرف بڑھے تو میں پانی کا برتن لے کر آپ ﷺ کے پیچھے چل پڑا، رسول اللہ ﷺ نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تو آپ ﷺ کو پردہ کے لیے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ وادی کے کنارے آپؐ نے دو درخت دیکھے، اُن میں سے ایک کے پاس گئے اور اس کی دو ڈالیوں کو پکڑ کر فرمایا: اللہ کے حکم سے تم میرے لیے جھک جاؤ، چنانچہ وہ لگام ڈالے ہوئے اونٹ کی طرح آپؐ کے لیے جھک گیا۔ پھر دوسرے درخت کے پاس گئے، اور اس کی ایک ڈالی پکڑ کر کہا: تم بھی اللہ کے حکم سے میرے لیے جھک جاؤ، چنانچہ وہ بھی جھک گیا، اور جب دونوں قریب ہو گئے تو آپ ﷺ نے انہیں جمع کر دیا اور فرمایا: اللہ کے حکم سے تم دونوں ایک ساتھ مل جاؤ، تو وہ دونوں مل گئے۔ یہ دیکھ کر میں پیچھے مڑ کر اس ڈر سے دوڑنے لگا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کو احساس نہ ہو جائے کہ میں اُن کے قریب ہوں، تو اور دور جانے لگیں۔ میں ایک جگہ بیٹھ کر کچھ سوچنے لگا تو دیکھتا کیا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ آ رہے ہیں، اور وہ دونوں درخت الگ ہو گئے ہیں، اور اپنے تنے پر کھڑے ہو گئے ہیں۔ ❷

۲۵۔ دعا کے بعد فوراً نزولِ باراں:

صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن مسجد نبوی میں داخل ہوا، اس وقت رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! اموال ہلاک ہو گئے اور تمام اسباب و وسائل منقطع ہو گئے، اللہ سے دعا کر دیجیے کہ بارش ہو۔ آپؐ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے اللہ! ہمارے لیے بارانِ رحمت بھیج دے، اے اللہ! ہمارے لیے بارش بھیج دے، اے اللہ! ہمارے لیے بارش بھیج دے۔ اُس وقت آسمان میں کہیں بادل نظر نہیں آ رہا تھا، آسمان شیشہ کی طرح صاف تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جونہی ہاتھ نیچے کیے، پہاڑوں کی مانند بادل اٹھنے لگا، اور ابھی آپؐ منبر سے اُترے بھی نہیں تھے کہ بارش کا پانی آپ ﷺ کی داڑھی سے ٹپک رہا تھا۔

دوسرے جمعہ کو ایک دوسرا آدمی (یا وہی آدمی) آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! اموال ہلاک ہو گئے، اور اسباب و وسائل منقطع ہو گئے۔ دعا کر دیجیے کہ بارش رُک جائے۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور فرمایا: اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش ہو، ہمارے لیے اسے وبال نہ بنا۔ اے اللہ! ٹیلوں، پھیلے ہوئے پہاڑوں، وادیوں اور درختوں کی جڑوں میں بارش ہو۔ دعا کے بعد فوراً بادل پھٹ گیا اور آسمان صاف ہو گیا، اور وادی ایک ماہ تک بہتی رہی۔ اور جس سمت سے بھی

---

❶ مسند احمد: ۱/ ۴، ۲۰۵، ۲۰۶، مستدرک الحاکم: ۲/ ۹۹، ۱۰۰، امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے اور ذہبی نے تائید کی ہے۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقائق، حدیث: (۳۰۱۲).

کوئی آیا خیر و برکت کی خبر لے کر آیا۔ ❶

۲۶۔ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام سفینہ رضی اللہ عنہ کا قصہ:

امام حاکم نے مستدرک میں رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام سفینہ سے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ ایک کشتی میں سوار ہو کر سمندری سفر پر روانہ ہوئے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ کشتی ٹوٹ گئی، تو میں اس کے ایک تختہ پر بیٹھ گیا، تختہ بہتا ہوا ایک جھاڑی میں پہنچ گیا جس میں ایک شیر تھا جسے دیکھ کر میں خوفزدہ ہوا۔ میں نے کہا: اے ابوالحارث (شیر کی کنیت)! میں رسول اللہ ﷺ کا غلام رہا ہوں، تو اس نے اپنا سر جھکا لیا اور اپنے مونڈھے سے میرے بغل میں ٹھونکا لگایا، اور میری رہنمائی کرتا رہا یہاں تک کہ مجھے راستہ پر لا کر ڈال دیا، اور پھر ایک آواز نکالی جس کا مطلب میں نے یہ سمجھا کہ وہ مجھے الوداع کہہ رہا ہے۔ ❷

۲۷۔ آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اُبلنا:

انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس مقام زوراء (بازار مدینہ کے قریب) میں ایک برتن لایا گیا، آپ نے اُس میں اپنا ہاتھ ڈال دیا، اور آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اُبلنے لگا۔ لوگوں نے وضو کیا۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ میں نے انسؓ سے پوچھا: آپ لوگوں کی تعداد کیا تھی؟ انہوں نے کہا: تین سو یا تین سو کے قریب۔ ❸

۲۸۔ آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی پھوٹ پڑا:

صحیحین میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں ایک دن عصر کے وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، اور ہمارے پاس چلو بھر پانی کے سوا نہ تھا۔ آپ ﷺ کے پاس وہ پانی لایا گیا، آپ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈال دیا، اور انگلیوں کو کشادہ کر دیا پھر فرمایا: وضو کرنے والو آجاؤ، اللہ کی برکت جاری ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی پھوٹ کر نکل رہا تھا، تمام لوگوں نے وضو کیا اور پیا۔ میں اُس میں سے لے لے کر اپنے پیٹ میں اُنڈیلتا رہا، اس لیے کہ وہ بابرکت پانی تھا۔ میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا، اُس دن آپ سب کتنے آدمی تھے؟ انہوں نے کہا: ایک ہزار چار سو۔

ایک دوسری روایت میں ہے: پندرہ سو۔ ❹

۲۹۔ جابر رضی اللہ عنہ کے گھر میں کھانے کی کثرت:

امام بخاری و مسلمؒ نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب خندق کھودی جارہی تھی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا پیٹ آپ کی پیٹھ سے لگا ہوا ہے، میں فوراً اپنی بیوی کے پاس گیا اور پوچھا: کیا تمہارے پاس کھانے کے لیے کچھ ہے؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو شدید بھوک کی حالت میں دیکھا ہے۔ اُس نے ایک تھیلی نکالی جس میں ایک صاع گیہوں تھا، اور ہمارے گھر میں ایک چھوٹی سی بکری تھی، اُسے میں نے ذبح کیا، اور اُس نے آٹا پیسا، اور گوشت کے ٹکڑے کر کے ایک ہانڈی میں

---

❶ البخاري، كتاب الاستسقاء، حديث: (١٠٣٣)، مسلم، كتاب صلاة الاستسقاء، حديث: (٨٩٧).

❷ مستدرك الحاكم: ٦٠٦/٣، امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے مسلم کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے، اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے تائید کی ہے۔

❸ البخاري، المناقب، حديث: (٣٥٧٢)، مسلم، كتاب الفضائل، حديث: (٢٢٧٩).

❹ بخاري، كتاب الأشربة، حديث: (٥٦٣٩)، مسلم، كتاب الإمارة، حديث: (١٨٥٦).

پکنے کے لیے ڈال دیا، پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑ پڑا۔ بیوی نے کہا: رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کے سامنے میری فضیحت نہ کرانا۔

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں آپ ﷺ کے پاس پہنچا اور آپؐ کے کان میں کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے اپنی ایک بکری ذبح کی ہے، اور ہمارے گھر میں ایک صاع جَو تھے جن کا آٹا پیسا ہے۔ آیئے، آپ اور آپ کے چند صحابہ چلیے۔ یہ سنتے ہی رسول اللہ ﷺ نے بلند آواز سے کہا: اے خندق والو! جابر نے کھانا تیار کیا ہے، جلدی چلو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہانڈی کو نہ اتارنا، اور آٹا نہ گوندھنا جب تک میں آ نہ جاؤں۔

میں گھر واپس آیا، اور رسول اللہ ﷺ صحابہ کے آگے آگے آئے۔ بیوی (کثیر تعداد کو دیکھ کر) مجھ کو کوسنے لگی۔ میں نے کہا: میں نے ویسا ہی کیا تھا جیسا تم نے کہا تھا۔ پھر بیوی نے گوندھا ہوا آٹا رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھ دیا۔ آپؐ نے اُس میں لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا کی، آپ پھر ہانڈی کے پاس آئے، اُس میں بھی لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا: ایک روٹی پکانے والی کو بلاؤ جو تمہارے ساتھ روٹی پکائے، اور ہانڈی میں سے گوشت اور شوربا چمچ کی مدد سے نکالتی رہو اور ہانڈی کو چولہے سے نیچے نہ اُتارو۔ لوگوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ سب نے آسودہ ہو کر کھایا، اور گوشت اور روٹی ویسا ہی چھوڑ کر چلے گئے، ہماری ہانڈی اُسی طرح اُبال کھاتی رہی، اور ہمارے آٹے کی روٹی اُسی طرح پکتی رہی۔ ❶

۳۰۔ پانی کی کثرت چودہ سو افراد کے لیے:

امام مسلمؒ نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے، ہم سب کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی، یہاں تک کہ ہم نے اپنی سواریوں میں سے بعض کو ذبح کرنا چاہا۔ اُس وقت رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ہم نے اپنے کھانے کے برتنوں کو جمع کیا اور آپؐ کے سامنے ان میں موجود ٹکڑوں کو پھیلا دیا جو ایک بیٹھی ہوئی بکری کے برابر تھے، اور ہماری تعداد چودہ سو تھی۔ ہم سب نے کھایا یہاں تک کہ سیر ہو گئے، پھر ہم نے اپنی اپنی تھیلیاں بھی بھر لیں۔

آپ ﷺ نے پھر پوچھا: کیا وضو کے لیے پانی ہے؟ یہ سنتے ہی ایک آدمی ایک برتن لے آیا جس میں بہت تھوڑا پانی تھا۔ آپ ﷺ نے اسے ایک بڑے برتن میں انڈیل دیا۔ ہم سب نے خوب فراوانی سے وضو کیا، ہماری تعداد چودہ سو تھی۔ پھر آٹھ آدمی آئے، اور پوچھا: کیا وضو کے لیے پانی ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانی ختم ہو گیا۔ ❷

۳۱۔ پھلوں میں کثرت:

صحیح بخاری میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میرے والد جنگ احد میں کام آگئے، اور اپنے اوپر قرض اور چھ (۶) لڑکیاں چھوڑ گئے۔ جب کھجور کاٹنے کا وقت آیا تو میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: آپ جانتے ہیں کہ میرے والد اُحد کے دن شہید ہو گئے، اور اُن پر بہت سارا قرض ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ قرض والوں سے آپ کی بات ہو جائے۔

---

❶ البخاری، المغازی، حدیث: (۴۱۰۲)، مسلم، الأشربہ، حدیث: (۲۰۳۹/۱۴۱)۔

❷ یہ مسلم کے الفاظ ہیں، کتاب اللقطہ، حدیث: (۱۷۲۹/۱۹)، بخاری، کتاب الشرکۃ، حدیث: (۲۴۸۴)۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ، اور ہر قسم کی کھجور کا الگ الگ ڈھیر لگا دو۔ میں نے ایسا ہی کیا پھر رسول اللہ ﷺ کو بلایا، جب قرضداروں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو اندر ہی اندر بھڑک اٹھے، اور جب آپ ﷺ نے ان کی ناراضی کا اندازہ لگا لیا، تو سب سے بڑے ڈھیر کے گرد تین چکر لگائے، پھر اُس پر بیٹھ گئے، اور مجھ سے کہا: اپنے قرضداروں کو بلاؤ۔ جب سب آ گئے تو ہر ایک کو باری باری وزن کر کے دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والد کا قرض اُتار دیا، اور یہ بات میرے لیے نہایت خوش کن تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے والد کا قرض اتار دے اور میں اپنی بہنوں کے لیے ایک کھجور بھی لے کر نہ جاؤں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے کھجور کے تمام ڈھیروں کو محفوظ رکھا، اور میں اس ڈھیر کو دیکھتا رہا جس پر آپ ﷺ بیٹھے تھے، اس کی ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی تھی۔ ❶

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جابرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی کہ آپ ﷺ اُس یہودی سے سفارش کر دیں۔ آپ ﷺ اُس کے پاس چل کر گئے اور اس سے کہا کہ وہ اپنے قرض کے بدلے جابرؓ کے درخت کی کھجور قبول کر لے۔ لیکن اس نے انکار کر دیا، تو آپ ﷺ کھجور کے باغ میں داخل ہوئے، اس میں چلتے رہے، پھر جابرؓ سے کہا: کھجوریں کاٹ کر اس کا قرض ادا کر دو۔ جابرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے چلے جانے کے بعد یہودی کو تیس وسق کھجور تول کر دی اور اُن کے پاس سترہ (۱۷) وسق کھجور باقی رہ گئی۔

جابرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تاکہ آپ کو واقعۂ حال کی خبر دیں۔ نبی کریم ﷺ اُس وقت عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز کے بعد جابر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو قرض کی ادائیگی اور باقی ماندہ کھجور کی اطلاع دی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابن خطاب کو یہ بات بتا دو۔ جابر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اُن کو ساری بات بتائی۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ جس وقت باغ میں چل رہے تھے اسی وقت میں سمجھ گیا تھا کہ کھجوروں میں برکت ہو جائے گی۔ ❷

۳۲۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے برتن کی کھجوریں بڑھ گئیں:

امام احمد، ترمذی اور دیگر محدثینؒ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کھجور کے برتن سے متعلق حدیث روایت کی ہے جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ میں ایک برتن میں چند کھجوریں لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ان میں برکت کی دعا کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے انہیں سامنے ترتیب سے رکھا اور دعا کی پھر مجھ سے فرمایا: انہیں اپنے برتن میں رکھ لو پھر ان میں ہاتھ ڈال کر نکالو، اور اسے پھیلاؤ نہیں۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: میں نے اس میں سے اتنا اور اتنا وسق اللہ کی راہ میں خرچ کیا، اور اس میں سے کھاتا رہا اور لوگوں کو کھلاتا رہا۔ کھجور کی وہ تھیلی ہمیشہ میری کمر سے بندھی رہتی تھی، جب عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو میری کمر سے ٹوٹ کر گر گئی۔ اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے عمران بن موسیٰ قزاز سے تقریباً اسی طرح روایت کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ حدیث بایں طور حسن غریب ہے۔ ❸

---

❶ البخاري، المغازي، حديث: (٤٠٥٣).

❷ البخاري، كتاب الاستقراض، حديث: (٢٣٩٦).

❸ ترمذي، مناقب ابي هريرة، حديث: (٣٨٣٩)، مسند احمد: ٢/ ٣٥٢.

۴۳۔ پتھروں میں تاثیر:

اس سلسلہ میں کئی احادیث مروی ہیں، انہی میں سے وہ حدیث ہے جسے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب "الصحیح" میں انسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اُحد پہاڑ پر چڑھے، آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ پہاڑ ہلنے لگا، تو آپ ﷺ نے کہا: ٹھہر جاؤ، اور اپنے پاؤں سے اس پر ضرب لگائی، تم پر اس وقت نبی اور صدیق اور دو شہید ہیں۔ ❶

۴۴۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں مکہ میں ایک پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کرتا تھا، مجھے ابھی بھی وہ پتھر یاد ہے۔ ❷

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک بار نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکہ کے ایک علاقہ میں نکلا، تو دیکھا کہ جس درخت یا پہاڑ کے سامنے سے آپ ﷺ گزرتے وہ آپ ﷺ کو کہتا: السلام علیک یا رسول اللہ۔ ❸

مذکورہ بالا معجزات نبوی آپ ﷺ کی زندگی میں ظہور پذیر ہونے والے معجزات میں سے محض چند ہیں جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ اِن معجزات کی برکت سے صحابہ کرام کا ایمان اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں بڑھ جاتا تھا، اور آپ ﷺ کی محبت اُن کے دلوں میں راسخ ہوتی جاتی تھی، اور آپ ﷺ پر اپنی جانیں چھڑکتے اور آپ ﷺ کے آرام وسکون کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر کوشش کرتے تھے۔ صلوات اللہ وسلامه علیه.

میں اس مبارک ومیمون کتاب کے اختتام پر رب العالمین کی تمام ظاہر وباطن نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں، اور بالخصوص اس نعمتِ عظمیٰ کا کہ اُس ذات برحق نے آج سنیچر کی شام ساڑھے پانچ بجے اپنے اس بندۂ ناچیز کو سیرت نبوی سے متعلق اس کتاب کی تکمیل کے لیے توفیق ارزانی عطا فرمائی۔

اے اللہ! میں اس مبارک ساعت میں تیری ذاتِ برحق اور تیرے نبی کریم وحبیب ﷺ سے اپنی محبت کو وسیلہ بناتا ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں، اے سب سے کریم! کہ تو جہنم کی آگ کو حرام کر دے مجھ پر، میرے والدین پر، اور میری شریکِ حیات (اُمّ عبداللہ) اور میری اولاد پر، اور محض اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو جنت الفردوس میں جمع کر دے، اور میری اولاد میں ایسے لوگوں کو پیدا کر جو ہر اُس عملِ صالح میں میری پیروی کریں جس کے ذریعہ میں نے تیری رضا کی تمنا کی، تیری طرف لوگوں کو بلایا اور تیرے دین کی سربلندی اور قرآن وسنت کی طرف انسانوں کو دعوت دینے کی نیت کی، آمین۔

وصلوات الله وسلامه عليه وعلى آله وصحبه، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين

ابوعبداللہ محمد لقمان السلفی

۱۴۲۶/۱۲/۲۱ھ

❶ البخاري، فضائل الصحابة، حديث: (٣٦٧٥، ٣٦٨٦).

❷ مسلم، كتاب الفضائل، حديث: (٢٢٧٧)، والترمذي، بنحوه، كتاب المناقب، حديث: (٣٦٢٤).

❸ الترمذي، كتاب المناقب، حديث: (٣٦٢٦).

مراجع ومصادر

☆ القرآن الکریم تنزیل من رب العالمین ۔

کتب حدیث

☆ سلسلة الأحادیث الصحیحة: امام محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ ۔
☆ سنن ابن ماجہ: محمد بن یزید قزوینی ۔
☆ سنن ابی داؤد: امام سلیمان بن اشعث ۔
☆ سنن النسائی ۔
☆ سنن ترمذی: امام محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی ۔
☆ سنن دارقطنی ۔
☆ سنن دارمی ۔
☆ شرح المواھب: للزرقانی ۔
☆ شرح النووی علی صحیح مسلم ۔
☆ صحیح ابن حبان ۔
☆ صحیح ابن خزیمة ۔
☆ صحیح الجامع الصغیر: امام محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ ۔
☆ صحیح السیرۃ النبویة: امام محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ ۔
☆ صحیح السیرۃ النبویة لإبراھیم العلی ۔
☆ صحیح بخاری ۔
☆ صحیح سنن ابی داؤد: امام محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ ۔
☆ صحیح سنن ترمذی: امام محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ ۔
☆ صحیح مسلم: امام مسلم بن حجاج القشیری ۔
☆ مستدرک حاکم ۔
☆ مسند ابی یعلی الموصلی ۔
☆ مسند احمد بن حنبل ۔
☆ مسند الحمیدی ۔
☆ مسند الطیالسی ۔
☆ مصنف ابن ابی شیبة ۔
☆ مصنف عبد الرزاق ۔
☆ الأدب المفرد: محمد بن اسماعیل البخاری (۲۵۶ھ) ۔
☆ ارواء الغلیل: شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ ۔
☆ السنن الکبریٰ: للبیہقی ۔
☆ المعجم الأوسط للطبرانی ۔
☆ المعجم الصغیر للطبرانی ۔
☆ المعجم الکبیر للطبرانی ۔
☆ مجمع الزوائد و منبع الفوائد: امام ہیثمی رحمہ اللہ ۔
☆ الجامع الصحیح: امام محمد بن اسماعیل البخاری ۔
☆ التاریخ الکبیر: امام محمد بن اسماعیل البخاری ۔
☆ الحیاۃ العربیة فی الشعر الجاھلی للدکتور احمد محمد الوافی ۔
☆ الحیاۃ العسکریة ۔
☆ اتحاف الوریٰ ۔

☆ اسد الغابة فی معرفة الصحابة: امام ابن اثیر .

☆ البداية والنهاية: اسماعیل بن کثیر الدمشقی ، مطبعة السعادة مصر (۱۹۳۲م)

☆ التمهید: لابن عبد البر .

☆ الجامع الصحیح للسیرة النبویة: سعید المرصفی .

☆ الخصائص الکبرٰی ، للنسائی .

☆ الدر المنثور: للسیوطی .

☆ الرحمة المهداة .

☆ الشفاء لقاضی عیاض .

☆ الصاحبی فی فقه اللغة: احمد فارس .

☆ العصر الجاهلی: ڈاکٹر شوقی ضیف .

☆ الرحیق المختوم: مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری .

☆ السیرة الحلبیة .

☆ السیرة النبویة الصحیحة: ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری .

☆ السیرة النبویة للذهبی .

☆ السیرة لابن هشام .

☆ الشمائل النبویة للترمذی .

☆ الصحابة فی مناقب القرابة والصحابة .

☆ الفتح الربانی .

☆ الکامل فی التاریخ لابن الأثیر .

☆ المجتمع المدنی فی عهد النبوة .

☆ المزهر للسیوطی .

☆ المرأة بین هدایة الإسلام وغربة الاعلام للشیخ صلاح الدین مقبول .

☆ المصباح المضئ .

☆ المطالب العالیة: لابن حجر عسقلانی .

☆ المفصل فی تاریخ العرب قبل الإسلام .

☆ الموسوعة المیسرة فی الادیان والمذاهب المعاصر .

☆ الإستیعاب فی معرفة الأصحاب: لابن عبد البر .

☆ الإصابة فی تمیز الصحابة لابن حجر .

☆ الإکتفاء .

☆ ایران ساسانیوں کے عہد میں (اُردو) ترجمہ ڈاکٹر محمد اقبال.

☆ أحکام الجنائز: محمد ناصر الدین البانی .

☆ أخبار مکه: علامه فاکهی .

☆ أخلاق النبی ﷺ: لابی الشیخ .

☆ أصول فی ادیان الهند: ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن الأعظمی

☆ أنساب الأشراف: امام بلاذری .

☆ بدایة السول .

☆ تاریخ ابن ابی حاتم .

☆ تاریخ ابن الکلبی .

☆ تاریخ ابن خلدون .

☆ تاریخ الطبری: ابن جریر الطبری .

☆ تاریخ العرب العام .

☆ تاریخ العرب قبل الإسلام: جواد علی .

☆ تاریخ المسعودی .

☆ تاریخ الإسلام للذهبی .

☆ تاریخ عالم (انگریزی) .

☆ تحفة الأحوذی بشرح الجامع الترمذی: للشیخ عبد الرحمٰن المبارکپوری .

☆ تحفة الأشراف: للمزّی .

☆ تخریج الألبانی علی بدایة السول .

☆ تذکرة الحفاظ: حافظ شمس الدین ذهبی رحمه الله .

☆ تسمیة أزواج النبی صلی الله علیه وسلم: لأبی عبیدة .

☆ تعليق الألباني على فقه السيرة للغزالي .
☆ تفسير ابن ابی حاتم .
☆ تفسير تيسير الرحمٰن لبيان القرآن .
☆ تفسير طبری .
☆ تفسير قرطبی .
☆ تقريب التهذيب: لابن حجر عسقلانی .
☆ تهذيب الأسماء واللغات: امام نووی .
☆ تهذيب التهذيب: لابن حجر عسقلانی .
☆ حلية الأولياء: از امام ابونعيم الأصفهانی .
☆ خلاصة تاريخ ابن كثير .
☆ خلق افعال العباد: امام محمد بن اسماعيل البخاریؒ .
☆ دلائل النبوة: للبيهقی .
☆ دلائل النبوة: لابن تيميہؒ .
☆ دلائل النبوة: لأبی نعيم الأصبهانی .
☆ ر ..ة للعالمين، سيد سليمان سلمان منصور پوری .
☆ زاد المعاد فی هدی خير العباد: امام ابن القيم الجوزيه رحمه الله .
☆ سرايا و غزوات النبی ﷺ: ڈاکٹر سید جميلی .
☆ سفر التثنيه (كتاب استثناء) عربی ترجمه مطبوعه: ١٨٤٤ء .
☆ صفة الصفوة: لابن الجوزی .
☆ طبقات ابن سعد .
☆ عمل اليوم والليلة: امام نسائی رحمه الله .
☆ عيون الأثر لابن سيد الناس .
☆ غزوات الرسول صلى الله عليه وسلم: كمال منتصر .
☆ غزوات النبی صلى الله عليه وسلم لليهود .
☆ فتح الباری: لابن حجر عسقلانی رحمه الله .
☆ فقه السيرة للغزالی .
☆ قصص النبيين: لابن كثير .
☆ كتاب الاموال لأبی عبيد .
☆ كتاب الأموال لابن زنجوية، تحقيق ڈاكٹر شاكر ذيب فياض .
☆ كتاب المعبّر .
☆ كتاب النبوات لابن تيميہؒ .
☆ كتاب أزواج النبی ﷺ: لابن زبالة، تحقيق دكتور اكرم ضياء العمری .
☆ كشف الأستار: امام بزار رحمه الله .
☆ مجموعة الوثائق السياسة .
☆ محاضرات فی تاريخ الأمم الإسلامية .
☆ محاضرات فی تاريخ الإسلام .
☆ محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم: محمد صادق عرجون .
☆ مختصر السيرة .
☆ مختصر سيرت الرسول صلى الله عليه وسلم: علامه عبد الله بن الشيخ محمد بن عبد الوهاب .
☆ مغازی ابن اسحاق .
☆ مغازی الواقدی .
☆ مقدمه ابن خلدون .
☆ مكه فی عصر ماقبل الإسلام .
☆ موارد الظمآن .
☆ نساء حول الرسول صلى الله عليه وسلم .
☆ نيل الأوطار: للشوكانی .
☆ وفاء الوفاء بأحوال المصطفى للسمهودی .
☆ انجيل برنباس (عربی ترجمه) ڈاکٹر عمر ابوالنصر .

ہماری دیگر کتب

۱۔ تنویر الافہام فی حل عربیۃ بلوغ المرام۔ (ترکیب)
۲۔ سلفی خطبات (مولانا ابراہیم سلفی شہیدؒ)
۳۔ سیلنگ اینڈ سیلز مینجمنٹ (اُردو ترجمہ)
۴۔ شوہر کی اصلاح
۵۔ غم کا علاج
۶۔ روشنی اور اندھیرا
۷۔ عقیدہ ایمان اور منہج اسلام
۸۔ اسلام میں اختلاف کے اُصول و آداب
۹۔ تحفہ وقت (وقت کی قدر و قیمت اسلام کی روشنی میں)
۱۰۔ نجات یافتہ کون؟
۱۱۔ توبہ و تقویٰ
۱۲۔ الصادق الامین ﷺ (سیرت نبوی کا ایک مستند شاہکار) ڈاکٹر محمد لقمان السلفی حفظہ اللہ
۱۳۔ صحیح سیرت نبوی ﷺ ...... (از ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی) زیر طبع
۱۴۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ شخصیت اور کارنامے ...... (از ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی)
۱۵۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شخصیت اور کارنامے ...... (از ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی)
۱۶۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شخصیت اور کارنامے ...... (از ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی)
۱۷۔ سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ شخصیت اور کارنامے ...... (از ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی)
۱۸۔ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما شخصیت اور کارنامے ...... (از ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی) زیر طبع
۱۹۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شخصیت اور کارنامے ...... (از ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی) زیر طبع
۲۰۔ علامہ ابن باز یادوں کے سفر میں ...... از رضوان اللہ ریاضی
۲۱۔ دُنیا کا خاتمہ (اُردو ترجمہ ...... از ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمن العریفی) 4 کلر
۲۲۔ شیطانی وسوسے
۲۳۔ صحیح دُعائیں اور اذکار ...... از تعلیقات علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ زیر طبع
۲۴۔ سفارش کرو اجر و ثواب پاؤ
۲۵۔ خیر القرون
۲۶۔ منہاج السنہ
۲۷۔ سیرت سیدنا ابراہیم (بابل سے بطحا تک)
۲۸۔ شرح عقیدہ واسطیہ
۲۹۔ شرعی دَم کے ذریعے علاج
۳۰۔ ایمان کا [illegible]
۳۱۔ اولیاء حق و باطل
۳۲۔ مفسدات القلوب
۳۳۔ اعمال القلوب

المکتبۃ الرحمانیۃ
99-... جے ماڈل ٹاؤن لاہور
نمبر 22670

تاریخی شخصیات میں سب سے نمایاں اکابر انبیاء کرام ہیں مگر گلستانِ نبوت کے گل سرسبد نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ ہیں۔ افسوس کہ انبیائے کرام کی سوانح اور پاکیزہ سیرتوں کی جامع تفصیلات ہمارے پاس موجود نہیں مگر اس کاروانِ رسالت کے آخری حدی خواں حضور نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک لمحہ اور اُسوۂ حسنہ کا ہر ایک پہلو تاریخ میں موجود اور تعامل اُمت میں محفوظ ہے۔ قرآن مجید اس سیرت کا سب سے مستند اور معتبر ماخذ ہے۔ احادیث مبارکہ میں کارنامۂ رسالت کی ہر تفصیل پوری سند کے ساتھ موجود ہے۔ اعدائے دین اور دشمنانِ اسلام بھی اس حقیقت کا ادراک رکھتے اور اعتراف کرتے ہیں کہ زمانۂ قبل نبوت میں بھی آپ ﷺ کی سیرت و اخلاق عمدہ اور پاکیزہ تھے اسی باعث آپ ؐ کو الصادق اور الامین کی صفات سے یاد کیا جاتا تھا۔

سیرۃ النبی ﷺ ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ آج دنیا میں ۶۷۸۰ زبانیں اظہار کا ذریعہ ہیں۔ ان میں سے ہر اہم اور قابل ذکر زبان میں تذکارِ رسالت موجود ہیں۔ سیرت نگاری کی سب سے اولین موجود تصنیف عروہؓ بن زبیرؓ (پ ۲۴ھ) کی ''مغازی رسول اللہ ﷺ'' ہے، جس کے بعد مغازی و سیر، دلائل و شمائل اور مدارج و معارج پر ہزاروں کتب لکھی گئی ہیں۔ اس ذخیرۂ سیرت میں چند کتب ایسی ہیں جو محض عقیدت و محبت میں غلو کی بجائے سیرت نبوی ﷺ کی صداقتوں کی ترجمان ہیں، ایسی ہی عظیم کتابوں میں سے ایک ''الصادق الامین ﷺ'' بھی ہے جسے عالم نبیل اور مصنف شہیر ڈاکٹر محمد لقمان السلفی حفظہ اللہ تعالیٰ نے تحریر کیا ہے۔ سیرت پر مشہور کتاب ''الرحیق المختوم'' کی طرح اس تصنیف کا لوازمہ بھی مستند مراجع اور مصادر سے جمع کیا گیا ہے۔ سیرت نگاری کا یہ وہ منہج ہے جو آپ ﷺ کے ساتھ ایک بندۂ مومن کا صحیح تعلق اور اتباع کا درست سلیقہ پیدا کر سکتا ہے۔ اس عظیم کتاب میں کوئی ایک بات بھی سند اور حوالے کے بغیر درج نہیں کی گئی۔ مزید برآں اس میں اٹھائیس مقامات پر بہت عمدہ نقشے اور آپ ﷺ کے پانچ خطوط کے خط حیری میں عکس بھی فراہم کیے گئے ہیں۔ اس کے مراجع اور مصادر پر نگاہ دوڑائیں تو سابقہ ادیان و مذاہب کی کتب سے آپ ﷺ کی آمد کی بشارات کا ایسا لوازمہ دکھائی دیتا ہے جس نے اس کتابِ سیرت کی معنوی قدر و قیمت کو بڑھا دیا ہے۔ اس کتاب کے فاضل مصنف مدت العمر سے سرزمین حجاز میں مقیم ہیں اور علمی حلقوں میں اپنا ایک خاص مقام اور احترام رکھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کا یہ کارنامہ سیرت قارئین کو سیرتِ نبوی ﷺ کے اس پہلو سے آشنا کرائے گا جو کتاب و سنت کی خالص تعلیمات پر مبنی ہے۔ صحیح اسناد اور بلند پایہ مصادر علمی پر مشتمل اس کتابِ سیرت کا ان شاء اللہ العزیز شایانِ شان استقبال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے مصنف، پبلشر اور قارئین کے لیے حسنات کا موجب بنائے۔ آمین

پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ
ڈائریکٹر نیشنل سیرہ اسٹڈی سنٹر
انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی، اسلام آباد

الفرقان ٹرسٹ خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، گل والا فون: 066-2611270
مکتبۃ الکتاب: حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0321-4210145